سوم

# فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ

## جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

# Maktaba Tul Ishaat

تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

## اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

| | | |
|---|---|---|
| تفاسیر | خطبات | منطق |
| احادیث | سیرت | معانی |
| فقہ | تاریخ | تصوف |
| سوانح حیات | صرف | تقابل ادیان |
| درس نظامی | نحو | تجوید |
| لغت | فلسفہ | نعت |
| فتاوی | حکمت | تراجم |
| اصلاحی | بلاغت | تبلیغ و دعوت |
| آڈیو دروس | مناظرے | تمام فنون |

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

# فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد سوم

ترجمہ

## جواہر البحار فی فضائلِ النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ مولانا احمد دین توگیروی چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

| | |
|---|---|
| نام کتاب | فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم |
| | ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد سوم) |
| مصنف | علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ |
| مترجم | علامہ مولانا احمد دین توگیروی چشتی |
| تاریخ اشاعت | نومبر 2008ء |
| ناشر | ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور |
| کمپیوٹر کوڈ | ST46 |
| قیمت | -/3000 روپے کامل سیٹ |

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز



داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

# فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر پارے

## المتوفی ۵۰۵ھ

جوہر نمبر ۱: احیاء العلوم کی ''کتاب قواعد العقائد'' میں امام موصوف ''اصل عاشر'' کے تحت رقمطراز ہیں۔

اللہ رب العزت نے حضور رسالتمآب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیائے کرام کے آخر میں اس کائنات میں بھیجا۔ آپ کو جہاں یہود ونصاریٰ کو دی جانے والی شریعت کو منسوخ کرنے والا بنا کر ارسال فرمایا وہیں ستاروں کی پوجا کرنے والوں کے مذہب کا بھی ناسخ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالکل واضح اور ظاہر معجزات سے تائید فرمائی، روشن نشانیوں سے آپ کو مضبوط فرمایا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، کنکریوں کا تسبیح کہنا، بے زبانوں کا گفتگو کرنا اور مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹنا انہی معجزات کا حصہ ہیں۔ آپ کے عظیم معجزات میں سے ایک ''قرآن کریم'' بھی ہے جس نے تمام عرب دنیا (بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں) کو چیلنج کیا کہ مجھ جیسا کلام لاؤ۔ لیکن یہ لوگ تمام تر فصاحت وبلاغت کے ہوتے ہوئے چیلنج کا جواب دینے کی بجائے اس طرف متوجہ ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی قید وبند میں ڈال دیں، آپ کا مال واسباب لوٹیں اور آپ کو شہید کر کے اپنا راستہ صاف کریں۔ یا پھر آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں کی قرآن کریم میں خبر دی ہے۔ قرآن کریم جیسا فصیح وبلیغ کلام کہاں سے اور کیسے لاتے؟ کیونکہ قرآن کریم کے انداز بیان اور موتیوں کی طرح پروئے گئے الفاظ کی مثل لانا انسانی طاقت سے کہیں باہر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب اس میں مذکور پہلی امتوں کے واقعات وحالات پر نظر پڑتی ہے تو اس کی مثل لانا اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ جن پر یہ کتاب نازل کی گئی انہوں نے زندگی بھر کسی انسان سے ایک سطر بھی نہ پڑھی تھی۔ کتابوں کے ساتھ لگاؤ قطعاً نہ تھا۔ ایسے ''اُمّی'' کو دی گئی کتاب کی یہ شان بھی ہے کہ اس میں مستقبل میں ہونے والے واقعات وحقائق من وعن اسی طرح رونما ہوئے جیسے اس کتاب نے بیان کئے۔ مستقبل میں رونما ہونے والے ''امور غیب'' میں سے دو بطور استشہاد یہ ہیں۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ

رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ (الفتح:27)

''تم لازماً مسجد حرام میں انشاء اللہ بے خوف ہو کر داخل ہو گے۔تم میں سے بعض نے سر کے بال منڈوائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے چھوٹے کر رکھے ہوں گے''۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ (روم)

''الٓمّٓ۔ روم مغلوب ہو گیا یعنی اسے شکست ہو گئی۔قریب زمین میں۔اور رومی شکست کھانے کے بعد بہت جلد غالب آ کر مخالف کو شکست دیں گے صرف چند سال میں یہ بات ہو جائے گی''۔

ہر رسول سے صادر ہونے والا معجزہ اس کے سچا ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔''معجزہ'' دلیل صداقت یوں بنتا ہے کہ ہر معجزہ ایسا ہوتا ہے جو انسانی قدرت سے باہر ہوتا ہے اس جیسا کام عام انسان کرنے سے عاجز ہے اور جس کے انجام دینے سے انسان عاجز ہو وہ کام لازماً اللہ رب العزت کا ہوتا ہے۔ جب ایسا ہی کوئی کام کسی پیغمبر سے مقابلۃً سرزد ہوتا ہے۔تو اس کا سرزد ہونا دراصل اس بات کے قائم مقام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سچے ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔اس کی مثال کچھ یوں سمجھئے۔کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو۔لوگ بھی کافی تعداد میں موجود ہوں اور وہ بادشاہ کی موجودگی میں اعلان کرے۔لوگو! میں بادشاہ کی طرف سے تمہاری طرف ایلچی بنایا گیا ہوں۔اب وہ شخص بادشاہ سے عرض کرتا ہے۔''بادشاہ سلامت! اگر میں اپنے اعلان میں سچا ہوں۔تو آپ مہربانی فرما کر اپنے تخت پر کھڑے ہو جائیں۔تین مرتبہ ایسا کریں۔اور پھر اپنی عادت کے خلاف تخت پر تشریف فرما ہوں'' بادشاہ نے اس کی بات مان لی۔اور جو اس نے عرض کیا کر دکھایا۔تو بادشاہ کے اس طرح کرنے سے وہاں موجود تمام لوگ لازماً یہی سمجھیں گے کہ بادشاہ نے اس اعلان کرنے والے ایلچی کی بات کی تصدیق کر دی۔

**جوہر نمبر ۲:** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ''صلوٰۃ وسلام'' عرض کرنے کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ (احزاب)

''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔اے مومنو

تم بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو سلام بھیجنا"۔

مروی ہے۔ کہ ایک دن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ کا چہرہ مقدسہ خوشیوں کے پھول بکھیر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بات یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور مجھ سے کہنے لگے۔ اے اللہ کے محبوب! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے۔ اور میں اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجوں؟ اور آپ کا کوئی امتی آپ کو ایک دفعہ سلام عرض کرے اور میں اس پر دس مرتبہ سلام کہوں؟

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔"جس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجی اس پر اسی قدر فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اب صلوٰۃ بھیجنے والے پر ہے کہ وہ تھوڑی تعداد میں بھیجے یا زیادہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ میرے نزدیک سب سے بہتر یا سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ ہوگا۔ جو مجھ پر بکثرت درود شریف بھیجنے والا ہوگا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کے کنجوس ہونے کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ جب اس کے پاس میرا ذکر کیا جائے۔ تو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حامی بیکساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو۔

رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جس نے بھی مجھ پر درود بھیجا۔ اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اور دس برائیاں اس سے مٹا دی جاتی ہیں۔

شفیع امت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اذان اور اقامت سنتا ہے اور اس وقت یہ پڑھتا ہے اس کیلئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ وَ اَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَالشَّفَاعَۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

"اے اللہ! اے اس دعوت کاملہ اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! اپنے رسول اور بندۂ خاص جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیج۔ اور انہیں مقام وسیلہ عطا فرما۔ اور فضیلت، بلند درجہ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ ور فرما"۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔"جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا۔ اس کیلئے فرشتے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔ جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے"۔

نبی الانبیاء ﷺ نے فرمایا: "زمین پر کچھ فرشتے صرف اس کام کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ انہیں کہیں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام بھیجتا ملے پھر وہ اس کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں"۔

اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ اسی وقت میری روح اللہ تعالیٰ میری طرف لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلَی ابْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

مروی ہے۔ کہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد دیکھا۔ کہ آپ رو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا! مسجد نبوی میں ایک کھجور کے پرانے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ نے وعظ شریف سنانے کیلئے منبر بنوالیا۔ اس پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ کی جدائی میں اس کھجور کے درخت نے رونا شروع کر دیا۔ وہ اس قدر دردناک آواز سے رویا کہ آپ نے تسلی کی خاطر اپنا دست اقدس اس پر رکھ دیا۔ ہاتھ رکھتے ہی اسے سکون مل گیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی امت تو اس کھجور کے درخت سے آپ کو کہیں زیادہ عزیز ہے۔ اور جب آپ کی امت کو جدائی نے مغموم کر دیا۔ تو اللہ اس کے سکون کا بھی بندوبست فرمائیے۔ اِس کا اُس سے زیادہ حق ہے"۔

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی فضیلت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقام کہ اس نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۔ جس نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔ (النساء:80)۔

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ صدقے! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں آپ کی فضیلت کا یہ مقام کہ اس نے آپ کو اپنی مغفرت کی خبر پہلے دی۔ اور اس کے بعد آپ کے خلاف اولیٰ کام سرزد

ہونے کا ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اللہ نے آپ سے درگزر کیا۔ آپ نے انہیں کیوں اجازت بخشی"۔ (توبہ:43)

"یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر نثار! آپ کی فضیلت کا اللہ رب العزت کے ہاں یہ عالم کہ اس نے آپ کو تمام انبیاء کرام کے آخر میں مبعوث فرمایا۔ لیکن آپ کا ذکر پاک اولین میں کیا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ الآیۃ۔ اور یاد کرو جب ہم نے تمام انبیاء سے ان کا عہد لیا۔ اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم سے بھی۔" (احزاب:7)

"یارسول اللہ! اللہ رب العزت کے ہاں آپ کی فضیلت اس قدر بلند کہ جہنمی جب گردنوں میں طوق پہنے ہوئے ہوں گے۔ اور عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس قدر سخت مصیبت میں ہوتے ہوئے بھی یہ خواہش کریں گے۔ کہ کاش ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی"۔ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ ہائے افسوس کہ ہم نے بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی بات مانی ہوتی"۔ (احزاب:66)

"یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر جان فدا! اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم کو ایسا پتھر عطا فرمایا تھا جس سے چشمے پھوٹے تھے۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ معجزہ ہے جس میں آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا تھا"۔

"یارسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو ایسی ہوا عطا فرمائی تھی۔ کہ وہ صبح وشام ایک ایک ماہ کی مسافت انہیں طے کرا دیتی تھی۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ براق ہے جس پر آپ سوار ہو کر ساتویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ پھر اسی رات کی صبح کی نماز آپ نے "ابطح" میں ادا فرمائی تھی"۔

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اگر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مردے زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا تھا۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ معجزہ ہے۔ جس میں بکری کا بھنا ہوا گوشت آپ سے عرض گزار ہوا۔ کہ مجھے نہ کھایئے۔ میں زہر آلود ہوں"۔

"یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے یہ دعا فرمائی۔ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اے مالک! روئے زمین پر کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ۔ (نوح)۔ اگر آپ نے بھی ہمارے بارے میں اسی قسم کی دعا کی ہوتی۔ تو ہم سب ہلاک ہو گئے ہوتے۔ حالانکہ آپ کی پشت انور کو روندا گیا، آپ کے چہرہ انور کو لہولہان کیا گیا، آپ کے دندان

مبارک توڑے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے صرف اور صرف بہتری کی ہی دعا فرمائی۔
آپ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے۔ وہ واقعی لاعلم ہیں"۔

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ قربان! حضرت نوح علیہ السلام کی طویل عمری اور عرصہ دراز تک تبلیغ سے گنتی کے چند آدمی مسلمان ہوئے۔ لیکن آپ کی عمر شریف بہت کم اور تبلیغی عرصہ قلیل ہونے کے باوجود بکثرت لوگ مشرف باسلام ہوئے"۔

"یارسول اللہ! اگر آپ صرف اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں ہی بیٹھتے۔ تو ہمارے پاس تشریف فرما نہ ہوتے۔ اور اگر آپ اپنی برادری میں شادی بیاہ کرتے تو ہمارے ساتھ ایسا رشتہ آپ نہ کرتے۔ اور اگر صرف اپنے عزیز و اقارب کے پاس خورد و نوش فرماتے۔ تو ہمارے ساتھ ایسا نہ کرتے۔ لیکن آپ نے خدا کی قسم! ہمارے ساتھ نشست و برخاست فرمائی، شادی بیاہ کئے، اون کا لباس زیب تن فرمایا، گدھے پر سواری کی، اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا، زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے کے بعد تواضع کرتے ہوئے اپنی انگلیاں چاٹیں۔ صلی اللہ علیک وسلم۔

کسی کا قول ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ لکھا کرتا تھا۔ اور اس میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک آتا۔ تو میں صرف آپ کی ذات مقدسہ پر "صلوٰۃ" لکھا کرتا تھا۔ سلام کے الفاظ نہیں لکھتا تھا۔ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تو کتابت میں مجھ پر "صلوٰۃ" مکمل نہیں لکھے گا! اس کے بعد میں جب بھی آپ کا ذکر لکھتا۔ تو "صلوٰۃ وسلام" ضرور لکھتا۔

حضرت ابوالحسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ دوران زیارت عرض کیا۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کی بارگاہ عالیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کیا انعام ملا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی تصنیف "الرسالۃ" میں آپ کی بارگاہ میں ان الفاظ سے ہدیہ صلوٰۃ وسلام لکھا ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔ جب کبھی ذکر کرنے والے اس کا ذکر کرتے ہیں اور غافل اس کے ذکر سے غافل ہیں۔ تب ہی اللہ رب العزت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری طرف سے انہیں یہ انعام دیا گیا ہے کہ کل قیامت کو حساب دہی کیلئے انہیں کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی ان کا حساب لئے بغیر جنت روانہ کر دیا

جائے گا)۔

جوہر نمبر ۳: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''احیاء العلوم'' میں ''الکتاب العاشر'' کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق جلیلہ اور آداب معاشرت کے تحت رقمطراز ہیں۔

''یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم کے ذریعے کتنا عمدہ خلق اور ادب سکھایا''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت گریہ وزاری فرمانے والی شخصیت تھے۔ اور اللہ کریم سے ہر وقت اس بات کا سوال فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! مجھے اچھے آداب اور بہترین اخلاق عطا فرما۔ آپ کی دعا ان کلمات پر مشتمل ہوتی تھی۔ اَللّٰهُمَّ حَسِّنْ خَلْقِيْ وَ خُلُقِيْ۔ اے اللہ! میرا خلق اور میری شخصیت کو خوب سے خوب تر بنا دے۔ آپ ان الفاظ سے بھی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِيْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ۔ اے اللہ! برے اخلاق سے مجھے دور رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا کیونکہ اس نے اپنے کرم سے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ مذکورہ دعاء نبوی کی قبولیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم عطا فرمایا۔ جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ادب'' کی تعلیم دی گئی۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم آپ کا خلق ہے۔

حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوا۔ اور میں نے ان سے حضور ﷺ کے ''اخلاق'' کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ کیسے ہیں؟ فرمانے لگیں۔ کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا۔ پڑھتا ہوں۔ فرمانے لگیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''خلق'' قرآن کریم ہی ہے۔

قرآن کریم نے جو آداب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائے۔ ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف)

''معاف کر دینا اپنی عادت بنا لیجئے اور ہر اچھے کام کا حکم دیا کریں اور جاہلوں سے دور رہیں''۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل:90)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا قریبی رشتہ داروں کو دینے کا، بے حیائی اور برے

کاموں سے روکنے کا اور سرکشی سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے"۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ﴿۱۷﴾ (لقمان)

"آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر کیجئے۔ یہ بات بہت اونچے درجہ کا کام ہے"۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ (رعد)

"انہیں معاف کردیں اور درگزر فرمائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کو دوست رکھتا ہے"۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ (النور)

"انہیں معاف کردینا اور درگزر کرنا چاہئے کیا وہ اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے"۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ (حم السجدہ)

"بہترین انداز سے اپنا دفاع کیجئے۔ پھر تم اور تمہارے دشمن باہم شیر وشکر اور مددگار ہو جائیں گے"۔

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾ (آل عمران)

"غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ (الحجرات:12)

"ظن وگمان پر مبنی باتوں سے زیادہ تر دور رہا کرو۔ بیشک بعض ظن وگمان "گناہ" ہوتے ہیں۔ اور نہ کسی کے خفیہ عیب تلاش کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی چغلی کھاؤ"۔

غزوہ احد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کئے گئے سر انور زخمی کیا گیا۔ جس سے آپ کے چہرہ انور سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ آپ اسے صاف کرتے ہیں اور زبان سے ارشاد فرماتے ہیں۔" وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ حالانکہ پیغمبر ان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے" اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ یہ معاملہ آپ کے ذمہ نہیں۔ (آل عمران:128)۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی ادب آموزی فرمائی۔ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔ جو ادب واخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

قرآن کریم میں جن آیات میں جو جو آداب مذکور ہیں۔ ان کا اولین مخاطب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تادیب وتہذیب کا منبع ومرکز قرار پائیں۔ پھر آپ کی ذات مقدسہ سے اس کی روشنی تمام مخلوقات کیلئے ہادی وراہنما بنے۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آداب واخلاق براہ راست قرآن کریم سے سیکھے۔ اور باقی سب نے آپ سے ان کی بھیک مانگی۔ اسی حقیقت کو خود خلق عظیم کے پیکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں اس لئے بھیجا گیا تاکہ جس قدر بھی اچھے اخلاق ہیں۔ ان کی تکمیل کروں۔ آپ جب نمونہ اخلاق ہوئے۔ تو مخلوق خدا آپ کے اخلاق حسنہ کی طرف راغب ہوئی۔ تاکہ اس سے جس قدر ہو حصہ لیا جائے۔ ہم نے اس بحث کو ''ریاضۃ النفس وتہذیب الاخلاق'' کے تحت تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق مبارکہ کو کامل ومکمل فرما دیا۔ تو خود ہی اس پر آپ کی تعریف فرما دی۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ ۔ یقیناً آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ (القلم)۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ رب کریم کیسی عظمت شان کا مالک ہے اور اس کے احسانات کس قدر مکمل واکمل ہیں۔ اس کے لطف عام اور فضل عظیم کو دیکھو کہ کیسے خود خلق عظیم عطا فرمایا اور پھر خود ہی اس کی تعریف بھی کی۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ذات پاک ہے۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق کریم سے مزین فرمایا۔ اور پھر اس خلق عظیم کی اضافت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دی۔ چنانچہ فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ ۔ پھر حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ''اچھے اخلاق'' کو بہت پسند کرتا ہے۔ اور برے اخلاق سے ناراض ہوتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ اس مسلمان پر تعجب اور افسوس ہے کہ جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان بھائی کسی حاجت کے سلسلہ میں آیا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اس کی حاجت پوری کرنے کا اہل نہیں پاتا۔ پھر اس کے ہوتے ہوئے اگر وہ ثواب کا امیدوار نہ بھی اور سزا سے خوف نہ بھی رکھتا ہو تو بھی اسے چاہئے تھا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا۔ کیونکہ خوش خلقی نجات کے راستہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ نے یہ بات کہی۔ تو آپ سے کسی نے پوچھا۔ کیا آپ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے سنی ہے؟ فرمایا۔ ہاں یہ بھی

اور اس سے بھی زیادہ بہتر بات میں نے سن رکھی ہے۔ وہ یہ ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ''قبیلہ طی'' کے قیدی حاضر کئے گئے تو ان میں سے ایک نوجوان عورت کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سمجھتی اور خیال عرض کرتی ہوں کہ آپ مجھے رہا فرمادیں۔ اور میری گرفتاری کی وجہ سے عرب قبائل میں اپنی ساکھ خراب نہ فرمائیں۔ میں اپنی قوم کے سردار کی دختر ہوں۔ میرے ابا جان غریب لوگوں کے حامی تھے، غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنا ان کا شیوہ تھا، بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلانا ان کی عادت تھی، کھانے کی عام دعوت اور ہر ایک کو سلام دینے کا معمول تھا۔ کبھی کسی ضرورتمند کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا۔ اے لڑکی! تو نے اپنے باپ کے بارے میں جو بیان کیا۔ وہ تو مومن کی صفات ہیں۔ اگر تمہارا والد مسلمان ہوتا تو ہم اس کیلئے ضرور دعائے رحمت کرتے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس لڑکی کو آزاد کردو۔ کیونکہ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو اچھے اخلاق کو دوست رکھتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ اس پر حضرت ابو بردة بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا واقعی اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے۔ جنت میں اگر داخلہ ہوگا تو صرف اچھے اخلاق کی بناء پر ہی ہوگا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی اسلام کو اچھے اخلاق میں چھپا رکھا ہے۔ اور اچھے اعمال کی اس پر چادر تان دی ہے۔ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ میں سے چند یہ ہیں۔ لوگوں سے اچھا سلوک، کرم و سخاوت کی عادت، نرم دل ہونا، اچھائی برتنا، کھانا کھلانا، سلام بکثرت کرنا، بیمار کی عیادت خواہ وہ نیک ہو یا برا، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنا، اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک کرنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، کھانے کی دعوت قبول کرنا، کھاتے وقت کھانے پر اللہ کو یاد کرنا، لوگوں کی غلطیاں معاف کرنا، لوگوں کے درمیان ناچاقی مٹانے کی کوشش کرنا، جود و سخاوت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا، سلام کرنے میں پہل کرنا، غصہ پی جانا، درگزر کرنا، اسلام نے جن اشیاء کو لہو ولعب کہا ان سے اجتناب کرنا، ہر قسم کے حرام ساز اور باجے وغیرہ سے بچنا، ہر ظالم اور عیبی سے دور رہنا، غیبت، جھوٹ، بخل، طمع، لالچ، مکر، دھوکہ اور چغلی کھانے سے اجتناب کرنا، انسانوں کے مابین دشمنی کی حوصلہ افزائی اور قطع رحمی سے بچنا، بد خلقی، تکبر، فخر، حیلہ گری، بے حیائی، حسد، بغض، بدشگونی، بغاوت، زیادتی نہ کرنا اور

کسی پر ظلم نہ کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہر اچھی نصیحت کی طرف ہمیں بلایا۔ اس کے اپنانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور ہر قسم کے دھوکہ، فریب اور عیب سے ہمیں ڈرایا۔ اور اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ اس موضوع پر اگر یہی آیت ہوتی تو بھی کافی تھی۔ اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الایۃ (النحل:16) (پہلے مع ترجمہ مذکور ہو چکی ہے)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اے معاذ! میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، سچی بات کہنے، وعدہ کو نبھانے، امانت کو واپس لوٹانے، خیانت کو چھوڑنے، پڑوسی کی حفاظت کرنے، یتیم پر رحم کرنے، کلام میں نرمی اختیار کرنے، سلام پھیلانے، عمل اچھے کرنے، امیدوں کو مختصر کرنے، ایمان پر پختہ رہنے، قرآن کریم میں خوب سوچ و بچار کر کے سمجھنے، آخرت کی محبت، حساب سے ڈرنے اور اپنے اندر نرمی پیدا کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں یہ بھی تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی صاحب حکمت کو برا بھلا کہنے، سچے کو جھٹلانے، نافرمان کی اطاعت کرنے، عادل امام کی نافرمانی کرنے، زمین میں فساد پھیلانے سے ہر ممکن طریقہ سے بچنا۔ میں تجھے اس امر کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ کہ ہر درخت، پتھر اور مٹی کے ڈھیلہ کے قریب ہوتے ہوئے تمہارے اندر خوف خدا ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی کہ جیسا گناہ ہو ویسی توبہ کرو۔ اگر گناہ لوگوں سے چھپ کر ہوا تو توبہ بھی پوشیدہ اور اگر اعلانیہ ہوا تو توبہ بھی اعلانیہ کرو۔ یہ تھا ایک نمونہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کیسے آداب سکھائے۔ اور بہترین اخلاق کی طرف انہیں دعوت دی۔

## صاحب خلق عظیم ﷺ کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک

فرمایا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں میں سے سب سے زیادہ صاحب حلم، بہادر، عادل اور معاف کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لونڈی، اپنی منکوحہ (بیوی) اور محرم عورت کے علاوہ کسی دوسری عورت کو کبھی بھی اپنے دست اقدس سے چھوا نہیں۔ آپ تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے۔ دینار و درہم کو کبھی آپ کے در دولت میں رات بسر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر ان میں سے دو چار دن بھر خیرات کرنے سے بچ جاتے۔ اور کوئی صاحب حاجت نہ پاتے۔ اور رات آ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک انہیں ان کے محتاجوں میں بانٹ نہ دیتے، اپنے بستر پر آرام کرنے کیلئے اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے سے

صرف اسی قدر اپنے پاس رکھتے جو سال بھر کی ضرورت پوری کرتا ہو۔لیکن اس کیلئے بھی آپ ایسی اشیاء رکھتے جو بآسانی دستیاب ہو جاتیں۔مثلاً کھجوریں، جو وغیرہ۔باقی سب فی سبیل اللہ خرچ فرمادیتے۔ آپ کی عادت کریمہ تھی۔کہ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے تھے۔اسے کچھ نہ کچھ در بار نبوی سے عطا ہو ہی جاتا تھا۔اگر ضرورت مندوں کی خاطر رکھے گئے مال وطعام میں سے کچھ باقی نہ بچتا اور کوئی محتاج بارگاہ اقدس میں سوال کرتا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خرچہ کیلئے رکھے گئے طعام میں سے عطا فرمادیتے۔اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا۔کہ سال ابھی مکمل نہ ہوتا۔کہ آپ کے در دولت میں اپنے لئے رکھا ہوا مال وطعام ختم ہو جاتا۔حالانکہ آپ کے اہل خانہ کو بھی ضرورت ہوتی۔آپ کے ایثار کی یہ ایک ادنیٰ جھلک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست اقدس سے اپنے نعلین کو گانٹھ لیا کرتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیا کرتے تھے اور اپنے گھر کے کام کاج میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ گوشت کاٹنے میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔شرم وحیا میں بے مثل تھے۔کسی کے چہرہ پر نظریں جما کر نہیں دیکھتے تھے۔آزاد ہو یا غلام ہر ایک کی دعوت قبول فرماتے اگر چہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہوتی۔پھر ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ بدلہ میں ضرور عطا فرماتے۔ہدیہ تناول فرمالیتے لیکن صدقہ کا مال کھانے سے اجتناب فرماتے۔کسی لونڈی یا مسکین کے بلاوے سے از روئے تکبر منہ نہ موڑتے۔اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ صرف رب کی خاطر کسی پر غصہ کھاتے۔حق وصداقت کا علم بلند رکھتے خواہ اس کی پاداش میں خود آپ کو یا آپ کے صحابہ کو تکلیف اٹھانا پڑتی۔

آپ سے ایک مرتبہ بعض مشرکین نے بعض کے خلاف مدد طلب کی۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اشد ضرورت تھی۔کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔حتیٰ کہ ایک آدمی کا بھی مشرف باسلام ہو جانا بہت مفید تھا۔لیکن اس کے باوجود آپ نے انکار فرمادیا۔اور فرمایا۔مجھے کسی مشرک کی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحب فضل اور بہترین صحابہ کے درمیان ایک یہودی مرا ہوا دیکھا۔آپ نے ان یہودیوں سے کوئی ناانصافی نہ فرمائی۔اور نہ ہی حق سے بال برابر تجاوز کیا۔بلکہ آپ نے سو اونٹنیاں بطور دیت ادا کر دیں۔حالانکہ اس وقت آپ کے صحابہ کو ایک ایک اونٹ کی اشد ضرورت تھی۔تاکہ اس کے ذریعہ اپنا تحفظ کرتے۔

سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک کی حالت میں اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ لیتے، کھانے

میں جو ملتا تناول فرما لیتے۔ کبھی کھانے کی اشیاء کو واپس نہیں کیا۔ حلال کھانا کھانے سے کبھی منہ نہ موڑا۔ اگر روٹی کے بغیر کھجوریں مل جاتیں۔ تو بھی تناول فرما لیتے اور اگر گندم یا جو کی روٹی ہوتی تو اس کے کھانے سے انکار نہ فرماتے۔ شہد اور سرکہ جو ملتا کھا لیتے۔ اگر روٹی کے بغیر دودھ ملتا تو اسے نوش فرما لیتے۔ اگر خربوزہ یا کھجور ملتی تو بھی کھا لیتے۔ ٹیک لگا کر نہ کھاتے۔ دستر خوان پر کھانا چن کر کھانے کا تکلف نہ فرماتے۔ ہاتھ صاف کرنے کیلئے ہتھیلی سے کام لیتے۔ گندم کی روٹی تین دن متواتر سیر ہو کر تناول نہ فرمائی۔ حتیٰ کہ اسی حالت پر آپ کا وصال ہو گیا۔ لیکن آپ کا ایسا کرنا فقر و بخل کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ ہمیشہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے۔ ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے، جنازوں میں حاضر ہوتے اپنے دشمنوں کے درمیان کسی محافظ کے بغیر تنہا چلے جاتے۔ تواضع میں سب سے زیادہ پرسکون شخصیت کے مالک تھے۔ تکبر کی بو تک نہ تھی۔ کلام بالکل مختصر اور بلاغت سے بھرپور ہوتا۔ خوبصورتی میں بے مثل تھے۔ دنیوی کوئی کام آپ کو خوف زدہ نہ کر سکتا۔ جو ملتا زیب تن فرما لیتے۔ کبھی عام چادر، کبھی یمنی چادر اور کبھی اون کا جبہ زیب تن کیا ہوتا۔ جو مباح لباس پاتے پہن لیتے۔ آپ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں ڈالتے۔ کبھی بائیں ہاتھ کی اسی انگلی میں پہنتے۔ سواری پر اپنے پیچھے غلام وغیرہ کو بٹھا لیتے۔ جو سواری ملتی اسی پر سوار ہو جاتے۔ کبھی گھوڑا، کبھی اونٹ، کبھی شہباء نامی خچر اور کبھی گدھا بطور سواری ہوتا۔ کبھی ننگے پاؤں چلتے کہ نہ چادر تن اقدس پر ہوتی اور نہ ہی پگڑی اور ٹوپی سر پر ہوتی۔ شہر کے اگرچہ دوسرے کنارے پر کوئی بیمار ہوتا تو اس کے ہاں تشریف لے جا کر بیمار پرسی کرتے۔ خوشبو بہت پسند تھی۔ ردی اور تعفن والی بو سے کراہت فرماتے۔ فقیروں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھتے۔ مسکینوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ اہل فضل حضرات کے اخلاق کی عزت کرتے۔ اور شریف لوگوں کے ساتھ نیکی کر کے اظہار الفت فرماتے۔ اپنے ذی رحم حضرات سے تعلق قائم رکھتے۔ لیکن یہ نہ ہوتا کہ ان کو دوسرے صاحب فضل لوگوں پر ہر اعتبار سے ترجیح دیتے۔ کسی پر کبھی جفا نہ کی۔ جو معذرت کرتا اس کا عذر قبول فرما لیتے۔ کبھی کبھار مزاح فرماتے۔ لیکن مزاح میں کبھی حق کا دامن نہ چھوڑتے۔ ہنستے ضرور لیکن قہقہہ نہ لگاتے۔ اگر مباح کھیل دیکھتے تو اس کے دیکھنے سے نہ روکتے۔ اپنی ازواج سے بعض دفعہ دوڑنے میں مقابلہ کرتے۔ اگر آپ پر کوئی آواز ہ کستا تو صبر کرتے۔

آپ کے پاس دودھ کیلئے اونٹنی اور بکریاں ہوتیں۔ ان کے دودھ سے اپنی اور اہل خانہ کی روزی کا انتظام فرماتے۔ آپ کے غلام اور لونڈیاں بھی تھیں۔ لیکن کھانے پینے اور لباس میں ان میں اور اپنے میں کوئی فرق نہ کرتے۔ آپ کا ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر نہ گزرتا۔ خواہ اپنی ضروریات

میں صرف کرتے۔ اپنے صحابہ کے باغات کی طرف تشریف لے جاتے۔ کسی غریب و مسکین کی طرف بوجہ اس کی غربت کے حقارت سے نہ دیکھتے۔ کسی کی مملوکہ چیز کو اپنی ملک میں (بلا وجہ شرعی) لانے کا ارادہ نہ فرماتے۔ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ اس دعوت میں امتیاز نہ برتتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ میں سیرت فاضلہ اور سیاست تامہ کو جمع فرما دیا۔ آپ امی تھے۔ نہ کسی سے پڑھے اور نہ ہی لکھے۔ جہالت کے دور میں تشریف لائے۔ جہلاء کے شہر اور صحراء میں پرورش پائی۔ کوئی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ نہ تھا۔ بچپن میں بکریاں چرائیں۔ دنیا میں تشریف لانے سے قبل ہی والد گرامی کا وصال ہونے کی وجہ سے یتیم ہو گئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا بھی وصال ہو گیا۔ ایسی بظاہر کسمپرسی اور غربت و فقر کی زندگی بسر کرنے والے دریتیم کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر اچھے اخلاق ہو سکتے تھے، سبھی سے مزین فرمایا۔ اور جتنے بھی قابل تعریف کام ہو سکتے ان سے متصف فرمایا اور اولین و آخرین کی خبروں کا عالم بنایا۔ اور ہر وہ بات عطا فرمائی جو اُخروی نجات و کامیابی کی ضامن ہے۔ اور دنیوی طور پر قابل رشک اور خلوص سے بھرپور ہے۔ ضروری اور واجب اعمال کا آپ کو پابند بنا دیا۔ اور فضول باتوں اور کاموں سے آپ کو دور رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا مطیع بنائے۔ اور آپ کے افعال مبارکہ کو اپنے افعال کی بنیاد بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

## آپ ﷺ کے آداب و اخلاق کا ایک گلدستہ

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مومن کو معمولی سے تکلیف دہ الفاظ کہے۔ تو لازماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بدلہ چکایا۔ اس کیلئے دعائے رحمت فرمائی۔ کبھی بھی آپ نے اپنی ازواج یا کسی دوسری عورت پر لعن طعن نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی خادم سے ایسا برتاؤ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے دوران درخواست کی گئی۔ یارسول اللہ! آپ ان کفار پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ میں تو مجسمہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لعنت کرنے والا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب کبھی آپ سے درخواست کی جاتی کہ کسی مسلمان یا کافر، خواہ وہ عام ہو یا خاص، کے لئے بددعا کریں۔ تو آپ اس درخواست کے جواب میں اس کیلئے بددعا کی جگہ دعا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اگر کسی کو مارا بھی تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر۔ اور آپ سے اگر کسی نے کیسا ہی برا سلوک کیوں نہ کیا ہو، اس سے آپ نے کبھی انتقام نہ لیا۔ ہاں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عزت سے کھیلا تو اس سے انتقام لیتے۔ اور آپ کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کے کرنے

کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے وہ کام کرتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں اگر اس کے کرنے سے گناہ ہوتا یا قطع رحمی ہوتی تو آپ اس کے کرنے سے عام لوگوں کی بہ نسبت کوسوں دور رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار عالیہ میں کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی آتے۔ تو آپ بنفس نفیس اس کے ساتھ کام میں شریک ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے اس رب ذوالجلال کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ نے مجھے ایسے گھر کے کام میں جسے آپ پسند نہ کرتے ہوں۔ کبھی یہ نہیں فرمایا۔ تو نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے مجھے کبھی ایسے کام پر ڈانٹ پلائی۔ ہاں اگر کچھ ارشاد فرماتے تو یہی کہ اسے چھوڑ دو۔ ایسا ہونا تقدیر میں لکھا تھا۔ سو ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیٹنے کیلئے کبھی عیب نہ نکالا۔ اگر آپ کے آرام کیلئے کچھ بچھا دیا جاتا تو اس پر ورنہ زمین پر ہی آرام فرما لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف سطر اول میں بیان فرمائے۔ حالانکہ ابھی آپ کی بعثت مبارکہ بہت بعد میں ہونی تھی۔ ارشاد فرمایا جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول اللہ ہیں۔ میرے صاحب اختیار خاص بندے ہیں۔ وہ نہ تو جھگڑالو طبیعت والے اور نہ ہی سخت گیر ہیں۔ بازار میں شور مچانے والے نہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے نہیں۔ بلکہ معاف کرنے والے ہیں۔ درگزر کرنے والے ہیں۔ ان کی ولادت باسعادت مکہ میں ہو گی اور مقام ہجرت مدینہ طیبہ ہو گا۔ ان کا ملک ''شام'' ہو گا۔ آپ اور آپ کے اصحاب تہبند کمر پر باندھیں گے۔ قرآن اور علم رعایت کرنے والے ہیں۔ اور اطراف (دونوں ہاتھ، منہ، پاؤں) کا وضو کرنے والے ہیں۔ اسی کی مانند اللہ تعالیٰ نے آپ کی نعت انجیل میں بھی ذکر کی۔

آپ کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہوتی تو سلام کہنے میں آپ ابتداء فرماتے۔ اور جو شخص آپ کو اپنی کسی ضرورت کی خاطر روکتا۔ تو اس وقت تک نہ جاتے جب تک روکنے والا خود نہ جاتا۔ اس قیام کو صبر سے برداشت فرماتے۔ کسی نے اگر آپ کا ہاتھ (مصافحہ کرتے ہوئے) پکڑا۔ تو اس وقت تک نہ چھوڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔ صحابہ کرام سے بوقت ملاقات مصافحہ کرنے میں ابتداء فرماتے۔ پھر مصافحہ کی حالت انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر ذرا دباتے۔ اور قبضہ مضبوط کر لیتے۔ آپ کھڑے ہوتے یا بیٹھتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ورد زبان ہوتا۔ اگر کوئی شخص آپ سے ملاقات کی خاطر آتا۔ اور آپ اس وقت نماز ادا کرنے میں مصروف ہوتے تو نماز کو مختصر کر کے ادا

فرمائے۔ اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ پوچھتے کیا کسی ضرورت کیلئے آئے ہو؟ اگر ضرورت و حاجت کا اظہار کرتا تو پہلے اسے پورا فرماتے۔ پھر بقیہ نماز ادا فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹھنا اکثر ایسے ہوتا کہ دونوں زانوں کھڑے رکھتے۔ اور دونوں ہاتھ رانوں کے ارد گرد گھیرا بنا لیتے۔ آپ کا بیٹھنا جب صحابہ کرام میں ہوتا۔ تو بیٹھنے میں کوئی امتیازی حالت نہ ہوتی۔ کیونکہ آپ وہاں تشریف فرما ہوا کرتے جہاں مجلس کا اختتام ہوتا۔ صحابہ کرام کے درمیان بیٹھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی پاؤں پسار کر نہ بیٹھتے جس سے قریب کے دو صحابہ کو دشواری پیش آ جاتی۔ ہاں اگر جگہ بہت کشادہ ہوتی اور کسی کی تنگی کا معاملہ نہ ہوتا تو بعض دفعہ پاؤں پسار لیتے۔ آپ کی اکثر بیٹھک قبلہ رو ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پہ جو بھی آتا۔ اس کی خاطر خواہ تواضع کرتے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آنے والے کی آپ سے کوئی رشتہ داری اور رضاعت نہ ہوتی۔ اس کے باوجود اس کی تواضع کی خاطر اپنی چادر بچھا دیتے۔ اسے اس پر بٹھاتے۔ آپ آنے والے کو اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے۔ اگر وہ اس کے لینے سے انکار کرتا۔ تو آپ اس کے لینے پر اصرار فرماتے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لیکر ٹیک لگا لیتا۔ مجلس میں حاضر ہونے والا ہر شخص یہی گمان کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ آپ کا طریقہ تھا کہ حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف متوجہ ہوتے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی مجلس، آپ کا کچھ ارشاد فرمانا، حاضرین کا سننا اور توجہ مکمل یکسوئی کے ساتھ سرانجام ہوتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کی مجلس تواضع، حیاء اور امانت کی تصویر ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کی برکت سے آپ ان کیلئے نرم دل ہیں۔ اور اگر آپ جھگڑالو اور سخت دل ہوتے تو آپ کے آس پاس سے یہ لوگ بھاگ جاتے (آل عمران:159)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو ان کی کنیتوں سے از روئے اکرام بلاتے۔ اس طریقے سے ان کے دل آپ کی طرف مائل ہوتے اور جن کی کنیت نہ ہوتی۔ ان کی کنیت ارشاد فرماتے پھر جو کنیت آپ نے عطا فرمائی ہوتی اسی سے آواز دیتے۔ آپ عورتوں کی بھی کنیت رکھا کرتے خواہ وہ اولاد والی ہوتیں یا اولاد کے بغیر۔ انہیں بھی کنیت سے ہی بلاتے۔ حتیٰ کہ بچوں کی کنیت رکھتے۔ جس سے ان کے دل تسلی پاتے۔ غضب کے اعتبار سے آپ عام انسانوں سے کوسوں دور تھے اور رضا میں آپ سے زیادہ جلد باز کوئی نہ تھا۔ لوگوں پر مہربان ہونے میں آپ کا ثانی نہ تھا۔ اور بہترین انسان ہونے میں

بے مثل تھے۔آپ سے بڑھ کر انسان و انسانیت کو نفع دینے والا اور کوئی نہ ہوا نہ ہوگا۔آپ کی مجلس مبارک میں آوازوں کی بلندی کا نام تک نہ ہوتا۔ اختتام مجلس پر جب آپ کھڑے ہوتے تو یہ الفاظ پڑھتے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ۔پھر فرماتے۔یہ کلمات مجھے جبرئیل علیہ السلام نے بتائے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اور ہنسی کا تذکرہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از روئے گفتگو تمام انسانوں سے زیادہ فصیح اور کلام میں سب سے زیادہ میٹھا کلام فرمانے والے ہیں۔خود فرماتے ہیں۔" میں عرب میں سے فصیح ترین ہوں" جنتی جنت میں جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان بولیں گے۔

آپ کا کلام نہایت موزوں ہوتا۔گفتگو بڑی دھیمی ہوتی۔جب بولتے تو قطعاً فضول اور غلط بات نہ کہتے۔یوں سمجھئے کہ آپ کی باتیں موتیوں کی مالا تھی۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔عام لوگوں کی طرح آپ کا کلام بے ڈھنگا نہ ہوتا۔بلکہ جامع مانع ہوتا۔تم لوگ تو گفتگو کرتے وقت ادھر ادھر کی ہانک لیتے ہو۔علماء فرماتے ہیں۔کہ آپ کی گفتگو نہایت مختصر ہوتی۔یہی پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام نے دیا تھا۔باوجود اختصار کے آپ جو کچھ اظہار خیال فرماتے۔وہ ہر اعتبار سے مکمل ہوتا۔" جوامع الکلم" آپ کے کلام کی صفت ہے۔نہ فضول اور نہ ہی مطلب ادا کرنے سے قاصر،یوں معلوم ہوتا کہ ایک لفظ دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔بات کرتے تو درمیان میں وقفہ کر لیتے جس کی وجہ سے سننے والا اچھی طرح سن لیتا اور اسے ذہن نشین کر لیتا۔

آپ کی آواز بلند تھی۔تمام لوگوں سے سریلی تھی۔عام طور پر خاموش رہتے۔بلا ضرورت کلام نہ فرماتے۔اور نازیبا بات چیت سے اجتناب فرماتے۔خوشی اور غصہ کی حالت میں بھی زبان پر کلمہ حق ہی جاری ہوتا۔جو شخص بھدا کلام کرتا اس سے باحسن طریقہ کنارہ کش ہو جاتے۔اور ناپسندیدہ الفاظ اگر بوجہ مجبوری ادا کرنا پڑتے تو اشارے کنائے سے کہہ دیتے۔آپ جب گفتگو کر کے فارغ ہو جاتے۔تو قریب بیٹھنے والے سے اس وقت اپنی گفتگو شروع کرتے۔آپ کی بارگاہ میں بات چیت میں جھگڑا نہ ہوتا۔بڑی جانفشانی سے وعظ و نصیحت فرماتے۔فرمایا کرتے۔" قرآن کے بعض کو بعض پر مت مارو" (یعنی اس کی قراءۃ میں ایک دوسرے کو غلط نہ کہو) کیونکہ یہ مختلف وجوہ قراءۃ پر نازل کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مقدسہ حضرات صحابہ کرام کے سامنے ہر وقت کھلا رہتا۔تبسم کی حالت ہر وقت ہوتی۔اور کبھی آواز سے بھی ہنس دیتے۔صحابہ کرام کوئی عجیب خبر یا واقعہ عرض کرتے تو

آپ مسکرا دیتے۔ جس سے ان کے دل آپ کو اپنا ہم نوا و خیر خواہ سمجھتے۔ بعض دفعہ تو اتنا ہنستے کہ شروع کی داڑھیں نظر آ جاتیں۔ صحابہ کرام بھی آپ کی اقتداء کرتے ہوئے آپ کی موجودگی میں مسکراتے رہتے۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر سمجھتے۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک اعرابی ایک دن بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پاک کسی امر کی وجہ سے متغیر تھا (یعنی ناراض تھے) حضرات صحابہ کرام اس حالت میں آپ سے گفتگو کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے اعرابی نے آپ سے کوئی بات دریافت کرنا چاہی۔ صحابہ کرام نے اسے اس سے روکا۔ اور کہا۔ اے اعرابی۔ ہم آپ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر دیکھ رہے ہیں۔ اس حالت میں گفتگو نہ کرو۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں۔ کہہ کر دم لونگا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دیکر نبی بنا کر بھیجا۔ میں اس وقت تک آپ سے گفتگو کرتا رہوں گا جب تک آپ مسکراتے نہیں۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! ہمیں یہ خبر ملی ہے۔ کہ دجال جب آئے گا۔ تو اس کے پاس شوربے میں ڈوبی ہوئی روٹی ہوگی۔ لوگ بھوک کی شدت سے مر رہے ہوں گے۔ آپ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان! کہ میں اس کی روٹی کھانے سے بچوں۔ اور اپنی پاکدامنی قائم رکھوں۔ حتی کہ بھوکا رہ کر مر جاؤں۔ یا اس کی روٹی پر ٹوٹ پڑوں۔ اور اس قدر کھاؤں۔ کہ میری پسلیاں باہر نکل آئیں۔ اور جب خوب سیر ہو چکوں۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہونے کا اعلان کر دوں۔ اور اس کو ماننے سے انکار کر دوں؟ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ اعرابی کی یہ بات سن کر حضور ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کی ابتدائی ڈاڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ پھر آپ نے اعرابی کو کہا۔ نہ کھانا۔ تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ایسی چیز سے بے پروا کر دے گا۔ جس سے وہ دوسرے مسلمانوں کو بے پروا کرے گا۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین اوقات کے علاوہ ہر وقت مسکراتے رہتے۔ ایک اس وقت جب قرآن کریم نازل ہو رہا ہوتا۔ دوسرا جبکہ آپ قیامت کا تذکرہ فرماتے اور تیسرا جب وعظ و نصیحت کیلئے خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش اور راضی ہوتے۔ تو آپ کی خوشی اور رضا مندی تمام انسانوں سے زیادہ حسین ہوتی۔ اگر وعظ و نصیحت فرماتے تو خوب کوشش سے فرماتے۔ آپ کا غصہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا اور یہ غصہ ایسا ہوتا۔ کہ کوئی چیز اسے ٹھنڈا نہ کر سکتی۔ آپ کی عادت کریمہ ہر کام میں ایسی ہی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی پریشانی اور تکلیف سے دوچار ہوتے۔ تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھ کر برأت کا اظہار فرماتے۔ اللہ تعالیٰ سے ترقیٔ ہدایت کی دعائیں فرماتے۔ اے اللہ! مجھے حق کو حق کی صورت میں دکھا تاکہ میں اس کی اتباع کروں، قابل نفرت کام کو اس کی اصلی حالت میں دکھا اور اس سے بچنے کی ہمت عطا فرما۔ اس بات سے مجھے پناہ میں رکھ کہ کسی بات کے بارے میں میں شبہ میں رہ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑوں۔ یہ تیری ہدایت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ میری خواہشات کو تو اپنی اطاعت کے تحت کردے۔ اور عافیت میں میری خوشی کی بجائے اپنی خوشنودی عطا فرما۔ ایسی رہنمائی فرما کہ جس سے حق کی طرف سے کسی دوسری طرف توجہ نہ رہے۔ یہ تیرے ہی اذن سے ہوگا۔ بیشک تو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔

## کھانے میں اخلاق وآداب نبوی کا ایک گوشہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ملتا تناول فرمالیتے۔ آپ کو سب سے زیادہ پسند وہ کھانا ہوتا جسے بہت سے لوگ مل کر کھاتے۔ جب دسترخوان چنا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَشْكُوْرَةً تَصِلُ بِهَا نِعْمَةُ الْجَنَّةِ۔ اے اللہ! اس کھانے کو نعمت مشکورہ بنا جس سے جنت کی نعمت ملے۔ کھاتے وقت آپ اکثر التحیات کی طرح بیٹھتے۔ لیکن فرق یہ ہوتا کہ اس حالت میں بیٹھتے وقت آپ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر اور ایک گھٹنے کو دوسرے گھٹنے پر رکھتے۔ اور فرماتے۔ میں اللہ تعالیٰ کا عبد ہوں جیسے عبد کھاتے ہیں ویسے ہی میں بھی کھاتا ہوں اور جیسے وہ بیٹھتے ہیں میں بھی بیٹھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرم گرم کھانا نہ تناول فرماتے۔ اور اس بارے میں فرماتے کہ گرم کھانا میں برکت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ کھانے کو نہیں دی۔ تم کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ اپنے سامنے سے کھاتے اور تین انگلیوں سے کھاتے۔ بعض دفعہ چوتھی انگلی سے بھی مدد لے لیتے۔ لیکن دو انگلیوں سے تناول نہ فرماتے۔ اور فرماتے کہ یہ شیطان کا کھانا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فالودہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور پوچھا اے ابو عبداللہ! یہ کیا ہے؟ حضرت عثمان نے عرض کیا۔ ہم گھی اور شہد کو پتھر کی ہنڈیا میں ڈال کر اسے آگ پر رکھتے ہیں۔ جب اسے جوش آجاتا ہے تو اس میں پسی ہوئی گندم ڈالتے ہیں۔ پھر اس مرکب کو خوب ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پک کر تیار ہو جائے۔ پھر وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کھانا بہت ستھرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چھنے جو کی روٹی کھاتے۔ کبھی کھجوروں کے ساتھ ککڑی کھاتے۔ اور کبھی ککڑی نمک لگا کر استعمال

فرماتے۔ تر پھلوں میں سے ککڑی اور انگور آپ کے پسندیدہ پھل تھے۔ ککڑی کو روٹی اور شکر کے ساتھ بھی کھاتے۔ کھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو استعمال فرماتے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور ان سے نکلی گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں محفوظ کرتے جاتے تھے۔ آپ کا گزر ایک بکری کے قریب سے ہوا تو آپ نے اسے گٹھلیاں دکھائیں۔ وہ آگے بڑھی اور انہیں آپ کے بائیں ہاتھ سے کھانے لگی۔ آپ دائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ جب ختم کر چکے۔ تو بکری بھی لوٹ گئی۔ کبھی کبھار انگور گچھے میں لگے کھاتے جس سے نکلا ہوا رس بعض دفعہ آپ کی داڑھی شریف پر گر جاتا اور یوں لگتا کہ موتی لٹک رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر خوراک پانی اور کھجور ہوتی۔ دودھ اور کھجوریں ملا کر تناول فرماتے۔ اور ان دونوں کو ''الطیبین'' کہتے۔ پسندیدہ طعام، گوشت تھا۔ فرماتے کہ گوشت قوت سماعت بڑھاتا ہے۔ اور یہ (گوشت) دنیا و آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھانے کو عطا فرمائے۔ تو وہ میری دعا قبول فرماتا۔ آپ گوشت اور کدو کے سالن میں روٹی بھگو کر تناول فرماتے۔ آپ کو کدو بہت پسند تھا۔ فرمایا کرتے۔ کہ کدو میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کی بیل ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ میں جب ہنڈیا پکاتی تو ارشاد فرماتے۔ اے عائشہ! اس میں کدو زیادہ ڈال لیا کرو۔ کیونکہ یہ مغموم دل کا غم دور کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکار کئے گئے جانور کا گوشت بھی تناول فرما لیتے۔ خود نہ شکار کے پیچھے بھاگتے اور نہ شکار کرتے۔ بلکہ یہ پسند فرماتے کہ کوئی دوسرا آپ کی خاطر شکار کرے اور آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ اس طریقہ سے لائے گئے شکار کا گوشت آپ کھا لیا کرتے۔ گوشت کھاتے وقت اپنا سر انور گوشت کی طرف نہ جھکاتے۔ بلکہ اسے اٹھا کر منہ کے قریب لا کر دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے۔ روٹی اور گھی بھی کھا لیتے۔ بکری کے گوشت میں سے ''پائے'' سبزی میں سے ''کدو'' سالن میں سے ''سرکہ'' اور کھجوروں میں سے ''عجوہ'' محبوب تھے۔ عجوہ کھجور کیلئے آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ یہ جنت کی چیز ہے۔ زہر اور جادو کیلئے شفا ہے۔ سبزیوں میں آپ کو کاسنی، بینگن اور خرفہ کا ساگ پسند تھا۔ گردے سے کراہت تھی کیونکہ پیشاب کا ان سے تعلق ہوتا ہے۔ بکرے میں سے سات اشیاء نہیں کھایا کرتے تھے۔ ذکر (پیشاب کی نالی) کپورے، مثانہ، پتا، انتڑیاں، خون اور غدود۔ انہیں ناپسند فرماتے۔

لہسن، پیاز اور گندنا (لہسن یا پیاز کے مشابہ بدبودار چیز ہے) نہ کھاتے۔ کبھی کسی کھانے کی مذمت

نہیں کی۔ اگر پسند کا ہوا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ اگر کسی کھانے سے روگردانی فرماتے تو دوسرے کے کھانے پر ناراضگی نہ فرماتے۔ گوہ اور تلی سے دور رہتے۔ لیکن انہیں حرام نہ کہتے۔ اپنی انگلیوں سے پیالی کو صاف کرتے۔ اور فرماتے۔ کہ کھانے کے آخری حصہ میں برکت بکثرت ہوتی ہے۔ کھانے سے فراغت پر اپنی انگلیوں کو اس قدر چاٹتے کہ سرخ ہو جاتیں۔ ایک ایک انگلی چاٹتے، چاٹنے سے قبل رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف نہ فرماتے۔ ارشاد فرمایا۔ کیا خبر کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو۔ جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ فَاَشْبَعْتَ وَ سَقَيْتَ فَاَرْوَيْتَ لَکَ الْحَمْدُ غَيْرَ مَکْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں۔ اے اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے۔ تو نے مجھے کھلایا کہ میں سیر ہو گیا۔ تو نے مجھے پلایا کہ میری پیاس بجھ گئی۔ تیرے لئے ہی تعریف، ناشکری نہیں، نہ ہی تعریف و شکر کو الوداع کہا اور نہ ہی اس سے بے پرواہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص کر جب گوشت روٹی تناول فرماتے تو اختتام پر اچھی طرح ہاتھ دھوتے پھر گیلے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیتے۔ پانی تین سانس لے کر پیتے۔ ہر مرتبہ بسم اللہ پڑھتے۔ اور آخری مرتبہ فراغت پر ''الحمدُلِلّٰہ'' تین مرتبہ کہتے۔ پانی چوس کر پیتے۔ غٹا غٹ نہ چڑھاتے۔ پی کر بچ جانے والا پانی اس کو عطا فرماتے۔ جو آپ کی دائیں جانب ہوتا۔ اگر حاضرین میں بلند مرتبہ شخص بائیں جانب ہوتا۔ تو دائیں جانب والے سے شروع فرماتے۔ طریقہ یہی ہے کہ تجھے دیا گیا۔ اب اگر تو چاہے تو اپنے اوپر ان کو ترجیح دے سکتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سانس سے پی لیا کرتے تھے۔ پانی میں سانس نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ منہ ہٹا کر سانس لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کو دودھ اور شہد ملا کر برتن میں ڈال کر پیش کیا گیا۔ تو آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ دو مختلف پینے کی اشیاء ایک بنا دی گئی۔ اور دو قسم کے سالن ایک برتن میں ڈال دیئے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اسے پینا حرام نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھے فخر بالکل پسند نہیں۔ اور کل قیامت میں دنیوی فضولیات کا حساب دینا اچھا نہیں جانتا۔ مجھے تو تواضع محبوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تواضع کی اللہ اسے بلندی عطا کر دیتا ہے۔ آپ جب گھر میں ہوتے تو کھانا وغیرہ مانگنے سے حتیٰ الوسع اجتناب فرماتے۔ اہل خانہ کو کھانے کی خواہش تک نہ بتاتے۔ اگر وہ کھانا دے دیتے تو کھا لیتے اور جو دیتے قبول فرما لیتے۔ جو پلاتے پی لیتے۔ بعض دفعہ خود بنفس نفیس اٹھ کر کھانے پینے کی اشیاء لیکر کھا پی لیتے۔

## لباس کے متعلق آداب و اخلاق نبوی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہننے کیلئے جو موجود ہوتا وہی زیب تن فرما لیتے۔ چادر، قمیص، تہبند اور جبہ وغیرہ جو ملتا وہی پہن لیتے۔ سبز کپڑوں پر بڑا تعجب فرماتے۔ آپ کا اکثر لباس سفید ہوتا۔ فرماتے۔ سفید لباس اپنے زندہ ساتھیوں کو پہنایا کرو۔ اور فوت شدہ حضرات کو کفن سفید رنگ کا دیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استر والی قباء جنگ اور غیر جنگ دونوں حالتوں میں زیب تن فرماتے۔ آپ کی ایک قباء سندس کی تھی۔ جب اسے زیب تن فرماتے تو اس کی سبز رنگت آپ کی سفید رنگت پر بڑی خوبصورت دکھائی دیتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر ہوتے۔ تہبند ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک ہوتا۔ آپ کی قمیص کمر کی جگہ سے پٹی لگی ہوتی تھی۔ بعض دفعہ نماز وغیرہ میں پٹی کھول لیتے۔ اوپر اوڑھنے والی بڑی چادر زعفران میں رنگی ہوئی تھی۔ بعض دفعہ اسی اکیلی چادر میں لوگوں کو نماز پڑھا دیتے۔ اور کبھی اکیلے کمبل کو ہی زیب تن فرماتے۔ اس پر اور کوئی کپڑا نہ ہوتا۔ آپ کا کمبل تہ دار ہوتا۔ جب پہنتے تو فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور غلاموں کا سا لباس پہنتا ہوں۔ جمعہ کیلئے دو کپڑے مخصوص تھے۔ جو صرف جمعہ کو استعمال فرماتے۔ بعض دفعہ صرف تہبند باندھا ہوتا۔ جس پر کوئی اور کپڑا تن اقدس پر نہ ہوتا۔ تہبند کے دونوں کنارے اپنے کندھوں کے ساتھ باندھ لیتے۔ بعض دفعہ اس کو پہن کر نماز جنازہ پڑھاتے۔ گھر میں بھی بعض دفعہ صرف تہبند میں نماز ادا کرنے لگتے۔ لیکن اس طرح کہ اس کو اپنے ارد گرد لپیٹ لیتے۔ اسی تہبند کو پہن کر ازواج مطہرات کے پاس جاتے۔ بعض دفعہ ایسے بھی ہوتا۔ کہ رات کو جب اسی تہبند میں نماز ادا کرنے لگتے۔ تو اس کا ایک حصہ اپنی کسی اہلیہ پر ڈال دیتے۔ اور بقیہ میں نماز ادا فرماتے۔ آپ کے پاس ایک سیاہ رنگ کا کمبل تھا۔ کسی کو ہبہ فرما دیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔ حضور! آپ نے وہ سیاہ کمبل کہاں کیا۔ ارشاد فرمایا۔ کسی کو پہنا دیا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ آپ کی سفید رنگت پر اس سیاہ رنگ کے کمبل کے اوڑھنے سے جو خوبصورتی آتی۔ ایسی میں نے کبھی نہ دیکھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارہا دیکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی اور آپ کا شملہ مبارک دونوں کناروں سے گانٹھا ہوا ہوتا تھا۔ آپ انگوٹھی بھی پہنتے۔ بعض دفعہ در دولت سے باہر تشریف لاتے تو آپ کی انگوٹھی میں ایک دھاگہ بندھا ہوتا جو آپ کو کسی کام کی یاد دلاتا۔ انگوٹھی سے آپ رقعہ جات پر مہر بھی ثبت فرماتے۔ اور فرماتے۔ رقعہ پر مہر لگا دینا، تہمت سے بہتر ہے۔ دستار مبارک کے نیچے ٹوپی ہوتی کبھی صرف ٹوپی ہی پہنتے۔ بعض دفعہ سر انور سے ٹوپی اتار کر سترہ کی طرح سامنے رکھ کر نماز ادا فرماتے۔ کبھی پگڑی نہ ہوتی تو سر انور پر کوئی اور کپڑا

لپیٹ لیتے جو پیشانی پر بھی ہوتا۔آپ کی ایک پگڑی "السحاب" نامی تھی۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کو ہبہ کر دی۔ پھر جب حضرت علی وہ پہن کر باہر آتے تو حضور ﷺ فرماتے۔تمہارے پاس بادل میں علی آیا ہے۔(سحاب کا معنی بادل ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کپڑا پہنتے تو دائیں طرف سے پہننا شروع کرتے۔اور پڑھتے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ۔ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے مجھے پہننے کولباس دیا۔ایسا لباس جس سے میں اپنا ستر قائم رکھتا ہوں اور لوگوں میں خوبصورتی کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب کپڑا اتارتے تو پہلے بائیں طرف سے اتارتے۔ جب آپ نیا کپڑا زیب تن فرماتے۔تو پرانا استعمال شدہ کپڑا کسی مسکین کو عطا فرما دیتے۔ پھر فرماتے۔ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کپڑا پہناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے زندگی اور بعد از موت بہترین پوشاک عطا فرماتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال ڈالی ہوئی تھی۔اس کی لمبائی تقریباً تین فٹ اور چوڑائی تقریباً سوا دو فٹ تھی۔ آپ کا ایک چوغہ تھا۔ جہاں تشریف لے جاتے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخت پر آرام فرماتے۔تخت کے علاوہ جسم اقدس کے نیچے اور کچھ نہ ہوتا۔

آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی۔ کہ جانوروں، ہتھیاروں اور سامان کے نام رکھ دیتے۔آپ کے جھنڈے کا نام "عقاب" تھا تلوار کا نام جس کو جنگوں میں ساتھ رکھتے "ذوالفقار" ایک اور تلوار کا نام "مخذم" تھا۔اسی طرح ایک اور تلوار "رسوب" تھی۔ "قضیب" نامی تلوار بھی تھی۔تلوار کا قبضہ چاندی سے مزین کیا گیا تھا۔آپ کا ایک کمر بند تھا۔ جو چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔آپ کی کمان کا نام "الکتوم" تھا۔ترکش کا نام "کافور" تھا۔آپ کی اونٹنی کا نام "قصویٰ" تھا۔اسی کو "عضباء" بھی کہا جاتا تھا آپ کے خچر کا نام "دلدل" دراز گوش کا نام "یعفور" بکری کا نام جس کا دودھ نوش فرماتے۔ "عینہ" تھا۔آپ کا ایک لوٹا پکی ہوئی مٹی کا تھا اس سے وضو بھی کرتے اور پانی بھی پیتے۔لوگ اپنے بچوں کو جو سمجھدار ہو چکے ہوتے آپ کے پاس بھیجتے۔ وہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو واپس جانے کا نام نہ لیتے۔ پھر جب انہیں آپ کے لوٹے میں سے کچھ پانی ملتا۔اسے پیتے۔اپنے چہروں اور جسم پر ملتے۔اور اس سے برکت حاصل کرتے۔

### بدلہ لینے کی طاقت ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام ﷺ کا معاف کر دینا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر بردبار تھے۔ اور قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دینے میں سب سے زیادہ بڑھ کر تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس سونے چاندی کے ہار لائے گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کے درمیان انہیں تقسیم فرمایا۔ دور دراز دیہات کا رہنے والا ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔ آپ نے اسے کہا۔ تجھ پر افسوس! میرے بعد تجھ سے کون زیادہ عدل کریگا۔ پھر جب وہ واپس جانے کیلئے باہر نکل پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فوراً اسے میرے پاس واپس بلا لاؤ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کے کپڑے میں رکھی گئی چاندی کی مٹھیاں بھر کر لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے اسے کہا۔ افسوس! اگر میں عدل نہیں کر رہا تو اور کون کرے گا؟ اگر واقعی میں عدل نہیں کر رہا تو میں سراسر خسارے اور نقصان میں ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ یہ منافق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ۔ اس کے قتل کرنے پر لوگ باتیں کریں گے۔ کہ میں نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ میں شریک تھے۔ مسلمانوں سے ناتجربہ کاری دیکھنے میں آئی۔ ایک شخص آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرانور پر کھڑا ہو گیا۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ کہنے لگا۔ مجھ سے آپ کو کون بچائے گا! آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ۔ اس آدمی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر پوچھا۔ اب مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ وہ کہنے لگا۔ آپ بہتر فیصلہ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہو۔ کہنے لگا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اتنا ضرور وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ آپ سے نہیں لڑوں گا۔ اور یہ بھی کہ آپ کے ساتھ بھی نہیں رہوں گا۔ اور نہ ہی ایسی قوم کا ساتھ دوں گا۔ جو آپ سے لڑنے والی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنے دوستوں میں آیا تو کہنے لگا۔ میں ایک بہترین شخصیت کے پاس سے چھوٹ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بکری کا زہر آلود گوشت لیکر آئی۔ تاکہ آپ اسے کھائیں۔ پھر اسے آپ کے سامنے جب پیش

کیا گیا۔ تو آپ نے اس سے اس بارے میں دریافت کیا۔ کہنے لگی۔ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ زہر آلود گوشت کھلا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کی قدرت نہیں دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کیا ہم اس کا سر نہ اڑا دیں؟ فرمایا۔ کوئی ضرورت نہیں۔

ایک یہودی مرد نے آپ پر جادو کیا۔ اس کی خبر آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے دی۔ حتیٰ کہ اس جادو کی اشیاء کو نکالا گیا۔ اور اس پر لگی گانٹھیں کھولی گئیں۔ اس سے آپ ناراض تو ہوئے۔ لیکن اس یہودی سے اس کا ذکر نہ کیا۔ اور آئندہ تا عمر اس کو نہیں جتایا۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو "خاخ" نامی باغ کی طرف بھیجا۔ فرمایا۔ جب تم اس باغ میں پہنچو گے۔ وہاں تمہیں ایک بڑھیا ملے گی۔ جس کے پاس ایک رقعہ ہے۔ وہ رقعہ اس سے لے آؤ۔ ہم تینوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ ہم "خاخ" نامی باغ میں آ گئے۔ بڑھیا سے کہا۔ تمہارے پاس رقعہ ہے وہ نکال کر ہمیں دیدو۔ کہنے لگی۔ میرے پاس تو کوئی رقعہ نہیں۔ ہم نے کہا۔ تو خود بخود رقعہ دیدے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے۔ اس نے اپنے سر کے بالوں میں سے رقعہ نکال کر ہمیں دیا۔ ہم لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب اسے کھولا گیا۔ تو لکھا تھا۔ کہ یہ رقعہ "حاطب بن ابی بلتعہ" کی طرف سے مکہ کے لوگوں کی طرف ہے۔ اس میں جناب حاطب نے مکہ کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگرام کے بارے میں اطلاع پہنچانا چاہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ اے حاطب! یہ کیا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیے۔ بات یہ ہے۔ کہ میں اپنی قوم میں ایک مقبول آدمی تھا۔ میرے ساتھ جو مہاجرین یہاں مدینہ منورہ میں آئے ان کے مکہ شریف میں رشتہ دار ہیں۔ جن کی وہ حمایت کرتے ہیں۔ میں نے یہ بات پسند کی۔ کہ کسی طرح ان رشتہ داروں کی حفاظت ہو سکے۔ اور میرے رشتہ دار محفوظ رہیں۔ میں نے یہ رقعہ اس لئے نہیں بھیجا تھا۔ کہ میں نے اسلام چھوڑ دیا ہے، نہ ہی میں نے کفر سے راضی ہو کر لکھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا نہیں کر سکتا۔ اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہونا یہ بھی گوارا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا۔ اِس نے تم سے سچ کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ حضور! مجھے چھوڑ دیں، اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خصوصی رحمت نازل فرمائی۔ اس نے کہا ہے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مال تقسیم فرمایا۔ ایک شخص بولا۔ یہ ایسی تقسیم ہوئی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ (مطلب یہ کہ خدا اس سے خوش نہیں ہوا) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہی گئی۔ تو آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی۔ یہ کہہ کر آپ نے صبر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے۔ صحابہ! دیکھو تم میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کی میرے سامنے ایسی بات نہ کہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی خبر پہنچائے جس سے میرے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف جب باہر نکلوں۔ تو میرا سینہ بالکل صحیح و سالم ہو۔

## حضور علیہ ﷺ کا ناپسندیدہ امور سے چشم پوشی فرمانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت رقت بھرا چہرہ رکھتے تھے۔ ظاہر و باطن میں لطافت ہی لطافت تھی۔ آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر آپ کے غصہ ہونے یا خوش ہونے کا پتہ چل جاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی معاملہ سے بہت متاثر ہوتے تو آپ اپنی داڑھی مبارک پر بکثرت ہاتھ پھیرتے۔ جس بات کو ناپسند فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کسی کے سامنے نہ آنے دیتے۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ جس نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ناپسند تو فرمایا لیکن اسے جب تک بیٹھا رہا کچھ نہ کہا۔ حتیٰ کہ جب وہ باہر نکل گیا۔ تو آپ نے ایک شخص کو کہا۔ کاش کہ تم اسے کہہ دیتے کہ پیلا رنگ نہ پہنا کرے۔

ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ آپ اس وقت مسجد میں ہی موجود تھے۔ صحابہ کرام نے اسے برا بھلا کہنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو پیشاب ادھورا چھوڑنے پر مجبور نہ کرو۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو ارشاد فرمایا۔ دیکھو یہ مسجدیں ہیں۔ ان میں بول و براز کرنا اچھی بات نہیں۔ اور نہ ہی گندگی ڈالنے کی یہ جگہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ لوگوں کو اپنے قریب لانے کی کوشش کیا کرو۔ نفرت نہ دلایا کرو۔

ایک دن کوئی اعرابی آپ کی بارگاہ میں کوئی سوال لیکر آیا۔ آپ نے اسے عطا فرما دیا۔ پھر آپ نے اسے کہا۔ میں نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ کوئی نہیں کیا۔ آپ نے یہ کوئی اچھا کام بھی نہیں کیا۔ اعرابی کی اس بات پر مسلمانوں کو غصہ آ گیا۔ اسے مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رک جاؤ۔ پھر آپ وہاں سے اٹھے اور در دولت پر تشریف لے آئے۔ گھر سے کچھ اشیاء اس اعرابی کی طرف ارسال فرمائیں۔ جو پہلے سے زیادہ تھیں۔ پھر اس سے کہا۔ میں نے تجھ

پر احسان کیا ہے؟ اب اس نے کہا۔ ہاں آپ نے احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء عطا فرمائے۔ اور اہل وعیال کو خیریت سے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا۔ تو نے جو سمجھا وہ کہا۔ لیکن تیری گفتگو سے صحابہ کرام کے دل میں کچھ غصہ ہے۔ اگر تو پسند کرے۔ تو ان کے سامنے وہی الفاظ دہرا دے جو تو نے میرے سامنے ابھی کہے ہیں۔ تا کہ ان کے سینے تیرے بارے میں صاف ہو جائیں۔ کہنے لگا۔ ٹھیک ہے۔ جب دوسرے دن کی صبح یا پچھلا پہر ہوا۔ تو وہ دوبارہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس اعرابی نے کل پہلی مرتبہ جو کہا تھا وہ آپ لوگوں نے سن لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے پہلے سے زیادہ اشیاء اندر سے بھیجیں۔ خیال تھا کہ اب وہ لیکر راضی ہو جائے گا۔ کیا ایسا ہی ہوا؟ اعرابی نے کہا۔ جی حضور! اللہ تعالیٰ آپ کو مع اہل وعیال اپنی خیریت میں رکھے۔ جَزَاکَ اللّٰہُ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری اور اس اعرابی کی مثال اس آدمی کی سی ہے۔ جس کی ایک اونٹنی تھی۔ جو بھاگ گئی۔ لوگ اسے پکڑنے کیلئے دوڑے۔ لیکن اسے ان کے دوڑنے کی وجہ سے نفرت اور غصہ زیادہ ہو گیا۔ اونٹنی کے مالک نے لوگوں کو آواز دی۔ کہ میری اونٹنی کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جانوں اور اونٹنی جانے۔ میں اس کے بارے میں بہت نرم ہوں۔ اور اس کو خوب جانتا ہوں۔ یہ کہہ کر اونٹنی کا مالک اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا۔ زمین پر سے گھاس پھوس اس کیلئے ہاتھ میں لی۔ اسے پکڑ کر آہستہ آہستہ ڈال کر اونٹنی کو کھلا کر واپس لے آیا۔ اور اسے بٹھا دیا۔ پھر اس کے اوپر ہودج رکھ دیا۔ اور خود بھی بیٹھ گیا۔ اگر میں اس وقت تمہیں منع نہ کرتا۔ اور جو تم کرنا چاہتے تھے کر پاتے۔ جب اس اعرابی نے کچھ کہا تھا۔ تو تم اسے قتل کر دیتے۔ وہ جہنم میں جاتا۔

## حضور ﷺ کی جود وسخاوت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے۔ رمضان شریف میں تو آپ کی سخاوت چلتی ہوا کی طرح ہو جاتی۔ کوئی چیز بچا کر نہ رکھتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت بیان کرتے تو کہتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینے والے ہاتھ کے اعتبار سے لاثانی انسان تھے۔ سینہ کی وسعت (کھلا دل ہونا) سب سے زیادہ تھی۔ لہجہ میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ ذمہ داری نبھانے میں سب سے زیادہ ذمہ دار تھے۔ سنگت میں نہایت نرم دل اور برتاؤ میں انتہائی کریم تھے۔ جو آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا۔ اور جو آپ کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا۔ وہ گرویدہ ہو جاتا آپ کی تعریف کرنے والا یہی کہتا کہ میں نے نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد آپ کی کوئی مثل دیکھی۔

اسلام کے نام پر یا اسلام قبول کرنے کیلئے اگر کسی نے کچھ مانگا۔ تو آپ نے ہرگز اس کا انکار نہ فرمایا۔ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ سوال کیا۔ آپ نے اسے اتنی بکریاں عطا فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ ان سے بھر گئی۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس واپس آیا۔ اور قوم سے کہنے لگا۔ اسلام لے آؤ۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر عظیم عطا کرتے ہیں۔ کہ پھر بھوک اور فاقہ کا خطرہ نہیں رہتا۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ کہ سائل کو آپ نے "نہ" کیا ہو۔ ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں نوے ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے وہ ایک تخت پر رکھے۔ پھر کھڑے ہو کر انہیں تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ جو بھی آتا اسے عطا فرماتے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ اسی طرح سب درہم بانٹ دیئے۔ ایک مرتبہ ایک سوالی نے مانگا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کیلئے کچھ نہ تھا۔ فرمایا۔ میرے پاس اس وقت تمہیں دینے کو کچھ نہیں لیکن یوں کرو کہ میرے نام پر کسی سے قرض کے طور پر لے جاؤ۔ جب ہمارے پاس کہیں سے رقم آ گئی۔ تو ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کے دینے کا مکلف نہیں کیا۔ جس کے دینے کی آپ کو قدرت نہیں (آپ اس سائل کو جواب دے دیں اللہ ناراض نہ ہوگا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! خرچ کریں۔ عرش کے مالک سے اس بات کا خوف نہ رکھیں۔ کہ وہ کمی کر دے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے۔ خوشی کے اثرات آپ کے رخ انور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ جب آپ غزوۂ حنین سے واپس پلٹے۔ تو بدو لوگ آپ کے پاس حاضر ہو کر مانگنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت تک آنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی چادر مبارک اچک لی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میری چادر واپس کر دو۔ اگر میرے پاس اس کانٹے دار درخت (کے پتوں) کے برابر نعمتیں ہوتیں۔ تو میں وہ سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے پھر بخیل نہ پاتے، نہ جھوٹ کہنے والا اور نہ ہی ڈرپوک پاتے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت

تمام انسانوں سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہادر تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، غزوۂ بدر میں ہم نے دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ لینے پر ہم مجبور ہو گئے تھے۔ حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ اس دن آپ کی ہمت دیدنی تھی۔ لڑنے میں آپ کا ثانی نہ تھا۔ نیز فرمایا۔ میری حالت یہ ہوا کرتی تھی کہ جب

لڑائی میں میدان خون سے لت پت ہو جاتا۔ اور دونوں طرف کی فوجیں گتھم گتھا ہو جاتیں۔ تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے اپنا بچاؤ طلب کرتے تھے۔ ایسے حالات میں دشمن کے نزدیک صرف آپ ہی کھڑے ہوتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختصر اور کم گفتگو والے تھے۔ جب آپ لوگوں کو لڑنے کا حکم دیتے۔ تو مکمل تیاری فرماتے۔ اور لڑنے میں کسی کو فوقیت نہ لینے دیتے۔ میدان جنگ میں بہادر اسی کو سمجھا جاتا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب دشمن کے سامنے کھڑا ہوتا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب بھی کسی فوجی ٹولے کا سامنا ہوتا۔ تو سب سے پہلے وار کرنے والے آپ ہی ہوتے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں۔ آپ کی پکڑ بڑی سخت تھی۔ جب مشرکین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ تو آپ اپنے خچر سے اترے۔ اور یہ رجزیہ الفاظ پڑھنے شروع کر دیئے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ — اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ میں نبی ہوں، کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اس دن آپ جیسا بہادر اور مضبوط کوئی بھی دیکھنے میں نہ آیا۔

## حبیب خدا ﷺ کی تواضع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بلند مرتبہ کے مطابق تمام انسانوں سے زیادہ انکساری فرمانے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "شہباء" نامی اونٹنی پر جمرہ کو کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ نہ اونٹنی کو مارتے نہ ادھر ادھر ہانکتے اور نہ ہی کسی کو ادھر ادھر ہٹاتے۔ گدھے پر سواری فرماتے تو چمڑے کا پالان اس کی پشت پر ڈال لیتے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ کسی دوسرے کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے۔

بیماروں کی تیمارداری کرتے، جنازوں کے ساتھ چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، جوتیوں کو خود گانٹھ لیتے، کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے، گھر میں اہل خانہ کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ حضرات صحابہ کرام کو جب معلوم ہوا کہ آپ اپنی آمد پر کھڑے ہو کر استقبال کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔ تو انہوں نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ بچوں کے قریب سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص لایا گیا۔ تو اس نے آپ کی ہیبت کی وجہ سے کانپنا شروع کر دیا۔ اس پر آپ نے اسے فرمایا۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں۔ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو عام خوراک کھاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو یوں دکھائی دیتے کہ ان میں سے ہی کوئی ایک ہیں۔ اگر کوئی مسافر اور انجان آ جاتا تو پہچان نہ سکتا۔ کہ ان میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں۔ حتیٰ کہ اس کو پوچھنا پڑتا۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ حضور! آپ اس طرح بیٹھا کریں۔ کہ پردیسی اور انجان کو پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ لہٰذا صحابہ کرام نے آپ کیلئے گوندھی ہوئی مٹی کا ایک چبوترہ بنایا۔ جس پر آپ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر مجھے قربان کرے! کھانا ٹیک لگا کر تناول فرمایئے۔ کیونکہ اس طرح سے کھانا آپ کیلئے زیادہ آرام دہ ہے۔ فرمایا۔ میں اپنا سر جھکا لیتا ہوں۔ پھر اس قدر جھکایا کہ آپ کی پیشانی مبارک زمین کے بالکل قریب ہو گئی۔ پھر فرمایا۔ بلکہ میں تو اس طرح کھاؤں گا جس طرح غلام کھاتے ہیں۔ اور اس طرح بیٹھوں گا جس طرح غلام بیٹھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان پر کھانے سجا کر تناول نہ فرماتے اور جب تک حیات رہے پیالی میں ڈال کر تناول نہ فرمایا۔ صحابہ کرام میں سے یا کوئی اور آپ کو دعوت دیتا تو آپ اس کے قبول کرنے سے انکار نہ فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عوام میں تشریف فرما ہوتے تو اگر موجود لوگ آخرت کے موضوع پر گفتگو کرتے تو آپ بھی ان کے ساتھ موافقت کرتے، اور اگر کھانے پینے کی باتیں ہوتیں۔ تو آپ بھی ان سے اس موضوع پر گفتگو فرماتے۔ اگر کوئی دنیوی مسئلہ زیر بحث ہوتا تو بھی ان کی دل جوئی اور تواضع کی خاطر ان کا ساتھ دیتے۔ حاضرین آپ کی موجودگی میں بعض دفعہ اشعار پڑھتے۔ اور جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ کرتے اور اس پر خوب ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرا دیتے۔ صرف حرام پر ڈانٹ پلاتے۔

## نور مجسم ﷺ کی شکل پاک اور خلقت مبارکہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی یہ صفت تھی کہ آپ نہ تو بہت لمبے قد والے اور نہ ہی ٹھگنے تھے۔ بلکہ درمیانہ قد تھا جب اکیلے چلتے تو عام آدمی کے برابر قد شریف ہوتا۔ جب اور لوگ بھی ساتھ ہوتے تو ان میں اگر کوئی کتنا ہی قد آور ہوتا تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں وہ پست دکھائی دیتا۔ بعض دفعہ دائیں بائیں دراز قد دو آدمی ہوتے آپ ان کے درمیان ان سے اونچے دکھائی دیتے۔ جب وہ الگ ہو جاتے۔ تو لوگ انہیں دراز قد کہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میانہ قد والا کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ درمیانہ قد میں ہر قسم کی خیر و برکت رکھی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت مبارکہ پھولوں کی مانند تھی نہ تو بالکل سانولی اور نہ ہی انتہائی

سفید۔ ایسی رنگت جس کی مشابہت نہ زرد رنگ، نہ سرخ رنگ، نہ کوئی اور رنگ کرسکتا ہو۔ یعنی بے مثل رنگت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت آپ کے چچا ابو طالب نے یوں بیان کی ہے۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ    ثِمَالُ الْیَتَامیٰ عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

''حضور ﷺ ایسی عمدہ سفید رنگت والے کہ بادل بھی آپ کے چہرہ مقدسہ سے پانی کے سوالی ہیں۔ یتیموں کے فریادرس اور مسکین ورنڈوے کی پناہ ہیں''۔

آپ کی خوبصورتی بیان کرنے والے بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی رنگت سفید لیکن سرخی کی طرف مائل تھی۔ علماء نے اس بارے میں کہا ہے۔ کہ آپ کی سرخی مائل سفید رنگت ان اعضاء کی تھی جن پر دھوپ پڑتی۔ اور براہ راست ان سے ہوا ٹکراتی۔ جیسا کہ چہرہ مقدسہ، گردن مبارک وغیرہ اور جو سرخی مائل نہ تھی وہ جسم مقدس کے اس حصہ کی تھی جس پر کپڑے پہنے ہوئے ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر نظر آنے والے پسینہ کے قطرات موتیوں کی مانند تھے۔ جن کی خوشبو مشک وعنبر کو مات کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور کے بال مبارک نہ زیادہ گھنگھریالے اور نہ ہی بالکل سیدھے بلکہ دونوں کے درمیان نہایت حسین تھے۔ جب کنگھی استعمال فرماتے۔ تو یوں دکھائی دیتے۔ کہ ریت کے اندر کسی نے راستہ بنایا ہو۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سر انور کے بال مبارک آپ کے کندھوں کو چھوتے تھے۔ اکثر روایات کے مطابق آپ کے بال شریف کانوں کی لو تک تھے۔ بعض دفعہ ان کی چار مینڈھیاں کر کے یوں لٹکاتے کہ دو مینڈھیوں کے درمیان میں سے کان مبارک دکھائی دیتا۔ بعض دفعہ آپ اپنے بالوں کو کانوں پر ڈال لیتے۔ جن سے کانوں کے نزدیک گردن کا حصہ یوں چمکتا دکھائی دیتا۔ کہ موتی چمک رہا ہے۔ آپ کے سر انور اور داڑھی شریف میں صرف سترہ بال سفید تھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ آپ کے چہرہ انور کی مثل کسی کا چہرہ نہیں اور اس کی نورانیت بے مثل تھی۔ اس کی صفت وتعریف اگر کسی نے کی بھی تو یہی کہا کہ چودھویں رات کا چاند خوبصورتی میں کچھ آپ سے ملتا جلتا ہے۔ غصہ اور خوشی آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر معلوم کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ چہرہ انور اس قدر صاف اور ستھرا تھا کہ یہ کیفیات اس میں صاف جھلکتی نظر آجاتی تھیں۔ صحابہ کرام آپ کے اوصاف میں اسطرح کے اقوال کہا کرتے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق یار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درج ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔

اَمِیْنٌ مُصْطَفٰی لِلْخَیْرِ یَدْعُوْ    کَضَوْءِ الْبَدْرِ زَایَلَہُ الظَّلَامُ

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین ہیں، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ ہر اچھائی کی دعوت

دیتے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند کی چاندنی کی مانند حسین وجمیل ہیں جس سے اندھیرے چھٹ گئے"۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک چوڑی تھی۔ اور ابروئے پاک لمبی، باریک اور کشادہ تھیں۔ دونوں ابروؤں کے درمیان خالی جگہ تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان خالص چاندی کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں بڑی بڑی، خوبصورت اور سیاہ تھیں۔ آنکھ میں سرخ رنگ کے ڈورے تھے۔ لمبی، باریک اور گھنی پلکیں تھیں۔ گھنی ہونے کی وجہ سے باہم ملی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ناک بالکل سیدھی تھی۔ دانتوں کے درمیان خلا تھا۔ جب ہنسی فرماتے تو یوں لگتا کہ بجلی کوندی ہے۔ جس کی چمک دکھائی دی ہے۔ لب مبارک خوبصورت ترین تھے۔ اور دونوں لبوں کا آخری حصہ جہاں لب ختم ہو جاتے ہیں۔ باریک تھا۔ دونوں جبڑے بہت نرم تھے۔ چہرہ سے نہ زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے بلکہ بالکل موافق ومناسب تھے۔ داڑھی شریف گھنی تھی۔ (قبضہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ مونچھوں کے بال کاٹا کرتے تھے۔ آپ کی گردن ایک خوبصورت ترین انسان کی گردن تھی۔ جو نہ لمبی اور نہ چھوٹی تھی۔ گردن کا جو حصہ کپڑے سے باہر رہتا۔ جس پر دھوپ یا ہوا چلتی۔ وہ یوں لگتا کہ چاندی کی صراحی ہے جو سونے کی معمولی سی رنگت لئے ہوئے ہے۔ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی کا اجتماع تھا۔ اس اجتماعی رنگ میں چمکتی تھی۔ سینۂ پاک چوڑا تھا۔ جسم پاک کا گوشت ایک دوسرے پر چڑھا ہوا نہ تھا۔ شیشے کی طرح صاف اور چاندی کی طرح سفید تھا۔ ناف مبارک سے گلے کے زیریں حصہ تک بالوں کی سیدھی لکیر تھی۔ اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر بال نہ تھے۔ شکم اطہر پر تین سلوٹ تھے۔ ایک تہبند میں چھپ جاتا تھا۔ اور دو باہر رہتے تھے۔ کندھے موٹے موٹے تھے۔ دونوں کندھوں کی بالائی ہڈی، دونوں کہنیاں اور سرین کی ہڈی سب موٹی تھیں۔ پشت انور چوڑی تھی۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ دائیں کندھے کے زیادہ قریب تھی۔ اس میں سیاہ رنگ کا سرخی مائل بڑا تل تھا۔ جس کے اردگرد مکمل بال تھے۔ بازو اور کلائیاں موٹی موٹی تھیں۔ گٹ لمبے تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی اور گہری تھیں۔ انگلیاں یوں کہ چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ ریشم سے زیادہ ہاتھ نرم تھے۔ گویا عطار کا ہاتھ ہے جس میں خوشبو رچی بسی تھی۔ خواہ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔ کسی سے مصافحہ فرماتے تو سارا دن اس کے ہاتھ سے خوشبو نہ جاتی۔ جس بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے وہ دوسرے بچوں سے خوشبو آنے کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا۔ دونوں رانوں اور پنڈلی کے درمیان میں سلوٹ تھی۔ جسم اقدس درمیانہ تھا یعنی نہ بہت موٹا اور نہ ہی سوکھا ہوا۔ آخری عمر میں کچھ موٹاپا آ گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جسم اقدس

کا گوشت ڈھلکا ہوا نہ تھا۔ بلکہ ابتدائی عمر کی طرح گندھا ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال (چلنے کی کیفیت) اس طرح تھی۔ کہ کسی چٹان سے یا اونچی جگہ سے نیچے اتر رہے ہیں۔ قدم چھوٹے چھوٹے اٹھاتے۔ تھوڑا سا آگے کی طرف جھکاؤ رہتا۔ قطعاً تکبر نہ تھا۔ نہ ہی اکڑ اکڑ کر چلتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں آدم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ کہ اتنی کسی دوسرے آدمی کو نہیں۔ اور میرے باپ جناب ابراہیم علیہ السلام اخلاق اور خلقت میں مجھ سے تمام انسانوں کی بہ نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے دس نام ہیں۔ میں محمد، احمد اور ماحی ہوں۔ کیونکہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو محو (مٹا) کیا۔ میں "عاقب" ہوں۔ کیونکہ میرے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔ میں "حَاشِرْ" ہوں۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ میرے قدم پر قبروں سے اٹھائے گا۔ میں رسول الرحمۃ، رسول التوبہ اور رسول الملاحم ہوں۔ میں "اَلْمُقَفِّی" ہوں سب سے بعد آنے والا ہوں۔ میں "قُثَمْ" ہوں۔ ابوالبختری نے کہا۔ کہ قثم کا معنی "اَلْجَامِعُ، اَلْمَانِعُ" ہے۔ واللہ علم

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند معجزات جو آپ کی صداقت کی دلیل ہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال شریفہ کا مشاہدہ کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ روایات بغور سنتا ہے جو آپ کے اخلاق عالیہ، افعال شریفہ، حالات مقدسہ، عادات وخصائل طیبہ، مختلف لوگوں سے سیاسی برتاؤ، ان کی تنظیم وضبط کیلئے دی گئی ہدایات، ہر قسم کے انسانوں سے پیار ومحبت کی باتیں، ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دینا۔ علاوہ ازیں انتہائی پیچیدہ اور مشکل سوالات کے تعجب خیز جوابات عنایت فرمانا، مخلوق کی مصلحت کے متعلق نئی تدابیر، شریعت مطہرہ کے احکام ظاہری کی تشریح وتفسیر میں بہترین اشارات کہ جن کے ابتدائی دقائق جلیل القدر فقہاء اور عظیم المرتبت عقلاء کی رسائی سے باہر تھے باوجود یہ کہ انہوں نے ایک طویل عرصہ تعلیم وتعلم میں صرف کیا ہوتا، ان تمام باتوں کو بنظر عمیق دیکھنے والا بلاشک وشبہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ تمام باتیں انسانی حیلہ جات اور بشری طاقت سے حاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف اور صرف یہی تصور آتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ آسمانی تائید اور قوت الٰہیہ کی مدد سے ہوا۔ اور یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ ایسی تمام باتیں کسی جھوٹے اور مکار سے متصور نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و عادات اس بات کے قطعی شاہد اور گواہ ہیں۔ کہ آپ بالکل سچے ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی خالص عرب آپ کو جب دیکھتا تو دیکھتے ہی پکار اٹھتا۔ وَاللّٰہِ مَا هٰذَا بِوَجْهُ كَذَّابٍ۔ خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں

ہوسکتا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محض عادات کریمہ دیکھ کر آپ کے سچا ہونے کی گواہی دے دیتا۔ تو وہ شخص جس کو آپ کے اخلاق عالیہ اور ہر میدان وموقع کے حالات عظمیٰ کا مشاہدہ ہو وہ کیسے نہ آپ کے سچا ہونے کی گواہی دے گا۔

ہم نے چند اخلاق کریمہ اسلئے ذکر کئے۔ تا کہ ان کی روشنی میں آپ کے اخلاق حسنہ کی معرفت حاصل ہو۔ اور تا کہ ان کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، منصب عالیہ اور عظمت مقام و مرتبہ معلوم ہوسکے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسی جلیل القدر شخصیت ہیں۔ جس نے آپ کو یہ سب کمالات ومراتب عطا فرمائے۔ حالانکہ اگر آپ کی زندگی مبارک کو دیکھا جائے۔ تو آپ ایک ایسے بندۂ خدا نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے کسی آدمی سے کوئی تعلیم نہ لی۔ علم ومطالعہ کتب کا کوئی تجربہ بلکہ تعلق نہ تھا۔ طلب علم میں کبھی کسی جگہ نہ گئے ساری زندگی پہاڑوں اور ان کی وادیوں میں عربوں کے درمیان گزار دی۔ پیدا ہوتے ہی یتیم تھے۔ ضعیف تھے اور مالی حالت بھی کمزور تھی۔ ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے کہاں سے آپ کو اخلاق حسنہ، آداب عالیہ اور دین وشریعت کے مصالح کی سمجھ بوجھ آ گئی؟ پھر یہ کہ اس معاشرہ میں صرف آپ کو ہی یہ خوبیاں ملیں۔ کسی دوسرے کے نصیب میں کیوں نہ ہوئیں؟ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے فرشتوں اور کتب وغیرہ کی معرفت پہلی بات سے بھی کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو خواص نبوت میں سے ہے۔ یہ کہاں سے صرف آپ کو ہی حاصل ہوئی! اگر صریح وحی کے ذریعہ یہ سب کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تو اس کے حصول کیلئے کیسے مستقل طور پر محض انسانی طاقت سبب بن سکتی ہے؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اور کچھ نہ ہوتا صرف یہی ظاہری امور ہوتے تو بھی آپ کی صداقت کیلئے یہ کافی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سے ایسی نشانیاں، معجزات اور امور غریبہ دیکھنے میں آئے۔ جن میں شک وشبہ کا قطعاً دخل نہیں ہوسکتا۔ ہم ان تمام میں سے چند ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں۔ جن کے بارے میں احادیث واخبار بکثرت ہیں۔ کتب صحیحہ میں وہ موجود ہیں۔ ہم صرف ان معجزات کو بطور اختصار پیش کریں گے۔ تفصیل کتب میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بارہا آپ کی ذات مقدسہ سے خرق عادت امور ظاہر فرمائے۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے۔ جب قریش نے آپ سے آپ کی نبوت کی نشانی اور دلیل طلب کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آدمیوں کی بہت بڑی جماعت کو بطور اعجاز کھانا کھلایا۔ ایسا ہی معجزہ حضرت ابوطلحہ کے گھر اور غزوۂ خندق کے دن بھی وقوع پذیر ہوا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے چار مد (ایک پیمانہ ہے جس میں تھوڑا سا غلہ آتا ہے) اور بکری کے ایک بچے کے سالن سے اسی لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ ایک اور مرتبہ آپ نے جو کی روٹی کے ایک ٹکڑے سے جو حضرت انس نے اپنے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ اسی آدمیوں کی بھوک مٹا دی۔ ایک مرتبہ ایک کھجور سے جو "ساقتہ بنت بشر" ہاتھ میں لئے جارہی تھی۔ اس سے پوری فوج کو سیر کر دیا۔ سب کے پیٹ بھر جانے کے بعد پھر بھی وہ بچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے۔ جس سے لشکر اسلام نے اپنی پیاس بجھائی۔ ایک پیالہ کے پانی سے جو بہت چھوٹا تھا اتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بھی اس میں پوری طرح داخل نہ ہوسکا۔ ان حضرات نے خوب سیر ہو کر پیا اور وضوء بھی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک کے ایک چشمہ میں جو خشک ہو گیا تھا اپنا وضو کا پانی ڈالا۔ تو اس میں پانی جاری ہو گیا۔ ایک اور مرتبہ حدیبیہ کے کنوئیں میں بھی ایسا ہی کیا۔ جس سے پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا۔ تبوک کے چشمہ سے تمام فوج نے پانی سیر ہو کر پیا۔ جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا۔ کہ چار سو سواروں کو صرف ایک کھجور سے پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ انہوں نے سب کو اس کھجور سے کھلایا۔ سیر ہو جانے کے باوجود کھجور کا کچھ حصہ باقی بچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کی بھری مٹھی دشمن فوج کی طرف پھینکی تو ان سب کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اس پر قرآن کی آیت اتری۔ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:17) جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہ پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ کاہنوں کی دوکانداری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ٹھپ ہوگئی۔ حالانکہ اس کا بڑا زور شور تھا، کھجور کے خشک درخت نے رو کر فریاد کی۔ جس سے آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ اب آپ کیلئے منبر شریف بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون یا درخت کے رونے کی آواز مسجد میں موجود تمام صحابہ کرام نے سنی۔ جو اونٹ کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سینہ سے لگایا۔ تو اسے سکون مل گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا۔ تم موت کی تمنا کرو۔ ساتھ ہی آپ نے انہیں یہ بھی بتا دیا۔ کہ تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔ پھر ایسے ہی ہوا کہ ان کی تمنا اور زبان سے بولنے کی طاقت کے درمیان اچانک کوئی رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ جس سے وہ گفتگو کرنے کی طاقت سے بھی محروم ہو گئے۔ اور وقتی طور پر عاجز ہو گئے۔ یہ بات قرآن کریم میں سورۃ الجمعہ میں مذکور ہے۔ جسے امت مسلمہ مشرق و مغرب میں ہر جامع مسجد میں جمعہ کے دن بعد پڑھتے ہیں۔ اور وہ بھی بلند آواز سے تاکہ اس واقعہ کی

عظمت کی یاد تازہ ہو جو اس کا شان نزول تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی غیب کی خبریں دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا۔ کہ تمہاری قسمت میں بلویٰ لکھا ہے۔ جس کے بعد تم شہید ہو کر جنت میں جاؤ گے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ تمہیں ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا۔ کہ تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا جو اس وقت فی سبیل اللہ جنگ میں مصروف تھا۔ کہ یہ دوزخی ہے۔ پھر ایسے ہی ہوا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔ یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ان واقعات کی معرفت اور صحیح نشاندہی کسی اور ذریعہ سے ناممکن ہے۔ خواہ وہ علم نجوم ہو یا کشف یا رمل وزائچہ کی مدد لی جائے۔ کوئی بھی صحیح معرفت نہیں دے گا۔ اس لئے یہی ماننا پڑے گا کہ ایسے غیبی واقعات اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم ہوئے۔ اور اس کی طرف سے وحی کے ذریعہ ان کا علم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی طرف رواں تھے۔ تو سراقہ بن مالک نے آپ کا پیچھا کیا۔ قریب پہنچا۔ تو گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں گڑ گئیں۔ پیچھے سے دھواں آتا دکھائی دیا۔ مجبوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ گھوڑے کی ٹانگوں کو زمین نے چھوڑ دیا۔ پھر آپ نے سراقہ کو خوشخبری دی۔ کہ تمہاری کلائی پر کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اسود عنسی کذاب" کے قتل کی خبر دی۔ قاتل بھی بتا دیا۔ حالانکہ وہ اس وقت "صنعاء یمن" میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سو قریشی نوجوانوں کے درمیان میں سے بخیر و عافیت نکل گئے۔ جو آپ کے باہر نکلنے کی تاک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی لیکن انہیں آپ بالکل دکھائی نہ دیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اونٹ فریادی ہوا۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ وہ نہایت تواضع کر رہا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کو فرمایا۔ تم میں سے ایک دوزخی ہے۔ اس کی داڑھیں احد پہاڑ جیسی ہوں گی۔ یہ تمام صحابہ ایمان واستقامت پر فوت ہوئے۔ صرف ایک ان میں سے ایسا نکلا جو مرتد ہو گیا جسے ارتداد کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ ایک اور گروہ کو آپ نے فرمایا۔ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا۔ وہ آگ میں گر کر مرے گا۔ تو ایسا ہی ہوا۔ کہ ان میں سے آخری آدمی کی موت آگ لگنے سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درختوں کو بلایا۔ دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ اکٹھے مل کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دوبارہ حکم دیا۔ تو وہ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالانکہ میانہ قد تھے لیکن جب لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے آپ لمبے نظر آتے۔ آپ نے یہودیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور انہیں بتا دیا کہ اگر واقعی مباہلہ پر تم اترے۔ تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ آپ کی یہ بات سن کر کسی کو مباہلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ کی صداقت سے باخبر تھے۔ عرب کے دو مشہور گھڑ سوار عامر بن طفیل اور اربد بن قیس آپ کے قتل کا عزم لئے آگے بڑھے۔ تو ان دونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان قدرت سے ایک پردہ قائم ہو گیا۔ آپ نے ان دونوں کیلئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو "غدہ" میں اور اربد کو آسمانی بجلی کی کوند نے ہلاک کر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابی بن خلف کے بارے میں فرمایا کہ یہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں اسے زخم آیا جس کی وجہ سے یہ مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر آلود کھانا دیا گیا۔ جن حضرات نے آپ کے ساتھ وہ کھانا کھایا۔ ان کا تو زہر کے اثر سے فوری انتقال ہو گیا۔ لیکن آپ اس کے بعد چار سال تک تشریف فرما رہے۔ بکری کے زہر آلود پائے نے آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے غزوۂ بدر میں بڑے بڑے کفار کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی فرمائی۔ کسی ایک کا بھی لاشہ نشاندہی والی جگہ سے ادھر ادھر نہ گرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش خبری دی۔ کہ میری امت کے کچھ گروہ سمندری لڑائی لڑیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تمام زمین سکیڑ دی گئی۔ پھر آپ نے اس کے تمام مشرقی اور مغربی علاقہ جات دیکھے اور ارشاد فرمایا۔ کہ جہاں تک میرے لئے زمین سکیڑی گئی وہاں تک میری امت کی حکومت ہو گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مشرق اقصیٰ سے انتہائے مغرب تک مسلمانوں کی حکومت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے انتقال کریں گی۔ پھر یونہی ہوا۔ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو بتایا۔ کہ میرے انتقال کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس کا انتقال ہوگا۔ جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا سب سے پہلے انتقال ہوا۔ کیونکہ صدقہ وخیرات کرنے میں ان کا ہاتھ دیگر ازواج مطہرات سے زیادہ لمبا تھا۔ (یعنی زیادہ سخیہ تھیں) آپ نے ایک خشک تھنوں والی بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ تو اسی وقت وہ دودھ سے بھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا یہی واقعہ سبب بنا۔ یہی معجزہ آپ سے ایک اور موقعہ پر ظاہر ہوا۔ یہ ام معبد خزاعیہ کا خیمہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا۔ آپ نے اسے اپنے دست اقدس سے اپنی جگہ رکھا۔ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور تیز نگاہ والی بن گئی۔ حضرت علی المرتضی کی دکھتی آنکھ میں لعاب دہن لگایا اسی وقت ٹھیک ہوگئی۔ اور انہیں جھنڈا دیکر روانہ کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا کھانا تسبیح کہتا۔ جسے موجود صحابہ کرام اپنے کانوں سے سنتے۔ آپ کے ایک صحابی کا پاؤں زخمی ہوگیا۔ تو آپ نے اس پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ فوراً تندرست ہوگیا۔ ایک مرتبہ آپ کے لشکر کی خوراک کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جو کچھ موجود ہے اسے اکٹھا کر کے میرے پاس لاؤ۔ جب جمع کیا گیا تو بالکل معمولی مقدار تھی۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب کھاؤ۔ چنانچہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حتیٰ کہ لشکر کے پاس جو برتن تھے وہ بھی سب پر ہوگئے۔

حکم بن عاص نے ایک دفعہ مذاق اڑاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال شریف کی نقل اتاری۔ آپ نے فرمایا۔ ''ایسے ہی ہو جاؤ'' وہ تا عمر رعشہ میں گرفتار رہا۔ پھر مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجا۔ اس کے باپ نے آپ سے کہا۔ کہ میری بیٹی کو ''برص'' کا مرض ہے۔ یہ اس نے صرف بہانہ بنایا تھا۔ تا کہ آپ اس کے نکاح کا خیال ترک فرمادیں۔ حالانکہ وہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کہا۔ چلو جیسا کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہ ''برص'' میں مبتلا ہوگئی۔ اس عورت کا نام ''ام شبیب بنت ابرصاء الشاعر'' تھا۔ یہ چند معجزات وخارق عادت واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہیں۔ لیکن ہم نے صرف ان پر اکتفا کیا۔ جو بکثرت کتب سیرت واحادیث میں وارد ہیں۔

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارق عادت واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں کسی قسم کے شبہ میں مبتلا ہے۔ اور اپنے طور پر یہ گمان رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک واقعہ خبر متواتر کے طور پر منقول نہیں ہے۔ اگر متواتر منقول ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے۔ ایسا شکی شخص یونہی ہے۔ جو حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت میں بھی شک کرتا ہو۔ کیونکہ یہ بھی تواتر سے ثابت نہیں ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ اگر چہ ایک ایک واقعہ خبر واحد کے ذریعہ منقول ہوا۔ لیکن تمام واقعات بحیثیت مجموعی لازماً علم ضروری کا فائدہ دیتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کے تواتر میں تو کسی کو کوئی شبہ نہیں۔ یہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو اس وقت سے جب اس کی تکمیل ہوئی آج تک مخلوق کے پاس موجود ہے۔ کسی اور پیغمبر کا ایک معجزہ بھی اس وقت موجود نہیں۔ صرف قرآن کریم موجود ہے۔ یہ وہی معجزہ ہے جس کی مثل لانے کی عام دعوت دی گئی۔ دنیا کے تمام فصیح وبلیغ لوگوں خواہ ان کا تعلق عرب

یا جزیرہ عرب سے ہو سب کو اعلان کیا گیا۔ حالانکہ نزول قرآن کے وقت ان لوگوں میں بڑے بڑے صاحب فصاحت و بلاغت موجود تھے۔ فصاحت و بلاغت جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسی کو قابل فخر سمجھتے تھے۔ ان سب کو قرآن نے کہا اگر مکمل نہیں تو دس سورتیں ورنہ ایک سورت ہی اس کی مثل بنا لاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان سنایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

''اعلان کر دیجئے۔ اگر تمام جن وانس اس بات پر اکھٹے ہو جائیں کہ وہ مل کر اس قرآن کی مثل لائیں گے۔ تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے کتنے ہی مددگار کیوں نہ بنیں''۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عاجز بتانے کیلئے اعلان کرایا۔ چنانچہ وہ سب عاجز آ گئے۔ اور اس کی ہمت نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو قتل کیلئے پیش کر دیا۔ اپنی اولاد اور بیویوں کو قیدی بنانے کیلئے دیدیا۔ لیکن قرآن کی مثل لانے کی قطعاً طاقت نہ پائی۔ اور نہ ہی قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی بلندی پر کوئی نقطہ چینی کر سکے۔ پھر قرآن کریم دنیا کے ہر کونہ ہر گوشہ میں پھیل گیا۔ مشرق و مغرب میں کوئی جگہ ایسی نہ رہی۔ جہاں اس کی تشریف آوری نہ ہوئی ہو۔ زمانہ گزرتا گیا۔ اور آج پانچ سو سال کے قریب ہونے کو ہیں۔ (یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کی بات کر رہے ہیں) کسی کو اس کے معارضے اور مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی۔ لہٰذا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات پھر آپ کے ارشادات و افعال پر نظر دوڑاتا ہے۔ آپ کے اخلاق پر نگاہ ڈالتا ہے۔ آپ کے معجزات کو دیکھتا ہے۔ اور آج تک آپ کی شریعت مطہرہ کی روز بروز کامیابی اور کائنات میں پھیلاؤ کو دیکھتا ہے۔ بادشاہوں کے دل اس کو قبول کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی دور سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان تمام باتوں کے دیکھنے کے باوجود وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا ہونے میں شک کرتا ہو۔ اس سے بڑھ کر بیوقوف اور کند ذہن کون ہو سکتا ہے؟ جو شخص آپ کی ذات مقدسہ پر ایمان لایا۔ آپ کو سچا جانا مانا۔ اور آپ کے تمام ارشادات و افعال کی متابعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے عظیم توفیق پائی۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے سوالی ہیں۔ کہ وہ اپنے خاص احسان اور جود و کرم سے ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و افعال، احوال و اقوال میں اطاعت کرنے کی توفیق بخشے۔

اٰمین بِجَاهِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمُ

## امام عارف باللہ سیدی شیخ ''الصاوی'' رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر پارے
## المتوفی ۱۲۴۱ھ

جوہر نمبر ۱: امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جلالین پر حاشیہ لکھا۔ سورۂ آل عمران کی آیت مذکورہ کے تحت امام موصوف رقمطراز ہیں۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ الآیۃ

اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے پختہ وعدہ لیا کہ میں تمہیں جب کتاب وحکمت دے چکوں پھر تمہارے ہاں ایک ایسے عظیم رسول تشریف لائیں جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کرو گے؟ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس بات پر میرے ساتھ پختہ وعدہ کرتے ہو۔ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ تم گواہ ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران:81)

''میثاق'' اس عہد کو کہتے ہیں جس کو قسم کے ساتھ مضبوط کیا جائے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ عہد کب ہوا؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے تشریف لانے والے پیغمبروں سے عالم ارواح میں لیا گیا۔ اس مفہوم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا قول'' جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے چکوں'' سے مراد جب حضرات انبیاء کرام اپنے اپنے اوقات میں تشریف لائیں گے۔ اس وقت دینا مراد ہوگا۔ لہٰذا عہد اس چیز پر ہوا۔ جو ابھی انہیں دی نہیں گئی تھی۔

دوسرا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عہد ہر پیغمبر سے ان کی بعثت کے زمانہ میں لیا گیا۔ اور یہ ان پر اتاری گئی کتابوں میں تحریر ہوا۔ اس مفہوم کے پیش نظر یہ عہد ''رہن'' رکھی گئی چیز کی طرح ہوا۔ جب کسی پیغمبر کا وقت بعثت ہوا اس سے لیا گیا۔

دوسرا اختلاف اس بارے میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس رسول کے متعلق یہ عہد لیا گیا۔ تمام انبیاء کرام میں سے وہ کون ہیں؟ حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت، تابعین کا ایک گروہ جن میں حضرت سعید بن جبیر اور طاؤس بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر آنے والے پیغمبر سے یہ عہد لیا گیا۔ کہ تمہارے بعد جو پیغمبر آئیں گے۔ ان کے بارے میں عہد کرو۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ عہد لیا گیا۔ اگر

تمہارے ہوتے ہوئے ایک ایسے رسول تشریف لے آئیں جو تمہارے پاس موجود احکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم ان پر ایمان لاؤ گے اور انکی مدد کرو گے۔ یونہی حضرت شیث علیہ السلام سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک اور بقیہ انبیائے بنی اسرائیل سے، عیسیٰ علیہ السلام تک پھر عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عہد ہر پیغمبر سے لئے گئے عہد میں شامل ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے خصوصی طور پر عہد لیا گیا۔ اسی خصوصی عہد کی حکمت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ۔ میں تمہیں اس عظیم الشان رسول کی آمد کی خوشخبری دے رہا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی ''احمد'' ہے۔ (صف:6)

صحابہ کرام کی دوسری جماعت اور دیگر تابعین حضرات مثلاً حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس، السدی، قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ موقف ہے کہ جس رسول کے بارے میں عہد لیا گیا اس سے مراد ''رسول کریم ختمی مرتبت'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے الگ الگ یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری ظاہری زندگی میں میرے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب و احکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تو تم ان پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ان کی لازماً مدد کرو گے۔

اس مفہوم کے پیش نظر اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نبی کے زمانہ میں جلوہ فرما ہو جاتے۔ تو اس نبی کی شریعت منسوخ ہو جاتی۔ اور وہ پیغمبر خود اور اس کے تمام متبعین، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آخری قول پر جلالین میں اقتصار فرمایا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آیت مذکورہ کی آخری تفسیر سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ'' ہیں اور تمام انبیاء کرام آپ کے نائب ہیں۔ اس عہد میں حکمت یہ تھی کہ سب سے پہلے پیغمبر کو سب سے آخر میں آنے والے پیغمبر کے ساتھ منسلک و مربوط کر دیا جائے۔ اور یہ واضح کر دیا جائے کہ کسی پیغمبر میں ''حسد'' کی بیماری قطعاً نہیں ہے۔

جوہر نمبر ۲: سورۂ آل عمران کی آیت درج ذیل کے تحت علامہ صاوی تحریر فرماتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ (آل عمران:159) اگر آپ سخت طبیعت اور جھگڑالو ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے بھاگ گئے ہوتے یعنی ان میں سے کچھ لوگ کافروں کی طرف چلے جاتے۔ اور پھر آہستہ آہستہ کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

پہلے تشریف لانے والے حضرات انبیاء کرام نے اپنی قوم سے سخت رویہ روا رکھا۔ اور جلالی کیفیت سے رہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اے اللہ! زمین پر کافروں کی کوئی بستی نہ چھوڑ۔ (آیت ۲۶/سورۃ ۷۱)۔ اسی طرح حضرت ہود اور صالح علیہما السلام نے بھی اپنی قوم کیلئے سخت رویہ اپنایا۔ لیکن ہمارے رحیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عالمین کیلئے رحمت" بن کر تشریف لائے۔ اگر آپ کی رحمت ہمارے شامل حال نہ ہوتی۔ تو ہم میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لئے ہر اس بلاء عام اور مصیبت سے شفیع ہیں۔ جنہیں دیگر انبیاء کرام نے اپنی قوم کیلئے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

"اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایمان والوں پر احسان عظیم فرمایا۔ جب ان میں انہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا۔ ایسا رسول جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و ستھرا کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ بیشک لوگ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل کھلی واضح گمراہی میں تھے"۔

سورۂ آل عمران کی اس آیت پر علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کو مزید ترقی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال غنیمت میں خیانت سے پاک وصاف ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود ان لوگوں کے درمیان "عظیم نعمت" ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کیلئے حتیٰ کہ کافروں کیلئے بھی نعمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آپ کا نعمت ہونا صرف مومنین کیلئے اس لئے ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس نعمت سے نفع پانے والے اور دائمی اپنے میں نعمت کو موجود پانے والے صرف مومن ہی ہیں۔ رہے کفار تو اگرچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے زمین میں دھنس جانے اور شکلیں تبدیل ہو جانے سے محفوظ ہو گئے۔ اور ہر عام بلا سے امن میں ہو گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت رزق پاتے ہیں۔ لیکن ان کا انجام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے۔ کل قیامت میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے اظہار بیزاری فرمائیں گے۔ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔جس کی وجہ سے عذاب سے انہیں نجات نہیں ملے گی۔

بُشْرىٰ لَنَا مَعْشَرَ الْإِسْلَامِ اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٖ

''اے مسلمانو! ہم سب کیلئے یہ بات انتہائی خوش کن ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت سے ایک ایسا مضبوط ستون ملا جو کبھی گر نہیں سکتا''۔

جوہر نمبر ۳: سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (مائدہ:67)

''اے رسول مکرم! آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر اتارا گیا۔اسے دوسروں تک پہنچا دیجئے۔اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا''۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔اس کی تین قسمیں ہیں۔ایک قسم وہ کہ جس کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔وہ قرآن کریم اور لوگوں کے متعلق عمومی احکام ہیں۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان امور کی کما حقہ تبلیغ فرمادی۔قرآن کریم میں ایک حرف بھی اپنی طرف سے زیادہ نہ کیا۔اور نہ کوئی حرف چھپا کر رکھا۔بالفرض اگر کسی آیت کو چھپاتے۔تو ایسی آیات کو چھپاتے۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عدم توجہ پر نازل ہوئیں۔مثلاً آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۙ...... مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى سورۃ تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ۔ اور لفظ قل جو سورۂ الکافرون، اخلاص، فلق اور الناس میں آتا ہے۔لیکن یہ سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔خود اللہ رب العزت گواہی دیتا ہے کہ آپ نے تبلیغ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ:5)۔آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے روح قبض کرتے وقت عزرائیل علیہ السلام کو کہا۔اِقْبِضْ فَقَدْ بَلَّغْتُ۔روح قبض کرلو۔میں نے جو کچھ امت کو دینا تھا وہ دے دیا ہے۔

دوسری قسم وہ وحی ہے،جس کے چھپانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپائے رکھا۔اس کا ایک حرف بھی تبلیغ نہیں فرمایا۔یہ وہ تمام اسرار ہیں جو امت کے لائق نہیں۔

تیسری قسم ان باتوں کی ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ آپ نے بعض کی ان میں سے تبلیغ فرمائی۔ اور بعض کو بیان نہ فرمایا۔ یہ وہ اسرار ہیں جو امت کے لائق ہیں۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے دو توڑے عطا فرمائے۔ اگر ان میں ایک کا منہ کھول دوں۔ تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

پھر لکھا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتدائی عرصہ میں سے ایک رات آپ جاگ رہے تھے۔ ارشاد فرمایا۔ کاش کوئی مرد صالح ایسا ہوتا جو آج رات میری رکھوالی کرتا۔ فرماتی ہیں۔ اسی دوران ہم نے ہتھیاروں کے ہلنے کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ کون ہے؟ عرض کی۔ سعد بن ابی وقاص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا۔ اس وقت کیسے آنا ہوا؟ عرض کرنے لگے۔ میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا۔ (کہ کوئی دشمن تنگ نہ کرے) تو اس خطرہ کے آتے ہی آپ کی نگرانی کیلئے حاضر ہو گیا ہوں۔ اس پر ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص دعا فرمائی۔ پھر آپ سو گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنے والے دو آدمی۔ ایک حضرت سعد اور دوسرے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔ دونوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ کی حفاظت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آپ نے چمڑے کے قبہ سے سر انور باہر نکالا۔ اور ان سے فرمایا۔ لوگو! چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔

کتابوں میں وارد ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے پر مامور تھے۔ رات دن جاگتے سوتے کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوتے۔

جوہر نمبر ۴: سورۃ الاعراف میں ارشاد باری ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (اعراف)

"میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے۔ میں بہت جلد اسے ان لوگوں کیلئے مقرر کردوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو غیب کی خبریں دینے والا بے پڑھا ہے وہ پیغمبر کو جن کی صفات یہ لوگ اپنے ہاں موجود انجیل و تورات میں لکھی پاتے ہیں۔ وہ رسول جو انہیں ہر اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے اور طیب چیزیں ان کیلئے حلال قرار دیتا ہے اور خبیث اشیاء ان پر حرام کر دیتا ہے اور ان سے بوجھ اور بھاری طوق جو ان پر پڑے ہوئے تھے وہ اتار دیتا ہے۔ سو وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی عزت و تعظیم کی، اور اس نور کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا۔ وہی لوگ کامیاب ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں۔ اپنی کتاب تورات وانجیل میں لکھا ہوا انہیں نظر آتا ہے کہ آپ کی علامات اور صفات کیا ہیں۔ جیسا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" ہوگا۔ مکہ مکرمہ میں آپ پیدا ہوں گے۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمائیں گے۔ ہدیہ قبول کرلیا کریں گے، لیکن صدقہ اور زکوٰۃ واپس کردیا کریں گے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اخلاق حسنہ اور اوصاف جلیلہ مذکور تھے۔

صاحب تاریخ الخمیس رقمطراز ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توراۃ میں سریانی زبان میں "اَلْمُنْحَمِنَا" لکھا ہوا ہے۔ جس کا معنیٰ "محمد" ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کعب بن احبار سے جناب حسن روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنتیوں کے ہاں اسم گرامی "عبدالکریم" دوزخیوں کے ہاں "عبدالجبار" عرش والوں کیلئے "عبدالمجید" تمام فرشتوں کے ہاں "عبدالحمید" انبیاء کرام کے ہاں "عبدالوہاب" شیاطین کے ہاں "عبدالقاھر" جنات کے ہاں "عبدالرحیم" پہاڑوں کے نزدیک "عبدالخالق" خشکی میں "عبدالقادر" سمندروں دریاؤں میں "عبدالمہیمن" کیڑے مکوڑوں کے نزدیک "عبدالغیاث" وحشی جانداروں کے نزدیک "عبدالرزاق" تورات میں "موذموذ" انجیل میں "طاب طاب" صحیفوں میں "عاقب" زبور میں "فاروق" اور اللہ

تعالیٰ کے ہاں طٰہٰ اور محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر نمبر ۵: سورۃ التوبہ کی ان آیات کے تحت علامہ صاوی رقمطراز ہیں۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ (توبہ)

"وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار مار کر) بجھا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر دے اگر چہ کافروں کو یہ بات پسند نہ آئے۔ وہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام دینوں پر اس کا غلبہ کر دے۔ اگر چہ مشرک اسے برا منائیں"۔

کافر جو اللہ تعالیٰ کے نور، اس کی شریعت اور ان دلائل کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ تین چیزیں ہیں۔ ایک واضح اور ظاہر معجزات دوسرے قرآن کریم اور تیسرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کہ جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے یعنی دین اسلام۔ یہ ایسا دین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کے امر و نہی کو مان کر ان پر عمل کرنا اور اس کے سوا ہر معبود سے بیزاری کا اظہار موجود ہے۔ یہ ایسی واضح اور روشن باتیں ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان امور کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی کوشش اسے ذلیل کر دے گی۔ ادھر اس کا نور مکمل ہو کر رہے گا۔ یعنی اسے بلندی اور کامیابی نصیب ہو گی۔ اور اس کی شان ارفع و اعلیٰ ہو گی۔ آیت مذکورہ میں "هُدًى" سے مراد قرآن کریم اور "دین حق" سے مراد دین اسلام ہے۔

جوہر نمبر ۶: عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ التوبہ کی آیت مندرجہ ذیل کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ (توبہ)

"یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے۔ جنہیں ہر وہ چیز ناگوار گزرتی ہے جو تمہیں تکلیف پہنچاتی ہے۔ تمہارے بہت ہی خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے بہت مہربان اور رحم دل ہیں"۔

"مِنْ أَنْفُسِكُمْ" میں "کُمْ" ضمیر کے مخاطب "عرب" ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں۔عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں۔جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔لہٰذا کسی نہ کسی طرح ان کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔

لفظ ''اَنْفُسِکُمْ'' کے حرف فاء کے ضمہ پر قراء سبعہ کا اتفاق ہے۔اور اس پر فتحہ بھی پڑھی گئی ہے۔اس قرأت کے اعتبار سے اس لفظ کا معنی ''نفیس لوگ'' ہوگا۔گویا یہ کہا جارہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے ان لوگوں میں آئے۔جو نہایت شریف اور اعلیٰ قدر والے ہیں۔اس کی تائید اس حدیث سے ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو چنا۔اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا۔قریش میں سے بنی ہاشم اور بنو ہاشم میں سے مجھے چنا۔لہٰذا میں ہر دور کے بہتر انسانوں سے بہترین میں سے آیا ہوں۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جو ہر نمبر ۷: سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کے حاشیہ پر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

''پاک ہے وہ ذات جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے بندۂ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی۔تاکہ انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ''اپنا بندہ'' کا لفظ ذکر فرمایا۔اپنا رسول یا اپنا نبی نہ کہا۔ایسا نہ کرنے سے اس طرف اشارہ فرمایا۔کہ عبودیت کا وصف وہ ہے جو تمام اوصاف سے اشرف وخاص ہے۔کیونکہ جب کسی بندے کی نسبت عبودیت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو۔اس طرح کہ وہ بندہ اس کی عبادت میں کسی اور کو اس کا شریک نہ بناتا ہو۔تو پھر وہ بندہ کامیاب اور سعید ہوتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف کے ان مقامات میں ذکر فرمایا۔جو اشرف واعلیٰ ہیں۔جیسا کہ یہاں۔مقام وحی میں ارشاد ہے۔ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۝ اس نے اپنے بندۂ خاص کی طرف وحی کی جو کی۔(النجم:10)۔مقام دعا میں ارشاد فرمایا۔اِنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰہِ یَدْعُوْہُ۔جب اللہ کا بندہ اسے پکارتا کھڑا ہوتا ہے۔اسی لئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ مِمَّا زَادَنِیْ شَرَفاً وَ تِیْہاً ... وَکِدْتُّ بِاَخْمَصِیْ اَطَأُ الثُّرَیَّا
دُخُوْلِیْ تَحْتَ قَوْلِکَ یَا عِبَادِیْ ... وَاَنْ صَیَّرْتَ اَحْمَدَ لِیْ نَبِیًّا

''جس بات سے میرا شرف اور وقار بڑھ گیا اور قریب تھا کہ میں دبلا پتلا ہوتے ہوئے ثریا کو لتاڑ دیتا وہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیرے ارشاد ''یا عبادی'' نے مجھے اپنے اندر لے لیا۔ اور دوسری بات یہ کہ تو نے مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بنایا''۔

لفظ ''عبدہ'' میں ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ معراج شریف کا معجزہ کہیں آپ کی امت کے بھٹک جانے کا سبب نہ بن جائے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت انہیں ''اللہ کا بیٹا'' کہہ کر گمراہ ہو گئی۔

لفظ ''عبد'' روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ صحیح یہی ہے۔ اس کے بعد لفظ ''سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ'' کے بارے میں لکھا۔ کہ اس سے پہلے ''ضمیر ھُوَ'' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ باتوں کو سننے والا اور احوال و افعال کو دیکھنے والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مذکورہ ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس قول پر ان دو ناموں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء بیان ہوئی۔ وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشاہدہ کرایا آپ نے کیا، اور جو سنایا وہ سنا نہ تو آپ کی نگاہ پاک خیرہ ہوئی اور نہ ہی قوت سماعت دہشت زدہ ہوئی۔ اس مفہوم کی مثال یہ آیت ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم) ''نہ تو آپ کی نظر انور بہکی اور نہ ہی ادھر ادھر ہوئی''۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ارفع و اعلیٰ شان اور بلند و بالا مرتبہ و مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔

جوہر نمبر ۸: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا''۔ (انبیاء) اس کے حاشیہ پر امام موصوف لکھتے ہیں۔ لفظ ''رحمۃ'' چونکہ مفعول لہ بن رہا ہے۔ اس لئے ''لِرحمۃٍ'' ہوگا۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے رہنے والوں پر رحم کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ اور لفظ ''رحمۃ'' کو حال بنانا بھی درست ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمہ رحمت بن کر تشریف لائے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے۔ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ خُلِقُوْا مِنَ الرَّحْمَةِ وَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَيْنُ الرَّحْمَةِ۔ تمام انبیاء کرام رحمت سے پیدا کئے گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عین رحمت'' ہیں۔ یا لفظ ''رحمۃ'' کے پہلے مضاف محذوف مانیں گے۔ یعنی ذَارَحْمَةٍ یا رَاحِماً۔ رحمت والا۔

جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ۔ میں ہدایت یافتہ رحمت والا ہوں۔

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہاں تک تھی۔ اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بات واضح یہ ہے کہ علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ''اِنَّما اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ'' جو حذف مضاف کی تائید میں پیش فرمائی۔ یہ قول ثانی (مجسمہ رحمت) کی تائید کرتی ہے۔ شائد امام موصوف نے اسے تینوں اقوال کے درمیان اس لئے ذکر کیا ہو۔ کہ ان کے نزدیک زیادہ ترجیح اسی مفہوم کو ہو جیسا کہ یہی معنی ہمارے اکابر صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔

اس کے بعد علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں لفظ'' عالمین'' سے مراد تمام انسان اور جن ہیں۔ یعنی خواہ وہ نیک ہوں یا فاجر، مومن ہوں یا کافر، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ وسبب سے کافر بھی زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور نسل کے منقطع ہونے سے بچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعتبار سے بھی رحمت ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی شریعت لیکر آئے، جو انسانوں کو عظیم سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ اس کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا وآخرت میں رحمت ہی رحمت ہیں۔ اور جس نے کفر کیا تو اس کیلئے صرف دنیا میں رحمت ہیں۔ آخرت میں نہیں۔

جو ہر نمبر ۹: جلالین کے حاشیہ پر عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت جو سورۂ احزاب کی ہے لکھتے ہیں۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (احزاب:6)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور عزیز ہیں''۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہر مومن کے نزدیک اپنی جان کے حق سے زیادہ ہے۔ خواہ وہ مومن آپ کے زمانے کا ہو یا بعد میں آنے والے زمانہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لہٰذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہر چیز میں نفس کی اطاعت سے مقدم ہے۔ خواہ ان امور کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو۔ کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہوئے۔ تو ان کے احوال، اولاد اور بیویوں سے آپ کا زیادہ عزیز ہونا واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مومن پر حق اس سے کہیں زیادہ ہے جو ایک آقا کو اپنے غلام پر ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی عظیم دلیل ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس نعمت کا عظیم واسطہ ہیں جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ مومنوں کی جانوں سے زیادہ عزیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس

لئے بنایا کہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی کام کرتے ہی نہیں۔ بلکہ ہر کام وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کے تمام اقوال وافعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۰: سورۂ احزاب کی اس آیت کی تفسیر پر حاشیہ لکھتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے غیب دان نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے''۔

یہ آیت مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرکز رحمت اور افضل الخلق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یہ مرکزیت اور افضلیت علی الاطلاق ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' وہ رحمت ہے جو تعظیم کی حامل ہو۔ غیر نبی پر اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' مطلق رحمت ہوتی ہے۔ (جس کے ساتھ تعظیم نہیں ہوتی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (النور:43)

''وہ اللہ وہ ہے جو تم پر (اے مومنو!) اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے''۔

ان دونوں قسم کی ''صلوٰۃ'' کا فرق سمجھنا چاہئے۔ اور دونوں مقامات میں جو فضل باری تعالیٰ کا فرق ہے۔ وہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

جب اللہ رب العزت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' ایسی رحمت ہے جو تعظیم کیساتھ ملی ہوئی ہو۔ تو یہ ''صلوٰۃ'' یا نزول رحمت ان تمام رحمتوں کیلئے مقتداء ہوگی۔ جو دیگر مخلوق پر نازل ہوتی ہیں۔ تو اس وسعت رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رحمتوں کا مرکز اور تجلیات کا منبع ہوں گے۔

مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا کہ ''صلوا علیہ'' اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایسی دعا کرو جو ان کے شایان شان ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرشتوں اور مومنین کی ''صلوٰۃ'' میں یہ حکمت ہے کہ ان کو ''صلوٰۃ'' میں اللہ تعالیٰ نے شریک فرما کر عزت وشرافت عطا فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے مطلق صلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ کی اقتداء کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے اظہار میں

اللہ تعالیٰ کی اقتداء کی۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض حقوق کا بدلہ بھی آ جاتا ہے۔ جو خلق خدا پر آپ کے ہیں۔ کیونکہ آپ ہر اس نعمت کا واسطہ عظمیٰ ہیں جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اور جس شخص کو کوئی نعمت ملے۔ اس کا حق بنتا ہے۔ کہ نعمت کے واسطہ کا حق ادا کرے۔ لہٰذا تمام مخلوق کی ''صلوٰۃ'' دراصل آپ ﷺ کے بعض حقوق کا بدلہ ادا کرنا ہے۔ جو آپ کی طرف سے ان پر واجب ہیں۔

اگر تم سوال کرو۔ کہ مومنین اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ اس درخواست کا کیا فائدہ وہ تو درخواست کے بغیر بھی ''صلوٰۃ'' بھیجتا ہے۔ لہٰذا درخواست کا کیا فائدہ؟

جواب: جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا بدلہ چکانے سے عاجز و قاصر ہیں۔ تو وہ اللہ رب العزت سے بدلہ چکانے کی درخواست کرتے ہیں۔ جو قادر و مالک ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ''صلوٰۃ'' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پہنچتی ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا جب بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی صلوٰۃ کا طالب ہوتا ہے تو اس کی طرف سے ''صلوٰۃ'' میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ دائمی ہے۔ وہاں اس کی طرف سے ''صلوٰۃ'' بھی دائمی ہوگی۔

سوال: سلام بھیجنا صرف مومنوں کیلئے خاص حکم ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے سلام بھیجنے کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: جب آیت صلوٰۃ و سلام کو ہم دیکھتے ہیں تو اس سے پہلے جس بات کا ذکر ہوا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت اور تکلیف دینے والی باتیں ہیں۔ اذیت چونکہ انسانوں کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اللہ اور فرشتوں سے یہ ممکن نہیں۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ سلام کی تخصیص بھی انسانوں کے ساتھ کی جائے۔ کیونکہ سلام میں آفات سے سلامتی کا مفہوم ہے۔ اور سلام کی ''تسلیما'' کے ذریعہ تاکید کی گئی۔ لفظ ''صلوٰۃ'' کی تاکید مذکور نہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف کی گئی ہے تو یہ نسبت ہی کافی ہے۔ تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام واجب (فرض) ہے۔ پھر ان حضرات کا اس بارے اختلاف ہے کہ یہ فرضیت کب ہے؟ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر فرض نماز کی

آخری تشہد میں فرض ہے۔ ان دونوں حضرات کے سوا باقی علماء کرام فرماتے ہیں۔ ہر مجلس میں ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام فرض ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو اس وقت فرض ہے۔ بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ بکثرت صلوٰۃ وسلام فرض ہے یہ حضرات کسی وقت کی قید نہیں لگاتے۔ بالجملۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا عظیم کام ہے۔ اس کی بڑی عظمت ہے۔ اس کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ تمام اطاعات میں سے اور تمام اعمال تقرب میں سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام ایسی بابرکت چیز ہے کہ شیخ و مرشد کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے کہ شیخ اور اس کی سند خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ یہ آپ ہی کی بارگاہ عالیہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود اس شخص کو جواباً "صلوٰۃ وسلام" کہتے ہیں۔ جو آپ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اس ذکر پاک کے علاوہ دیگر اذکار میں یہ بات نہیں۔ لہٰذا دیگر اذکار کیلئے شیخ عارف کی رہنمائی اور واسطہ ضروری ہے۔ ورنہ ان میں شیطان کا دخل ہو جائیگا اور ذکر کرنے والے کو اس کا فائدہ اور نفع نہ مل سکے گا۔

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ "صلوٰۃ وسلام" کے الفاظ بہت سے ہیں۔ جن کی گنتی مشکل ہے۔ افضل وہ درود شریف ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اور اصحاب کا ذکر بھی ہو۔ جس آدمی نے جن الفاظ سے بھی صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ اسے خیر عظیم لازماً حاصل ہو جائے گی۔ عارف صاوی کی تحریر یہاں مکمل ہو گئی۔

اس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے۔ کہ میں نے امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مطلع ہونے سے بہت پہلے اسی سلسلہ میں ایک ورقہ پر کچھ باتیں تحریر کیں۔ امام صاوی کی لفظ سلام کے بعد "تسلیما" سے تاکید اور لفظ صلوٰۃ کی تاکید نہ فرمانا کے بارے میں جو تحقیق پیش فرمائی۔ اس سے ملتی جلتی میری تحریر بھی تھی۔ میں نے اسے ایک ورق پر لکھ دیا تھا۔ تاکہ وقت ملنے پر اس کے مناسب مزید باتیں اس ورق پر لکھوں۔ اب میں اپنی اس تحریر کو من وعن پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

**فائدہ:** میرے دل میں ایک نہایت خوبصورت مضمون آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت درود وسلام میں لفظ سلام کی تاکید مصدر ذکر کر کے فرمائی اور لفظ صلوٰۃ کی تاکید نہ ذکر فرمائی۔ اور یہ بھی کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے بارے میں صرف "صلوٰۃ" بھیجنے کا ذکر فرمایا۔ لیکن مومنین کو جب حکم دیا گیا۔ تو صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا بھی اور وہ بھی تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ سلام کی مشروعیت صلوٰۃ کی مشروعیت سے پہلے ہو چکی تھی۔ یعنی آیت صلوٰۃ وسلام کے نزول سے پہلے حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجنے کا طریقہ تعلیم ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے جس میں درود کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اس حدیث پاک کے آخری الفاظ یوں ہیں ''رہا سلام بھیجنے کا طریقہ تو وہ تم جان چکے ہو'' اسی لئے آیت درود شریف میں ابتداءً صرف ''صلوٰۃ'' کا ذکر ہے۔ سلام کا نہیں۔ پھر اس لئے کہ کہیں یہ وہم نہ پیدا ہو جائے۔ کہ سلام کی اہمیت ہی نہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کیلئے سلام کا حکم تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ جیسا کہ سلام بھیجنے کی مشروعیت بھی سابقہ مشروعیت کی تاکید کے طور پر کی گئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''سلام کا طریقہ پہلے جان چکے ہو'' سے مفہوم ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام کے بارے میں عرض نہ کیا۔ کہ وہ کیسے بھیجیں۔ اس کی ہمیں تعلیم مرحمت فرمائیں؟ کیونکہ انہیں پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سلام کس طرح بھیجنا ہے۔ لیکن ''صلوٰۃ'' کا معاملہ الگ ہے۔ دیکھئے جب آیت مذکورہ میں ابتداءً صلوٰۃ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ذکر سے موکد کیا گیا۔ اور آیت کی ابتداء بھی اسی طریقہ سے ہوئی۔ لہٰذا اب صلوٰۃ کی تاکید کی دوبارہ ضرورت نہ رہی۔ لیکن سلام کی تاکید ضروری تھی۔ ہاں یہ بات آیت سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ صلوٰۃ کا اہتمام سلام کی بہ نسبت زیادہ ہوا ہے۔ اگرچہ سلام بھی بوجہ تاکید کے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جب دونوں کے تاکید کے طریقہ کو دیکھتے ہیں تو صلوٰۃ کی تاکید زیادہ اہمیت والی نظر آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا یہ طریقہ جو ''صلوٰۃ'' کی تاکید کیلئے ہے۔ لفظ سلام کی مصدر کے ساتھ تاکید سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس مضمون پر بہت سی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ''صلوٰۃ'' بھیجنے کی فضیلت مذکور ہے۔ ایسی احادیث فضیلت سلام سے بہت زیادہ ہیں۔ اور صلوٰۃ کے بہت سے صیغے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہیں پھر آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام اور ان کے بعد میں آنے والے حضرات سے بھی مختلف الفاظ صلوٰۃ منقول ہیں۔ ان میں لفظ سلام کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں یہ بھی علماء نے لکھا ہے کہ جو الفاظ صلوٰۃ وسلام کے بارے میں احادیث میں وارد ہیں۔ خواہ وہ صرف صلوٰۃ کے ہوں یا صرف سلام کے یا دونوں ہوں۔ انہیں اسی طرح ادا کرنا چاہئے۔ لیکن ان کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور لفظ سے درود شریف پڑھنا چاہے تو اسے ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ احادیث میں صرف ''صلوٰۃ'' جہاں آیا۔ ان میں ایک درود ابراہیمی بھی ہے۔ یہاں صرف سلام آیا۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے وقت صرف سلام کہنا آیا ہے۔ ان میں صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ نہیں۔ علاوہ ازیں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سلام کے بغیر صرف صلوٰۃ پر اکتفا کرنا

مکروہ اس وقت ہے جب سلام بالکل ترک کر دے اور اگر اسی مجلس یا کسی دوسری مجلس میں سلام کے الفاظ ادا کر لئے تو کراہت اٹھ جائے گی۔ واللہ اعلم (میری عبارت یہاں ختم ہوگئی)۔

جوہر نمبر ۱۱: سورۃ السبأ کی آیت 28 کے تحت علامہ صاوی لکھتے ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا:28)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا''۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ سب کیلئے بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ رہا یہ کہ آپ انسانوں کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی رسول بن کر آئے تو یہ بات دوسری آیات سے مفہوم ہوتی ہے۔ (سورۃ الانبیاء) ان میں سے ایک آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷ بھی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسانوں اور جنات کی طرف تشریف لانا اس لئے ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں۔ لہٰذا یہ ارسال تکلیفی ہے۔ اور فرشتوں کیلئے آپ کا ارسال بعض نے کہا یہ بھی تکلیفی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں، تمام حیوانات اور جمادات کی طرف ارسال تشریفی ہے۔ (یعنی ان کو کوئی شرعی حکم دینے کیلئے آپ نہیں بھیجے گئے)۔

جوہر نمبر ۱۲: سورۃ الفتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ (الفتح)

''بیشک ہم نے آپ کو حاضر ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور اس کی صبح وشام پاکی بیان کرو بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کی ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ سو جس نے عہد توڑا اس کا نقصان اسی پر ہوگا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ پورا کیا تو اسے اللہ تعالیٰ بہت جلد اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔

آیت مذکورہ میں لفظ ''اَرْسَلْنَاکَ'' فرمانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

احسان عظیم کی خبر دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ کو اس نے شرف رسالت سے مشرف فرمایا۔ اور تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ اپنی امت کے اعمال پر شاہد بنایا۔ کہ کون ان میں سے اطاعت گزار اور کون نافرمان ہے۔ دنیا میں انہیں جنت کی خوشخبری دینے والا بنایا۔ اور جو لوگ بدعمل و بدعقیدہ ہیں انہیں جہنم کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔ تا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ یہ معنی (تا کہ وہ ایمان لائیں) اس قرأۃ پر ہوگا کہ ''لِتُؤْمِنُوا'' کو ''لِیُؤْمِنُوا'' پڑھیں۔ اگلے تین الفاظ اور یہ لفظ حاضر اور غائب دونوں طرح قرأۃ سبعہ میں پڑھے گئے ہیں۔

لفظ ''تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ'' میں ضمیر (مفعول بہ) کا مرجع اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو بنانا درست ہے۔ (الفتح:9)

اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر اقتصار کرتا ہے۔ یا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پر اقتصار کرتا ہے۔ وہ مومن نہیں۔ بلکہ مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کی تعظیم کو جمع کرتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر ایک کی تعظیم اس کے حساب سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ اسے ایسی تمام صفات سے پاک سمجھا جائے (اور پاک کہا جائے) جو حوادث کی صفات ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ اسے ہر صفت کمالیہ کا موصوف مانا جائے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی رسالت ''حق'' ہے۔ اور تمام مخلوق کیلئے ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ یہ اور ان کے علاوہ وہ تمام اعلیٰ اوصاف اور پسندیدہ اخلاق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ آپ میں ان کا موجود ہونا تسلیم کرتا ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ (فتح:10) کا تعلق پچھلی آیت سے یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمانا ذکر کر دیا۔ تو اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اللہ تعالیٰ کی ہی متابعت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے یہ بات بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت اور رفعت اللہ رب العزت کے ہاں کتنی عظیم ہے۔

''بیعت'' دراصل ایک عقد اور اپنے دل سے ایک وعدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ وعدہ یہ کہ بیعت کرنے والا اپنے امام کی اطاعت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔ اور اس وعدے کو حتی الامکان نبھانے کی کوشش کرے گا۔ آیت کریمہ میں جس بیعت کا ذکر ہے اسے ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ جو مقام

حدیبیہ پر لی گئی تھی۔ یہ ایک درمیانی آبادی کا گاؤں ہے۔ مکہ شریف اور اس کے درمیان ایک پڑاؤ سے بھی کم کا فاصلہ ہے۔ اس قصبہ کا نام اس میں موجود ایک کنوئیں پر رکھا گیا ہے۔ (حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے) اس قصبہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حدود حرم میں داخل ہے یا نہیں۔ بعض اسے مکمل حرم کی حدود میں شامل کہتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے حضرات اس کے کچھ حصہ کو شامل حرم کہتے ہیں۔ اسے تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط (الفتح:10) کا مفہوم کچھ اسی طرح ہے جس طرح "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج" (النساء:80) کا ہے۔ یعنی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اور بیعت رضوان بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا تھا۔ کیونکہ ظاہری معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ وغیرہ ثابت کرنا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اعضائے جسمانی سے بالکل منزہ ہے۔ اس لئے "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ" اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ اس بیعت کا اصل مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اور "ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیعت کرنے پر مطلع ہے۔ وہ اس کا انہیں ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔ اور اس آیت کے آخری لفظ "اَجْرٌ عَظِیْمٌ" سے مراد جنت ہے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول اگر چہ بیعت رضوان تھی۔ مگر لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے ہر امام کی بیعت مراد ہوگی۔ جو کسی نے اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان پر کی ہوگی۔ اور اس بیعت میں کسی شیخ اور مرشد سے بیعت کرنا بھی مراد ہوگا۔ جس سے بیعت کرتے وقت بیعت کرنے والے نے عہد و پیمان کیا ہوتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنے دل میں سب سے زیادہ رکھوں گا۔ اور شیخ کی طرف سے جو شرائط و آداب بتائے گئے ان کی حتی الوسع پابندی کروں گا۔ اسی عموم لفظ کے اعتبار کے پیش نظر حضرات مشائخ صوفیاء کرام اس آیت کو اس وقت پڑھتے ہیں جب وہ کسی مرید سے عہد لیتے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۳: سورۃ الصف میں آیت مبارکہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط (الصف)

"یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا۔ اے اولاد یعقوب! بیشک میں تم

سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میرے سامنے موجود کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا اور ایک عظیم الشان رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں۔ وہ عظیم رسول میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی "احمد" ہے"۔

لفظ "احمد" میں یہ احتمال بھی ہے کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور فاعل کے معنی میں ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حمد کرنے والا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مفعول کے معنی میں ہو۔ یعنی دوسروں کی بہ نسبت جس کی زیادہ حمد کی گئی ہو۔ مطلب یہ کہ مخلوق خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر حمد کرتی ہے کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کی اتنی نہیں کرتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" کی بجائے "احمد" ذکر فرمایا۔ حالانکہ "محمد" آپ کے اسماء گرامی میں اشرف اسم ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

اول وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انجیل میں اسی نام سے تذکرہ تھا۔

دوم۔ آسمانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی یہی "احمد" ہے۔

سوم۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا پہلے ہے اور لوگوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنا اس کے بعد ہے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہی تقدیم و تاخیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت امت سے پہلے حمد باری تعالیٰ کہیں گے۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کی حمد کریں گے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار ہزار اسمائے گرامی ہیں۔ ان میں سے ستر ایسے ہیں جو اسماء باری تعالیٰ سے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۴: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)۔ آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ سورۂ نون کی اس آیت کریمہ کے تحت علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "خُلُقٍ عَظِيْمٍ" کا معنی "دین عظیم" ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے اگر کوئی دین، سب سے زیادہ محبوب ہے اور جس پر عمل کرنے والے سے میں سب سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ وہ دین "اسلام" ہے۔

جناب حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "خُلُقٍ عَظِيْمٍ" سے مراد "آداب القرآن" ہے۔ اس کی دلیل ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ جب ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "خلق" کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ۔ اسی لئے حضرت قتادہ رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جنہیں کرنے کا اس نے حضور کو حکم دیا اور وہ احکام بھی ہیں جن کے نہ کرنے کا حکم دیا۔ معنیٰ یہ ہوگا۔ بیشک اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس خلق پر ہیں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم میں حکم دیا۔ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم مدح بیان کرتی ہے۔ اسی لئے عارف بوصیری کہتے ہیں۔

فَھُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاہُ وَ صُوْرَتُہٗ ثُمَّ اصْطَفَاہُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

آپ کی شخصیت وہ ہے جو حقیقت وصورت میں کامل و مکمل ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے آپ کو سب میں سے چن لیا۔

جوہر نمبر ۱۵: عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ عارف باللہ سیدی احمد دردیر رضی اللہ عنہ کی ترتیب دادہ کتاب صلوات میں مذکور الفاظ کی شرح کرتے ہوئے لکھا۔ شیخ موصوف نے ان الفاظ کی نسبت حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔ الفاظ اور ان کی شرح درج ذیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوٰتِکَ اَبَدًا وَ اَنْمٰی بَرَکَاتِکَ سَرْمَدًا

وَاَزْکٰی تَحِیَّاتِکَ فَضْلًا وَ عَدَدًا عَلٰی اَشْرَفِ الْخَلَائِقِ الْاِنْسَانِیَّہ

اے اللہ! تو اپنی افضل صلوات، روز افزوں برکات، نہایت پاکیزہ تحیات لاتعداد ان گنت ہمیشہ ہمیشہ اس ذات بابرکات پر نازل فرما۔ جو تمام انسانوں میں افضل و برتر ہیں۔ یعنی تمام انسانوں اور غیر انسانوں سے افضل ہیں۔ صرف انسانوں کا ذکر اس لئے کیا گیا۔ کہ یہ مخلوق کی مختلف انواع واقسام میں سے افضل مخلوق ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات میں سے جو افضل مخلوق ہے اس سے بھی افضل ہوئے تو علی الاطلاق سب سے افضل ہوئے۔

وَمَجْمَعِ الْحَقَائِقِ الْاِیْمَانِیَّۃِ۔ ایمانی حقیقتوں کے مرکز۔ ''حقائق'' حقیقۃ کی جمع ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ہی ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ خواہ وہ حقیقت ایمان مرتبہ علم الیقین کی ہو یا عین الیقین یا حق الیقین کی ہو۔

وَطُوْرِ التَّجَلِّیَاتِ الْاِحْسَانِیَّۃِ۔ یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتوں کے اترنے کا مرکز اور مہبط ہیں۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کرانے کا سوال کیا۔ تو طور پہاڑ اس وقت تجلی جلال کا مہبط ومرکز بنا۔ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ پر اپنے جلال کی تجلی ڈالی۔ تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے تجلی احسانات ڈالی۔ جس کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم وحلم میں کائنات سے بھی وسیع ہوگئے۔ لہٰذا جس قدر

احسان کے مقام ہیں۔ وہ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ خواہ ان کا حصول مراقبہ کے ذریعہ ہو یا مشاہدہ سے یہ دولت ملے۔

وَمَهْبِطِ الْاَسْرَارِ الرَّحْمَانِيَّه۔ "اسرار" سِرّ کی جمع ہے۔ جس کو چھپایا جائے اسے "سِرّ" کہتے ہیں۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت سے پیدا ہونے والے تمام اسرار کا موضع اور مرکز ہیں۔ کوئی بھی "رحمانی راز" آپ کے بغیر کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

وَعُرُوْسِ الْمَمْلِكَةِ الرَّبَّانِيَّةِ۔ اللہ تعالیٰ کی مملکت کے دولہا۔ یہ فقرہ شیخ موصوف کی کتاب کے بعض نسخہ جات میں موجود ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس قدر بھی ملک وملکوت کے جہان ہیں ان تمام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر وانبساط اور روشن ہونے میں ممتاز ہیں۔ جیسے "عروس (دولہا)" تمام پر ممتاز ہوتا ہے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علی الاطلاق خلیفہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ملک وملکوت میں تصرف کامل کا منصب بخشا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اسماء اور اپنی صفات کے اسرار کی خلعت مبارکہ پہنائی۔ اور آپ کو ہر بسیط ومرکب چیز میں تصرف کرنے کی قدرت بخشی۔ اس اعتبار سے آپ "عروس" قرار پائے۔ کیونکہ "عروس" کا حکم چلتا ہے۔ اور تمام باراتی اس کے کارندے اور خادم ہوتے ہیں۔

وَوَاسِطَةِ عِقْدِ النَّبِيِّيْنَ۔ حضرات انبیاء کرام کی موتیوں بھری تسبیح کے واسطہ۔ یعنی حضرات انبیاء کرام ایک تسبیح کے بیش بہا موتی ہیں۔ ان موتیوں کا باہم رابطہ ایک ایسے موتی کے ذریعہ ہے۔ جو ان سب کے درمیان ہے۔ درمیانہ موتی بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور ہر چیز کا درمیان اس کا بہتر حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جملہ کا معنی یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے بہتر ہیں۔

وَمُقَدَّمِ جَيْشِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معنی اور حس دونوں کے اعتبار سے مرسلین کرام کے مقدم ہیں۔ یعنی ان کے مراتب کو بلند فرمانے والے اور ان کے مدد ومعاون آپ ہیں۔

وَقَائِدِ رَكْبِ الْاَنْبِيَآءِ الْمُكَرَّمِيْنَ۔ مکرم پیغمبروں کی سواریوں کے قائد۔ "انبیاء" نبی کی جمع ہے۔ مروی ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ دو لاکھ پچیس ہزار ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے، بارہ لاکھ پچیس ہزار۔ ان میں سے تین سو تیرہ یا تین سو چودہ رسول ہیں۔ قرآن کریم میں پچیس کا ذکر ہے۔ اٹھارہ کے نام سورۂ انعام کی آیات وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ الی آخر (83 تا86) میں ہیں۔ باقی رسولوں کے نام یہ ہیں۔ محمد، آدم، صالح، شعیب، ھود، ادریس، ذوالکفل۔ ان میں سے پانچ اولوالعزم ہیں۔ کسی شاعر نے شعر میں ان کو جمع کیا ہے۔

مُحَمَّدٌ اِبْرَاهِيْمُ مُوْسٰی كَلِيْمُهٗ فَعِيْسٰی فَنُوْحٌ هُمْ اُوْلُوْالْعَزْمِ فَاعْلَمْ

ان حضرات کی افضلیت اسی ترتیب سے ہے۔اور حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام ورسولان مکرم کی تعداد (حتمی) اللہ ہی جانتا ہے۔

وَاَفْضَلِ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ۔تمام مخلوق سے افضل۔اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے۔اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں۔کوئی فخر نہیں۔ مخلوقات میں سے آدمی ایسی مخلوق ہے۔جو بقیہ تمام اقسام مخلوق سے افضل ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بھی افضل ہیں۔تو پھر علی الاطلاق آپ تمام مخلوق سے افضل ہوئے۔ترمذی شریف میں روایت ہے۔اَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین وآخرین سب سے زیادہ معزز ہوں۔اور کوئی فخر نہیں۔

حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰى۔اعلیٰ واشرف عزت کا جھنڈا اٹھانے والے۔"اللواء" مد کے ساتھ جھنڈے کو کہتے ہیں۔اور "العز" ذلت کی ضد ہے۔"الاعلیٰ" بمعنی اشرف وارفع ہے، معنی یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں دارین کی عزت ہے یہ اس کو نصیب ہوگی۔جو آپ کا ہو جائیگا۔

وَمَالِكِ اَزِمَّةِ الْمَجْدِ الْاَسْنٰى۔شرافت علیا کی باگیں آپ کی مملکت میں ہیں۔اس جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔کہ آپ ہر اس شخص کیلئے دارین کی عزت بخشنے والے ہیں جو آپ کی اتباع کرتا ہے۔

شَاهِدِ اَسْرَارِ الْاَزَلِ۔قدیم وازلی اسرار ومعانی کے گواہ ہیں۔

وَمُشَاهِدِ اَنْوَارِ السَّوَابِقِ الْاُوَلِ۔پہلے انبیاء کرام کے انوار کامشاہدہ فرمانے والے۔"السوابق" سابق کی جمع ہے۔جس کا معنی اول ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ جسم اقدس کے وجود کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام کے آخر میں تشریف لائے۔لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام بلکہ جمیع مخلوقات سے متقدم واول ہیں۔لہٰذا انبیاء اولین کے انوار آپ ہی سے آشکارا ہوئے۔اور آپ کی ذات مقدسہ سے مستنیر ومستفیض ہوئے۔اس مضمون کی گواہی سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت مشہورہ دیتی ہے۔(جو اس کتاب کے آخر میں آئے گی۔جس میں حضور ﷺ کے نور پاک کو اول خلق ذکر کیا گیا ہے)۔

وَتَرْجُمَانِ لِسَانِ الْقِدَمِ۔قدیم ذات کے کلام کے ترجمان ہیں۔"الترجمان" اصل میں اس

شخص کو کہتے ہیں جو کلمات کے معانی کی تلقین کرنے والا ہو۔ یہاں اس لفظ سے مراد تمام علوم غیبیہ کی تعلیم دینے والا مراد ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے علوم غیبیہ کے ترجمان ہیں۔

وَ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِلْمِ وَ الْحِكَمِ۔ علم وحکمت و بردباری کے منبع ہیں۔ یعنی اولین واٰخرین کے علوم کے پھوٹنے کی جگہ ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے۔ تَعَلَّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ۔ مجھے آخرین واولین کے علوم عطا کئے گئے۔ اس بارے میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہمارے لئے کافی ہے۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔ آپ کے علوم کا ایک حصہ لوح وقلم کا علم ہے۔ آپ ہی اولین وآخرین کیلئے حلم کا مرکز ہیں۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی صفت میں لکھتے ہیں۔

وَسِعَ الْعَالَمِيْنَ عِلْمًا وحِلْمًا فَهُوَ بَحْرٌ لَمْ تَعِيْهِ الْاَعْبَاءُ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کائنات سے علم وحلم میں وسیع ہیں۔ ایسا سمندر ناپیدا کنار ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں۔

''الحکم'' حکمت کی جمع ہے۔ علم وعمل میں پختگی اور یقین ''حکمت'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم وحکمت میں بھی بے مثل ہیں۔ آپ کی وسعت علمی کا احاطہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

مَظْهَرِ سِرِّالْجُوْدِ الْجُزِئِيِّ وَالْكُلِيِّ۔ جزئی اور کلی سخاوت کے راز کے مظہر ہیں۔ یعنی آپ ﷺ وہ بے مثل شخصیت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا مظہر ہیں۔ خواہ وہ جود وکرم تھوڑا ہو یا بکثرت۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ دنیا وآخرت کی برکات آپ سے ہی ظاہر ہوتی ہیں۔

وَاِنْسَانِ عَيْنِ وُجُوْدِ الْعَلَوِيِّ وَالسَّفْلِيِّ۔ تمام اونچی وپست موجودات کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات سے بہتر اوران کا نور ہیں۔ جس طرح آنکھ کا نور آنکھ کی پتلی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ اس لئے تمام موجودات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر معدوم ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَ لَا اَرْضًا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمین وآسمان کچھ نہ پیدا کرتا۔

رُوْحِ جَسَدِ الْكَوْنَيْنِ۔ کونین کے جسم کی روح ہیں۔ ''کونین'' سے مراد دو جہان ہیں۔ ایک عالم ملک جو ظاہر اشیاء پر بولا جاتا ہے دوسرا عالم ملکوت جو ہم سے مخفی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کا سرّ کونین میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس طرح جسم میں روح سرایت کئے ہوتی ہے۔

وَعَيْنِ حَيَاةِ الدَّارَيْنِ۔ دنیا وآخرت دونوں کی زندگی کا چشمہ ہیں۔ یعنی ان کی زندگی کی حقیقت آپ ہیں۔ یا یہ معنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کیلئے وہ چشمہ ہیں جس کے پینے سے پینے

والے پر موت نہیں آتی۔

اَلْمُتَحَقِّقِ بِاَعْلٰی رُتَبِ الْعُبُوْدِیَّۃِ۔ بندگی کے اعلیٰ رتبہ پر متحقق ہیں۔ ''عبادت'' انتہائی عاجزی اور خشوع وخضوع کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی عاجزی اور تواضع اور انکساری اپنے رب کے سامنے ہے۔ اس میں آپ کا کوئی ہم سر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صفت عبودیت بقول راجح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام صفات واوصاف سے افضل ہے۔

اَلْمُتَخَلِّقِ بِاَخْلَاقِ الْمُقَامَاتِ الْاِصْطِفَائِیَّہ۔ مصطفائی مقامات کے اخلاق سے مزین ہیں۔ ''اصطفائیہ'' بمعنی مختارہ ہے۔ لہٰذا اصطفاء کا معنی اختیار ہوگا۔ اس سے لفظ مصطفیٰ ہے جس کا معنی مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۞ ۔ خلق عظیم میں جس عظمت کا ذکر کیا گیا۔ اس کی حقیقت خود رب ذوالجلال ہی جانتا ہے۔

أَرٰی کُلَّ مَدْحٍ فِی النَّبِیِّ مُقَصِّرًا ۔۔۔ وَاِنْ بَالَغَ الْمُثْنِیْ عَلَیْہِ وَاَکْثَرَا
اِذَا اللّٰہُ اَثْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ اَھْلُہٗ ۔۔۔ عَلَیْہِ فَمَا مِقْدَارُ مَاتَمْدَحُ الْوَرٰی

میں تو یہی جانتا ہوں کہ کوئی تعریف کرنے والا کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے وہ آپ کے مقام حمد سے قاصر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی شایان شان ثناء کرتا ہے۔ تو پھر مخلوق کی تعریف کی کیا مقدار!

الْخَلِیْلِ الْاَعْظَمِ وَالْحَبِیْبِ الْاَکْرَمِ۔ عظیم خلیل اور اکرم دوست۔ یعنی ہر بڑے سے بڑے اور ہر کریم سے اکرم۔

تنبیہ۔ حبیب اور خلیل میں فرق جیسا صاحب تفسیر نیشاپوری نے بیان کیا۔ یہ ہے کہ خلیل وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا۔ پھر اسے محبوب بنایا اور حبیب وہ جسے اللہ تعالیٰ نے ابتداءً بزرگی سے نوازتے ہوئے دوست ومحبوب بنالیا۔

یا خلیل وہ جو اپنی ہر مملوکہ شی کو اپنے دوست پر قربان کردے۔ اور حبیب وہ جس پر مولیٰ اپنی مملکت قربان کردے۔

اس فرق کے پیش نظر وصف حبیب، وصف خلیل سے افضل ہوگا۔ اسی لئے حضور ﷺ وصف ''حبیب'' سے مشہور ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وصف ''خلیل'' سے شہرت پائی۔ ورنہ ہر حبیب، خلیل بھی ہوتا ہے۔ البرعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

اِذَا ذُکِرَ الْخَلِیْلُ فَذَا حَبِیْبٌ ۔۔۔ عَلَیْہِ اللّٰہُ فِی التَّوْرَاۃِ اَثْنٰی

جب خلیل ذکر کیا جائے تو وہ حبیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی اسی انداز میں تعریف کی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

اَعْلَی الْمَرَاتِبِ عِنْدَاللّٰہِ رُتْبَتُہٗ فَافْہَمْ فَمَا مَوْضِعُ الْمَحْبُوْبِ مَجْھُوْلُ

تمام مراتب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ ہے۔ تم اس بات کو سمجھ جاؤ۔ کیونکہ "محبوب" کا مقام و مرتبہ ہر ایک کو معلوم ہوتا ہے۔

سَیِّدُنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَ عَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِھِمْ وَ صَحْبِھِمْ اَجْمَعِیْنَ کُلَّمَا ذَکَرَکَ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِھِمُ الْغَافِلُوْنَ۔

یہ "صلوٰۃ" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب عیدروس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کا نام "شمس الکنز الاعظم" رکھا ہے جو اسے پڑھے گا۔ شیطان کے وسوسوں سے پردوں میں کر دیا جائیگا۔ بعض حضرات نے کہا۔ کہ یہ الفاظ صلوٰۃ قطب ربانی سیدی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز عشاء کے بعد سورۂ اخلاص۔ اور معوذتین (الفلق - الناس) تین تین مرتبہ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان الفاظ سے صلوٰۃ پڑھے گا۔ وہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ انتہیٰ کلام صاوی۔ "قطب عیدروس" اصل میں "عیدوسی" ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنی کتاب "سعادۃ دارین" وغیرہ میں لکھی ہے۔ (امام نبہانی)

جوہر نمبر ۱۶: علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی مذکورہ کتاب میں سے قطب الاقطاب سید احمد بدوی رضی اللہ عنہ کے منقول صلوٰۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ شَجَرَۃِ الْاَصْلِ النُّوْرَانِیَّہ۔

"اے اللہ! صلوٰۃ وسلام اور برکت ہمارے سردار اور مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ جو اصل نورانی درخت ہیں"۔

"اَلشَّجَرَۃُ الْاَصْلُ" سے مراد "اصل درخت" ہے۔ اور اصل درخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جو تمام کائنات کے علی الاطلاق اصل ہیں۔ اور بالاتفاق اس کی بنیاد ہیں۔ "النورانیہ" میں نور کی طرف نسبت ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسم "نور" بھی کتاب وسنت میں آیا ہے۔ "نور" کی حقیقت اور تعریف یہ ہے۔ اَلظَّاھِرُ بِنَفْسِہٖ اَلْمُظْھِرُ لِغَیْرِہٖ۔ خود روشن اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نسبت اس لئے کی گئی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مادہ کے واسطہ کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ نے بنائے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نور سے مراد وہ نور ہو جو اندھیرے کی ضد ہے۔ جس کی جمع انوار آتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نور تھی۔ حتیٰ کہ سورج کی روشنی میں آپ کا سایہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ سحری کے وقت ایک مرتبہ میں کپڑا سی رہی تھی۔ کہ سوئی زمین پر گر گئی۔ اور چراغ بجھ گیا۔ اچانک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے اندر تشریف لاتے ہی آپ کے چہرہ اقدس کی روشنی سے مجھے کھوئی ہوئی سوئی مل گئی۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کا چہرۂ انور کس قدر روشن ہے اور آپ کا رخ انور کتنا منور ہے۔ فرمایا۔ اے عائشہ! تباہی اور مکمل بربادی اس کیلئے کہ جس نے مجھے کل قیامت میں نہ دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ وہ کون ہے جو قیامت میں آپ کی زیارت سے محروم رہے گا۔ فرمایا۔ وہ بخیل جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے۔ اگر "النورانیہ" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ تو پھر یہ ترکیب مبالغہ کیلئے ہوگی۔ لفظ "النورانیہ" پر آخر میں الف نون کی زیادتی، شرف کیلئے ہے۔ بہرحال ان الفاظ کا مفہوم حدیث جابر کا معنی ہے۔ جو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ فرمایا۔ وہ تیرے نبی کا نور ہے۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام خیر بنائی۔ اس کے بعد تمام شر بنائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "نور" کو بنایا۔ تو اسے اپنے سامنے مقام قرب میں کھڑا کر دیا۔ بارہ ہزار سال تک وہ کھڑا رہا۔ پھر اس کی چار اقسام (حصے) بنائیں۔ ایک سے عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے عرش کو اٹھانے والے اور کرسی کے خازن فرشتے بنائے۔ اور چوتھی قسم (حصے) کو بارہ ہزار سال تک مقام حب میں کھڑا رکھا۔ پھر اس چوتھی قسم کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے جنت بنائی۔ پھر چوتھے حصے کو مقام خوف میں بارہ ہزار سال کھڑا رکھا۔ پھر اس کے چار اجزاء بنائے۔ ایک جزء سے فرشتے، دوسرے سے سورج، تیسرے سے چاند اور ستارے بنائے۔ چوتھے جزء کو مقام رجاء میں بارہ ہزار سال رکھا۔ پھر اس کے چار اجزاء بنائے۔ ایک جزء سے عقل، دوسرے سے علم و حلم اور تیسرے سے عصمت و توفیق بنائے۔ چوتھے جزء کو بارہ ہزار سال کیلئے مقام حیاء میں کھڑا رکھا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ تو اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے۔ ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نبی و رسول کی روح پیدا

فرمائی۔ پھر انبیاء کرام کی ارواح نے پھونک ماری۔ جس سے اولیاء، سعداء، شہدا، اطاعت گزار مومنین کی ارواح پیدا کیں۔ جو قیامت تک پیدا ہونے تھے۔ لہٰذا عرش وکرسی میرے نور سے ہے۔ کروبیین (بزرگ فرشتے) اور فرشتوں میں روحانی فرشتے میرے نور سے ہیں۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں۔ جنت اور اس میں موجود تمام نعمتیں میرے نور سے ہیں۔ سورج، چاند اور تمام ستارے میرے نور سے ہیں۔ عقل وعلم اور توفیق میرے نور سے ہیں۔ انبیاء کرام اور رسولوں کی ارواح میرے نور سے ہیں۔ شہدا، سعداء اور صالحین میرے نور کے نتائج ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ حجاب پیدا فرمائے۔ پھر نور جو چوتھا جزء تھا، کو ہر حجاب میں ایک ہزار سال مقیم رکھا۔ وہ حجابات، عبودیت کے مقامات ہیں۔ کرامت کے حجاب ہیں۔ سعادت کے حجاب ہیں۔ رؤیہ، رحمۃ، رأفتہ، حلم، علم، وقار، سکینہ، صبر، صدق، یقین کے حجاب ہیں۔ پھر اس نور نے ہر حجاب میں ایک ہزار سال عبادت کی۔ جب وہ نور حجاب سے باہر آیا۔ اسے زمین پر سوار کیا۔ جس سے مشرق ومغرب کے درمیان کی ہر چیز اس طرح چمکنے لگی جیسے اندھیری رات میں چراغ چمکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین سے آدم کو بنایا۔ اور وہ نور اس کی جبین میں رکھ دیا۔ پھر ان سے حضرت شیث کی طرف منتقل کیا۔ جو ان کے بیٹے تھے۔ پھر وہ نور ایک پاکیزہ شخصیت سے طیب شخص کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک آیا۔ پھر ان سے میری والدہ آمنہ کے چہرہ میں رونق افروز ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ظاہر کیا۔ مجھے سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین اور قائد غر المحجلین بنایا۔ اے جابر! تیرے نبی کی پیدائش کی ابتداء یوں تھی۔

اس کے بعد علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کو ہمارے شیخ الشیخ جمل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح کے ابتداء میں ذکر کیا۔ جو انہوں نے علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی شمائل نبوی کی تشریح کے ضمن میں قصیدہ بردہ کی شرح کرتے رقم کیا تھا۔ یہ روایت علامہ تفتازانی نے درج ذیل کے تحت لکھی ہے۔

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا　　فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

تمام آیات ومعجزات جو رسولان عظام نے ظاہر فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک سے ان کا اتصال ان سے ہوا۔

وَلُمْعَةِ الْقَبْضَةِ الرَّحْمَانِيَّه۔ حقیقت محمدیہ کے اعتبار سے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا وصف ہے۔

وَاَفْضَلِ الْخَلِيْقَةِ الْاِنْسَانِيَّةِ۔ عالم اجساد کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیسرا وصف بیان کیا ہے۔

وَاَشْرَفِ الصُّوْرَةِ الْجِسْمَانِيَّه۔ یہ بھی عالم اجساد کے اعتبار سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف ہے۔ جو چوتھے نمبر پر ذکر کیا گیا۔

لفظ ''القبضه'' اصل میں مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسا نور جو ازل میں مقبوض تھا۔ لفظ قبضہ سے مجاز مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی قدرت کا اس نور کو ظاہر کرنے کا ارادہ۔ کیونکہ ''قبض'' درحقیقت کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ محال ہے۔ کیونکہ اس کا ہاتھ ہی نہیں۔ پھر اس کی نسبت ''رحمان'' کی طرف کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ کم اور کیف کے اعتبار سے جلیل القدر ہے۔ کیونکہ ''رحمٰن'' وہ ہوتا ہے جو بڑی بڑی نعمتیں کم اور کیف کے اعتبار سے عطا کرتا ہو۔ اور قبضہ کے ''لمعة'' کا معنی اس کی تخلیق ہے۔ جو تمام جہانوں کا مادہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ کا شرف اس حسن زیبا اور کمال خلقت کی وجہ سے ہے۔ جو آپ کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں۔ اور اعتدال قامت (میانہ قد) بھی اس میں شامل ہے۔ شیخ مولف یعنی قطب دردیر رضی اللہ عنہ حدیث كُنْتُ كَنْزاً مَخفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ فَبِیْ عَرَفُوْنِیْ۔ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ازل میں نہ جانا گیا اس کی معرفت کسی کو نہ ہو سکی۔ کیونکہ ازل میں کسی کا وجود ہی نہ تھا جو اسے پہچانتا۔ پھر اس نے اپنی معرفت چاہی کہ کوئی مجھے پہچانے۔ تو اس نے اپنے نور سے ایک مٹھی نور لیا۔ یعنی اپنے ذاتی نور سے۔ کیونکہ ''من نورہ'' میں صرف من حرف باء کے معنی میں ہے۔ اور یہ مٹھی بھر نور ہی وہ نور ہے جس کو نور محمدی، روح الارواح، سرّ محمدی، عرش اللہ اکبر، آدم اول، اب الاکبر اور انسان کامل کے نام دیئے گئے۔ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کا قول (شعر) بھی یہی کہہ رہا ہے۔

وَاِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً ۔۔۔ فَلِیْ فِیْهِ مَعْنیً شَاهِدًا بِاُبُوَّتِیْ

اور میں بیشک اگرچہ صورۃً حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن میرے لئے خود آدم علیہ السلام میں ایسی شہادت (دلیل) موجود ہے جو مجھے باپ کا درجہ دیتی ہے اسی نور محمدی کو سِرُّ الْاَسْرَارِ، اِنْسَانُ عَیْنِ الْوُجُوْدِ اور شَجَرَةُ الْاَصْلِ وغیرہ نام بھی دیئے گئے۔ جو عارف حضرات میں مشہور و متداول ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت محمدیہ کو اپنی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان نعمتوں کی عطا کیلئے

اللہ تعالیٰ کا وصف "رحمٰن" ذکر کیا گیا۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے دقائق عطا فرمائے۔ وہ صفت "رحیم" کا خاصہ ہے۔ پھر اس نور محمدی سے تمام کائنات بنائی گئی۔ جیسا کہ اس مضمون کی شہادت حدیث سابق دیتی ہے۔ وَمَعْدَنِ الْاَسْرَارِ الرَّبَّانِیَّه۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ان اسرار کا محل و مرکز ہیں۔ جن پر اس نے آپ کو مطلع فرمایا۔ اور نااہل سے چھپانے کا حکم دیا۔ یا کسی کو بھی اطلاع دینے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے علوم عطا فرمائے جن کی کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اطلاع نہ کی۔ "الربانیہ" کی نسبت "رب" کی طرف ہے۔ الف نون مبالغہ کیلئے زیادہ لایا گیا۔ جو اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم کسی استاد کے بغیر عطا ہوئے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً ۔۔۔ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِي الْيُتُمِ

اگر تو معجزہ طلب کرتا ہے تو تیرے لئے یہ معجزہ کافی ہے۔ کہ ایک امی شخصیت نے بھی دور جاہلیت میں کس قدر علوم پائے اور یتیم ہوتے ہوئے ادب و اخلاق کے کس عالی منصب پر فائز ہوئے۔

وَخَزَائِنِ الْعُلُوْمِ الْاِصْطِفَائِيَّه۔ اصطفائیہ بمعنی مختارہ ہے۔ اور علوم کا اسرار پر عطف، عام کا خاص پر عطف ہے۔

صَاحِبِ الْقَبْضَةِ الْاَصْلِيَّة۔ اس کی پہلے تشریح ہو چکی ہے۔

وَالْبَهْجَةِ السَّنِيَّة۔ یعنی آپ کا چہرہ شریفہ رفیع اور روشن۔

وَالرُّتْبَةِ الْعُلْيَه۔ یعنی حساً و معنیً بلند منزلت و مرتبہ۔

مَنْ اِنْدَرَجَتِ النَّبِيُّوْنَ تَحْتَ لِوَائِهٖ۔ حدیث میں آیا ہے۔ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ۔ میرے ہاتھ میں "لواء الحمد" ہوگا۔ پس آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ "لواء الحمد" وہ جھنڈا ہے جو قیامت کے دن گاڑا جائے گا۔ اس کی لمبائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کے تین پھریرے ہوں گے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا درمیان میں ہوگا۔ فَهُمْ مِنْهُ وَ اِلَيْه۔ یعنی تمام انبیاء کرام آپ سے ہی حساً و معناً مدد کے طلبگار ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرنے والے اور انتساب کرنے والے وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ عَدَدَ مَا خَلَقْتَ وَ رَزَقْتَ وَ اَمَتَّ وَ اَحْيَيْتَ اِلٰى يَوْمِ تَبْعَثُ مَنْ اَفْنَيْتَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اے اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور برکت نازل فرما۔ آپ کی آل و اصحاب پر بھی۔ اتنی تعداد میں جتنی تو

نے مخلوق بنائی، جس قدر رزق دیا، جتنے فوت کئے، جتنے زندہ رکھے۔ اور یہ صلوٰۃ وسلام و برکت اس دن تک لگا تار نازل فرما جس دن تو ہر اس شخص کو قبر سے اٹھائے گا جس کو تو نے فنا کیا اور آپ پر بکثرت سلام نازل فرما۔ اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔

درود شریف کا اختتام حمد پر کیا۔ تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس کی فضیلت عظیم ہے۔ بعض حضرات نے ذکر کیا کہ اس درود شریف کو ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی شخص ۳۳ مرتبہ سوسو کر کے پڑھتا ہے تو اسے ہر چیز کی دلالت میسر آئے گی۔

جوہر نمبر ۱۷: امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الحقائق والعلوم سیدی عبد السلام بن مشیش رضی اللہ عنہ کے "صلوٰۃ" کی شرح کرتے ہوئے لکھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ مِنْهُ اِنْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ۔ اس ذات پر صلوٰۃ بھیج جس سے اسرار پھوٹے ہیں۔ "اُس ذات" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ واضح طور پر آپ کا اسم گرامی اس لئے ذکر نہ کیا کہ بغیر وضاحت بھی ذہن آپ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور اس انداز تحریر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بھی زیادہ آ جاتی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ابہام میں تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ "انشقاقِ اسرار" سے مراد اسرار کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر مخفی چیز روشن و واضح ہو چکی ہے۔

وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی حسی اور معنوی انوار کا دروازہ کھولا۔ لفظ اسرار اور انوار پر الف لام استغراق کا ہے اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سابق سے ثابت ہے۔ لہٰذا تمام اشیاء اپنے وجود سے قبل کمرے میں بند تھیں۔ یعنی معدوم تھیں۔ پھر آپ نے اس کمرے کا دروازہ کھولا۔ یعنی عدم سے وجود میں آئے۔ یا "مِنْ" تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر معنی یوں ہوگا۔ کہ تمام اسرار و انوار آپ کے وجود کی وجہ سے موجود ہوئے۔

وَفِيْهِ ارْتَقَتِ الْحَقَائِقُ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اشیاء کی حقیقتیں ظاہر ہوئیں۔ لہٰذا آپ بمنزلہ آسمان اور حقائق بمنزلہ ستارے ہوئے۔

وَتَنَزَّلَتْ عُلُوْمُ اٰدَمَ فَاَعْجَزَ الْخَلَائِقَ۔ یعنی آپ کی ذات مبارکہ میں آدم علیہ السلام کے علوم نازل ہوئے۔ علوم آدم سے مراد تمام اسماء کا علم ہے۔

ان علوم اسماء کے حصول کی وجہ سے (آدم) جس چیز کو بھی دیکھتے فوراً پہچان جاتے۔ اسی بات نے فرشتوں کو عاجز کر دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا تھا۔ "مجھے ان اشیاء کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو"

پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ "اے آدم! تم ان فرشتوں کو ان اشیاء کے نام بتاؤ" لہٰذا وہ تمام علوم جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی نازل ہوئے۔ اور ان علوم کے علاوہ مسمیات کی حقیقتیں بھی آپ کو بتا دیں گئیں۔ اب اس قدر وسیع علم کے سامنے کیا فرشتے اور کیا باقی تمام مخلوق سبھی عاجز ہیں۔ حتیٰ کہ خود آدم علیہ السلام بھی۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کے علم کے سامنے صرف فرشتے عاجز آئے تھے۔ اور حضور ﷺ کے علم مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ کے سامنے تمام اولین وآخرین عاجز ہیں۔

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم دیا گیا تو اس سے لازماً مسمیات کا علم بھی آ گیا۔ لہٰذا آدم علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں کوئی فرق نہ ہوگا؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کا علم مسمیات اجمالی تھا۔ اور ہمارے آقا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم مسمیات تفصیلی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت منقول ہے۔ فرمایا۔ رُفِعَتْ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذَا۔ میرے لئے دنیا کو اونچا کر دیا گیا۔ میں اس کی طرف یوں دیکھتا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتا ہوں۔

وَلَهٗ تَضَاءَ لَتِ الْفُهُوْمُ فَلَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَّلَا لَاحِقٌ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کا ادراک مخلوق کی فہم وادراک سے کہیں دور ہے۔ تمام مخلوق کے فہم اس قدر چھوٹے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ان میں سما ہی نہیں سکتی۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ لَا يَعْلَمُنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ۔ میرے رب کے سوا کوئی بھی مجھے ازروئے حقیقت نہیں جانتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا یہی مفہوم ہے۔

اَعْيَ الْوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ

ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔ دور ونزدیک والے خاموشی کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے۔

یہی وجہ یہ کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت یوں بیان کی ہے۔ لَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَّلَا لَاحِقٌ۔ یعنی تمام مخلوقات ابتدائے آفرینش سے آخر تک کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت پر اس دنیا میں مطلع نہ ہو سکا۔ رہا کل قیامت میں تو وہاں مخلوق سے حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے آپ کی حقیقت کا ادراک ہوگا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِكَ لِلنَّاسِ ...... كَمَا مَثَلَ نُجُوْمِ الْمَاءِ

علماء نے آپ ﷺ کی صفات کی مثال یوں دی جیسا کہ ستارے پانی میں۔

قصیدہ بردہ میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ      قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوسکتی ہے جو سوئے ہوئے اور خوابوں میں مگن ہیں۔

فَرِيَاضُ الْمَلَكُوْتِ بِزَهْرِ جَمَالِهٖ مُوْنِقَةٌ۔ ''الریاض'' روضتہ کی جمع بمعنی باغات اور ملکوت سے مراد وہ اشیاء جو ہم سے پردہ میں ہیں۔ مثلاً جنت، عرش، کرسی وغیرہ۔ ''زہر'' روشنی، چمک کو کہتے ہیں۔ ''مونقۃ'' بمعنی مزین ہے۔ مؤلف صلوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملکوت کو مزین فرمانا۔ اس کی تشبیہ باغات کی تروتازگی اور خوبصورتی سے دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح باغات، پھولوں کی تروتازگی اور خوشبو سے مزین ہوتے ہیں۔ اسی طرح ملکوت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال سے مزین ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوگا کہ عالم چار ہیں۔ ایک عالم ملک اور یہ وہ ہے جو دیکھا جاتا ہے۔ دوسرا عالم ملکوت ہے یہ محسوسات سے باہر کی دنیا ہے۔ جسے ہم سے غیب میں رکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ جنت، دوزخ، عرش وکرسی وغیرہ۔ تیسرا عالم جبروت ہے۔ یہ اسرار وعلوم اور معارف کی کائنات ہے۔ چوتھا عالم عزت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے علم ذاتی اور صفاتی سے مخصوص ہے۔

وَحِيَاضُ الْجَبَرُوْتِ بِفَيْضِ اَنْوَارِهٖ مُتَدَفِّقَةٌ۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عالم جبروت وہ کائنات ہے جو اسرار وعلوم اور معارف کی دنیا ہے اور ''التدفق'' کا معنی بھرا ہوا ہونا ہے۔ اس جملہ میں عارفین کے دلوں کو حوض کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کو دریا و سمندر سے تشبیہ دی گئی۔ پس وہ حوض یعنی عارفین کے دل اس سمندر سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم شریف کا نام ہے۔ معنی یہ ہوا۔ کہ اولین وآخرین نے تمام علوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی حاصل کیے ہیں۔

وَلَا شَيْئَ اِلَّا وَهُوَبِهٖ مَنُوْطٌ۔ ''منوط'' بمعنی لٹکا ہوا۔ یعنی تمام موجودات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے ہی وجود پایا۔ کیونکہ آپ تمام اشیاء کی اصل ہیں۔

اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَةُ لَذَهَبَ كَمَا قِيْلَ الْمَوْسُوْطُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کے وجود کیلئے سب سے عظیم واسطہ ہیں۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ لفظ ''قیل'' کمزور بات کے بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد قول کی محض نسبت ہے۔ یعنی عارفین حضرات نے

بہت مضبوط بات کہی یہ جو قابل اعتماد ہے انہی عارفین میں سے ایک بزرگ شخصیت سیدی محمد البکری الکبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَیُّ اِمْرِیٍٔ اَتَاهُ مِنْ غَیْرِکَ لَا یَدْخُلُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی معرفت اور اس کے قرب کے حصول کا واحد دروازہ ہیں۔ کوئی شخص آپ کے دروازہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے اللہ کا قرب چاہے گا تو اسے داخلہ ہی نہیں ملے گا۔

صَلٰوۃٌ تَلِیْقُ مِنْکَ اِلَیْهِ کَمَا هُوَ اَهْلُهٗ۔ معنی یہ ہے کہ جو صلٰوۃ وسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب کے شایان شان ہے اور آپ کے احسانات کا بدل ہوسکتا ہے۔ وہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے آپ پر بھیجا جاتا ہے۔ اس لئے کہ آپ کی قدر ومنزلت وہی جانتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ سِرُّکَ الْجَامِعُ الدَّالُّ عَلَیْکَ۔ "جامع" سے مراد یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کمالات، علوم، معارف، برکات اور معجزات کے جامع ہیں۔ جو مختلف حضرات میں الگ الگ پائے جاتے ہیں۔ ان کمالات وغیرہ کو ہر دور کے لوگ دلیل بنا کر آپ تک رسائی اور آپ سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے آپ کے کمالات سن کر آپ کی عظمت کی دلیل بنائے۔ جیسا کہ پہلی امتیں گزریں۔ ان کو ان کے پیغمبروں نے یہ سب کچھ بتایا۔ اور ہر دور کے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہوئے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کسی پیغمبر کے واسطہ کے بغیر آپ کے کمالات دیکھے۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کا زمانہ پایا۔ اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قیامت تک آئیں گے۔

وَحِجَابُکَ الْاَعْظَمُ الْقَائِمُ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ۔ "حِجَابِ اَعْظَمُ" یعنی بہت بڑی روکاٹ۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان ایک بھاری حجاب ہیں۔ جس کی وجہ سے کسی کیلئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر اللہ کا وصول ناممکن ہے۔ یا "حجاب اعظم" سے مراد دنیوی اور اخروی نقصانات کو روکنے والا ہوگا۔ اس اعتبار کے پیش نظر مفہوم یہ ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے دنیوی اور اخروی نقصانات اور تکالیف کیلئے ایک عظیم رکاوٹ ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام اگرچہ اپنی اپنی امت کیلئے رکاوٹ اور قلعہ کی مانند تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ان سب سے مضبوط اور عظیم قلعہ ہیں۔ اسی لئے آپ کو "حجاب اعظم" کہا گیا ہے۔ یونہی ہر شیخ اپنے شاگرد اور مرید کیلئے قلعہ اور رکاوٹ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک مخصوص رکاوٹ یا قلعہ ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حجاب کلی" ہیں اسی حجاب اعظم اور حجاب کلی کو

"برزخ کلی" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ مخلوق اور رب کائنات کے درمیان حجاب بھی ہیں اور برزخ بھی ہیں۔

"القَائِمُ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور آپ کا دعوت دینا اس طرح ہے کہ آپ کے اور اللہ کے مابین کوئی واسطہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے معنوی قرب میں کھڑے اور اس کی اطاعت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جب مولف صلوۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اوصاف سے عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قلب ونظر میں حاضر پایا۔ جو ایسے اوصاف ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے میں پائے جانے ناممکن ہیں تو اس استحضار عظمت کے بعد اپنے رب سے عاجزی اور تضرع کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِنَسَبِہٖ۔ اے اللہ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں شامل فرمادے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہر پرہیز گار اور صاف ستھرے عقیدہ والا میری آل ہے۔

وَحَقِّقْنِیْ بِحَسَبِہٖ۔ حسب سے مراد یہاں تقویٰ ہے۔ یعنی اے اللہ! مجھے اپنا تقوی عطا فرما۔ جو تیری اطاعت اور تیرے محبوب کی اطاعت سے حاصل ہو۔ جس کے حصول پر میں بھی حقیقی متقی ہو جاؤں۔ "حسب" وہ ہوتا ہے۔ جو اعلیٰ اخلاق کا حامل اور قابل فخر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:13)۔ تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک باعزت وہ ہے جو بہت زیادہ متقی ہو۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ آل بیت نبی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سُدْتُمُ النَّاسَ بِالتُّقٰی وَ سِوَا کُمْ سَوَّدَتْہُ الْبَیْضَاءُ وَالصَّفْرَاءُ

تم حضرات لوگوں کے آقا وسردار تقویٰ کی بدولت بنے۔ اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو سفید و پیلے پن نے سردار بنایا۔

وَعَرِّفْنِیْ اِیَّاہُ مَعْرِفَۃً اَسْلَمُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الْجَھْلِ وَاَکْرَعُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الْفَضْلِ وَاحْمِلْنِیْ عَلٰی سَبِیْلِہٖ اِلٰی حَضْرَتِکَ حَمْلًا مَّحْفُوْظًا بِنُصْرَتِکَ وَ اقْذِفْ بِیْ عَلَی الْبَاطِلِ فَاَدْمَغَہٗ وَ زُجَّ بِیْ فِیْ بِحَارِ الْاَحَدِیَّۃِ وَانْشُلْنِیْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِیْدِ وَ اَغْرِقْنِیْ فِیْ عَیْنِ بَحْرِ الْوَحْدَۃِ حَتّٰی لَا اَرٰی وَلَا اَسْمَعَ وَلَا اَجِدَ وَلَا اُحِسَّ اِلَّا بِھَا

مجھے ان کی ایسی معرفت عطا فرما کہ اس کی بدولت میں جہالت کے مقامات سے محفوظ وسالم رہوں۔ اور فضل وکرم کے گھاٹ سے مجھے گھونٹ ملیں اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر ایسے چلا کر اپنا قرب عطا فرما۔ کہ تیری مدد سے میں چلنے کے دوران محفوظ رہوں اور مجھے باطل کے مقابل ایسی قوت عطا فرما کہ میں اس کا بھیجہ نکال دوں۔ اور مجھے احدیت کے سمندر میں ڈبو دے۔ اور توحید کے کیچڑوں سے مجھے جلد باہر نکال اور وحدت کے سمندر میں غرق کر دے۔ حتیٰ کہ میں اگر دیکھوں، یا سنوں، یا محسوس کروں یا کچھ پاؤں تو وحدت سے ہی ہو۔

پھر جبکہ عبودیت کا کمال اور توحید و معرفت کا کمال کسی شخص کیلئے اسی وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے اس کے گھونٹ بھر بھر کر نہ پئے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولف صلوٰۃ ذکر فرماتے ہیں؟

وَاجْعَلِ الْحِجَابَ الْاَعْظَمَ حَيَاةَ رُوْحِيْ وَ رُوْحَهُ سِرَّ حَقِيْقَتِيْ وَ حَقِيْقَتَهُ جَامِعَ عَوَالِمِيْ۔

حجاب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری روح کی زندگی بنادے اور ان کی تازگی کو میری حقیقت کا راز اور ان کی حقیقت کو میرے جہانوں کا جامع بنادے۔

"حِجَابِ اَعْظَم" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے، معنی یہ ہوگا میری روح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیراب کر جس طرح سبز ٹہنی پانی سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ پھر جس طرح پانی اجسام ونباتات کی زندگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ارواح کی زندگی ہیں۔ اوران کی تر وتازگی ہیں۔ لہٰذا وہ ارواح جو آپ کا مشاہدہ نہیں کرتی اور آپ کی سیرابی کا سوال نہیں کرتیں وہ گویا مردہ ہیں۔ ایسی ارواح کفار ونافرمانوں کی ہیں۔

اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کو میری حقیقت کا راز بنادے۔ یعنی آپ کی روح پاک میری انسانیت کو یاد رکھے اور ملأ اعلیٰ میں مجھے فراموش نہ کردے۔ میری طرف ہر وقت متوجہ رہے اور ہر چیز کو میرے لئے پسند فرمائے۔ کیونکہ جب وہ میری طرف سے توجہ ہٹالے گی، تو میں خسارے میں پڑ جاؤں گا اور ندامت میرا مقدر بن جائے گی۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو میرے جہانوں کی جامع بنادے۔ یعنی میرے تمام اجزاء ظاہری اور باطنی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشغول فرمادے۔ ایسا کہ میں کسی اور سے تعلق نہ رکھوں۔ بلکہ میں آپ ہی کا ہر حکم میں تابع رہوں جیسا کہ حضرت ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لَوْ غَابَ عَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَاعَدَدْتُ نَفْسِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اگر میں لحہ بھر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سے غائب پاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں شمار کرتا۔

بِتَحْقِيْقِ الْحَقِّ الْاَوَّلِ۔ حق اول سے مراد پہلا عہد ہے۔ جو "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" سے لیا گیا۔ یعنی حجاب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری روح کی زندگی بنا دے اور اس طرح بنا دے کہ توحید اول کی مصاحبت ہو جائے۔

يَا اَوَّلُ يَا آخِرُ يَا ظَاهِرُ يَا بَاطِنُ اِسْمَعْ نِدَائِی بِمَا سَمِعْتَ بِهٖ نِدَاءَ عَبْدِکَ زَکَرِيَّا وَ انْصُرْنِیْ بِکَ لَکَ وَاَيِّدْنِیْ بِکَ لَکَ وَاجْمَعْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَکَ وَ حُلْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ غَيْرِکَ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَيْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰى مَعَادٍ – رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ (الکہف)– اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

"اے اول! اے آخر! اے ظاہر! اے باطن! میری دعاء اس طرح قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول کی۔ اور تو میری محض اپنی ذات کیلئے مدد فرما۔ اور میری تائید صرف اپنے لئے کر۔ میرے اور اپنے درمیان یکسوئی پیدا فرما۔ میرے اور میرے اغیار کے درمیان پردہ بن جا۔ اللہ اللہ، بیشک وہ ذات جس نے تم پر قرآن لازم کیا۔ یقیناً آپ کو معاد کی طرف لوٹائے گا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمیں ہمارے کاموں میں رشد و ہدایت مہیا فرما بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے"۔

اس "صلوٰۃ" کے بہت فضائل ہیں۔ میں نے انہیں اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں جیسا کہ "افضل الصلوات"۔

جوہر نمبر ۱۸: قطب حقیقی سیدی ابراہیم دسوقی رضی اللہ عنہ کے ترتیب دادہ "صلوٰۃ" کی شرح کرتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الذَّاتِ الْمُحَمَّدِيَّه۔ اے اللہ ذات محمدیہ پر صلوٰۃ بھیج۔ "ذات محمدیہ" اس لئے نام ذکر کیا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام مخلوق سے زیادہ صفت حامدیہ اور محمودیہ

پائی جاتی ہے۔

اَللَّطِیْفَۃُ الْاَحَدِیَّۃُ۔ ''لطیف، کثیف کی ضد ہے۔ اور آپ کو اس وصف سے اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ آپ ''نورانی'' ہیں۔ اور صفت ''احدیۃ'' کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی مثل، نظیر اور شبیہ معدوم ہے۔ یعنی نہ آپ کی ذات میں کوئی شریک اور نہ ہی صفات میں کوئی مثل ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ      فَجَوْ ھَرُالْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اوصاف وکمالات میں ثانی نہیں۔ آپ میں جوہر حسن ایسا ہے جو تقسیم نہیں قبول کرتا۔

شَمْسِ سَمَاءِ الْاَسْرَارِ۔ اسرار کے آسمان کا سورج ہیں۔ یعنی اس کے نور اور اسرار کے کھولنے والے ہیں۔ جیسا کہ سورج کی روشنی سے اندھیرے میں چھپی اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ''اسرار'' کو آسمان سے اس لئے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ یہ ادراک سے بہت دور ہیں۔

مَظْھَرِ الْاَنْوَارِ۔ یعنی انوار حسیّہ اور معنویہ کے ظاہر ہونے کی جگہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ گزری چکی ہے۔

وَمَرْکَزِ مَدَارِ الْجَلَالِ۔ جلال کے مدار کا مرکز ہیں۔ اس سے مراد عظمت و کبریائی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تجلّیٔ جلال کو فلک سے تشبیہ دی۔ جو اپنے مرکز کے ارد گرد چکر لگاتا ہے۔

وَقُطْبِ فَلَکِ الْجَمَالِ۔ اس سے مراد رحمت، لطف اور احسان سے حق کی تجلی ہے۔ یہاں معنی یہ ہوگا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تجلیات جلالیہ اور جمالیہ کے اترنے کی جگہ بنایا۔ لہٰذا مخلوق میں جس قدر جلال ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال سے واصل ہے اور جس قدر مخلوق میں جمال ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال سے ملا ہوا ہے۔

اَللّٰھُمَّ بِسِرِّہٖ لَدَیْکَ وَ بِسَیْرِہٖ اِلَیْکَ اٰمِنْ خَوْفِیْ وَاَقِلْ عِثْرَتِیْ وَ اَذْھَبْ حُزْنِیْ وَ حِرْصِیْ وَکُنْ لِیْ وَخُذْنِیْ اِلَیْکَ مِنِّیْ وَارْزُقْنِیْ الْغِنَاءَ عَنِّیْ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَفْتُوْنًا بِنَفْسِیْ مَحْجُوْبًا بِحِسِّیْ وَ اکْشِفْ لِیْ عَنْ کُلِّ سِرٍّمَّکْتُوْمٍ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ

''اے اللہ! تیرے ہاں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر ہے اور تیری طرف جو ان کی سیر ہے اس کی بدولت مجھے میرے خوف سے امن عطا فرما۔ اور میری لغزشوں کو کم کر دے۔ میرے غم اور حرص کو دور فرما۔ تو میرا ہو جا اور مجھ سے مجھے چھوڑا کر اپنا بنا لے۔ مجھے مجھ سے

بے پروا کر دے اور مجھے اپنے نفس کے فتنوں میں مبتلا نہ کرنا، نہ ہی مجھے میری حس کو میرے لئے پردہ بنانا۔ میرے لئے ہر پوشیدہ راز کو کھول دے۔ اے زندگی دینے والے اور قائم"۔

جوہر نمبر ۱۹: بعض عارفین کے الفاظ صلوٰۃ کی امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ تشریح فرماتے ہیں۔ یہ الفاظ صلوٰۃ ایک پتھر پر کندہ خط قدرت سے ملے تھے۔ اس صلوٰۃ کا نام "صَلٰوۃُ نُوْرِ الْقِیَامَۃ" ہے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے پڑھنے والے کو جس دن وہ پڑھے، انوار کی بارش عطا ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِکَ۔ اے اللہ! ہمارے آقا جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما۔ جو تیرے انوار کا سمندر ہیں۔ "بحر انوارک" میں مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف ہے۔ یعنی تیرے انوار جو سمندر کی مانند ہیں۔ لہٰذا تمام مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار مقدسہ سے ہی بقدر ہمت نور حاصل کرتی ہے۔ اور اسی سمندر و دریا میں سے چلو بھرتی ہے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَنْتَ مِصْبَاحُ كُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْ ...... دُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْئِکَ الْاَضْوَاءِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فضل وفضیلت کے چراغ ہیں۔ لہٰذا جو روشنیاں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف آپ کی روشنی سے ہی روشن ہیں۔

وَمَعْدِنِ اَسْرَارِکَ وَ لِسَانِ حُجَّتِکَ وَ عُرُوْسِ مَمْلِکَتِکَ۔ تیرے اسرار کا خزانہ، تیری دلیل و حجت کی زبان اور تیری مملکت کے دولہا ہیں۔ یعنی ترے ملک دنیا اور آخرت کو زینت بخشنے والے ہیں۔

وَاِمَامِ حَضْرَتِکَ۔ یعنی تیرے ہاں جو حاضر ہیں۔ خواہ وہ فرشتے ہوں یا نبی و ولی۔ آپ ان سب کے امام و مقتداء ہیں۔

وَطِرَازِ مُلْکِکَ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ملک کو زینت عطا کرنے والے ہیں جس طرح دھوبی کپڑے کو خوبصورت کر دیتا ہے۔

وَخَزَائِنِ رَحْمَتِکَ۔ ترے انعامات یعنی دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ ان خزانوں کی کنجیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ہیں۔

وَ طَرِيْقِ شَرِيْعَتِکَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِيْدِکَ۔ تیری شریعت کا راستہ ہیں۔ تیری توحید سے لذت حاصل کرنے والے ہیں۔ یعنی آپ کی لذت صرف تیرے ذکر و شکر میں اور تیرے شہود میں

ہے۔ اسی مقام کو حضور ﷺ نے خود یوں بیان فرمایا۔ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ وَلِيْ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ غَيْرُ رَبِّيْ۔ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے اور اللہ کے حضور میرا ایسا وقت ہے جس میں میرے رب کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اِنْسَانِ عَيْنِ الْوُجُوْدِ۔ وجود کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود نہ ہوتا تو تمام موجودات اندھی ہوتیں۔ یعنی معدوم ہوتیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا وَلَا جِنًّا وَلَا مَلَكًا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ آسمان، نہ زمین، نہ جن اور فرشتے پیدا کرتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وَ كَيْفَ تَدْعُوْ اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ لَوْ لَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ضرورت دنیا کی طرف کیسے متوجہ کرتی جبکہ آپ کی شان یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود ہی وجود میں نہ آتی۔ اسی لئے اگلے الفاظ یوں آئے۔ وَالسَّبَبِ فِيْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کا مادہ ہیں۔ کیونکہ تمام موجودات آپ ہی کے نور سے پیدا کی گئی۔ جیسا کہ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر ہو چکی ہے۔

عَيْنِ اَعْيَانِ خَلْقِكَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جو بہتر مخلوق ہے۔ آپ ان تمام سے بہترین ہیں۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک سے ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَ اصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى بَنِيْ هَاشِمٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَ اصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ فَاَنَا خِيَارٌ مِنْ خِيَارٍ مِنْ خِيَارٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے ”کنانۃ“ کو چنا۔ کنانۃ سے قریش، قریش سے بنو ہاشم، بنو ہاشم سے مجھے چنا۔ لہٰذا میں بہتر سے بہترین اور بہترین سے بدرجہا بہتر ہوں۔

اَلْمُتَقَدِّمِ مِنْ نُوْرِ ضِيَآئِكَ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے اس نور سے ہیں۔ جسے تو نے بلا واسطہ پیدا کیا۔ نور اور ضیاء ہم معنی لفظ ہیں۔ لہٰذا اضافت بیانیہ ہے۔ صَلٰوةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَ تَبْقٰى بِبَقَائِكَ لَا مُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِيْكَ وَ تُرْضِيْهِ وَ تَرْضٰى بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی صلوٰۃ بھیج جو تیرے دوام کے ساتھ دائمی ہو۔ تیری بقاء کے ساتھ باقی ہو، تیرے علم کے بغیر اس کی کوئی انتہا نہ ہو، ایسی صلوٰۃ جس سے تو بھی راضی تیرا محبوب بھی راضی اور جس کی برکت سے تو ہم سے بھی راضی ہو۔ اے دنیا والوں کے پروردگار!

جوہر نمبر ۲۰: سیدی محمد البکری الکبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ صلوٰۃ کی تشریح جیسے ”صلوٰۃ الفاتح“

کہتے ہیں۔اس صلوٰۃ کے نہایت عظیم فوائد وفضائل ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ۔اے اللہ! صلوٰۃ و سلام اور برکتیں ہمارے۔سردار جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔جو ہر بند دروازے کے کھولنے والے ہیں۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریعتوں کے وہ دروازے کھولے جو بند تھے۔ کیونکہ آپ جس دور میں رسول بن کر تشریف لائے۔وہ زمانہ فترت اور جاہلیت کا دور تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے بندوں پر مختلف اقسام کی خیرات اور دنیوی و آخروی سعادتوں کے دروازے کھولے۔پس تمام کی روزی آپ کے دست اقدس میں دے دی گئی۔حدیث پاک میں ہے۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔مجھے آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔یہ وہ کنجیاں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(آیت ۱۲ /سورۃ ۲۴)۔یعنی آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کی ملک ہیں۔اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمادیں۔ایک اور حدیث میں آیا ہے۔اَللّٰہُ مُعْطٍ وَاَنَا قَاسِمٌ۔اللہ دینے والا میں بانٹنے والا ہوں۔یا الفاظ مذکورہ کا معنی یہ ہوگا۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وجود کا دروازہ کھولا۔سو آپ سب سے پہلا اللہ تعالیٰ سے وجود پانے والے ہیں۔اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی چیز بھی پیدا نہ کی جاتی۔بہر حال عام مفہوم مراد لینا اولیٰ ہے۔

وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ۔سابقہ نبوتوں کے خاتم ہیں۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ورسول ہیں۔آپ کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ کوئی رسول ہے۔جو اپنی شریعت کی تجدید کرنے آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر کاربند ہوں گے۔اور آپ کے امتی بن کر آئیں گے۔جیسا کہ حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق عبادات بجالاتے ہیں۔اور آپ کے ہی امتی ہیں۔

وَالنَّاصِرِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے مددگار ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہے۔جس دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:85) جس نے بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی خواہش کی۔وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگی۔مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے دین کے حامی و ناصر ہیں۔ہر وقت حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔اور حق ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔دلائل اور حجتوں کے ساتھ دین حق

کو مضبوط فرمانے والے ہیں۔ اور جہادِ حقہ کے ساتھ اس کو بلندی پر لے جانے والے ہیں۔ ان تمام باتوں کا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا۔ یا الفاظ مذکورہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ لفظ حق جو دوسرا ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ "حق" اس کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ایسا دین جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤید ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ۔

وَالْهَادِیْ اِلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ حَقَّ قَدْرِہٖ وَ مِقْدَارِہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ان پر صلوٰۃ و سلام ہو جو اللہ کے سیدھے راستہ کے راہنما ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل و اصحاب پر آپ کی قدر و منزلت کی عظمت جیسا صلوٰۃ و سلام بھیجے۔

جوہر نمبر ۲۱: قطب شہید سیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کے تالیف کردہ "صلوٰۃ" کی امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل شرح فرمائی۔ اس صلوۃ کا نام "صلوٰۃ النور الذاتی" ہے۔ اس کا ایک مرتبہ پڑھنا ہزار صلوٰۃ کے برابر ہے اور کسی بھی پریشانی کو دور کرنے کیلئے پانچ سو مرتبہ اس کو پڑھا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النُّوْرِ الذَّاتِیِّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایسا نور جسے اس نے مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کے وجود کی کنجی اور مادہ ہیں۔

وَالسِّرِّ السَّارِیْ فِیْ سَائِرِ الْاَسْمَاءِ وَ الصِّفَاتِ۔ یعنی تمام مخلوقات کے ناموں میں آپ کا راز ہے۔ ناموں سے مراد نام والی اشیاء ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ تمام خلائق کی ذوات اور صفات کیلئے آپ ممد و معاون ہیں اور یہ بھی ان الفاظ میں احتمال ہو سکتا ہے کہ اسماء سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ہوں۔ اس اعتبار کے پیش نظر معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلیات کا مرکز ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور کسی صفت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر استمداد ممکن نہیں۔ دونوں معانی صحیح ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ معنی کو عام رکھا جائے۔ بہرحال جو بھی معنی لیا جائے۔ مطلب یہی نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر استمداد ممکن نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کی ذات و صفات کیلئے دنیا و آخرت میں ممد و معاون ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلیات کا مرکز ہیں۔

جوہر نمبر ۲۲: ایک اور الفاظ صلوٰۃ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ صَلٰوۃً تَلِیْقُ بِجَمَالِہٖ وَ جَلَالِہٖ وَ کَمَالِہٖ

"اے اللہ! تو صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہمارے آقا جناب محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ اور آپ کی آل پر بھی۔ ایسی صلوٰۃ جو ان کے جمال وکمال اور جلال کے شایان شان ہو"۔

حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اس قدر صفات جمالیہ ظاہر اور مخفی ہیں۔ جن کی گنتی ناممکن ہے۔ یونہی صفات جلالیہ بھی ان گنت ہیں۔ اس موضوع پر قدیم وجدید عارفوں نے طبع آزمائی کی۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب احبار رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں سے، امام بوصیری اور برعی رضی اللہ عنہما بعد آنے والے حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات جمالیہ اور جلالیہ کی حد تک نہ پہنچ سکے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آپ کے جمال وجلال کے بارے میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے بطور نمونہ یہ دو ارشادات کافی ہیں۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ (القلم) — وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (انبیاء)۔ اس کی تفصیل قوت ادراکیہ کے بس کی بات نہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

علم وفراست کی دوڑ یہاں تک ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکل بشری رکھتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے آپ بہتر ہیں۔ "کمال" سے مراد کنایۃً آپ کے تمام ظاہری اور باطنی اخلاق ہیں۔ خواہ وہ جلیل ہوں یا جمیل ہوں۔ اسی لئے یہاں اس کا عطف، عطف العام علی الخاص ہوگا۔

جوہر نمبر ۲۳: درج ذیل ایک "صلوٰۃ" کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَاَذِقْنَا بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ لَذَّةَ وِصَالِهٖ۔ اے اللہ! صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر نازل فرما۔ اور ہمیں آپ پر صلوٰۃ عرض کرنے کی برکت سے آپ کے وصال کی لذت عطا فرما۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے درمیان جو پردے ہیں انہیں دور فرما کر ہمیں آپ کا قرب عطا فرما۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سب سے بڑی کامیابی اور سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اور اہل اللہ کی یہی عظیم تمنا ہوتی ہے۔ اسی لئے امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لمحہ کیلئے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ تو اس لمحے میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَيْتَهٗ خَصَّنِيْ بِرُؤْيَةِ وَجْهٍ زَالَ عَنْ كُلِّ مَنْ يَّرَاهُ الشِّقَاءُ

کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے دیدار سے نوازتے۔ آپ کی شان یہ ہے کہ جس نے بھی آپ کی زیارت کی اس کی ہر خرابی دور ہوگئی۔

جناب ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شَرِبْنَا عَلٰی ذِکْرِ الْحَبِیْبِ مُدَامَةً　　سَکِرْنَا بِهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ یَخْلُقَ الْکَرَمُ

ہم نے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر شریف کی لذت کی شراب پی۔ ہم اس شراب سے نشہ میں ہوگئے۔ قبل اس کے کہ ابھی انگور پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابن الرفاعی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا　　تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ فَهِیَ نَائِبَتِیْ

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ　　فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تُحْظِیَ بِهَا شَفَتِیْ

جب میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور تھا تو میں اپنی روح کو سرکار کی بارگاہ میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نائب بن کر میری طرف سے آپ کی قدم بوسی کرتی تھی۔ اور اب یہ سہانی گھڑی آن پہنچی کہ حضور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ تشریف فرما ہے۔ لہٰذا اب آپ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیں۔ تا کہ میرے ہونٹ اپنا نصیب پالیں۔ (یعنی میں آگے بڑھ کر اپنے ہونٹوں کو آپ کا بوسہ لینے کا اعزاز بخشوں)۔

جناب ابن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دو اشعار اس وقت عرض کئے۔ جب وہ لوگوں کی بھیڑ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہہ مقدسہ کے سامنے کھڑے تھے۔ ان اشعار کے پڑھتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس قبر انور سے ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے اسے چوم لیا۔

صاحب دلائل الخیرات نے روایت کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا۔ آپ پر ایمان لانے میں سب سے مضبوط کون ہے؟ ارشاد فرمایا وہ جو مجھ پر ایمان لایا۔ اور مجھے نہ دیکھا۔ وہ مجھ پر ایمان اپنے شوق کی وجہ سے رکھتا ہے جو اسے مجھ سے ہے۔ وہ میری محبت میں سچا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی ہر چیز قربان کر کے میری زیارت کی تمنا رکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر اسے زمین بھر کر سونا خرچ کرنا پڑے تب بھی وہ میرے دیدار کیلئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ وہ مجھ پر ایمان لانے میں سب سے عمدہ ہے۔ اور میری محبت میں وہ مخلص و صادق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو آپ پر صلوٰۃ وسلام

پڑھتے ہیں۔لیکن آپ سے دور ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے بعد دنیا میں آئیں گے۔ان کا آپ کی بارگاہ میں کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا، میں ان لوگوں کا سلام خود سنتا ہوں جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں اور میں انہیں پہچانتا بھی ہوں۔ان کے علاوہ دیگر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا صلوٰۃ وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔عارف باللہ سیدی علی وفا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَدْ كُنْتُ اَحْسِبُ اَنَّ وَصْلَكَ يُشْتَرىٰ بِكَرَائِمِ الْاَمْوَالِ وَالْاَشْبَاحِ
وَظَنَنْتُ جَهْلًا اَنَّ حُبَّكَ هَيِّنٌ تَفْنِيْ عَلَيْهِ نَفَائِسُ الْاَرْوَاحِ
حَتّٰى رَاَيْتُكَ تَجْتَبِيْ وَ تَخُصُّ مَنْ اَحْبَبْتَهٗ بِلَطَائِفِ الْاَمْنَاحِ
فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَاتُنَالُ بِحِيْلَةٍ وَلَوَيْتُ رَاْسِيْ تَحْتَ طَيِّ جَنَاحِيْ
وَجَعَلْتُ فِيْ عُشِّ الْغَرَامِ اِقَامَتِيْ فِيْهِ غُدُوِّيْ دَائِمًا وَ رَوَاحِيْ

میں خیال کیا کرتا تھا کہ آپ کا وصل بہت زیادہ قیمتی مال خرچ کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور میں ازروئے جہالت یہ بھی گمان کیا کرتا تھا کہ آپ کی محبت معمولی اور بہت آسان ہے۔اس پر قیمتی سانس اور قیمتی جانیں ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔حتیٰ کہ میری جہالت کی جب آنکھ کھلی اور علم کی نظر سے میں نے دیکھا۔کہ آپ جسے پسند فرماتے ہیں اور جسے منتخب فرماتے ہیں اسے عظیم احسانات و انعامات سے نوازتے ہیں۔تو مجھے یقین آ گیا کہ آپ کسی حیلہ اور بہانہ سے نہیں پائے جاسکتے اور پھر میں نے اپنا سر اپنے بازوؤں میں چھپا دیا۔یعنی مراقبہ میں چلا گیا پھر میں نے عشق و محبت کے گھونسلے میں اپنی مستقل رہائش بنالی۔اسی پر میری صبح اور میری شام لگاتار گزرتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مل گیا۔اسے اللہ رب کائنات کا وصال مل گیا۔اس لئے کہ یہ ایک ہی بارگاہ ہے اور جو وسیلہ تک پہنچ گیا وہ مقصد تک پہنچ گیا اور جس نے ان دونوں کے وصال میں فرق کیا۔اسے معرفت کی بو بھی نہیں آسکتی۔عارف تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے محبوب کی محبت میں ہی دم بھرتے ہیں۔کسی عارف نے اس وصال کیلئے نعت شریف سے وسیلہ تک رسائی حاصل کی۔جیسا کہ برعی اور بوصیری رحمۃ اللہ علیہما اور کسی نے نعت شریف کو مقصد کے وصال کا ذریعہ بنایا۔جیسا کہ ابن الفارض اور ان کے ہم مشرب حضرات ہوئے۔اور کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے حصول وسیلہ و مقصد دونوں کیلئے نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لیا۔جیسا کہ سیدی علی الوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔دونوں کے جمع کا مقصد ایک ہی ہے۔جب وصل کے اسباب میں سے عظیم سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے تعلق ہے اور آپ کی ذات پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہے۔اس

میں آدمی اتنا مگن ہو جائے کہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال شریف پیش نظر رہے۔ خواہ آدمی کہیں بھی ہو۔ صاحب دلائل الخیرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ اقدس کی تصویر بنا رکھی تھی۔ تا کہ جب روضہ اقدس سے واقعۃً دور ہوں۔ تو اس کو درود و سلام عرض کرتے وقت نظروں کے سامنے رکھ کر عرض کریں یہ اس لئے تا کہ تصویر کو دیکھ کر ذہن اس ذات کی طرف منتقل ہو جائے۔ جو اس روضہ مبارکہ میں جلوہ فرما ہے۔ پھر جب یہ عمل انہوں نے بار بار کیا اور ساتھ ہی صلوٰۃ و سلام کی کثرت بھی کی۔ تو ایک وقت آیا کہ یہی خیال حقیقت بن کر آنکھوں سے دکھائی دینے لگا۔ اور مقصود اصلی بھی یہی تھا۔ اسی طرف کسی شاعر نے اشارہ کیا ہے۔

فَرَوْضَتُکَ الْحَسْنَاءُ مُنَایَ وَ بُغْیَتِیْ ۔۔۔ وَ فِیْھَا شِفَاءُ قَلْبِیْ وَ رُوْحِیْ وَ رَاحَتِیْ
فَاِنْ بَعُدَتْ عَنِّیْ وَشَطَّ مَزَارُھَا ۔۔۔ فَتِمْثَا لُھَا عِنْدِیْ بِاَحْسَنِ صُوْرَۃٍ
وَھَا اَنَا یَا خَیْرَ النَّبِیِّیْنَ کُلِّھِمْ ۔۔۔ اُقَبِّلُھَا شَوْقًا لِاُطْفِیْ غِلَّتِیْ

میں نے اپنی تمام تر خوبصورت امیدیں اور تمنائیں آپ کے حوالہ کیں۔ اسی میں میرے دل اور میری روح کی شفاء ہے اور اس میں میرا آرام پوشیدہ ہے۔ پس اگر آپ کا مزار اقدس اور آپ خود مجھ سے دور ہیں۔ تو میں اس دوری کا علاج آپ کے مزار شریف کی تصویر کے ذریعہ کرتا ہوں۔ میں نے اسی لئے اس کی خوبصورت ترین تصویر بنا کر سامنے رکھ لی ہے۔ اور ہاں اے تمام انبیاء کرام میں سے افضل و بہتر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس کی طرف محبت اور شوق سے متوجہ ہوتا ہوں۔ تا کہ اس سے میں محبت کی پیاس بجھاؤں۔

ایک اور شاعر نے اس مضمون پر یوں اشعار کہے۔

اِذَا مَا الشَّوْقُ اَقْلَقَنِیْ اِلَیْھَا ۔۔۔ وَلَمْ اَظْفَرْ بِمَطْلُوْبِیْ لَدَیْھَا
نَقَشْتُ مِثَالَھَا فِی الْکَفِّ نَقْشًا ۔۔۔ وَقُلْتُ لِنَاظِرِیْ قَصْرًا عَلَیْھَا

جب محبت اور شوق نے مجھے محبوب کی قدم بوسی کیلئے جانے پر مجبور کر دیا۔ جب وہاں پہنچا تو مجھے اپنے مطلوب و محبوب سے وصل کی کامیابی نہ ہو سکی۔ تو میں نے اس کی تصویر اپنی ہتھیلی پر بنا لی۔ اور اپنی آنکھوں سے کہا کہ اب اسی پر جم جاؤ۔

عارفین حضرات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں درود و سلام کا بکثرت ہدیہ بھیجتے ہیں اس کثرت درود سے ان کا مقصد اپنے لئے ثواب پانا اور کوئی نفع حاصل کرنا نہیں ہوتا اگر چہ یہ مقصد بہر حال مل ہی جاتا ہے یا یہ کہ کثرت صلوٰۃ و سلام سے شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فائدہ پہنچتا

ہو۔ ان حضرات کے پیش نظر یہ مقاصد نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنی محبت اور شوق بھرے دل کی تسکین اور وصل محبوب مقصود ہوتا ہے۔ عارف باللہ جناب دمرداشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَيسَ قَصْدِیُ مِنَ الْجِنَانِ نَعِيمًا غَيْرَ اَنِّی اُرِيدُهَا لِاَرَاكَا

جنت میں جانے کا میرا مقصد یہ نہیں کہ وہاں مختلف نعمتیں ملیں گی۔ میرا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ وہاں جا کر تمہاری زیارت ہو سکے گی۔

سیدی عمر بن الفارض نفعنا اللہ بہ نے درج ذیل شعر اس وقت کہا۔ جب آپ نے کشف کے ذریعہ جنت دیکھی۔ اور اس میں جو کچھ ان کیلئے تیار کیا گیا وہ دیکھا۔

اِنْ كَانَ مَنْزِلَتِی فِی الْحُبِّ عِنْدَكُمْ مَا قَدْ رَأَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ اَيَّامِیْ

لوگو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری منزل اور مقام، محبت میں وہی ہے جو میں دیکھ چکا ہوں۔ تو پھر میں سمجھتا ہوں، کہ میں نے اپنی عمر یقیناً گنوا دی۔ (محبت کا صلہ نہ پایا)۔

درج ذیل الفاظ ''صلوٰۃ'' کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَ دَوَائِهَا وَ عَافِيَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِهَا۔

''اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما، جو دلوں کے طبیب اور دوا ہیں۔ اور تمام بدنوں کی عافیت اور شفاء ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل کے حسی اور معنوی امراض کے طبیب ہیں۔ معنوی امراض مثلاً تکبر، خود پسندی، حسد، کینہ، شک اور شرک وغیرہ۔ یونہی بدن کی عافیت بھی امراض حسیہ اور معنویہ سے آپ کی نظر توجہ سے ہو جاتی ہے۔ جسم کے امراض معنوی ہر وہ گناہ جس کا تعلق ظاہر جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کے ان تمام امراض کو عافیت سے تبدیل کرنے والے ہیں۔

وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَ ضِيَائِهَا وَ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ آپ آنکھوں کے نور یعنی آنکھوں کو منور کرنے والے اور ان کے حسی و معنوی پردوں کو دور فرمانے والے ہیں۔ ان تمام الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ظاہری و باطنی تکالیف، دینی اور دنیوی تکالیف کا دور کر دینا رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ ہر قسم کے منافع بھی آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہی معنی اس کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دنیا و آخرت کو زیر تصرف کر دیا ہے۔ آپ جو چاہتے ہیں ان میں تصرف فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق

میں ارشاد فرمایا۔ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ (مائدہ: 110)۔ لہٰذا جو تصرفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ثابت ہیں۔ وہ اوران سے اور زیادہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ثابت ہیں۔

جوہر نمبر ۲۴: ایک اور ''صلوٰۃ'' کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔ یہ ''صلوٰۃ'' وہ اعلیٰ قدر ومنزلت رکھتی ہے کہ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق لکھا۔ جو شخص ہر جمعہ کی رات اسے وظیفہ میں رکھے گا۔ خواہ وہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ پڑھتا ہو۔ جب اسے لحد میں اتاریں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْحَبِيْبِ الْعَالِي الْقَدْرِ الْعَظِيْمِ الْجَاهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

لفظ ''اُمّی'' ام کی طرف منسوب ہے۔ ''اُمّی'' وہ ہے جس نے کسی سے پڑھا نہ ہو اور نہ وہ لکھنا جانتا ہو۔ یہ وصف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ وکامل وصف ہے۔ لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے اس کا ہونا اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''امی'' اس لئے بنایا تاکہ کافروں کے اس اعتراض کا خاتمہ ہو جائے جو یہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی آدمی پڑھا سکھا جاتا ہے۔ (جس سے پڑھ سیکھ کر آپ ہمیں آکر بتاتے ہیں۔ کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے) علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً    فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِي الْيُتُمِ

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف اسی معجزہ کو دیکھے تو تیرے لئے آپ کے سچا نبی ہونے کی یہ کافی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امی'' ہوتے ہوئے دور جہالت میں علم کے ناپید اکنار سمندر ہیں۔ اور پیدا ہوتے ہی یتیم ہوتے کے باوجود آداب واخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

لفظ ''امی'' کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی ''ام القریٰ'' کی طرف نسبت ہے جو مکہ کا ایک نام ہے۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نشوونما پائی۔ شعب ابی طالب میں پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری عام الفیل کے پچاس دن بعد ہوئی تھی۔ بعض نے اور بھی قول کئے پھر جب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی تو آپ بحیثیت رسول مبعوث ہوئے۔ مکہ شریف میں اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال آپ تشریف فرما رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اور دس سال وہاں اقامت فرمائی۔ جب آپ نے وصال فرمایا۔ تو آپ کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی۔ فتح مکہ اور عظیم کامیابیوں کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ اور سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ آپ کا وصال مبارک بروز پیر ہوا۔ اور ربیع الاول میں ہی انتقال کے دو دن بعد بروز بدھ دفن کیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی بہت ہیں۔ بعض حضرات نے ایک ہزار تک شمار کیے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ تَوَسَّلُوْا بِجَاهِيْ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میری قدر ومنزلت اور عزت کا وسیلہ پیش کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری قدر ومنزلت نہایت عظیم ہے۔

جوہر نمبر ۲۵: ایک صلوٰۃ مبارکہ لفظ میں مذکور ''الطَّاهِرُ الْمُطَهَّرُ'' کے تحت امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ تشریح فرماتے ہیں۔ یہ ''صلوٰۃ'' ایسی بابرکت ہے کہ جو اس کی پڑھائی اپنے لئے لازم کر لیتا ہے اسے اس کے صلہ میں ''طہارت'' عطا کر دی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

''الطاھر'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کے میل اور نجاست سے منزہ و پاک تھے۔ حضرات علماء کرام نے اس پر نص فرمائی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نطفہ سے پیدا کیے گئے۔ وہ پاک تھا۔ اور علماء کا اگرچہ آپ کی منی کی طہارت میں اختلاف ہے۔ لیکن اول الذکر میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر انتقال کے بعد بھی بالاجماع طاہر ہے۔ جیسا تمام انبیاء کرام کے اجسام پاک طاہر ہوتے ہیں۔ علماء میں جو یہ اختلاف ہے کہ عام آدمی کا جسم مرنے کے بعد پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف سے حضرات انبیاء کرام کے اجسام عالیہ مستثنیٰ ہیں۔ (یعنی بالاتفاق والاجماع یہ پاک ہیں) علماء نے یہ بھی بطور نص فرمایا ہے کہ تمام انبیاء کرام کے جسم سے خارج ہونے والے فضلات بھی طاہر ہیں۔ خواہ وہ زندگی میں خارج ہونے والے ہوں یا بعد از وصال۔

لفظ ''الْمُطَهَّرُ'' اگر اسم مفعول کا صیغہ ہے تو اس کا معنی بھی پاکیزہ اور طاہر ہی ہے۔ اور اگر اسے اسم فاعل پڑھا جائے۔ تو پاک کرنے والا مراد ہوگا۔ پھر ''طاہر'' اور ''مطہر'' دو الگ معنی رکھنے والے الفاظ ہوں گے۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو پاک کرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مطلق پانی'' کی طرح ہوں گے۔ جو خود بھی پاک ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیوی و اخروی ہر گندگی اور میل سے پاک کرنے والے ہیں۔

جوہر نمبر ۲۶: "ذَاتُ الْمَنَاقِبِ الْفَاخِرَۃ" کے الفاظ ایک درود شریف میں مذکور ہیں۔ ان الفاظ کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ذِی الْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَۃِ۔ آپ معجزات باھرۃ بمعنی ظاہر معجزات والے یا مخالفین کے دلائل کو کاٹ کر رکھ دینے والے ہیں۔" صاحب الجوھرہ" رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے معجزات ہیں۔ جو روز روشن کی طرح ظاہر تھے۔ ان میں ایک قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس نے تمام انسانوں کو اپنی مثل ایک آیت لانے سے عاجز کر دیا۔ ان میں سے دوسرا معجزہ آپ کیلئے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہے۔ وہ بھی اسی طرح کہ دونوں ٹکڑے آسمان پر ہی الگ الگ ہو گئے۔ اور ایک دوسرے سے دوری پر ہوتے ہوئے ایک ایک پہاڑ پر آ کر رک گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر) تیسرا معجزہ کنکریوں کا آپ کے دست اقدس میں تسبیح کہنا ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری۔ انہوں نے تسبیح کہنا شروع کر دی۔ حتیٰ کہ ان سے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی طرح آواز سنائی دی۔ پھر ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح کی آواز آتی رہی۔ پھر حضرت عثمان نے لیں۔ تو بھی تسبیح کہہ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے زمین پر رکھ دیں۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ اس واقعہ میں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور دوسری طرف صحابہ کرام کی کرامت بھی ہے۔

چوتھا معجزہ حیوانات کا گفتگو کرنا ہے۔ جن میں گوہ، ہرنی اور اونٹ کے واقعات نمایاں ہیں۔ امام احمد اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے۔

اَنَّهُ دَخَلَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطاً لِاَنْصَارِيٍّ وَ فِيْهِ جَمَلٌ اِسْتَصْعَبَ عَلٰی اَهْلِهٖ وَ مَنَعَهُمْ ظَهْرٌ فَمَشٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْصَارَ مِثْلَ الْكَلْبِ وَ اَنَا اَخَافُ عَلَيْكَ صَوْلَتَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَأْسٌ فَلَمَّا نَظَرَ الْجَمَلُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَّ سَاجِدًا بَيْنَ يَدَيْهِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِنَا صِيَتِهٖ وَاَدْخَلَهٗ فِي الْعَمَلِ فَقَالَ لَهٗ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ بَهِيْمَةٌ لَا تَعْقِلُ وَ نَحْنُ نَعْقِلُ فَنَحْنُ اَحَقُّ

بِالسُّجُوْدِ لَکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا یَصْلُحُ لِبَشَرٍ اَنْ یَسْجُدَ لِبَشَرٍ (الحدیث)۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ اس میں ایک اونٹ دیکھا جس نے اپنے مالکوں کو ہراساں کیا ہوا تھا۔ کسی کے قابو میں نہ آتا تھا۔ اور نہ ہی کسی کو اپنی پشت پر سوار ہونے دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف تشریف لے جانے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ اونٹ ہلکے کتے کی طرح باؤلا ہو گیا ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ جب اونٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا۔ تو آپ کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑا اور اسے کام میں لگا دیا۔ یہ دیکھ کر حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ بے زبان کچھ عقل نہیں رکھتا۔ اور ہم صاحب عقل ہیں۔ اس لئے اس سے زیادہ ہمیں حق ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کیلئے کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرنا قطعاً درست نہیں"۔

امام بیہقی اور شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ وہاں اچانک بنوسلیم قبیلہ کا ایک اعرابی آیا جس نے گوہ کا شکار کر کے اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا۔ تاکہ اسے اپنے کجاوہ کے پاس لے جائے۔ اسے بھون کر کھائے جب اس نے یہ جماعت دیکھی تو پوچھنے لگا یہ کون ہیں؟ حاضرین نے جواب دیا یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے اپنی آستین سے گوہ نکالی اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم! میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہیں لاتی۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ آپ کے سامنے ڈال دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آواز دی۔ گوہ آپ کی آواز پر بولی۔ اس کا جواب حاضرین محفل نے بھی سنا۔ کہنے لگی۔ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ یَا زَیْنَ مَنْ وَافَی الْقِیَامَۃَ۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ تو کس کی بندگی بجا لاتی ہے؟ کہنے لگی۔ اس کی جس کا آسمانوں میں عرش ہے، زمین میں اس کی سلطنت ہے۔ دریاؤں سمندروں میں اس کا راستہ ہے۔ جنت میں اس کی رحمت، دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔ آپ نے پوچھا۔ میں کون ہوں؟ کہنے لگی۔ اللہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ عالمین کیلئے رحمت ہیں۔ تمام پیغمبروں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔ جس

نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ ذلیل ورسوا ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی اسلام لے آیا۔

حافظ عبدالعظیم منذری نے اپنی کتاب ''الترغیب والترھیب'' میں روایت لکھی ہے کہ ایک بار سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحراء میں تھے۔ کہ کسی ان دیکھے نے تین مرتبہ آواز دی۔ یارسول اللہ! آپ نے جدھر سے آواز آئی مڑ کر دیکھا۔ تو ایک ہرنی دکھائی دی۔ جو رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور ایک اعرابی بالکل اس کے قریب سویا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرنی سے پوچھا۔ تمہاری کیا حاجت ہے؟ کہنے لگی۔ اس اعرابی نے مجھے شکار کر کے پکڑ لیا ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ جو اس نزدیک والے پہاڑ میں ہیں۔ آپ مجھے کھول دیں۔ تاکہ میں جا کر ان کو دودھ پلا آؤں۔ اور میں واپس آ جاؤں گی۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تو واپس آ جائے گی؟ کہنے لگی اگر میں واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے ظالم کا سا عذاب دے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی رسیاں کھول دیں۔ پھر وہ بچوں کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ اور آپ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ پڑا۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہے؟ فرمایا۔ ہاں وہ یہ کہ اس ہرنی کو چھوڑ دے۔'' اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ چھلانگیں لگاتی صحرا میں بھاگ گئی۔ اور زمین پر کھر مارنے لگی۔ اور کہہ رہی تھی۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اس قدر ہیں کہ کئی کتابیں لکھی جائیں تو بھی ناکافی رہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِکَ الْعِجْزُ عَنْ وَصْفِکَ اِذْلَا یَحُدُّہُ اَلْاِحْصَاءُ

کَیْفَ یَسْتَوْعِبُ الْکَلَامُ سَجَایَاکَ وَھَلْ تَنْزِحُ الْبِحَارَ الدِّلَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی صفت وثناء کرنے سے ہر شخص عاجز ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی گنتی اور حد ہے ہی نہیں۔ آپ کے اوصاف وکمالات کا کلام کس طرح احاطہ کر سکے! اور کیا سمندروں کا پانی ڈول سے کھینچ کر ختم کیا جا سکتا ہے؟

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ذِی الْمَنَاقِبِ الْفَاخِرَۃِ۔ مناقب کا معنی کمالات ہے۔ اس کی ضد مثالب آتی ہے۔ اور'' الفاخرۃ'' کا معنی ایسی باتیں جو دنیا وآخرت میں قابل فخر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ)۔ اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ﴿۱﴾ (الکوثر)۔ ہم نے آپ کو کثرت عطا کی۔ نیز فرمایا۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ﴿۵﴾ (الضحیٰ) آپ کا رب بہت جلد آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا

کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔کوئی فخر نہیں۔یعنی اس سے بڑا اور کوئی فخر نہیں۔یا یہ معنی ہے کہ میں یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لوں۔بلکہ اس کی نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں۔جیسا کہ اس نے مجھے تذکرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔یہ تمام کمالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت اور معنی کے کمال کی طرف لوٹتے ہیں۔آپ ایسی انتہاء ہیں جس تک رسائی ناممکن ہے۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَیْسَ مِنْ غَایَۃٍ لِوَ صْفِکَ اَبْغِیْ ...... ھَا وَلِلْقَوْلِ غَایَۃٌ وَ اِنْتِھَاءٌ

آپ کے اوصاف مبارکہ کی کوئی انتہا نہیں کہ میں اسے تلاش کرتا پھروں۔میری باتوں کی انتہاء بھی ہے اور غایت بھی ہے۔

اِنَّمَا فَضْلُکَ الزَّمَانُ وَ آیَاتُکَ فِیْمَا نَعُدُّہٗ الْآنَاءُ

آپ کے فضائل زمانے کی طرح لامحدود ہیں۔اور آپ کے معجزات ناپیدا کنار سمندر ہیں۔اور ہم جو کچھ گن سکتے ہیں وہ اس وسیع زمانے کے سیکنڈ ہیں۔وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ خَلِّقْنَا بِاَخْلَاقِہٖ الطَّاھِرَۃِ۔آگے ذکر ہونے والے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ۔یعنی ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے آپ خیانت سے معصوم ہیں۔نبوت سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی۔اسی لئے ان دونوں ناموں سے آپ کو بعثت مبارکہ سے پہلے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ جَآءَ بِالْحَقِّ الْمُبِیْنِ۔یعنی ظاہر اور واضح حق لیکر تشریف لائے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ(بقرہ:146)۔ یہودی عیسائی آپ کو یوں پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے "میں تمہیں روشن و واضح دلائل پر چھوڑے جا رہا ہوں۔اس کی رات اس کے دن کی مانند ہے۔اور اس کا دن اس کی رات جیسا ہے۔اس سے گمراہ وہی ہوگا جو ہلاک ہونے والا ہے۔حدیث پاک میں یہ بھی وارد ہے کہ حلال وحرام بالکل واضح ہے۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ اَرْسَلْتَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ۔سب کیلئے حتیٰ کہ کفار کیلئے بھی آپ رحمت ہیں۔وہ اس طرح کہ عذاب ان سے مؤخر ہو گیا۔اور منافقین کیلئے رحمت اس

طرح کہ انہیں امان مل گئی۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ "میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)۔ ساری دنیا زمین میں دھنس جانے اور شکلیں تبدیل ہو جانے سے اور ہر عام عذاب سے اس لئے امن میں ہو گئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں قیامت تک جلوہ فرما ہیں۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهِمْ وَ صَحْبِهِمْ اَجْمَعِيْنَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِكْرِ هِمُ الْغَافِلُوْنَ۔

جوہر نمبر ۲۷: "مسبعات عشر" میں صلوٰۃ ابراہیمی پر گفتگو کرتے امام موصوف نے لکھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

"اَللّٰهُمَّ" کا معنی اے اللہ ہے جو جمیع اسماء وصفات الٰہیہ کا جامع ہے۔

"صَلِّ" یعنی اے اللہ! تو اپنی ایسی رحمت جو تعظیم، تکریم اور بزرگی سے ملی ہوئی ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما اور اہل دنیا و آخرت میں علی الدوام نازل فرما۔ عالم علوی اور عالم سفلی میں تو اپنی بلندیوں سے انہیں لگاتار رحمتوں سے نواز۔

جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو تو بندوں کو تو خود اپنی ذات کیلئے حصول نفع کی قدرت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی دوسرے کو نفع پہنچائیں۔ اب صلوٰۃ وسلام کے حکم پر عمل کرنے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے کہ اے اللہ! تو ہی ان پر رحمتیں نازل فرما۔ اس لئے ایک "صلوٰۃ" اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے ہے وہ "اعطائے انعامات" ہوگی۔ اور دوسری جو بندوں کی طرف سے بھیجنے کی درخواست کی گئی وہ اللہ تعالیٰ سے "طلب" ہوگی۔ مومن اس سے دنیا و آخرت میں مشرف ہوں گے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور بندوں پر اس کی نعمت ہے۔

"مُحَمَّدٌ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "ذاتی علم" ہے۔ آپ کے تمام اسماء عالیہ سے اسے اس لئے منتخب کیا گیا کیونکہ یہ تمام دیگر اسماء سے اشرف واعظم ہے۔ اسی لئے کلمہ توحید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کیساتھ یہی نام متصل فرمایا۔ لفظ "محمد" باب تفعیل سے اسم مفعول بنتا ہے۔ ح، م، د سے جس

قدر الفاظ مشتق ہیں۔ ان تمام میں سے یہ زیادہ بلیغ اور مبالغہ کا حامل ہے۔ کیونکہ لغت میں لفظ ''محمد'' وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی ہر وقت حمد کی جائے۔ کیونکہ یہ صیغہ تکرار کو چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ اسم آپ کی ذات کے مطابق ہے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ آپ کی ذات مبارکہ تمام جہانوں کے رہنے والوں کی محمود ہے۔ اور تمام دنیا آپ کی ہر طریقہ سے حمد کرتی ہے۔ حقیقۃً، اوصافاً، اخلاقاً، اعمالاً، اموالاً، علوماً اور احکاماً وغیرہ۔ لہٰذا آپ کی ہی بار بار حمد اور لگا تار حمد آسمانوں، زمینوں اور دنیا و آخرت میں کی گئی اور ہو رہی ہے۔ آپ ہر محمود سے بہتر اور افضل ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کل قیامت میں ''لِوَاءِ الْحَمد'' آپ کے دست اقدس میں ہوگا۔ آپ ہی ''مقام محمود'' کے مکین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نام سے اس وقت موسوم فرمایا۔ جب مخلوق کے خلق ہونے میں ابھی دو ہزار سال تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے یہ نام ایک خواب کے دیکھنے پر رکھا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سونے کی زنجیر دیکھی جوان (عبدالمطلب) کی پشت سے نکلی۔ اس کا ایک کنارہ آسمان دوسرا زمین تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک مشرق اور ایک مغرب میں تھا۔ پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کر گئی۔ جس کے ہر پتہ پر نور تھا۔ پھر تمام مشرق و مغرب کے رہنے والے گویا اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ عبدالمطلب نے یہ خواب بیان کیا تو انہیں تعبیر یہ بتائی گئی۔ کہ تمہاری پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے اہل مشرق و مغرب گرویدہ ہوں گے اور آسمان و زمین والے سبھی اس کی حمد کہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے کسی کہنے والے کی آواز سنی۔ کہ تمہارے شکم میں اس امت کے سردار ہیں۔ جب یہ دنیا میں تشریف لائیں تو ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔

آلِہٖ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''آل'' وہ حضرات ہیں جن پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دی گئی ہے۔

سوال: قانون یہ ہے کہ جن دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دی جائے ان میں سے جس کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ اس چیز سے ادنیٰ ہوتی ہے۔ جس سے اس کو تشبیہ دی گئی ہو یا پھر زیادہ سے زیادہ برابر ہوتی ہے اعلیٰ نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر ''صلوٰۃ'' افضل ہے۔ حالانکہ آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دی گئی۔ لہٰذا آپ زیادہ سے زیادہ مساوی ہوسکتے ہیں اعلیٰ نہیں۔ حالانکہ آپ اعلیٰ ہیں؟

جواب: اس کے بہت سے جوابات دیئے گئے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ مذکورہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اغلبیہ ہے۔ یعنی اکثر اور غالباً ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشبہ بہ افضل و اعلیٰ ہوتا ہے لیکن ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض جگہ مشبہ افضل ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الآیہ (النور:35)۔ اس میں اللہ کا نور مشبہ اور مشکوٰۃ مشبہ بہ ہے اور

افضلیت بہر حال اللہ تعالیٰ کے نور کو ہی ہے۔

۲- چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ پہلے تھا۔ اور ان پر ان کے دور میں صلوۃ نازل ہوئی۔ اس تقدیم کے پیش نظر انہیں مشبہ بہ بنایا گیا۔ معنی یوں ہوگا۔ اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ بھیج جس طرح تیری طرف سے حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ پہلے نازل ہو چکی ہے۔ بس تو اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطریقہ اولیٰ صلوۃ نازل فرما۔ تشبیہ یہاں اصل صلوٰۃ میں ہوگی۔ قدر صلوۃ میں تشبیہ نہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ آلایہ (النساء:163) ...... كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرہ:183)...... وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص:77)

۳- امت کیلئے تواضع اور جواز کے پیش نظر ایسا کہا گیا۔ تا کہ وہ اس سے فضل وثواب حاصل کرے۔ اور بھی جوابات ہیں۔ جن کو دلائل الخیرات کے شارحین نے لکھا ہے'' آل ابراہیم'' سے مراد آپ کے متبعین اور وہ اولاد جو مومن تھی۔ ان میں انبیاء بھی شامل ہیں اور غیر انبیاء بھی۔ لہٰذا آپ کی صلبی اولاد اور بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر شامل ہیں۔ یہی معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ہے۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞ (ہود:73)۔

''بَارِكْ'' کا معنی ہے کہ اے اللہ! تو دارین کی خیرات آپ کو عطا فرما۔ اور تو نے آپ کو جو بزرگی اور کرامت عطا فرمائی اسے دوام عطا فرما۔ اور آپ کی شریعت اور آپ کا ذکر لگا تار جاری رکھ۔ کیونکہ ''برکت'' کسی چیز میں خیر کے اضافہ کو کہتے ہیں۔

''فِي الْعَالَمِيْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو صلوۃ کو تمام کائنات میں پھیلا دے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوۃ کو تو نے پھیلایا۔

لفظ ''حَمِيْدٌ'' بروزن فعیل ہے اور اسم مفعول یعنی محمود کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح محمود ہے کہ اس کے بندے اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ یا بمعنی فاعل یعنی حامد ہوگا۔ کیونکہ وہ خود اپنا حامد ہے اور اپنے اطاعت گزار بندوں کا بھی حامد ہے۔

لفظ ''مَجِيْدٌ'' مجد سے مشتق ہے۔ جس کا معنی شرف، رفعت، کرم ذات وصفات ہے۔ دونوں الفاظ کو ملانے سے معنی یہ ہوگا۔ اے اللہ! تو ہی حمد کا مستحق ہے۔ تو ہی فعل جمیل اور افضال کا مالک ہے۔ ہمیں ہمارے سوال عطا فرما۔ صلوٰۃ کے درج شدہ صیغہ جات کو امام مالک نے موطا میں اور مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جناب بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ تو ہم کیسے آپ پر صلوٰۃ بھیجیں؟ ابو مسعود کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی۔ کہ کاش وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات نہ پوچھتے۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ ''صلوٰۃ'' ارشاد فرمائی۔ یہ درود ابراہیمی مختلف طریقہ جات اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ جیسا کہ صاحب دلائل الخیرات نے ذکر کیا ہے۔ اس کا نام درود ابراہیمی رکھا گیا ہے۔ اس میں لفظ ''سید'' موجود نہیں۔ لہٰذا جو شخص احادیث میں وارد الفاظ پر اکتفا کرنا چاہے وہ لفظ ''سید'' نہ کہے۔ یہی اولیٰ ہے اور امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہی موقف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے مذکور درود شریف پڑھا۔ یہ درود شریف کل قیامت میں اس کے حق میں لازماً گواہی دے گا۔ اور پڑھنے والے کی شفاعت بھی کرے گا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے راویان حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھنے والے کو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

کتاب ہذا کے جامع و مؤلف علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لفظ ''سید'' کے بارے میں اپنی تحقیق لکھتے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''سید'' کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس کا ترک اولیٰ ہے۔ یہ مسئلہ (لفظ سید کا ترک یا اندراج) ایک اہم مسئلہ ہے میں نے اس کے متعلق اپنی کتاب ''سعادۃ دارین'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں اسے یہاں نقل کرتا ہوں۔ اس سے آپ حضرات کو معلوم ہو جائے گا کہ چاروں مذاہب کے علماء خاص کر شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔ کہ لفظ ''السیادۃ'' ہر حال میں زائد کرنا مستحسن ہے۔ میری عبارت درج ذیل ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے وقت لفظ ''سیدنا'' کے اضافہ پر گفتگو

''القول البدیع'' میں مذکور ہے کہ المجد اللغوی نے جو لکھا اس کا ماحاصل یہ ہے کہ بہت سے عشاق یوں پڑھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا الخ اس میں محبت ہے۔ درود شریف میں بظاہر یہ درست نظر آتا ہے کہ الفاظ ماثورہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ لفظ نہ کہا جائے اور خبر صحیح کے الفاظ پر ہی اکتفا

کیا جائے۔ درود شریف کے علاوہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ اس کا اضافہ کرنا۔ اس کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لفظ کو پسند نہ فرمایا۔ جب کہ آپ کو اس سے مخاطب کیا گیا تھا۔ جیسا کہ حدیث مشہور میں آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس لفظ کے استعمال کو ناپسند فرمانا ہو سکتا ہے کہ از روئے انکساری ہو۔ یا اس لئے ہو کہ کسی کی سامنے اور منہ پر تعریف کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ یا کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ خود روایات صحیحہ میں آتا ہے۔ فرمایا "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ" اور امام حسن کو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ۔ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد پر فرمانا قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ اپنے سید کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور حضرت سہل بن حنیف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "یَا سَیِّدِیْ" کہہ کر پکارا۔ اس روایت کو امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ ان تمام روایات سے اس امر کی واضح دلیل ملتی ہے۔ اور روشن براہین ملتی ہیں۔ کہ لفظ "سید" کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر جائز ہے۔ اور جو حضرات اس کو منع کرتے ہیں ان کو شروع میں ذکر کی گئی دلیل کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ دلیل اتنی وزنی نہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں کراہت اور ناپسندیدگی کے بہت سے احتمالات ہیں، جن میں چند مذکور ہوئے۔

علامہ الاسنوی رحمۃ اللہ علیہ "المہمات" میں فرماتے ہیں مجھے بہت عرصہ سے یہ بات یاد ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام وہ شخص ہیں جنہوں نے تشہد میں لفظ محمد سے قبل "سیدنا" کا اضافہ یا عدم اضافہ کے بارے میں بنیاد یہ باندھی کہ افضل کیا ہے۔ کیا ادب کے طریقہ پر چلنا اور اس لفظ کو ادباً زیادہ کرنا بہتر ہے؟ یا حکم نبوی پر عمل کرتے ہوئے من وعن انہی الفاظ پر اکتفا کرنا بہتر ہے؟ اگر پہلی بات کا خیال رکھا جائے تو زیادتی مستحب ہے۔ لیکن دوسری بات کو مدنظر رکھیں تو نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" ہیں۔ پھر امام حافظ السخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ پڑھنے والے حضرات کا یوں پڑھنا "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ" یہ اس حکم کی تعمیل ہے جس کا مومنین کو حکم دیا گیا۔ اور تعمیل حکم کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "سیدنا" کہنا ایک حقیقت کی نشاندہی اور خبر ہے۔ اور یہ بات ادب واحترام کی حامل ہے۔ لہٰذا لفظ "سیدنا" کا زیادہ کرنا بہ نسبت اس کے ترک کرنے کے افضل ہے اور یہ بات گزشتہ حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے۔ وہ یہ کہ

"اَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ" اپنے نبی پر اچھے لفظوں کے ساتھ صلوٰۃ بھیجو۔ امام الشمس الرملی اورشہاب ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما دونوں حضرات نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے وقت لفظ "سیدنا" کا اضافہ مستحب ہے۔ خواہ تشہد کا درود شریف ہو یا کوئی دوسرا۔ دلائل الخیرات کی شرح میں شیخ محمد الفاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ لفظ "سید" اور "مولیٰ" کا اضافہ جائز ہے۔ بلکہ اس طرح کے دیگر الفاظ کا اضافہ بھی جائز ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کی بزرگی، تعظیم اور توقیر پر دلالت کرتے ہوں۔ ان کے ترک کی بہ نسبت ذکر کرنا اولیٰ ہے۔ صلوٰۃ پڑھنا ہو یا کسی اور مقام میں ہر وقت ان کا اضافہ جائز ہے۔ ہاں جہاں کسی مخصوص عبادت کا ذکر ہو۔ تو وہاں انہی الفاظ پر اکتفاء کرنا بہتر ہوگا۔ جو روایات میں آتے ہیں۔ علامہ البرزلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور تشریف پر مبنی ہو۔ اس کو استعمال کرنا درست ہے۔ یہاں تک کہ امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے الفاظ ایک سو سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ صاحب "مفتاح الفلاح" کہتے ہیں۔ لفظ "سید" کے ترک کرنے سے بچ۔ کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں وہ راز ہے جو اسی کو ملتا ہے جو اس کا ورد کرتا ہو علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کہ اس حدیث کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں "لَا تُسَیِّدُوْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ" صلوٰۃ میں مجھے سید نہ کہا کرو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ایسے الفاظ وارد نہیں ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "صلوٰۃ" کے الفاظ تعلیم فرمائے تھے تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ "سید" اس لئے ذکر نہ فرمایا۔ کہ آپ فخر کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ رہا معاملہ ہم امتیوں کا تو ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع فرمادیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیکر آپ کو آواز دیں۔ فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (النور:63)

شیخ الحطاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو بات مجھ پر عیاں ہوئی۔ اور میں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ خواہ صلوٰۃ کا وقت ہو یا غیر صلوٰۃ کا۔ میں تو لفظ "سیدنا" کا اضافہ کرتا ہوں۔ فرمایا۔ امت کے ہاں جو بات جاری وساری ہے وہ یہ کہ ایسے "الفاظ صلوٰۃ" جو روایات میں وارد نہیں۔ ان میں لفظ "سیدنا" کا اضافہ درست ہے اور جو روایات میں وارد ہیں۔ ان کے الفاظ کی اتباع کرتے ہوئے اور زیادتی سے دور رہتے ہوئے اس لفظ کا اضافہ نہیں کرتے۔ کیونکہ روایات میں مذکور الفاظ تعلیم کیلئے اور امتیوں کو ان کی حدود بتانے کیلئے ہوتے ہیں۔ یونہی سیدی احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ پھر امام

الحطاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صاحب دلائل الخیرات نے الفاظ صلوۃ جو مختلف روایات میں وارد ہیں۔ انہیں من وعن نقل کیا ہے۔ لفظ سیدنا کا ان میں اضافہ نہیں کیا اور جو وارد نہیں ان میں "سیدنا" کا لفظ زیادہ کیا ہے۔ لیکن یہ بھی اس لئے تاکہ لکھنے میں جو موجود ہے وہی لکھا جائے۔ لیکن لکھتے وقت زبان سے وہاں بھی "سیدنا" کہہ لینا بہتر ہے۔ انتہیٰ۔ یہ چند باتیں "کنوز الاسرار للہاروشی" اور "کتاب الرماح لعمر الفوتی" سے بطور اختصار ذکر کی گئیں۔

صاحب کنوز الاسرار نے امام الحطاب سے مذکورہ گفتگو لکھنے کے بعد لکھا۔ ہمارے شیخ العیاشی حفظہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ "صلوٰۃ" میں لفظ "سیدنا" کا اضافہ کیسا ہے؟ فرمایا۔ "اَلسِّیَادَۃُ عِبَادَۃٌ" کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بات واضح ہے کیونکہ صلوۃ بھیجنے والا جب صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اس کا ارادہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہی تو ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے حال میں لفظ "سید" کا ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے جو عین تعظیم ہے؟

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "الدر المنضود" میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی "محمد" سے قبل لفظ "سیدنا" زیادہ کرنے میں اختلاف ہے۔ "صلوٰۃ" بھیجتے وقت مجد اللغوی کہتے ہیں کہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ واردہ پر اکتفا کیا جائے اور یہ زیادتی نہ کی جائے۔ امام الاسنوی کہتے ہیں کہ میری یادداشت میں ہے کہ شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر ادب کو ملحوظ رکھا جائے تو اضافہ بہتر ہے اور اگر الفاظ واردہ پر اختصار کیا جائے تو ترک بہتر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہی میرا نظریہ ہے۔ جو میں نے "شرح الارشاد" میں ذکر کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کو امام بن کر نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ نماز سے فراغت کے بعد پوچھا کہ ایسا کیوں نہ کیا؟ کہنے لگے کہ میں نے یہ از روئے ادب واحترام کیا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ "مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لِا بْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ اَنْ يَّتَقَدَّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ" ابن ابی قحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے کھڑا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پر تائید فرمائی۔ اس واقعہ وروایت میں ایک عظیم دلیل ہے۔ کون سی دلیل؟ وہ یہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کی پاسداری آپ کے اس ارشاد سے اولیٰ ہے۔ جو ارشاد ایسا ہو کہ جس کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پابند نہ کیا ہو۔ پھر میں نے ابن تیمیہ کی تحریر دیکھی۔ کہ اس نے لفظ "سیدنا" کے ترک کا فتویٰ جڑا ہے۔

اور اس میں ادھر ادھر کی ہانکیں۔ بعض شافعیہ اور حنفیہ نے اس کی خبر لی۔ اور خوب خوب اس کے لتے لئے یہ شخص مستحق بھی اسی کا ہی تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً وارد ہے۔ جو بہت درست ہے۔ ''حَسِّنُوْا الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ'' اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوبصورت اور ادب و احترام میں ڈوبے الفاظ سے صلوۃ بھیجا کرو۔ انہوں نے اس کا طریقہ بھی بیان کیا اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول عام ہے۔ خواہ صلوٰۃ میں یا غیر صلوٰۃ میں ہر جگہ ادب و احترام کے الفاظ جائز ہیں۔ علامہ المحقق الجلال المحلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے ساتھ شرعاً یہ بات مطلوب ہے۔ کہ لفظ ''سید'' ذکر کیا جائے۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔ یعنی تم اپنے سید جناب سعد بن معاذ کیلئے تعظیماً کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیادت علم اور دین کے اعتبار سے تھی۔ اور درود شریف پڑھنے والا جب یہ الفاظ پڑھتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ تو ان الفاظ کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک امر واقعی کی خبر بھی دی جا رہی ہوتی ہے۔ جو سراسر ادب ہے۔ لہٰذا اس لفظ کا زیادہ کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے۔ یہی بات حدیث سابق سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

میں (علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ لفظ ''سیدنا'' کے اضافہ کے جواز پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام بھی بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے کتاب مذکور کے آخر میں لکھا ہے۔ جہاں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام اور کنیت سے آواز دینے کی حرمت کی گفتگو کرتے ہیں۔ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اَمَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَّھَابَ نَبِیَّہٗ وَاَنْ یُّبَجَّلَ وَیُعَظِّمَ وَاَنْ یُّسَوَّدَ۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے پیغمبر کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ اس کی بزرگی اور عظمت کے گن گائے جائیں اور اس کی سیادت و امامت کا اعلان کیا جائے۔

وَالْحَقُّ اَنَّ تَسْیِیْدَہٗ حَسَنٌ فِیْ کُلِّ حَالٍ۔ سچی بات یہ ہے کہ لفظ ''سیدنا'' کہنا ہر حال میں اچھا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

# العارف باللہ القطب الکبیر الشہیر

## سیدی احمد بن ادریس رضی اللہ عنہ

جوہر قطب کبیر۔"العقد النفیس" کتاب شیخ قطب موصوف کے ہی کسی صاحب نے تحریر کی ہے۔
جس کی من وعن عبارت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی۔اس عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔
سیدی احمد بن ادریس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مفہوم ہے؟
"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾" اپنے رب کی عبادت کرحتیٰ کہ تجھے یقین آ جائے۔شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔اس کی دو تفسیریں ہیں۔(الحجر:99)

اول: یقین سے مراد موت ہے اور یہ معنی ظاہر ہے۔اس تفسیر کے اعتبار سے لفظ "حتیٰ" غایت اور انتہاء کیلئے ہوگا۔

دوم: "یقین" کسی چیز کو عیاناً دیکھنا۔یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ کوئی شخص جب تمہارے سامنے کسی چیز کی تعریف اور اس کے اوصاف بیان کرتا ہے تو تو اگرچہ اس کی بات پر بالکل یقین کرلے۔اور ایسے اعتقاد صحیح کا معتقد ہو جائے کہ کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ تیرے دل میں نہ کھٹکے۔اور جو اس نے وصف بیان کیا تو اسے سو فیصد سچا جانے۔لیکن تو نے وہ چیز دیکھی نہ ہو جس کی صفت کی گئی۔تو تو اس کے تخیل میں ہر وقت ڈوبا رہے گا اور تصوراتی دنیا میں گھومتا رہے گا۔اور یہ بھی قطعی حقیقت ہے کہ جس چیز کو تو نے دیکھا نہیں۔اس کا تصور اور تخیل جو تو نے جما رکھا ہے وہ اس کی اصلی حقیقت کے مطابق نہ ہوگا جیسا کہ کوئی شخص تم سے مکہ مکرمہ کے اوصاف بیان کرے۔اور تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔نہ اس کی تجھے معرفت ہو۔پھر تو اس کی ایک تصویر ذہن میں بٹھا لے۔جو وقت آنے پر جب تو آنکھوں سے مکہ شریف دیکھے،اس کے مطابق نہ نکلے۔لہٰذا جب انسان اس چیز کی حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔تو اس کا اسے مشاہدہ کی حالت میں یقین حاصل ہو جاتا ہے۔یہ ایمان بالمشاہدہ کہلاتا ہے۔اور جب تک کسی کے اوصاف بیان کرنے سے ایمان ہوتا ہے اسے ایمان بالغیب کہتے ہیں۔

مومن جب اپنی بساط و ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور جب صاحب عرفان بن جاتا ہے تو اس کے سوا کسی اور کا مشاہدہ نہیں

کوتا۔ پھر ایسا ہو جاتا ہے کہ بندے اور بندے کے دل کے درمیان وہ آ موجود ہوتا ہے۔ یعنی جب عارف بصیرت کی آنکھ سے اپنے دل کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے اور اپنے قلب کے درمیان حائل پاتا ہے۔ اس معرفت وعرفان کے ذریعہ اسے ایسے معارف الٰہیہ حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، جب بھی صوفی اور عارف یہ صفائی حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کا دل بھی صاف ہو جاتا ہے تو پھر معارف کی شکلیں ان کے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی اگر مثال دیکھنا چاہو۔ تو شیشہ کو دیکھو۔ کہ اس کی اصل سخت پتھر ہے۔ پھر جب اس میں صفائی آئی اور ہر قسم کی کدورات ختم ہو گئیں۔ تو اس نے دور کھڑے لوگوں کو نزدیک کر دیا۔ دوربین ایک شیشہ ہے جس کے ذریعہ بعید کی چیز قریب دکھائی دیتی ہے حتی کہ جس قدر اس کی صفائی بڑھتی جاتی ہے۔ تو زیادہ صفائی والے شیشے سے بہت دور کی تحریر بھی پڑھی جاسکتی ہے اسی طرح آتشیں شیشہ چار ہزار سال کی مسافت پر واقع سورج کو چیز کے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ جس پر اس کی روشنی پڑ جاتی ہے اسے جلا دیتی ہے اور یہ بات آصف بن برخیا کی کرامت سے بڑی دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بلقیس کا عرش تین مہینے کی مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے دربار سلیمان میں لا رکھا تھا۔ اور یہ آتشیں شیشہ چار ہزار سال کی مسافت سے سورج کو پلک جھپکنے سے پہلے لے آیا۔ جب تو اس کو کسی چیز پر ڈالے گا تو وہ اس پر پڑتے ہی اسے جلا ڈالے گا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عین الوجود اور عقد کا واسطہ ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے انوار سے اپنی صفائی کی مقدار حصہ حاصل کیا۔ لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے نورانیت حاصل کرتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہی حاصل کرتا ہے۔ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی وَلِرَسُوْلِهٖ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوت وطاقت میں اس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جس نے شیشہ کے واسطہ سے سورج کی ضیاء حاصل کی۔ یہ اس امت کی تشریف اور اس کی اعلیٰ قسمت ہے۔ کیوں نہ بلند قسمت امت ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے اخذ نور کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ انوار حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی چیز کسی واسطہ کے بغیر سورج سے روشنی حاصل کرتی ہو۔ یہ بات اس لئے ہم کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے مٹھی لیکر بنایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (مائدہ) اس نور سے مراد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اس لئے کہ اگر آیت میں مذکور لفظ نور سے مراد ''کتاب'' ہوتی۔ تو پھر لفظی تکرار لازم آتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سمع، بصر وغیرہ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل اور کل نور ہیں۔ اس کے باوجود آپ بشریت اور عبودیت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور حق

تبارک وتعالیٰ اپنی کبریائی اور اپنی ملکوت میں مطلق ہے۔ اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ حالانکہ وہ اسی عرش پر بھی استواء فرماتا ہے اور اسی لحہ وہ قلب مومن میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے اور عبد مومن کی قوت سماعت و بصارت میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو جہات ہیں۔ ایک جہت، اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف ہے۔ اسی مقام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (توبہ:62)۔ ''اللہ اور اس کے رسول کا حق زیادہ ہے کہ تم اسے راضی کرو''۔ یہاں ذکر دو (۲) (اللہ اور رسول) کا ہوا۔ لیکن ''يُرْضُوْهُ'' میں آ کر ضمیر مفرد ذکر کی گئی۔ (گویا رسول کریم کی رضا عین رضائے الٰہی ہوئی) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٨ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٩ (فتح)

''اے غیب کی خبریں دینے والے! ہم نے آپ کو حاضر و ناظر، خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تا کہ تم لوگ اللہ پر ایمان لاؤ اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی عزت و توقیر کرو اور اسکی صبح و شام تسبیح کہو''۔

اس میں پھر آخر میں جا کر ضمیر مفرد ذکر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا۔ مَنْ رَأٰنِی فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ لِیْ وَقْتًا لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ اِلَّا رَبِّی۔ میرا ایک خاص وقت ہے جس میں میرے رب کے بغیر کوئی جلوہ نما نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝٤٥

''اور جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک بڑا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ بڑا پردہ کیا ہے؟''۔

یہی کہ وہ لوگ آپ ﷺ میں صرف بشریت اور عبودیت ہی دیکھتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ سچے ہوتے۔ تو انہیں بھی وہی کچھ دکھائی دیتا۔ جن کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ۔ ''جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کی'' (الفتح:10)۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس قدر نزدیک ہیں کہ عرش معلٰی بھی اس قرب سے کوسوں دور ہے۔ وہ عرش معلٰی جو ستر پردوں میں بند ہے۔ جن میں سے ہر ایک

پردہ سے دوسرے پردے تک ستر ہزار سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ پھر ہر ایک پردہ ستر ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوتا ہے۔ عرش کے اوپر فضا ہے جس کی مسافت کی مقدار خدا ہی جانتا ہے۔ یہ وہ کائنات ہے جسے "عالم الرقاّ" کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی کا مظاہر ہے۔ یہ عرش و کرسی سے وراء ہے۔ اس سے آگے حضور سید الکونین والثقلین، الرسول، الخاتم، خاتم الانبیاء والمرسلین، سید ولد آدم اجمعین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہی نور ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کے سوال میں ارشاد فرمایا۔ جس نے پوچھا تھا۔ اَیْنَ کَانَ اللّٰہُ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ الْخَلْقَ۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کہاں تھا؟ ارشاد فرمایا۔ "کَانَ فِیْ عَماء" وہ عماء میں تھا۔ لفظ "عماء" الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ اعرابی آپ کا جواب سن کر حیران ہو گیا۔ وہ اس لئے کہ لفظ "عماء" کو اگر الف ممدودہ سے پڑھا جائے۔ تو اس کا معنی بادل بنتا ہے جو بہت پتلا ہوتا ہے۔ لہٰذا ارشاد نبوی کا معنی یہ ہوگا۔ يَوْمَ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (بقرہ:210)۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادلوں کے سایوں میں آئے گا اور اگر الف مقصودہ ہو تو اس کا معنی "دل یا آنکھ پر پردہ" ہے۔ سوال کرنے والے اعرابی نے یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے حاصل کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم میں زیادتی اور اضافہ آجاتا ہے تو بقدر زیادتی حیرت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس معنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام سے فرمایا۔ لوعَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ لَمَشَيْتُمْ عَلَى الْبِحَارِ وَلَزَالَتْ بِدُعَآئِكُمُ الْجِبَالُ وَلَوْ خِفْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ مَخَافَتِهٖ لَعَلِمْتُمُ الْعِلْمَ الَّذِىْ لَيْسَ مَعَهٗ جَهْلٌ وَلٰكِنْ مَا بَلَغَ ذَالِكَ اَحَد" قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ وَلَا اَنَا قَالُوْا مَاكُنَّا نَظُنُّ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ تَقْصُرُ عَنْ ذَالِكَ۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کما حقہ معرفت ہو جائے تو تم سمندروں پر چلنے لگو۔ اور تمہاری دعا سے پہاڑ ادھر ادھر ہو جائیں۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ سے کما حقہ خوف رکھو۔ تو تمہیں وہ علم نصیب ہو جائے جس کے قریب جہالت پر نہیں مار سکتی۔ لیکن اس تک کوئی بھی نہیں پہنچا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں پہنچے؟ فرمایا۔ میں بھی نہیں۔ کہنے لگے ہمارا تو یہی خیال تھا کہ حضرات انبیاء کرام اس پر پہنچے ہوں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس سے عظیم اور وراء ہے کہ کوئی اس کو تمام امور کے اعتبار سے پالے۔ پھر اس سے آگے وہ ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس رفعت و عظمت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حیرت" میں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ رَبِّ زِدْنِیْ فِیْکَ تَحَیُّرًا۔ اے اللہ! میری حیرانی کو جو تیرے متعلق ہے اور بڑھا دے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس کے کہ آپ مقام امن اور قرب خاص میں ہیں پھر بھی تمام مخلوق سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے ہیں۔ مقام خوف میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا۔ لَيْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا۔ کاش کہ رب محمد، محمد کو پیدا نہ کرتا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی تمنا کی۔ کہ کاش اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مٹھی کیلئے بشریت کو جامہ نہ بناتا۔ بلکہ اسے مطلق اپنی اصل پر ہی رہنے دیتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا۔ لَيْتَ اَبَابَكْرٍ كَانَ شَجَرَةً فَعَضَدَهَا جَمَلٌ فِي فِيْهِ فَكَانَ بَعِيْراً وَلَمْ يَكُنْ بَشَرًا۔ اے کاش! ابوبکر درخت ہوتا۔ اسے کوئی اونٹ منہ میں لیکر چبا جاتا۔ پھر وہ اونٹ ہی ہو جاتا اور بشر نہ ہوتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حیثیت اور جہت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ (الحجرات:49)۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الفتح)۔ اللہ تعالیٰ نے ''لتؤمنوا'' فرمایا۔ اور یوں آپ کو مرسل بھی اور مرسل الیہ بھی کہہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد مجھے ہوتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت کائنات ہیں۔ جیسا کہ ایک درخت ہوتا ہے اس کے پتے، ٹہنیاں، شاخیں اور پھول وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کی حقیقت درخت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفرد صیغہ سے دعا کرنے سے مراد آپ کی امت ہوتی ہے۔ آپ کی اپنے لئے دعا بعینہٖ امت کیلئے بھی دعا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جس امتی کا قلب صفائی حاصل کر لیتا ہے اور وہ اس دل صافی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توجہ الی اللہ کا واسطہ بناتا ہے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور اس کا دل علم الٰہی کے انوار حاصل کرنے لگتا ہے۔ پھر اس میں واسطہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلیت کے سبب قوت آ جاتی ہے۔ جو شخص اس کیفیت والا ہو جاتا ہے۔ وہی وارث انبیاء ہے۔ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔ علماء وارثان انبیاء ہیں۔

## امام الکبیر العارف الشہیر القطب سیدی السید الشریف ابو العباس التجانی الفاسی صاحب الطریقۃ العلیۃ التجانیۃ ۱۲۳۰ھ

جوہر نمبر ۱: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر خلیفہ سیدی علامہ شیخ علی حرازم بن العربی برادہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب "جواہر المعانی" تالیف فرمائی۔ جس میں انہوں نے اپنے شیخ موصوف کے مناقب ذکر فرمائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کتاب "الابریز" لکھی گئی۔ کتاب مذکور مصر میں چھپی۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۳ جزء اول میں خلیفہ موصوف رقمطراز ہیں کہ میں نے ایک دفعہ شیخ موصوف سے "صَلٰوۃُ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ" کے معنی کے بارے میں سوال کیا۔ جو سیدی محمد البکری کبیر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ میرے سوال کے جواب میں شیخ موصوف نے جو کچھ فرمایا۔ اسے "صَلٰوۃُ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ" کے الفاظ کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتَمِ لِمَا سَبَقَ نَاصِرِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ وَالْهَادِیْ اِلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ مِقْدَارِهِ الْعَظِيْمِ۔

اے اللہ! رحمت کاملہ ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما جو ہر بند چیز کو کھولنے والے، گزرے انبیاء کے (سب سے) بعد آنے والے، حق کے ساتھ حق کی مدد فرمانے والے اور تیرے سیدھے راستہ کے ہادی ہیں۔ اور آپ کی آل پر بھی آپ کی قدر و مقدار عظیم کے اعتبار سے رحمت نازل فرما۔

"اَلْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ" کا ایک معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی ہر چیز کی صورت کو کھولنے والے ہیں۔ کیونکہ تمام اشیاء صورت عدم اور بطن حجاب میں بند تھی۔ ان تمام کے مقفل دروازے آپ کے وجود اقدس کے سبب کھولے گئے۔ تب یہ اشیاء صورت عدم سے صورت وجود میں آئیں۔ اور حجابات کے بطن سے عالم ظہور میں موجود ہوئیں۔ اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نہ ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ کسی موجود کو نہ تو پیدا کرتا اور نہ ہی اسے عدم سے وجود کی طرف لاتا۔ یہ الفاظ مذکورہ کا ایک معنی ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہیہ کے ان دروازوں کو کھولا جن پر تالے پڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ کے سبب سے تمام مخلوق پر کھلے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے آقا سیدنا محمد صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو مخلوق پر رحم نہ فرماتا۔ پس تمام مخلوق خدا پر خدا کی رحمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہے۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ "دل" شرک کے دروازوں میں بند پڑے تھے۔ شرک ان میں رچا بسا تھا۔ ایمان کو داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ ملتا تھا۔ اور حکمت کا داخلہ بھی بند تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعوت کے سبب ان بند دروازوں کو کھول دیا۔ حتیٰ کہ ان میں ایمان داخل ہو گیا اور شرک سے ملوث شدہ دلوں کی طہارت فرمائی۔ اور ایمان وحکمت ان میں داخل کر کے بھر دیا۔

"اَلْخَاتِمُ لِمَا سَبَقَ" یعنی آپ سے قبل جن حضرات کو نبوت ورسالت عطا ہوئی۔ آپ نے آ کر اس کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور ان دونوں کا دروازہ بند کر دیا۔ اب کسی دوسرے کیلئے قطعاً امید باقی نہیں رہی۔ یونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجلیات الٰہیہ کی صورتوں کے بھی خاتم ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجلیات عالم ظہور میں ظاہر فرمائیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے موجود ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں حجابات بطون سے نکال کر وجود عطا کیا۔ پھر عالم کی صورتیں لگاتار ان کے بعد اپنی اجناس میں پھیلتی رہیں۔ اور ان کے پھیلنے کی ترتیب مشیت ربانیہ کے تحت تھی۔ ایک جنس کے بعد دوسری اس کے بعد تیسری یونہی سلسلہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ عالم ظہور میں سب سے آخری تجلی "صورت آدمیۃ" کے روپ میں ظاہر ہوئی۔ اور یہ صورت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ ہے اور صورت آدمیۃ کی اصل مراد بھی یہی ہے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب وجود کا ظہور فرمایا۔ یونہی آپ کے سبب موجودات کی صورتوں کا دروازہ بند بھی کر دیا۔

ایک دوسرے انداز سے شیخ موصوف نے اس کی یوں تقریر فرمائی۔ کہ سب سے پہلا موجود جسے اللہ تعالیٰ نے دربار غیب سے وجود بخشا۔ وہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک سے تمام نورانی جسم اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے۔ جیسا کہ ملائکہ کرام وجن ہیں۔ اور دیگر اجسام جو کثیف ہیں۔ ظلماتی ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری نسبت سے پیدا ہوئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی دو نسبتیں ہیں۔ جنہیں تمام موجودات پر نچھاور کیا۔ پہلی نسبت نور محض کی ہے اور اس سے تمام ارواح اور وہ تمام نورانی اجسام پیدا کئے جن میں ظلمت کا نام ونشان نہیں اور دوسری نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کی اندھیروں سے نسبت ہے۔ اس نسبت سے اجسام ظلماتیہ پیدا کئے گئے۔ جیسا کہ شیاطین اور تمام کثیف جسم اور دوزخ اور اس کے طبقات وغیرہ۔ جیسا کہ جنت اور اس کے تمام درجات نسبت نورانیہ سے پیدا کئے

گئے۔ تو یوں تمام کائنات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے قبل کوئی چیز موجود نہ تھی۔ لیکن اس حقیقت کی معرفت کسی چیز سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ بعض علماء نے اس حقیقت میں بحث کرنے کی خواہ مخواہ تکلیف اٹھائی۔ اور کہا کہ یہ حقیقت ایسی ہے کہ اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی۔ اب یہ حقیقت دو باتوں میں سے ایک ہو گی۔ جوہر یا عرض۔ اگر وہ جوہر ہے تو وہ کسی مکان کی محتاج ہو گی جس میں وہ حلول کر سکے۔ لہٰذا وہ مستقل فی الوجود نہ رہی۔ کیونکہ اسے مکان کی ضرورت ہو گی۔ پھر اگر حقیقت اور اس کا مکان دونوں بیک وقت وجود میں آئے۔ تو حقیقت محمدیہ کو اولیت نہ رہی۔ کیونکہ اب اول الوجود دو چیزیں ہوں گی۔ اور اگر حقیقت محمدیہ عرض ہے۔ جوہر نہیں۔ تو عرض کے بارے میں کسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عرض کا وجود بمشکل آنکھ جھپکنے تک رہتا ہے۔ پھر ختم ہو جاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے اولیت کہاں ہو گی۔ جو تم کہتے ہو؟

اس پیچیدگی کا جواب یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ عرض نہیں بلکہ جوہر ہے اور اس جوہر کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک نورانی دوسری ظلماتی۔ جوہر کی تعریف میں یہ کہنا کہ ہر جوہر مکان کا محتاج ہوتا ہے، صحیح نہیں۔ کیونکہ جوہر کی یہ تعریف وحد اس شخص کے نزدیک قابل اعتبار ہے جس کی عقل مقام اجسام میں الجھی ہوئی ہو۔ لیکن اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس قسم کی مخلوق کو اس طرح پیدا کرے۔ کہ وہ مکان میں حلول کی محتاج نہ ہو۔ اور عقل یہ فرض کرتی رہے کہ کسی جسم کا وجود بغیر محل کے ممکن نہیں تو اسے کون روکتا ہے۔ یہ ایک عادت الٰہیہ ہے۔ جسے دیکھ کر عقل یہ قول کر لیتی ہے لیکن عقل حقائق کی فضاء میں کب آزادی سے پھر سکتی ہے۔ اگر حقائق کی فضاء میں اسے کھلا چھوڑ دیا جاتا تو اسے بھی علم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک کائنات ایسی پیدا کر دے۔ جو محل و مکان کی محتاج نہ ہو۔ جب معاملہ یہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ "حقیقت محمدیہ" کو اللہ تعالیٰ نے ایسا جوہر پیدا کیا جو کسی محل و مکان کا محتاج نہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ جسے حقیقت الٰہیہ منکشف ہوتی ہے وہ یقینی قطعی جان لیتا ہے کہ کائنات کی ایجاد غیر محل میں امکان صحیح سے ممکن ہے۔

"حقیقت محمدیہ کا اس مرتبہ میں نہ تو ادراک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی معرفت ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی کسی کو امید ہو سکتی ہے کہ میں اس حقیقت کو پا لوں گا۔ یہ میدان ان تمام باتوں سے دور ہے۔ پھر یہ حقیقت لباس نور زیب تن کرتی ہے جو انوار الٰہیہ میں سے ہوتا ہے اور وجود سے پردے میں رہتی ہے۔ اب جس میدان میں حقیقت داخل ہو گئی۔ اسے "روح" کہتے ہیں (یعنی انوار الٰہیہ کے لباس پہن لینے کے بعد) حضرات انبیاء کرام کی انتہائی ادراکی حالت اسی میدان تک پہنچتی ہے۔ مرسلین و اقطاب

امت کے ادراک کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے۔ وہ اس محل و مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر دوسری قسم کے انوار الٰہیہ اسے پہنائے جاتے ہیں۔ اب اس کا نام "عقل" ہے۔ پھر تیسری قسم کے انوار الٰہیہ پہنائے جاتے ہیں۔ ان کے سبب اس حقیقت کا نام "قلب" ہوتا ہے۔ پھر ایک اور کھیپ انوار الٰہیہ کی پہنائی جاتی ہے۔ ان کے سبب سے اس کا نام "نفس" ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد شریف ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اولیاء کرام ان مراتب کے ادراک میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کا انتہائی ادراک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "نفس مبارک" تک ہوتا ہے۔ اس میں علوم و اسرار اور معارف ہوتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ان اولیاء کرام کا ہے جو ان سے بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ "قلب محمدیہ" کے مدرک ہوتے ہیں۔ اس میں بھی مختلف علوم و اسرار و معارف ہوتے ہیں۔ اس کے اور آگے ایک طبقہ کا ادراک رسائی پاتا ہے۔ اس طبقہ کو "عقل رسول" کا ادراک نصیب ہوتا ہے۔ یہاں بھی عجیب و غریب قسم کے اسرار و معارف ہوتے ہیں۔ سب سے بلند مرتبہ صاحب ادراک وہ اولیاء کرام ہیں۔ جن کا ادراک "روح محمد" کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ادراک کی آخری منزل ہے۔ حقیقت محمدیہ کے ادراک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی اس کی ماہیت کا ادراک کسی کا مطمع نظر ہو سکتا ہے۔ اسی مقام کے متعلق ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ میں نے معارف کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ تاکہ عین حقیقت نبویہ کو پا سکوں۔ تو اچانک میرے اور اس حقیقت کے مابین نور کے ایک ہزار پردے آ گئے۔ اگر میں ان میں سے سب سے پہلے پردہ کے قریب جاتا تو وہ مجھے جلا کر راکھ کر دیتا۔ جس طرح آگ ایک بال کو جلا ڈالتی ہے۔ یونہی مولانا شیخ عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنی صلوٰۃ میں کہا ہے۔ حقیقت محمدیہ کے پانے میں عقل و فہم ناکام ہے اس کو ہم میں سے نہ کوئی پہلا پا سکا اور نہ کسی پچھلے کے بس کی بات ہے۔ اسی کے متعلق حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو فرمایا۔ تم دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف سایہ دیکھا۔ دونوں نے پوچھا۔ کیا ابن ابی قحافہ نے بھی نہیں دیکھا؟ کہا۔ ہاں ابن ابی قحافہ نے بھی اصل نہیں دیکھا۔ پس ہو سکتا ہے کہ آپ معارف کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔ تاکہ عین حقیقت محمدیہ پر مطلع ہو سکیں۔ تو انہیں کہا گیا یہ ایک ایسا مشکل کام ہے جس سے اکابر رسول و پیغمبر بھی عاجز آ گئے۔ اور حقیقت محمدیہ کا ادراک نہ پا سکے۔ جب ان حضرات کا یہ عالم ہے تو دوسروں کو اس مقام کے ادراک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ والسلام۔ شیخ موصوف نے جو باتیں ہمیں سکھائیں۔ ان کی انتہاء ہوتی ہے۔

جوہر نمبر ۲: قرآن کریم میں بعض آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں ارشاد

8B باری تعالیٰ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک قول کی تشریح کرتے ہوئے شیخ موصوف نے جو فرمایا۔ وہ ہم آیات وحدیث کے بعد ذکر کرتے ہیں۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:52)۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ (زخرف:9)۔ میں کیا جانوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مَنْ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَدْ كَفَرَ۔ جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا وہ کافر ہوا۔ اس قسم کی آیات واحادیث کا کیا معنیٰ ہے؟ حالانکہ اولین وآخرین کا علم آپ کی ذات مقدسہ کو حاصل تھا۔ اور آپ سے ہی تمام مخلوقات کو اس کے حصہ کے مطابق پہنچتا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین وآخرین کے علوم اطلاقاً وشمولاً جانتے تھے۔ ان علوم میں سے کچھ وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں کا ہے۔ اس سے بڑھ کر صرف قرآن کریم اکیلے کا علم بھی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی ابتداء و انتہاء کا مطالبہ بھی جانتے تھے۔ ماہیت ایمان اور ایمان کو مفسد کرنے والی اور مضبوط کرنے والی تمام باتیں جانتے تھے۔ یہ سب باتیں حقیقت محمدیہ میں ثابت ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

رہا قرآن کریم کی اس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:52) کا مطلب تو وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبل نبوت کی حالت بیان فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ تو حقیقت ایمان اور نہ ہی کیفیت ایمان کا علم عطا فرمایا تھا۔ اور نہ ہی آسمانی کتابوں کے اترنے کی کیفیت، ماہیت رسالت اور اس کے تفصیلی مطالب کا علم عطا فرمایا تھا۔ یہ تمام علوم اللہ تعالیٰ نے نبوت سے قبل آپ سے پردے میں رکھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ "حقیقت محمدیہ" میں خزانہ کی طرح موجود تھے۔ لیکن ان کا شعور وعلم نہ تھا۔ حتیٰ کہ جب نبوت کا زمانہ آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے پردوں کو اٹھالیا اور جو کچھ حقیقت محمدیہ میں تھا وہ سب کچھ آپ کو دکھا دیا۔ اس تقریر کی گواہی آپ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ "رَاَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍ" میں نے اپنے رب کو نوجوان صورت میں دیکھا۔ یہاں تک آپ نے فرمایا۔ وَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلَّمَنِيْ عُلُوْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان

رکھا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔ پھر اس نے مجھے اولین وآخرین کا علم عطا کر دیا۔ یہ نبوت کے زمانہ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تمام پردے ہٹا دیئے۔ اور وہ سب کچھ دکھا دیا۔ جو آپ کی حقیقت محمدیہ میں درج تھا۔ خواہ وہ معارف وعلوم کے خزانے تھے یا ایسے اسرار ورموز کہ جن کے ساحل کا احاطہ ناممکن ہو۔ یا ان کی غائت تک رسائی محال ہو وہ سب کچھ بتا دیا۔ اور خبردار! کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ حقیقت محمدیہ نبوت سے قبل ان علوم سے خالی تھی۔ یہ گمان بالکل صحیح نہیں بلکہ بات صحیح یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہمیشہ سے ان علوم ومعارف اور اسرار سے بھری ہوئی رہی۔ جب سے اسے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ وہ پہلا موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کے وجود سے پہلے بنایا۔ اور ان علوم ومعارف واسرار اس کی فطرت میں رکھے۔ اور لگا تار ہر دور میں وہ ان علوم سے بھری رہی۔ حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے موجود ہونے کا زمانہ آیا۔ تو پھر اس حقیقت محمدیہ کے علوم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کے متعلق علم کے درمیان حجاب ڈال دیئے گئے۔ پھر جب زمانہ نبوت آیا۔ تو وہ پردے اٹھا دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام علوم پر مطلع فرما دیا۔ جو حقیقت محمدیہ میں بطور امانت رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو یہ خطاب فرمایا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ (الشوریٰ:52) یہ اس وقت کی خبر دی جا رہی ہے۔ جب آپ پر ابتداءً پردے کی حالت تھی۔ کہ آپ کو اس وقت حقیقت محمدیہ کے علوم کا علم نہ تھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے قبل جب آپ اپنی والدہ کے شکم سے باہر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ہر لحہ اکابر عارفین میں سے تھے۔ اور بشریت کا پردہ قطعاً اس سے رکاوٹ نہ بنا۔ کہ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ صمدیت کے مطالعہ سے بے خبر ہو جائیں۔ آپ یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی ذات اور عام عارفین اور صدیقین کے درمیان نسبت کچھ یوں تھی۔ جس طرح ایک عارف باللہ کی نسبت عام آدمیوں سے ہوتی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ آپ اس مرتبہ میں بالتحقیق ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ علوم حاصل کرتے تھے۔ اور بارگاہ الٰہی کے احوال سے ایک چیز سے بھی آپ بے خبر نہ تھے۔ اور نہ ہی اس دور میں آپ کے سورج علم پر کبھی غروب ہونے کا امکان وارد ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم جو افراد عارفین کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اس مرتبہ میں لازماً ثابت تھا۔ اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے جو بات آپ سے پردہ میں رکھی۔ وہ رسالت کی ماہیت اس کے مطالب اور اس کے فوائد ومحصولات اور مرادات تھیں۔ اسی طرح اس دور میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے نزول کتب کی کیفیت ان کی مرادات اور محصولات مخفی رکھیں۔ اور نزول کتب میں جن امور کی طلب ہوتی ہے وہ اخفاء میں رکھیں۔ حتیٰ کہ جب آپ مرتبہ نبوت میں پہنچے تو پھر

آپ کے علم اور حقیقت محمدیہ میں جو کچھ ودیعت تھا اس کے علوم ومعارف اسرار کے درمیان پڑا پردہ اٹھا دیا گیا۔ ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے۔ اس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ جب آپ اس وقت بھی نبی تھے۔ تو رسالت ونبوت، کتاب وتمام مطالبات سے آپ کا جاہل ہونا محالات میں سے ہے۔ اور ان تمام باتوں سے جو ان اشیاء کی طرف لوٹتی ہیں اور ان سب کی جو مراد ہے ان سے آپ کا غافل ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور اس پر شاہد ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسد کریم کے وجود سے قبل تمام انبیاء کرام جو زمین پر مبعوث ہوئے اور تمام رسولان عظام جو تشریف لائے ان کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب سے مدد ومعاون رہے۔ وہ اس طرح کہ ہر پیغمبر ورسول کو اللہ تعالیٰ سے علوم ومعارف، اسرار وفیوض، تجلیات، مواہب، منح، انوار واحوال میں سے تھوڑا یا زیادہ ملا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہی ملا۔ آپ ان تمام کے عالم الغیب میں مدد فرمانے والے ہیں۔ تو ان کی مدد آپ کیسے کر سکتے تھے اگر یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہوتے۔ اور آپ معاذ اللہ جاہل ہوتے۔ آپ ہمیشہ سے اس میدان میں دوڑتے رہے کوئی روح آپ کی مماثلت نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس مقام اعظم کی کسی کو بو آنی ممکن ہوتی جس میں آپ جلوہ فرما رہے ہے۔ آپ اپنے وجود اقدس سے قبل بھی اپنی علمی حالت میں ایسے ہی تھے جیسے رسالت کے بعد تھے۔ فیض اور تمام ارواح کی مدد کرنے میں ان دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ علوم پردے میں رکھے یعنی آپ کے وجود جسد اطہر کے بعد اور نبوت سے پہلے کے عرصہ میں ان علوم کو پردے میں رکھنے کی حکمت تھی۔ حالانکہ حقیقت محمدیہ میں یہ تمام علوم جمع تھے۔ اور وہ حکمت ایک خدائی راز ہے۔ پس پردہ میں رکھا اس پر کوئی دوسرا مطلع نہ تھا۔ اور راز اس میں یہ تھا کہ پردہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈال دیا جائے۔ اس لئے کہ اگر نبوت سے قبل اللہ تعالیٰ اس پردہ کو اٹھا دیتا۔ تو حقیقت محمدیہ میں وہ درج نہ ہوتا۔ اور اگر زمانہ رسالت اور بعثت سے قبل آپ ان علوم کے متعلق گفتگو فرماتے تو پھر ان لوگوں کے دل میں شک آ جاتا جنہیں آپ اپنے رسول ہونے کا یقین دلانا چاہتے تھے۔ وہ پھر کہتے پھرتے کہ آپ تو شروع سے ہی معجزانہ کلام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ نے یہ کلام کسی دوسرے سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا آپ رسول نہیں ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو پردے میں رکھا۔ تاکہ آپ ان کے بارے میں کوئی کلام نہ کریں۔ پھر جب نبوت کا زمانہ آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ حجابات اٹھا دیئے۔ نبوت سے قبل اللہ تعالیٰ نے جو باتیں آپ کی

ذات کے متعلق لوگوں کو دکھائیں۔ وہ یہ کہ آپ امی ہیں کچھ بھی نہیں جانتے، اور نہ کسی چیز کی درایت ہے۔ اور نہ ہی کسی اہل کتاب سے آپ کا میل جول رہا۔ یا اس کے قریب گئے یہ باتیں اس لئے دکھائیں تا کہ جب آپ لوگوں سے کلام کریں اور وہ بھی ایسا کلام جو اول رسالت و نبوت کا حامل ہو۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ حق کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک امی کی زبان سے ایک دم ایسی باتیں نکلنا اس کے حق ہونے کی دلیل بن جاتی ہیں۔ نبوت سے قبل کے عرصہ میں علوم و معارف پر پردہ ڈالنے میں یہ راز تھا۔ اس بات کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (العنکبوت)

''اس سے قبل آپ کسی قسم کی کتاب نہ پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے تا کہ باطل پرست اس سے شک میں پڑیں''۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (احقاف:9) آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ آپ مملکت الٰہیہ کے دولہا ہیں۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا عزت والا نہیں۔ نہ ہی کوئی دوسرا زیادہ محبوب ہے۔ نہ ہی کسی دوسرے کی آپ کے برابر عزت ہے اور نہ ہی کسی کا اللہ کے ہاں زیادہ قرب ہے۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ آخرت میں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ و مامون ہیں۔ نہ کوئی تکلیف آپ کو چھو سکتی ہے۔ اور نہ عذاب سے کوئی واسطہ ہوگا۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ کل قیامت میں آپ دائمی نعمتوں میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سرمدی رضا پائیں گے۔ ان تمام باتوں میں سے کسی ایک میں بھی آپ کو شک و شبہ نہ تھا۔ آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قول موجود ہے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں اور جن عطیات سے نوازنا تھا اور جو احسانات آپ پر کئے جانے تھے ان تمام کی تفصیل آپ سے مخفی ہو۔ اگرچہ آپ ان تمام کو اجمالی طور پر جانتے تھے لیکن علی الدوام ان کی تفاصیل پر مطلع نہ ہوں (یعنی جنت میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو وہ وسعت ہے جس کا عقل ادراک نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہم اس مقام پر یہ کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام باتوں کے تفصیلی علم کو جاننے والے ہیں اس کے باوجود اس آیت کریمہ کے مضمون کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں یہ خیال آئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ ایسی نعمتیں، عطیات اور احسانات ہیں جن کا مجھے علم نہیں اور اس وقت علم ہوگا، جب جنت

میں جاؤں گا تو اس میں کیا خرابی ہے۔

آیت مذکورہ میں دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا احاطہ لیا ہو۔ کیونکہ اس موضوع پر اللہ تعالیٰ کا علم (بلکہ ہر موضوع پر) ایسا ہے جس کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احاطہ میں آسکتا ہے اور نہ کسی اور کے۔ اسی احتمال کی گواہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ وَلَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ۔ میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا۔ اور یہ قول باری تعالیٰ بھی اس کی دلیل بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی حکایت کرتے قرآن کریم میں ذکر فرمایا۔ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰہِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام:50) ”آپ کہہ دیں کہ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں ازخود غیب جانتا ہوں“۔ لہٰذا آیت مذکورہ میں احتمال ہے کہ آپ نے عدم درایت کا اظہار فرما کر حقیقت علم ازلی کی طرف کا راستہ مراد لیا ہو۔ یعنی حقیقت علم ازلی مجھ میں نہیں۔ کیونکہ اس کا احاطہ ناممکن ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام باتوں کا علم تھا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اگر اس آیت سے کسی کو یہ وہم گزرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کل قیامت میں آپ پر رحم کرے گا یا عذاب دے گا۔ آپ کو اپنا قرب عطا فرمائے یا دور رہنے دے گا۔ تو اس وہم کو حقیقت حال قطعاً قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کل قیامت میں جو سلوک ہوگا۔ اس کی حقیقت اس آیت میں بیان کر دی گئی۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ (الضحیٰ) بہت جلد آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور یہ بات محال ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ ایسا وعدہ فرمائے اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اپنے اوپر عذاب کئے جانے سے ڈرتے تھے۔ یا ایک طرف اللہ تعالیٰ آپ کی خوشنودی پر اعطاء کو موقوف فرمائے اور دوسری طرف عذاب سے ڈراتا بھی رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔

اب چند باتیں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے بارے میں بھی سن لو۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور اس قسم کی تمام روایات بھی درست تسلیم کر لی جائیں تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب اس قسم کی بات آپ سے سنی ہوگی۔ تو لازماً اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی راز کو ان سے پوشیدہ رکھنے کیلئے یہ کہا ہوگا جو راز اس وقت ظاہر ہوا ہوگا۔ اور آپ اس سے سیدہ ام المومنین رضی اللہ

عنہا کو مطلع نہ کرنا چاہتے ہوں گے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنے سر کی آنکھوں سے دیدار ذات باری تعالیٰ کو چھپایا تھا۔ حالانکہ بالا جماع آپ کو دیدار الٰہی ہوا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی راز کو راز میں رکھنے کی خاطر ان سے رویت باری تعالیٰ کو مخفی رکھا۔ لاتعداد اخبار و آثار اور بہت سی احادیث، کتب احادیث میں وارد ہیں۔ جن میں آپ نے ایسے غیوب کی اطلاع دی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کے تھوڑی دیر بعد یا زیادہ عرصہ بعد بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوئے۔ جیسا آپ نے خبر دی۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام نے یہ فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک اپنی امت پر آنے والے واقعات وحالات بتا دیئے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيْتُهُ اِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِيْ هٰذَا حَتّٰى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔ کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی بتائی گئی وہ مجھے اس مقام میں دکھادی اور بتادی گئی حتیٰ کہ جنت اور جہنم کی۔ اس موضوع پر احادیث وآثار اس قدر تواتر سے موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان میں شک وشبہ نہیں لاسکتا۔ والسلام۔

اگر کوئی ہماری گزشتہ تحریر پر اعتراض کرے۔ اور کہے کہ تمہاری ذکر کردہ بات جب صحیح ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان نبوت سے قبل کے زمانہ میں آپ کے مذکورہ قول کے مطابق ایک راز کی وجہ سے آپ کو حقیقت محمدیہ میں موجود کمالات کو پردہ میں رکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع سے ہی نبی ورسول (یعنی پیدائش مبارک کیساتھ) کیوں نہ بنا دیا گیا۔ تاکہ آپ کو حقیقت محمدیہ میں موجود کمالات سے باخبر کردیا جاتا۔ جس طرح آپ کی تشریف آوری سے قبل کے دور میں آپ ان کمالات سے باخبر تھے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک نبوت ورسالت کو روکے رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت ورسالت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تجلی سے ملتی ہے۔ اگر اس تجلی باری تعالیٰ کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ پورہ کرۂ ارض پر بلکہ پوری کائنات ارضی وسماوی پر رکھ دیا جائے تو اس کے بوجھ اور سطوت سلطانی سے پگھل جائے۔ لہٰذا حضرات انبیاء کرام اس تجلی کے برداشت کرنے اور سطوت سلطانی کے بوجھ کو اٹھانے کی ہمت وطاقت چالیس سال کی عمر سے پہلے نہیں رکھتے۔ پھر جب چالیس سال کی عمر ہو جاتی ہے تو اس کے متحمل ہو جاتے ہیں۔ چالیس سال سے قبل ناطاقتی اس بناء پر ہوتی ہے کہ انہیں بھی بشریت کے قالب میں بھیجا جاتا ہے۔ جو بہت کمزور ہوتی ہے۔ پھر جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی

یا رسول بنایا جانا ہوتا ہے تو اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی قوت نازل کی جاتی ہے جو اس پوشاک کو پہننے اور تجلی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس راز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی نبی اور رسول کو چالیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد اس کا حامل بناتا ہے۔ یہی وہ رکاوٹ ہے جو نبوت سے قبل اور پیدائش کے بعد کے عرصہ میں ''حقیقت محمدیہ'' کے کمالات جاننے میں بنتی ہے۔ یہ تمام انبیاء کرام کیلئے ہے۔

اگر ہماری اس بات پر یہ اعتراض کیا جائے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد نبوت والا مسئلہ درست نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر سے بہت پہلے نبوت کا اعلان کر دیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محض بشری نہ تھے۔ بلکہ نصف بشری اور نصف روحانی تھے۔ کیونکہ آپ حضرت جبرئیل امین کی پھونک سے پیدا ہوئے تھے۔ جو انہوں نے آپ کی والدہ میں پھونکی تھی۔ تو اس کی وجہ سے آپ کی بشریت کمزور تھی۔ اس (کمزور بشریت مضبوط روحانیت) کی وجہ سے ہی آپ کو دیگر انبیاء کرام کی بہ نسبت زیادہ طاقت ملی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ نے چالیس سال کی عمر سے قبل ہی اعلان نبوت کر دیا تھا۔ اور یہ قوت روح الامین کی اس پھونک کی وجہ سے تھی جو انہوں نے ان کی والدہ میں پھونکی تھی۔

جوہر نمبر ۳: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ امام اکبر، قطب اشہر ابو حامد الغزالی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے۔ لَیْسَ فِی الْاِمْکَانِ اَبْدَعَ مِمَّا کَانَ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اس کائنات میں کوئی دوسرا اعلیٰ واشرف نہیں۔ شیخ موصوف نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس ممکنات کی دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اشرف، اعلیٰ اور اجمل کوئی دوسرا ممکن ہی نہیں۔ اور اس کائنات کی کل صورت صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اس کائنات میں تم جس قدر صورتیں اور شکلیں دیکھتے ہو۔ ان میں اگرچہ باہم بہت سا اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن فی الواقعہ اور در حقیقت یہ ایک جسم میں متحد اور متفق ہیں اور وہ جسم اقدس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم ہے۔ کیونکہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پوشیدہ راز سے پیدا کئے گئے ہیں۔

اس پر دلیل نقلی یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ آپ نے ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ اِخْتَارَ مِنْهُمْ قِسْمَ بَنِیْ آدَمَ۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب مخلوق بنائی۔ جب تخلیق سے فارغ ہوا تو ان میں سے بنی آدم کو پسند کیا۔ یہ تو دلائل نقلیہ ہیں۔ "بساط الحقائق" میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تعلق مخلوق کے بنانے سے ہوا اور یہ تعلق محبت خاص کے جوش کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ کُنْتُ کَنْزاً لَمْ اُعْرَفْ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ خَلْقاً فَتَعَرَّفْتُ اِلَیْهِمْ فَبِیْ عَرَفُوْنِیْ۔ میں چھپا خزانہ تھا۔ جسے کوئی نہ جانتا پہچانتا تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں۔ پس میں نے ایک مخلوق کو بنایا۔ جس نے میری معرفت پائی۔ لہٰذا تم نے میری معرفت میرے ہی ذریعہ میں پائی۔ یہ محبت باری تعالیٰ جو مخلوق کی تخلیق میں اصل بنی۔ اس محبت کا سب سے پہلا شاہکار ہمارے آقا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تھی۔ کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کلیۃً واقع ہوئی ہے۔ اسی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی وجود کائنات عدم سے ظہور میں آیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل اور ساری کائنات آپ کی فرع ہے۔ اور اس بات میں بالکل شک وشبہ نہیں ہوتا کہ اصل اپنی فرع کے مقابل اشرف واعلیٰ ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آپ اول خلق ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے ضمن میں وہ تمام اشیاء آجائیں گی جن کے ظہور کا اس نے ارادہ فرمایا۔ خواہ وہ جوہر ہوں، اعراض، احسانات، عطیات، جمیع آثار کرم، جمیع آثار سطوت وقہر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ میں تمام مذکورہ اشیاء اجمالاً اور تفصیلاً جمع کر دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا منبع اور عنصر بنایا تھا اور جس چیز کو جو کچھ ملنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خزانہ سے ہی ملا۔ اور یہ بات مشیت الٰہی کیلئے محال ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ اس نے جوہر یا عرض خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی جس کو وجود دینا چاہا۔ وہ حقیقت محمدیہ سے خارج تھی۔ جب تم میری اس بات کو پہچان چکے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ اس مرتبہ (حقیقت محمدیہ) کا کیا شرف ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس ازلی راز کی کیا کیا تجلیات اس میں پوشیدہ تھیں۔ اور یہ بھی جان جاؤ گے کہ جن عطیات، احسانات، تحائف ظاہری اور باطنی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا گیا۔ ان میں سے اقل القلیل بھی کسی اور کے پاس آنا مشکل ہے۔ اور یہ بات اس قدر واضح اور روشن ہے کہ اس قدر روشن سورج کی روشنی بھی نہیں۔ جب تمہیں ان باتوں کا عرفان حاصل ہو گیا تو یہ خود بخود جان لو گے۔ کہ اس عالم امکان میں اس صورت معلومۃ کونیہ سے کوئی دوسری صورت ہرگز اعلیٰ، اشرف، اکمل اور اجمل نہیں اور وہی اکمل صورت "حقیقت محمدیہ" ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر نمبر ۴: مختلف الفاظ صلوٰۃ جو شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

بحالت بیداری حاصل ہوئے۔ ان میں سے ایک صلوٰۃ کا نام ''یاقوتۃ الحقائق'' ہے۔ اس میں بعض الفاظ بڑے دقیق ہیں، جن کے معانی صرف اہل عرفان ہی جان سکتے ہیں۔ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے ان کی شرح فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔

وَانْشَأْتَ مِنْ نُوْرِکَ الْکَامِلِ نَشْأَۃَ الْحَقِّ وَالطتھا وَجَعَلْتَھَا صُوْرَۃً کَامِلَۃً تَامَّۃً۔

''نشأۃ الحق'' کا یہاں معنی حقیقت محمدیہ ہے۔ عَلَیْھَا مِنَ اللّٰہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَ اَزْکَی السَّلَامِ۔ اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔ کیونکہ ''حقیقت محمدیہ'' حق فی حق بحق عن حق لحق ہے۔ اس لئے باطل کسی طریقہ سے بھی اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔ پس وہ انتہاء درجہ کی صاف، طاہر اور بلند ہے۔ وجود جوہر میں اس سے بڑھ کر کوئی اشرف واعلیٰ نہیں۔ اور نہ ہی اس سے بڑھ کر صاف، طاہر اور کامل ہے۔ پھر اس کا حقیقی ادراک احاطۂ عقل سے باہر ہے۔ وانطتھا۔ یعنی اے اللہ! تو نے تمام موجودات کو اس حقیقت سے وابستہ کر دیا۔ تمام موجودات ازل سے ابد تک، اول سے آخر تک جس قدر بھی ہیں۔ انؔ کا وجود اس حقیقت کے بغیر نہیں ہوا۔ تمام وجود صرف اسی کی خاطر موجود کئے گئے۔ کسی وجود کا لذاتہ وجود نہ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ ہی تمام موجودات کی مطلوب ذاتی ہے۔ اس کی علت اس کی ذات ہے۔ بس وہ اپنی ذات مقدسہ کیلئے بلاواسطہ موجود ہے اس لئے حقیقت اور ذات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ اور تمام وجود اس سے وابستہ ہیں۔ پس وہ حقیقت تمام موجودات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو وجود کا نام ونشان تک نہ ہوتا اور پلک جھپکنے تک اس کے بغیر اس کا رہنا ناممکن ہے۔ پس تمام وجود اس حقیقت کے سایہ تلے قائم ہے۔

مولانا الشیخ عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے الفاظ صلوۃ میں کہا ہے۔ وَلَا شَیْئٌ اِلَّا وَھُوَ بِہٖ مَنُوْطٌ اِذْلَوْلَا الْوَاسِطَۃُ لَذَھَبَ کَمَا قِیْلَ الْمَوْسُوْطُ۔ ہر چیز آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے کہ اگر واسطہ نہ ہو تو موسوط مٹ جائے اور ختم ہو جائے۔

وجعلتھا صُوْرَۃً۔ صورت سے مراد یہاں وہ سب سے پہلا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار بنا اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔

کَامِلَۃً تَامَّۃً۔ معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ کامل اور تمام اہل عرب کے ہاں الفاظ مترادفہ کے طور پر مشہور ہیں۔ جو کامل ہے وہ تام بھی ہے اور جو تام ہے وہ کامل بھی ہے یہاں یہ دونوں مقام تعریف میں اس لئے اکٹھے لائے گئے کہ ایسا کرنے سے انوکھا پن آ جائے۔ سمجھنے کیلئے اس مقام پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ''کامل'' وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو کمال عطا کرے۔ اور ''تام'' وہ جو خود اپنی ذات تک محدود ہو۔

اس کا کمال دوسروں تک نہ پہنچتا ہو۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات میں "تام" ہیں۔ کسی طرح سے کسی طرح کا نقص آپ کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل بھی ہیں۔ تمام موجودات کو علوم و معارف اسرار و انوار، اعمال و احوال، فیوضات، تجلیات، عطایا، انعامات اور بخشش کے تمام طریقے آپ ہی سے عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی وجود کو مطلق، مقید، کثیر، قلیل، مشہور، غیر مشہور جو کچھ جتنا عطا فرمایا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کا فیضان ہے۔ لہٰذا جسے یہ گمان ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر براہ راست کچھ ملا یا وہ براہ راست حاصل کرتا ہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے امر سے جاہل ہے۔ اگر اس نے اپنے اس خیال سے توبہ نہ کی تو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔ اس قسم کے عقیدہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے محبوب اور دیگر انبیاء و رسل کے وسیلہ سے سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل ایسے عقیدہ سے بچائے۔ آمین۔

پھر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تمام موجودات کا وجود حقیقت محمدیہ کے ساتھ منسلک ہے۔ لیکن وہ کسی چیز سے منسلک نہیں۔ اس لئے کہ حقیقت محمدیہ اور ذات مقدسہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ (جس سے اس کا تعلق ہو) جیسا کہ خبر (حدیث) میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ خَلَقْتُ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَجْلِكَ وَ خَلَقْتُكَ انْتَ مِنْ اَجْلِيْ۔ میں نے ہر چیز تمہاری خاطر پیدا کی اور تمہیں اپنے لئے پیدا کیا۔ اس خبر سے یہ دلیل حاصل ہوتی ہے کہ تمام موجودات کا وجود بالذات مراد و مقصود نہ تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ حقیقت محمدیہ کیلئے بنایا گیا اور حقیقت محمدیہ کسی ایسی چیز سے منسلک کیسے ہو سکتی ہے جسے خود اس (حقیقت محمدیہ) کیلئے وجود دیا گیا ہو۔ حقیقت محمدیہ کا تعلق صرف ذات مقدسہ سے "مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ" ہے۔ اسی مضمون کی طرف "صلوۃ بکریہ" میں اشارہ کیا گیا۔ جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدی محمد بکری کبیر رضی اللہ عنہ نے سنا اور املاء کیا۔ وہ قول یہ ہے۔ عَبْدُكَ مِنْ حَيْثُ اَنْتَ كَمَا هُوَ عَبْدُكَ مِنْ حَيْثُ كَافَّةَ اَسْمَآئِكَ وَ صِفَاتِكَ۔ ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجود مطلق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی اکیلے ہی عبادت کی۔ "وجود مطلق" سے مراد آپ کی محض اور خالص ذات مقدسہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ابھی کسی چیز کیلئے اسے وجود میں لانے کی علت نہ بنائی گئی۔ اگر آپ کی ذات مقدسہ اسی مقام و مرتبہ میں رہتی تو غیوب ذات میں سے ایک غیب ہوتی۔ اور کسی بھی ایسے وجود کا اس سے اتصال و تعلق نہ ہو سکتا۔ جسے اپنا وجود اس ذات کے ساتھ تعلق کی بناء پر ملا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو وہ

اعلیٰ کمال سے متصف کیا جائے جس پر فائز ہو کر تمام موجودات اپنے وجود کی بھیک آپ سے مانگتی اور آپ کا وجود مسعود سب کے وجود کیلئے سبب بنتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ کو دوسرا مرتبہ عطا فرمایا۔ یہ مرتبہ وہی ہے کہ جس کے ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفات واسماء کے ساتھ متصف اور متحقق ہو کر ان کے حقوق کیلئے تیار ہوئے۔ اسی مرتبہ سے تمام موجودات کے وجود نے زندگی بھی پائی اور قیام بھی اسی کے صدقہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرتبہ پر تشریف فرما ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے اسماء وصفات کی بندگی بجالائے۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بندگی ذات مطلقہ کی حیثیت سے بھی کی اور صفات واسماء کے اعتبار سے بھی کی۔ اسی مرتبہ ومقام کی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے تاج خلافت پایا۔ جس کی حکمرانی کا دائرہ تمام مملکت الٰہیہ ہے۔ اس میں کسی کو انکار نہیں۔

وَجَعَلْتَ الْكُلَّ قَبْضَةً مِنْ نُوْرِ عَظْمَتِكَ۔ ان الفاظ کے بارے میں شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''نور عظمت'' سے یہاں مراد نور کامل سے پیدا کی گئی سب سے پہلی صورت ہے۔ اور وہ ہی ''حقیقت محمدیہ'' ہے اور موجودات جس قدر بھی عدم سے وجود میں آئیں ان سب کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اول باپ'' کی مانند ہیں۔ اسی حقیقت محمدیہ سے وہ تمام موجودات وجود میں آئیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے قوام، اور اس سے ہی ان کا نظام اور اسی سے ان کی مدد وابستہ ہے کیونکہ اس حقیقت محمدیہ سے تمام موجودات کے وجود نے مدد طلب کی۔

پھر شیخ موصوف نے ارشاد فرمایا، روح کی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص۔ روح عام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کائنات کی ایک ایک جزء میں سرایت کئے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ایک چیز بھی اس سے باہر نہیں ہے۔ آپ کے سرایت کرنے سے ان تمام کا قیام ہے اور اس سے ہی ان تمام کے نظام کا وجود ہے لہٰذا کوئی چیز بھی جو وجود میں آئی۔ وہ اس وقت تک صراحۃً وجود نہ پا سکی۔ جب تک آپ کی سرایت کی حامل نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کائنات میں سرایت فرمانا اور یہ سرایت ''روح عام'' ہے۔ یعنی تمام عوالم کی روح خواہ وہ کلی ہوں یا جزی ہوں حتیٰ کہ کفار اور مشرکین کیلئے بھی ہے۔ کیونکہ انؐ کا قیام و وجود بھی اسی سرایت کے طفیل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کی روح ہیں جو ان میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ درختوں میں پانی سرایت کئے ہوتا ہے۔ زمین کے تمام درخت پانی سے مدد پاتے ہیں۔ اگر ان کو پانی نہ ملے تو سب ہلاک ہو جائیں اور خشک ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کائنات کی روح ہونا اس کا یہی مفہوم ہے۔

دوسری روح جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص روح ہے اس سے مراد وہ روح ہے جو ''حق''

کیلئے ہے اور اس کیلئے خصوصیت، عنایت، صاف وشفاف رتبہ اور بلند ولایت کا حکم ہے۔ اس خاص حکم کی وجہ سے وہ خاص روح اولاد آدم میں سے مخصوص مقامات کے حضرات کیلئے ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام، رسولان عظام، تمام قطب، صدیقین بلکہ عام صالح مومنین کیلئے ہے۔ اور تمام فرشتوں کیلئے بھی یہی روح خاص ہے۔ ہر ایک کا اس سے تعلق بقدر مرتبہ ہے۔ اور عالم ارواح میں چیونٹیوں کے مانند مخلوق اور اسی جیسی دیگر مخلوقات کیلئے ہے۔ یہ اشیاء اور گروہ انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہلیت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کیلئے خصوصی اہلیت کے احکام ہیں وہ یہ کہ ان کی تعظیم، بزرگی، تخصیص، عنایت اور صفائی رتبہ کے مستحق دار ہیں۔ یہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معظم ہیں، اور دائمی سرمدی انہیں عظمت حاصل ہے۔ ان میں سے کسی ایک کیلئے اس مقام ومطلع سے ڈھل جانا یا غروب ہو جانا ناممکن ہے۔ ان کے سورج ہمیشہ سے ہمیشہ کیلئے وصف کے اس آسمان میں روشن رہتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو اپنے احکام کا مطیع بنایا ہے۔ اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے قرب کے باغات میں بستے ہیں۔ اس میدان سے باہر نہیں آتے۔ اس حیثیت کے اعتبار سے ان میں ''حق'' کی اہلیت آئی۔ لہٰذا یہ حضرات ''حق'' کے اہل ہیں اور اہلیت کی وجہ ان کا یہی وصف ہے اور اللہ تعالیٰ ان کیلئے ''حق'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور یہ لوگ صاف وشفاف مرتبہ کی وجہ سے قابل عظمت وتوقیر ہیں۔ اور بلند وبالا مراتب پر فائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کیلئے اس وصف میں ''روح'' ہیں۔ انہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلیت ملتی ہے اور جس وجہ سے یہ مراتب عالی کے مستحق ہوئے ہیں اسی خاص روح کی وجہ سے ہے یہ خاص روح کفار اور مشرکین کو حاصل نہیں اور جس کے ایمان میں ملاوٹ ہو وہ بھی اس سے کوسوں دور ہے۔

اس کے بعد شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صلوٰۃ میں لفظ ''اَللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ'' کے متعلق ارشاد فرمایا، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں لفظ ''لوح محفوظ'' سے مراد ہمارے پیغمبر وآقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن میں تمام اشیاء کی حقیقت جمع ہے تو جس طرح لوح محفوظ میں ابتدائے آفرینش سے صور پھونکے جانے تک کے تمام کائنات کے علوم درج ہیں۔ لوح محفوظ میں ان کی تفصیل مرقوم ہے۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی، جوہر ہو یا عرض سبھی کی تفصیل موجود ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت محمدیہ میں تمام علوم الٰہیہ موجود ہیں۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو لوح محفوظ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ متکلمین کے نزدیک یہ تسامح پر مبنی ہے۔ (یعنی غیر محتاط تشبیہ ہے) ورنہ اگر حقیقت حال دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علمی لوح محفوظ سے کئی

گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں جو علوم ہیں اور جو کچھ اس میں مرقوم ہے وہ ابتدائے آفرینش سے نفخ صور تک ہے۔ ایک ایک چیز کا ذکر اس میں موجود ہے لیکن اس ابتداء وانتہا سے باہر کے حالات و علوم اس میں نہیں ہیں۔ مثلاً قیامت کے دن کے احوال، جنت و دوزخ کے احوال اور ان میں متواتر یکے بعد دیگرے آنے والے واقعات، امور، اعتبارات، لوازمات، مقتضیات وغیرہ لوح محفوظ ان سے خالی ہے۔ اگر ان میں سے کچھ ہے بھی تو وہ بہت تھوڑا مذکور ہے۔ مثلاً فلاں آدمی فلاں کام کرے گا۔ اس کے ان کاموں کی اس کو یہ جزا ملے گی۔ وہ ہمیشہ کیلئے جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا۔ اگر جنت میں گیا تو جنت الماْویٰ میں جائے گا یا کسی اور درجہ میں پھر جس درجہ میں بھی جائے گا اسے فلاں فلاں چیز وہاں ملے گی۔ پھر اس لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوگا کہ فلاں یہ یہ برا کام کرے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم کی کونسی وادی ہے۔ دوسری یا تیسری میں اسی طرح اور باتیں بھی مسطور ہیں۔ لیکن یہ باتیں جنتیوں اور دوزخیوں کے تمام احوال اور قیامت کے دن کے تمام حالات کے مقابلہ میں بہت قلیل ہیں۔ لیکن اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت محمدیہ میں وہ تمام علوم ہیں جن کا علم الٰہی نے احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ ازل سے ابد تک تمام مخلوقات کے تمام حالات، ان کی مقتضیات ولوازمات سبھی کو حاوی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے علوم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام علوم کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

''النور الساری المحد وذ'' کے متعلق شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وجود تمام کا تمام ظلمت تھا۔ کیونکہ وہ عدم محض تھا۔ اس میں کوئی نوریت نہ تھی۔ ہر موجود کے وجود نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے امداد طلب کی۔ آپ سے ہی اسے وجود ملا اور آپ سے ہی متصور ہوا اور آپ کے سبب سے ہی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوریت کو اس کے بارے میں ''نور مطلق'' بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ آپ کی نوریت نے اللہ تعالیٰ کے نور سے طلب مدد کی۔ کیونکہ وجود مطلق وہی ہے۔ اور ''طلب مدد'' کا معنی یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق صرف ذات مقدسہ کیلئے ہوئی۔ کسی اور چیز کیلئے نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ آپ کو ''حق'' کیلئے پیدا کیا گیا۔ کسی اور کیلئے نہیں۔ اور وجود علی العموم اور علی الاطلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا معلل ہے۔ آپ کی ہی خاطر کائنات کا وجود ہوا۔ لہٰذا پوری کائنات آپ کے سامنے ایک خادم کی سی مثال رکھتی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ موجود نہ کرتا۔

ہماری اس بات میں بعض لوگوں کو خواہ مخواہ یہ شک پڑ جاتا ہے۔ جو علم سے ناآشنا ہیں۔ یہاں تک وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس تقریر سے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ اس سے کائنات کی تخلیق صرف وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہوئی۔ اور اس نے کائنات بنانے میں آپ کے وجود سے مدد لی۔ اور اپنے آپ کو عاجزی کے الزام سے بچانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا سہارا لیا۔

ہم ان لوگوں کے جواب میں کہتے ہیں۔ ہماری مراد مذکورہ عبارت سے تم نہ سمجھ سکے اور جو تم سمجھے وہ ہماری مراد نہیں۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم وحکمت میں یہ بات تھی کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہیں کرے گا تو کسی بھی مخلوق کو پیدا نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے ارادہ ازلی میں یہ تھا کہ سب سے پہلے میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کو بناؤں گا۔ پھر ان کے واسطہ سے تمام کائنات بناؤں گا۔ لہٰذا ساری کائنات کی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موقوف ہونے سے ہماری مراد یہ ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات میں انسان کی آنکھ میں پتلی کی مانند ہیں۔ اللہ رب العزت کی نظر صرف آپ کی طرف تھی۔ اور اسی پر دارومدار تھا۔ اور اسی وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ تمام اعتبارات تھے۔ جن پر وجود قائم ہے۔ جیسا کہ آنکھ کی پتلی اگر زائل ہو جائے تو آنکھ بے کار اور لاشئی ہو جاتی ہے۔ یہی نور ''سید الوجود'' ہے۔ اور یہی ''شہود کا علم'' ہے۔ حضرت ابوسعید سے مروی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول شریف کا یہی مفہوم ہے۔ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهُ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا اَدْرَكَهُ بَصَرٌ مِنْ خَلْقِهِ۔ اس کا حجاب ''نور'' ہے۔ اگر اسے ظاہر اور بے حجاب کر دیتا تو اس کی ذات کے پردے جل جاتے۔ اس کا ادراک مخلوق کی کسی آنکھ نے نہ کیا۔ یہ ''نور'' ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ ہی یکتا رونق افروز ہیں۔ اور تمام موجودات کا وجود آپ کے سایہ کے تحت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے پردہ میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس نور سے پردے اٹھا دیتا اور وجود اس کا براہ راست نظارہ کرتا۔ یعنی بواسطہ نور نہ دیکھتا۔ تو مخلوقات کی ہر چیز جل جاتی۔ اور عدم محض ہو جاتی۔ اور یہ بات آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت میں ہو جاتی۔ پس اس نور کے وجود کے سبب وجود نے وجود سے نفع پایا۔ اور مختلف مصادر اور اطوار میں جلوہ گر ہوا۔

''اَلسَّارِیْ'' اس کا معنی یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات میں یوں سرایت کئے ہوئے ہیں جس طرح درختوں میں پانی نے سرایت کی ہوتی ہے۔ پانی کے بغیر درختوں کا

قیام نہیں ہوتا۔ اور موجودات میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت ہے۔ عقل اس کے ادراک کا متحمل نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس کے قریب پھٹک سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی اس تک رسائی نہ ہوسکی۔ نہ اس کی کیفیت کا عرفان، نہ صورت کا ادراک ہوسکا۔ اور تمام وجود اس کے ادراک سے پردہ میں ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو تمام مخلوقات میں سرایت ہے اس کے ادراک سے ہر ایک پردہ میں ہے۔ نہ تو اس کا ادراک بلند درجہ والے فرشتے کر سکے اور نہ ہی اکابر انبیاء و مرسلین اسے پہچان سکے۔ ان سب نے اس کی بو تک نہیں پائی۔ جب ان اکابر کا یہ حال ہے۔ تو ان سے ادنیٰ مخلوق اس کے عدم ادراک کی زیادہ مستحق ہوئی۔ ان میں سے کسی کو اس کے ادراک کا ذائقہ تک نصیب نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرایت کی غایت یہ کہ اگر موجودات میں سے کسی ایک کے وجود سے اس کی سرایت منقطع ہو جائے تو وہ اس لحہ عدم محض ہو جائے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء) ”ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔

”اَلْمَمْدُوْدُ“ کا معنی یہ کہ جس کی انتہا نہ ہو۔ اور وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت تمام مخلوقات میں ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام عوالم پر منطبق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر مشتمل ہے۔ اور اس امتداد میں اور اضافہ ہوا۔ حتیٰ کہ ان تمام معلومات میں سرایت کر گئی۔ جن کو علم الٰہی نے گھیر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس طرح نافذ ہوئی کہ عدم سے وجود کی طرف اصلاً نہ نکلے اور اس معدوم میں سرایت کی کیفیت بھی عقل وخرد کے تصور سے اور قبول سے باہر ہے۔ بلکہ یہ صرف علم الٰہی کے احاطہ میں ہے۔ اس لئے اس کی کیفیت اور صورت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اَلَّذِیْ لَا یُدْرِکُهٗ دَارِکٌ وَلَا یَلْحَقُهٗ لَاحِقٌ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء بیان کی گئی کہ موجودات میں کسی کو بھی آپ کا اصلاً علم نہیں۔ اگر ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی مقام کے متعلق بعض عارفین نے کہا۔ مَا عَرَفَ قَدْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہ جانی۔

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (فاتحہ) معلوم ہونا چاہیئے کہ ”صراط مستقیم“ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ ہیں۔ کسی کو ذات باری تعالیٰ کی بارگاہ کا وصول، اس کے اسرار کا ذوق اور اس کے انوار سے چمک اس وقت تک نہیں مل سکتی۔ جب تک وہ صراط مستقیم پر گامزن نہ ہوگا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اس کیلئے عظیم دروازہ ہیں۔لہٰذا جس سالک نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جلال ومقدس میں داخل ہونے کیلئے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑ کر داخل ہونے کی کوشش کی۔وہ دور پھینک دیا گیا اور ملعون قرار پایا۔اور اس پر دروازہ بھی بند اور راستے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔اور ادب کے ڈنڈے سے حیوانوں کے اصطبل میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى اَشْرَفِ الْخَلَآئِقِ الْاِنْسَانِيَّةِ وَالْجَانِيَّةِ۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانی اور جناتی مخلوق کے اصل اور یاقوت ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ اِخْتَارَ مِنْهُمْ بَنِيْ آدَمَ اِلٰى قَوْلِهٖ – وَاخْتَارَ نِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی جب اسے پیدا فرما چکا تو ان میں سے اولاد آدم کو پسند فرمایا......اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا۔حدیث پاک اس بات پر دلالت بلکہ صراحت کرتی ہے کہ تمام مخلوقات میں سے ''آدمی'' اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہے۔یہی مخلوق رحمت الٰہیہ کے اترنے کا محل ہے۔اور تمام موجودات میں سے یہی مخلوق اللہ تعالیٰ کا محل نظر ہے۔پس جنس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا کیا۔اور باقی تمام کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا۔مخلوقات میں سے انسان کی تخصیص کی یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا خلیفہ اسی سے منتخب فرمایا۔اور وہ خلیفہ وہ جامع شخصیت ہے۔جس نے تمام عالم کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہے۔اس کے حکم کے تابع ہے۔اور اس کے زیر تصرف ہے۔جو چاہتا ہے اس میں کسی مخالف اور جھگڑے کے بغیر تصرف کرتا ہے۔مختصر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں اور جس جگہ کیلئے اللہ تعالیٰ رب ہے وہاں اور اس کیلئے وہ اس کا خلیفہ ہے۔تو جس طرح کائنات میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے باہر نہیں اسی طرح کوئی چیز اس فرد مطلق اور جامع شخصیت کی سلطنت سے باہر نہیں وہ اپنے خلیفہ بنانے والے کے امر سے اس کی مملکت میں تصرف کرتا ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانی مخلوق سے افضل واشرف ہوئے تو لازماً تمام کائنات سے افضل واشرف ٹھہرے۔کیونکہ انسان بموجب خبر (حدیث) اس کی تمام مخلوقات میں سے منتخب اور پسندیدہ مخلوق ہے۔لہٰذا لازماً غیر انسان افضلیت کے حکم میں داخل ہوں گے۔یعنی جب انسانوں سے افضل ہوئے تو غیر انسانوں سے لازماً افضل ہوئے''الجانیۃ''جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہو اسے ''الجان'' کہتے ہیں۔اس میں جن، فرشتے اور تمام وہ مخلوق شامل ہے جو انسانی آنکھ کے دیکھنے سے باہر ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام سے افضل ہوئے۔

''صَاحِبِ الْاَنْوَارِ الْفَاخِرَةِ'' کی تشریح میں شیخ موصوف نے فرمایا۔''انوار'' وہ امور ہیں جو

حضرت غیب سے بطریقہ فیض حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ صفات واسماء کے حاضرات ہیں۔ جوعلوم واسرار اور معارف وانوار اور احوال عالیہ کو لاتے ہیں۔ جن کے فیوض ومواہب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی سب سے اکبر مخلوق ہیں۔ اور اس انوار سے حصہ پانے میں سب سے بڑے ہیں۔ اور دائرہ میں سب سے زیادہ وسیع اور عظیم حصہ کے حامل ہیں۔ اگر آپ ان انوار سے جو آپ کو عطا کئے گئے ان میں سے ایک نور کے ہزارویں حصہ کو تمام کائنات پر ڈال دیں تو ساری کائنات عدم محض ہو جائے۔ اور اسے معدوم ہونے میں آنکھ جھپکنے کا بھی وقت نہ لگے۔

"اَللّٰھُمَّ وَاجْعَلْهُ لَنَا رُوْحًا وَ لِعِبَادَ تِنَا سِرًّا" کے تحت شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نمازی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو میرے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح بنا دے۔ ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس الامر میں کائنات کی ہر چیز کی روح ہیں۔ حتیٰ کہ کافر تک کا وجود بھی آپ کے بغیر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا یہ اولین مرتبہ ہے۔ اور اس کے سبب ہر چیز کے وجود کو زندگی میسر ہوئی۔ دوسرا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام وخاص تمام موجودات کیلئے روح ہونا ہے اور یہ روح جو دوسرے مرتبہ میں ہے مکمل طور پر عارفین، صدیقین، اقطاب، عمیین، مرسلین اور مقربین میں سرایت شدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مرتبہ کہ جس سے مذکورہ مخصوص حضرات کو روحانیت ملی۔ اسی کی بدولت یہ حضرات حقیقی توفیق سے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں اور اسی کی بدولت انہیں اللہ کا مکمل وکامل ادب حاصل ہے۔ جمعیت کے چشمہ میں ڈوبنا، توحید کے سمندر میں غرق ہونا اسی کی بدولت انہیں ملا۔ یہ حضرات اس میدان میں اللہ کیلئے، اللہ کے ساتھ، اللہ میں، اللہ سے اور اللہ پر ہیں۔ (لِلّٰهِ بِاللّٰهِ فِي اللّٰهِ عَنِ اللّٰهِ عَلَى اللّٰهِ) ان کے تمام حواس، اوہام، تخیلات آرام گاہیں اور ملاحظہ جات صرف اور صرف اللہ وحدہ کیلئے ہیں۔ غیر اللہ کا انہیں خیال تک نہیں آتا۔ ان حضرات کا عنداللہ یہ قیام اسی روحانیت کے سرایت کرنے کی وجہ سے ہوا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ روحانیت ان میں سرایت نہ کرتی۔ تو ان میں اس قیام کی طاقت نہ ہوتی۔ یہی وہ روح ہے جس کی نمازی دعا کرتا ہے۔ اس روح سے مراد وہ پہلی روح نہیں جو تمام کائنات میں موجود ہے۔

"وَلِعِبَادَ تِنَاسِرًا" سر سے مراد اس مقام پر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کا باطن بن جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بنا پر ان اعمال کو قبول فرمالے۔ اور عبادت واعمال میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت ہے وہ یہ کہ تمام اعمال وعبادات بندے سے اس طرح صادر ہوں۔ کہ ان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت کا لحاظ ہو۔ اور آدمی یہ سمجھے کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف شیخ عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا۔ وَحِجَابِکَ الْاَعْظَمِ الْقَائِمِ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ۔ تیرا سب سے بڑا پردہ جو تیرے لئے تیرے سامنے موجود ہے۔ لہٰذا جس شخص کو عبادت و اعمال میں اس حجابیت کا لحاظ نہ ہوگا اس کے اعمال ناقص ہوں گے۔ اور حجابیت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے بندہ کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسیلہ ہیں۔ آپ کے توسل و توسط سے ہی ہر آدمی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یہ ہے وہ سر عبادت جو اس کی قبولیت کا دارومدار ہے۔

جوہر نمبر ۵: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ اپنے الفاظ صلوٰۃ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ جس کا نام "جَوْهَرَةُ الْکَمَالِ" ہے۔ یہ آپ کی تین صَلَوَات میں سے ایک ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَیْنَ الرَّحْمَةِ الرَّبَّانِیَّةِ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے نورِ الٰہی سے ایک انتہائی صاف اور جوہر نور الگ کیا۔ پھر اس الگ شدہ نور میں اللہ تعالیٰ نے جو چاہا تقسیم کرنے کیلئے رکھ دیا۔ وہ اس کی مخلوق پر تقسیم ہونا تھا۔ علم صفات و اسماء باری تعالیٰ، کمالات الوہیت، احوال کائنات، اسرار عالم، نفع و نقصان کائنات، احکام الٰہیہ اوامر و نواہی وغیرہ اس نور سے مخلوق کو بقدر حصہ ملنے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قطعہ نور کو اپنے علم سابق سے اپنی تمام مخلوق کو ملنے والے انوار کا مرکز بنایا۔ یہ اس کی محض رحمت تھی پھر اس نے مہربانی فرماتے ہوئے اپنی مخلوق کو ان کے تقدیر میں طے شدہ حصہ جات عطا فرمائے جو حقیقت محمدیہ میں جمع تھے۔ خواہ وہ حصہ جات علم کے ہوں یا رحمت کے۔ اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عین الرحمت" قرار پائے۔ اور وہ الگ ہونے والا نور "حقیقت محمدیہ" ہے اور وہ رحمت جو آپ کی ذات میں جمع کر دی گئی۔ اسی کو آپ کی ذات کریمہ سے بطور فیض کائنات کو عطا کیا گیا۔ لہٰذا کسی وجود کو کسی قسم کی جو رحمت ملی وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ملی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ پانی کے مرکز کی مانند ہے۔ اور بہت بڑے تالاب یا ڈیم کی مانند ہے جس سے چھوٹی چھوٹی نہریں مختلف زمین کے حصہ جات کو سیراب کرنے کیلئے پانی وصول کرتی ہیں اور اس سے نفع اٹھاتی ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِیْ۔ میں تقسیم کرنے والا اور اللہ دینے والا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم ازلی میں جو کچھ موجود ہے اسے دیکھ کر اس کے مطابق جس کو جس قدر حصہ ملنا ہوتا ہے۔ عطا فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو "عین الرحمت" یعنی رحمت کا چشمہ کہا گیا ہے۔

اس کی ایک اور توجیہہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جامع نمونہ ہیں۔ کہ تمام موجودات کو وجود آپ کی ذات کے طفیل ملا۔ اس لئے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک نہ ہوتا تو کسی موجود کا وجود اصلاً نہ ہوتا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی موجود ہوتی۔ اس لئے کہ تمام موجودات کا وجود، وجودات کی ذات سے ہے۔ اور تمام وجود میں آنے والی ذاتیں متاخر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اقدس مقدم ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ہی نہ ہوتا۔ تو کائنات کی کسی چیز کا وجود اور اس کی تخلیق نہ ہوتی۔ اور نہ ہی کسی پر کوئی رحمت ہوتی۔ خواہ وجود عطا کرنے کی رحمت یا رحمت کا فیض عطا کرنے کی بات کسی کو کچھ بھی نہ ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا کل ہیں اور وجود میں اس کی غایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات بنائی ہی صرف آپ کیلئے ہے اور وجود پر جس قدر بھی افاضہ رحمت ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبعیت میں ہوا۔ لہٰذا تمام کائنات کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے وابستہ ہے۔ یہ وابستگی وجود کے اعتبار سے بھی اور افاضہ کے اعتبار سے بھی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ مقدسہ کی خاطر تمام مخلوق بنائی گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "حق" کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں بنایا گیا۔ تاکہ وہ اور چیز آپ کے وجود کی علت قرار پائے۔ اور آپ کا وجود اس کے وجود پر موقوف ہو۔ مطلب یہ کہ وہ تیسری چیز اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان وسیلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی رابطہ نہیں۔ کیونکہ آپ حق تعالیٰ کی "مراد" ہیں۔ اور ساری کائنات آپ کی "مراد" ہے۔ وجود کائنات کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علت ہیں لہٰذا تمام کائنات کو افاضۂ وجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ سے بطور فیض ملا۔ اور تمام کائنات پر افاضۂ رحمت بھی آپ کی ذات مقدسہ سے ہو۔ فیض محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کو جو ملا اس کی دو قسمیں ہیں۔ (وہ دو قسم کی رحمتیں ہیں)۔

رحمت اولیٰ: تمام موجودات کو ان کے وجود کا فیض دینا۔ حتیٰ کہ وہ عدم سے وجود کی طرف نکلے۔

رحمت ثانیہ: اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا فیض تمام مخلوق کو تقسیم کرنا۔ تمام کے رزق، منافع، عطیات، بخششیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں وجود میں آنے کے بعد موجود کو عطا کی جاتی ہیں۔ جن سے وہ نفع اٹھاتا ہے۔

جب تم اس بات کو جان چکے ہو تو تمہیں لازماً علم آ جائیگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عین رحمت پروردگار" ہیں۔ کیونکہ اللہ نے تمام موجودات کو جو وجود عطا کیا۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود پاک کی وجہ سے کیا اور آپ کے وجود کا ہی فیض ہے۔ کہ اللہ نے تمام موجودات پر رحم فرمایا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "عین رحمت ربانیہ" کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی

مراد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اعراف:156) میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ''رحمت'' ہے۔ اور یہ الزام یا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کہ عذاب، وعید، اور غضب وغیرہ تو رحمت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں (عذاب، وعید، غضب وغیرہ) کمالات الٰہیہ کے تقاضے ہیں۔ ''کریم'' اگر چہ اس کا کرم کتنا عظیم ہو۔ اگر اس کی گرفت، غضب اور عذاب نہ ہوتا۔ تو اس کا خوف بالکل نہ رہتا۔ اور اگر اس کی ان باتوں سے امن ہوتا تو اس کی عظمت میں فرق آجاتا۔ اور حقیر ہو جاتا۔ لہٰذا صفت کرم ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں کریم کی حقارت اور بے قدری یا بے خوفی ہو۔ نہ ہی کرم کیلئے ایسی صفات لائق ہوتی ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ صفت کمال میں سے ہی غضب، گرفت اور عذاب ہے۔ یہ کوئی اس کی ضد نہیں۔ یہ اس لئے کرم کے ساتھ ضروری ہے تا کہ کریم کی جانب ''معظم'' بھی رہے اور اس کا خوف اور ہیبت بھی رہے جیسا کہ اس کی ذات سے معافی کی امید بھی ہوتی ہے۔ اور رحمت کی طلب بھی ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَیْنِ الْحَقِّ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ''حق'' کے دو اطلاق (معانی) ہیں۔ اول ''حق'' کا اطلاق مِن حَیْثُ الذَّات اور دوسرا اطلاق صفتُ الذَّات ہے۔

''حق'' کا من حیث الذات اطلاق وہ اس طرح کہ اس (حق) کا مقابل ''باطل من کل الوجہ'' ہے۔ لہٰذا ''حق محض'' وہ ذات عالیہ مقدسہ ہوگی۔ اور اس کے سوا سب باطل ہوگا۔ اسی کی طرف شاعر لبید نے اشارہ کیا ہے۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و تحقیق کی شہادت دی۔

اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ اس اطلاق کے اعتبار سے لفظ حق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں بولا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اطلاق ''عین ذات مقدسہ'' ہے۔ کسی غیر پر اصلاً اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دوسرا اطلاق دراصل ''عدم'' کا مترادف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو علم ازلی کی صورت میں اس کے ساتھ قائم ہے۔ مشیت الٰہیہ، قدرت ربانیہ، حکم الٰہی ازلی جو ہر شی میں نافذ ہے اس کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ عدل مذکور اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء اور صفات الٰہی کے آثار میں جاری و ساری ہے۔ اس عدل کا کل یا بعض مجموعہ وہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان اعتبار کے پیش نظر ''عین حق'' کا اطلاق آپ پر کیا گیا۔ پس تمام ''حقیقت محمدیہ'' عدل الٰہی کے میزان سے قطعاً انحراف نہیں کرتی۔ جو حقیقت محمدیہ ''عین الحق'' اطلاق ثانی کے اعتبار سے ہے۔

عَیْنِ الْمَعَارِفِ۔ یعنی جبکہ معارف الٰہی بطور فیض مخصوص حضرات کو عطا ہوئے۔ یعنی انبیاء کرام،

مرسلین، اقطاب، صدیقین اور اولیاء ان تمام کو فیوض و برکات ''حقیقت محمدیہ'' سے حاصل ہوئے۔ معارف جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان شخصیات مخصوصہ کو ملے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ''حقیقت محمدیہ'' سے خارج نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہر فیض و معارف میں ''حقیقت محمدیہ'' پوشیدہ ہے۔ اس میں موجود ہے لیکن نظر نہیں آتی اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فیوض و معارف کے خزانہ ہیں اور سبھی کے فیوض و معارف آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''عین الحق'' یا ''عین المعارف'' کہا گیا ہے۔

صِرَاطِکَ التَّامِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجازاً ''صراط'' کہا گیا ہے۔ کیونکہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تک کے جانے کا واحد راستہ ہیں۔ اس راستہ کے عبور کئے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جو اس راستہ سے دور ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو گیا اور دور جا پڑا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ''پل صراط'' کی مانند ہوئے۔ جس پر سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا۔ اور جنت میں وہی جائے گا جو اس پل صراط سے گزر گیا۔ قیامت میں کسی انسان کیلئے اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں۔ کہ وہ جنت میں اس راستہ کو عبور کرنے کے بغیر پہنچ جائے۔ لہٰذا جو شخص جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ لیکن وہ ''پل صراط'' کے علاوہ کسی اور راستہ سے جا کر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ جنت سے دور اور منقطع ہو جائے گا یونہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچنے کا واحد راستہ ہیں۔ اس راستہ پر چل کر اور اس کو عبور کر کے ہی بارگاہ ایزدی میں رسائی ہوگی۔ کسی نے اگر کسی اور راستہ سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے کٹ جائے گا۔ دور ہو جائے گا۔ ملعون قرار پائے گا۔ اور دھتکارا جائے گا۔

اَلْکَنْزِ الْاَعْظَمِ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اسرار، علوم، معارف، فتوحات، فیوض، تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ واسمائیہ وفعلیہ اور صوریہ کے جامع ہیں۔ جب یہ تمام خوبیاں اور مطالب آپ کی ذات مقدسہ میں کامل و مکمل موجود ہیں تو آپ لازماً ''کنز اعظم'' ہوئے۔ کیونکہ آپ ہی کی بارگاہ عالیہ سے تمام مطالب، احسانات، دینی و دنیوی فیوض و برکات، اُخروی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ آپ ان سب کے مرکز اور خزانہ ہیں۔ علوم و معارف، اسرار و انوار، اعمال و احوال، مشاہدات، توحید، یقین و ایمان یہ آپ ہی کے در دولت سے ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے آداب بھی یہیں سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب کے فیض رساں ہیں۔ تمام موجودات کو تفصیلی، اجمالی اور ایک ایک کو جو کچھ ملا۔ آپ ہی کے آستانہ عالیہ سے ملا۔ کوئی بھی اس سے محروم نہ رہا۔ محروم

کیوں رہتا۔جبکہ آپ ''کنز اعظم'' ہیں اور ''کنز اعظم'' سے ہی سب کو سب کچھ ملتا ہے۔
اِفَاضَتُکَ مِنْکَ اِلَیْکَ۔معلوم ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ ہوا تو اس نے ''حقیقت محمدیہ'' کو ظاہر فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے سماء الاوصاف سے خود اپنی ذات کیلئے تجلی فرمائی۔ اور اپنی ذات سے اپنی ذات کیلئے موارد الطاف کا سوال کیا تو اس سوال نے اس سے قبولیت پائی تو اس نے ''حقیقت محمدیہ'' کو اپنے علم ذاتی سے وجود عطا کیا۔ تو وہ حقیقت محمدیہ چشمے اور نہریں بن گئی۔ پھر سارا عالم اس سے نکالا۔ اور صورت آدمیت انسانیت تفصیلاً اس سے الگ کی۔ بیشک وہ صورت اس حقیقت محمدیہ پر کپڑوں کی طرح تھی۔ جو پانی اور ہوا کی طرح رقت اور صفائی میں تھی۔ اس کپڑے نے صورت انسانیہ کی شکل اختیار کی۔ پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع الکل، برھان الصفات اور مبدأ اعلیٰ ہوئے۔ اور آدم علیہ السلام اس کے مکمل نسخہ تھے۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کا نسخہ حضرت آدم علیہ السلام سے تھا۔ اور تمام عالم علوی و سفلی حضرت آدم علیہ السلام کا نسخہ ہوا۔ پس یہ نسخہ جات سعادت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ علاوہ اس کے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام دونوں کی کتاب سے کامل طور پر ہوئے۔ اور عارفین و وارثین آدم علیہ السلام کے نسخہ اور ہمارے آقا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر سے ہوئے۔ اہل شمال صرف حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے بنائے گئے۔ رہا حضرت آدم علیہ السلام کی نسل کا معاملہ تو وہ پیدا ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو مخصوص حالات میں ظاہر فرمایا۔ جس طرح آپ کی حقیقت الگ تھی اس طرح آپ کا وجود اور جسم بھی الگ بنایا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ابتداء بھی آپ سے اور انتہاء بھی آپ پر کی۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کو نشاۃ اولیٰ حاصل تھی۔ لہٰذا وجود کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ اور جود و سخا میں آپ کا مقام کون پا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول الموجودات اور اصل الموجودات ہیں۔ آپ کی برکت سے موجودات کو وجود ملا اور اس سے سب کچھ پایا۔

اِحَاطَةُ النُّوْرِ الْمُطَلْسَم۔یعنی طلسماتی نور پوشیدہ الوہیت کا راز ہے۔ اس راز کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشیت ربانیہ سے اس کی دو قسمیں بنائیں ایک قسم اپنے علم کیلئے مخصوص رکھی۔ کسی دوسرے کو اس کی اطلاع نہ کی۔ اور دوسری قسم کے بارے میں یہ پسند کیا۔ کہ اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے مخصوص لوگ اس پر مطلع ہوں۔ وہ ان حضرات کے درمیان مشیت ازلیہ کے مطابق تقسیم کی گئی ہر ایک کو

اپنی تقدیر میں لکھا حصہ ملا۔ اس تمام قسم کا علم ورزق کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احاطہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ کی حقیقت محمدیہ میں سب جمع ہوئی۔ اور پھر تمام مخلوقات میں تقسیم ہوئی ایک اور عبارت کے ذریعہ اس مضمون کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "طلسماتی نور" وہ کمالات الٰہیہ ہیں جو اس کے علم سابق میں سب سے اول تھے اور جن کے بارے میں اس کا ارادہ تھا کہ وہ مخلوقات پر منکشف ہوں گے اور ان کی تفصیلاً یا اجمالاً اطلاع دی جائے گی ہر موجود فرد کو جو اس کے مقام کے مناسب ہے وہ ملے گا اور جو اس کیلئے مخصوص ہے وہ پائے گا اس میں کائنات کے ظہور سے لیکر ابد تک کی تمام مخلوقات شامل ہے۔ اور وہ مذکورہ نور غیب کے پردوں میں پوشیدہ تھا۔ یعنی اس پر بڑے بڑے پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ کسی کو ان کی اطلاع یا ان کی رسائی ناممکن تھی۔ پھر اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مطلع فرما دیا۔ اور آپ کی "حقیقت محمدیہ" میں ان تمام کو جمع کر دیا۔ لہٰذا مذکورہ احاطہ اور نور وہ کلمات الٰہیہ کے ظہور کے مقام ہیں اور طلسمی پردے ان پر جو ڈالے گئے وہ ایسے پردے ہیں کہ جو ان علوم کے حقائق کی معرفت تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ بھیجتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک وصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ قیام کا معنی یہاں وہی جو اس کی عظمت وجلال کے لائق ہے۔ وہ ایسا معاملہ ہے جو ادراک وعقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ کیونکہ جو وصف ہر موجود کے بارے میں مذکور ہے۔ اگرچہ وہ لفظ اور اسم میں وصف باری تعالیٰ کے ساتھ اشتراک رکھتا ہے۔ لیکن دونوں اوصاف کی حقیقت الگ الگ ہے۔ اس لئے مخلوق کا صلوۃ بھیجنا، اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ سے متبائن ہے۔ ہم انسانوں (مسلمانوں) کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنا وہ الفاظ ہیں۔ جو ہماری زبانوں سے دعا اور تضرع کے ساتھ نکلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جاتی ہے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم شامل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا "صلوٰۃ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا نہیں، نہ اس کی صلوٰۃ کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے لہٰذا وہ عقل وادراک سے باہر ہے اس کی کسی طرح تفسیر ناممکن ہے بلکہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ لیکن وہ ہر کیفیت سے پاک ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق سجدہ کرتی ہے لیکن جو سجدہ جس کیفیت سے مومن اللہ تعالیٰ کو کرتا ہے وہ جمادات وحیوانات کے سجدہ سے بالکل مختلف ہے اور درختوں کے سجدہ کی مثل بھی نہیں۔ ہر درخت، حیوان اور جماد کا سجدہ ایسا ہے جو ان کے حال کے لائق ہے۔ لیکن

لفظ سجدہ تمام کیلئے مشترک ہے اور اطلاق میں بھی یہ سب پر مساوی بولا جاتا ہے لیکن حقیقت ہر ایک کے سجدہ کی الگ الگ ہے۔ ایک کا سجدہ اور ہے دوسرے کا کسی اور طریقہ سے ہے۔ اسی طرح لفظ ''صلوٰۃ'' میں انسانوں اور باری تعالیٰ کا اشتراک ہے۔ لیکن دونوں کی حقیقت بالکل مختلف ہے۔ رہا فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا تو اس کی سمجھ خود فرشتوں کو ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنا کیا ہے۔ جس طرح ہم انسانوں کو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی طرف سے صلوٰۃ بھیجنے کا علم ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ کسے کہتے ہیں۔

صَلٰوۃً تَعرِفُنَا بِهَا اِیَّاہُ۔ یعنی صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطنی مراتب کی معرفت اسے عطا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطنی مراتب کی معرفت یا تو آپ کی روح پاک تک رسائی ہے۔ یا حقیقت عقل محمدی تک، یا قلب انور تک یا نفس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے مقام کی حقیقت تک صرف اکابر حضرات یعنی انبیاء کرام مرسلین عظام اور اقطاب یا ان کے برابر کے حضرات کی رسائی ہے کچھ عارفین ایسے ہیں جو آپ کے مقام عقل تک رسائی پالیتے ہیں پھر جو جس مقام تک رسائی رکھتا ہے۔ اس کے معارف وعلوم اس مقام کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقام عقل اور اس کے علوم مقام روح کے علوم ومعارف کے مساوی نہیں۔ کچھ عارفین ایسے ہیں جو آپ کے مقام قلب تک رسائی رکھتے ہیں تو ان کے علوم و معارف اس مقام کے مطابق ہوتے ہیں اور مقام قلب، مقام عقل سے جدا ہے۔ اس کے علوم و معارف بھی جدا ہیں۔ پھر کچھ عارفین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام نفس تک رسائی رکھتے ہیں تو ان حضرات کے علوم و معارف اس مقام کے مناسب ہوتے ہیں اور یہ مقام، مقام قلب سے الگ ہے۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سر تو اس تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مقام سر، مقام روح، مقام عقل، مقام قلب اور مقام نفس میں فرق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سر ہی درحقیقت ''حقیقت محمدیہ'' ہے۔ جو محض ''نور الٰہی'' ہے۔ جس سے تمام انسانوں کے عقول وادراک عاجز ہیں۔ خواہ وہ خاص ہوں یا عام۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کا یہ معنی ہے۔

پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' کو انوار الٰہیہ کا لباس پہنایا گیا۔ اور وجود سے اس کو پردے میں کر دیا گیا۔ اس درجہ میں اس کا نام ''روح'' رکھا گیا۔ پھر ایک اور لباس میں ملبوس کی گئی۔ انوار الٰہیہ کے اس دوسرے لباس کے پہننے کے بعد اس کا نام ''عقل'' رکھا گیا۔ پھر ایک اور لباس پہنایا گیا۔ اس انوار

الٰہیہ کے اس لباس کے پہننے کے بعد اس کا نام ''نفس'' رکھا گیا۔

تنبیہ شریف۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ کو پیدا فرمایا۔ تو اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وہ تمام علمی فیوض، معارف واسرار تجلیات، انوار اور حقائق مع ان کے تمام احکام و مقتضیات ولوازمات کے جو تمام مخلوق میں تقسیم کئے جانے تھے۔ اس میں ودیعت فرمادیئے۔ پھر حضور ﷺ اب تک کمالات الٰہیہ کے شہود میں برابر ترقی فرمارہے ہیں۔ جس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی مذکورہ کمالات ابد الآباد تک ختم ہوسکتے ہیں۔ جب وہ ختم نہیں ہوسکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کی انتہاء کیسے ہوسکتی ہے؟

جوہر نمبر ٦: ''صَلٰوۃُ الْغَیْبِیَہ فِی الْحَقِیْقَۃِ الْاَحْمَدِیَّہ'' کی شرح کرتے ہوئے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ''صلوٰۃ غیبیہ'' کا معنی یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ غیب سے ظاہر ہوئی۔ کسی انسان نے اس کی انشاء نہیں کی۔ رہی ''حقیقت احمدیہ'' تو اس سے مراد وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب پر سبقت فرمائی۔ وجود میں کوئی حامد آپ سے پہلے حمد باری تعالیٰ نہ کرسکا۔ لہٰذا وجود میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد نہ کہی جیسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کی۔ پھر ''حقیقت محمدیہ'' فی نفسہا اللہ تعالیٰ کے غیوب میں سے ایک عظیم غیب ہے۔ اس میں جو معارف، علوم، اسرار، فیوضات، تجلیات، احسانات، عطایا جات، احوال عالیہ اور اخلاق حسنہ ہیں۔ کوئی بھی ان پر مطلع نہیں۔ نہ ہی کسی نے ان میں سے کسی تک رسائی پائی۔ تمام انبیاء کرام اور مرسلین عظام بھی اس تک رسائی نہ پاسکے۔ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا اس کے مقام سے مختص ہیں۔ تمام انبیاء کرام، مرسلین عظام، تمام فرشتے، مقربین، تمام قطب وصدیق اور تمام اولیاء عارفین کے تمام ادراک ومقامات اور جو کچھ ان سب حضرات نے اجمالاً وتفصیلاً پایا وہ سب کا سب ''حقیقت محمدیہ'' کا فیض ہے۔ لیکن ''حقیقت احمدیہ'' تک رسائی اور اس کے علوم ومعارف وغیرہ کسی کیلئے ان تک رسائی ممکن نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مقام ہیں۔ ایک ''حقیقت احمدیہ'' کا مقام۔ یہ مقام اعلیٰ ہے۔ دوسرا ''حقیقت محمدیہ'' کا مقام جو اس سے ادنی ہے۔ لیکن خود ادنیٰ نہیں۔ تمام موجودات نے جس قدر بھی علوم ومعارف، فیوضات، تجلیات، ترقیات، احوال ومقامات اور اخلاق پائے وہ سب کا سب ''حقیقت محمدیہ'' کا فیض ہے اور جو کچھ ''حقیقت احمدیہ'' میں ہے اس میں ایک چیز بھی کسی کو نہ ملی۔ وہ سب کا سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص

ہے اس کی وجہ آپ کی کمال عزت اور انتہائی بلندی ہے جس تک کسی کی رسائی ناممکن ہے۔ یہ ہے "حقیقت احمدیہ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اَلْمُفِيْضُ عَلَى كَافَّةِ مَنْ اَوْجَدْتَهُ بِقَيُّوْمِيَّةِ سِرِّكَ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف اور تعریف ہے۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے فیض رساں ہیں۔ اور آپ کا فیض رساں ہونا علی الاطلاق اور علی العموم ہے۔ مخلوقات میں سے جس نے جو کچھ پایا۔ خواہ دنیوی منافع ہوں یا دینی یا اخروی خواہ کوئی ضرر والی بات ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کو ہر طرح کا فیض پہنچانے والے ہیں۔ پھر تمام موجودات کا وصف بیان کیا۔ كَافَّةُ مَنْ اَوْجَدْتَهُ الْاٰخَرَ۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا اور یہ سر الٰہی کی قیومیت کی وجہ سے ہوا۔

اَلْمَدَدُ السَّارِیْ فِیْ كُلِّيَّةِ اَجْزَاءِ مَوْهِبَةِ فَضْلِكَ۔ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کے فیض رساں ہیں۔ اور جو چیز ان تمام موجودات کو فیض پہنچا رہی ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ہے جس نے تمام کائنات میں سرائیت کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیض الٰہی ازل سے ابد تک جو تمام موجودات کو ملتا ہے وہ کامل اور مکمل طور پر "حقیقت محمدیہ" میں جمع ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریقۂ سرایت تمام کائنات میں تقسیم ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ" وَاللّٰهُ مُعْطِیْ۔ اس ارشاد کے ذریعہ معلوم ہوا کہ عطائے اول جو سب سے اول اللہ تعالیٰ نے کسی کو دی وہ تقسیم میں مفصل تھی۔ اور اس کی تفصیلی تقسیم مشیت الٰہیہ کے تحت تھی۔ یہ ابتدائی عطاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام کائنات کیلئے تھی اور اس کی تقسیم کسی فرشتہ یا خود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ یا اس کی دین سے اس شخصیت کیلئے ثابت ہوئی۔ جس کو عطاء کرنے کا حکم الٰہی تھا اور وہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نائب قرار پائی۔ لہٰذا وہ شخصیت اس کارندے کی مانند ہوئی۔ جسے بادشاہ حکم دیتا ہو کہ تم فلاں فلاں انعام وعطیہ جات فلاں فلاں شخص کو پہنچا دو۔ پھر وہ اسی مقدار کے موافق اس شخص کو دے دیتا ہے جسے بادشاہ نے دینے کا حکم دیا ہوتا ہے۔ حدیث "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ" وَاللّٰهُ مُعْطِیْ" کا یہ معنی ہے اور جس طرح کہ شیخ اکبر نے اپنی صلوٰۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف میں کہا ہے۔ اَلْقَلَمُ النُّوْرَ اِلٰى الْجَارِیْ بِمِدَادِ الْحُرُوْفِ الْعَالِيَاتِ وَ النَّفَسُ الرَّحْمَانِیُّ السَّارِیْ بِمَوَادِ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ۔ پس یہ سرایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اور تمام موجودات کیلئے ہے اور اس کے موافق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے نفاذ چاہا۔ یہ فیوض و برکات اس کے مستحقین تک صرف اور صرف حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت سے ہی پہنچتے ہیں اور یہ بات علی العموم ہے۔ کوئی شخصیت اس قانون سے مستثنیٰ نہیں اور نہ ہی کسی کو تخصیص حاصل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ چار اقسام کے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرنے میں ان کی چار اقسام ہیں۔

قسم اول: علماء کرام ہیں۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے "اقوال" کی پیروی کی۔

قسم دوم: عبادت گزار ہیں۔ جنہوں نے آقائے دو عالم ﷺ کے "افعال" کی پیروی کی۔

قسم سوم: صوفیاء کرام ہیں۔ جنہوں نے "اخلاق نبوی" ﷺ کو اپنا مقتداء بنایا

قسم چہارم: محقق عارف لوگ ہیں جنہوں نے سرور کائنات کی آپ کے "احوال" میں اقتداء کی۔

پھر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اس صلوۃ کی شرح کا اختتام ایک عظیم فائدہ پر کیا۔ یہ عظیم فائدہ مسئلہ ایصال ثواب یا اھدائے ثواب ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں کسی امتی کو اپنے ثواب کا ہدیہ عرض کرنا کیسا ہے؟ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خلیفہ کے سوال کا جواب عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے جملۃً وتفصیلاً اور فرداً فرداً مستغنی ہیں۔ اور مخلوق کی صلوۃ اور اپنے اعمال کے ثواب کا ہدیہ آپ کی بارگاہ میں پیش کرنا اس سے بھی آپ مستغنی ہیں۔ آپ کو اپنا رب ہی کافی ہے۔ اولاً تو اس نے آپ کو غنی کر دیا اور ثانیاً اس نے آپ کو اپنا فضل وکرم اس قدر عطا فرمایا۔ اور اسے اس قدر طویل کیا کہ اس کی وجہ سے آپ کو کسی اور کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے ہاں کمالات کی اس انتہا پر ہیں جہاں کسی اور کا پہنچنا ناممکن ہے۔ اور اس انتہا پر ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے سے اس میں زیادتی ہونا یا آپ کو فائدہ پہنچنا ہرگز مطلوب نہیں۔ اس حقیقت کی گواہ یہ آیت کریمہ ہے۔ **وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝** (الضحیٰ) اور یہ عطاء بخشش اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انسان صفت اور قریب الاخذ طریقہ سے وارد ہوئی ہے لیکن اس کی غایت وانتہاء کا یہ عالم ہے کہ اس عطاء میں سے چھوٹی سی عطاء کا بھی عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ اس عطاء کا احاطہ جو بہت بڑی ہے اس کا عقل ادراک کرے؟ بیشک اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فضل وکرم سے اس قدر عطا فرماتا ہے۔ جس قدر اس کی ربوبیت کی وسعت ہے اور آپ کو اس قدر عطا فرماتا ہے جس قدر آپ کا مرتبہ ہے۔ جس قدر آپ کا مقام ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ عطاء کس قدر ہوگی جو ایسی شخصیت کو دی جا رہی ہے۔ جس کا

مرتبہ ومقام کہیں ختم نہیں ہوتا اور اس عطاء کی عظمت اور بڑا ہونا اسی مرتبہ کے مطابق ہے پھر دینے والا اور عطاء کرنے والا اس کے مرتبہ کو کس نے پایا۔ تا کہ اس کی مقدار پہچانی جا سکے؟ اور پھر اس کی عظمت اس کے مرتبہ کی وسعت کے مطابق ہے۔ تو ان باتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کا اندازہ کیونکر ممکن؟ اور انسانی عقل اس کے ادراک کو کیسے برداشت کر سکے؟ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغناء کا ادنیٰ مرتبہ اور کم از کم مقام اگر دیکھنا ہو تو وہ یہ ہے کہ جب سے آپ کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ اس سے تا قیام قیامت ہر نیکی کرنے والا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیکی کرتا ہے اور جس کے گلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اور آپ کی غلامی کا پٹہ ہے۔ ان تمام عمل صالح کرنے والوں کے تمام ثواب مع آپ کے اپنے ثواب، سبھی آپ کی ذات میں جمع ہیں۔ خدا جانے ان کی تعداد و مقدار کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر صرف یہی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوتا تو بھی آپ زیادہ ثواب کے محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں کمال استغناء ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں یہ مرتبہ آپ کے غناء کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس پر قیاس کر کے ذرا اس طرف خیال کریں کہ اس کے علاوہ جو فیض اکبر اور فضل اعظم آپ کو عطا کیا گیا۔ کہ جس کے اٹھانے سے اقطاب کے عقل بھی عاجز ہیں۔ چہ جائیکہ ان سے کم درجہ کا انہیں سمجھ سکے اور اٹھا سکے۔

جب ہماری یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کے صلوۃ وسلام کی محتاجی نہیں۔ اور نہ ہی مومنین پر صلوۃ وسلام اس لئے بھیجنے کا حکم دیا کہ اس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفع حاصل ہوگا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ثوابات کی حاجت وضرورت ہے۔ جو ثواب بھیجنے والے ہدیۃً اپنا اپنا ثواب آپ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔ اور ہم ثواب بھیجنے والوں کے اس عمل کی اس شخص کو ایک مثال بتاتے ہیں۔ جس کا وہم ہو کہ صلوۃ وسلام اور دیگر اعمال کے ثواب کے ہدیہ جات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور آپ کو نفع پہنچتا ہے۔ مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے قلم پر لگی سیاہی کا ایک قطرہ ایک ایسے سمندر میں ڈالتا ہے جس کی لمبائی ایک لاکھ سال مسافت کے برابر اور اتنی ہی اس کی چوڑائی اور گہرائی ہو۔ اب اس ایک قطرے کے اس میں پڑنے سے وہم کرنے والا یہ گمان کرے کہ سمندر کے پانی میں اضافہ ہو گیا اور اس کی لمبائی چوڑائی زیادہ ہو گئی ہے تو کون اس کی سنے گا؟ اس عظیم سمندر کو اس ادنیٰ قطرہ کی کیا حاجت ہے؟ اور وہ حقیر سا قطرہ اس میں کیا اضافہ کرے گا؟

جب تمہیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغناء کا رتبہ اور اس کا عنداللہ مقام معلوم ہو گیا تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا حکم دیا ہے وہ اس لئے تا کہ بندے آپ کے اعلیٰ مقام اور قدر و منزلت کو جان سکیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کتنے جلیل القدر ہیں۔ اور تمام مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو آپ کس قدر پسند ہیں کتنے برگزیدہ ہیں۔ دوسرا اس لئے یہ حکم دیا تا کہ بندوں کو یہ بتایا جائے کہ کسی بندے کا کوئی عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر عنداللہ مقبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہو اور اس کی طرف توجہ کرنا چاہتا ہو لیکن وہ اس کیلئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وسیلہ نہ لے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور جا پڑے گا۔ اور اس کے خطاب تشریع سے شکست خوردہ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب، ناراضگی اور غضب کا حق دار ہو جائے گا۔ اسے ملعون، مردود اور دور پھینکا ہوا قرار دیا جائے گا۔ اس کی کوشش بے کار اور اس کا عمل نقصان دہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھی ایک وسیلہ ہے۔ آپ کی شریعت کی پیروی بھی ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ صلوۃ و سلام پڑھنے سے سراسر ہم امتیوں کا فائدہ ہے۔ ہماری پہچان اور تعریف ہے ہماری قدر و منزلت اللہ کے حضور ہوئی اور اس میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ تمام توجہات میں تمام مطالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توسل حاصل کریں۔ یہ نہیں کہ ہمارے صلوۃ وسلام سے یہ وہم کیا جائے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفع ہوا۔ کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ غنیٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ ثواب عرض کرنا اسے سمجھنے کیلئے ایک تو آپ کے کامل استغنیٰ کو سامنے رکھا جائے۔ دوسرا ہم اسے سمجھانے کیلئے ایک اور مثال دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک عظیم ملک کا عظیم رعب و دبدبہ والا بادشاہ ہو۔ اسے اس کی مملکت میں ہر طرح کے خزائن اور مال و اسباب عطا کئے گئے ہوں جن کی گنتی نہ ہو سکتی ہو ان میں سے ہر ایک خزانہ ایسا ہو کہ اس کا طول و عرض آسمانوں اور زمینوں جیسا ہو۔ ہر خزانہ انتہا ہی بھرا ہوا ہو۔ اس میں یاقوت، زمرد، سونا، چاندی، زمینی پیداوار وغیرہ سبھی موجود ہوں۔ دنیا کا ہر خزانہ اس کے پاس موجود ہو۔ پھر ایک فقیر فرض کرو کہ جس کے پاس دو روٹیوں کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔ وہ بادشاہ سے بہت محبت کرتا ہو اور اپنی محبت کی وجہ سے اس کی تعظیم کے پیش نظر اسے ایک روٹی سخاوت کے طور پر عطا کرے۔ اور بادشاہ بھی وسیع الکرم ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ فقیر کی ایک روٹی سے اس کے دل میں اپنے خزانے میں اضافہ کا خیال ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی بے حد غنی ہے۔ اس لئے ایک روٹی کا ہونا نہ ہونا اس کیلئے یکساں ہے۔ پھر بادشاہ

چونکہ وسیع الکرم ہے۔ وہ فقیر کی غربت اور محتاجی کو بھی جانتا ہے۔ اور اس کی انتہائی محنت و مشقت کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ اسے اس سے سچی محبت ہے اور وہ دل سے اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ اس نے روٹی انہی مقاصد کے تحت اسے دی ہے اگر اس فقیر کو اس سے زیادہ دینے کی طاقت و ہمت ہوتی تو کبھی بخل نہ کرتا۔ اس ایک روٹی کے ملنے پر بادشاہ خوشی اور سرور کا اظہار کرتا ہے اور فقیر سے ہنستے چہرہ سے ملاقات کرتا ہے اور بادشاہ صرف اس لئے خوش ہوتا ہے کہ اس نے اس کی تعظیم کی۔ دل میں اس کی محبت بسائی۔ اس لئے نہیں کہ اس نے ایک روٹی اسے ہدیہ میں دی۔ جس سے بادشاہ کو نفع ہوا۔ پھر بادشاہ اس فقیر کو اس کے بدلہ میں وہ کچھ عطا کرتا ہے۔ جو فقیر کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ یہ انعام و اکرام اس کی سچی محبت اور تعظیم کے پیش نظر دیتا ہے۔ نہ کہ ایک روٹی سے نفع اٹھانے کی وجہ سے۔ اس مثال کو دیکھتے ہوئے اور پیش نظر رکھتے ہوئے تم اس ہدیہ کی حقیقت سمجھو جو ایک امتی ثواب کے رنگ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غنی ہونا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جب ہم نے ایک عظیم سمندر اور قطرے کی مثال دی تھی۔ اور اس غنا کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اثبات کیا تو وہ اس تازہ مثال سے تمہارے سامنے ذکر کر دیا گیا ہے۔ جس میں ایک فقیر ایک بڑے بادشاہ اور ہر قسم کے لاتعداد خزانوں کے مالک کو اپنی طرف سے ایک روٹی ہدیۃً پیش کرتا ہے۔ والسلام۔

# امام علامہ شرف الدین ابو العباس احمد بن الحسن بن عبداللہ بن محمد ابن قدامۃ المقدسی الحنبلی رضی اللہ عنہ

جوہر نمبر ۱: موصوف رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب بنام ''تحقیق البرہان فی رسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الجان'' میں انہوں نے جنات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور ان کا مکلف بالایمان ہونا بیان کیا۔ جو دراصل ایک سوال کا جواب اور فتویٰ ہے۔ جو موصوف سے دریافت کیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اسی اللہ تعالیٰ پر میرا اعتماد ہے۔ فقہاء کرام ائمہ دین رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ بعض محقق علماء کرام کا یہ موقف ہے کہ جنات پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جنات کی طرف بھی مبعوث فرمائے گئے۔ ان حضرات علماء کرام کی اپنے موقف پر کیا دلیل ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرنا جائز نہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا ثبوت بغیر دلیل۔ اس پر جھوٹ باندھنا اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے اور باری تعالیٰ پر افتراء حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (اعراف) اور آیت کریمہ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف) میں امر مذکور کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس بات پر اجماع ہے۔ کہ تمام انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کتابوں پر ایمان لانا تمام مکلفین کیلئے لازم ہے۔ جیسا کہ ہم پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانا واجب ہے حالانکہ یہ دونوں ہماری طرف رسول بن کر تشریف نہیں لائے تھے اور سورۂ جن میں جہاں جنات کے عقائد بیان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی شرک سے تنزیہ مذکور ہے۔ اس میں بھی ان کا مکلف ہونا مذکور نہیں اور نہ ہی اس آیت میں ان کے مکلّف ہونے پر دلیل ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ''بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' میں سیاہ وسرخ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں بھی اس بات کی صراحت نہیں اور احتمال مرجوح سے (جس پر دلیل موجود نہ ہو) رسالت کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور نہ امر مذکور کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ''اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَتْبَعَهٗ لَيْلَةَ الْجِنِّ'' کیونکہ اس روایت میں ضعف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں (ابن مسعود) جنات سے حضور کی ملاقات جس رات ہوئی۔ آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے پوچھا کیا تم اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے؟ کہنے لگے۔ نہیں۔

علاوہ ازیں بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "لَمْ يَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْجِنَّ وَلَا تَلَا عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جنات کو دیکھا اور نہ ہی انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ لہٰذا اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کی طرف نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو پھر اس پر ایمان لانا واجب ہو جائیگا۔ اور اشکال زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس بات کا جاننا اور اس کی معرفت کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دعویٰ کیا ہو اگر ایسا نہیں تو کیا ان علماء کرام کے قول کی تقلید جائز ہے جنہوں نے اس کے اثبات کا قول کیا ہے۔ اور مقلد پر عنداللہ اتباع نہیں جب اس سے سوال کرے۔ اور اس قسم کی باتوں میں تقلید کی جو حیثیت ہے وہ بھی مخفی نہیں کیا یہ کافی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا جائے اور جو احکام آپ اللہ کی طرف سے لائے ان تمام پر ایمان لایا جائے۔ اگر چہ ہمارے علم میں نہ ہو۔ جیسا کہ ان انبیاء کرام پر ایمان ہے جن کے حالات و واقعات بلکہ اسماء تک ہمیں نہیں بتائے گئے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہوگا۔ كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ پہلے انبیاء کرام ایک خاص قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے رہے اور میں عام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں۔ اس میں تخصیص اس اعتبار سے ہے۔ کہ ہر پیغمبر کو جو شریعت دی گئی وہ ایک امت کے ساتھ مخصوص تھی۔ دوسری امت کیلئے وہ شریعت نہ تھی۔ اس لئے کہ تمام انبیاء کرام کا اصول دین پر اتفاق تھا۔ صرف شریعت ہر ایک کی مخصوص تھی۔ یا تخصیص دونوں باتوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اصول دین اور فروعات دونوں ہر پیغمبر کے ایک خاص امت کیلئے تھے۔ حتیٰ کہ ہر پیغمبر اور رسول کو اصول و فروع میں صرف ایک قوم کیلئے نذیر و بشیر تسلیم کیا جائے۔ جس کی طرف وہ مبعوث ہوا۔ اس کی تائید اس قول باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ (اعراف) ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا۔ پھر وہ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں کے سامنے جھکی بیٹھی تھی۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان لوگوں کی گمراہی تو بتائی۔ لیکن قرآن کریم نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ حضرت موسیٰ نے اس قوم کو ایسا کرنے سے منع کیا اور انہیں دعوت دی۔ مذکورہ مسئلہ کے بارے میں ہمیں فتویٰ سے نوازا جائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

اس مسئلہ کا جواب شیخ الاسلام شرف الدین ابوالعباس احمد بن الحسن بن عبداللہ بن قدامہ الحنبلی امتع اللہ بطول بقائہ نے جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے۔

اَمَّا بَعْدَ حَمْدِ اللّٰہِ ذِی الْقُدْرَۃِ الظَّاھِرَۃِ وَ السُّلْطَانِ – وَالرَّاْفَۃِ الْبَاھِرَۃِ وَالْاِحْسَانِ – وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُنْبَعِثِ اِلَی الْاِنْسِ وَالْجَانِّ – بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ – وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ مَا اخْتَلَفَ الْعَصْرَانِ – وَتَعَاقَبَ الْجَدِیْدَانِ – فَھٰذَا جَوَابٌ عَنِ السُّؤَالِ الْمَذْکُوْرِ فِیْ طَلَبِ الدَّلَائِلِ عَلٰی تَنَاوُلِ رِسَالَۃِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ الْجِنَّ وَ تَحْقِیْقُ ذٰلِکَ بِبَرَاھِیْنِہٖ وَاَنَّ رِسَالَتَہُ الشَّرِیْفَۃِ اِشْتَمَلَتْ عَلٰی دُعَائِہٖ الثَّقَلَیْنِ اِلٰی طَاعَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَانْدِیْتِمَارِ بِالآ وَ امِرِ الشَّرَاعِیَّۃِ وَالتَّکَالِیْفِ الْخَفِیَّۃِ وَیُعْرَفُ ذَالِکَ بِمَسَا لِکَ۔

مسلک ۱ – اللہ تعالیٰ نے کہا۔ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ۔ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت بھیجی۔ جو قرآن سنیں گے پھر جب اس کے پاس آ گئے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے بن کر واپس لوٹ گئے۔ کہنے لگے۔ اے ہماری قوم! ہم نے ایک ایسی کتاب کی تلاوت سنی۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی جو اس کے وقت موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ حق کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور سیدھا راستہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی دعوت دینے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور دردناک عذاب سے بچا لے گا اور جس نے اللہ کے داعی کی بات نہ مانی۔ وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں۔ (احقاف)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ کہ اس نے جنات کی ایک جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجی۔ تاکہ وہ قرآن کریم سنیں۔ پھر وہ جماعت اپنی قوم کے پاس ڈر سنانے والی بن کر واپس ہوئی۔ اور انہیں اس بات کا حکم دینے والی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے داعی یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہو۔ ان پر ایمان لاؤ اور یہ بھی کہا کہ جو ان پر ایمان نہیں لائے گا وہ زمین

میں عاجز کرنے والا نہیں ہوسکتا۔

آیت کریمہ کے لفظ "حَضَرُوْهُ" کا معنیٰ جب وہ قرآن کریم کے پاس حاضر ہوئے اور "لَمَّا قُضِیَ" کا معنیٰ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت مکمل فرمالی۔ اور "مِنْ بَعْدِ مُوْسیٰ" کی تفسیر میں جناب عطاء کہتے ہیں۔ کہ ان جنات کا دین یہودیت تھا۔ اسی لئے انہوں نے "مِنْ بَعْدِ مُوْسیٰ" کہا۔ اور جنات کا یہ قصہ ثابت اور مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جنات سات تھے قوم نصیب سے تعلق رکھتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف انہیں اپنا پیغام پہنچانے والا اور ایلچی یا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ نو تھے۔ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ قرآن سننے والے جنات کی تعداد چار بتاتے ہیں۔ رہا سائل کا یہ سوال کہ آیت "اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف:31)۔ میں امر مذکور کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء کرام پر ان کی کتابوں پر تمام مکلفین کیلئے ایمان لانا لازم ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگر چہ وہ ہماری طرف رسول بن کر نہیں بھیجے گئے تھے؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں "دَاعِیَ اللّٰهِ" کی دعوت ماننے اور اس پر ایمان لانے کا جوذکر ہے۔ یہ داعی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جس کا تقاضا یہ کہ آپ کی شریعت میں داخل ہوا جائے اور آپ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب اور احکام سے تلبس اور تکالیف شرعیہ پر اس طریقہ سے عمل کیا جائے جس طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپ کے احکام میں آپ کی اطاعت کی جائے اور جو باتیں آپ اللہ کی طرف سے لائے ان کی تصدیق کی جائے۔ اس کا مطلب محض مان لینا نہیں۔ رہا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب سماوی پر ایمان لانا تو یہ حق ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ بن کر آئی۔ ان کے احکامات کو اٹھا دینے والی بن کر آئی اور نئے احکام اور کچھ پہلے احکام کو ثابت کرنے اور پختہ کرنے آئی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کے ارشادات پر عمل کرنے کا معاملہ یوں ہے کہ جو بات آپ کی شریعت نے کہی اسے تسلیم کیا جائے۔ یعنی شریعت محمدیہ نے پہلی شریعتوں کے نسخ کا کہا انہیں منسوخ تسلیم کیا جائے۔ شرائع سابقہ کے بعض احکام کو جوں کا توں لکھا۔ انہیں اس شریعت کے برقرار رکھنے کی وجہ سے برقرار تسلیم کیا جائے۔ اور جو اس نے نئے احکام دیئے ان کو بھی تسلیم کر کے ان سب باتوں پر عمل کیا جائے۔ ان تمام باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی شریعت میں داخل ہوا جائے۔ اور اعتقاد و فعل سے اس کے ساتھ وابستگی رکھی جائے۔ لہٰذا

یہ بات سائل کی مذکورہ بات کی مماثلت نہیں رکھتی اور ان دلائل میں سے جو ہمارے ذکر کردہ حکم کو مضبوط کرتے ہیں۔ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایمان لانے کا آپ کی اجابت پر عطف ڈالا ہے۔ اگرچہ اجابت میں ایمان داخل تھا لیکن پھر اس کو الگ ذکر کیا۔اور اس کی تخصیص کی۔لہٰذا اس ترکیب کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْكٰىلَ (بقرہ:98)۔حالانکہ ملائکہ میں جبرائیل ومیکائیل شامل تھے۔ان دونوں کو الگ بطور نص ذکر کیا گیا۔تاکہ ان کی عظمت واضح ہو جائے اور تاکید بھی ہو جائے۔اسی طرح اجابت میں اگر ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل تھا لیکن اسے پھر واؤ عاطفہ کے بعد مستقل ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت،عظمت اور تاکید ہو جائے۔

مسلک ۲- صحیح مسلم میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جب جنات سے ایک رات آپ کی ملاقات ہوئی؟ فرمانے لگے۔ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور رات میں تھے۔تو اچانک ہم نے اپنے میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گم پایا۔ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہمیں خیال آیا کہ شائد آپ کو کوئی جلدی سے اٹھا کر لے گیا یا کہیں ادھر ادھر کر دیئے گئے ہیں۔ہم نے وہ رات انتہائی بری حالت میں گزاری۔جب صبح ہوئی۔تو ہم نے دیکھا کہ آپ اچانک غار حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔جب ہمارے پاس تشریف لا چکے تو ہم نے عرض کیا۔یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو گم پایا بہت تلاش کیا۔لیکن آپ نہ مل سکے۔رات ہم نے انتہائی پریشانی میں بسر کی۔(آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلایا کہ میرے پاس جنات کا نمائندہ آیا میں اس کے ساتھ چلا گیا۔میں نے انہیں قرآن کریم سنایا۔حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اسی جگہ لے گئے ہم نے وہاں ان کی آگ کے اثرات دیکھے۔جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔آپ نے فرمایا۔تمہاری خوراک ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو۔وہ تمہیں مل جائے تو تمہارے لئے یہ گوشت کے قائم مقام ہوگی۔اور ہر مینگنی (اور گوبر وغیرہ) تمہارے چار پایوں کی خوراک ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو۔کیونکہ یہ دونوں اشیاء تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جنات ''جزیرہ'' کے تھے۔

یہ روایت اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انہیں قرآن کریم کی کچھ آیات سنائیں۔ ان کیلئے ایک کھانا مباح فرمایا۔ اور ان پر کچھ ممنوع بھی کیا۔ لہٰذا یہ اس بات کی تحقیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ ان جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت بھی کی۔ ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ایسے ہی اس روایت کی تخریج قاضی ابو یعلی وغیرہ نے اپنی اسانید سے کی۔ لیکن یہ تمام روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں۔ اور وہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور نہ ہی میرے سوا کوئی دوسرا صحابی آپ کے ساتھ تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت جس میں کھجوروں سے نچوڑی ہوئی شراب کے ساتھ وضو کرنے کا ذکر ہے۔ اسے کئی طرق سے روایت کیا گیا ہے۔ اسے امام احمد اور دار قطنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ابو زید اور ابو فزارۃ عبسی کی روایت چند اسناد سے مروی ہے۔ جس میں محدثین کرام نے کلام (اعتراض) کیا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابن مسعود کی روایت کے ایک راوی ابو فزارۃ کے بارے میں کہا یہ مجہول شخص ہے۔ امام ترمذی نے ابو زید راوی کو مجہول کہا۔ دوسرا طریقہ عبداللہ بن لھیعہ اور علی بن زید اور حسن عجلی کا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بہت سے طرق ہیں۔ اور ائمہ کی کثیر تعداد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ جیسا کہ لالکائی اور بیہقی نے اور ابو جعفر طحاوی نے بھی اسے ضعیف کہا۔ کبھی تو اسناد کی وجہ سے ضعیف کہا اور کبھی اس وجہ سے کہ خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رات ساتھ نہ تھے۔ اور روایت مذکورہ کا دارومدار انہی پر ہے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس روایت کے چونکہ طریقہ روایت کئی ہیں۔ اس لئے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابن مسعود کے اس کہنے میں کوئی منافات نہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ تھا کیونکہ ان کا یہ کہنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے واپسی کے وقت پانی طلب کیا ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان حال صحابہ میں تشریف لے آئے جیسا کہ ہم حدیث صحیح سے ذکر کر چکے ہیں کہ چلتے وقت صحابہ کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور رات گزرنے کے بعد پھر آپ ان سے آملے۔ لہٰذا دونوں روایتوں کے درمیان جمع ممکن ہے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں "جنات کی رات" میں ساتھ ہونے کی نفی ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ان سے الگ ہو کر جنات کی طرف تشریف لے گئے۔

''نبیذ تمر'' کی حدیث اگر صحیح ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے پانی سے وضو کرنا جائز ہے جو کسی پاک چیز کے ملنے سے متغیر ہو گیا ہو۔ نہ کہ ایسا پانی کہ جس میں پاک چیز پڑنے سے اس کا نام ''پانی'' باقی نہ رہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ۔ اور ایسے الفاظ اسی وقت کہے جاتے ہیں۔ جب متغیر شدہ مرکب میں پانی اپنی صفات سمیت قائم ہو۔ اس لئے جب کسی مرکب سے ''پانی'' کا لفظ ہی اٹھ جائے جیسا کہ ''سرکہ'' کو ''عِنَبَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ'' نہیں کہتے۔ کیونکہ سرکہ میں پانی اپنی صفات سمیت قائم نہیں رہا۔ ہمارا مقصود مذکورہ حدیث سے یہاں یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے اس میں کوئی اعتراض وطعن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے آپ سے اپنی خوراک کا سوال کیا۔ آپ نے ان کیلئے مشروط اشیاء حلال ومباح فرمائیں اور یہ باتیں دلیل صریح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے۔

اعتراض۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں موجود ہے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو قرآن کریم نہیں سنایا۔ اور نہ ہی ان کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ عکاظ نامی بازار جانے کا ارادہ فرمایا۔ ادھر آسمان سے آنے والی خبروں اور شیاطین کے درمیان رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور جو شیطان اوپر خبر سننے جاتا۔ شہاب ثاقب اس پر پھینکا جاتا۔ شیاطین یہ نئی بات دیکھ کر اپنی قوم کے پاس آئے۔ قوم نے پوچھا۔ تمہیں کیا ہوا کوئی خبر نہیں لائے؟ کہنے لگے۔ ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی ہو گئی ہے اور ہم پر شہاب ثاقب داغے جاتے ہیں۔ سب نے کہا کہ یہ کسی نئی رونما ہونے والی بات کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کی تلاش میں زمین کے مشرق ومغرب میں دوڑے۔ تو شیاطین کے اس گروہ نے جو تہامہ (مدینہ منورہ) کی طرف روانہ ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ نامی بازار جانے کیلئے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز فجر پڑھائی۔ جب شیاطین نے آپ کی تلاوت سنی تو بہت غور سے اسے سنا۔ اور کہنے لگے۔ یہی وہ نئی چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان ہمارے لئے رکاوٹ بنی۔ پھر وہ شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور آ کر کہنے لگے۔ ہم نے قرآن کریم سنا۔ بڑا عجیب کلام ہے۔ بھلائی کی راہ دکھاتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم ہمیشہ کیلئے اپنے رب کے ساتھ کسی کو

شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 1)۔ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی آئی ہے کہ قرآن کریم کو جنات کی ایک جماعت نے سنا۔ ایک روایت میں یہ زیادہ آیا ہے کہ میری طرف جنات کی باتیں بذریعہ وحی بھیجی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جنات سے نہ ملاقات ہوئی نہ ان کو دیکھا۔ اور نہ انہیں قرآن سنایا۔ لہٰذا یہ کیسے ثابت ہے کہ آپ نے ان کو احکام الٰہیہ پہنچائے؟

جواب: اس اعتراض کا جواب مختلف وجوہات سے دیا گیا ہے۔

وجہ اول — حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ واقعہ جنات کے مثبت ہیں۔ یعنی آپ اس کے ہونے کا بیان دیتے ہیں اور اعتراض میں مذکور روایت اس کی نفی کرتی ہے۔ اور اصل و قانون یہ ہے کہ "مثبت" روایت نفی کرنے والی روایت سے مقدم ہوتی ہے۔ اس کی مثال علماء کرام یہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کعبہ شریف کے اندر نماز ادا فرمانا بعض روایات میں اس کا اثبات ہے اور ایک روایت اس کی نفی کرتی ہے تو علماء نے یہاں مثبت کو نافی پر مقدم کیا۔ اور یہ بات شک وشبہ سے باہر ہے کہ ثابت کرنے والے کے پاس بہ نسبت نفی کرنے والے کے "علم خفی" ہوتا ہے۔

وجہ دوم — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نفی اس قراءۃ اور تلاوت کی ہے۔ جو جنات نے نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی۔ ان کا نفی سے یہ ارادہ نہیں کہ عام حالات میں جنات نے نہ تلاوت سنی اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا۔ بلکہ ایک خاص وقت کے بارے میں نفی ہے۔ اس کی تحقیق خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول کرتا ہے۔ آیت کریمہ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (احقاف: 29) الآیۃ کے تحت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصیبین کے سات جن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنات کے کلام الٰہی سننے کی جو نفی کی ہے۔ وہ اس وقت کی ہے جب آپ نے نماز فجر میں قرآن پڑھا۔ اور صحابہ کرام آپ کے مقتدی تھے۔ ان کا نفی کرنے سے یہ مراد نہیں کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں جنات نے قرآن نہیں سنا۔ اگرچہ ان کے کلام میں نفی علی العموم ہے لیکن وہ مذکورہ خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا (الجن: 72) کے متعلق فرمایا۔ یعنی جن قریب تھا کہ ایک دوسرے پر چڑھ جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیڑ لگ جاتی۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک قرآن کریم سننے کیلئے بے تاب تھا۔

وجہ سوم۔یوں کہا جائے گا کہ دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت کا اثبات کیا اور جنات سے ملاقات کی رات کا مسئلہ تھا۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تلاوت کا اس مخصوص رات اثبات نہیں کیا۔کہ اس رات جنات نے قرآن سنا۔اور نہ ہی یہ ثابت کیا کہ وہ جنات جنھوں نے صبح کی نماز میں تلاوت قرآن سنی وہ وہی تھے جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تھے اور انہیں تلاوت سنائی بلکہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور تھے اور وہ دوسرے تھے۔جیسا کہ قصہ کا ظاہر بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دراصل دو واقعات ہیں۔دو مختلف حالات ہیں۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول ''آپ نے انہیں تلاوت نہیں سنائی'' کا مطلب یہ کہ آپ نے ان کو سنانے کا قصد نہیں فرمایا۔اگر یہ معنی نہ کیا جائے تو پھر خود ابن عباس رضی اللہ عنہ جو فرما رہے ہیں کہ جنات نے غور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت سنی۔اس کا کیا معنی ہوگا؟

قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی معنی کیا ہے کہ جنات کا قصد یہ نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت سنیں گے۔بلکہ وہ تو اپنی قوم سے زمین پر اس لئے پھیلے تھے تا کہ وہ واقعہ تلاش کریں جس کی وجہ سے ان کے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے اسی تلاش میں ان کو تلاوت قرآن سننے کا اتفاق ہوگیا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔اس احتمال پر یہ کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے قرآن سننے کا پتہ نہ چلا اور نہ ہی آپ نے ان سے گفتگو کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ کی خبر قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ الآیۃ کے ذریعہ عطا فرمائی۔رہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ قصہ بھی دوسرا ہے اور جنات بھی دوسرے تھے۔کتاب وسنت سے جو علم قطعی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جن اور شیاطین موجود ہیں۔شرعی احکام بطور عبادت ان پر لاگو ہیں۔لیکن ان کے ادا کرنے کا طریقہ ان کیلئے ویسا ہی ہوگا جو ان کی تخلیق کے مناسب ہے اور جو ان کے حال سے مطابقت رکھتا ہے اور یہ بھی قطعی ثابت ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انس وجن کی طرف مبعوث ہیں۔لہٰذا جو آپ کے دین میں داخل ہوگیا وہ مومنین میں سے ہوگیا اور دنیا وآخرت میں اور جنت میں مومنوں کے ساتھ ہوگا اور جس نے تکذیب کی وہ شیطان ہے'' مومنوں سے دنیا اور آخرت میں دور ہوگا اور جہنم کی آگ اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور حدیث ابن عباس یہ تقاضا کرتی ہے کہ ستاروں کے ذریعہ شیاطین کو مارنا بعثت نبوی سے پہلے نہ تھا۔لیکن کچھ حضرات کا مذہب ہے کہ بعثت سے قبل بھی یہ بات تھی۔اور کچھ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ پہلے تھی لیکن بعثت نبوی کے بعد اس میں اضافہ ہوگیا اور یہ قول (آخری) دونوں قسم کی روایات میں

تعارض کوختم کر دیتا ہے۔ انتھیٰ کلامُ القرطبی۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق نماز فجر میں تلاوت کے سننے کی بجائے دوسرے واقعہ سے ہے۔ لیکن قرطبی کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوا کہ جنات سن رہے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس کے اس قول کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجا اور اس قول کا بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں ان کی قوم کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجنا اس واقعہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسلک ۳۔ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ اگر جنات آپ کے احکام کے پابند نہ بھی تھے اور آپ کے ارشادات پر عمل کرنا عبادت نہ سمجھتے تو بھی اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اپنی شریعت کے مطابق اپنے اختیارات وتصرفات کے موافق تھے۔ پھر جب انہوں نے آپ سے دریافت کر لیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کی طرف رسول بنائے جانے سے پہلے بھی وہ کھانا کھاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کھانے سے اس لئے رکے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراسم سے واقفیت ہوئی۔ اور آپ کی اباحت کو بطور عبادت بجالانا ان کے پیش نظر تھا۔

مسلک ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی "لَکُم کُلُّ عَظمٍ ذُکِرَ اسمُ اللّٰہِ عَلَیہِ" میں لفظ لکم کا لام "اباحت" کا ہے۔ لہٰذا آپ کے اس ارشاد سے یہ دلیل حاصل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے ہر ایسی ہڈی کے کھانے کو مباح وشریعت ٹھہرایا اور ان کو اجازت دی۔ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو حدیث پاک کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنات کیلئے ایسی ہڈی مباح ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور اس سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس ہڈی پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ ان پر حرام ہے۔ اور یہ بات ہم پر بطریقہ اولیٰ اس کے حرام ہونے پر دلیل بنتی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چوپایوں کیلئے مینگنی اور گوبر وغیرہ مباح قرار دیئے۔ پھر ان دونوں چیزوں سے استنجاء کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے بھائیوں کی خوراک ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ہمارے اور جنات کے درمیان "اخوت" نسبی نہیں۔ لہٰذا یہ اخوت دینی وایمانی ہوگی۔ یعنی جس طرح ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق واطاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح جنات بھی اس کے پابند ہیں۔ حدیث مذکور کا تقاضا ہے کہ استنجاء کی نہی عام خوردنی اشیاء سے متعلق ہے۔

مسلک ۵- جنات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی اس قول باری تعالیٰ سے بھی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾ الی قوله وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ (الجن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ "جنات" نے جب قرآن کریم سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔ اور قرآن پر ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا جائے۔ اور جو شریعت آپ لیکر آئے اس پر بھی ایمان لایا جائے اور آپ کے خاتم النبیین ہونے پر بھی ایمان لایا جائے۔ لہٰذا یہ باتیں اور یہ آیت اس پر نص ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

رہا سائل کا یہ کہنا کہ ان آیات میں امر مذکور کی دلیل و حجت نہیں۔ کیونکہ ان میں جنات کے عقائد کا بیان نہیں تو اس بات کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں ان آیات میں یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئے تو پھر یہ آیت کسی طرح حجت قاطعہ نہیں بن سکتی اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کی طرف رُسالت کے ثبوت پر یہ دلیل قوی نہیں ہوسکتی؟ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم پر ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن نے جن باتوں کی خبر دی ان کی تصدیق کی جائے۔ اور جو احکام دیئے ان کی اطاعت کی جائے۔ اور سائل کا یہ قول کہ ان آیات میں حجت نہیں کہ ان کے عقائد کیا تھے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ان کے عقائد "اٰمَنُوْا بِهٖ" کہہ کر دوٹوک طریقہ سے بیان کئے گئے۔ جن کا معنی صریح یہ ہے کہ وہ ایماندار ہو گئے۔ تو یہ آیات ان کے ایمان دار ہونے پر کیوں کر حجت نہیں بن سکتیں۔ لہٰذا سائل نے جو بات ذکر کی کہ ان آیات میں کوئی حجت نہیں۔ اس کا تعلق "اٰمَنُوْا بِهٖ" کے ساتھ محال ہے۔

مسلک ۶- آیت کریمہ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾ (الفرقان) سے بھی جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رسول بنایا جانا دلیل سے ثابت ہے۔ آیت مذکورہ میں لفظ "عبد" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ اور

اس پر اجماع امت ہے۔اور ''لیکون'' میں ضمیر کا مرجع جمہور علماء کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ آیت میں مذکور لفظ ''نذیر'' سے مراد قرآن کریم ہے۔ اگر یہی مراد لی جائے تو بھی حجت قائم ہے۔لیکن قول اول راجح ہے۔ کیونکہ نذیر ہونا حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ ڈرانا آپ کے قول کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے اپنے بندے پر ایسی کتاب اتاری جو فرقان ہے۔ اس لئے اتاری کہ وہ بندہ تمام جہان والوں کیلئے نذیر ہو جائے تو عالمین میں جنات بھی داخل ہیں۔ جس طرح اس میں انسان داخل ہیں اور یہ بات یقینی ہے اس تقریر پر لفظ عالمین کی تفسیر ذوی العقول سے کرنا راجح ہوگا۔ جو ''علم'' سے ماخوذ ہونے کی صورت میں ہوگی۔ محض علامت سے عالمین کو نہیں جوڑا جائے گا۔ اس لئے کہ ڈرانا ذوی العقول کے ساتھ ہی مختص ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے مذکورہ امر پر حجت بالکل ظاہر ہے۔ ایک قراءۃ شاذہ یہ بھی ہے کہ ''نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عِبَادِہٖ'' یعنی عبد کی جگہ عباد پڑھا گیا۔ اس روایت کے مطابق ڈرانے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو جائے گا۔

مسلک ۷ - مذکورہ مسئلہ پر اس آیت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۚ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (انعام:19) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل کیا تاکہ تمام جہان والوں کو ڈرائیں اور یہ بات تحقیقاً ثابت ہے کہ آپ نے جنات کو بھی اسی طرح ڈرایا جس طرح انسانوں کو ڈرایا۔ اور قرآن ان تک بھی پہنچایا۔ اور اس آیت کریمہ میں ''وَمَنْ بِهٖ بَلَغَ'' سے مراد جنہیں قرآن پہنچا وہ ہیں اور یہاں ''بلوغ'' کا معنی بالغ ہونا نہیں۔ کیونکہ ''انذرکم'' میں ضمیر جمع کے مخاطب وہی انسان ہیں جو مکلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معطوف میں ''بالغ ہونے'' کی شرط لگانا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ پہلے میں یہ شرط نہ ہو۔ حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے علماء سلف رضوان اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس کو قرآن پہنچا بیشک وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ڈرانے سے ڈرا۔

رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس آیت میں مذکورہ مسئلہ پر کوئی حجت نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں اس پر حجت ہے۔ ''بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' میں سیاہ و سرخ سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حجت اس لئے نہیں کہ ان دونوں میں مذکورہ مسئلہ پر کوئی نص صریح نہیں ہے۔ لہٰذا جب صراحت نہیں تو ایک مرجوح احتمال سے جو بالکل ہی ساقط ہو اس سے ''رسالت'' کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ سائل کی یہ بات قابل التفات نہیں کیونکہ جب آیت وحدیث میں ''عموم'' موجود

ہے۔تو ظاہراً اس تعمیم میں جنات کی طرف رسالت بھی موجود ہے پھر جب اس عموم کے ساتھ ہماری مذکورہ گفتگو کو بلایا جائے تو یہ قطعی ثبوت ہو جائیگا۔لہٰذا یہ کیسے مرجوح ہوا اور کیا کسی نے یہ قول کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کے عموم کو تسلیم کر لیتا ہے۔اس میں استعمال کردہ صیغہ کو عام مان لیتا ہے تو اس تسلیم کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ عام اپنے بعض افراد کو شامل ہے اور اس شمول کو ''مرجوح'' کہے۔اس ''مرجوح'' کا قائل کون ہے؟ یا کوئی یہ کہتا ہو کہ اگر نص صریح نہ ہو تو وہ الفاظ حجت نہیں بن سکتے؟ اگر کوئی اس قسم کا قول کرتا ہے تو اس شخص نے تمام عموم کے صیغہ جات سے حجت ہونیکی طاقت سلب کر لی اور خود اس کے بعض افراد کو مرجوح قرار دیا اور عموم کا ان کو شامل ہونا مرجوح مانا۔یہ اس کی اپنی رائے ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل اس قائل کے پاس نہیں۔ایسی بات کوئی عالم ہرگز نہیں کہہ سکتا۔

**فصل:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ''بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے۔علماء اور اصحاب لغت نے احمر اور اسود کی مراد میں اختلاف کیا ہے۔بعض نے کہا کہ اس سے مراد عجم اور عرب ہیں۔کیونکہ عجمیوں پر غالب رنگ یا عجمیوں کی اکثریت کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے اور سپیدی تھوڑی ہوتی ہے اور عرب لوگوں کے رنگ پر مٹی کا رنگ اور سیاہی کا غلبہ ہوتا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جن اور انسان ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''احمر'' بول کر مراد مطلقاً سفید رنگ ہے کیونکہ عرب کے لوگ محاورہ میں کہتے رہتے ہیں۔''اِمْرَأَةٌ حَمْرَاءُ'' یعنی سفید رنگت والی عورت۔''ثعلب'' سے پوچھا گیا کہ حدیث مذکور میں ابیض کی بجائے احمر کیوں مخصوص کیا گیا؟ کہا۔اس لئے کہ عرب لوگ سفید رنگت والے انسان کو ''رَجُلٌ اَبْيَضُ'' نہیں کہتے۔ان کے ہاں ''ابیض'' کا معنی طاہر ہوتا ہے۔یعنی ایسا شخص جو عیوب سے پاک ہو۔جب وہ سفید رنگ والے کی رنگت بیان کرتے ہیں تو اس وقت ''احمر'' بولتے ہیں۔ابن الاثیر کہتے ہیں کہ ثعلب کے اس قول پر اعتراض ہو سکتا ہے۔وہ یوں کہ عرب لوگ انسانی و غیر انسانی سفید رنگ کو ''ابیض'' سے بیان کرتے ہیں۔اسی استعمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ مجھے سرخ و سفید خزانے دیئے گئے۔یہ دونوں اقسام وہ تھیں جو اللہ تعالیٰ نے مختلف بادشاہوں کے خزانوں کو ان کے علاقہ جات فتح ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو عطا کیے گئے۔اس میں احمر سے مراد سونا اور ابیض سے چاندی ہے۔رومیوں کے خزانے میں زیادہ چاندی تھی۔کیونکہ ان کی نقدی میں غلبہ چاندی کا تھا۔میں کہتا ہوں۔کہ احمر و ابیض کی تفسیر جن و انسان سے کرنا راجح ہے۔اس لئے کہ ایک حدیث حضرت ابو ہریرۃ

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے آپ مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔ یعنی "بُعِثْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً" جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ یہ حدیث اس احتمال کو ترجیح دیتی ہے۔ کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جنات ہیں۔ (تبھی تمام مخلوق کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثابت ہوگی۔ اور اگر جنات نکال دیئے جائیں۔ "خَلْقِ كَآفَّةً" میں تاویل کرنا پڑے گی)۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ لفظ "اسود" کا اطلاق جنات پر یوں صحیح ہے کہ ان کی ارواح کیساتھ مشابہت ہے۔ اور ارواح کو "اسودۃ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ معراج شریف کے بارے میں حدیث صحیح میں آتا ہے۔ "اَنَّهٗ رَاٰى آدَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ سَمَاءِ الدُّنْيَا وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَ عَنْ يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ" حضور ﷺ نے حضرت آدم کو آسمان دنیا (پہلے آسمان) پر دیکھا۔ ان کے دائیں اور بائیں "اسود" یعنی ان کی اولاد مومنہ کی روحیں تھیں۔

مسلک ۸: امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَ طُهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے انبیاء کرام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی۔ مجھے "جَوَامِعُ الْكَلِمُ" عطا کیا گیا۔ رعب سے میری نصرت فرمائی گئی۔ غنیمتیں میرے لئے حلال کردی گئیں۔ تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کردی گئی۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ "جوامع الکلم" کے متعلق ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہ امور کثیر جمع کر دیئے۔ جو آپ سے پہلے مختلف کتب سماویہ میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کا تعلق کسی ایک امر کے ساتھ یا دو کے ساتھ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا "اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً" کا معنی یہ ہے کہ آپ تمام مخلوقات کی طرف رسول بن کر تشریف لائے۔ یہ حدیث پاک اس بات پر حجۃ ظاہرہ ہے کہ آپ کی شریعت و رسالت جنات اور انسانوں سب کو شامل تھی۔

مسلک ۹: امام ترمذی اور دیگر حفاظ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ انہیں سورۃ رحمٰن اول سے آخر سنائی۔ تمام صحابہ خاموش ہو کر سنتے رہے۔ جب مکمل تلاوت فرما چکے۔ تو فرمایا میں نے یہی سورت جنات کو سنائی جس رات میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے اسے سن کر تم سے اچھا جواب دیا۔

میں جب بھی "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" (الرحمٰن)۔ پڑھتا تو وہ کہتے اے اللہ! ہم تیری کسی نعمت کونہیں جھٹلاتے۔ تیرے لئے ہی حمد وشکر ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنات" تم سے جواب دینے اور خدا کی تعریف کرنے میں اچھے تھے۔ یہ حدیث پاک اس کی شاہد ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث درست ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنات کے پاس جانا اور انہیں قرآن کریم سنانا روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مذکورہ مسئلہ پر حجت اس طرح بنے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو سورۃ الرحمٰن سنائی۔ اس سورت میں بعض باتیں جنات کے متعلق بھی ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" کی تلاوت فرماتے تو جنات ہر دفعہ یہ کہتے۔ اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کونہیں جھٹلاتے۔ "آلآء" نعمت کو کہتے ہیں۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

اَبْیَضُ لَایَرْھَبُ الْھَزَالَ وَلَا  یَقْطَعُ رِحْمًا وَلَمْ یَخُنْ آلَاءً

"ابیض" نہ تو کسی کمزور کو ڈراتا ہے اور نہ قرابت ورشتہ توڑتا ہے۔ اور نہ ہی نعمتوں کی خیانت کرتا ہے۔ یہ شعر "الازہری" نے پڑھا اور ذکر کیا کہ "اَلا" واحد ہے اور "آلاء" اس کی جمع ہے جس کا معنی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت جو اس نے اپنے بندوں پر کی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول بنا کر بندوں کی طرف بھیجنا ہے۔ آپ ایمان کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کے بارے میں خبر دی کہ وہ کسی نعمت کی تکذیب نہ کرنے کا بار بار اقرار کرتے تھے۔ تو اس بات نے اس پر دلالت کی کہ ان کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کی رسالت کے تسلیم کرنے کے مکلف تھے۔ اور سورۃ الرحمٰن میں جنات کے متعلق کافی امور ذکر ہوئے ہیں۔ مثلاً "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" (الرحمٰن)" اور دوسری آیت "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ" (الرحمٰن) – "لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ" (الرحمٰن)" یہ دو جگہ الفاظ آئے ہیں۔

مسئلہ ۱۰: لفظ "الناس" میں ازروئے لغت جنات بھی داخل ہیں۔ وہ اس طرح کہ لفظ "اَلنَّاس" نَاسَ یَنُوْسُ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی حرکت کرنا آتا ہے۔ یہ اصل میں اجوف واوی ہے۔ واؤ کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اس کی تصغیر "نُوَیْس" آتی ہے۔ امام راغب کہتے ہیں۔ "الناس" ذی روح صاحب فکر ورائے مخلوق کی جماعت کو کہتے ہیں اور جنات بھی صاحب فکر ورائے مخلوق ہے

اور یہ بھی اپنے مقاصد ومراد کے حصول کیلئے ادھر ادھر حرکت کرتے ہیں۔ اسی لئے "الناس" کے عموم میں یہ بھی داخل ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ "(الناس) اور اس آیت میں بھی الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۔ یہاں جنات "الناس" میں اس بناء پر داخل ہیں کہ جنات بھی وسوسے ڈالنے والے ہیں۔ علماء نے فرمایا۔ جس طرح جنات کو "رجال" کا نام دیا گیا اسی طرح "الناس" کا نام بھی ان پر بولا جاتا ہے۔ "رجال" کے لفظ کی شاہد یہ آیت ہے۔ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (الجن:6) جب یہ بات واضح ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (اعراف:158) اور قول باری تعالیٰ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28) اور قول رب کریم یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (بقرہ:21) اور ان جیسی دیگر آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً" میں انسانوں کے ساتھ جنات بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان کی طرف بھی ہے اور یہ بھی آپ کی شریعت میں داخل ہیں۔

مسلک ۱۱: اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات تمام کو قرآن کریم کے ذریعہ ہدایت دی ہے۔ خاص کر جب قرآن کریم کی معجزانہ شان کا تذکرہ کیا گیا۔ اور ساری مخلوق اس جیسا کلام لانے سے عاجز آ گئی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا
یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور اس کے بعد خود ہی خبر دی۔ کہ یہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے۔ فرمایا۔ (بقرہ) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ:24)۔ تو معلوم ہوا کہ یہ امور جنات کو بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی "الناس" میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شروع آیت میں فرمایا۔ "یَا اَیُّهَا النَّاسُ" پھر قرآن کریم کی مثل لانے کی بات میں جنات کو انسانوں کے ساتھ ذکر کیا۔ اس انداز سے ان کا ذکر کیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان کیلئے بھی ہے۔ اور جنات بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اوامر ونواہی کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے انسانوں کا پھر جنات کا ذکر کیا۔ یہ اس لئے کہ انسانوں کی جنات پر افضلیت بیان کردی جائے۔ لیکن اس کے برعکس وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات) میں جنات کا ذکر پہلے کیا گیا۔ یہاں اس لئے ایسا

کیا گیا کیونکہ جنات کی تخلیق انسانوں سے قبل ہوئی۔ لہٰذا یہاں ابتداء ان کے وجود میں پہلے آنے کی وجہ سے ہے اور وہاں (قرآن کریم کی مثل لانے میں) انہیں اس لئے مؤخر ذکر کیا گیا۔ تاکہ فضیلت اور فصاحت میں امتیاز بیان ہو جائے۔ یعنی جو پہلے ذکر ہوگا۔ وہ تمیز و عقل اور فصاحت میں مؤخر الذکر سے مقدم ہے۔

**مسلک ۱۲:** قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے جنات کے وجود کا قطعی طور پر علم ہوتا ہے۔ ان کے وجود کا انکار صرف جاہل لوگ ہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ، دہریہ اور بعض قدریہ کا مسلک ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان پر احکام شرعیہ کی تکلیف ہے۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے باہر ہوں۔ اس لئے کہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے اور ان کے احکام کو اٹھا دینے والی اور تا قیامت باقی رہنے والی شریعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عَاقِبٌ" ہیں۔ جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور آپ ہی حاشر ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں وارد ہے۔ فرماتے ہیں۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِیُ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْکُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد اور احمد ہوں۔ اور میں ہی ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو محو کرے گا۔ اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدم پر اٹھائے جائیں گے۔ اور میں عاقب ہوں۔ ایک صحیح روایت میں ہے۔ "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ" عاقب ایسا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور ایک روایت صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رؤف و رحیم کے نام دیئے ہیں۔ اسی طرح ابو عبید کہتے ہیں کہ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے یزید بن ہارون نے "عاقب" کا معنی پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا۔ تمام انبیاء کے آخر میں آنے والا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت "خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ" ذکر فرمائی ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس سے پہلے کوئی چیز ہو اس بعد والی کو عاقب کہتے ہیں۔ کیونکہ بعد میں آتی ہے۔ ابن فارس نے بھی کہا کہ ہر وہ چیز جو کسی چیز کے بعد آئے "عاقب" کہلاتی ہے۔ "تَعَاقَبَ الرَّجُلَانِ النَّاقَةَ" اس وقت بولتے ہیں۔ جب ایک کے بعد دوسرا اونٹنی پر سوار ہو۔ شاعر نے کہا۔

اَنْخِهَا فَاَرْدِفْهُ فَاِنْ حَمَلَتْکُمَا وَاِلَّا فَاِنْ کَانَ الْعِقَابُ فَعَاقِبُ

اونٹنی کو بٹھانے کے بعد جب دوسرا آدمی پہلے آدمی کے پیچھے بیٹھنے لگا تو اس نے کہا اگر اونٹنی نے

دونوں کو بیٹھنے دیا تو بہتر ورنہ ایک کے بعد دوسرا سوار ہوتا رہے گا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے دمشق کے مشرقی سفید منارے پر اترنے کی خبر دی ہے، جب وہ آئیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے۔ جس کا قتل ''باب لا'' پر واقع ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت منسوخ نہ ہو گی۔ بلکہ وہ باقی قیامت تک رہنے والی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو وہ بھی آپ کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی اتباع کرنے والے اور اس کے مطابق حکومت کرنے والے ہیں تو یہ کیونکر ممکن کہ ان کا ماننے والا اتباع کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی اتباع نہ کرے۔ بلکہ وہ تو بطریقہ اولیٰ اس کی اتباع کرے گا۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کا تابع ہے۔ یونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی۔ کہ اگر وہ لوگ اس وقت اپنے جسم اقدس کے ساتھ ظاہراً زندہ ہوتے پھر وہ میری اتباع نہ کرتے بلکہ حضرت موسیٰ کی اتباع کرتے تو یقیناً وہ لوگ گمراہ ہوتے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا تو فرمایا۔ اے ابن خطاب! کیا تم لوگ اپنے دین میں شک کرنے والے ہو؟ میں تمہارے پاس ستھری اور روشن شریعت لیکر آیا ہوں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو یقیناً تم گمراہ ہو جاتے۔ امام احمد وغیرہ نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔ تو ان کی اتباع کرنے والوں کے کیونکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع نہ ہوں گے۔ سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جنات (جن سے حضور نے گفتگو فرمائی) جزیرہ کے رہنے والی یہودی مذہب کے پابند تھے۔ اسی لئے انہوں نے آپس میں جا کر کہا۔ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک کتاب سنی۔ لہٰذا اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے تو ان کی اتباع کرنے والے انسان کیسے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے اور جنات کیونکر اتباع سے انکار کرتے۔

**مسلک ۱۳:** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت صحیحہ ہے جس میں آپ آیت أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ (بنی اسرائیل: 57) کے تحت فرماتے ہیں کہ انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت سے پناہ مانگا کرتی تھی۔ پھر جنات کی مذکورہ جماعت

اسلام لے آئی۔ دوسرے جنات ان کی اتباع میں عبادت گزار ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جنات کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بھی شرعی خطاب کے تحت داخل ہیں اور ان میں سے جو اسلام لے آتا ہے اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگانا صحیح ہے اس کی تائید اگلے مضمون سے بھی ہوتی ہے یعنی (مسلک چہاردہم سے)۔

مسلک ۱۴: امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کو ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ سپرد کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر اعانت بخشی پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ مجھے صرف بھلائی کا کام ہی کہتا ہے۔

مسلک ۱۵: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اور اپنے احکام کی بجا آوری اور اپنی نواہی سے بچے رہنے کیلئے تخلیق کیا۔ اس میں انسان اور جن دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات) اور جیسا کہ حدیث مشہور میں وارد ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ وہ یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ''لِيَعْبُدُوْنِ'' میں حرف لام آیت وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ (ہود) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ (ہود) میں موجود لام کے معارض نہیں۔ وہ اس طرح کہ یہ لام (لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختلاف کیلئے پیدا کیا۔ یا رحمت یا دونوں کیلئے اور ''لِيَعْبُدُوْنِ'' کا لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اور مومنوں کے علاوہ دیگر انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں واقع ہے۔ بخلاف مومنین کے کہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ رحمت حاصل ہے۔ اسلئے کہ ''لِاَجْلِهٖ'' کا مفعول کبھی تو ''مطلوب'' ہوتا ہے۔ یعنی وہ آخری مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی ''واقع'' ہوتا ہے۔ لہٰذا ''لیعبدون'' میں حرف لام ''لام غایت'' ہے۔ جو مطلوب ہے۔ اس لئے کہ عبادت بعض سے واقع ہوتی ہے اور کفار اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے اور ''لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ'' میں لام ''لام غایت'' ہے لیکن مطلوب نہیں بلکہ واقع ہے کیونکہ اختلاف واقعۃً موجود ہے۔ لہٰذا وہ سب سے مطلوب ہے لیکن واقعہ بعض سے ہے (یعنی عبادت)۔

جب یہ بات واضح ہو گئی۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے جیسا کہ

اس نے خود قرآن کریم میں خبر دی ہے۔ اور انہیں اوامر و نواہی کا پابند بنایا۔ ان پر بہت سی باتیں فرض کی گئیں۔ پھر بعض باتیں ان پر سے منسوخ کر دی گئیں۔ حتیٰ کہ شریعت محمدیہ کے ذریعہ احکام کو دوام اور استقرار بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت امت محمدیہ پر مکمل فرمائی۔ خود فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ:3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت کو اکمل شریعت اور آپ کی امت کو خیر امت بنایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ: 143) اور وسط یعنی درمیان ہوتا ہے جو بہتر ہوتا ہے اور اسی لئے بہتر نماز کو ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اسی پر شاہد ہے۔ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ (القلم)۔

ایک شاعر نے بھی کہا ہے۔

هُمْ وَسَطٌ يَرْضَى الْاَنَامُ بِحُكْمِهِمْ　　اِذَا نَزَلَتْ اِحْدَى اللَّيَالِيْ بِمُعْظَمِ

وہ بہتر اور اچھے ہیں۔ لوگ ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ جب کوئی ایک رات ''معظم'' میں اترتی ہے۔

امام راغب نے کہا۔ ''وسط'' اصل میں ایسے مکان اور جگہ کا نام ہے کہ اگر وہ گول ہو تو اس کی چاروں سمت سے لمبائی چوڑائی برابر ہو۔ اور اگر لمبا ہو تو ایک طرف سے برابر ہو جیسا کہ ''نقطہ'' دائرہ میں ہوتا ہے اور ترازو کے دونوں پلڑے اس کے عمود (پکڑنے کی جگہ) کیلئے ہوتے ہیں۔ ''وسط'' کو عدل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یونہی برابر اور نصف کو بھی۔ اور اس کے ساتھ ہر اس بات کو تشبیہ دی جاتی ہے جو کمی بیشی کے درمیان ہو۔ جیسا کہ کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان سخاوت اور ڈرپوک ہونے اور خواہ مخواہ الجھنے کے درمیان شجاعت ہے۔ پھر ''وسط'' سے مراد ہر چیز کا مختار لیا گیا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے۔ فلاں نسبت کے اعتبار سے ''وسط'' ہے اور جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے وسط بنایا یعنی اسے سب سے اچھا کیا۔ اس کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) پھر امام راغب کہتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو کس اعتبار سے وسط بنایا۔ خلق میں یا خُلق میں انہیں مخصوص کیا ہے یا ان میں مرکوز علم کے اعتبار سے یا ان کو دی گئی شریعت کے اعتبار سے؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ تمام باتوں کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ لیکن بظاہر تخصیص کی وجہ ''شریعت'' ہے۔ ایسی شریعت جب

بقیہ تمام شریعتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے۔تو یہ عدل پر مبنی نظر آتی ہے۔اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے جب نافرمانی کی جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ حکایت کی۔تو ان پر بعض سختیاں نافذ کر دی گئیں۔جو ان کیلئے گلے میں طوق اور پاؤں کی زنجیریں بن گئیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ (انعام:146)۔گائے اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر ان کی چربی حرام کر دی مگر وہ جو ان کے پشت میں یا انتڑیوں میں یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں دعا کرنے کی ترغیب دی۔اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔پھر ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان اقدس سے کچھ مسائل میں تخفیف کی گئی۔جس کی قرآن کریم نے یوں حکایت کی ہے۔" تا کہ میں تمہارے لئے بعض وہ اشیاء حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں" پھر اس تخفیف کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے کی گئی۔ارشاد ہے" وہ لوگ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی امی ہے جن کی وہ اپنے ہاں موجود کتاب تورات وانجیل میں منقبت و تعریف پاتے ہیں وہ رسول انہیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور پاکیزہ وستھری اشیاء ان پر حلال کرتا ہے اور خبیث اشیاء حرام کرتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اللہ نہیں چاہتا کہ دین میں تمہارے لئے تنگی رکھے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میں درگزر کرنے والا اور سید ھا دین دیکر بھیجا گیا ہوں" ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت افراط و تفریط کے وسط میں ہے۔افراط یہ کہ گلے کے طوق اور پاؤں کی زنجیریں اس سے اٹھالی گئیں اور تفریط یہ کہ اسے بالکل بیکار اور ضائع چھوڑ دیا جاتا۔یہ بھی نہیں کہا گیا اسی وسط کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کر رہا ہے۔" تم لوگوں میں سے بنائی گئی بہترین امت ہو" چونکہ یہ امت " امت وسط" ہے۔اس لئے اس کے مقتضی کو جمیع عقلاء کا اتفاق " عدل" کہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان " برابر" ہے۔" انتہیٰ کلام راغب۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی شریعت میں وہ تمام خوبیاں جمع فرمادیں۔جو پہلی امتوں میں متفرق اور بٹی ہوئی تھیں۔اور آپ کی امت سے طوق وزنجیریں اٹھالی گئیں جو پہلی امتوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ہم سے پہلی کسی امت پر پابندی کا یہ طوق پڑا ہوا تھا۔کہ جب اس کا کوئی فرد گناہ کرتا تو اس کی مغفرت صرف اسی طریقہ سے ملتی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیتا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا۔اے میری قوم! بیشک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے۔کیونکہ تم نے

بچھڑے کو معبود بنالیا۔لہٰذا تم اپنے رب کے حضور توبہ کرو۔اور اپنے آپ کو قتل کرو' اللہ تعالیٰ نے یہ سخت حکم اس امت سے اٹھالیا اور اس کی جگہ "توبہ" جائز فرمادی۔اور آدمی کو اپنے آپ کو قتل کرنے سے منع کردیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ اگر وہی پہلی قسم کی توبہ تم پر فرض رہتی تو تم میں بہت تھوڑے ایسی توبہ کرتے۔فرمایا۔"اور اگر ہم ان پر اپنی جانوں کو قتل کرنا یا اپنے گھروں سے نکل جانا فرض کردیتے تو ان میں سے یہ کام بہت تھوڑے بجالاتے" واقعی اس پر عملدر آمد کرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہوتی۔ اور نافرمانی کرنے والے عقوبت کے مستحق ہوتے۔پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ان پر یہ باتیں فرض نہ کی گئیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل کی سزا قاتل کو قتل کردینا ہی تھی۔اس کے سوا "دیت یا معافی" کا حکم نہ تھا۔اور حضرت عیسیٰ کی شریعت میں قتل کی سزا صرف "دیت" تھی۔قتل نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کو امت محمدیہ کی شریعت میں جمع فرمادیا۔اب اگر مقتول کا ولی قصاص لینا چاہے تو بھی اختیار ہے۔اگر دیت لے یا معاف کردے تب بھی اسے اختیار ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے۔اس طرح نجاسات کو دور کرنے میں بعض امتیں اتنے کپڑے کو کاٹ دینے کی پابند تھیں۔اور بعض کو مکمل چھٹی تھی۔وہ نجس کپڑا پہنتے رہتے جب شریعت محمدیہ آئی تو اس کو صرف دھونے کا حکم دیا۔اتنا کپڑا کاٹنے کا حکم معاف ہوگیا اور نجس کپڑے کو پہنے رکھنے پر بھی پابندی لگادی گئی۔اسی طرح یہودیوں پر بعض اشیاء کی سختی کی گئی۔اور نصاریٰ کو انہیں رخصت دی گئی اور اس شریعت نے اس بارے میں بھی وسط اور عدل کا حکم دیا۔

جب تحقیق مذکورہ تم نے ملاحظہ کرلی۔تو یہ معلوم ہوگا کہ جنات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے "عبادت" کیلئے پیدا کیا۔تاکہ ان میں مطیع کو ثواب دیا جائے اور نافرمان کو عتاب میں گرفتار کیا جائے۔لہٰذا یہ بالکل واضح ہے کہ ان پر بھی شریعت محمدیہ کے مطابق عبادات بجالانا اور اس شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت میں ہر قسم کی خوبی اور بھلائی جمع کردی اور ہر قسم کی برائی دور کردی اور اسے فضائل کا مرکب بنایا۔

امام راغب نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔یہ بات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور برہان سے حاصل ہوئی ہے۔برہان یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین عقلی اعتبار سے "وسط" ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔"ہم نے تمہیں "امت وسط" بنایا ہے۔"اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا دین افراط وتفریط سے محفوظ ہے۔اور

"وسط" ایسا جس کی صفت یہ ہو وہی حق ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ، حق کے بعد صرف گمراہی ہی ہے (یونس:32)۔ مزید لکھا کہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کا مقام اور ہے۔

**فصل:** یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام:130) اے جنات و انسانوں کی جماعت! کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے۔ اس آیت کریمہ کی شرح میں شیخ موصوف نے فرمایا۔ حضرات علماء کرام نے فرمایا "معشر" ایسی جماعت کو کہتے ہیں۔ جن کا مقصد ایک ہی ہو۔ اس کی جمع "معاشر" آتی ہے۔ پھر اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا جنات میں سے بھی رسول ہوئے یا نہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رسول نہیں ہوا۔ رسول ہمیشہ انسانوں میں سے آئے۔ جمہور نے آیت مذکورہ کے لفظ "رُسُلٌ مِّنْكُمْ" کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا معنیٰ "رُسُلٌ مِنْ اَحَدِكُمْ" ہے۔ یعنی تم میں سے کسی ایک سے رسول آئے۔ اور وہ ایک "انسان" ہے۔ لہٰذا اس آیت کے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہیں۔ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن) ان دونوں میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ موتی اور مرجان دونوں اقسام کے پانیوں (نمکین اور میٹھا) سے نہیں بنتے۔ بلکہ صرف نمکین پانی سے نکلتے ہیں۔ یہ ترکیب اس طرح درست ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں پانیوں کا ذکر اس آیت میں آچکا تھا۔ "مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" (تو جس طرح ذکر دونوں کا لیکن موتی صرف ایک سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ آیت میں ذکر دونوں (جنات اور انسان) کا ہے۔ لیکن رسول کا آنا صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے) یہ قانون ہر اس جگہ جائز ہے جہاں دو اشیاء کسی اصل میں متفق ہوں۔ اسی لئے جب جنات کا ذکر انسان کے ساتھ ہوا۔ تو اب ان دونوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف مخصوص بات کا خطاب کرنے کیلئے دونوں کو مخاطب بنانا جائز ہوا۔ یہ فراء اور زجاج کا قول ہے اور علماء کی جماعت کا بھی یہی مذہب ہے "الواحدی" نے یہ کہا ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام بھی دلالت کرتا ہے۔ آپ نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ یہ فرمایا ہے کہ "اَلْاَنْبِیَآءُ مِنْ جِنْسِكُمْ"۔ انبیاء کرام کی جنس سے جنات نہیں ہیں۔ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے بھی رسول بنائے ہیں۔ جیسا کہ انسانوں میں سے بنائے۔ ضحاک کا قول ہے۔ جنات میں بھی انسانوں کی طرح رسول ہیں۔ اس مذہب والے حضرات اپنی تائید میں یہی مذکورہ آیت (اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ) بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام:130) یہ آیت کریمہ اس امر کا تقاضا

کرتی ہے کہ مذکورہ مجموعہ (جنات اور انسان) میں سے بعض اشخاص منصب رسالت پائیں گے۔ لہٰذا اگر صرف انسانوں میں سے ہی رسول آئے اور جنات میں سے نہ ہوں۔ تو بھی آیت کا مفہوم درست ہے۔ (کیونکہ دونوں کے مجموعہ میں سے بعض کو رسول بنا دیا گیا ہے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام رسولان عظام انسانوں میں سے ہی ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جنات کے ایک گروہ کے دل میں یہ بات ڈال دی حتیٰ کہ انہوں نے انسانوں میں سے آئے ہوئے رسول کا کلام سنا۔ پھر وہ اپنی جنات کی قوم کی طرف آئے۔ اور انہیں جو کچھ سنا اس کی خبر دی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پہنچایا...... وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر پلٹ گئے۔

مسلک ۱۶: سوال میں ذکر کئے گئے الفاظ کے بارے میں کچھ معروضات۔

سائل نے ''کَافَّةُ الْجِنِّ'' لکھا۔ اس جگہ یوں کہنا درست تھا۔ اَلْجِنُّ کَافَّةً۔ کیونکہ لفظ ''کَافَّةً'' بعد میں آتا ہے اور الف لام کے بغیر ہوتے ہوئے منصوب ہوتا ہے۔ یہ بات کئی ایک حضرات نے ذکر کی ہے۔ جیسا کہ کرمانی وغیرہ۔

سائل کا کہنا مَا دَلِیْلُهٗ عَلٰی ذَالِکَ۔ اس کی اس پر کیا دلیل ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ پر ایک نہیں کئی دلائل ذکر کئے ہیں اور امام قرطبی کا قول بھی ذکر کیا کہ کتاب وسنت سے جو قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جنات مکلف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں۔

سائل کا یہ قول ''لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّسْنِدَ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ مَالَا دَلِیْلَ عَلَیْهِ'' انبیاء کرام کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا درست نہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ کسی عالم نے آپ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی فاضل نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اگر اس مسئلہ میں غور کیا جائے تو اس کی دلیل سورج کی طرح روشن ہے۔

وَکَیْفَ یَصِحُّ فِی الْاَذْهَانِ شَیْءٌ　　اِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ اِلٰی دَلِیْلٍ

جب دن ہی دلیل کا محتاج ہو۔ تو پھر ذہنوں میں کوئی چیز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

سائل کا کہنا کہ قول باری تعالیٰ: اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ (احقاف: 31) میں مذکورہ مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ یہ آیت کریمہ اس بارے میں نص صریح ہے کہ جنات کو دعوت دینا ثابت اور ان کی طرف پیغمبروں کا بھیجا جانا ایک حقیقت ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ایمان لانے والا آپ کی شریعت میں داخل ہوئے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔

سائل کا کہنا کہ سورۃ جن میں بھی مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔اور اگر سائل یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ سورۃ جن میں ان کے عقائد کا ذکر ہے۔مسئلہ مذکورہ کی کوئی دلیل نہیں تو ہم کہتے ہیں۔سورۃ جن کی یہ آیت بھی پڑھو۔"اِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ" بیشک ہم نے جب ہدیٰ (قرآن) سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔(الجن:13)۔اس سے بڑھ کر اور کیا صریح دلیل ہوگی۔

سائل نے کہا کہ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (انعام:19)۔میں بھی کوئی دلیل نہیں۔ہم کہتے ہیں۔اس کے بارے میں بھی گفتگو ہو چکی ہے ہم بیان کر آئے ہیں کہ جو کچھ سائل کہہ رہا ہے ایسی بات کوئی شخص بھی کرنے کیلئے تیار نہیں۔جو عموم کے صیغہ جات کی معرفت رکھتا ہو۔کیونکہ جب صیغہ موجود ہو تو تمام افراد کو بشمول بالکل ظاہر ہوتا ہے اور مرجوح ہونا ممنوع ہوتا ہے۔

سائل کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق کہنا کہ اس میں بھی کوئی حجت نہیں، ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں نبیذ تمر (کھجوروں کی شراب) کا ذکر ہے۔اس بارے میں حضرات ائمہ کرام کی گفتگو ہم ذکر کر چکے ہیں۔رہی حدیث جناب علقمہ کی جو انہوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے تو یہ اس بات پر نص صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے۔انہیں قرآن کریم سنایا اس سے بڑھ کر اور کون سی حجت چاہئے! گویا سائل نے مکمل حدیث میں غور ہی نہیں کیا۔سائل نے بخاری و مسلم کی روایت کہ ابن عباس کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جن دیکھے نہ قرآن سنایا۔اس کے جواب میں ہم تفصیل سے بات چیت کر چکے ہیں۔اس کے جوابات کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ نفی اس واقعہ کو شامل نہیں۔جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملاقات کرنا اور ان کو قرآن سنانا مذکور ہے۔اس سے مراد ایک خاص حالت اور ایک خاص وقت ہے۔

سائل کا یہ کہنا کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے تو پھر اس پر ایمان لانا واجب ہوگا۔میں کہتا ہوں کہ ہم کتاب وسنت سے اس پر دلائل ذکر کر آئے ہیں اور اعتبار عقلی اور علماء کا اتفاق بھی مذکور ہو چکا ہے۔اس لئے کہ ہم مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی امام کو نہیں جانتے جس نے اس بات کی نفی کی ہو۔حضرات صحابہ کرام اور ائمہ حضرات کے اقوال اس بارے میں مشہور و معلوم ہیں۔جیسا کہ ان میں سے بعض کا ہم تذکرہ کر آئے ہیں۔

سائل کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا

رہا اور میں عام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ کیا اس میں تخصیص ان شریعتوں کے اعتبار سے ہے جو انبیائے سابقین اپنی اپنی امت کی طرف لاتے رہے، جبکہ ان سب کا اصول دین پر اتفاق تھا۔ یا شریعت اور اصول دین دونوں میں! آخر الاعتراض۔

اس بارے میں کہا جائے گا۔ کہ شیخ امام علامہ تقی الدین شارح الاحکام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''اُعْطِيْتُ خَمْسًا'' کے تحت لکھا ہے۔ اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان پانچ اشیاء میں سے ہر ایک چیز انبیائے سابقین میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔ اور لکھا کہ اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر تشریف لائے تو آپ تمام زمین والوں کیلئے نبی تھے۔ کیونکہ آپ کے اس وقت میں صرف وہی لوگ بچے تھے جو مومن تھے۔ آپ ان کی طرف رسول بن کر تشریف لائے تھے۔ مزید لکھا کہ یہ ''عموم رسالت'' اصل بعثت میں نہ تھا۔ صرف واقعاتی طور پر ہوگیا۔ وہ یوں کہ انسان صرف بچے ہی وہ تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ پہلے بھی آپ ان کیلئے نبی بن کر آئے اور اب بھی انہی کے نبی تھے۔ برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی ''عموم رسالت'' اتفاقی نہیں بلکہ اصل بعثت میں تھی اور یہ بھی کہ آپ کی رسالت عامہ اصول وفروع دونوں کی قبولیت کیلئے عام ہے۔ رہا صرف توحید باری تعالیٰ یا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت تو جائز ہے کہ یہ دونوں باتیں بعض انبیاء کیلئے عام ہوں اگرچہ ان کی شریعت کی فروعات کا التزام عام نہیں تھا۔ کیونکہ بہت سے انبیائے سابقین نے دوسری قوم سے جہاد اس بات پر کیا کہ وہ قوم شرک میں مبتلا تھی۔ اور غیر اللہ کی عبادت پر جہاد ہوا۔ اگر ان کی شریعت میں ''توحید'' لازم نہ ہوتی یا کسی دوسرے کیلئے لازم ہوتی تو نہ وہ خود جہاد کرتے نہ اس کے خلاف دوسرے لڑتے۔ پھر ان حضرات کا جہاد صرف معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہی درست ہوسکتا تھا۔ جن کا یہ نظریہ ہے کہ ہر چیز میں حسن وقبح عقلی ہے۔ یہاں جواب اختتام پذیر ہوتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ عِتْرَتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا دَائِمًا اَبَدًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ کلام الامام ابی العباس ابن قدامہ۔

(جو نسخہ ابن قدامہ سے منقول تھا اس پر درج تحریر رجب ۱۹۴ھ تھی)

# الشیخ الجلیل نورالدین علی بن زین الدین ابی المواہب
# سلیم الشہیر بابن الجزار
## شاگرد رشید
## الشہاب الرملی رحمۃ اللہ علیہ

جناب ابن جزار رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ''اَلْقَوْلُ الْحَقُّ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْخَلْقِ'' کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھُوَ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل

تمام راستوں میں سے ازروئے اتباع سب سے زیادہ حقدار راستہ اور بدعات کی تردید میں لکھے گئے کلمات میں سے سب سے بدیع کلمہ یہ ہے کہ ہر ذہن جسے پختگی کی منزل مل گئی، جسے ایقان کا جزم حاصل ہو گیا، جو دلائل و برہان کا سہارا لئے کھڑا ہے۔ وہ ذہن حق کی ادائیگی اور اس کی نصرت کیلئے غور و فکر کرے۔ اور ابلیس کے حکم پر چلنے والوں اور بدعتیوں کی رسوائی پر کمربستہ رہے۔ اور تمام مذاہب و مشارب کے ماننے والوں پر ہر دور میں یہ حق لازم و واجب رہا۔ خصوصاً اسلامی فرقوں پر اور ان میں سے بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے امت اجابت پر یہ حق واجب ہے۔ یہ حق دراصل اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عملدرآمد کرنا ہے۔ جو اس نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی عمل کرنا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران: 81)۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے چکوں۔ پھر تمہارے پاس عظیم رسول تشریف لے آئیں جو تمہارے پاس موجود احکام الٰہی کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ تو تم ضرور بالضرور، ان پر ایمان لانا اور ان کی لازماً مدد کرنا۔ لہٰذا اس پیغمبر اکرم کی نصرت جو ہر اعلیٰ خلق کے جامع اور مرکز ہیں، تمام ادیان میں واجب ہے۔ جو نص قرآن سے ثابت ہے۔ پس اے وہ ذات! جس نے اپنے بندوں اور عبادت گزاروں کو رشد و ہدایت دی، اپنے برگزیدہ اور حامیوں کو توفیق بخشی، جس نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برگزیدہ شخصیات میں سے بزرگ تر بنایا، مقدس کرامات کی بارگاہ کا قرب عطا کیا، جن کی عظیم مدد فرمائی ایسی کہ تمام

مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہو گئے، جنہیں ایسے اوصاف مخصوصہ عطا فرمائے جن میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں، جنہیں رسول، نبی، بشیر اور نذیر تمام انسانوں اور جنات کیلئے بنایا، ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں نعمت اسلام بخشی اور جس نے اپنی نعمت پر شکر بجالانے پر مزید اعطائے نعمت کا وعدہ فرمایا۔ اور ہم اے اللہ! تیرا ان احسانات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ایک نکمے ہاتھ کو چند سطور لکھنے کی ہمت دی۔ اے سلام! ہم تجھ سے ایسا صلوٰۃ وسلام اس کمالات کی مالک ذات کے حضور عرض کرتے ہیں جو صلوٰۃ وسلام تیرے حضور ہماری شفاعت کرے اور تو اس کی شفاعت قبول فرمائے۔ ایسی ذات بابرکات پر جو زمین وآسمان کے راز و اسرار کی جامع ہے۔ لوح وجود کا سر ہے۔ عین شہود کی مالک ہے۔ ہر موجود انسان کی آنکھ ہے۔ محیط کے دائرہ کا قطب ہے۔ مفرد، مرکب اور بسیط ہے، توحید کے دو ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یکتا موتیوں کی مالا کی گرہ والا موتی ہے انبیاء کرام کے قاضی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام رسولوں کی طرف رسول اس کے تمام برگزیدہ حضرات میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ، پریشانیوں کے معاون، تمام امتوں کی سردار امت کے سید، اشراف کی شرافت کے جامع، جنہیں سیادت وکرم کا منصب حاصل، عرب وعجم پر فضیلت حاصل، تمام مخلوقات و اولاد آدم سے اللہ کے مصطفیٰ، موجودات کو وجود عطا کرنے سے پہلے جن کی تخلیق ہوئی، اولاد عدنان کے سردار، ہر زمانہ میں دائرہ فلک کے مرکزی نقطہ خاتم النبیین، مقدم جیش المرسلین، علی الاطلاق تمام مخلوق سے اولی برب العالمین، وہ کہ جن کی ذات سے مہمات میں مدد طلب کی جاتی ہے اور وہ کہ جن کے ہاں مقاصد عرض کر کے حل پایا جاتا ہے یعنی سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ سَیِّدُ عِبَادِکَ وَ عُبَّادِکَ۔ صَلوٰۃً وَ سَلَامًا دَائِمَیْنَ بِدَوَامِکَ۔ امابعد

روشن راستے پر کھڑے اور منور آسمان عقیدت پر موجود برادران اسلام! اللہ تعالیٰ کے عظیم محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کرنے والوں میں شمولیت کی میں کوشش کر رہا ہوں۔ اور اس سخی و داتا نبی کے خوان کرم سے چند ریزے چننے کی جسارت کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں آپ کی بارگاہ عالیہ کا بہت زیادہ محتاج ہوں اور بلند و بالا عزت والے کا بھکاری ہوں۔ اس قدر احتیاجی عائل کو بھی معمول سے نہیں ہوتی۔ میرے اس کار خیر کی طرف آنے کا سبب یہ بنا، اور اس مضمون پر کچھ عرض کرنے کا ارادہ اس لئے ہوا۔ اور مجھے اس بابرکت راستہ پر چلنے کیلئے ایک خبر نے برانگیختہ کیا۔ خبر ایک بدعتی، ہلاکت سے ہم کنار، مہلکات میں پڑے، شہرت اور بڑائی کے طالب کی تھی۔ وہ ایسا شخص جو جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے گن گائے جائیں گے لیکن اسے یہ خواہش نار جہنم میں لے گئی۔ ایسا آدمی

جس نے کہا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل نہیں۔شیطان نے اسے خوب دبوچا۔اس لئے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کا موقع نہ ملا۔تو افسوس صد افسوس! اگر اس نے توبہ نہ کی، اگر اس گندے عقیدے سے رجوع نہ کیا تو ہلاکت در ہلاکت اگر چہ رجوع کی توفیق اسے نہ ملی تو اس کا ٹھکانہ جہنم اور آگ اس کا انجام۔اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جوان چند باتوں پر مطلع ہوا اسے ان سے نفع عطا فرمائے۔اور ہر ایک قاری سے میری گزارش ہے کہ میری اس تحریر کو درگزری آنکھ اور معافی دینے کے خیال سے پڑھے۔اگر کوئی عیب دیکھائی دے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔اگر گناہ دیکھے تو اس سے اعراض کرے۔اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع بخش بنائے۔زیادتی معاف کرے، گناہوں کو بخش دے۔آمین۔

فَمَنْ ذَا الَّذِیْ تَرْضٰی سَجَایَاہُ کُلُّھَا     کَفٰی الْمَرْءُ فَخْرًا اَنْ تَعُدَّ مَعَایِبَہٗ

وَاِنَّمَا ھِیَ اَقْوَالٌ بِرُمَّتِھَا     خُذْمَا صَفٰی وَاحْتَمِلْ بِالْعَفْوِ مَا کَدَرَا

ایسا کون ہے جس کی تمام عادات و خصلتیں تجھے پسند آئیں۔آدمی کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ تو اس کے عیب بتادے۔یہ باتوں کا ایک مجموعہ ہے۔جو اچھی لگیں لے لینا اور گندی اور گدلی باتوں سے درگزر کرنا اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی آل کی محبت ارزانی فرمائے اور ہمیں آپ کا خادم بنائے۔اپنے محبوب بندوں میں سے بنادے۔سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت عطا کرے۔آپ کی شفاعت کے ان مستحقین میں سے کردے جن کی آپ سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔اللہ بڑا جواد، کریم، عظیم اور جلیل ہے۔وہی حق کہتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔میں نے اس تالیف کا نام "اَلْقَوْلُ الْحَقُّ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اَفْضَلُ الْخَلْقِ" رکھا ہے۔اس میں جو باتیں ذکر ہوں گی۔ایک عالم کیلئے صرف یاد دہانی ہوسکتی ہے۔ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی ذات والا صفات کے بارے میں کوئی کیا کہے گا۔جن کی فضیلت وجود آدم سے بھی پہلے معلوم تھی۔کسی شاعر نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔

وَلَیْسَ یَصِحُّ فِیْ الْاَذْھَانِ شَیْءٌ     اِذَا احْتَاجَ النَّھَارُ اِلٰی دَلِیْلٍ

لوگوں کے دل ودماغ میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔جب دن بھی محتاج دلیل ہو۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی دکھتی آنکھ سورج کی روشنی کا انکار کردیتی ہے اور بیماری کی وجہ سے زبان پانی وغیرہ کے ذائقہ کا انکار کردیتی ہے۔میرا قلم ان چند کلمات کا حقیر ہدیہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کرنے کی جسارت کررہا ہے۔اگر چہ اس سلسلہ میں صورت حال کچھ ایسی ہے جیسا

کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی کی دی ہوئی کوئی چیز پیش کرتا ہے۔ یا کوئی شخص کسی نوجوان سیاہ بالوں والے کو خضاب بطور ہدیہ دیتا ہے۔ بہرحال میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی میرا معاون و مددگار ہے۔ اور کائنات کے معاون سے توفیق و مدد کا طالب ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زیرنظر مسئلہ کے بارے میں اور اس پر معروضات پیش کرنے میں میں دو موضوع بناؤں گا۔ دو طریقے ہوں گے اور دو مسئلے ہوں گے۔ پہلا مسئلہ اس موضوع پر ہوگا کہ بشر کی تفضیل فرشتے پر کیسی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیائے کرام پر تفضیل کا ہوگا۔

معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ''فرشتہ'' انسان سے افضل ہے۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ کا تمسک ایسے دلائل سے کیا ہے جن کا ہم انشاء اللہ جواب ذکر کریں گے۔ اس عقیدہ میں بعض اشاعرۃ اور تمام فلاسفہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

دلیل اول: حضرات انبیائے کرام اور رسولان عظام ان کلامات سے مزین تب ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطہ سے ان کو تعلیم دی۔ فرشتوں کے معلم الانبیاء ہونے کی دلیل یہ ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ (النجم)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت قوت والے نے سکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء:193)۔ اس کلام کو روح الامین لیکر آیا۔ جب فرشتے معلم الانبیاء ہوئے تو استاد کو شاگرد پر فضیلت ہوتی ہے ان حضرات کی یہ ایک ان دلائل میں سے دلیل ہے۔ جسے وہ اپنے مذہب کی مدد کیلئے ظاہر کرتے ہیں۔

دلیل دوم: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ (النساء:172) حضرت عیسیٰ اس بات سے ناراض نہیں ہوتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبد ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ (اس بات سے ناراض ہوتے ہیں) عربی دان سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں فرشتوں کی افضلیت (حضرت عیسیٰ پر) مذکور ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مثال ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتی ہے۔ یوں کہا جاتا ہے۔ لَایَسْتَنْكِفُ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ الْوَزِيْرُ لَا السُّلْطَانُ وَلَا يُقَالُ السُّلْطَانُ وَلَا الْوَزِيْرُ۔ اس کام سے وزیر تو کیا بادشاہ بھی ناراض نہیں ہوتا۔ اس محاورہ کو یوں نہیں کہتے۔ اس کام سے بادشاہ تو کیا وزیر بھی ناراض نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل: کتاب وسنت کے بکثرت اصول میں فرشتوں کا ذکر انسانوں سے پہلے کیا گیا جو ان کے افضل ہونے کی وجہ سے ہے۔

چوتھی دلیل: فرشتے مجرد ارواح ہیں۔ بالفعل کامل ہیں۔ شرور و آفات کی مبادی یعنی شہوت، غضب

وغیرہ سے پاک ہیں اور ہیولٰی وصورت کی ظلمتوں سے دور ہیں۔ عجیب افعال پر قدرت رکھتے ہیں۔ ماضی اور مستقبل کے حالات سے بغیر غلطی کھائے مطلع ہیں۔ ان چند دلائل کے علاوہ بھی معتزلہ نے اپنے مسلک کی تائید پر دلیلیں پیش کی ہیں۔ ہم سردست ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

دلیل اول کا جواب: استاد کا شاگرد سے افضل ہونا ہمیں تسلیم ہے لیکن یہاں معاملہ ایسے نہیں جیسا کہ تم نے سمجھا۔ یعنی حضرات انبیاء کرام نے اپنے فرشتوں سے تعلیم پائی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کا معلم اور مرسل اللہ تعالیٰ ہے۔ فرشتے اس تعلیم میں واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبروں کو تعلیم دی اس کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنا صرف اس حیثیت سے درست ہوسکتا ہے کہ انہیں واسطہ سمجھ کر مجازاً ان کی طرف نسبت کر دی جائے بعض علماء نے اس مقام پر کتنا خوبصورت قول فرمایا۔ فرماتے ہیں۔ اس شخص کی مثال جو کسی فعل کو کسی کے ہاتھوں رونما ہوتے دیکھ کر حقیقت حال جانے بغیر اس فعل کی نسبت اس کی طرف کر دیتا ہے۔ ایک چارپایہ کی سی ہے۔ جسے اس کا مالک سدھار رہا ہوتا ہے۔ اور وہ مالک کو پھینک رہا ہوتا ہے یا کتے کی مثال کہ جس کی طرف پتھر پھینکا جاتا ہے۔ اور وہ پتھر کو منہ میں پکڑ لیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ اسے مارنے والا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ معتزلہ کا بھی اس مثال میں فی الجملہ کچھ حصہ ہے۔ کیونکہ وہ بھی انبیاء کرام کی تعلیم کی نسبت فرشتوں کی طرف کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلیل دوم کا جواب: ''لَنْ يَّسْتَنْكِفَ'' (النساء:172) کے تحت جو تم نے قانون پیش کیا ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایسی مثالوں میں ترقی ہوتی ہے ہم اسے کلیہ طور پر تسلیم نہیں کرتے اگر ہر جگہ یہی قانون لاگو ہوتا ہوتو بہت بڑا اعتراض آئے گا۔ ہماری اس پر دلیل یہ ہے۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ الآية۔ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی پہلے پھر فرشتوں کی گواہی کا ذکر ہے۔ کیا یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے؟ دوسری آیت فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ الآية۔ اللہ کا مولیٰ ہونا کیا جبریل کے مولیٰ ہونے سے ادنیٰ ہے؟ بلکہ مذکورہ قاعدہ مقام کی مناسبت سے لیا جائیگا اور اگر بتقدیر تسلیم یہ کہیں کہ آیت مذکورہ (لَنْ يَّسْتَنْكِفَ) میں ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔ اس سے کوئی چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔ لیکن ہم کہتے ہیں جب کہ عیسائی گمراہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہائی غلو سے کام لیا۔ اور ان اوصاف میں جن سے ہمیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے مجھے یوں نہ بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ کو بڑھایا۔ انہوں نے یہ جرأت اس لئے کی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے اور ان میں کامل قدرت کے اوصاف موجود ہیں۔ آپ مردے زندہ کرتے ہیں۔ اندھے کو بینا کر دیتے ہیں۔

برص کے مریض کو تندرست کر دیتے ہیں۔ وغیرہ ذالک۔ تو ان باتوں کی بنا پر انہوں نے گمان کر لیا کہ ہو نہ ہو حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے جھوٹ بکا۔ بہتان تراشا، گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور گمراہی میں بہت دور تک چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جیسی وہ اس کی صفت کرتے ہیں اور جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو ان اوصاف کی بناء پر اس قدر عظیم بنا دیا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہنے پر ہرگز راضی نہ تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے کہا۔ عیسیٰ بن مریم اللہ کا بندہ ہونے سے ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ناراض ہوتے ہیں جو ان سے اس معنیٰ میں زیادہ ہیں۔ وہ فرشتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا والدہ تھی۔ فرشتوں کا نہ باپ نہ والدہ کوئی بھی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بڑے بڑے کام سرانجام دیتے ہیں اور اندھے کو بینا کرنے یا برص کے مریض کو تندرست کرنے یا مردے کو زندے کرنے سے زیادہ عجیب کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں آیت میں ترقی ہے۔ لیکن وہ مجرد ہونے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ اظہار آثار قوت میں یہ ترقی ہے۔ مطلق شرف و کمال میں ترقی نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں فرشتوں کی افضلیت کی کوئی دلیل نہیں۔ جس سے ان کی افضلیت ثابت کی جائے۔

دلیل سوم کا جواب: کتاب اللہ اور سنت میں فرشتوں کا جو ذکر پیغمبروں سے پہلے آیا۔ اس کی وجہ افضلیت نہیں بلکہ تقدیم فی الوجود ہے۔ یعنی فرشتوں کا وجود مقدم ہوا۔ ان کی تخلیق پہلے ہوئی۔

دلیل چہارم کا جواب: فرشتوں کا ماضی و مستقبل کے ہوئے اور ہونے والے واقعات کا جاننا یہ بات درست نہیں۔ بلکہ باطل ہے اور صرف فلسفی اصول کے تحت اس کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسلامی قواعد و احوال اس کا انکار کرتے ہیں۔

جب تم معتزلہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کا مسلک ملاحظہ کر چکے۔ اب ہم اپنے مذہب کی تقریر کی طرف آتے ہیں۔ ہم بطور اختصار مذہب اہل سنت و جماعت پر دلائل ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ سنئے۔

اہل سنت و جماعت مکمل طور پر اس پر متفق ہیں کہ انسانوں میں سے رسول فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں۔ صرف چند لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے جن کے قول کا کوئی وزن نہیں۔ دوسرا اتفاق اہل سنت کا اس پر ہے کہ فرشتوں کے رسول، عام انسانوں سے افضل ہیں، تیسرا یہ کہ عام مومنین، عام فرشتوں سے افضل ہیں، چوتھا یہ کہ جنس (نوع) بشری، فرشتوں کی جنس سے افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:70)۔ ہم نے آدمیوں کو عزت

بخشی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خواص بشر، خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔ ہاں اگر خواص بشر سے مراد انبیاء کرام ہوں تو یہ قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

جب ہم اہل سنت کا اس بارے میں موقف ونظریہ سامنے آگیا تو اب ہم اس موقف کے چند دلائل پیش کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ عام انسانوں سے فرشتوں کے رسولوں کا افضل ہونا یہ تو بالا جماع ثابت ہے۔ بلکہ بالضرورت و بالبداہت ثابت ہے۔ رہی تفضیل انسانی رسولوں کی فرشتوں کے رسولوں پر اور عام انسانوں کی عام فرشتوں پر تو اس کی چند وجوہ (دلائل) ہیں۔

دلیل اول: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ انہوں نے "سجود تحیت" کیا جو جھک کر بجالایا گیا۔ اصح یہی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ تحیت کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا سجدہ جھک کر نہیں بلکہ ماتھے سے کیا گیا تھا۔ دوران سجدہ انہوں نے حضرت آدم کو قبلہ بنا کر سجدہ اللہ تعالیٰ کو کیا تھا۔ جیسا کہ ہم نماز کے دوران سجدہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔ لیکن سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں۔ (اس تاویل پر فرشتوں کا سجدہ "سجدۂ عبادت" ہوگا) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سجدہ حقیقۃً آدم علیہ السلام کو تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے تھا۔ اگر ایسا سجدہ تھا تو اسلام نے اس قسم کا سجدہ منسوخ کر دیا ہے۔ ان تین اقوال میں سے پہلا قول "اصح" ہے مختصر یہ کہ یہ سجدہ آدم اس لئے کرایا گیا کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ تو اس نور کی تعظیم وتکریم کی خاطر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ (آل عمران:33) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر برگزیدگی عطا فرمائی۔ اور فرشتے بھی "عالمین" میں شامل ہیں۔ اس عمومی انسانی افضلیت سے عام انسانوں کو بالا جماع مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یعنی عام انسان، فرشتوں کے رسولوں سے افضل نہیں۔ لہٰذا عام انسانوں کے سوا مخصوص انسانوں (حضرات انبیاء کرام) کا تمام فرشتوں سے افضل ہونا ثابت ہوگیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کے ظنی ہونے میں کوئی خفا نہیں۔ لہٰذا اس کیلئے دلائل ظنیہ کافی ہوں گے انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفضیل کے معاملہ میں عقل بھی نقل سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہم عنقریب اس کی پختگی "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" (انعام:90) میں بیان کریں گے۔ لہٰذا دلائل ظنیہ نہیں بلکہ قطعیہ ہیں۔ اور یہ مسئلہ قطعی دلائل سے ثابت ہے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سجدہ کرنے والے فرشتے صرف زمینی فرشتے تھے۔ آسمانی فرشتوں

نے سجدہ نہیں کیا۔لہٰذا زمینی فرشتوں پر افضلیت تو ہوگی لیکن آسمانی فرشتوں سے افضلیت محل نظر ہے؟ یہ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سجدہ کرنے کا ذکر کیا۔وہاں ''کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ'' کے الفاظ ہیں۔کل اور اجمع کے ساتھ تاکید اسلئے فرمائی۔تاکہ کوئی ایک فرشتہ بھی باہر نہ رہے۔لہٰذا آسمانی فرشتوں کو دلیل شرعی کے بغیر حکم سجدہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔صرف ان میں سے ایک نے سجدہ نہ کیا۔وہ ابلیس ہے۔جو جن تھا اور یہ بھی فرشتوں کی ایک قسم ہے۔جس کا یہ مخصوص نام ہے۔انہی میں سے ابلیس ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا[1] (الصافات:158) یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔انہوں نے اللہ اور جنات (فرشتوں) کے درمیان نسب بنالیا۔اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارا نفس مسئلہ یعنی بشر کی فرشتہ پر تفضیل ثابت ہے۔اس کی موافقت دلائل عقلیہ بھی کرتے ہیں۔ایک دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان، فضائل، کمالات علمیہ عملیہ وغیرہ حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ بہت سی رکاوٹیں، موانع اور شہوانی خیالات، غضب، ضروری حاجات ان کمالات کے حصول میں پیش آتی ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ایسی عبادت اور کسب کمال جو شدید رکاوٹوں اور پریشانیوں سے مقابلہ کرکے حاصل ہو۔وہ بہت مشکل ہوتی ہے اور اس میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔لہٰذا ایسی عبادت افضل ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے جنس آدمی میں کمالات مطلقہ اس قدر جمع فرمادیئے کہ کسی دوسری مخلوق میں ان کا جمع ہونا مشکل ہے۔ہماری عبادت نماز کو دیکھئے۔اس کی ایک رکعت فرشتوں کی تمام اقسام عبادات کی جامع ہے۔ان میں سے کچھ حالت قیام میں قیامت تک بندگی میں مصروف ہیں کوئی رکوع اور کوئی سجدہ میں پڑا ہے۔یہ تمام حالتیں نماز کی ایک رکعت میں موجود ہیں جو ہم مسلمان پڑھتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے شواہد عقلیہ ہیں۔ایک عارف نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے۔

وَ تَزْعُمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ     وَ فِیْکَ اِنْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

تو اپنے بارے میں گمان کر بیٹھا ہے کہ تو معمولی سا ذرہ ہے۔حالانکہ عالم اکبر (پوری کائنات) تجھ میں سمودیا ہے۔

ہمارے مسلک کے دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی ایک جماعت کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ (انعام) ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی ہے۔ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فرشتے بھی ''عالمین'' میں شامل ہیں۔

ہمارے مذہب کی تائید و تقریر میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلیل ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

12B الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ جَزَآؤُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ (بینہ)۔ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغات ہیں۔ آیات کریمہ میں بقول اہل التحقیق مراد باری تعالیٰ ''بنی آدم'' ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے جزا وسزا کے معاملہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ تو جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ جناب عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے کہا ''خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ'' یعنی بہترین مخلوق۔ فرشتے بھی من جملہ مخلوق ہیں۔ لہٰذا اس لفظ سے بھی انسانوں کی فرشتوں پر بہتری (افضلیت) ثابت ہوتی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اس آیت میں ایمان لانے والوں اور صالح عمل کرنے والوں میں فرشتے بھی شامل ہیں۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والے ''عرف شرع'' میں صرف انسان مراد ہیں۔ اس میں فرشتے داخل نہیں کیے جاتے۔ یہ عرفی استعمال ہے۔ ایک اور دلیل ہماری یہ بھی ہے کہ کل قیامت کو موقف میں لوگ مخصوص حضرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا شفیع بنائیں گے۔ ان سے شفاعت طلب کریں گے۔ یہ خاص حضرات جو شفاعت فرمانے والے ہیں صرف انبیاء کرام ہیں۔ فرشتے نہیں۔ جناب عزالدین بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد بیان کرتے ہوئے ایک جگہ تفضیل کی تفصیل پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا۔ اگر ہم روحوں کی طرف دیکھیں تو حضرات انبیاء کرام کی روحیں افضل ہیں اور اگر جسموں کی طرف دیکھیں تو فرشتوں کی شکلیں نورانی ہیں۔ بلندیوں میں رہتے ہیں۔ مختلف شکلیں اختیار کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ گوشت اور خون کی کثافت سے پاک ہیں۔ لہٰذا وہ افضل ہیں۔ ایک اور مقام پر موصوف رقمطراز ہیں۔ انسانی جسم کیلئے جہاد، غزوات، مصیبتوں پر صبر اور مشقتیں آنا ثابت ہیں۔ ان مراحل سے انسانی جسم کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ان میں فرشتوں کیلئے (یعنی ان کے اجسام کیلئے) کوئی بھی بات ثابت نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان باتوں پر اخلاص نیت والوں سے بہت سے وعدے بھی فرمائے۔ اور ہمیں اپنی رضامندی کی بشارت بھی سنائی۔ اب اس اعتبار کو دیکھیں تو بشر افضل ہے (انتہی)۔

کچھ تھکے ماندے لوگ ایک اور نظریہ رکھتے ہیں۔ جو اس سے کچھ زائد یا فالتو ہے کہتے ہیں ہم اس بارے میں توقف کے قائل ہیں اور خاموشی بہتر سمجھتے ہیں ایسے لوگ کہتے ہیں کہ افضل وہ جسے اللہ تعالیٰ نے تفضیل بخشی ہو۔ پھر کہتے ہیں جس کو دوسرے پر تفضیل دی جائے یا برابر قرار دیا جائے۔ اس کیلئے شرط ہے کہ ان اوصاف کی معرفت ضروری ہو جن کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوئی یا دونوں میں مساوات دکھائی دی۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں ان لوگوں نے عجیب بات کہی ہے۔ بلکہ ان کا یہ نظریہ مکمل طور پر عجوبہ ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا "افضل وہ جسے اللہ تفضیل بخشے" یہ تو تحصیل حاصل سے ملتی جلتی بات ہے۔ اور دوسرا قول "کہ فضائل کی معرفت ضروری ہے" بات باعتبار اپنی ذات کے صحیح ہے۔ علاوہ اس کے وہ یہ سمجھے کہ جو لوگ ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس نظریئے کو ثابت کرنے کیلئے دلائل و براہین دیئے۔ حقیقت حال کی معرفت انہیں حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ دلائل کا قلعہ کھڑا کر کے ان علماء نے فضیلت کو کسی مخصوص شخص میں بند کر دیا۔ یعنی صاحب فضیلت کو فضیلت صرف دلائل کی وجہ سے دی گئی۔ ورنہ وہ فضیلت کا اہل نہ تھا۔ ان کی اس بات کا وزن کتنا ہے تم خود دیکھ سکتے ہو۔ اس کی طوالت کے پیش نظر ہم اس میں الجھنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں طویل کلام کرنے کے بعد لکھا۔

"اس اختلاف کا کوئی نتیجہ نہیں ہاں اس قدر ضرور ہے کہ کسی چیز کی معرفت علی ما ہو حاصل ہو جاتی ہے"۔

میں کہتا ہوں۔ امام بیہقی کے کلام پر تعجب ہے کسی چیز کی "علی ما ہو بہ" معرفت (جیسے کہ انہوں نے کہا ہے) اگر ان کے بقول درست تسلیم کر لی جائے۔ تو یہ معرفت بھی ایک عظیم انسانی معارف میں سے ہے۔ اور یہ بھی ایک چیز کا بہر حال علم ہے۔ اس کی جہالت تو نہیں اگر بحث صرف اس بات کی ہوتی کہ کسی میں موجود معارف کا اتقان و یقین حاصل ہو جائے تو بھی اس سے لازم آتا ہے کہ حضور نبی الانبیاء سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام موجودات پر شرف، کرم، عظمت و بزرگی ثابت ہے۔ اور یہ نظریہ کل قیامت میں ثواب جزیل کا باعث ہے۔ تو اسی قدر کافی ہوتا لیکن مجھے بعض علماء سے یہ بات پہنچی ہے کہ معتزلہ جو فرشتوں کی انسانوں پر افضلیت کے قائل ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اور میں نے یہ بھی سنا بعض ہمارے مشائخ اور دوست حضرات فرماتے ہیں جو ابھی موجود ہیں کہ یہ بات (استثنیٰ والی) ان کی کتابوں سے منقول ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ایسی نقل مل جائے۔ تو اس کی نسبت ناقل کی طرف کر دی جائے۔ (یعنی کس نے کہاں سے ان کی مذکورہ بات نقل کی)۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ بعض مشائخ مسئلہ مذکورہ کی تقریر یوں کرتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں ایک اور بھی قول ہے وہ یہ کہ آسمانی اور زمینی فرشتوں میں تفضیل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آسمانی فرشتے تو بشر سے افضل ہیں لیکن زمینی فرشتے افضل نہیں۔ واللہ اعلم۔

جب تم معلوم کر چکے کہ انسانوں میں سے مخصوص یعنی حضرات انبیاء کرام (جو اس مقام میں خاص ہیں) وہ خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔ پھر تمہیں یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ تمام انبیاء کرام صلوات اللہ و سلامہ علیہم و علی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام ایسے اجسام و اجساد کی طرح ہیں جو قبائے نبوت و رسالت

زیب تن کئے ہوئے ہیں۔اور ہمارے نبی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اجساد واجسام کیلئے بمنزلہ روح ہیں۔لہٰذا آپ ان سب کے سردار وسند ہیں۔ان کا کنز، ذخیرہ، حامی، کافی، ان کے دائرہ کے قطب، ان کے فلک کے نقطہ، ان کی انگوٹھی کے نگینہ، ان کی آنکھوں کی پتلی، ان کی شخصیات کی آنکھ، ان کے قصیدہ کے بیت، ان کے قلادوں کے موتی، ان کی سریت کے راز اور ان کی ذات کی روح ہیں۔
آپ علی الاطلاق افضل الخلق ہیں۔اور تمام مخلوق کیلئے رسول ہیں۔حتیٰ کہ فرشتے بھی آپ کی رسالت کے تحت ہیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت، تعلیم اور حکمت دیکر بھیجا اس پر دلیل "لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝" (فرقان) ہے۔اور فرشتے بہر حال عالمین میں شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کائنات سے افضل ہونے کے دلائل تین اشیاء سے موجود ہیں۔کتاب، سنت اور اجماع امت۔قرآن کریم میں جو دلائل آپ کی تعظیم، افضل اور بزرگی واحترام پر ہیں۔اس پر بہت سی آیات اور بولتے دلائل وحجج اس قدر ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔اس قدر مشہور وعظیم ہیں کچھ ان میں سے بالتصریح اور کچھ باللزوم ہیں۔

صریح دلائل میں سے ایک دلیل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیاء کرام سے افضل ثابت کرتی ہے۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں پر آپ کی اتباع واجب قرار دی ہے۔آپ پر ایمان اور آپ کی نصرت کرنا ان پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الآیۃ۔یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے چکوں۔پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول تشریف لائیں جو تمہارے پاس موجود تمام احکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والے ہوں۔تو تمہیں لازماً ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی ضرور بالضرور مدد کرنا ہوگی۔ انبیاء کرام نے اس عہد کے جواب میں عرض کیا۔ہم نے اقرار کیا اور اپنی جانوں پر گواہی دی۔اللہ نے بھی ان پر گواہی دی اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔(آل عمران:81)۔تمام محققین کا اجماع واتفاق ہے کہ آیت مذکورہ میں "رسول" سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسئلہ مذکورہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253) رسولوں میں بعض سے بعض کو ہم نے فضیلت دی۔جلیل القدر مفسرین کرام جیسا کہ تفاسیر میں موجود ہے۔نے فرمایا کہ اس آیت میں "الرسل" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تو دیگر انبیاء کرام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔جیسا دیگر انبیاء کرام کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (نحل:123)۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ آپ ملت ابراہیمی کی اتباع کریں۔ تو اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت ثابت نہ رہی؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس اتباع کا حکم دیا وہ یہ ہے کہ آپ ان احکام پر ایمان رکھیں۔ جو آپ کی طرف نازل کئے گئے۔ اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت وملت کے موافق ہیں۔ یہ نہیں حکم دیا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کی اتباع کریں۔ یعنی ایسی کہ آپ ان کے امتی بن جائیں۔ اور ان کی دعوت کے تحت داخل ہو جائیں۔ جس سے لازم آجائے کہ ہم سب حضرات ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند ہو جائیں۔ اور ہماری شریعت جو تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اس کا فائدہ ہی باقی نہ رہے۔ مقصد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو احکام دیئے گئے وہ ملت ابراہیمی ہے۔ آپ ان کی اتباع کریں نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کریں۔ لہٰذا اس آیت سے افضلیت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی سے قبل اور اعلان نبوت سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت بجالاتے تھے؟ بعض نے کہا کہ شریعت ابراہیمی کے موافق آپ کی عبادت تھی۔ بعض نے اس کے علاوہ بھی کہا ہے۔ اس بارے میں مختلف نظریات ومذاہب میں سے ارجح، اصح اور اولیٰ ان حضرات کا موقف ہے جو توقف کرتے ہیں اور سکوت فرماتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی حق پر ہوئے خیر آپ کے خمیر میں اور اخلاق کریمہ آپ کی فطرت میں تھے اور یہ سب کچھ اسی کے مطابق تھا جو آپ کو شریعت عطا فرمائی جانی تھی۔ آپ کی ہر بات اور عبادت کا ہر طریقہ الہامی تھا۔ بچپن سے ہی ہر فعل، عادت اللہ تعالیٰ کی منظور تھی۔ میرے ایک قصیدہ کا شعر بردہ کا ہم وزن ہے ملاحظہ ہو۔

وَمَنْ تُرْبِىْ صَغِيْراً بِاَلاَّ مَانَةِ لَا   يَأْتِىْ حَرَامًا وَلَا يُعْدِدُ عَلٰى حَرَمٍ

جس ذات کی بچپن کی زندگی امانت وصداقت و دیانت سے پر ہو وہ نہ تو کبھی حرام اور ناجائز کر سکتا ہے نہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔

مذکورہ کلام میں ایک اور مسئلہ سامنے آیا ہے وہ یہ کہ کیا ہم سے پہلی شریعتیں ہماری شریعت ہیں؟ اس بارے میں کہا گیا ہے کہ ہاں وہ ہماری شریعت ہیں لیکن اس شرط پر کہ ہماری شریعت میں وہ مسئلہ وارد ہو اور ہماری شریعت اسے مقرر اور جائز رکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ہماری شریعت نہیں اور یہی حق اور مفتی بہ قول ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ "ملت" اور چیز ہے اور شریعت دوسری چیز ہے۔ "ملت" اصل

دین ہوتی ہے اور شریعت اس کے قواعد ہوتے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ وہ آیت کریمہ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ الایۃ (آل عمران:81) جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا پابند کیا۔ وہ اور یہ آیت ان کا ایک جیسا طریقہ اور سبب نزول نہیں۔ بلکہ بعض حضرات نے بطور نص فرمایا کہ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ (صافات) اس کے گروہ میں سے البتہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس آیت میں ضمیر (شیعتہ) کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم نے جو بات کہی۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی کرتا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (مائدہ:90)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس چیز کی اتباع کا حکم دیا جس کی انہوں نے ہدایت پائی۔ بلکہ بعض علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء کرام پر تفضیل اسی آیت سے ثابت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب کسی ایک آدمی کو پوری جماعت کے کام کی اتباع کرنے کو کہا جائے اور ان تمام کے اوصاف سے متصف ہونے کا امر ہو اور پھر اسے عملی طور پر وہ ایک آدمی بجالائے تو وہ ان سب سے افضل ہوگا۔ یہ عقلی دلیل ہے۔

مسئلہ مذکورہ پر ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں سے بنائی گئی۔ دلیل یوں ہے کہ کسی کی اتباع کرنے والا اگر قابل قدر ہوتا ہے تو یہ دراصل جس کی اتباع کی گئی اس کی قدر و منزلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو ''بہترین امت'' قرار دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

ایک اور آیت اس مسئلہ کی دلیل ہے وہ یہ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ اَنَا۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا اور تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار میں ہوں۔ اسی کی طرف میں نے اپنے ایک بیت میں اشارہ کیا ہے۔ ''اَتْقَى التُّقَاةِ وَاَوْلَاهُمْ بِرَبِّهِمْ'' سب سے بڑھ کر پرہیزگار اور اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب آپ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کو بقیہ انبیاء پر ثابت کرنے والی ایک آیت یہ بھی ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ (النساء) وہ منظر دیدنی ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ محتاج شہادت نہیں۔ وہ

توسب کچھ جانتا اور جو چاہے کرنے پر مختار مطلق ہے۔اس نے یہ گواہی کا معاملہ کل قیامت میں اس لئے رکھا۔تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر وشرف اور انبیاء پر فضیلت کا اعلان ہو جائے۔

اب ہم مذکورہ مسئلہ کے دلائل کے سلسلہ میں احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔بکثرت احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور روایات صحیحہ ثابتہ مشہورہ اس پر شاہد ہیں۔ان میں سے ایک حدیث پاک یہ ہے۔اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔اور کوئی فخر نہیں۔اس حدیث پاک کے الفاظ کو دیکھ کر اگر کوئی یہ کہے۔کہ تمہارا استدلال ضعیف ہے۔کیونکہ یہ آدم علیہ السلام کو شامل نہیں۔بلکہ اولاد آدم سے افضلیت ثابت ہوتی ہے؟اس کا جواب ہم یہ دیں گے۔یقیناً حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایسے پیغمبر بھی تشریف لائے جو ان سے افضل تھے۔مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام۔اب جبکہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہوئے۔تو حضرت ابراہیم بھی اولاد آدم ہیں۔ان سے بھی افضل ہوئے۔اور ابراہیم علیہ السلام، آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام (آدم اور اولاد آدم) سے افضل ہوئے۔

اس کا ایک اور جواب بھی ہوسکتا ہے۔وہ یہ کہ "ولد آدم" سے مراد "جنس آدمی" ہو۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمیت کی جنس سے افضل ہیں۔اس اعتبار سے اس جنس کے اولیں فرد خود حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے۔اسی عظمت کو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "ہمزیہ" میں کس خوبصورتی سے بیان کیا۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَیْـــــــــبِ وَ مِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْمَآءَ

آپ کو اللہ عالم الغیب نے علوم کی ذات عطا فرمادی اور آدم علیہ السلام کو ان کے صرف نام سکھائے۔

علاوہ ازیں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔"اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔اس میں حضرت آدم بھی اور دوسرے تمام پیغمبر بھی داخل ہیں۔اس روایت میں قیامت کا مخصوص ذکر اس لئے فرمایا کہ اس دن نزاع بالکل ختم ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (المومن:16)۔آج کس کی بادشاہی ہے؟

اگر ان احادیث کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "سیادت" ثابت ہوتی ہے۔اور "سیادت" تفضیل کو نہیں جاتی؟ ہم اس بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں یہ بات کہنا ممنوع ہے۔بلکہ یہاں سیادت افضلیت کا تقاضا کرتی ہے۔جس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی

ہے۔ اَنَا اَکْرَمُ الْخَلْقِ عَلَی اللّٰہِ۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ باعزت ہوں۔ اس لئے اگر تفضیل مراد نہ ہوتی تو اسم تفضیل کا صیغہ (اکرم) لانے کی کیا ضرورت تھی۔ جو اکرمیت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ روایت صحیحہ میں لفظ ''سیادت'' لانے کی شائد یہ وجہ ہو۔ کہ ''سید'' کا اس شخص پر حکم چلتا ہے جس کا وہ سید ہوتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ تمام مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پابند ہے۔ امر آپ کا نہی آپ کی ماننے والی تمام کائنات۔ اسی کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ کیا۔ جو آیت کے معنی کے بھی موافق ہے۔ ''لَوْ اَدْرَکَنِیْ اَخِیْ مُوْسٰی مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ'' اگر میرے بھائی موسیٰ مجھے پاتے تو میری اتباع کے بغیر انہیں کوئی راستہ نہ ملتا۔ اس مضمون پر میرا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

وَلَوْ اَتَی الرُّوْحُ عِیْسٰی حِیْنَ بَعْثَتَہٗ ۔۔۔ لَکَانَ مِنْ جُمْلَةِ الْاِتِّبَاعِ وَ الْخَدَمِ

جب تو نے اے اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اگر عیسیٰ روح اللہ بھی آتے تو وہ بھی ان کے اتباع کرنے والے اور خادم ہوتے۔

میں نے شعر میں لفظ ''عیسیٰ'' کہا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ''موسیٰ'' ہے۔ یہ اس لئے کہ حدیث پاک میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ ایک مثال کے طور پر بیان ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ وغیرہ تمام انبیاء کرام کا یہی معاملہ ہے۔ رہا یہ کہ حضرت موسیٰ کو خاص کر کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم یہود کفر ونفاق اور دشمنی سے سب سے آگے تھی۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں موسیٰ کے ساتھ لفظ عیسیٰ بھی مروی ہے۔ جب ایسی امت جو سرکش، انتہائی دشمن ہے اس کی طرف آنے والا پیغمبر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتا تو پھر اس امت اور دوسروں کا اتباع کرنا بطریقہ اولیٰ ثابت ہوا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بھی اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ حتیٰ کہ ابوالبشر حضرت آدم کے بھی نبی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ میں نبی تھا اور آدم پانی اور مٹی میں تھے۔ مراد بالفعل نبی تھا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح کی طرف نظر فرمائی۔ جو چیونٹیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی شکل میں تھیں۔ اور ان سے پوچھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' (اعراف:172) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو ان میں سے سب سے پہلے جس نے ''بَلٰی'' کہا۔ وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عطیات ومواہب شریفہ عطا فرمائے۔ جو آپ کی شایان شان تھے اور آپ کی روح مقدس کو حضرات انبیاء کرام کی ارواح کی طرف بھیجا۔ وہ سب اس پر ایمان لائیں۔ اس معنی کو ہم نے اس لئے ترجیح

دی۔(یعنی بالفعل نبی ہونے کو) کیونکہ اگر اس کی بجائے یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔ جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو پھر آپ کا اپنے بارے میں تخصیص و تخصیص فرمانا کسی فائدہ کا حامل نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو تمام انبیاء کرام ''نبی'' تھے۔ لہٰذا جو ہم نے ذکر کیا وہی معنی متعین ہوگا۔

اکابر صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے قلوب کی طرف نظر فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو تمام قلوب میں سے زیادہ نرم اور ٹوٹا ہوا دیکھا۔ شائد اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق وقدیم میں یہ بات تھی کہ آپ کی تربیت بحالت یتیمی ہوگی۔ اور دنیوی ساز و سامان کی قلت میں آپ بچپن گزاریں گے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ آپ غنی کے مقابل فقر کو پسند فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فیصلہ فرما دیا ہوگا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت اور تواضع کی جگہ دوسری خوبیاں عطا فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے آپ کے قلب انور کو وہ کچھ عطا فرمایا۔ جس کا احاطہ کائنات میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کسی فرد کو اس قدر کمالات وعنایات عطا ہوئیں۔

حدیث شفاعت میں اگر تم غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں ایسی راہ نظر آئے گی۔ کہ تم خود بخود سمجھ جاؤ گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیاء کرام پر فضل واضح ہے۔ کیونکہ تمام پیغمبر آپ کے محتاج ہوں گے۔ اور سبھی آپ کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اس وقت آپ کی دعا سے نفع اٹھائیں گے۔ اور آپ کی سواری کے رکاب تھامے آپ کے جھنڈے کے نیچے آپ کے ساتھ روانہ ہوں گے۔

حوض کوثر پر بھی عجیب نظارہ ہوگا۔ وہاں کے حالات ومناظر بھی تمہیں یہی بتائیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی افضل الانبیاء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جو خصوصیات عطا ہوئیں۔ ایسی کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ چہ جائیکہ آپ کے برابر یا زیادہ کسی کو عطا ہوں۔ پھر یہ کہ جس نبی کو جو خصوصیت عطا ہوئی۔ وہی خصوصیت یا اس سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی۔ جب حضرات انبیاء کرام خصوصیات میں آپ کی مثل نہیں تو دوسروں کا کیا مقام؟ یہ سب باتیں تمہیں اس طرح کھینچ لائیں گی کہ تمہیں عقیدہ رکھنا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل اور ان سے اشرف واعلیٰ ہیں۔

حدیث معراج میں آتا ہے کہ جب ہر نبی اپنے رب کی تعریف کر چکا اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم حمد الٰہی کیلئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کچھ اس انداز میں کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اس وقت کھڑے ہو گئے۔ اور تمام انبیاء و مرسلین کو کہا اسی وجہ سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو تمہیں مسئلہ زیر غور میں سیدھی راہ دکھائے گا۔ آپ سب سے افضل کیوں نہ ہوں۔ جب آپ کی افضلیت ابراہیم خلیل اللہ کا مذہب ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان مارے لیکن مجھے آپ سے افضل کہیں کوئی نہ ملا۔ میں نے مشرق و مغرب کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن مجھے بنو ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہ ملا۔ جو شخص ان احادیث کے طریقوں، ان کے مخرج وغیرہ کی تحقیق کرنا چاہے اور ان کے علاوہ اسی موضوع پر دیگر احادیث کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کیلئے تجویز ہے کہ وہ سیدنا مولانا و ولینا و اولانا الشیخ الامام الرحلہ الہمام الشیخ شمس الدین محمد بن شیخنا شہاب الدین الرملی سقاہ اللہ تعالیٰ زلال کرمہ و افاض علیہ سجال نعمہ کی تصنیف کا مطالعہ کرے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔

جب مذکورہ بات تمہارے علم میں آ گئی تو اب اس فضل کا اثر بھی دیکھو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے درمیان تفاوت ملاحظہ ہو۔ قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی یوں حکایت کی ہے۔ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے''۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکایت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ (انشراح)۔ کیا ہم نے آپ کیلئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟۔ چونکہ یہ استفہام انکاری ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا ہم نے واقعی آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔ دونوں میں فرق اور تفاوت بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ اگر تم کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''شرح صدر'' اس سوال سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ (طٰہٰ) ''اے موسیٰ! تحقیق تمہارا سوال تمہیں پورا کر دیا گیا ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''قَدْ أُوتِيتَ'' فعل ماضی ذکر کیا ہے تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ''شرح صدر'' پہلے مل چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ''انشراح صدر'' پہلے ہو چکا تھا۔ لہٰذا دونوں میں فرق اور تفاوت نہ رہا؟ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ ''کریم'' کی یہ عادت نہیں ہوتی۔ کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ اس کے جواب میں کہے کہ تمہارا سوال تو پہلے پورا کر چکا ہوں۔ اور ایسا کہہ کر وہ احسان بھی جتلائے۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر شرح صدر پہلے عطا ہو

چکا تھا اور آپ نے پھر سوال کر دیا تو ایک یہ بات کہی جائے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پاس موجود چیز کا سوال کیا ہے۔ یہ بھی درست نہیں اور اس کے جواب میں ''کریم'' کا نہ کر دینا اس کے کرم کے بھی خلاف ہے۔

اگر بطریقہ تنزل یعنی اعتراض کرنے والے کی بات کو ہم اپنے موقف سے اتر کر تسلیم کرلیں اور اپنے دلائل کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو انہیں اپنے شرح صدر کا علم تھا یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ آپ کو شرح صدر مل جانے کے بعد اس کے حصول و وصول کا علم نہ تھا تو ایک بدیہی اور ضروری علم کا انکار لازم آئے گا۔ کیونکہ انشراح صدر ان امور میں سے ہے جو ضروری ہیں اور اس کا علم جب یہ حاصل ہو جائے لازماً ہوتا ہے اب جبکہ آپ اپنے انشراح صدر کو جانتے تھے تو پھر اسی بارے میں سوال کرنا دو اعتبارات سے خالی نہیں۔ یا کوئی خاص انشراح صدر مانگا جا رہا ہے یا نہیں اگر انشراح خاص کا سوال کیا گیا تو یہ پہلے حاصل نہ تھا۔ اس کیلئے صیغۂ ماضی کا استعمال بے محل ہو گا۔ اور اگر خاص انشراح صدر نہیں بلکہ وہی پہلے والا عام تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا عبث قرار پائے گا۔ اور انبیائے کرام کے بارے میں ایسی باتیں جائز نہیں ہوتیں۔ لہٰذا متعین یہ ہوا کہ آپ کے سوال کو اس پر محمول کیا جائے کہ چونکہ انشراح صدر کی اعطاء اللہ تعالیٰ کے حکم میں نافذ اور قوی تھی۔ اور یقینی تھی اس لئے عرب محاورہ کے مطابق مستقبل میں یقینی واقع ہونے والی بات کو ماضی کے صیغہ سے بیان کر دیا گیا۔ عرب لوگوں سے جب مثلاً کوئی سوال کرے تو وہ قوت اعطاء کے پیش نظر یہ کہہ دیتے ہیں۔ تمہاری طلب پوری ہو گئی۔ تو یہ طریقہ بظاہر زمانہ ماضی میں کسی واقع کی خبر کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں انشاء ہے جیسا کہ بیع شراء اور نکاح طلاق میں بوقت انشاء صیغہ ماضی استعمال کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت جاننے کیلئے ذرا اس آیت پر نظر کیجئے۔ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ (انشراح)۔ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ یعنی میرا ذکر نہیں کیا جائے گا مگر اس کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہوگا۔

اسی افضلیت کا اس انداز خطاب الٰہی سے بھی اندازہ کریں۔ تمام انبیاء کرام و رسولان عظام کو خطاب ان کے اسماء گرامی کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، یَاۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ وغیرہ سے کیا۔ ان میں جو مراتب کا فرق ہے۔ وہ تمہارے سامنے ہے اور اگر تم غور کرو کہ جب مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے فرزند ابراہیم کے انتقال کے بعد

"اَبْتَر" کہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کہنے والوں کے بارے میں کس زوردار انداز میں رد نازل فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ یقیناً آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے ہی "ابتر" ہیں۔ یہ انداز جواب بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کتنی ہے۔ غایت عظمت جلال اور نہایت غایت کمال اسی کو کہتے ہیں۔ ذرا اس طرف بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب انور کی تسلی اور حوصلہ افزائی کی خاطر ابتداً معافی نامہ سے کی۔ پھر اس کے بعد خلاف اولیٰ کام یاد دلایا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ:43) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے انہیں اجازت کیوں دی تھی؟ اور اس طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "شمال" کی جگہ "غرب" بوقت خطاب ارشاد فرمایا۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ الایة (القصص:44) یہ طریقۂ گفتگو اہل بدیع کے ہاں "احتراس" کہلاتا ہے۔ اس کی طرف میں نے اپنے قصیدہ "میمیہ نبویہ" میں کہا ہے۔

بَدَاهُ بِالْعَفْوِ قَبْلَ الْعَتْبِ تَسْلِيَةً لِقَلْبِهٖ فِي "عَفَا اللّٰهُ" وَلِلْعِظَمِ
كَذَاكَ بِالْجَانِبِ الْغَرْبِي لَمْ يَقُلِ الشِّمَالَ اِذْ خَصَّهٗ بِالْفَضْلِ وَ الْكَرَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور قلب انور کی تسلی کی خاطر "عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ" میں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے سے پہل کی پھر خلاف اولیٰ بیان کیا اسی طرح شمال کی بجائے جانب غربی کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص فضل وکرم کی وجہ سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفضیل پر عظیم دلائل میں سے ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:79)۔ بہت جلد آپ کو آپ کا رب اس مقام پر مبعوث فرمائے گا۔ جہاں آپ کی حمد کی جائے گی۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اولین وآخرین انبیاء کرام رشک کرتے ہیں۔ میرا کلام ملاحظہ ہو۔

وَالْاَرْضُ اَوَّلُ مَنْ تُنْشَقُّ عَنْهُ وَ جِبْرَائِيْلُ قُدَّامَهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْحَشَمِ
وَالرُّسْلُ تَحْتَ لِوَآءِ الْهَاشِمِيِّ غَدًا اَلْكُلُّ يَرْجُوْنَ مِنْهُ فَائِضَ الْكَرَمِ
هٰذَا الْمَقَامُ الَّذِىْ مَا نَالَهٗ اَحَدٌ سِوٰى مُحَمَّدِ الْمَبْعُوْثِ بِالْحِكَمِ
نَاهِيْکَ مِنْ شَرَفٍ نَاهِيْکَ مِنْ عِظَمٍ نَاهِيْکَ مِنْ شَرَفٍ نَاهِيْکَ مِنْ عِظَمٍ
وَمَنْ تَقَدَّمَ صَلّٰى بِالْمَلَآئِكِ بَلْ وَالْاَنْبِيَآءِ يَقْظَةً لَمْ يَجْرِ فِي الْحُكُمِ
وَظَلَّ يَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ حَتّٰى تَقَدَّمَ عَنْهُمْ حَضْرَةَ الْكَرَمِ

وَنِلْتَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ مَنْزِلَةً مَا نَالَهَا اَحَدٌ فِي الْاَعْصُرِ الْقِدَمِ

سب سے پہلے قبر انور سے آپ باہر تشریف لائیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام آپ کے آگے آگے ایک لشکری بن کر چلیں گے۔ تمام رسولان عظام کل قیامت میں ہاشمی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ تمام آپ سے فیض و کرم کے طالب ہوں گے۔ یہ وہ مقام ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور نے نہ پایا۔ جنہیں محکم کتاب دیکر بھیجا گیا تمہارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شرافت سمجھنے کیلئے اس قدر گفتگو کافی ہے۔

وہ ذات جس نے آگے بڑھ کر فرشتوں بلکہ انبیاء کرام کو حالت بیداری میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ خواب کا واقعہ نہیں۔ پھر آپ ان کی معیت میں ساتوں آسمانوں سے آگے گزر گئے۔ حتیٰ کہ اکیلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اے خیر خلق! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے وہ مقام و مرتبہ پایا۔ جو قدیم زمانوں سے (آج تک اور قیامت تک) کسی کو نصیب نہ ہوا۔

امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کے قصیدہ کے اس شعر کی تشریح میں کسی شارح نے لکھا۔

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

مسلمانو! ہمیں بشارت ہے کہ ہمارے لئے عنایت کا ایسا مضبوط ستون ہے جو کبھی منہدم نہیں ہو سکتا۔

یہ خوشخبری کیا ہے یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ اس کے قریب چلیں پھر جبرائیل نے عرض کیا آپ جب اس مقام پر تشریف فرما ہو جائیں جہاں کوئی بھی نہیں گیا۔ تو میرے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ وہ مجھے اپنی خفیہ تدبیر سے امن میں رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس بارے میں جبرائیل کی درخواست پیش فرمائی۔ اس نے آپ کو جواب عنایت فرمایا۔ آپ جب واپس آئے تو جبرائیل کو جواب پروردگار بتایا۔ جبرائیل علیہ السلام معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پیچھے اپنے مقام میں رہ گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل آگے تشریف لے گئے۔ کہ درمیان کے تمام پردوں کو عبور کر گئے۔ اور مشاہدہ عظیمہ منکشف ہوا اور وہاں کے انوار کا مشاہدہ فرمایا۔ اور ان اسرار سے آپ کا سر متصل ہوا آپ کی مبارک آنکھوں کو ایسی قوت قدسیہ عطا ہوئی کہ آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے پروردگار عالم کو دیکھا۔ آپ کا قلب انور اس شرافت سے موصوف ہوا جو آپ کے رب کے جلال کے لائق ہے۔ بارگاہ ایزدی میں شرف یابی ہوئی۔ جہاں کسی

آمر یا مامور کی رسائی نہیں۔ جب آپ نے جبرئیل کو اس کے سوال کا جواب بتایا۔ اور اپنی بارگاہ ایزدی میں حاضری بتائی تو جبرئیل بہت خوش ہوا اور کھل اٹھا کہنے لگا میں پل صراط پر آپ کی امت کیلئے کھڑا ہوں گا اور اپنے پر پھیلا دوں گا۔ تا کہ کوئی آپ کا امتی گرنے نہ پائے۔ میں نے اس پر کہا ہے۔

لَاغَرْوَ یَا مَعْشَرَ الْإِسْلَامِ اَنَّ لَنَا بِهٖ مِنَ الْفَضْلِ اَوْفٰی اَوْفَرُ النِّعَمِ

مسلمانوں کی جماعت! مایوس نہ ہونا کیونکہ ہمارے لئے مکمل فضل اور کامل نعمتیں ہیں۔

اس کے شروع میں میں نے کہا۔

هُوَالشَّفِیْعُ لِمَنْ زَلَّتْ بِهٖ قَدَمٌ وَكُلُّنَا خَائِفٌ مِّنْ زَلَّةِ الْقَدَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس امتی کی شفاعت فرمانے والے ہیں جس کے قدم پل صراط پر پھسلتے پائیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو قدم پھسلنے کا خطرہ ہے۔ یعنی ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا سہارا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی حضور کی برکات میں سے ایک برکت ہیں۔ اور آپ کے تابع فرمان ہیں۔

اگر تو اعتراض کرے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک مرتبہ قیامت کے متعلق سوال کیا تو اس کو جواب میں آپ نے فرمایا۔ "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" سوال کرنے والے سے زیادہ وہ نہیں جانتا جس سے سوال کیا گیا ہے۔

اسی حدیث کے آخر میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبرئیل تھے تمہارے پاس آئے تھے تا کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں تو ان الفاظ میں اس بات کا اقرار ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معلم ہیں اور یہ بھی کہ وہ قیامت کے علم کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بلاشک معلم ہیں لیکن حضرات صحابہ کرام کے معلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معلم نہیں بلکہ خبر دینے والے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو معلم اس لئے کہا گیا کیونکہ یہ ان باتوں کے سبب بنے تھے جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ورنہ الفاظ حدیث دیکھئے۔ جبرئیل کہتے ہیں "اَخْبِرْنِیْ" حضور مجھے خبر دیجئے۔ ان کے طلب اخبار کے جواب میں خبر دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں گویا جبرئیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ حاصل ہوا اور علم ملا۔ رہا سوال کا دوسرا حصہ جس میں جبرئیل علیہ السلام کا زیادہ عالم ہونا بیان کیا گیا جبکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا۔ تو اس کا معنی

یہ ہے کہ قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ان علوم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا۔ میرے پاس اس علم سے زیادہ نہیں جو تیرے پاس ہے اور جو تو قیامت کے بارے میں اور جس قدر جانتا ہے میرے پاس بھی اتنا ہی ہے اور وہ قیامت پر مطلع ہونا ہے۔ اسی لئے جبرئیل نے جب وقوف علی القیامت سے ہٹ کر قیامت کی نشانیاں پوچھیں تو آپ نے اسے بتادیں اگر یہ معنی نہ کیا جائے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت کی نشانیاں بیان کرنا اس کا کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا۔ جب ہم یہ کہیں کہ آپ اس کی حقیقت جانتے ہیں اور آپ کے پاس اس علم سے زائد علم ہے جو اس کی حقیقت واقعی ہے۔ تبھی بات درست ہوگی۔

حق یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکنونات وغیوبات کا علم تھا اور اس قدر کہ جبرئیل امین علیہ السلام اور کوئی دوسرا اس تک رسائی نہ پا سکا اس بات پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہی تو وہ علم آپ تک پہنچا تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ جبرئیل کو ان باتوں کا علم نہ ہو؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حضرت جبرئیل ان علوم مکنونات ومغیبات کے اصول کو جملۃً پہنچانے والے ہیں۔ ان اصول کلیہ اور مجموعہ علم کی فرداً فرداً جزئیات کا کشف انہیں حاصل نہ تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں۔ کہ ایک قاصد کسی بادشاہ کے احکام کا مجموعہ، کپڑے یا تھیلہ میں لپیٹ کر کسی دوسرے شخص کو دینے جاتا ہے۔ بادشاہ اسے صرف پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ تو جس طرح یہ قاصد نہیں جانتا کہ اس کے تھیلے میں بند احکام کا مجموعہ کیا کیا ہے۔ اسی طرح جبرئیل بھی صرف اسی قدر جانتے تھے کہ یہ احکام مجھے حضور تک پہنچانے ہیں۔ ان کی حقیقت جزئیات سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج جبرئیل کو راستہ میں چھوڑ کر آگے روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں جلوہ گر ہوئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی واسطہ اور ترجمان کے بغیر بہت کچھ عطا فرمایا وہ اس قدر تھا کہ کسی دوسرے میں اس کے اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کو ایسے علوم سکھائے اور انہیں ہدایت فرمائی کہ ان کو پوشیدہ رکھنا ہے حتیٰ کہ ایک صحابی (ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں۔ اگر میں تمہیں وہ علوم بتا دوں تو تم میرا گلہ کاٹ دو یا تم میرے سر پر آری رکھ کر چیر دو۔ وغیرہ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضہ اطہر سے قیامت میں سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے۔ اس وقت برآمد ہونے کے بعد آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہو گی۔ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے اور ابراہیم علیہ السلام قیامت میں دو حلے زیب

تن کئے ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت ان کو حاصل ہے؟

ہم کہتے ہیں ان دونوں امور کے علماء نے کئی جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دونوں باتیں ایک جزئی معاملہ ہیں جو کلی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلی فضیلت پر گفتگو کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خصوصیت ہوسکتا ہے کہ اس لئے ملی ہو کہ دنیا میں آپ کو نمرود کے حکم سے جلائی گئی آگ میں پھینکا گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ اسلام داڑھی کے بغیر ہوں گے کیونکہ دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی داڑھی پکڑی تھی۔ وہ داڑھی ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ لہٰذا یہ ایک جزئی خصوصیت ان بے شمار خصوصیات کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہیں۔ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ صاحب فضیلت میں ایک آدھ بات نہیں پائی جاتی جو اس سے کم درجہ میں دیکھی جاتی ہو۔ علاوہ ازیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے تو آپ نے کپڑے زیب تن کئے ہوں گے اور سواری پر ہوں گے۔ کامل مکمل علی اکمل الاحوال ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات جس سے حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر شرف، رتبہ اور وجود میں آپ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ (موسیٰ علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ جیسا کہ احادیث مشہورہ میں بھی وارد ہے۔ اے اللہ! میں تورات میں ایک شخصیت کی فلاں فلاں صفات لکھی دیکھتا ہوں۔ مجھے بھی ان کا امتی بنا دے۔ فرمایا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ الی آخر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی کئے جانے کی درخواست کر رہے ہیں۔ حدیث معراج میں آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ انہیں وہ وسعت عطا کی گئی جو مجھے عطا نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے بلند آواز سے اور رو رو کر کہنا شروع کر دیا۔ ایک نوجوان جو میرے بعد رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تو نے اے اللہ! اس کو یہ یہ عطا کیا ہے۔ اسی طرح حدیث مشہور کا مضمون ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اپنی امت پر شفقت کی بنا سے تھا کیونکہ ان کے امتی باوجود سخت تکالیف اور احکام شاقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام از روئے حسد نہیں روئے تھے کیونکہ حضرات انبیاء کرام حسد وغیرہ اخلاقی بیماریوں سے بالکل محفوظ و معصوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کا صلہ اور اس کا معاوضہ انہیں یہ عطا کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کا موقعہ ملا اور نمازوں کے معاملہ میں بار بار آپ سے ملاقات اور بالآخر پانچ پر

کر رک جانا یہ گفتگو اور ملاقات وزیارت اسی بات کے صلہ میں عطا ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوح محفوظ میں دوسری امتوں کے بارے میں یوں مرقوم ہے جس نے اطاعت کی اس کے لئے جنت اور جس نے نافرمانی کی اس کیلئے جہنم ہے۔ وہاں اس امت کیلئے یہ تحریر ہے۔ اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ۔ گنہگار امت اور بخشنے والا رب۔ یہ اس لئے کہ اس امت کے تمام لوگوں کی حالت دو قسم پر ہے یا مومن یا کافر۔ اور کافر اجماعاً دوزخی ہے۔ پھر مومن کی دو قسمیں ہیں۔ فرمانبردار اور نافرمان۔ فرمانبردار بھی اجماعاً جنتی ہے۔ نافرمان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ توبہ کر لینے والا اور بن توبہ مر جانے والا۔ توبہ کر لینے والا بھی اجماعاً جنتی ہے اور وہ گنہگار و نافرمان جو توبہ کئے بغیر مر گیا۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے گا تو عذاب دیگا اور اگر چاہے گا تو بخش دے گا۔ کسی عقلمند کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اس امت پر تکلیف میں کمی کی گئی ہے اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کی وجہ سے ہے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی۔ "اے اللہ! ہم پر بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلی امتوں پر ڈالا" آپ کی درخواست منظور ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ملا کہ ہم آپ کی امت کو آسمانی عذاب اور زمین میں دھنس جانے کا عذاب نہیں دیں گے۔ نہ ہی آپ کی امت کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔

ان آسانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کے دیئے گئے صدقات وزکوٰۃ اپنے پیٹ میں ڈالتے ہیں۔ قبولیت کا یہی طریقہ ہمیں بتایا گیا۔ لیکن پہلی امتوں کے باہم صدقات کھانے کی بجائے آگ نکل کر کھایا کرتی تھی۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے ہمارے گناہ دوسروں پر ظاہر فرما کر رسوا نہیں کیا حالانکہ پہلی امتوں کے گناہ دوسروں پر ظاہر کر دیئے جاتے تھے اور نہ ہی نجاست والی جگہ اور کپڑے کو کاٹ کر پھینک دینے کا حکم اس امت کیلئے باقی رکھا گیا جیسا کہ پہلی امتوں پر تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے "میں سیدھی سادی اور اعلیٰ ملت دے کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھے دیا گیا۔ "دین" آسان ہے اور کوئی شخص جب دین پر سختی کرتا ہے تو وہ سختی اس پر لوٹتی ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے مختلف طریقوں سے لوگوں کے ساتھ پیش آتے کبھی تو تکلیف میں کمی کر دی جاتی کبھی سونا چاندی دیکر اسلام کی محبت پیدا کی جاتی۔ "ثقیف" سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بیعت لی۔ تو یہ شرط تھی کہ ان پر زکوٰۃ اور جہاد کا حکم نہیں ہوگا۔ اور فرمایا خود زکوٰۃ بھی دیا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ ایمان کی شان یہی ہے۔ جب وہ دل میں گھر کر لیتا ہے تو اس کے احکام خوش دلی سے آدمی بجا لاتا ہے۔ بلکہ صدقات کے مستحقین میں خود اللہ تعالیٰ نے تالیف قلب کیلئے ایک طبقہ کو مستحق قرار دیا۔ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ

136 علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور کریم النفس ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ان اوصاف کو جامع انداز میں یوں بیان فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ (القلم) ایسے کیوں نہ ہوتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کی فضیلت، محاسن اخلاق اور تمام انبیاء کرام رسولان عظام کی صفات آپ کی ذات مقدسہ میں جمع فرما دیں۔

جناب عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی قول میں یہ انوکھی بات لکھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب ایک ایک پیغمبر کے اوصاف سے موازنہ کیا جائے خواہ وہ کوئی پیغمبر ہو۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے افضل ہیں۔ لیکن تمام سے افضل ہونے کا قول نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے خلاف خود انہی (عز بن عبدالسلام) کے بعض اقوال ایسے ہیں جن میں انفرادی اور اجتماعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ یعنی اجتماعی طور پر فضیلت کا انکار قابل رد و تردید ہے۔ کیونکہ جس عقیدہ پر علماء اور خود امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں۔ موصوف کی مذکورہ بات کی تردید حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰت والسلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ "بِهٰذَا فُضِّلَكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ" بیت المقدس میں شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطاب کے موقعہ پر حضرت خلیل اللہ نے کہا تھا۔" اسی بنا پر تم سب پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت دی گئی ہے"۔

جو شخص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال، اقوال، احوال و کمالات و معجزات کا احاطہ کرنا چاہے اور تمام سمندروں دریاؤں کے پانی کو سیاہی اور تمام درختوں کے قلم بنالے اور اسے اتنی عمر اللہ تعالیٰ دیدے کہ لکھتے لکھتے سیاہی ختم ہو جائے اور تمام قلم گھس جائیں پھر بھی ان کی حد تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس قدر وسیع ہے، اس کے مواہب و انعامات اس قدر لاتعداد ہیں کہ ان کو تحریر میں لانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عطیہ جات اور انعامات اس قدر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے اور ایسے عطا فرمائے کہ کسی آنکھ نے نہ انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علماء کے جم غفیر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث شریفہ کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ باوجود اس کے انہیں ہر طرح کی قدرت حاصل تھی اور ہر طرح کے اسباب مہیا تھے۔ حالات بھی موافق تھے۔ علم و عمل میں وسعت بھی رکھتے تھے، کتب احادیث پر خوب اطلاع بھی تھی۔ مال، جاہ، کتب اور عمر کسی میں کمی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ایسا نہ

کر سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بلکہ وہ آپ کے فضل کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔ اگر انہیں دوبارہ اتنی عمر دیدی جاتی۔ بلکہ صدیوں زندہ رہتے اور یہی کام کرتے رہتے تو بھی کنارہ نہ پاتے۔ امام حافظ السیوطی رضی اللہ عنہ نے ان علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے ''جامع الکبیر'' تصنیف فرمائی۔ ان کا انتقال ہو گیا لیکن کام ادھورا رہ گیا۔ مذکورہ ''جامع الکبیر'' آج تک مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلائل عقلیہ ونقلیہ تفصیل سے وافر مقدار میں مل جائیں تو اس کیلئے کتاب وسنت کے علاوہ الشفاء اور مواہب لدنیہ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم نے جو کچھ لکھا۔ محبت والوں کیلئے بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض ہے اور امید ہے کہ وہ ہمیں کل قیامت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معیت عطا فرمائے گا اور فضل وکرم سے بہرہ ور فرمائے گا۔ لیکن امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول (شعر) کتنا حسین ہے۔ اسی طرح اس کے دوسرے اشعار بھی نہایت خوبصورت ہیں۔

كَيْفَ تَرْقَى رُقِيَّكَ الْاَنْبِيَآءُ     يَا سَمَاءً مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ

آپ کی بلندی ورفعت مقام حضرات انبیاء کرام کیسے پا سکتے ہیں۔ آپ بلندیوں کا وہ آسمان ہیں کہ یہ آسمان بھی ان کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا۔ کون ابن عباس؟ وہ جنہیں قرآن کریم کے اسرار کی معرفت عطا کی گئی۔ کیونکہ آپ ''ترجمان القرآن'' ہیں وہی ابن عباس جن کیلئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ ''اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ'' اے اللہ! ابن عباس کو دین کی خوب سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔ ایک روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں۔ ''اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ'' اے اللہ! اسے قرآن کریم کی تعلیم عطا فرما۔ یہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا عَلَى اَهْلِ السَّمَآءِ وَ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ الْاُخَرِ'' اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام آسمان والوں اور تمام پیغمبروں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب کی طرح ہے۔ جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ذرا ان اوصاف پر بھی نگاہ ڈالو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (احزاب)

اس کے ساتھ اس برأت پر بھی نظر کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے قرآن کریم میں ذکر فرمادی۔ آپ کے سوا کسی اور پیغمبر کیلئے ایسی بات کا اتفاق نہ ہوا۔ اگر چہ تمام پیغمبر صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے عمداً سہواً قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ جیسا ہمارا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾ (الفتح)

"بیشک ہم نے آپ کیلئے فتح مبین کھول دی۔ تا کہ آپ کی خاطر آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کردے۔ اور اپنی نعمت آپ پر مکمل کرے اور صراط مستقیم پر آپ کو قائم رکھے اور آپ کی غالب مدد کرے"۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "امت ستر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جو تین گروپوں میں بٹے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے ایک گروہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دینے والا ہوگا۔ اور دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام پر فضیلت کا قائل ہوگا۔ تیسرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پر افضل سمجھتا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے موقف ونظریہ کی دلیل بھی ہے۔ لہٰذا فضیلت کسی ایک کیلئے بالاتفاق ثابت نہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے ان میں سے ہر ایک طبقہ کے پاس دلیل ہے۔ لیکن ایسی دلیل جو صواب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہے وہ انشاء اللہ تیسرے فرقہ کی دلیل ہے۔ اکثریت بھی ان کی ہے۔ ان کیساتھ ان لوگوں کا قول ضعیف قرار پائے گا۔ حتیٰ کہ اس اکثریتی عقیدہ کی مخالفت کرنے والے برائے نام ہو جائیں گے اور اسی پر اجماع منعقد ہے جب تم نے ہماری تقریر سن لی۔ تو تم پر لازم ہے۔ کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے چلے (فوت ہو جائے) تو تیرا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اگر ایک پلڑا میں رکھی جائے اور دوسرے پلڑے میں بشمول تمام انبیاء کرام وملائکہ تمام مخلوق کی فضیلت ڈالی جائے اور ان کا شرف ان کی کرامت و بزرگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت و بزرگی سے مقابل کی جائے تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پلڑا وزنی ہوگا۔ اگر چہ ان تمام حضرات کی ایک نہیں کئی گنا فضیلت جمع کر لی جائے تب بھی رجحان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وشرافت وکرامت کا ہی ہوگا اور یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ تم جانتے ہو کہ

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكِرٍ ۔۔۔ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی نرالی اور مشکل بات نہیں کہ ایک فرد میں تمام کائنات جمع فرمادے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ "فردکامل" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اس آیت سے واضح ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو بطور حکایت بیان فرمائی۔ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف:6) میں ایک عظیم رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا اسم گرامی "احمد" ہے۔ تمام عقل مند اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جب کوئی خوشخبری دینے والا آنے والے بادشاہ کی بشارت دیتا ہے تو ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ دونوں کے مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ہمیں جناب عزبن عبدالسلام رضی اللہ عنہ سے بذریعہ نقل یہ بات پہنچی۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے ایک عیسائی کے مقابلہ میں مناظرہ کے وقت احتجاج (دلیل پیش کرنا) کیا۔ اس عیسائی کا خیال تھا کہ "زندہ" مرنے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ اس نے ارادہ یہ کیا تھا۔ کہ "زندہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور فوت شدہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور عیسائی نے امام موصوف سے ان کی دلیل سننے کے بعد کہا۔ مجھے میرا تھوک نگلواؤ۔ موصوف نے کہا تم تھوک کہتے ہو میں تمہیں دجلہ نگلواؤں گا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ شیخ عزبن عبدالسلام رضی اللہ عنہ ارباب احوال میں سے تھے آپ کے مذکورہ الفاظ کہتے ہی اس عیسائی کا دل پھٹ گیا، اس کا پیٹ جاری ہو گیا اور اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہر زندہ ہر میت سے من کل الوجہ افضل نہیں۔ مذکورہ بات مطلقاً کہنا جہالت ہے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ جب شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں تو پھر حضرات انبیاء کرام کی انتقال کے بعد زندگی کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں نے بھائی موسیٰ کو ان کی قبر میں کھڑے نماز ادا کرتے دیکھا۔ علاوہ ازیں حق یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبر انور میں زندہ ہیں۔ نماز ادا فرماتے ہیں، روزہ رکھتے اور دیگر عبادات بجالاتے ہیں۔ اپنی امت پر پھیرا رکھتے ہیں۔ امت کے اقوال واعمال واحوال آپ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ملکیت کو باقی رکھا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی ملکیت ختم کرکے ورثاء میں تقسیم نہیں فرمائی (مثلاً باغ فدک وغیرہ) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے آپ کے اہل وعیال پر

خرچ کرتے رہے۔

اگر تم کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میرے دل پر بھی خیالات کا حملہ ہوتا ہے۔ میں رات دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ استغفار گناہوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم ہونے کے یہ حدیث خلاف ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہ ہوں کیونکہ استغفر اللہ اور ایسے ہی دیگر الفاظ عبادت کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان کی ادائیگی پر ثواب ملتا ہے۔ (تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول ثواب کی خاطر الفاظ مذکورہ کہے نہ کہ گناہوں کی معافی کیلئے) حضرات علماء کرام نے اس (اور اس قسم کے دوسرے اقوال) کے بہت سے جوابات دیئے ہیں اور اس موضوع پر ان کی مشہور تقاریر و مقالات ہیں۔ ان سے زیادہ وزنی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دن ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ بلکہ ہر لحہ ترقی کی منزلیں طے فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تکمیل کے مطابق ان مقامات تک تشریف لے جا رہے ہیں۔ جن کی طرف کسی دوسرے کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے حضرات ترقی و کمال میں باہم متفاوت ہیں۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترقی کر کے بالائی مقام سے نچلے مرتبہ کی طرف نظر فرماتے تو اسے غیر کامل جان کر استغفار فرماتے۔ یہ بات "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ" کے قبیلہ میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام سے استغفار فرماتے اور اس سے اعلیٰ مقام اور زیادتی مراتب کے طالب ہوتے یہ اس اللہ کی وسعت فضل کا مظاہرہ ہے۔ جس کا ادراک ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آپ سے کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکر باری تعالیٰ ادا کرتے ہوئے زیادتی انعامات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براءۃ (عصمت وعفت) کا مژدہ پہلے سنا دیا گیا۔ آپ اس کے شکر میں اس قدر کوشش فرماتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس بارے میں کچھ عرض کیا۔ تو فرمایا "اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا" کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! یہ فائدے تمہارے حفظ کرنے کے لائق ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ذرا اس طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام اور توقیر و تعریف کس قدر اپنی مخلوق پر لازم فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الآیۃ (الحجرات:2) "اے مومنو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرنا اور نہ ہی ان سے زوردار آواز سے گفتگو کرنا جیسا تم آپس میں کرتے ہو۔ کہیں تمہاری

ساری نیکیاں برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو"۔ علماء اہل السنۃ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ جو مدون ہیں وہ یوں سمجھا جائے کہ یہ آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی نظر رہے۔ وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (احزاب:33) "تمہارے لئے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی شادی کرو"۔ نیز قول باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب) "بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی مکرم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ مسلمانو! تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی۔ "لَعَمْرُکَ" اسی کی طرف میں نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے۔

فِي الْحِجْرِ قَدْ اَقْسَمَ اللّٰهُ الْعَظِيْمَ بِهٖ لَعَمْرُهٗ اِنَّ هٰذَا اَشْرَفُ الْقَسَمِ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر مبارک کی قسم اٹھائی۔ بخدا! یہ اشرف قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی صفت محبوب کا مرقع ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب:6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب وعزیز ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ عالیہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی جس انداز سے بیان فرمائی۔ وہ بھی قابل مطالعہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو جو تعلیم وارشاد سکھایا جس کی بدولت وہ صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔ اس کا نمونہ "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا سلام جو فرشتہ کے ذریعہ آپ کی زوجہ مقدسہ سیدہ خدیجہ تک پہنچایا گیا اور جنت میں ان کی رہائش کی خوش خبری سنائی گئی۔ جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی تکلیف کا نام تک نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت وثناء بیان کی۔ یہ تمام آیات ودلائل اس کے شاہد ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی توقیر وتعظیم بے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رضا اور دل جوئی فرماتا ہے۔ آپ کے تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے پر دلائل قطعیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ "خاتم النبیین" ہیں۔ کسی چیز پر مہر اس وقت لگائی جاتی ہے جب وہ مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:40)۔ اور حدیث پاک ہے۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ میرے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں۔ یہ بالاجماع ہے اس مسئلہ میں آپ کی امت

میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

اگر تم کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو کون سے مذہب کے مطابق حکومت کریں گے کیونکہ امت میں بہت سے مذاہب ہیں؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام وقدر ومنزل اور فہم وفراست اس قدر ارفع واعلیٰ ہے کہ انہیں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ یا ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی کے وہ محتاج نہیں۔ بلکہ وہ خود احادیث مقدسہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ پڑھیں گے اور اگر کسی مسئلہ میں الجھاؤ محسوس ہوا تو سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر تشریف لائیں گے آپ سے اس کے بارے میں عرض کریں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے "وَاِنْ جَاءَ قَبْرِیْ عِیْسٰی وَسَأَلَنِیْ عَنْ شَیْءٍ لَاُجِیْبَنَّهٗ" اگر حضرت عیسیٰ میری قبر پر آئے اور مجھ سے کسی چیز کا سوال کیا تو میں یقیناً انہیں جواب دونگا۔ یہ روایت "کتاب الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام" میں ہے۔ جو امام علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس سے مزید استفادہ کرنا چاہئے۔

جب تم میری گزارشات پڑھ چکے تو آخر میں ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ دشمن (جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کا انکار کیا) جو گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے۔ اپنے غلط عقیدہ سے واپس آ گیا تو بہتر اور بہت خوب کیونکہ واپس آ جانا قابل تعریف ہے۔ اور اگر اسی غلط نظریہ پر قائم رہا تو یقیناً اس کے عقائد فرقہ سوفسطائیہ سے ملتے ہیں جو حقائق اشیاء کے منکر ہیں۔ ان کے ساتھ مناظرہ کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ پھر اگر آگ کے جلانے کی حقیقت تسلیم کر لیں تو باہر نکال لیا جائے ورنہ جل کر خاک ہو جائیں۔ لہٰذا اگر یہ مخالف اپنی گمراہی اور جہالت پر بضد قائم رہتا ہے تو حاکم شرعی پر اور مسلمانوں کے حکمران پر واجب مؤکد ہے کہ اسے جب اس کی خبر ملے تو اسے بزور اس عقیدہ سے باز رکھے اسے سخت ترین تنبیہ کرے، ڈانٹ پلائے، سخت تعزیر لگائے، خوب مارے پیٹے، قید میں رکھے، جوتیوں سے مرمت کرے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بہتر سمجھے اس کے ساتھ ویسے ہی کرے۔ یہاں تک کہ مختلف قسم کی تعزیرات انتہائی طور پر اس پر نافذ کر دے۔ جیسا جاہلوں، بے دینوں، اسلام مخالف اور اسلام دشمنوں کیلئے ہوتی ہیں۔ کیونکہ شریعت کے قانون ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اسے توبہ کی توفیق بخشے۔ اسے، مجھے اور تمام مسلمانوں کو بہترین حالات کی طرف لوٹائے۔ اور یہ کہ ہم سب کو اَفْضَلُ الْخَلْقِ عَلَى الْاَطْلَاقِ حَالاً و مآلاً جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت بخشے۔ اور ہمیں آپ کے ساتھ کل قیامت میں جمع فرمائے۔ بفضلہٖ و

کرمہ سبحانہ وتعالیٰ۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ سُبْحَانَ رَبِّنَا رَبِّ الْعِزَّةِ وَالْكِبْرِيَاءِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

تنبیہ: اس کتاب کا مصنف فقیر یوسف نبہانی عرض کرتا ہے کہ رسالہ مذکورہ کے مولف جناب نورالدین بن جزار نے رسالہ میں یہ ذکر کیا کہ امام شمس الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے شیخ امام شہاب الدین رملی کے فرزند ہیں۔ انہوں نے بھی اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا سبب تالیف جو انہوں نے اس رسالہ کے شروع میں لکھا۔ وہ یہ بنا کہ ایک بدعتی، مرجانا یہ بکتا ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''افضل الخلق'' نہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ خبیث آدمی وہی ہے جس کا واقعہ امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے ''الطبقات'' میں نقل کیا ہے۔ میں نے علامہ شعرانی کا کلام ان کے تذکرہ میں اسی کتاب جواہر البحار ص ۴۲۱ میں نقل کر دیا ہے۔ وہ یوں تھا۔ ۱۹۵۱ھ میں ایک واقعہ رونما ہوا کہ ایک شخص زعم رکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں...... آگے چل کر لکھا۔ مصر کے علماء نے اس کی خبر لی اور اس کے رد میں بہت سی تصانیف لکھیں۔ کیونکہ اس سے اس نظریئے کا ثبوت سمجھ لیا گیا تھا۔ ان علماء میں سے سیدی محمد البکری، سیدی محمد الرملی، شیخ ناصر الدین طبلاوی اور شیخ نور الدین الطنتدائی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان تصنیفات کو جانے پہچانے لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ سننے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فَافْهَمْ ذَالِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اھ

تم دوبارہ امام شعرانی کی ان کے تذکرہ میں عبارت پڑھو گے تو تمہیں جواب کی تصریح ملے گی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَمِنْهُ الصَّوَابُ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کے مولف ابن جزار رضی اللہ عنہ امام شعرانی رضی اللہ عنہ کے ہم عصر ہوئے ہیں اور ان مصنفین میں سے ایک یہ بھی ہیں جنہوں نے اس عظیم الشان موضوع پر قلم اٹھایا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

# الامام الادیب بدرالدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی
## صاحب کتاب ''نسیم الصبا''
## المتوفی ۷۷۹ھ

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کی کتاب ''النجم الثاقب فی اشرف المناقب'' ہے۔ جس کو انہوں نے تیس فصلوں پر مرتب کیا۔ اس کا انداز تحریر ان کی کتاب ''نسیم الصبا'' کا سا ہے۔ سجع بندی، بدیع ہوتے ہوئے معانی، بیان اور علم بدیع کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کا موضوع آقائے دوعالم سیدنا محمد الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مبارکہ ہیں۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حرف بحرف اس کتاب کو نقل فرمایا۔ ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَلِيِّ الْحَمِيْدِ – الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدِ – الْفَتَّاحِ الْعَلِيْمِ – رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ – اَلَّذِیْ يَخُصُّ مَنْ يَّشَآءُ بِمِنَا جَاتِهِ – وَيَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ – وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ – عَلٰى رَافِعِ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ – الْمُرْسِلِ بِالرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ – والْمَبْعُوْثِ لِكَشْفِ الظُّلْمِ وَالظُّلْمَةِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِفَضْلِهِ الْمُقْتَرِبَ وَالْمُغْتَرِبَ – مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ – وَعَلٰى آلِهِ الْاَبْرَارِ – وَاَصْحَابِهِ الاخيَارِ – مَاجَرَتْ الْاَنْهَارُ وَتَعَاقَبَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ – وبعدُ – فَهٰذِهِ اَوْرَاقٌ – اَيْنَعَ ثَمَرُ اَغْصَانِهَا وَرَاقَ – تَشْتَمِلُ عَلٰى ثَلَاثِيْنَ فَصْلًا – مُحْرِزَةٍ فِیْ مَيْدَانِ الْاِيْمَانِ لِلسَّبْقِ خَصْلًا – حامِلَةً اَلْوِيَةَ الشَّرَفِ – رَافِلَةً فِیْ مَطَارِفِ الطُّرَفِ – مُفْصِحَةً بِتَعْرِيْفِ اَحْوَالِ الْمُصْطَفٰى – مُنْجِحَةً قَصْدَ مَنْ اِتَّبَعَ آثَارَهٗ وَ اِقْتَفٰى – نَحَوْتُ بِهَا نَحْوَ الْقَاضِیْ عَيَاضٍ فِیْ شِفَآئِهٖ – مُهْتَدِيًا بِالنَّا شِطَاتِ السَّابِحَاتِ فِیْ فَلَکِ سَمَآئِهٖ – وَسَمَّيْتُهَا النَّجْمَ الثَّاقِبَ فِیْ اَشْرَفِ الْمَنَاقِبِ – وَ عَلَى اللّٰهِ اَتَوَكَّلُ فِی الْحَرَكَةِ وَالسُّكُوْنِ وَ بِرَسُوْلِهٖ اَتَشَفَّعُ يَوْمَ لَايَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَابَنُوْنَ –

يَا خَيْرَ مَبْعُوْثٍ لَهٗ طَلْعَةٌ ... نُوْرُ الْهُدٰى مِنْهَا اَقَرَّ الْعُيُوْنَ
جِئْتُ اِلٰى نَادِيْکَ اَرْجُوالنَّدٰى ... مِنْ غَيْثِ كَفَّيْکَ الْمُغِيْثِ الْهَتُوْنَ
كُنْ لِیْ شَفِيْعًا فَارْتِكَابُ الْهَوٰى ... اَوْقَعَنِیْ بَيْنَ الشَّجٰى وَالشُّجُوْنَ

صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَاھَزَّتِ الرِّیْحُ قُدُوْدَ الْغُصُوْنِ

تمام انبیاء کرام میں سے بہترین آپ کا چہرہ پاک ہدایت کا نور ہے جس سے آنکھیں ٹھنڈک وقرار پاتی ہیں میں آپ کے درِ دولت اور مجلس مبارک میں حاضر ہوا ہوں آپکی فیوض و برکات کی سخاوت کا طالب ہوں، آپ کے ان ہاتھوں سے لینا چاہتا ہوں جو پانی سے بھرے بادل کی طرح ہیں۔ حضور! آپ مجھ گنہگار کے شفاعت فرمانے والے ہو جائیں۔ کیونکہ خواہشات میں پڑ کر میں تکالیف اور پریشانیوں میں گھر چکا ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر صلوۃ وسلام اس وقت تک بھیجتا رہے جب تک درختوں کی ٹہنیوں کو ہوا ہلاتی رہے۔

نوٹ: درج بالا اشعار سے پہلے عربی خطبہ کو جوں کا توں لکھ دیا گیا ہے۔ تا کہ اس سے مصنف کی فصاحت وبلاغت کا پتہ چل سکے اسی انداز میں پوری کتاب لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خطیب حضرات کیلئے بہترین الفاظ میں مذکورہ الفاظ خطبہ میں کام دے سکتے ہیں۔

پہلی فصل

# اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرِ عظیم اور فضل جلیل کا کچھ تذکرہ

اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں توفیق سے بہرہ ور فرمائے اور ہدایت و سلام کا تحفہ عنایت فرمائے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق تمام انسانوں سے افضل ہیں اور اولادِ آدم پر آپ کی سیادت پر ظاہر و باہر دلائل شریفہ موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجہ اور قرب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور غیب و شہادت کے جاننے والے کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر کریم و اکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیشمار مناقب سے مخصوص فرمایا۔ فضائل عظیمہ سے متصف فرمایا اور بکثرت محامد سے نوازا۔ اعلیٰ ترین کرامتوں کا حامل بنایا۔ دنیا و آخرت میں آپ کے ارشادات و مقامات کو علو عطا فرمایا۔ آپ کے مبارک ہاتھوں پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائیں۔ آپ کی شہرت کے جھنڈے گاڑے۔ تمام محاسن کا آپ کو جامع بنایا۔ عنایت کے چشمہ سے ایسا پانی آپ پر برسایا جس میں ٹھہراؤ اور رکاوٹ نہیں۔ اپنے خاص اور پیارے بندوں پر آپ کو فضیلت بخشی۔ اپنی کتاب قرآن کریم میں جابجا آپ کی صفت و ثناء کہی۔ مہینہ بھر کی مسافت کا رعب دیکر نصرت فرمائی۔ تا قیامت آپ کے معجزات کو دوام بخشا۔ تمام روئے زمین کو جن کیلئے مسجد اور طہور بنایا اور جس نے آپ کے چہرۂ کریم کی طرف ایک نظر کی اسے تر و تازگی اور خوشی سے بھر دیا آپ کے لئے غنائم حلال فرمادیں۔ آپ کے وسیلہ سے مشکلات دور کیں۔ پوری انسانیت کیلئے رسول بنا کر مبعوث کیا۔ ہر وقت آپ کے چاروں طرف حفاظتی فرشتے مقرر کئے۔ منصب شفاعت کبریٰ تفویض فرمایا۔ قیامت تک کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ ہر قسم کی تکلیف آپ سے دور فرما کر آپ پر احسان و سکینہ اتارا۔ عرش معلیٰ پر آپ کا اسم گرامی لکھا۔ جنت کی ہر اہم جگہ آپ کا نام مبارک تحریر کیا۔ آپ کے اوصاف کھل کر بیان فرمائے اور آپ کو اس بات سے نوازا کہ آپ کی امت نہ پیاسی ہوگی اور نہ مغلوب۔ آپ کی براعت اور خوش بیانی سے تائید کی اور ہر عمدہ خلق آپ کی ذات میں جمع فرمادیا۔

تَبَارَکَ مَنْ حَمَاهُ وَ مَنْ حَبَاهُ ۔۔۔ بِحُسْنِ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ الْعَظِيمِ
وَأَغْنَى أَهْلَ مِلَّتِهِ بِدُرٍّ ۔۔۔ أَتَى مِنْ بَحْرِ مَنْطِقِهِ نَظِيمِ

وَصَيَّرَهٗ لِمَنْ يَرْجُوْهُ كَهْفاً وَعَرَّفَهٗ بِاَصْحَابِ الرَّقِيْمِ
وَسَدَّدَ قَوْلَهٗ وَ بِهٖ هَدَانَا جَمِيْعاً لِلصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ

تمام برکات اس ذات لاشریک کیلئے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت فرمائی اور اپنا محبوب بنایا اور بہترین صورت مبارکہ اور عظیم اخلاق سے مزین فرمایا اور آپ کی ملت کے افراد کو ایسے موتی دیکر غنی کر دیا جو بے مثل سمندر سے لائے گئے اور آپ کو ہر امیدوار کی کہف و پناہ بنایا اور اصحاب کہف واصحاب رقیم سے تعریف کی۔ آپ کی ہر بات کو درست اور سچا کیا۔ اور آپ کے ذریعہ ہم سب کو اللہ نے صراط مستقیم کی ہدایت دی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''جوامع الکلم'' اور ''خواتم الکلم'' عطا فرمایا۔ اگلے پچھلے تمام کے فضائل کا جامع بنایا۔ جلال و جمال کی خلعت عطا فرمائی۔ شرف وکمال کی بلندی پر بٹھایا۔ آپ کی رہنمائی اور اقتدار پر دنیا کو برانگیختہ کیا۔ آپ کے اوامر ونہی کی پابندی کا حکم دیا۔ آپ کی طاعت میں داخلہ لازم کر دیا۔ آپ کی سنت اور آپ کی جماعت کی اتباع پر ابھارا اور اپنی جناب میں آپ کی اعلیٰ شان کی آگاہی دی۔ آپ پر ایمان لانا اور صلوۃ وسلام بھیجنا فرض کیا۔ فرشتوں سے آپ کی تائید فرمائی آپ کے مبارک ہاتھ سے صدقات وخیرات کی نہریں جاری فرمائیں۔ آپ کو اپنا قرب اور دنو عطا فرمایا۔ آپ کی طرف قرب خاص میں وحی اتاری اور سرگوشی فرمائی۔ آپ کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ دنیا وآخرت میں آپ کے کرم کے ڈنکے بجائے۔ شرف کے اعلیٰ مقام پر آپ کا منصب بنایا اور آپ کا مرتبہ انتہائی بلندی تک بلند کیا۔ طاعت کے ذریعہ آپ کو معزز کیا۔ قناعت سے آپ کو غنی بخشی۔ آپ کیلئے اعیان میں انقلاب وتبدیلی کی۔ آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا۔ تمام معارف پر مطلع فرمایا۔ قبولیت کے بہترین بادل آپ پر برسائے بہت سی خصوصیات کا والی بنایا۔ عیوب ونقائص سے محفوظ رکھا۔ آپ کو ایسا بہترین جسم عطا فرمایا کہ اس سے بڑھ کر تعدیل نہ ہو سکتی تھی۔ ایسا ادب سکھایا کہ خوب صاحب ادب کر دیا۔ اور جو کچھ نہ جانتے وہ سب کچھ بتا دیا۔ ہر مشکل و پیچیدگی کا حل آپ کے ہاتھ میں دیا اپنا خلیل وحبیب بنایا۔ دار سعادت میں جلیل مقام عطا کیا۔ محبت میں غایت مطلوب بنایا۔ ماضی اور مستقبل میں امکانی گناہ معاف کر دیئے۔ کیونکہ محبوب سے غلطیوں کا مواخذہ نہیں کیا جاتا۔

هُوَالْحَبِيْبُ الَّذِیْ اَنْوَارُ طَلْعَتِهٖ تَخْفَى إِذَا عَايَنَتْهَا الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
هُوَالْإِمَامُ الَّذِیْ مُذْ آنَ طَالِعُهٗ سُرَّ الزَّمَانُ بِهٖ وَاسْتَبْشَرَ الْبَشَرُ
قَدْ خُصَّ بِالْخُلَّةِ الْمَأْنُوْسُ مَعْهَدُهَا وَبِالْمَحَبَّةِ مِمَّنْ اَمْرُهٗ قَدَرُ

لَاغَرْوَ اِنْ عَادَ بِالْغُفْرَانِ مُغْتَبِطاً　　اِنَّ الذُّنُوْبَ مِنَ الْمَحْبُوْبِ تُغْتَفَرُ

وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حبیب ہیں کہ جب آپ کے رخ انور کو سورج چاند نے دیکھا تو اپنا منہ چھپا لیا۔ وہ ایسے امام زمانہ ہیں کہ جب سے تشریف لائے زمانہ نے خوشی منائی اور انسان ہشاش بشاش ہو گیا آپ کو خلت کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور آپ کی محبت کا قادر و قیوم نے حکم دیا یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں کہ آپ کے امکانی گناہ معاف کر دیئے اس لئے کہ محبوب کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی توقیر اور آپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا واضح حکم دیا اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنا اور آپ کی قدر و منزلت پہچاننا بذریعہ حکم لازم کر دیا، ہر قسم کی پاکدامنی اور حفاظت آپ کی جبلت و فطرت میں کر دی گئی۔ عدل و انصاف کا ترازو آپ کو دیا گیا۔ موجودات کے وجود کو آپ سے زینت بخشی۔ ان کے گلے میں وعدوں کے ہار ڈالے گئے۔ اپنے مخصوص اور محفوظ راز کا آپ کو امین بنایا۔ لوح محفوظ میں قرآن کریم کے ذریعہ مضبوط کیا۔ آپ کو اپنے اسماء سے موسوم کیا۔ اپنے پیغمبروں کی خوشبو کا خاتم بنایا۔ رفعت مکان اور عظمت شرافت سے بلندی بخشی۔ افق سے کہیں اوپر منزل عطا فرمائی۔ بلندیوں کی چوٹی پر فائز کیا۔ پہلوئے مبارک کو ساتھیوں کیلئے نرم کر دیا اور آپ کی ذات کریمہ کو مجسمہ لطف بنا دیا۔ آپ کے صدقے اور وسیلہ سے اندھوں کی آنکھیں وا کیں۔ بہروں کو قوت گویائی عطا کی۔ دلوں کے غلاف اتارے۔ آپ کے واسطہ سے آپ کی امت کو اعلیٰ درجات عطا ہوئے۔ نہ امتیوں پر اور نہ ہی آپ پر آپ کے دین میں کوئی تنگی و حرج رکھی۔ بندوں کیلئے جو چیزیں باعث زینت ہوتی ہیں ان سے آپ کی پہچان کرائی۔ آپ کی نبوت اس وقت بھی تھی جب آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے مابین تھے۔ جو بھی نبی تشریف لائے آپ کے مسلک اور آپ کی لغت کا ذکر کرتے آئے۔ تمام انبیاء سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا پختہ عہد لیا۔ جب آپ ان میں سے کسی کے دور میں تشریف لائیں۔ آپ کو جو فضیلت بخشی گئی کسی پیغمبر کو وہ عطا نہ ہوئی۔ اور دیگر پیغمبروں کو جو فرداً فرداً فضائل ملے۔ وہ سب اور ان سے زیادہ فضائل آپ کو عطا ہوئے۔ فضل و کرم کی ایسی بارش آپ پر برسائی کہ بادل اس کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور یخ بستہ ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی پکار اٹھے کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان مارے لیکن مثل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی آدمی نہ دیکھا۔

يَا رَاغِبًا فِيْ حَصْرِ فَضْلِ مُحَمَّدٍ　　خَفِّضْ عَلَيْكَ فَفَضْلُهُ لَايُحْصَرُ

اِنْ قُلْتَ مِثْلَ الرَّمْلِ اَوْمِثْلَ الْحَصَا　　اَوْمِثْلَ قَطْرِ الْغَيْثِ قُلْنَا اَكْثَرُ

اَكْرَمْ بِهٖ مَوْلًى عَلِيًّا قَدْرُهٗ　　مُتَقَدِّمًا كُلٌّ لَهٗ يَتَاَخَّرُ

ذَا رُتْبَةٍ عِنْدَ الْاِلٰهِ عَظِيْمَةٍ مَعْرُوْفُهَا بَيْنَ الْوَرٰى لَايُنْكَرُ

صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا هَبَّ الصَّبَا مِنْ نَحْوِ رَوْضَتِهِ الْخَطِيْرَةِ يَخْطُرُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کے شمار کرنے میں رغبت رکھنے والے ذرا اپنے حال پر رحم کر۔ کیونکہ آپ کے فضائل ان گنت ہیں۔ (تو قطعاً گن نہیں سکے گا) اگر تو کہے کہ آپ کے فضائل ریت کے دانوں، کنکریوں کی تعداد یا بارش کے قطروں کی مثل ہیں تو ہم کہیں گے ان سے کہیں زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا صاحب کرم وفضل بنایا ہے کہ جو حضرات عالی قدر ہیں وہ آپ کے پیچھے ہی ہیں۔ اللہ رب العزت کے ہاں آپ ایسے عظیم رتبہ کے مالک ہیں جسے سب دنیا جانتی ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا رہے جب تک آپ کے بلند وبالا اور مقدس روضہ کی جانب سے ہوا آتی رہے۔

دوسری فصل

# قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے
# جو آپ کی ثناء بیان فرمائی اس کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں "عرب" کو خبر دی کہ میں نے تمہاری طرف تم میں سے ہی ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث کیا ہے، جو تم میں عالی قدر ہے اور تم سب ان کے مقام و مرتبہ کو جانتے ہو۔ ان کی صداقت و امانت کے قائل ہو۔ جو بات تمہیں مشقت میں ڈالتی ہو وہ ان پر گراں گزرتی ہے۔ وہ غیر مسلموں کے ایمان کے دار امن میں داخل ہونے کے بہت مشتاق ہیں۔ ان میں شرف نسب کے اعتبار سے مسلم شخصیت ہیں۔ مومنوں پر نہایت مہربان ہیں۔ کرامت و بزرگی میں جہاں تک کسی کو مل سکتی تھی وہ عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی (النساء:80)۔ جسے آپ کی رحمت مل گئی وہ کامیاب ہو گیا۔ وہ نجات کے کعبہ تک پہنچ گیا چاہے وہ غیر حجاز کا باشندہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی سورتوں میں آپ کے فضائل کا ایسا قلعہ بنایا۔ جس کی ہر دیوار نا قابل شکست ہے۔ اسی کتاب میں اللہ نے آپ کو "نور" کا نام دیا۔ ارشاد ہے۔ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ۔ "یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا (المائدہ:15)۔ اللہ نے آپ کو حاضر و ناظر، مبشر اور نذیر بنایا۔ اللہ کے حکم سے اللہ ہی کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ رسالت سے آپ کا سینہ کھولا۔ اور آپ سے ایسے بوجھ اتار پھینکے جن سے آپ کی پشت انور ٹوٹی جا رہی تھی۔ شہادتین میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو رفعت بخشی۔ آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیا۔ آپ کا کام عظیم بنایا۔ مشرکین کو آپ نے دُور جہنم میں گرا دیا۔ کتاب مبین میں آپ کی صفت "صراط مستقیم" کی گئی۔ سات آیات والی سورۃ (الفاتحہ) آپ پر نازل فرمائی اور آپ کی تعظیم و کرامت کی بنیادیں نہایت مستحکم فرمائیں۔

آتَاهُ سَبۡعًا شَمۡسَ آيَاتِهَا ... اَضۡحَتۡ بِآفَاقِ الۡهُدٰى وَاضِحَةً

فِيۡهَا مَعَانٍ سِرُّهَا غَامِضٌ ... يَعۡرِفُهَا ذُو الصَّفۡقَةِ وَالرَّابِحَةِ

سُوَرُ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَلَّهُ ... اَعۡظَمُ مِنۡهَا سُوۡرَةٌ صَالِحَةٌ

تَخۡتِمُ بِالۡخَيۡرِ لِقُرَّائِهَا وَهِيَ لِاَبۡوَابِ الرِّضَا فَاتِحَةٌ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات آیات والی سورت عطا فرمائی کہ اس کی آیات سے ہدایت کے آفاق واضح کر دیئے۔ اس میں ایسے معانی ہیں۔ جن کے اسرار نہایت گہرے ہیں۔ ان کی معرفت بلند قسمت انسانوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایسی سورت ہے جس میں قرآن کی تمام سورتوں کے مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے پڑھنے والوں کا خاتمہ بالخیر ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے دروازے کھولنے والی سورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو امی لوگوں کی پناہ بنا کر بھیجا۔ اور آپ کی بدولت نیک لوگوں کا اعمال نامہ "علیین" میں رکھا۔ آپ کو بلند و بالا مقام تک رفعت بخشی۔ اتنا قرب عطا فرمایا کہ "قوسین" کے ملنے سے بھی تھوڑا فاصلہ رہ گیا۔ آپ کی زبان کو خواہشات کے تحت گفتگو کرنے سے پاک پیدا فرمایا۔ آپ کے قلب انور کو اس سے منزہ کیا کہ وہ اپنی ہر دیکھی چیز کو بیان کرنے میں جھوٹ کا سہارا لے۔ آپ کی نظر انور کو ادھر ادھر دیکھنے اور بھٹکنے سے پاک پیدا فرمایا۔ تمام خوبصورتیوں سے مزین فرمایا۔ تمام آفات سے عصمت میں رکھا۔ قسم اٹھائی کہ نہ تو آپ کو اس نے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ اپنی کتاب میں "لعمرک" کے الفاظ سے کسی اور کی قسم نہ اٹھائی۔ خیرات کی زمین طول و عرض میں آپ کیلئے سکیڑ دی گئی۔ جبکہ آپ پر یہ آیات نازل فرمائی۔ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ۝ (الضحیٰ)۔ واضح معجزات اور ظاہر دلائل سے آپ کی تائید فرمائی۔ "رَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ" سے آپ کا ارادہ فرمایا۔ اہل مکہ سے اس وجہ سے عذاب دور کیا کہ آپ بنفس نفیس ان میں جلوہ فرما ہیں۔ فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ (انفال:33)۔ ایمان کے زیورات سے مزین حضرات کی زینت آپ کی بدولت ہوئی اور انہیں یہ حکم دیکر اور خوبصورتی بخشی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝ (احزاب)۔ کوثر آپ کو عطا فرمائی آپ کے بدخواہوں کی یوں تردید فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝۔ ہر قسم کی گندگی نجاست سے آپ کو صاف و پاکیزہ بنایا۔ اپنے اس قول میں آپ کی عصمت بیان فرمائی۔ وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:67)۔

وَحَمَاهُ مِمَّا كَانَ يَقۡصِدُ ضَرَّهٗ بِيَدٍ لَهٗ مَغۡلُوۡلَةٌ وَلِسَانٍ
وَرَعَاهُ مِنۡ نَظۡرِ الۡعُيُوۡنِ بِعَيۡنِهٖ وَ كَفَاهُ شَرَّ طَوَارِقِ الۡحَدَثَانِ
اَمَدَّهٗ بِحِرَاسَتِهٖ وَعِنَايَةٍ مَحۡفُوۡفَةٍ بِاللُّطۡفِ وَالۡاِحۡسَانِ
وَهُوَ الۡجَدِيۡرُ بِاَنۡ يُّعۡظَمَ قَدۡرُهٗ عِنۡدَالۡقَدِيۡرِ مُدِيۡرِ الۡاَكۡوَانِ

جو شخص بھی آپ کے درپے ایذا ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کے خلاف حمایت کی۔ اس کے ہاتھ کو جکڑ دیا اور زبان کو تالا لگا دیا۔ اور نظر بد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخصوص مہربانی سے بچائے رکھا اور لگاتار آنے والے حادثات سے آپ کی کفایت فرمائی۔ اپنی حفاظت اور مہربانی سے محفوظ رکھا اور لطف و احسان میں گھیرا ہوا رکھا، آپ ﷺ اس کے حق دار ہیں کہ آپ کی قدر و منزلت اللہ قدیر کے حضور عظیم ہو جو تمام کائنات کو چلانے والا ہے۔

سورۂ نون میں کس خوب انداز سے آپ کو مخاطب کیا اور اس میں آپ سے ایسے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا جو نہ روکا گیا اور نہ ہی منقطع ہوا۔ آپ کی ایسی ثناء کی کہ بادِ نسیم کا پیامبر اس کے اٹھانے کی ہمت نہیں پاتا۔ اور آپ کی بزرگی اور اخلاق عالیہ کی تاکید میں ارشاد فرمایا۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ (القلم) سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو متواتر صلوات و بخششوں کے تحفہ جات عطا فرمائے۔ وہ یہ کہ آپ کا ظہور ہوگا، آپ کا غلبہ ہوگا، آپ کی شریعت بلندی پائے گی، آپ کا بول بالا ہوگا۔ اور آپ کے جس دشمن نے سر اونچا کیا یا تکبر کیا تو اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور آپ کے اگلے پچھلے امکانی گناہ معاف کر دیئے۔ نعمت آپ پر مکمل کر دی، ہدایت آپ کی طرف بھیجی، نصرت عزیز سے مدد فرمائی اور آپ کے اردگرد رہنے والے صحابہ کو تمیز وافر عطا فرمائی۔ اور آپ کی اتباع کرنے والوں پر سکینہ نازل فرمائی۔ اور بیعت رضوان جو ایک درخت کے نیچے ہوئی۔ اس میں تمام بیعت کرنے والوں کو اپنی رضامندی سے نوازا ان کے علاوہ اور بہت سے آپ کے فضائل مبارکہ جو مختلف قرآنی سورتوں میں مذکور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف معارف اور ماثور آثار اس قدر بکثرت ہیں کہ جن کا شمار نا ممکن ہے۔

شَهِدَ الْكِتَابُ بِاَنَّ اَحْمَدَ مُرْسَلٌ ۔۔۔ مِنْ صَاحِبِ الْمَلَكُوْتِ جَلَّ جَلَالُهٗ
كَمْ اٰيَةٍ فِيْهَا اسْمُهٗ يُتْلٰى وَ كَمْ ۔۔۔ اُخْرٰى بِهَا اَوْصَافُهٗ وَ خِلَالُهٗ
وَاللّٰهُ اَقْسَمَ صَادِقًا بِحَسَيَاتِهٖ ۔۔۔ فِيْ مُحْكَمٍ شَرْحِ الصُّدُوْرِ مَقَالُهٗ
سُبْحَانَ مَنْ اَوْلَاهُ اَنْوَاعَ الْوِلَا ۔۔۔ وَاَنَا لَهٗ مَا لَا يُرَامُ مِثَالُهٗ
اَزْكَى الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعُلَا ۔۔۔ اَبَدًا وَخَصَّصَ بِالتَّحِيَّةِ اٰلَهٗ

قرآن کریم گواہ ہے کہ حضور احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں۔ جو تمام کائنات کا مالک ہے۔ بہت سی آیات میں آپ کے اسم گرامی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور بہت سی دوسری آیات ایسی ہیں جن میں آپ کے اوصاف اور عادات مبارکہ ہیں اور اللہ نے آپ کی زندگی کی

قرآن کریم میں قسم اٹھائی۔ پاکی اس اللہ کیلئے جس نے مختلف اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں اور وہ کچھ دیا جس کا قصد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بلند و بالا رب کائنات کی طرف سے آپ کی ذات مقدسہ پر پاکیزہ صلوٰت وسلام ہمیشہ ہمیشہ ہوں اور آپ کی آل واصحاب پر بھی خاص کر اللہ کی سلامتی نازل ہو۔

## تیسری فصل

# حضور ﷺ کے میلاد مبارک اور شرافت نسبی کا تذکرہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ المکرمہ میں پیدا ہوئے جو تمام شہروں سے اشرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک نہایت باعزت ہے اس مکہ کے سمندر سے دریتیم نکلا۔ آسمانوں کی بلندیوں پر ان کی جبین منور کا سورج چمکا۔ اے مقدس شہر! تیری برکتیں روز افزوں ہیں۔ تیرے فضائل کے چشمے جاری ہیں۔ تیری عمارت کے ستون امن کا گہوارہ ہیں۔ لطائف کی دعائیں تیرے کعبہ میں مقبول ہیں۔ تیرے مقام کو پہچاننے والے کا حصہ کافی ووافی ہے۔ اور صفا ومروۃ کے درمیان سعی کرنے والے کے لمحات پاکیزہ ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ انسان اور قابل مبارک باد ہے وہ کہ جو اس کی حطیم اور حجر اسود کی طرف چلا اور ان کا بوسہ لیا۔ منیٰ میں جس کو اپنی خواہشات کی تکمیل میسر ہوئی۔ اور جس نے عرفات کو پہچانا اس نے اپنا مقصد پالیا۔ آپ دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ خاندان قریش کی برگزیدہ اور بہترین شخصیت ہیں۔ بنو ہاشم کے مقیم اور سواروں میں چیدہ شخصیت ہیں۔ تمام عرب سے اشرف ہیں خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی۔ گھر آپ کا افضل، جماعت آپ کی معزز، اپنے والد کی طرف سے ستھرے نسب والے اور ان کی تروتازگی کی روشنی آپ ہیں۔ آپ والدہ کی طرف سے بہترین حسب والے کہ جس کے زہرا ستارے کی چمک بیمثال ہے۔

إِذَا افْتَخَرَتْ قُرَيْشٌ بِالْمَعَالِي  وَبِالشَّرَفِ الرَّفِيعِ لَدَى الْكِرَامِ
فَهَا شِمُهَا خُلَاصَتُهَا وَ مَعْنًى  عِبَارَةِ مَجْدِهَا بَيْنَ الْأَنَامِ
وَسِرُّ صَمِيمِهَا مَنْ لَا يُسَامَى  رَسُوْلُ اللّٰهِ مِصْبَاحُ الظَّلَامِ

جب قریش اعلیٰ اوصاف اور شرافت عالیہ کی وجہ سے باعزت لوگوں پر فخر کرتے ہیں تو تمام قریش خاندان کا خلاصہ اور اس کی بزرگی کا مرکز ان کی شاخ بنو ہاشم ہے۔ جسے سب لوگ جانتے ہیں اور ہاشم کی بزرگی اس ذات میں پوشیدہ ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اندھیروں میں روشنیوں کا چراغ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین زمانہ اور بہترین قبیلہ دیا۔ اور قبیلہ کے اعلیٰ گھروں اور منزلوں میں

سے آپ کو منتخب فرمایا کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے برگزیدہ پیغمبر ہیں وہ ابراہیم خلیل اللہ جنہوں نے کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے اسماعیل بھی تھے پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام سے بنو کنانہ، بنو کنانہ سے قریش کو چنا۔ جو شرف و منزلت میں معروف و مشہور تھے۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے سردار سرداراں جناب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برگزیدہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پشت سے منتقل ہوتے ہوئے آئے وہ ہر ایک پشت صلاحیت کی اہلیت سے متصف تھی۔ حتیٰ کہ آپ اپنے والدین کے ذریعہ تشریف لائے جنہوں نے بے حیائی و بدکاری کو کبھی نزدیک نہ آنے دیا۔

تَنَقَّلْتَ فِیْ اَصْلَابِ اَرْبَابِ سُؤْدُدٍ     كَذَا الشَّمْسُ فِیْ اَبْرَاجِهَا تَتَنَقَّلُ

وَسِرْتَ سَرِیًّا فِیْ بُطُوْنٍ تَشَرَّفَتْ     بِحَمْلِ عَلَیْهِ فِی الْاُمُوْرِ الْمُعَوَّلُ

هَنِیْئًا لِقَوْمٍ اَنْتَ مِنْهُمْ وَ فِیْهِمْ     بَدَا بِکَ بَدْرٌ بِالْجَلَالِ مُسَرْبَلُ

وَلِلّٰهِ وَقْتٌ جِئْتَ فِیْهِ وَ طَالِعٌ     سَعِیْدٌ عَلٰی اَهْلِ الْوُجُوْدِ وَ مُقْبِلُ

آپ ایسے مردوں کی پشت در پشت میں منتقل ہوتے رہے جو ہر اعتبار سے صاحب شرافت تھے۔ جس طرح سورج ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہوتا ہے۔ اور آپ ایسی ماؤں کے پیٹ میں جلوہ فرما ہوئے جنہیں آپ کی موجودگی سے بلند و بالا امور تک رسائی ہوئی۔ وہ قوم قابل صد مبارک ہے کہ جس میں آپ جلوہ فرما ہوئے۔ اور وہ بھی کہ جن سے آپ کا نسبی تعلق ہے۔ انہیں میں آپ کی وجہ سے رعب وداب آیا۔ بخدا! وہ وقت کیسا سہانا تھا جس میں آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ اور وہ ساعت کیسی مبارک تھی کہ جس کی سعادتوں سے اس وقت میں موجود اور بعد میں آنے والے بہرہ ور ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت جو واقعات رونما ہوئے اور زمین بھر میں پھیلے۔ وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں اور آپ کی آمد پر جو روشنی ظاہر ہوئی ستاروں نے جھک کر سلام کیا۔ ایران کے بادشاہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا۔ اس کے کنگرے گر گئے جو بلندی میں ستاروں کو چھو رہے تھے، ہزاروں سالوں سے ان کی جلی آگ بجھ گئی، بحیرہ طبریہ کا پانی سوکھ گیا، آسمانوں کو ستاروں کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا، مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی ان تمام باتوں کے رونما ہونے کے باوجود آپ کی ولادت مبارکہ اور تشریف آوری کا حق ادا نہ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ چہرہ پر مسکراہٹ تھی۔ نبوت کا لباس زیب تن کئے شان محبوبیت و علیمت سے رونق افروز ہوئے۔ بنو سعد بن بکر میں مدت رضاعت بسر فرمائی۔ مکر و فریب

کی باتوں سے بہت دور رہے، آپ کا صاف ستھرا اور زندہ قلب شق کیا گیا۔ باوجود صاف و ستھرا ہونے کے اسے پھر ارادہ کی برف سے دھویا گیا۔ اور نور کی ایسی مہر اس پر لگائی گئی کہ سورج اور چاند منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ اس میں ایمان وحکمت بھر دیا، رحمت و رأفت سے لبریز کر دیا گیا، امت کے ہزاروں قلوب سے آپ کا ایک قلب زیادہ وزنی بلکہ تمام کائنات کے قلوب ایک طرف اور آپ کا قلب انور ان سب پر بھاری ہے۔

نَبِیٌّ طَمَا بَحْرُ تَشْرِيفِهِ — وَ مِيزَانُ تَعْظِيمِهِ قَدْ رَجَحْ
بِمَقْدَمِهِ زَالَ عَنَّا الْعَنَاءُ — وَآبَ الْهُدٰى وَالْهَنَا وَالْفَرَحْ
لَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ مِنْ قَدْرِهِ — كَثِيْرًا وَلِلصَّدْرِ مِنْهُ شَرَحْ
وَ اَوْرَثَهٗ حِكْمَةً حُكْمَهَا — بِهِ الْحَقَّ بَعْدَ الْخِفَاءِ اتَّضَحْ
اَلَآ اِنَّ مَنْ يَّقْتَفِيْ نَهْجَهٗ — اَصَابَ وَ مَقْصَدُهٗ قَدْ نَجَحْ

ایسے پیغمبر ہیں کہ جن کی بزرگی کا سمندر لبریز ہے اور ان کی تعظیم کا ترازو بہت وزنی ہے۔ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہمارے غم اور پریشانیاں ختم ہوگئیں اور ہدایت، برکت اور خوشی کو تازگی ملی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدر و منزل بہت زیادہ بلند فرمادی اور آپ کا سینۂ اقدس کا انشراح فرمایا۔ آپ کو ایسی حکمت کا وارث بنایا جس کی وجہ سے آپ نے ہمیشہ حق کا فیصلہ فرمایا۔ جو پوشیدہ تھا لیکن اس حکمت سے روشن ہوگیا۔ سنتے ہو کہ جس نے بھی آپ کے راستہ اور آپ کی شریعت کی پابندی کی وہ راہ راست پر ہوگیا اور اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہوا۔

آپ کی برکت سے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا سے ہر طرح کی پریشانی اٹھ گئی، ان کی قوم اور خود انہیں آپ سے مختلف برکات حاصل ہوئیں۔ فطرتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتوں سے بغض رکھنے والے تھے۔ اسلام سے پہلے دور جاہلیت کے تمام برے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک وصاف رکھا۔ آپ کی آمد کی لگاتار خبریں ہر دور میں موجود تھیں۔ یہ خبریں مختلف ملتوں کے علماء اور یہود ونصاریٰ بیان کرتے تھے۔ پادری (بشپ) آپ کو خوب پہچانتے تھے۔

ہاتف سے آپ کی آمد کی خبروں سے کان بجتے تھے۔ کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی آمد سے خبردار کیا۔ یہود ونصاریٰ کے علماء سے آپ کی تشریف آوری کی خبریں اور آپ کی صفات نقل ہوئیں اور آپ کی علامات کا تذکرہ ہوا، آپ کی نبوت اور ملت کی باتیں ہوئیں، آپ کی بعثت اور آپ کی امت کی خوبیاں بیان کی گئیں۔ توحید کے ماننے والوں نے آپ کی شان میں قصیدے کہے، اور انہوں نے

اپنے پہلے بزرگوں کی باتیں نقل کیں۔ آپ کے بارے میں تورات وانجیل میں جو کچھ کہا گیا ان کو بیان کیا گیا۔ اور یہاں تک بتا دیا گیا کہ اہل کتاب میں سے کون کون آپ کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اور آپ کی آمد کی باتیں بتوں نے بھی کیں، بتوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور بولے، پوجی جانے والی تصویروں میں سے آوازیں آئیں۔ پتھروں پر قدیم خط سے لکھی تحریریں دیکھی گئیں، جن میں آپ کا نام گرامی اور آپ کی رسالت کی گواہی اور تعظیم کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مراتب سے مخصوص فرمایا۔ عرب وعجم پر آپ کو فضیلت بخشی، اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے قلوب میں سے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاکیزگی در پاکیزگی بخشی۔ تمام مخلوق کے احوال کا اپنے قرب کیلئے امتحان لیا لیکن ان میں سے اپنے مخصوص قرب کیلئے صرف آپ کے احوال کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کی دو قسمیں کیں۔ ان میں سے بہتر قسم میں آپ کو رکھا۔ آپ کو از روئے والد اور والدہ تمام انسانوں سے پاکیزہ بنایا۔ اور اصل وفرع اور روح وجسم کے اعتبار سے آپ کو پاک وصاف بنایا۔

لِمَوْلِدِ خَيْرِالرُّسُلِ اَحْمَدَ اَصْبَحَتْ — وُجُوْهُ الْهُدٰى وَضَّاحَةً مُتَبَلِّجَهْ
وَاَشْرَقَتِ الدُّنْيَا بِاَنْوَارِ بَدْرِهٖ — وَ عَادَتْ بِهٖ اَرْجَآؤُهَا مُتَاَرِّجَهْ
وَاَيْوَانُ كِسْرٰى اَسْقَطَتْ شُرُفَاتِهٖ — وَحلت عُرَى اَبْرَاجِهٖ الْمُتَبَرِّجَهْ
وَنِيْرَانُ بَيْتِ الْفُرْسِ بَاخَ لَهِيْبُهَا — وَكَانَتْ لَدَيْهِمْ اَلْفَ عَامٍ مُؤَجِجَهْ
وَكَمْ آيَةٍ جَآءَ تْ قَرِيْبَ قُدُوْمِهٖ — تُنِيْرُ مِنَ الْحَقِّ الْمُطَهَّرِ مَنْهَجَهْ
عَلَيْهِ مِنَ الرَّحْمٰنِ اَزْكٰى تَحِيَّةً — بِاَفْضَلَ تِيْجَانِ الصَّلَاةِ مُتَوَّجَهْ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے ہدایت کے تمام راستے واضح اور روشن ہو گئے، اور پوری دنیا آپ کے چاند کے نور سے چمک اٹھی اور اس کی رونق وتر وتازگی لوٹ آئی۔ کسریٰ کے محل کے کنگرے گر گئے۔ آپ کی تشریف آوری سے بے سہاروں اور کپڑوں سے عاری لوگوں کو بہترین پوشاک میسر آ گئی۔ ایران کے ہزاروں سال سے جلتے آتش کدہ کی آگ کے شعلے ماند پڑ گئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں آپ کی ولادت باسعادت کے قریب رونما ہوئیں۔ آپ کی شریعت آپ کا دین اللہ تعالیٰ نے روشن سے روشن تر فرما دیا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی نہایت پاکیزہ تحیات نازل ہوں اور افضل صلوٰۃ وسلام کے تاج آپ کو عطا ہوں۔

## چوتھی فصل

# حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف عالیہ

# اور نعت مبارکہ کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر انور قدرے عظیم تھا، قد اقدس میانہ تھا، رنگ گلابی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں، پلکیں گھنی اور ابرو مبارک الگ الگ تھے، یعنی دونوں کے درمیان بالوں سے خالی جگہ تھی۔ داڑھی مبارک بھی گھنی تھی اور پیشانی مبارک واضح تھی دانتوں کے درمیان معمولی فاصلہ تھا، ناک کا سخت حصہ اونچا تھا، بدن پاک گٹھا ہوا، ابروئے پاک لمبے باریک اور الگ الگ تھے، رخسار پاک نرم، گٹ لمبے، بازو موٹے اور دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ ہاتھ مبارک کشادہ، دونوں قدم مضبوط، منہ مبارک مضبوط جبڑوں والا خوشبودار تھا، قد مبارک نہ بہت لمبا اور نہ ہی ٹھگنا بلکہ میانہ تھا اور موٹا پا نہ تھا، تھوڑی مبارک بالکل چھوٹی نہ تھی، چہرہ اور رخسار مبارک گوشت سے پُر تھے، بال مبارک کچھ گھنگھریالے تھے، گردن مبارک گول قدرے لمبی تھی، قریب کیلئے بہت میٹھے اور دور سے دیکھنے والے کیلئے انتہائی خوبصورت تھے، سینہ پاک کے درمیان میں ناف تک کے بال ایک لکیر کی شکل میں تھے، اور سینہ مبارک چوڑا تھا، چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا، دونوں آنکھوں کی سفیدی میں سرخی بھی تھی، آپ کی زلف عنبریں کانوں کی لو تک تھیں، جب چلتے تو یوں لگتا جیسا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، جب گفتگو فرماتے تو عجیب وغریب جامع کلمات ادا فرماتے۔

جَمِيلُ الصِّفَاتِ جَزِيلُ الصِّلَاتِ　　غَزِيرُ الْهِبَاتِ كَثِيرُ الْاٰدَابِ
بَدِيعُ الْجَمَالِ رَفِيعُ الْمَنَالِ　　عَدِيمُ الْمِثَالِ عَظِيمُ الْحَسَبِ
مَلِيحُ الشَّمَائِلِ بَادِي السَّنَا　　بَسِيطُ الْاَنَامِلِ عَالِي الرُّتَبِ
بِهٖ اَرْشَدَ اللّٰهُ اَهْلَ النُّهٰى　　بِهٖ شَرَّفَ اللّٰهُ جِيْلَ الْعَرَبِ

آپ کی صفات تمام تر جمیل ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی بہت رحمتیں ہر وقت اترتی ہیں۔ بہت بخشش فرمانے والے اور بکثرت ادب والے ہیں۔ خوبصورتی میں بے مثل، سخاوت میں ارفع واعلیٰ، اپنی مثل آپ اور حسب ونسب میں عظیم ہیں۔ تمام عادات واخلاق نہایت عمدہ، ظاہری چمک دمک والے، بہت سخی اور بلند رتبہ والے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طفیل عقلمندوں کو رشد وہدایت بخشی اور آپ کی برکت سے

عربوں کوشرف بخشا۔

آپ کا اسم مبارک بھی طیب اور خوشبو بھی پاکیزہ، بدن پاک اور جسم اطہر نہایت ستھرا، عنبر سے زیادہ خوشبودار، مشک واذفر سے زیادہ جانے پہچانے ستھرے، خوشبوؤں کے جھونکے اٹھتے، معطر فضاؤں کی ڈالیاں لہلہاتیں، عطر فروش کی دکانداری آپ کے چلنے سے ٹھپ ہو جاتی، ہر گلی وکوچہ آپ کی خوشبو سے مہک اٹھتا۔ اگر کوئی مصافحہ کر لیتا تو دن بھر اس کے ہاتھ سے خوشبو بکھرتی، کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو دوسرے بچوں کے درمیان بوجہ خوشبو وہ ممتاز ہو جاتا۔ آپ جس راستہ تشریف لے جاتے تو اس راستہ سے گزرنے والا آپ کی خوشبو سے جان جاتا کہ آپ ہی ادھر سے تشریف لے گئے ہیں جن کی سخاوت کی مثل نہیں۔

وَجْهُ الْوُجُوْدِ بِنُوْرِ اَحْمَدَ مُشْرِقٌ    وَ بِعُرْفِهٖ اَرْجَاؤُهٗ تَتَأَرَّجُ
اَلطِّيْبُ يُطْوٰى عِنْدَ فَائِعِ نَشْرِهٖ    وَالرَّوْضُ يُخْفِيْ زَهْرَهُ الْمُتَبَرِّجُ

موجودات کا چہرہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے چمک پانے والا ہے اور آپ کی معرفت سے اس کے چہرے پر رونق آئی۔ جب آپ کے جسم اقدس سے پھیلنے والی خوشبو پھیلی تو خوشبو نے اپنا بستر گول کر لیا اور آپ کی تروتازگی کے سامنے باغات نے مارے شرم کے منہ چھپا لیا۔

آپ از روئے اخلاق نرم تھے۔ بہت مددگار اور نرم دل تھے۔ نگاہیں جھکی جھکی اور ہاتھ سخاوت سے لبریز تھے، خوبیاں عظیم اور اوصاف جمیل تھے، مضبوط بنیاد اور طاقت ور حواس رکھتے تھے، شیاطین و فرشتوں کو دیکھا کرتے، اور جس طرح روشنی میں دیکھتے اندھیرے میں بھی ویسے ہی دیکھتے تھے اور جس طرح سامنے دیکھتے ویسے ہی پیچھے پڑی اور موجود ہر چیز آپ کو دکھائی دیتی، اور ثریا کے گچھے میں دیکھتے تو گیارہ کے گیارہ ستارے سلام بجالاتے اور آپ کا ہنسنا تبسم ہوتا، آپ کی عادت کرم واحسان کرنا تھی، جب مسکراتے تو سفید دانت یوں دکھائی دیتے کہ برف کے اولے ہیں ملاقات کے وقت سلام کی ابتداء فرماتے، سامنے کے دانتوں سے نور پھوٹتا، بادنسیم آپ کی خوبصورت اور بہترین عادات پر غیرت کھاتی، زیادہ تر آپ کا دیکھنا غور وفکر میں ڈوبا ہوتا اور لوگوں کو نصیحت فرمانا آپکا انتہائی مقصود تھا، چلتے تو خراماں انداز میں نہ کہ جلدی، اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھتے تو مکمل مڑ کر دیکھتے۔

اَكْرِمْ بِهٖ ذَا وَقَارٍ    يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
عِنْدَالْمُهِمَّاتِ ذُخْرًا    وَ فِي الظُّلُمَاتِ عَوْنًا
سَادَ النَّبِيِّيْنَ طُرًّا    عِلْمًا وَ فَضْلًا وَ صَوْنًا

لَاَنَ بَیۡنَ عَلَاهُمۡ وَ بَیۡنَ عُلۡیَاهُ بَوۡنَا

کتنے کریم ہیں، صاحب وقار ہیں، زمین پر بہت آہستہ اور وقار سے چلتے ہیں، پریشانیوں اور تکالیف میں پناہ گاہ ہیں، اور اندھیروں میں مددگار ہیں، تمام انبیاء کرام کے علم و فضل اور عصمت و حفاظت میں سردار ہیں، ان حضرات میں سب سے بڑھ کر زم ہیں، اور فضل میں سب سے بلند و بالا ہیں۔

زیادہ تر خاموش رہتے، ہر وقت دعا میں مصروف رہتے، فکر علی الدوام تھا، نصیحت کرنے کو لازم کر لیا تھا، لگاتار پریشانیاں جھیلنا معمول تھا، عدل و احسان زیور تھا، کسی قسم کے مال سے محبت نہ تھی، اپنی ذات کیلئے نہ غصہ فرماتے اور نہ نفس کی مانتے، نعمت کو عظیم گردانتے اگرچہ تھوڑی ہوتی، محنت و مشقت پر صبر فرماتے اگرچہ کتنی ہی مشکل ہوتی، جو اتفاقاً اور ابتداءً دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو بار بار دیکھتا اور جان پہچان ہوتی تو وہ آپ سے اس قدر محبت کرتا کہ آپ کے در کا غلام بن جاتا۔ آپ سے بڑھ کر خوبصورت منظر کسی نے کبھی نہ دیکھا، اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر پاکیزہ خبر اور پاک خبر دینے والا دیکھا، جو بھی آپ کے فضل کا متلاشی ہوتا آپ اس کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتے۔ آپ کی تعریف و ثناء کرنے والا یہی کہتا کہ آپ سا نہ آپ سے پہلے کائنات نے دیکھا اور نہ قیامت تک آئیگا۔

مِن اَیۡنَ یُوۡجَدُ قَبۡلَهٗ اَوۡ بَعۡدَهٗ مِثۡلٌ لَّهٗ وَهُوَ الۡحَبِیۡبُ الۡمُصۡطَفٰی
اَللّٰهُ فَضَّلَهٗ وَ حَسَّنَ خَلۡقَهٗ مَعَ خُلۡقِهٖ وَ بِهٖ الۡاَذٰی عَنَّا نَفٰی
طُوۡبٰی لِمَنۡ بِجَمِیۡلِ سِیۡرَتِهٖ اِقۡتَدٰی وَطَرِیۡقِ سُنَّتِهٖ الۡمُعَظَّمَةِ اِقۡتَفٰی
صَلّٰی عَلَیۡهِ مُنِیۡرُ بَدۡرِ صِفَاتِهٖ مَالَاحَ فِی الۡآفَاقِ نَجۡمٌ وَ اخۡتَفٰی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کہاں موجود ہوگی؟ آپ ہی تو حبیب خدا اور اس کے منتخب کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب پر فضیلت بخشی اور آپ کے اخلاق اور خلقت کو حسین و جمیل بنایا۔ آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے ہماری تکالیف دور ہوئیں وہ کتنا اور کس قدر مبارک ہے جس نے آپ کی سیرت مقدسہ کی پیروی کی۔ آپ کی سنت معظمہ کے راستہ پر چلا۔ اے اللہ! تو ان پر صلوٰۃ و سلام بھیج جو آپ کی چاند جیسی صفات کو روشن کرنے والا ہے۔ اور اس وقت تک بھیجتا رہ جب تک آفاق میں ستارے طلوع ہوتے اور غروب ہوتے رہیں۔

## پانچویں فصل

# حضور ﷺ کی فصاحت ادب اور حلم کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عربی جانتے تھے اور ہر اس شخص کی لغت بھی جانتے تھے جوان کے قریب یا نزدیک کا رہنے والا تھا۔ آپ ہر جماعت کو ان کی زبان سے مخاطب فرماتے تھے اور ہر گروہ کے ساتھ بیان کے میدان میں چل پڑتے تھے۔ ''فصاحت'' آپ کی فصاحت پر ختم تھی۔ آپ کی بلاغت نے عقلمندوں کے قلوب کو ششدر کر دیا۔ آپ کی احادیث ''جوامع الکلم'' کی عمدہ نمونہ ہیں۔ آپ کی حکمت بھری بدیع باتیں کائنات میں مشہور ہیں۔ آپ کے معانی کے چشمہ جات لبریز ہیں۔ آپ کے الفاظ کے موتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ کلام کے مابین رکنا ایسا کہ کانوں کو بہت حسین لگتا ہے۔ آپ کے بہترین انداز گفتگو میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ آپ کے قول مبارک کی بلندی صفت سے باہر ہے۔ اور آپ کے کلام کی چاشنی وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اہل معرفت ہیں۔ قرآن کریم آپ کی زبان میں نازل کیا گیا۔ تاکہ آپ کی زبان کی تعظیم اور اس کی شان قائم ہو۔ آپ کے الفاظ کس قدر میٹھے اور آپ کا وعظ کس قدر واضح تھا۔ اس کے فوائد کتنے عظیم تھے۔ اس سے جھڑتے موتی کتنے خوبصورت تھے۔ آپ کا خطاب وخطبہ کتنا بلیغ تھا۔ آپ کے خطوط اور رسائل کس قدر بدیع تھے۔ تربیت بنی سعد میں پائی اور رتبہ کے اعتبار سے قریش سے اعلیٰ تھے۔ آپ نے اپنے کلام میں شہری انداز گفتگو کی رونق اور دیہاتی تروتازگی جمع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براعت کا مخصوص حصہ وافر مقدار میں عطا کیا گیا۔ اس لئے کہ آپ کی مددوحی کے ذریعہ کی گئی جس کا کوئی بشر ادراک نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ان کے علم میں سے کسی حصہ کا تمام لوگ احاطہ کر سکتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ اَبْلَغُ الْعُرْبِ الَّذِيْنَ مَضَوْا    نَعَمْ وَاَفْصَحُ مَنْ بِالضَّادِ قَدْ نَطَقَا
جَوَامِعُ الْكَلِمِ الْمَاْثُوْرِ طَيِّبُهَا    آتَاهُ مَنْ اَوْجَدَ الْاِصْبَاحَ وَالْغَسَقَا
لِلّٰهِ اَلْفَاظُهُ اللَّاتِيْ لَنَا نَشَرَتْ    جَوَاهِرُ الْعِلْمِ مِنْ تِبْيَانِهَا نَسَقَه
مَنْ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ    كُفُوٌ مِنَ النَّاسِ فِي الدَّارَيْنِ قَدْ صَدَقَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی تمام گزرے عرب سے زیادہ بلیغ ہیں۔ اور ''حرف ضاد'' بولنے والوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہیں۔ آپ ایسی گفتگو پر قدرت رکھتے تھے جو تھوڑے الفاظ میں بہت زیادہ مفہوم ادا کرتی تھی۔ احادیث مقدسہ اس کا بہترین نمونہ ہیں یہ خوبی آپ کو اس ذات نے عطا

فرمائی جو صبح و شام کی خالق ہے۔ بخدا! آپ کے الفاظ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے لئے علم کے موتی بکھیرے جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا و آخرت میں کوئی ہمسر نہیں وہ یقیناً سچ کہتا ہے۔

آپ ایسے آداب سے متصف تھے جو اعلیٰ شرافت پر دلالت کرتے ہیں اور ایسے معارف کے حامل تھے جو بے مثل تھے۔ نظر و فکر خوب گہری اور رائے درستگی میں بے مثل تھی۔ ظن و خیالات کے صادق، حدس و سیاست میں کامل اور بہادری میں صاحب کمال تھے۔ آپ کو فضائل وہ عطا کئے گئے کہ جن کی دنیا متمنی اور اخلاق ایسے کہ ہر ایک تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کا دین "اسلام" خلق قرآن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر خوش اور اس کی ناراضگی سے ناراض، جو کچھ اللہ فرماتا اس سے ایک بال برابر ادھر ادھر نہ ہوتے۔ اس کی ہدایت سے ہدایت یافتہ اور ہدایت دہندہ تھے۔ آپ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا۔ زمین سے نفاق اور دوغلی پالیسی کا خاتمہ آپ کا کام تھا۔ سابقہ شریعتوں کی پختگی اور تقریر و تاکید فرماتے تھے۔ امانتوں کے نگہبان تھے۔ مصلحتوں میں انتہائی محنت و کوشش فرمانے والے، سرکشوں کو سدھانے والے، مہمات میں کود جانے والے گرے پڑے لوگوں کے بوجھ اٹھانے والے تھے۔

آدَابُ خَیْرِ الرُّسْلِ قَدْ قَارَنَتْ اَخْلَاقَهٗ الْحُسْنٰی وَتَهْذِیْبَهٗ
لَا یَحْصُرُ الْخَاطِرُ اَوْصَافَهَا وَلَوْ آثَارُ الْفِکْرِ تُلْهِیْبَهٗ
وَکَیْفَ لَا وَاللّٰهُ ذُوالْعَرْشِ اِذْ اَدَّبَهٗ اَحْسَنَ تَاْدِیْبَهٗ

حضور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب اللہ تعالیٰ کی عادات کریمہ اور صفات حسنہ کے بالکل قریب ہیں، کوئی صاحب فکر و نظر ان کو شمار نہیں کر سکتا اگر چہ وہ فکر کو کتنا ہی مصروف کر لے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب و اخلاق کا شمار کیونکر ممکن ہو جبکہ اللہ عرش کے مالک نے آپ کو تعلیم آداب دی اور بہترین آداب سکھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصائب و تکالیف برداشت کرنے میں بہت بردبار تھے۔ خصائل و افضال بکثرت تھے۔ جو آپ سے قطع تعلق کرتا آپ اس سے تعلق بحال کرتے، جو منع کرتا اسے عطا کرتے، جو آپ کو محروم کرتا آپ اس پر خرچ کرتے، جو زیادتی کرتا اسے معاف کر دیتے، گندی باتوں سے صرف نظر فرماتے، اذیت دینے سے اپنے آپ کو روکتے، قدرت کے باوجود انتقام نہ لیتے، مکروہ اور شاق گزرنے والے کام پر صبر فرماتے، جاہل اگر تکلیف کے در پے ہوتا اور زیادتی کرتا تو آپ کی

طرف سے اس کے جواب میں صبر وحلم پاتا۔ آپ کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں آسان اور نرم کام انتخاب فرمایا۔ بشرطیکہ وہ گناہ کے ضمن میں نہ آتا ہو۔ جن لوگوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا اور زخمی کیا ان سے بدلہ نہ لیا اور جن لوگوں نے آپ کے جان پہچان والوں کو اذیت دینے اور نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی آپ نے ان کیلئے بھی دعائیہ کلمات کہے۔ اور ان کی جہالت کی وجہ سے انہیں معذور سمجھا۔ انہیں معاف کر دیا۔ ایسے کتنے لوگوں کو آپ نے معافی دی اور منافقین نے آپ کے حق میں جو زیادتیاں کیں خواہ وہ قولی تھیں یا فعلی، آپ نے ان سے درگزر فرمایا۔ جس نے آپ کو برا کہا اور جس نے آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ان میں سے کسی کے ساتھ آپ نے اس کے کرتوت کے برابر سلوک نہ کیا، بلکہ مہربانی اور فضل وکرم سے اس کا جواب دیا، جاہل اور دشمن سے آپ نے ہر مرتبہ اعراض کیا۔ جہاد کے علاوہ کسی کو کبھی اپنے دست اقدس سے نہ مارا۔ جاہلیت کے دور کی سختیوں پر صبر فرمایا اس دور کے جن لوگوں نے آپ کو تکالیف اور پریشانیوں سے دوچار کیا ان کا بدلہ نہ لیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان پر حاکم بنادیا اور آپ کو ان پر مظفر کر دیا۔

كَانَ النَّبِيُّ وَقَدْ رَاقَتْ شَمَائِلَهٗ ... بِالْحِلْمِ مُؤْتَزِرًا وَالصَّبْرُ مُشْتَمِلَا
يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ فَضْلًا بَعْدَ مَقْدَرَةٍ ... وَ يَحْبِسُ النَّفْسَ عِنْدَالشَّرِّ مُحْتَمَلَا
وَمَا يُقَابِلُ مَنْ يَّأْتِيْ بِمَظْلَمَةٍ ... فِيْ حَقِّهٖ مُعْرِضًا عَنْ قَوْلِ مَنْ جَهِلَا
وَكَمْ غَدَا آمِرًا بِالْعُرْفِ مُجْتَهِدًا ... وَكَمْ اَنَالَ وَ كَمْ اَعْطٰى وَ كَمْ بَذَلَا
تَفْصِيْلُ تَفْضِيْلِهٖ لَا يَنْتَهِيْ اَبَدًا ... يَا ذَا الْوَلَآءِ فَخذْ اَوْصَافَهٗ جَمُلَا
مِنِّيْ عَلَيْهِ سَلَامٌ نَشْرَهٗ عِطْرٌ ... مَاسَارَ بَدْرُالدُّجٰى فِي الْاُفُقِ مُنْتَقِلَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ ایسی تھیں کہ حلم وصبر کے لباس میں ملبوس تھیں۔ آپ درگزر فرماتے اور اپنے فضل وکرم سے قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دیتے اور شرارت وزیادتی کے جواب میں اپنے آپ کو صبر وشکر پر لاتے اور جس نے بھی آپ کے ساتھ کوئی زیادتی یا ظلم کیا۔ تو اس جہالت کا جواب دینے سے اعراض فرمایا۔ آپ نے امر بالمعروف میں بہت محنت فرمائی۔ لوگوں کو بکثرت عطا بھی کیا اور وافر مقدار میں خرچ بھی کیا۔ آپ کی فضیلت کی انتہاء کبھی بھی نہ معلوم ہو سکے گی۔ عقلمند وہی ہے جو آپ کے اوصاف جمیلہ کو اپنا لیتا ہے۔ میری طرف سے خوشبوئیں بکھیرتے آپ پر سلام ہوں جب تک چاند آسمانوں میں گردش کرتا رہے اور اندھیرے اس سے چھٹتے رہیں۔

## چھٹی فصل

# حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جود و کرم اور سخاوت کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی ہمت اور فضل و کرم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ بہت سخی، فیاض اور کھلے ہاتھ، لمبے بازو اور طویل انگلیوں والے تھے، آپ کے اوصاف سبھی کریمانہ تھے۔ شفقت سے بھرپور اور بڑے بڑے عطیہ جات دینے والے تھے۔ شرم و حیاء کے پیکر اور سخاوت کی لگی مہر والے تھے۔ خرچ کرنے میں بہت نرم دل اور نرمی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ لوگوں کے روزینہ اور ضروریات کا شدید اہتمام فرمانے والے کہ مینہ برساتا بادل اور سیراب کرنے والے دریا بھی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ غریبوں کی مدد کیلئے ہر ممکن وسیلہ اپناتے۔ کسی امیدوار کی آمد کو ناکام نہ کرتے۔ نہایت قیمتی اشیاء عطا کر دیا کرتے۔ مشکلات میں گھرے انسانوں کی مدد فرماتے۔ گرے ہوئے کو اٹھاتے اور خالی ہاتھ کو اپنے کسب سے عطا فرماتے۔ سائل اور محروم پر اسباب کا ریلا بہا دیتے۔ بخشش کی طنابیں اور سائبان باندھ دیتے اور عطاء کے وقت اپنے فاقہ کی ہرگز پروا نہ کرتے۔ اور جو شخص آپ کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دیتا تو آپ اس کے صلہ میں وہ چیز عطا فرماتے جو اس کے وہم و گمان میں نہ ہوتی۔ آپ کل آنے والے دن کیلئے آج کچھ ذخیرہ نہ کرتے۔ بارش سے لبریز بادلوں سے زیادہ سخی، تیز ہوا سے زیادہ بھلائی جاری کرنے والے تھے۔ آپ کے عطیات کا سایہ بہت لمبا تھا۔ اور آپ کے اعلیٰ اخلاق ہر وقت مزین اور بہترین لباس میں ملبوس ہوتے۔ آپ کی سخاوت کے بھرے سمندروں سے بادل پانی لیتے۔ تیز رو اور بہترین گھوڑوں پر سوار آپ کی سخاوت کا ڈھنڈورا دینے والے کی طرف لپکتے۔ آپ نے کبھی بھی سوالی کو "نہیں" نہیں فرمایا۔ کسی نے تھوڑا مانگا یا زیادہ طلب کیا آپ نے کبھی اس سے منہ نہ موڑا۔ ایک منگتے کو دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھر کر بکریاں عطا فرما دیں۔ جنات اور انسانوں میں آپ کی سخاوت کے چرچے ہیں۔ ایک ہی مجلس میں نوے ہزار درہم خیرات کر دیئے۔ کتنے سخی اور کنجوس آپ کی سخاوت سے بہرہ ور ہوئے۔ بہت سے عرب باشندوں کو آپ نے سو سو اونٹ بخشے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس قدر سونا عطا فرمایا کہ وہ اٹھانے سے قاصر ہو گئے۔ قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی واپس کر دیئے اور آپ نے جو احسان و سخاوت صفوان وغیرہ سے کی وہ حدیث کے راویوں سے ڈھکی چھپی نہیں۔

لَقَدْ كَانَ الْمُقَفّٰى سَيْلَ سَيْبٍ وَبَحْرُ تَكَرُّمٍ وَ سَحَابٌ وَ بِلٌّ

طَوِيْلُ الْبَاعِ مُنْشَرِحُ الْعَطَايَا بَسِيْطُ الْكَفِّ ذَا جُوْدٍ وَ فَضْلٍ

شَرِيْفُ الْمُنْتَهٰى جَزْلُ الْاَيَادِىْ حَلِيْفُ تَقِيٍّ وَ اِحْسَانٍ وَ عَدْلٍ
يَجُوْدُ عَلَى الْعُفَاةِ بِلَا سُؤَالٍ وَيُنْجِزُ وَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ
لَهٗ شِيَمٌ وَ اَوْصَافٌ حِسَانٌ يَفُوْحُ عَبِيْرُهَا فِىْ كُلِّ حَفْلٍ
يَجُلُّ مِنَ الْبَرِيَّةِ عَنْ نَظِيْرٍ وَعَنْ كُفُوٍ يُقَاسُ بِهٖ وَ مِثْلٍ

آپ ایسے بہادر اور معزز شخصیت تھے کہ سخاوت کے پانی کا سیلاب ہوں، کرم کا سمندر اور لگا تار برسنے والا بادل ہوں۔ بڑے فیاض اور عطیہ جات بانٹنے والے، کھلے ہاتھوں کے مالک اور فضل و سخاوت کے مالک، انتہائی مقام شرافت پر فائز اور انعام عطا فرمانے والے، پرہیزگاری کے ساتھی اور احسان وعدل کے ہم نوا، منگتوں کو سوال کئے بغیر عطا کرنے والے، وعدہ کو کسی تاخیر کے بغیر پورا کرنے والے، آپ کے تمام اوصاف و عادات نہایت حسین وجمیل ہیں، جن کی خوشبو ہر محفل میں بکھری ہوئی ہے۔ مخلوقات میں آپ کی نظیر، مثل اور آپ جیسا نا ممکن ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑے بہادر اور سخی تھے۔ بڑی ہمت کے مالک تھے۔ رعب، داب اور پکڑ شدید تھی۔ میدان جنگ میں پاؤں میں لغزش تک نہ آتی۔ بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھڑا دیتے۔ مخالفین اور دشمنوں کے منصوبے راکھ میں ملا ڈالتے۔ بڑے بڑے سورما منہ کی کھاتے۔ پہلوانوں کے داؤ اور حیلہ جات کام نہ آتے۔ ہاتھی جیسے جے جنگجوؤں کو تتر بتر کر دیتے۔ نیزہ یا تیر چلاتے تو اس قوت سے کہ دشمن کے آر پار ہو جاتا۔ آپ کی سچی اور بہترین رائے ناکامی کا منہ نہ دیکھتی۔ شک کو حق الیقین کی قوت سے بھگا دیتے۔ دشمنوں کو اپنی تلوار سے مرہوب و مرعوب کر دیتے۔ ان کے خواب بکھر جاتے۔ ان کے جھنڈے سرنگوں ہو جاتے۔ ان کے افعال و اقوال دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ ان کی زمینیں، اموال اور شہر مباح فرما دیتے۔ دشمن آپ کی تدابیر کا سامنا نہ کر سکتے۔ آپ نے دین اسلام کو اپنے صحابہ کے ذریعہ پھیلایا، وہ صحابہ جو کفار پر انتہائی سخت تھے۔ آپ کے غزوات گنے چنے ہیں۔ اور جن جنگوں میں آپ بنفس نفیس شریک ہوئے وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ آپ کے غزوات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ان غزوات میں آپ جہاں جہاں قیام پذیر ہوئے وہ تذکرہ کے بغیر بھی معروف و مشہور ہیں۔ آپ ایسے واقعات میں شریک ہوئے جن میں لوگوں کی تعداد بکثرت ہوتی اور بڑے بڑے بہادر ان میں شرکت سے گھبراتے۔ گھمسان کی لڑائی میں جانے سے ہرگز نہ خوف کھاتے۔ بڑے بڑے نامور جنگجو آپ کو دیکھ کر پیٹھ پھیر لیتے حالانکہ آپ ایک ہی جگہ کھڑے رہتے اور ایسا بارہا ہوا۔ غزوۂ حنین کے دن مسلمان آپ کے اردگرد سے چلے گئے۔ لیکن آپ وہیں اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ ادھر ادھر نہیں ہوئے جب آگے بڑھتے تو پیچھے ہٹنا ناممکن ہو جاتا اور نہ ہی آپ کو روکنا ممکن ہوتا۔

آپ آگے بڑھتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب – اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب۔ جب میدان جنگ میں دونوں طرف کی جماعتیں حملہ آور ہوتیں تو آپ کے قریب جو بھی آتا آپ اسے عظیم بہادر اور ماہر جنگ ہونے کے سبب ڈراتے۔ اگر کوئی مخالف سامنے آکر وار کرنا چاہتا تو اس سے پہلے اس پر وار کر دیتے اگر دشمن کی طرف سے مقابلہ کی دعوت دی جاتی تو آپ انتہائی چستی اور دلیری سے آگے بڑھتے۔ جہاد میں اپنے مقام پر ڈٹنے میں آپ جیسا باہمت کوئی نہیں اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت آپ سے بڑھ کر ان کے قریب اور کوئی نہ ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر بہادر، سخی اور جود و کرم والا نہیں دیکھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب ہم سخت لڑائی میں گھر جاتے تو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آجاتے اور جب چاروں طرف خون ہی خون نظر آتا تو ہماری ڈھارس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے۔ اس حدیث پاک میں وہ مضمون ہے جسے خوشی بھی اچھا جانتی ہے اور اسے ہر شخص حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بَأْسٌ وَ شِدَّةُ نَجْدَةٍ وَ حِمَاسَةٌ رَكِبْنَ فِيْمَنْ وَجْهُهٗ يَجْلُوْ الْغَسَقْ
ذَاكَ النَّبِیُّ الْمُصْطَفٰى الْهَادِیُ الَّذِیْ سَبَقَ النَّبِيِّيْنَ الْكِرَامَ بِمَا سَبَقْ
كَمْ شَتَّ شَمْلَ الْمُشْرِكِيْنَ بِسَيْفِهٖ وَاَحَلَّهُمْ سِجْنَ الْحَفِيْظَةِ وَالْحَنَقْ
كَمْ اَلَبُوْا وَ تَجَمَّعُوْا لِلِقَائِهٖ فَتَفَرَّقُوْا لِمَا رَاَوْهُ مِنَ الْفَرَقْ
مَنْ قَالَ اِنَّ مُحَمَّدًا اَوْفَى الْوَرٰى يَوْمَ الْوَغٰى عَزْمًا وَ اِقْدَامًا صَدَقْ
صَلّٰى عَلَيْهِ الْمَالِكُ الْقُدُّوْسُ مَا هَتَفَ الْحَمَامُ الْوُرْقُ مَا بَيْنَ الْوَرَقِ

اس شخصیت میں بہادری، سخت جنگ کرنا اور ہمت جمع ہوئیں جس کے چہرہ منور سے اندھیرے چھٹ گئے اور روشنی ہو گئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو ہادی ہیں اور تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں آپ کی تلوار سے بہت سے مشرکین کے گروہ تتر بتر ہو گئے اور انہیں غصہ اور نگہبانی کی قید میں ڈال دیا بہت مرتبہ مشرکین نے آپ سے لڑنے کا ارادہ کیا اور آپ کے خلاف جنگ کیلئے جمع ہوئے لیکن جونہی ان کی نظر آپ پر پڑی تو مارے خوف کے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ تمام لوگوں سے بوقت لڑائی زیادہ پختہ اور آگے بڑھنے والے ہیں وہ سچ کہتا ہے اللہ تعالیٰ جو مالک اور قدوس ہے آپ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جب تک کبوتری پتوں کے درمیان کوکو کرتی رہے۔

## ساتویں فصل

# آپ علیہ وآلہ وسلم کی حیا، محبت، لطف اور شفقت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر صاحب حیاء تھے اور پردے کے اعضاء کا پردہ کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔ کشادہ سینہ اور چاند سے مکھڑے والے تھے۔ باعتبار وصف سب سے زیادہ خوبصورت، باعتبار لطف کے سب سے بڑھ کر مہربان، رحمدل اور عادات وخصائل میں سب سے زیادہ لطیف تھے، نہایت نرم طبیعت اور خاندان کیلئے بہت کریم تھے۔ ادب میں سب سے زیادہ حسین اور رونق میں سب سے بڑھ کر تھے۔ محبت اور ہنس مکھ ہونے میں سب سے نمایاں، خلق میں سب سے اعلیٰ اور شخصیت کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ تھے، کنواری عورتیں چادروں میں جس طرح باپردہ ہوتی ہیں آپ ان سے بڑھ کر شرم وحیاء کے پیکر تھے۔ بادنسیم اور ہوائے سحری جب چلتی ہے آپ اس کی چلت اور گزرنے سے زیادہ لطیف تھے، نہ تو آپ سخت دل تھے اور نہ ہی جھگڑالو طبیعت پائی تھی اور نہ ہی ترش روئی کا آپ میں نام تھا۔ فحش گوئی، خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنا یا عیب جوئی کی قطعاً عادت نہ تھی۔ لوگوں سے میل جول اور ان کے ساتھ حسن سلوک واحسان سے پیش آنا عادت کریمہ تھی۔ ہر قوم کے کریم کے نزدیک باعزت تھے اور ان کے باعزت شخص کو باعزت سمجھتے۔ بوقت ضرورت ان کا اسے ہی والی بنا دیتے۔ کسی انسان سے خندہ پیشانی کے سوا نہ ملتے اور کسی سے نازیبا گفتگو نہ فرماتے۔ حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی کے چہرہ پر نظر جما کر نہ دیکھتے۔ ساتھیوں اور ہم مجلسوں کے درمیان کبھی پاؤں پسار کر نہ بیٹھتے۔ اپنے صحابہ کی خبر گیری فرماتے کسی وفد پر اپنے دروازے بند نہ فرماتے۔ کسی کی بات کو نہ کاٹتے اور کسی ضرورتمند سے اپنی سخاوت کا بادل نہ روکتے اور اگر کوئی شخص آپ کے پاس کسی حاجت اور ضرورت کی خاطر بیٹھ جاتا تو اس سے منہ نہ موڑتے اور نہ ہی اسے یونہی چھوڑ کر چلے جاتے اور اس وقت تک نہ جاتے جب تک وہ نہ چلا جاتا اور اگر کسی نے سرگوشی کیلئے آپ سے رابطہ کیا تو جب تک وہ خود بات چیت ختم نہ کرتا آپ اس کے منہ سے کان نہ ہٹاتے۔ اور آپ جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کو مجلس کا ہر ایک آدمی ہی جانتا کہ آپ صرف اسی پر سب سے زیادہ مہربان اور محبت کرنے والے ہیں یہ آپ کے عظیم احسان کی بدولت تھا۔

لَهٗ سِيْرَةٌ مَّأْثُوْرَةٌ سَارَ ذِكْرُهَا ۔۔۔ وَبِشْرٌ لِمَنْ يَّلْقَاهُ لَاحَتْ بَشَائِرُهٗ

وَاُنْسٌ يَرَى الْاِنْسَانُ مِنْهُ مَسَرَّةً ۔۔۔ وَفِيْهِ حَيَاءٌ طَارَ فِي الْحَيِّ طَائِرُهٗ

وَبَسْطَةُ نَفْسٍ لِلنَّزِيْلِ نَفِيْسَةٌ وَغَيْثٌ يُجِيْبُ الْغَوْثَ عَمَّتْ مَوَاطِرُهُ
اَيَامَنْ يَرُوْمُ الْحَصْرَ مِنْ نَعْتِ اَحْمَدَ اُفُقٌ فَهُوَ بَحْرٌ لَاتُعَدُّ جَوَاهِرُهُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارک وہ ہے جس کے ذکر کرنے سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور آپ کی شخصیت وہ ہے کہ جو آپ سے ملاقات کرتا ہے وہ مارے خوشی کے کھل اٹھتا ہے۔ ایسے محبوب ہیں کہ ہر انسان کو آپ سے مسرت ملتی ہے اور ان کے شرم وحیاء کے چرچے ہر قبیلہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مہمان کیلئے بہترین مہمان نوازی کرنے والے اور ایسے سخی کہ بادل بھی آپ سے بارش کا سوالی ہوتا ہے۔ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کا کنارہ تلاش کرلے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ آپ کی نعت وہ سمندر ہے جس کے موتی شمار میں نہیں آسکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اسکے بدلہ میں ہدیہ دینے والے کو ضرور عطا فرماتے، کسی کی مدد کرنے میں ہر وقت تیار رہتے اور اس میں تاخیر نہ فرماتے۔ مسکین مرد وعورت کی دعوت قبول فرماتے۔ مدینہ منورہ کے آخری حصہ میں بھی اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ ضرورت مند کی ضرورت کی وجہ سے نماز میں تخفیف فرماتے۔ غفلت میں پڑے اور راہ راست کے طالب کی طرف بکثرت آمد ورفت ہوتی۔ عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرماتے۔ آپ ملاقات کی خاطر آنے والے کو ایسے اکرام سے نوازتے کہ وہ عمر بھر یاد رکھتا۔ اور مہمان یا ملاقاتی کو اپنا تکیہ عطا کر دیتے تاکہ اسکو پیچھے رکھ کر بیٹھ جائے اپنی کسی عادت میں بھی ''مکارم اخلاق'' سے دور نہ ہوتے۔ صحابہ کرام کو ان کی کنیتوں اور پسندیدہ ناموں سے بلاتے۔ ان کے ساتھ گفتگو اور ان کی اولاد سے خوش خلقی سے پیش آتے۔ آپ کو جب بھی کوئی اہل خانہ یا دوسرا فرد بلاتا۔ تو لبیک سے جواب دیتے۔ اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے برابر کا پیار وسلوک فرماتے جو بھی آپ سے بخشش وسخاوت کا طالب ہوتا اس پر بخشش کے دریا بہادیتے۔ ضرورت مند اور محتاج کو ضرورت پوری کئے بغیر واپس نہ لوٹاتے یا پھر اس سے انتہائی نرم اور دل موہ لینے والی گفتگو فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے اس عرصہ میں مجھے میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا ہے اور اگر کسی کام کو ترک کیا۔ تو نہیں پوچھا کہ ترک کیوں کیا ہے۔

رَسُوْلٌ حِلْمٌ وَ رَحْمَةٌ وَ رَضِيٌّ مُقَدَّسٌ الْخَبَرِ طَيِّبُ الْخَبَرِ
اَنِيْسٌ وَحِيْدٌ وَ غَيْثٌ مُنْتَجِعٌ كَهْفٌ طَرِيْدٌ وَعَوْنٌ مُفْتَقِرٍ
مَاذَا يَقُوْلُ الْبَلِيْغُ مُجْتَهِدًا فِي حَقِّهِ وَهُوَ سَيِّدُ الْبَشَرِ

يُكْرِمُ اَصْحَابَهٗ وَ زُمْرَتِهٖ وَ يَلْتَقِيهِمْ بِأَحْسَنِ الصُّوَرِ

آپ مجسمہ صاحب حلم ورحمت ورضا ہیں۔اور پاکیزہ عقل کے مالک اور ستھری باتوں کے متکلم ہیں۔تنہائی میں رہنے والے کے غمگسار، پیاسوں کیلئے بادل، بے سہارا کے سہارا اور غریب ومسکین کے مددگار ہیں۔کوئی بلیغ اور مجتہد آپ کی شان میں کیا کہے گا جبکہ آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں۔آپ اپنے اصحاب اور اپنی جماعت کی تکریم کرتے اور ان سے ہشاش بشاش چہرہ سے ملاقات فرماتے۔

شفقت تامہ اور رأفت ورحمت عامہ والے تھے۔آپ کا رحمت بھرا بادل ہر پر برستا تھا۔نرمی کو پسند فرماتے اور کبھی بھی اس سے کنارہ کش نہ ہوتے دوران نماز اگر بچے کی رونے کی آواز سنتے تو نماز کو جلد مکمل فرماتے۔نیکی کا حکم دیتے اور نیک لوگوں کو قریب بٹھاتے۔برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے۔بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے۔گنہگار اور برے سے بھی درگزر فرماتے اور چشم پوشی فرماتے۔بہترین طریقہ سے جواب دیتے ہر ممکن نیکی بجالاتے صلہ رحمی کرتے، مہمان نوازی فرماتے، خوف و ہراس کے اسباب ختم کرتے، مسلمانوں کا دارالسلام میں داخل ہونا اس کا لالچ کرتے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کبھی وعظ فرماتے تا کہ روزانہ کے وعظ سے ہم اکتا نہ جائیں۔ اپنی امت کیلئے تخفیف اور سہولت روا رکھی اور جو کام امت کو مشقت اور تھکاوٹ میں ڈالنے والا ہو اس میں توقف فرماتے۔امت کے ساتھ احسان کرنے میں بہت مبالغہ فرماتے۔بہت سی اشیاء کو اس لئے ترک کیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں اور ایسی شفقت سے پیش آتے جو کبھی نہ بھولتی۔آپ نے امت کو نیکی کے راستے بالخصوص اس قدر عطا فرمائے جن کا شمار مشکل ہے۔

يَا أُمَّةَ الْمُخْتَارِ بِشْرًا كَمْ ... بِالْفَوْزِ مِنْ قُرْبِ الْحَبِيبِ النَّسِيبِ
اَلْمُحْسِنُ الْهَادِىْ اَلْبَشِيْرُ الَّذِىْ ... خَفَّفَ عَنْكُمْ كُلَّ اَمْرٍ عَصِيبِ
وَكَثَّرَ الْخَيْرَ عَلَيْكُمْ وَ مِنْ ... بَحْرِالْقُرٰى جَآءَ كُمْ بِالْعَجِيبِ
صَلَّى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا غَرَّدَتْ ... حَمَامَةٌ مِنْ فَوْقِ غُصْنٍ رَطِيبِ

اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت! تمہیں مبارک ہو کہ تم کامیاب ہو گئے۔کامیابی بھی یہ کہ تمہیں اعلیٰ نسب حبیب خدا کا قرب مل گیا۔وہ جو احسان کرنے والے، ہدایت کرنے والے اور خوشخبری سنانے والے ہیں۔جنہوں نے تم پر سے ہر مشکل حکم کو آسان کر دیا۔اور اس میں تخفیف کر دی۔ اور خیر کثیر تمہیں عطا کی۔اور اللہ تعالیٰ سے عجیب وغریب نعمتیں تمہارے لئے لائے۔اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک سرسبز ٹہنیوں پر بیٹھی کبوتری کو کو کرتی رہے۔

## آٹھویں فصل

# حضور ﷺ کی وفاء، تواضع اور عدل ووقار کے بیان میں

ازروئے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت کرنے والی شخصیت تھے۔ وعدہ اور اس کی ایفاء میں سب سے زیادہ پابند تھے۔ فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ منصف، ستارے میں سب سے زیادہ سعید، روشنی اور سخاوت میں سب سے اعلیٰ، وقار اور سکینہ میں سب سے زیادہ مضبوط، حقوق کی یادداشت میں سب سے زیادہ محتاط، تواضع میں سب سے آگے، تکبر سے بالکل خالی اور ہنس مکھ ہونے میں سب سے ظاہر تھے۔ گدھے پر سوار ہوتے تو کسی نہ کسی کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوتا۔ فقیر و مسکین پر مہربانی کرنے میں پہل کرتے، خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، مہمان اور ہر آنے والے کی خدمت کرنے میں جلدی کرتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے، اپنے نعلین کو خود گانٹھ لیتے، گھر والوں کی امور خانہ داری میں مدد فرماتے، ان کے ساز و سامان میں ہاتھ بٹاتے، بکری دوہ لیتے، اونٹ باندھ لیتے، دعوت قبول کر لیتے اگرچہ جو کی روٹی کی ہوتی، عصا پر ٹیک لگاتے، ریت اور پتھریلی زمین پر لیٹ جاتے، بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے، اپنے ذمہ کے حقوق کی نگہداشت کرتے، فرمایا کرتے کہ "حسن عہد" ایمان کامل کی علامت ہے۔ آپ ہر اس شخص کی عزت کرتے جو آپ کے صحابہ سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ قرض میں پھنسے اور غریب کے حالات پر نظر رکھتے۔ مجلس میں آخری جگہ تشریف رکھتے۔ جب آپ تشریف لاتے تو اپنی آمد پر استقبالیہ کھڑے ہونے کو پسند نہ فرماتے۔ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاتے۔ آپ کی بلندی ہوا کا غبار، تکبر اور غرور کی ہوا سے خالی تھا، لونڈی کے ساتھ وہاں تک جاتے جہاں اسے کوئی کام ہوتا پھر وہاں پہنچ کر اس کا کام مکمل فرماتے، جب حج فرمایا تو جسم اقدس اور کپڑوں پر غبار کے اثرات تھے اور آپ اسی حالت میں اونٹ پر سوار تھے۔ اس حج مبرور میں آپ نے ایک سو اونٹ قربان کئے۔ سعادت کی بلندیوں میں اپنے اصحاب کے ستاروں سے چمکتا ایک آسمان بنایا اور اپنے لئے عبد اور نبی ہونا پسند فرمایا نہ کہ بادشاہ نبی ہونا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشک و ریب سید البشر ہیں اور عالم شہادت و غائب میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم شخصیت آپ ہیں۔

كَانَ الرَّسُوْلُ الْمُصْطَفٰى اَوْ فِي الْاَنَامِ بِعَهْدِهٖ
وَاَجَلُّهُمْ قَدْرًا وَاَكْـــــــرَ مُهُمْ بِخَالِصِ وُدِّهٖ
وَاَسَرُّهُمْ بِشْرًا وَاَنْــــــجَزُهُمْ لِصَادِقِ وَعْدِهٖ
مُتَلَطِّفًا مُتَعَطِّفًا مُتَوَاضِعًا فِيْ مَجْدِهٖ
يَسْعٰى لِخِدْمَةِ ضَيْفِهٖ وَيُرٰى السِّمَاحُ بِرِفْدِهٖ
وَالْحَقَّ يَتْبَعُ دَآئِمًا فِيْ حَلِّهٖ اَوْ عُقْدِهٖ

حضور ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر وعدہ ایفاء کرنے والے ہیں، قدر و منزلت میں جلیل القدر اور محبت خالص میں سب سے بڑھ کر کریم ہیں۔ خوش طبعی اور خوش خلقی میں سب سے بڑھ کر اور وعدہ میں سب سے بڑھ کر سچے اور پورا کرنے والے ہیں۔ نہایت نرم دل نرم مزاج، تواضع و انکساری کرنے والے اور وہ بھی اتنی عظیم بزرگی کے باوجود، مہمان کی خدمت میں نہایت کوشاں اور درگزر فرمانے کے عادی ہیں۔ ہر فیصلہ میں حق کی ہی ہمیشہ اتباع کی۔

لوگوں کی بکثرت امانتیں آپ کے پاس رہتیں۔ اور آپ کی امان کا کوئی مقابلہ نہیں، عفت و صیانت میں سب سے آگے، چہرے کی تر و تازگی میں سب سے تازہ، لہجہ میں سب سے زیادہ سچے، ظاہر باہر اور پوشیدہ اور اعلانیہ سب سے زیادہ جمیل، عدل و احسان میں سب سے زیادہ گہرائی تک جانے والے کلام میں صادق، احکام میں حق پر سختی کرنے والے، آسمان اور زمین میں امین، اللہ تعالیٰ کے ہاں مکین، آپ کا وعدہ ایفاء کے ساتھ ملا ہوا ہوتا، آپ کے الفاظ اختصار پر مشتمل ہوتے، کسی کے ظلم کے بدلہ دوسرے کو نہ پکڑتے، جو سرکش اور دشمنی کی طرف مائل ہوتا۔ اس سے کنارہ کش رہتے۔ عدل سے فیصلہ فرماتے، فضل سے بھری گفتگو فرماتے، فرضی نماز کو نفلی نماز سے جمع فرماتے، یعنی فرض کے ساتھ نفل بھی ادا فرماتے، امانتیں ان کے مستحقین تک پہنچاتے، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں بھی آپ کے فضل کو سب جانتے تھے، چھوٹے بڑے مقدمات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے، اپنے بیگانے آپ کے علم اور عدل کی گواہی دیتے ہیں اور فضیلت و فضل وہ کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔

نَعَمْ يَعْرِفُوْنَ الْفَضْلَ مِنْهُ وَ كَيْفَ لَا وَقَدْ عَايَنُوْا مِنْهُ الْاَمَانَةَ وَالْعَدْلَا
وَيَكْفِيْهِ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ فَضْلَهٗ وَ فِيْ مُحْكَمِ الْقُرْآنِ اَوْ صَافُهٗ تُتْلٰى

ہاں ہاں اپنے بیگانے سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل سے واقف تھے، وہ کیوں نہ واقف ہوتے حالانکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امین و عادل ہونا آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور آپ

کے فضل کی دلیل یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل بنایا اور قرآن کریم میں واضح طور پر آپ کی صفات پر مشتمل آیات کی تلاوت ہوتی ہے۔

آپ وافر مقدار میں مروت کے حامل تھے، نیکی اور سیدھی راہ کے چہرہ سے آپ نے پردے دور کر دیئے، خاموشی اور وقار بے انتہا تھا، اخلاق جمیلہ اور ایثار بے مثل کے مالک تھے، پرانی سے پرانی صحبت کی بھی رعایت فرماتے، بڑی اور بیش بہا نعمتیں سخاوت کر دیتے، جسے رحمت کی ضرورت ہوتی، اسے اپنی خصوصی رحمت اور دعاؤں سے نوازتے، چھوٹے چھوٹے بچوں سے پیار فرماتے حتیٰ کہ نماز کے دوران بھی آپ کے لطف سے وہ بہرہ ور ہوتے، فطرتی خوبیوں کے استعمال کا حکم دیتے، خاموشی فرماتے تو بڑے حلم سے، احتیاط سے اور فکر و اندازہ کے مطابق فرماتے، کلام بقدر ضرورت اور مختصر فرماتے، اور جو نازیبا یا بری بات کرتا اس سے منہ پھیر لیتے، آپ کی مجلس ہدایت و علم کی مجلس ہوتی، خیر، حیا اور حلم کی محفل ہوتی، جس میں آوازیں بلند نہ کی جاتیں اور نہ ہی اس میں لوگوں کی پردہ دری کی باتیں ہوتیں۔ آپ کی موجودگی میں کسی کا نازیبا مذاق نہ اڑایا جاتا اور نہ کسی کی بے جا مذمت کا دفتر کھولا جاتا۔ آپ جب گفتگو فرماتے تو حاضرین کا سر جھک جاتا اور اگر خاموش ہوتے تو آپ کے وقار اور رونق میں اضافہ ہوتا۔ آپ کی مجلس سے کسی کونہ سے کوئی اٹھ کر نہ جاتا، اور نہ ہی کسی کو دوران گفتگو کچھ کہنے کی ہمت پڑتی۔ آپ کے ادب، انصاف کا خلاف نہ ہوتا۔

| | |
|---|---|
| يَا حَبَّذَا اَوْصَافُ عَدْلٍ مُنْصِفٍ | قَدْ حَارَتِ الْاَفْكَارُ فِيْ اَوْصَافِهٖ |
| وَلَاجَ اَبْوَابُ الْمُرُوْاَةِ وَالْحَيَا | فَرَاجَ ضِيْقَ الْمُعْتَفِيْ كَشَافِهٖ |
| ذِيْ مَجْلِسٍ لَا يَحْتَوِيْ الْاَعْلٰى | قَرَمَ يُسْرٍ بِمُلْتَقٰى اَضْيَافِهٖ |
| اَلْعِلْمُ فِيْ اَقْطَارِهٖ وَ الْحِلْمُ فِيْ | اَرْجَآئِهٖ وَ السِّلْمُ فِيْ اَكْنَافِهٖ |
| صَلّٰى عَلَيْهِ اِلٰهُهٗ وَمُحِبُّهٗ | مَا لَاحَ بَرْدُ الرَّوْضِ فِيْ اَفْوَافِهٖ |

واہ کیا خوبصورت ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف بھرے اوصاف کہ عقل ان کی تعریف و توصیف کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔ مروت اور حیاء کے دروازے کھول دیئے اور بہتری کے سائل کو اس قدر دیا کہ اس کا دامن تنگ ہو گیا۔ ایسی مجلس والے کہ جس میں ہر بیٹھنے والے اور مہمان کیلئے دستر خوان کرم بچھا ہوتا۔ علم ان کی دسترس میں، حلم ان کی امیدوں میں اور سلامتی ان کے پہلوؤں میں ہے۔ ان پر ان کے معبود اور محب کے صلوٰۃ و سلام ہوں جب تک باغات میں چلنے والی ٹھنڈی ہوا مختلف سمت چلتی رہے۔

نویں فصل

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد قناعت اور آپ کی عبادت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں زاہد تھے، جن حضرات نے دنیا کو ترک کیا ان میں سے سب سے بلند درجہ پر آپ فائز تھے۔ دنیا سے کنارہ کش رہے، قلیل پر گزارہ کیا، اس کی تروتازگی سے منہ پھیرے رہے، اس کی ہریالی کی طرف ایک نظر نہ اٹھائی۔ اطاعت سے مزین تھے، صبر وقناعت کی چادریں زیب تن کئے ہوئے تھے۔ آپ کے احوال وامور تمام کے تمام پاکدامنی اور کفایت سے مزین تھے۔ نان ونفقہ اور پوشاک کے معاملہ میں اس قدر پر اقتصار تھا کہ جس سے ضرورت پوری ہو جاتی۔ موٹا کپڑا پہنتے۔ کمبل اوڑھتے اور پگڑی شملہ والی ہوتی۔ قیمتی اور ریشمی کپڑے اپنے اصحاب میں ایک ایک کر کے بانٹ دیتے۔ آپ کی زندگی بڑی کٹھن اور خوراک نہ ہونے کے برابر تھی۔ چولہا سرد رہتا تھا۔ چمڑے کا بستر جس میں پتے ڈال کر سیا ہوتا، نیند قلیل، کھانا کم، رات کھائے بغیر پیٹ لپیٹ کر سو جاتے۔ صبح خالی معدہ روزہ رکھا ہوتا۔ گھر والوں سے کھانے کو نہ مانگتے، نہ ہی ان سے بھوک کی شکایت کرتے بلکہ اگر دے دیتے تو تناول فرما لیتے اور پینے کو دیتے تو ایک ہی مرتبہ پینے پر اکتفا فرماتے۔

زُهْدٌ عَظِيْمٌ وَ اِقْتِصَارٌ زَائِدٌ — فِيْ مَاْكَلٍ وَ مَشْرَبٍ وَ مَلْبَسٍ
وَعِفَّةٌ يَّتْبَعُهَا صَبْرٌ عَلٰى — صَوْمِ نَهَارٍ وَ قِيَامِ حَنْدَسٍ
وَ فَرْطُ اِعْرَاضٍ عَنِ الدُّنْيَا وَ مَا — تُلْهِيْ بِهٖ مِنْ وَ شْيِهَا الْمَدَاسِ
يَا سَيِّدَ الرُّسُلِ وَ يَا اَعْلَى الْوَرٰى — مَنْزِلَةً تُفْدِيْكَ كُلُّ الْاَنْفُسِ

کھانے، پینے اور لباس میں عظیم زہد اور کم سے کم پر گزارہ، پھر پاکدامنی اور اس کے ساتھ ساتھ دن کے روزہ پر صبر اور رات بھر کا قیام، دنیوی اغراض وخواہشات سے کنارہ کشی اور اس کی تروتازگی سے اعراض، اے تمام انبیاء کرام کے سردار! اے تمام مخلوق سے قدر ومنزلت میں اعلیٰ! آپ پر تمام انسانیت قربان۔

دسترخوان پر کبھی نہ کھایا۔ نہ ہی میدہ کی بنی روٹی کبھی تناول فرمائی، جو کی روٹی پیٹ بھر کر متواتر دو دن نہ کھائی، نہ ہی گندم کی بنی روٹی تین دن متواتر کھائی۔ اسی طرح انتقال ہو گیا۔ بال صاف کر کے بکری کا بھونا ہوا بچہ بھی نہ کھایا، بعض دفعہ ریت کے بے فرش پر آرام کر لیا، وصال کے بعد درہم ودینار اور کوئی نفقہ نہ چھوڑا، صرف جنگی ہتھیار اور خچر چھوڑا اور زمین کو صدقہ کر دیا۔ ادھر یہ حال اور ادھر تمام

زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں آپ کو دے دی گئیں۔ سمندر کے چھپے خزانے آپ کو بتا دیئے گئے۔ آپ پر غیموں کے بادل سایہ کئے رہے۔ بڑے بڑے تاجروں اور پگڑی والوں کے ہدیہ جات آتے رہے، جزیہ اور صدقات آپ کی بارگاہ میں لائے جاتے۔ مال ونفقات کے آپ کے سامنے ڈھیر لگا دیئے جاتے۔ دنیا اپنے پاؤں پر چل کر آپ کے پاس حاضر ہوئی، ایک ایک کر کے فتوحات آپ کو حاصل ہوئیں، لیکن ان سب میں ملنے والا مال و دولت آپ نے تقسیم کر دیا اپنے لئے ایک درہم یا دینار بھی نہ رکھا، بلکہ بھلائی پر سب کچھ خرچ کر دیا۔ دوسروں کا فاقہ اس سے مٹایا۔ مسلمانوں کی مصلحتوں اور بہتری کے کاموں پر صرف کیا، مشرکین کے ہاتھ اس سے دور رکھے اور جس نے بھی آپ سے عطیہ اور مدد چاہی اس پر خرچ کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کا جب وصال ہوتا ہے تو آپ کی زرع اپنے گھر کے خرچہ کے عوض رہن میں تھی۔

نَبِیٌّ وَ اَفَتِ الدُّنْیَا اِلَیْهِ ... وَجَآءَ تْهُ مَفَاتِیْحُ الْکُنُوْزِ

وَمَا لَتْ نَحْوَهٗ فَاَبٰی عَلَیْهَا ... وَ قَابَلَهَا بِاِفْرَاطِ النُّشُوْزِ

تَجَنَّبَهَا وَ اَعْرَضَ عَنْ جَنَاهَا ... وَلَاذَ بِجَانِبِ الْمَلِکِ الْعَزِیْزِ

دَعَاهُ اللّٰهُ مُخْتَارًا هَدَانَا ... اِلَی الْمِنْهَاجِ بِاللَّفْظِ الْوَجِیْزِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نبی ہیں کہ دنیا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، خزانوں کی کنجیاں آپ کے پاس آئیں، اور انہوں نے آپ کی طرف میلان کیا، لیکن آپ نے انہیں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور سخت مخالفت کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ ان سے پہلوتہی کی اور ان کی طرف جھکاؤ کی بجائے اللہ غالب بادشاہ کو اپنی پناہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختار بنایا اور آپ کے ذریعہ ہمیں مختصر الفاظ سے سیدھا راستہ دکھایا۔

آپ اللہ تعالیٰ کے شدید خوف والے اور بہت عبادت گزار تھے۔ بندگی بے حساب و کتاب کی، اللہ کی اطاعت اس کی محبت کی نظیر ہے اور اس کا خوف اسی قدر کسی کو ہوتا ہے جتنی کسی کو اس کی معرفت ہوتی ہے۔ آپ کا ہر کام علی الدوام تھا، آپ کا طریقہ مستقیم تھا، دیر تک نماز ادا کرتے۔ رات کا اکثر حصہ جاگ کر اور عبادت کر کے گزارتے، دائیں کروٹ آرام فرماتے، کوئی خوبصورت چارپائی نہ تھی، نیند بالکل مختصر تھی۔ اللہ رب العزت کے حضور مراقب رہتے، ایک دن میں سو مرتبہ استغفار فرماتے، اس قدر کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا، سخت گرمیوں میں بھی اپنے مولیٰ کی اطاعت و عبادت کی خاطر کھانا نہ کھاتے، محبت آپ کی اساس، صبر آپ کا لباس، زہد آپ کا پیشہ، صدق آپ کی عادت، یقین

آپ کی قوت، رضاءالٰہی آپ کی سواری، معرفت آپ کا رأس المال، طاعت آپ کی امیدوں کا منتہیٰ، شوق آپ کی سواری، فکر آپ کا ساتھی، تقویٰ آپ کا خزانہ، حزن آپ کا ہم نوا، فقر آپ کا فخر، عقل آپ کا چراغ، جہاد آپ کا خلق، علم آپ کا ہتھیار اور نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کے دل کا پھل ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' تھا۔

اَلْخَوْفُ مَاْلَفُهٗ وَالصَّبْرُ مَطْرَفُهٗ ۔۔۔ وَالْعِلْمُ مَرْهَفُهٗ وَالشَّوْقُ مَرْكَبُهٗ
عِبَادَةُ الْخَالِقِ الْجَبَّارِ هِمَّتُهٗ ۔۔۔ وَطَاعَةُ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ مَطْلَبُهٗ
وَدِيْمَةُ الْعَمَلِ الْمَبْرُوْرِ شِرْعَتُهٗ ۔۔۔ وَمَذْهَبُ الْحَقِّ وَالْاِيْمَانِ مَذْهَبُهٗ
اَزْكَى التَّحِيَّاتِ مِنِّيْ لَاتُفَارِقُهٗ ۔۔۔ مَاطَابَ مِنْ سِلْسِلِ الْاَمْطَارِ مَشْرَبُهٗ

خوف الٰہی آپ کی پسند، صبر آپ کا مطمع نظر، علم آپ کا ہتھیار (تلوار) اور شوق آپ کی سواری ہے۔ اللہ خالق وجبار کی عبادت آپ کی ہمت اور واحد القہار کی اطاعت آپ کا مقصد ہے۔ اچھا کام لگا تار کرنا آپ کی عادت اور حق وایمان کا مذہب آپ کا مذہب ہے۔ میری طرف سے نہایت پاکیزہ درود وسلام لگا تار آپ پر نازل ہوتا رہے جب تک آپ کے مشرب کی موسلا دھار بارش برستی رہے۔

دسویں فصل

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسراء اور آسمانوں کے معراج کا بیان

ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے خاص بندے کو راتوں رات لے گیا اور بلندیوں کی چادران پر تانی، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف منتقل کیا، ظاہری اور باطنی اس قدر نعمتیں عطا کیں کہ ان کا حد وشمار نہیں۔ آپ کیلئے براق لایا گیا، اس پر آپ سوار ہوئے تا کہ ساتوں آسمان اس پر عبور کر جائیں، براق ایک سفید رنگ کا چار پایہ ہے، بہت طویل ہے جہاں نظر جا کر ختم ہوتی ہے وہاں تک اس کا ایک قدم ہوتا ہے، جب آپ بیت المقدس تشریف فرما ہوئے، وہاں مسجد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے نماز ادا فرمائی، دودھ کو پسند فرما کر اور شراب کو چھوڑ کر اپنے اختیار سے فطرت کی ترجمانی کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں آسمانوں کی طرف چڑھ گئے۔ عالم علوی میں اعلیٰ مقامات مرحمت ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر دیکھا، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو دیکھا، تیسرے پر حضرت یوسف اور چوتھے پر حضرت ادریس علیہما السلام کو دیکھا، جو بالتحقیق اسرار الٰہیہ کے حقدار ہیں، حضرت ہارون سے پانچویں آسمان پر ملاقات ہوئی اور ان کے بھائی حضرت موسیٰ سے چھٹے آسمان پر اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، جو حضوری کے فضل سے مشہور ہیں۔ دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں یہ وہ عظیم الشان گھر ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں ان میں سے دوبارہ وہی آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دوبارہ آنے کی اجازت دے۔ والدین، بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں سے مانوس ہوئے، ہر ایک نے آپ کی صلاح کی طرف اشارہ کیا۔ مرحبا کہا، اور دعا کی ہر آسمان کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام دروازہ کھولنے کو کہتے تو دروازہ کا دربان دروازہ کھول دیتا وہ پوچھتا تمہارے ساتھ یہ دوسرے کون ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام اس کو جواب دیتے۔

رَکِبَ الْبُرَاقَ مُحَمَّدٌ لَیْلًا وَلَمْ — یَرْکَبْهُ اَفْضَلُ مِنْهُ عِنْدَالْخَالِقِ
وَرَقِیَ لِیَحْظٰی بِالنَّعِیْمِ مِنَ اللِّقَا — وَالْقُرْبِ مُخْتَرِعًا لِسَبْعِ طَرَائِقِ
وَرَاَی النَّبِیِّیْنَ الْکِرَامَ وَ رَحَّبُوْا — بِقُدُوْمِهٖ تَرْحِیْبَ خِلٍّ صَادِقٍ
وَسَمَا اِلٰی رُتَبٍ مَنَاکِبُ یَحَارُ فِیْ — اَوْ صَافِهَا فِکْرُ الْبَلِیْغِ الْحَاذِقِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت براق پر سوار ہوئے اس پر آپ سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک اور کوئی افضل سوار نہیں ہوا۔ پھر اس قدر بلند ہو گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس

سے ملاقات کی عظیم نعمت پائیں، یہ سفر آپ نے ساتوں آسمان طے کر کے کیا۔ آپ نے حضرات انبیاء کرام کو دیکھا اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور مخلص دوستوں کی طرح مرحبا کہا۔ وہاں آپ اس قدر بلند مراتب پر فائز ہوئے کہ جن کے اوصاف بڑے سے بڑا ماہر اور عالم بھی بیان نہیں کر سکتا۔

پھر حضرت جبرئیل آپ کو سدرۃ المنتہیٰ لے گئے۔ یہ ایک درخت ہے جس پر بے شمار پتے اور پھل ہیں اس کی جڑوں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں، گھڑ سوار اس کے سایہ میں ستر سال تک چل سکتا ہے۔ زمین سے جو بھی اوپر جاتا ہے اس کی آخری منزل یہی ہے اور جو اوپر سے اترتا ہے وہ اس تک آ کر رک جاتا ہے اور اس سے ہی نکلتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے ڈھانپ لیا جو بھی ڈھانپا تو اس میں تغیر ہوا اس کے بعد اس کے حسن و جمال کی تعریف کسی کے بس میں نہیں اگر آنکھیں اسے دیکھ لیں تو حیرت زدہ رہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی اور آپ پر نماز فرض کی، پھر اپنی رحمت سے صدقہ کیا اور اس میں کمی کر دی، لیکن تعداد کم ہونے کے باوجود ثواب و اجر مکمل رہا۔ یہ تخفیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپ سے درخواست پر ہوئی جو عالی ہمت ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کیلئے نمازوں کی تعداد میں کمی کا سوال کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس قدر بلندی پر لے گیا کہ آپ برابر قلم کے چلنے کی آواز سنتے تھے اور ملاء اعلیٰ میں آپ کو اپنی گفتگو سے نوازا۔

وَ اَنْزَلَهٗ فِیْ رَوْضَةِ الْقُرْبِ وَالرِّضٰی ۔۔۔ وَاَكْرَمَهٗ بِالْمَنْزِلِ الْاَفْضَلِ الْاَسْنٰی

دَنَا فَتَدَلّٰی وَهُوَ خَیْرُ مُقَرَّبٍ ۔۔۔ فَكَانَ اِقْتِرَابًا قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب خاص کے باغ اور رضا مندی کے گلستان میں لے گیا اور نہایت بلند و بالا منزل پر آپ کو باعزت بٹھایا۔ آپ بہت قریب ہوئے اور آپ ہیں بھی بہترین مقرب، آپ کی قربت دو کمان کے ملنے یا اس سے بھی زیادہ قریب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کے فرشتوں کی امامت کی عظمت سے نوازا۔ حضرات انبیاء اور ملائکہ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام سے خوش آمدید کہا۔ اپنے مشاہدہ کیلئے حاضر کیا، اپنی قدرت اور غیب کے پردے آپ کیلئے اٹھا دیئے، نور اعظم کے معاینہ میں آپ کی مدد کی اور اپنے مقربین کو بتایا کہ تمام مخلوق سے عظیم اور افضل آپ ہیں، پردوں کے پیچھے فرشتے سے اذان کی آواز سنوائی۔ اپنی قدرت کے سمندر سے اپنے دیدار کیلئے عجیب و غریب فیصلے نکالے آپ کا بہترین باعزت ٹھکانہ بنایا۔ جنت الماوٰی میں داخل کیا۔ راستے آپ پر واضح کیے، حقائق آپ پر ظاہر فرمائے، اسرار مکنونہ آپ کے پاس بطور امانت

رکھے۔غریب خزانہ جات پر آپ کو مطلع کیا، اپنی بادشاہی اور ملکوت کے عجائبات دکھائے، اپنی کبریائی اور جبروت کی عظمت پر تنہا نظر پڑنے دی۔ بیش بہا عنایات اور خفی الطاف عنایت فرمائے۔ اس قدر قرب عطا کیا کہ کیفیت کا معاملہ منقطع ہو گیا۔ پھر آپ کیلئے تلطف اور انس کے بستر ے بچھائے مقربین میں سے جو تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں۔ ان پر بلندی عطا فرمائی، اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں اوران مقرب فرشتوں میں آپ کا چرچا کیا۔ بیشک اسی میں سمجھنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔

| | |
|---|---|
| نَبِیٌّ قَدْسَریٰ لَیْلًا | فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی |
| نَبِیٌّ قَدْ رَاٰهُ | اللّٰهُ مِنْ آیَاتِهٖ الْکُبْرٰی |
| نَبِیٌّ خَصَّ بِالْعُلْیَا | وَ رُتْبَتُهٗ بِهَا اُخْرٰی |
| نَبِیٌّ جَاءَ بِالْاِیْمَا | نِ وَالْاِحْسَانِ وَالْبُشْرٰی |
| نَبِیٌّ شَامِخُ الْمِقْدَا | رِ فِی الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخْرٰی |
| سَلَامُ اللّٰهِ مَوْصُوْلٌ | بِهٖ مَا دَامَتِ الشِّعْرٰی |

وہ نبیؐ جو رات کو معراج کیلئے تشریف لے گئے، پس پاکی ہے اس کیلئے جو راتوں رات آپ کو لے گیا۔ وہ ایسے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ وہ ایسے پیغمبر ہیں کہ جنہیں بلندیوں سے مختص کیا۔ آپ کا رتبہ اسی کا مستحق ہے وہ ایسے رسول ہیں جو ایمان، احسان اور خوش خبری لیکر آئے، وہ ایسے نبی ہیں جو دنیا و آخرت میں بلند مقدار ہیں، اللہ تعالیٰ کا لگاتار سلام آپ پر نازل ہو جب تک شعری (ستارہ) ہے۔

## گیارہویں فصل

# قیامت کے دن آپ کی تعظیم اور تکریم کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے اول اپنی قبرانور سے باہر تشریف لائیں گے اور حشر میں سب کے قائد ہوں گے، جب لوگ ناامید ہو جائیں گے تو انہیں بشارت دینے والے آپ ہی ہوں گے، جب انہیں روکا جائیگا تو ان کے شفیع بھی آپ ہی ہوں گے، جب سب خاموش ہوں گے تو آپ ہی سب کے خطیب ہوں گے، اس دن جب سبھی مبہوت ہو جائیں گے اور بے خبر ہو جائیں گے تو آپ ہی ان کو ہوش میں لانے والے ہوں گے۔ ''حمد'' کا جھنڈا آپ کے دست اقدس میں ہوگا۔ کیا آدم کیا دوسرے سبھی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، سب سے پہلے زمین آپ سے شق کی جائے گی اور سب سے پہلے قیامت کے دن آپ اور آپ کے ساتھی جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ افضل السابقین ہیں، اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں میں سے افضل ہیں۔ اصحاب الیمین میں سے سب سے بہتر آپ ہیں۔ روح الامین جن حضرات کے پاس تشریف لائے آپ ان سب سے جلیل القدر ہیں۔ آپ ہی حوض کوثر کے مالک ہیں وہ حوض جس کی خوشبو مشک وعنبر سے کہیں زیادہ ہے، اس کے چاروں طرف موتیوں کے بنے آب خورے موجود ہیں، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور چاندی سے زیادہ سفید ہے اس کی لمبائی اس قدر ہے جس قدر ''ایلہ'' اور ''عمان'' کے درمیان فاصلہ ہے۔ جنت سے اس میں دو پرنالے گرتے ہیں، ایک خالص چاندی کا اور دوسرا خالص سونے کا بنا ہوا ہے، اس کے کٹورے ایسے جیسا کہ آسمانی ستارے چمکتے ہوں ان کی تعداد بھی ستاروں کے برابر ہے جس نے اس سے ایک گھونٹ پی لیا ہمیشہ کیلئے پیاس ختم ہو گئی۔

حَوْضٌ بَعِيْدُ الْمَدٰى اَرْوَاحٌ مَوْرِدُهٗ تَفُوْحُ بِالطِّيْبِ يَا طُوْبٰى لِمَنْ وَرَدَهٗ
يَاْتِيْهِ مَاءٌ مِنَ الْفِرْدَوْسِ مُطَّرِدٌ اَحْلٰى مِنَ الشَّهْدِ يَحْىٰ نَفْسُ مَنْ شَهِدَهٗ
كِيْزَانُهٗ كَالنُّجُوْمِ الزُّهْرِ طَالِعَةٌ اَوْصَافُهٗ بِمَزَايَا الْحُسْنِ مُنْفَرِدَهٗ
مَنْ امه دَاخِلًا فِىْ ظِلِّ صَاحِبِهٖ قَدْ هَيَّاءَ اللّٰهُ فِى الْاُخْرٰى لَهٗ رُشْدَهٗ

حوض کوثر بہت لمبا چوڑا ہے جس سے خوشبو کے ملے نکلتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس سے پانی پئے گا۔ اس کا پانی جنت الفردوس سے لگا تار آتا ہے۔ جو شہد سے زیادہ میٹھا ہے، جو اس سے پی لیتا ہے اسے زندگی مل جاتی ہے اس کے آبخورے ستاروں کی طرح روشن چمکتے ہیں، اس کی خوبصورتی سب

سے منفرد ہے جو شخص اس حوض کے مالک یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں رشد وہدایت اور اس حوض کی طرف راستہ دے دے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہیں اور آپ کی شفاعت ہی سب سے پہلے مقبول ہوگی۔ آپ ہی سب سے پہلے کلام کریں گے اور باقی تمام موجودین آپ کا کلام خاموشی اور توجہ سے سنیں گے۔ آپ تمام انبیاء کرام سے ازروئے اجر "اعظم" ہیں۔ ازروئے ذکر بلند ہیں اور معجزات کے اعتبار سے سب سے زیادہ روشن معجزات والے ہیں۔ آپ کے مقام تک کوئی نہ پہنچ سکا اور بات کی وضاحت کرنے میں آپ سے بڑھ کر بلیغ کوئی نہیں۔ دلیل میں آپ سب سے زیادہ مضبوط، مقدار میں سب سے زیادہ جلیل ہیں۔ مدد میں آپ ہی عزیز ہیں، حمد وشکر میں آپ بہت بڑے حصہ کے مالک ہیں۔ توکل وصبر میں سب سے مکمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے سب سے بڑے عالم ہیں، اللہ کی عظمت، جلال اور کبریائی میں آپ کا دل سب سے اکمل ہے، اللہ کی شریعت و احکام کی معرفت میں سب سے بڑے عارف ہیں، اس کی وحی اور کلام کے معانی کے سمجھنے میں سب سے زیادہ فہم کے مالک ہیں۔ مدارک عقلیہ کا احاطہ کرنے میں سب سے آگے ہیں، حضرت قدسیہ میں باعتبار مجلس کے سب سے آگے ہیں اپنی علامات ونشانیوں میں سب سے نمایاں ہیں، کل قیامت میں آپ کے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے اس دن آپ کو مقام وسیلہ عطا کیا جائے گا جو مختلف اقسام شکر سے محجوب ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وسیلہ" جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ قیامت کا دن وہ کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہزار محلات عنایت ہوں گے جن کی مٹی گندھی ہوئی مشک ہوگی۔ ان میں آپ کی شان کے لائق خادم اور بیویاں ہوں گی۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ اَفْوَاجًا اِلٰى بَارِئِهِمْ ذِى الْعِزِّ وَ التَّنْزِيْهِ
يَوْمَ الْمَآبِ وَالْحِسَابِ وَالْلِقَا يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ

اس دن لوگ اپنے خالق کے حضور جماعت در جماعت کھڑے ہوں گے جو عزت کا مالک اور ہر عیب سے پاک صاف ہے وہ ایسا دن ہے کہ جہاں سب نے جانا ہے، سب کا حساب ہونا ہے اللہ سے ملنا ہے وہ دن ایسا ہے کہ بھائی بھائی سے بھاگے گا۔

جس دن لوگ حیران ہوں گے نشے والے کی طرح نظر آئیں گے لیکن نشہ نہ کیا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہے کہ تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی التجا کریں گے۔ کیونکہ دوسرے انبیاء کرام نے اس سے انکار کر دیا ہوگا۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش رحمٰن کی دائیں جانب قیام فرمائیں

گے۔سبز رنگ کا جوڑا زیب تن ہوگا، جس پر ایسے نشانات ہوں گے جو آپ کی تمناؤں کے برآنے کی دلیل ہوں گے۔آپ کو اذنِ شفاعت عطا ہوگا پھر آپ وہ کہیں گے جو اللہ نے چاہا۔آپ پر حمد و ثناء کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جیسا کہ کتب میں منقول ہے کتنا وہ عظیم مقام ہے۔جس تک مقربین کی بھی رسائی نہ ہوگی۔وہ مقام محمود جس پر اگلے پچھلے رشک کریں گے۔آپ اس قدر لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے کہ زمین پر اتنے درخت نہیں اور زمین پر پڑے پتھروں اور کنکریوں کی تعداد سے کہیں زیادہ لوگوں کی شفاعت کریں گے۔آپ ان لوگوں کیلئے جلدی جانے کی شفاعت کریں گے جنہیں بلا حساب و کتاب جنت میں جانا ہے اور ان لوگوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے جن پر عذاب لازم ہو چکا ہوگا اور آگ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے اور ہر اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جس نے کلمہ شہادت پڑھا ہوگا۔یہ مرتبہ و مقام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوگا۔آپ میں اور کتنے ایسے فضائل ہیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں لیکن اس کے باوجود آپ ان میں سے کسی پر فخر نہیں فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے عظیم احسان فرمایا۔اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف سے ایسی عظیم جزاء عطا فرمائے جو کسی پیغمبر کو اس کی امت کی طرف سے ملی۔

رَسُوْلٌ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْزِلٌ ۔۔۔ عَلَی الَّذِی اَعْلَامُهُ الزُّهْرُ تَلْمَعُ
وَمَوْقِفُ قُرْبٍ لَا یُدَانِیْهِ غَیْرُهٗ ۔۔۔ یَقُوْلُ الَّذِیْ فِیْهِ یَقُوْلُ فَیَسْمَعُ
وَیَسْأَلُ وَالْبَارِیْ یُجِیْبُ سُؤَالَهٗ ۔۔۔ وَیَشْفَعُ فِیْمَنْ جَآءَ ہ فَیُشَفَّعُ
نَبِیٌّ اَبِیْ کَانَ یَنْهٰی عَنِ الْاَذٰی ۔۔۔ وَیَأْمُرُ بِالْحُسْنٰی وَ بِالْحَقِّ یَصْدَعُ
عَلَیْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَالَاحَ بَارِقٌ ۔۔۔ وَمَا انْهَلَّ مِنْ جَفْنِ السَّحَابَةِ مَدْمَعُ

آپ وہ عظیم الشان رسول ہیں کہ کل قیامت میں آپ کا مقام نہایت بلند و بالا ہوگا اور آپ کی روشن علامات چمکتی ہوں گی اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں ہوں گے کہ کوئی دوسرا وہاں نہ پہنچ سکے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ ارشاد فرمائے گا آپ ہی اسے سنیں گے آپ اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے وہی آپ کے سوال کو منظور کرے گا۔آپ اپنے ہر چاہنے والے کی شفاعت فرمائیں گے جو قبول کر لی جائے گی۔آپ ایسے پیغمبر ہیں کہ جنہوں نے ہر قسم کے رذائل کو اپنے سے دور رکھا۔آپ تکلیف دہ باتوں سے روکتے تھے اور اچھی باتوں کا حکم کیا کرتے تھے اور حق کی طرف آپ کا میلان ہوا کرتا تھا۔آپ پر اللہ تعالیٰ کے سلام اس وقت تک اترتے رہیں جب تک بجلی چمکتی رہے اور جب تک بادلوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہیں۔

## بارہویں فصل

## آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء کنیت اور القاب مبارکہ کا بیان

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی اور القاب مبارکہ بکثرت ہیں۔ آپ کے اوصاف ایسی عظیم مچھلی کی مانند ہیں جس کے پیٹ میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا موتی ہو آپ کے اسماء گرامیہ میں سے محمد اور احمد ہیں۔ یہ دونوں نام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشریف آوری سے قبل کسی کا نام ان دونوں ناموں پر نہ ہونے دیا۔ تا کہ لوگوں کو آپ کے بارے میں شک اور التباس واقع نہ ہو جائے۔ آپ تمام تعریف کرنے والوں کے ''احمد'' ہیں اور تمام محمودین میں سے زیادہ ''محمد'' ہیں۔ اور از روئے حمد آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ ہی کل قیامت میں ''لواء الحمد'' اٹھائے ہوں گے جس دن تمام متقی اپنے پروردگار کے ہاں جمع ہوں گے۔ آپ کے ناموں میں سے ماحی، حاشر، مقدس اور طاہر بھی ہیں۔ ''ماحی'' وہ جو کفر کو مٹا دینے والا ہو۔ آپ نے اپنی گفتگو سے کفر کو مٹا دیا۔ ''حاشر'' وہ کہ جس کے قدموں پر لوگ قیامت میں جمع ہوں۔ آپ کے ناموں میں سے النجم الثاقب، المصلح اور العاقب بھی ہیں۔ ''عاقب'' وہ کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے اور آپ کے بعد کوئی بھی نیا نبی نہیں آئے گا۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ، سراج منیر، مقفی، قثم اور قثوم بھی آپ کے نام ہیں۔ آخری دو نام (قثم، قثوم) آپ کی آل بیت میں معلوم و معروف ہیں۔

يَا سَيِّدًا اَسْمَآءُ هٗ قَدْ سَمَتْ وَ فِيْ مَعَانِيْهِ تَحَارُ الْحُلُوْمُ
وَمَنْ حَوَتْ اَزْهَارُ اَلْقَابِهٖ نَشْرَ شَذِيٍّ تَطْوِيْ عَلَيْهِ الرُّقُوْمُ
اَنْتَ الَّذِيْ اَنْوَارُ اَعْلَامِهٖ تَهْدِيْ اِلَى الْحِكْمَةِ اَهْلَ الْعُلُوْمِ
وَمَنْ لَهٗ فَضْلُ اَيَادِيْهِ لَا تُحْصٰى وَهَلْ تُحْصٰى دَرَارِيُّ النُّجُوْمِ

اے آقا! آپ کے اسماء گرامی یقیناً بلند و بالا ہیں۔ اور ان کے معانی سمجھنے میں عقلیں حیران ہیں، آپ وہ ہیں کہ جن کے پھولوں جیسے القاب سے خوشبو و مشک پھیلتی ہے اور منقش چادریں انہیں چھپا لیتی ہیں، آپ وہ ہیں کہ جن کی روشن علامتیں اہل علم کو حکمت کا راستہ بتاتی ہیں اور وہ ہیں کہ جن کے احسانات کی فضیلت ان گنت ہے اور کیا ستاروں کے راستے بھی کبھی گننے میں آتے ہیں۔

آپ کے اسماء میں سے مدثر، مزمل، مختار، متوکل، رؤف، رحیم، صراط مستقیم، حق مبین اور صادق الامین بھی ہیں۔ ''حق'' اس لئے کہ آپ کا سچ اور آپ کا امر ثابت شدہ ہے۔ اور ''مبین'' اس لئے کہ

آپ نے اللہ تعالیٰ کے ان تمام احکام کو بیان کر دیا جو آپ کو عطا کیے گئے تھے۔ طٰہٰ، یٰس، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، امام المتقین، قائد غر المحجلین، نعمۃ اللہ علی الخلائق، عبداللہ کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے بتائے۔ نبی الرحمۃ، نبی الراحۃ، رسول التوبۃ، رسول الملحمۃ بھی آپ کے نام پاک ہیں۔ "ملحمہ" سے مراد یہ ہے کہ آپ کو جہاد کرنے اور مشرکین وغیرہ کو ڈرانے دھمکانے والا بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ خلیل الرحمٰن، حبیب الملک، الدیان، مقیم السنۃ، روح الحق، الشفیع، المشفع، صاحب الوسیلہ، صاحب الدرجۃ الرفیعہ، صاحب الفضیلۃ، صاحب حوض المورود، صاحب مقام المحمود، صاحب البراق، صاحب المعراج، صاحب الہراوۃ، صاحب التاج بھی آپ کے نام ہائے مبارکہ ہیں۔ "تاج" سے مراد بادشاہوں کا سونے میں جڑا ہوا تاج نہیں، بلکہ عمامہ شریف ہے۔ اس لئے کہ "عمامہ" عرب لوگوں کا تاج ہے۔ (جواب نہیں رہا)

| | |
|---|---|
| بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا عَلَمَ الْھُدٰی | تَتَشَرَّفُ الْاَلْقَابُ وَ الْاَسْمَآءُ |
| وَبِیُمْنِ طَالِعِکَ السَّعِیْدِ قُدُوْمِہٖ | ذَھَبَ الظَّلَامُ وَ آبَتِ الْاَضْوَآءُ |
| وَبِنَصْرِ نَصْلِکَ سَرَّ کُلُّ مُوَحِّدٍ | وَبِعِزِّ عَزْمِکَ ذَلَّتِ الْاَعْدَآءِ |
| سَقْیًا لِاُمَّتِکَ الَّتِیْ طَابَتْ لَھُمْ | بِنَبِیِّھِمْ بَیْنَ الْوَرٰی الْاَشْیَآءُ |

اے اللہ کے رسول! اے ہدایت کے جھنڈے! آپ کی برکت سے القاب واسماء مشرف ہو گئے۔ آپ جس مبارک ساعت میں تشریف لائے۔ اس کی برکت سے اندھیرے چھٹ گئے اور روشنیاں چمک اٹھیں۔ آپ کے نیزہ کی مدد سے ہر موحد خوش ہو گیا اور آپ کے عزم کی وجہ سے دشمنوں کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو سیراب کرے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر کے سبب بہت سی اشیاء طیب وحلال فرمادیں۔ جو دوسروں پر حلال وطیب نہ تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب حجت اور صاحب سلطان تھے۔ صاحب علامت و برہان تھے۔ جھنڈے کے مالک اور تلوار کے دھنی تھے۔ اونٹنی کے سوار اور صفائی کے راکب تھے، اولاد آدم کے سردار تھے۔ آپ کے اسماء گرامی مہیمن، فاتح، خاتم، مصطفیٰ، مجتبیٰ، کریم، ابوالقاسم، ابوابراہیم، نبی امی، ہادی، النور، عروۃ الوثقی بھی ہیں۔ عروۃ الوثقی جس نے تھاما اور جس نے اس سے تمسک کیا۔ وہ رشک آور سرور پا گیا۔ بارقلیط (فارقلیط) بھی آپ کا نام ہے جس کا معنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ "حمطایا" بھی آپ کا اسم گرامی ہے جس کا معنی حمایت کرنے والا ہے۔ آپ نے تیز دھاری دار پتلی تلواروں اور نیزوں سے حرم کی حمایت فرمائی۔ مجھے عمر کی قسم! یہ اسماء گرامی اس بات پر دلالت

کرتے ہیں کہ ان کا مسمّیٰ جلیل ہے اور یہ القاب قدر و منزلت کی بڑائی پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے بعض کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے کچھ قرآن کریم میں باللفظ اور صراحت سے مذکور ہیں اور چند تورات وانجیل میں وارد ہوئے۔علاوہ ازیں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان کتب سماویہ میں ملتے ہیں جو بہت پہلے اتاری گئیں ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ پر رکھے۔اس طریقہ میں جو اس میں تعریف اور بلندیٔ شرافت ہے وہ بالکل واضح ہے۔

اَسْمَآئُهٗ وَ سِمَاتُهٗ مَعْلُوْمَةٌ عِنْدَ الرُّوَاةِ وَ عُرْفُهٗ مَعْرُوْفٌ

وَخِلَالُهٗ مَأْثُوْرَةٌ وَ خِصَالُهٗ مَسْطُوْرَةٌ وَ جَلَالُهٗ مَوْصُوْفٌ

اَكْرِمْ بِهٖ سَمْحًا عِطَافُ نَوَالِهٖ اَبَدًا عَلٰى قُصَادِهٖ مَعْطُوْفٌ

بَرًّا اَمِيْنًا صَادِقًا صَدَقَاتُهٗ اَلْمَنُّ عَنْهَا وَ الْاَذٰى مَصْرُوْفٌ

مِنِّيْ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ مَكِّيَّةٌ بِفِنَآءِ طَيْبَةَ طِيْبُهَا مَعْكُوْفٌ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی اور علامات احادیث کی روایت کرنے والوں کو معلوم ہیں۔اور آپ کی جان پہچان سبھی کو معلوم ہے۔آپ کی عادات وصفات کتب احادیث میں بکثرت ہیں۔اور آپ صاحب جلال ہیں، آپ کی سخاوت آپ کا کرم اور عطا کس قدر عظیم ہے اور آپ ہر وقت مانگنے والے پر مہربان تھے۔نیک، امین اور احسانات کرنے والے تھے، تکالیف اور اذیت دور کردی گئی تھی۔میری طرف سے مکی تحیت مدینہ منورہ کی زمین پر ہو، جس کی خوشبو کا ہر ایک متلاشی ہے۔

## تیرھویں فصل

# آپ کے معجزہ یعنی قرآن کریم کا بیان

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات وہ ہیں جن کے دلائل قطعی ہیں اور آپ کی کرامت عجیب وغریب اقسام پر مشتمل ہیں اور آپ کی روشن اور دور تک پھیلی باتیں صادق ہیں۔ بہت سی ایسی علامات ہیں، جو عادت کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے معجزہ کہلائیں۔ ان علامات کو مسلمانوں کی محفلوں میں جم غفیر نے دیکھا اور بکثرت راویان حدیث نے ان کی روایت کی۔ اس قدر طویل زمانہ گزرنے کے باوجود ان کے ظہور میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا اور ان کا چراغ بے دینوں کی بجھانے کی کوششوں کے باوجود زیادہ روشن ہوا۔ آپ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ قرآن کریم ہے جو حمید وحکیم ذات نے آپ پر نازل فرمایا۔ ایسا کلام کہ عقل جس کی تالیف کے حسن کو جاننے سے عاجز ہے اور ہر بات اس کے الفاظ کے مقابلہ میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ عرب کے فصحاء اس کے ایجاز کے سامنے گونگے ہیں اور ان کے بلیغ لوگوں کو قرآن کے اعجاز نے گہرے گڑھے میں پھینک دیا۔ اس کی بلاغت بھری زبان نے ان کے گھمنڈ توڑ دیئے اور انہیں اس کی فصاحت نے گہری کھائی میں گرا دیا اس کے باوجود کہ وہ کلام کے شاہسوار کہلاتے تھے۔ نثر ونظم میں بلند بانگ دعویٰ رکھتے تھے۔ انہیں قطعاً اس پر شک نہ تھا کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی قدرت تامہ رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ ان کے ملک سعد اور شعار میں حکمت کا دور دورہ تھا۔

كَانُوْا ذَوِیْ فَصَاحَةٍ وَ مَقُوْلٍ مُسْتَلْمِحِ الْاَوْصَافِ وَالنُّعُوْتِ
لٰكِنْ اَتَاهُمْ بِالصَّوَابِ نَاطِقٌ اَلْقَاهُمْ فِیْ عِلَّةِ السُّكُوْتِ

عرب اگرچہ فصاحت کے مالک اور گفتگو کے دھنی تھے۔ اوصاف اور صفات میں بہت نمایاں اور روشن تھے لیکن جب ان کے پاس "ناطق بالصواب" یعنی قرآن کریم آیا تو اس کی آمد نے انہیں گونگا کر دیا۔

قرآن کریم وہ عظیم المرتبت کلام کہ جس کی آیات محکم ہیں۔ اس کے کلمات مفصل ہیں، اس کے مطالع روشن اور اس کے مقاطع تر و تازہ ہیں۔ اس کے کلمات جامعہ ہر کلام پر غالب اور اس کا بدیع ہونا ہر اعتبار سے ظاہر ہے۔ اس کی براعت کا شیشہ نور پھیلا رہا ہے۔ اس کی عبارت کا دیباچہ روشنی بکھیر رہا ہے۔ اس کے ایجاز واعجاز بھرے قواعد مضبوط ہیں۔ اس کی حقیقت اور مجاز کی مضبوطی بڑی بلند ہے۔

اس کی نظم کا حسن معتدل، اس کی حکمت اور احکام کی لڑی مضبوط ہے۔ اس کے دھاگے میں پروئے گئے موتی باہم جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے فوائد کی نہریں بھری پڑی ہیں۔ اس کی خوبصورتی اور جڑاؤ انتہائی حسن پر ہے۔ بیان اور بدیع سے خاص کردہ مولف ہے۔ الفاظ کی فصاحت اور وضاحت کی قوت دونوں کا جامع ہے اور اس کی بلاغت کا مقابلہ کرنے والوں کیلئے دوٹوک اعلان ہے کہ وہ ایسے کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کی تروتازگی اور چمک دمک نے آنکھیں چندھیا دیں اور اس نے اپنی مٹھاس کا وصف بیان کرنے کیلئے زبانوں کو متحرک کر دیا۔ غور وفکر کو اسے دیکھ کر عجیب حیرانی ہوئی اور اس کے انوکھے اسلوب نے عقل وخرد سلب کر لئے۔

وَاَنَارَ مِشْكَاةَ الْوُجُوْدِ وَ قَدْ غَشٰي ... دَيْجُوْرَهَا بِالضَّوْءِ مِنْ آيَاتِهٖ

وَاَرَاحَ اَرْوَاحَ السُّعَاةِ لِرَوْضِهٖ ... بِلَذِيْذِ عُرْفِ الزَّهْرِ مِنْ زَهَرَاتِهٖ

وَاَمَدَّ طَالِبٌ وَقَاصِدُ بَحْرِهٖ ... بِاللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ مِنْ كَلِمَاتِهٖ

وَاَثَابَ حَامِلُهٗ وَسَامِعُهٗ وَمَنْ ... يَّتْلُوْهُ مَا يَجْنِيْهِ مِنْ حِبَاتِهٖ

قرآن نے وجود کے چراغ کو روشن کر دیا جبکہ اس کی آمد سے پہلے وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے روشنی اس کی علامات ومعجزات کی ضیاء سے ملی۔ مصلین (زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے والے) کی روحیں اس کی تروتازگی سے تازہ ہوئیں اور پھولوں نے اس سے سجاوٹ پائی، ہر طالب وقاصد نے اس کے دریائے سخاوت اور اس کے کلمات عالیہ سے چھپے قیمتی موتی پائے، اسے اٹھانے والے، سننے والے اور تلاوت کرنے والے نے ثواب ہی ثواب کمایا اور اس کے موتیوں سے فوائد حاصل کئے۔

قرآن کریم مختلف علوم ومعارف کا خزینہ ہے۔ اس نے قدیم شریعتوں اور صدیوں پہلے کی خبریں ذکر کیں۔ ان امتوں کے واقعات بھی ذکر کئے جن کا وجود اب نہیں رہا۔ زمانہ ماضی کے قصہ جات بتائے۔ دار آخرت کے احوال ذکر کئے۔ گزشتہ کتب سماوی کے مضامین نشر کئے۔ ابتدائے آفرینش سے دوبارہ زندہ ہونے تک کے واقعات ذکر کئے۔ لوگوں کی بدبختی اور نیک بختی کے اسباب بتائے۔ عقلی حجتوں اور دلائل کے راستوں کی آگاہی بخشی۔ مختلف باطل فرقوں کی یقینی براہین اور قطعی دلائل سے تردید کی۔ منافقین اور اہل کتاب کے اسرار واضح کر دیئے۔ ان کو جھوٹ بولنے اور حق سے عدول کرنے پر ڈانٹ پلائی۔ اس کے علاوہ بہت سے اوامر ونواہی ذکر کئے۔ بہت سے موانع اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقے ذکر کئے۔ سیرت وامثال بیان کیں۔ قتال وجہاد پر ابھارا۔ مواعظ وحکم کی تلقین کی۔ اچھے آداب اور قابل نفرت اخلاق بتائے۔ وعد اور وعید، تنزیہ وتوحید، تقریر وترتیب، ترغیب وترھیب پر

مشتمل احکام دیئے۔ ایسے دردناک لہجے میں ڈرایا کہ ان آیات کی سماعت کے وقت دل کانپ اٹھتے ہیں اور قوت سماع پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

كِتَابٌ يَخُصُّ الْمُؤْمِنِيْنَ بِوَعْدِهٖ وَيُحْيِيْ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ بِوَعْظِهٖ
وَيَهْدِيْ سَنَاهُدَى لِتَا لِيْ حُرُوْفُهٗ وَرَا مِقُهَا بَيْنَ الرُّقُوْمِ بِلَحْظِهٖ
لَقَدْ حَارَتْ الْاَفْكَارُ مِنْ حُسْنِ نَظْمِهَا وَسِرِّ مَعَانِيْهِ وَجَوْهَرِ لَفْظِهٖ
فَسُقْيًا لِمَنْ يَّقْفُوْ مَنَاهِجَ حَقِّهٖ وَرَعْيًا لِعَبْدٍ عَدَّ مِنْ اَهْلِ حِفْظِهٖ

قرآن کریم وہ کتاب ہے جس نے مومنوں کو خاص کر وعدہ جات سنائے اور عارفین کے دل اس کے وعظ سے زندگی پاتے ہیں۔ اپنے حروف کو پڑھنے والے کو راہ راست دکھاتی ہے۔ اس پر جو نظریں جماتا ہے۔ اسے ہر لحظہ عجیب سے عجیب ترباتیں دکھائی دیتی ہے۔ اس کی خوبصورت نظم، معانی کے راز اور لفظوں کے جوہر نے عقلوں کو حیران کر دیا۔ جو لوگ اس کے سچے راستوں پر کھڑے ہو گئے اور جنہوں نے اسے حفظ کیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو شاداب و سرسبز فرمائے۔

قرآن کریم مختلف وجوہ اعجاز پر مشتمل ہے۔ جن تک عرب لوگوں کی رسائی نہ ہو سکی اور اس کی ایک آیت کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے۔ وہ کیسے لاتے جبکہ یہ بات ان کی قدرت سے باہر تھی۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ان کے کلام اور ان کی زبان سے الگ چیز تھی۔ ان میں سے ہر ایک نے سرتوڑ کوشش کی اور اپنا پورا زور لگایا۔ ارادہ یہ کیا کہ اس کی روشنی کو بجھا دے اور کوشش کی کہ اس کے ظہور کو چھپا سکے۔ لیکن ان کے ہونٹوں سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا اور ان کے فصاحت و بلاغت کے چشمہ جات سے ایک قطرہ نہ باہر آیا۔ باوجود اس کے کہ زمانہ دراز گزر گیا اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ حتیٰ کہ باپ نے بیٹے سے مدد چاہی، بلکہ جوش دلایا، لیکن کچھ نہ بن پایا۔ آخر ناامید اور ذلیل ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر "معطلہ" (ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بیکار تسلیم کرتا ہے) نے ان گنت کوششیں کیں۔ تاکہ قرآن کو بیکار ثابت کر دیں اور اس کی محکم آیات کی تبدیلی اور تغیر میں بے دینوں نے سرتوڑ کوشش کی۔ ان سب نے اپنے داؤ پیچ جمع کئے اور اپنی حتی المقدور قوت استعمال کی، لیکن اس کے ایک کلمہ کو بھی اس کی جگہ سے نہ پھیر سکے اور نہ کسی مسلمان کو کسی حرف میں شک ڈال سکے۔ وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کا کفیل ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت اس نے اپنے ذمہ لی ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے اور اس کے بعد اس کی نظیر موجود نہیں۔ نہ کسی کو اس کی مثل لانے کی ہمت ہے۔ خواہ وہ مختصر آیت ہو یا طویل۔ بلکہ عقل انسانی اس میں حیران اور ذہن انسانی اس میں پریشان

ہے۔لوگوں کے رجسٹر اس کے معارضہ سے خشک ہیں اور قلم چھوٹ گئے ہیں۔ قرآن کریم ان خوارق میں سے ہے جس کی مثل لانا شہری اور بدوی دونوں سے ممتنع ہے۔ بلکہ اس کی مثل کسی انسان یا غیر انسان کی قدرت کے تحت داخل ہی نہیں۔ یہ سب باتیں اس کے علوم کے انوکھے انداز سے اسے معلوم ہوتی ہیں جو اس میدان کا شناسا ہو اور زبان دانی اور کلمات کی ترکیب جس کا مشغلہ ہو۔

| | |
|---|---|
| تَبًّا لِّآرَاءِ ذِی عِنَادِ | لَا یَهْتَدِیْ خَاسِرُ التِّجَارَة |
| یُرِیْدُ اِطْفَآءَ نُوْرِ ذِکْرِ | اللّٰهِ رَبُّ الْعُلَا اَنَارَه |
| قَدْ خَابَ مَنْ رَامَ اَنْ یَغْشٰی | حَلَاوَةَ الْحَقِّ بِالْمَرَارَة |
| یَا وَیْلَهٗ مِنْ لَهِیْبِ نَارِ | وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَة |

دشمن کی آرا تباہ و برباد، تجارت میں نقصان اٹھانے والا راستہ نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو روشن کیا اس کے ذکر کو پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے۔ وہ شخص یقیناً ذلیل ہوا جس نے حق کی مٹھاس کو کڑواہٹ سے ڈھانپنا چاہا ایسے کیلئے دوزخ کے شعلے مارتی آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

قرآن کریم، ذکر حکیم، فوز مبین، حبل اللہ متین اس کے نام ہیں۔ دلوں کی بہار، گناہوں کو مٹانے والی، نافع، شافی، کافل اور کافی بھی اس کے نام ہیں۔ اتباع کرنے والے کیلئے نجات دہندہ اور پڑھنے اور سننے والے کیلئے ہدایت دہندہ ہے۔ اس سے نفرت وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دل شرک نے موہ لئے لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قرآن اپنے پڑھنے والے کو فراخی اور تروتازگی دیتا ہے۔ چین اور خوشی بہم پہنچاتا ہے اس کا قاری کبھی ملول نہیں ہوتا اور نہ ہی سننے والا اکتاتا ہے، زبانیں اس کے مجموعی فضل کو شمار میں نہیں لاسکتیں۔ اس کی حجت " قاھرۃ" اس کا درجہ "بلند" اس کی واضح آیات "باقیہ" جب تک دنیا باقی ہے ہمیشہ تروتازہ اور سدابہار، شہد سے بڑھ کر میٹھا، جوں جوں اس کی تلاوت کریں مٹھاس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے اس کا بار بار پڑھنا وافر مقدار میں محبت پیدا کرتا ہے۔ تنہائیوں میں انیس ہے، نمازوں میں اس کی ترتیل لذت بخش ہے۔ اس کے عجائب کبھی فنا نہ ہوں گے۔ اس کے غرائب کبھی لپیٹے نہ جائیں گے۔ اس کے عبرت بھرے مضامین کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس کے موتی کبھی پرانے نہ ہوں گے۔ بار بار دہرانے سے اس کے اوصاف پرانے نہ ہوں گے۔ باطل نہ اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے کامیاب ہوسکتا ہے جس نے قرآن کا قول کیا اس نے سچ بولا، جس نے اسے پھینک دیا وہ خود ریزہ ریزہ ہوگیا، جس نے اس سے حکومت کی وہ عادل ٹھہرا، جس نے اس کی قسم اٹھائی وہ ملامت سے بچ گیا، جس نے اس کی تعلیمات پر

عمل کیا اس نے اجر عظیم پایا اور جس نے اس کو مضبوطی سے تھاما وہ صراط مستقیم پا گیا۔

تَمَسَّکْ بِحَبْلِ اللّٰهِ اَعْنِیْ کِتَابَهٗ وَقِفْ عِنْدَهٗ فَهُوَ الْمَجِیْدُ الْمُعَظَّمُ
یُبَشِّرُ اَهْلَ الصَّالِحَاتِ بِنِعْمَةٍ وَفَضْلٍ وَیَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ
وَیُنْذِرُ اَقْوَامًا عَنِ الْحَقِّ اَعْرَضُوْا وَبِالْعَدْلِ وَالْاِنْصَافِ یَقْضِیْ وَیَحْکُمُ
بِهٖ نَزَلَ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ مُنَجَّمًا عَلٰی خَیْرِ مَبْعُوْثٍ یَرِقُّ وَ یَرْحَمُ
مُحَمَّدٌ نِ الْهَادِیْ الَّذِیْ بِجَنَا بِهٖ یَلُوْذُ فَصِیْحٌ فِی الْمَعَادِ وَ اَعْجَمُ
عَلَیْهِ صَلَاةٌ مِنْ سَلَامٍ مُهَیْمِنٍ مَدَی الدَّهْرِ لَاتَفْنِیْ وَلَاتَتَصَرَّمُ

اللہ تعالیٰ کی رسی یعنی قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اسی پر جم جا کہ یہ بہت بزرگ اور صاحب عظمت ہے۔ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کی خوشخبری دیتا ہے اور بالکل سیدھے راستہ کی راہنمائی کرتا ہے اور جن لوگوں نے حق سے منہ موڑا انہیں قرآن ڈراتا ہے اور عدل و انصاف سے فیصلہ اور حکومت کرتا ہے۔ اسے جناب جبرئیل امین تھوڑا تھوڑا لیکر اس شخصیت پر اترتے رہے جو تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور جو نہایت نرم دل اور مہربان ہیں، جناب محمد ﷺ وہ راہنما ہیں کہ جن کی بارگاہ میں کل قیامت کو عربی عجمی سب پناہ لیں گے۔ ان پر اللہ پاک کے بیشمار ایسے سلام ہوں جو کبھی ختم نہ ہونے پائیں۔ جب تک زمانہ موجود ہے۔

## چودھویں فصل

# چاند دو ٹکڑے کرنا، سورج کو روکنا اور پانی کا آپ کیلئے بکثرت ہو جانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے کوئی نشانی اور نبی ہونے کی دلیل مانگی۔ کیونکہ انہیں آپ پر یقین نہ تھا اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے دو روشن ٹکڑوں کے درمیان حراء کو دیکھا۔ آپ نے انہیں فرمایا تم اس معجزہ پر گواہ بن جاؤ۔ جبکہ یہ لوگ منیٰ میں تھے۔ آپ نے اس معجزہ کے ذریعہ دشمنوں کو پریشان کر دیا اور دوستوں کی دلی مراد بر آئی۔ ابو جہل نے اپنی حماقت سے اس معجزہ کو جادو سے تعبیر کیا اس نے ادھر ادھر قبائل میں اپنے کارندے بھیجے، لیکن وہ جہاں بھی گئے سب نے اس معجزہ کی تصدیق کی، کیونکہ انہوں نے اس رات چاند کو دو ٹکڑے ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ایک اور معجزہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کیلئے سورج کو واپس لوٹایا۔ آپ نے اس کیلئے دعا ہی مانگی تھی کہ سورج الٹے پاؤں پلٹ آیا۔ یہ دونوں معجزے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کے دو پھول اور آسمان کے دو ستارے ہیں۔ غروب ہونے کے بعد سورج طلوع ہوا اور اس کی سونے جیسی روشنی چھپ جانے کے بعد پھر لوٹ آئی۔ آپ نے جو حکم دیا اس پر عمل کرتے ہوئے زمین سے کچھ اوپر مقررہ جگہ پر ٹھہر گیا یہ معجزہ غزوۂ خیبر میں مقام ''صہباء'' پر واقع ہوا۔ سورج کچھ وقت کیلئے آپ کی دعاء کی برکت سے ٹھہر گیا۔ قریش دیکھ رہے تھے اور ان کیلئے ایک مرتبہ پھر دن لوٹ آیا جب کہ اس کی پلکوں نے اندھیرا کا سرمہ لگا لیا تھا یہ کرامت اور معجزہ ایسا ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ تیسرا معجزہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ فگن رہتا آپ جدھر بھی تشریف لے جاتے بادل ساتھ ساتھ جاتا اور سورج کے سامنے آنے کی وجہ سے اس کا سایہ آپ کے ساتھ ساتھ پھرتا۔ جدھر آپ مڑتے ادھر وہ بھی مڑ جاتا۔

سُبْحَانَ مَنْ اَیَّدَ خَیْرَ الْوَرٰی ‌ ‌ بِمُعْجِزَاتٍ خَارِقَاتٍ غَزَارٍ
وَاَمْسَکَ الشَّمْسَ لَہٗ سَاعَۃً ‌ ‌ وَرَدَّھَا طَوْعًا وَزَادَ النَّھَارُ
وَشَقَّ بَیْنَ النَّاسِ بَدْرَ الدُّجٰی ‌ ‌ شَقًّا اُوْلُوا الْاَلْبَابِ فِیْہِ تَحَارُ

هٰذَا عَطَاءُهُ مِمَّنْ اِخْتَارَهُ مِنْ هَاشِمٍ مِّنْ مُضَرَ مِنْ نِزَارِ

پاکی اس ذات کیلئے جس نے کائنات میں سے بہترین شخصیت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بکثرت معجزات سے تائید فرمائی۔ ان کیلئے کچھ دیر تک سورج کو رد کے رکھا اور سورج بخوشی آپ کا حکم مان کر واپس پلٹا اور دن میں زیادتی ہوئی لوگوں کے سامنے چمکتے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے۔ جسے دیکھ کر عقلمند حیران رہ گئے۔ یہ اس اللہ کی مہربانی اور عطا ہے جس نے آپ کو بنو نزار سے پھر بنو مضر سے اور پھر بنی ہاشم میں سے پسند فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گئے لیکن ناکام لوٹے۔ آپ نے ان سے بچا ہوا پانی طلب فرمایا اور اسے ایک برتن میں ڈال دیا۔ اسے آپ نے اپنے سامنے رکھ کر اس میں اپنے دونوں ہاتھ مبارک ڈال دیئے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے بہنے لگے۔ لوگوں نے ایک ایک کر کے اس سے وضو کیا اور ایک ہزار دو سو پانچ آدمیوں نے اسی طرح وضو کیا۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی پھر بھی ختم نہ ہوتا یہ ایک دست اقدس کی برکت تھی۔

غزوہ تبوک میں کچھ لوگ ایک چشمہ کی طرف گئے۔ دیکھا تو اس میں تھوڑا سا پانی چمک رہا تھا۔ جو مٹکے کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ مبارک دھویا اور ہاتھ بھی دھوئے۔ پھر حکم دیا کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ چشمہ میں ڈال دیا جائے۔ جب ایسا کیا گیا تو اس چشمہ سے اس قدر زیادہ پانی بہہ نکلا جس سے پورا لشکر سیراب ہو گیا آپ کی برکت سے سب کی پیاس بجھ گئی اور لشکر خوش و خرم ہو گیا۔

کچھ لوگ حدیبیہ میں ایک کنوئیں پر گئے۔ اس وقت اس کا پانی چودہ ہاتھ تھا۔ لوگوں نے اس کا ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ تھوڑا بہت جس قدر بھی تھا سب ختم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور خود بھی دعا کی اور موجود لوگوں سے بھی دعا کرائی۔ دعا کے ساتھ ہی وہ کنواں ایک دریا کی طرح یا ایک موسلا دھار بادل کی طرح پانی سے جوش مارنے لگا۔ سب سیر ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔

مِنْ كَفِّ مُخْتَارِ الْكِفَافِ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْوَرَىٰ نَبَعَ الزُّلَالُ الطَّاهِرُ
رُوِيَ مِنَ الْمَاءِ الْقَلِيْلِ جُيُوْشُهُ حَيْثُ الْاُوَامُ لَهُ دَلِيْلٌ ظَاهِرُ
وَمِنَ الْعُيُوْنِ النَّاضِبَاتِ أَسَالَ مَا هُوَ لِلْعُيُوْنِ مِنَ الْعَسَاكِرِ بَاهِرُ

لَاغَرْوَ وَاَنْ يَجْرِیْ لَدَيْهِ مَعِيْنَهٗ وَ مُعِيْنَهٗ الْمَلِكُ الْعَزِيْزُ الْقَاهِرُ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست سخا سے صاف و پاک پانی چشمے کی طرح پھوٹ نکلا جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے بہتر بنایا۔ تھوڑے سے پانی سے پورا لشکر سیر ہو گیا۔ جبکہ وہ سخت پیاسا تھا۔ یہ آپ کے نبی برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔ خشک چشموں سے اس قدر پانی بہایا کہ لشکر کے لشکر نے پیا۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے سامنے چشمے بہہ نکلے۔ کیونکہ آپ کا مددگار وہ اللہ ہے جو بادشاہ، عزیز اور قاھر ہے۔

ایک سفر میں لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے وضو والا برتن منگوایا۔ اسے اپنے پہلو میں رکھا پھر آپ نے اس سے منہ لگایا تو اس میں برکت اور سعادت موجزن ہو گئی۔ لوگوں نے خوب پیا اپنے برتن بھر لئے۔ یہ حضرات ستر یا اس سے زیادہ تھے۔ ایک حدیث اسی قسم کے معجزہ کی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس میں اونٹ اور عورت وغیرہ کا واقعہ بھی ہے۔ ان دو توشہ دانوں سے لوگوں نے سفر میں پانی پیا۔ اس حدیث کو ثقہ لوگ جانتے ہیں۔ اہل علم و اہل سنت اس سے واقف ہیں۔

اسی طرح ''جیش العسرۃ'' میں لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ حتیٰ کہ ایک شخص اونٹ ذبح کرتا ہے اس کی لید کو نچوڑ کر پیاس بجھائی جاتی ہے، گرمی شدت کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے ابھی دعا مانگ کر ختم کر کے منہ پر ہاتھ نہ پھیرے تھے کہ آسمان پر بادل آ گئے۔ پھر اس قدر بارش برسی کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ لشکر نے خوب پیا اور خالی برتن پانی سے بھر لئے لیکن لشکر سے باہر کی زمین بالکل خشک رہی۔ ابو طالب ''ذی المجاز'' میں پیاس سے نڈھال ہو گئے۔ ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نیچے اترے اور زمین پر اپنے پاؤں مارے۔ آپ کی برکت سے پانی زمین سے ابلنے لگا۔

قِفْ سَآئِلًا اَرْضَ الْمَجَازِ وَمَاجَرٰی مِنْهَا وَسَآلَ بِجَانِبِ الْمِنْهَاجِ
وَسَلِ الْحُدَيْبِيَّةَ النَّزُوْحَةَ بِئْرُهَا وَتَبُوْكَ عِنْدَ تَلَاطُمِ الْاَمْوَاجِ
وَبِقَاعِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ اللّٰاتِیْ هَمَتْ بَرَكَاتُ مَآءِ سَمَآئِهَا الثَّجَاجِ
تُخْبِرُكَ عَنْ آيَاتِ اَشْرَفِ مُرْسَلٍ رَكِبَ الْبُرَاقَ وَ سَارَ لِلْمِعْرَاجِ
صَلّٰی عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا ذَهَبَ الدُّجَا وَاَتَی الصُّبْحُ بِسِرَاجِهِ الْوَهَّاجِ

ذرا رک کر" ذی الحجاز" کی زمین سے پوچھ اور اس پر رونما ہونے والا واقعہ دریافت کر اور اس پانی کا معاملہ دریافت کر جو بہہ کر ایک راستہ کی طرف نکل گیا تھا۔ مقام حدیبیہ کے خشک کنوؤں سے پوچھ اور تبوک سے سوال کر جب اس کا پانی ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا اور جیش العسرۃ کی زمین سے دریافت کر جس میں پانی کی آسمانوں سے برکات موج در موج تھیں۔ یہ سب تجھے ان معجزات کی خبریں دیں گے جو تمام انبیاء کرام کے سردار سے وقوع پذیر ہوئے جو براق پر سوار ہو کر معراج کرنے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے جب تک رات گزرتی رہے اور صبح سورج نکلتا رہے۔

## پندرھویں فصل

# آپ کی برکت سے کھانے میں زیادتی ہونے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو کی روٹی کے چند ٹکڑے ستر آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی بغل میں یہ ٹکڑے لائے تھے۔ آپ کی اس وقت مالی حالت کچھ بہتر نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قبول فرمالیا اور پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے ان پر پڑھا۔ غزوۂ خندق میں باتفاق علماء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کے ایک صاع اور بکری کے ایک بچے سے ایک ہزار آدمیوں کی خوراک مہیا فرمادی۔ جبکہ آپ نے گوندھے ہوئے آٹے اور پکی ہوئی ہنڈیا میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا قصہ سبھی جانتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ ان دونوں حضرات کیلئے کھانا تیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انصار کو بھی دعوت پر بلاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوایوب نے بموجب ارشاد انصار کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ فرماتے ہیں اس دن میرے گھر ایک سواسی آدمیوں نے کھانا کھایا۔ گوشت سے بھرا ایک پیالہ تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے کھانے والے حضرات کو دیتے یہ سلسلہ صبح کے کھانے سے رات کے کھانے تک چلتا رہا۔ ایک آتا دوسرا چلا جاتا۔ میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اس کی کلیجی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھونی آپ کے ساتھ اس وقت ایک سوتیس آدمی تھے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے خدا کی قسم! ان میں سے ہر ایک کو اس کلیجی میں سے حصہ ملا۔

يَا مُطْعِمَ الْمَسْكِيْنِ وَالْاَسِيْرِ ۔۔۔ وَجَابِرَ الْيَتِيْمِ وَالْكَسِيْرِ
وَيَا جَوَادًا زَادَ زَادَ صَحْبَهٗ ۔۔۔ وَمِنْ قَلِيْلٍ جَآءَ بِالْكَثِيْرِ
مَنْ ذَا الَّذِیْ يُنْكِرُ مَا تَاتِیْ بِهٖ ۔۔۔ يَا رَحْمَةَ الْمُهَيْمِنِ الْقَدِيْرِ
كَمْ آيَةٍ جِئْتَ بِهَا بَيِّنَةً ۔۔۔ لَيْسَ لَهَا فِی الْخَلْقِ مِنْ نَظِيْرِ

اے مسکین وقیدی کو کھانا کھلانے والے! اور اے یتیم اور گرے پڑے کا نقصان پورا کرنے والے! اے سخی! آپ نے اپنے غلاموں کی کسر نکال دی اور قلیل چیز کو کثیر بنادیا۔ اے اللہ ذوالجلال کی رحمت! آپ نے جو معجزات دکھائے ان کا کون انکار کرسکتا ہے؟ آپ نے بہت سی ایسی واضح نشانیاں دکھائیں جن کی مخلوق میں مثل نہیں۔

بعض غزوات میں لوگوں کو بھوک نے ستایا۔ لوگوں کے پاس جو معمولی مقدار میں زاد تھا۔ اسے

اکٹھا کیا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے خالی برتن لے کر آجاؤ۔ لشکر کے ہر آدمی نے اپنا برتن خوراک سے بھر لیا۔ اس کے باوجود بچ گیا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام اصحاب صفہ کو دعوت پر بلاؤ۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے آئے اور جب اکٹھے ہو گئے تو ان کے سامنے ایک تھال رکھا۔ کیسا تھال؟ کہ جس کے کناروں کی چمک سے سورج بھی شرما جائے۔ ان حضرات نے حسب خواہش کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوئے تو وہ اتنی مقدار میں موجود تھا جتنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ دودھ ان تمام کو پلایا۔ حتیٰ کہ ان کے پیٹ بھر گئے۔ آپ نے بنی عبدالمطلب کو جمع کیا۔ چالیس آدمی تھے ان کیلئے کھانے کا ایک ''مُدّ'' (دو رطل) تیار کیا۔ چنانچہ ان سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ایک پیالہ منگوایا اس سے سب نے پیا۔ اس کے باوجود کھانا اور پانی بچ گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے ایک لقمہ بھی اس سے نہیں لیا اور ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چار سو گھڑ سواروں کیلئے کھانے کا بندوبست کریں۔ ان کیلئے چند کلو (سیر) کھجوریں تیار کیں۔ آپ نے اس میں سے ہر ایک کو اس قدر عطا فرمائیں کہ وہ خوش ہو گیا اور اپنے قبضہ میں لیکر چلتا بنا۔

آفَادَ صَحَابَهٗ خَیْرًا وَ مَیْرًا وَقَدْ جَآؤُا بِاَوْعِیَةٍ خَلِیَّةِ
وَاَطْعَمَهُمْ کَثِیْرًا مِنْ قَلِیْلٍ وَاَرْشَدَ هُمْ اِلَى الطَّرِیْقِ الْجَلِیَّةِ
وَاَتْحَفَ مِنْ ذَفِیَ مِنْهُ وَوَافٰی اِلَیْهِ مِنَ الْهِدَایَةِ بِالْهَدِیَّةِ
وَکَمْ لِلْمُصْطَفٰی مِنْ مُکْرَمَاتٍ تُفِیْدُ وَمِنْ کَرَامَاتٍ عَلَیْهِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بھلائی اور بکثرت خوراک سے مستفید فرمایا۔ حالانکہ وہ خالی برتن لیکر حاضر ہوئے تھے۔ تھوڑے سے کھانے سے بہت سے لوگوں کو کھلا دیا اور لوگوں کو آپ نے واضح راستہ کی رہنمائی بھی فرمائی، آپ نے آپ کے ساتھ وفا کرنے والے کو بیش بہا تحفہ جات عطا کئے اور تحفہ دینے والوں کو اس کے بدلہ میں ہدایت جیسی قیمتی چیز عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیشمار معجزات اور بلند مرتبہ کرامات ہیں جن سے لوگوں نے فائدہ پایا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے کھانے کے متعلق روایت مشہور ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے جو برکت ہوئی اسے سبھی جانتے ہیں اس سے لشکر اور اپنے صحابہ کو آپ نے کھانا کھلایا۔ کافی مقدار میں کھجوریں عطا فرمائیں اور فی سبیل اللہ بہت کچھ پلایا۔ لوگوں نے کافی عرصہ اس سے فائدہ اٹھایا اور یہ فائدہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا

قصہ جوان کے والد کے قرض خواہوں کے ساتھ پیش آیا بہت معروف ہے۔آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کی کھجوروں میں اضافہ روایات میں موجود ہے۔سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ہنڈیا کا قصہ اور اس میں حضور ﷺ کا فیض ائمہ اور محدثین پر مخفی نہیں۔یونہی ان کے ولیمہ کی دعوت اور اس میں اشیائے خوردونوش کی بہتات کسی پر مخفی نہیں۔ جب آپ ﷺ اپنی زوجہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو گھر لائے۔لوگوں کو دعوتِ عام دی۔جب لوگ بیٹھ گئے تو انہیں کھجوروں کا ایک "مد" پیش فرمایا۔ انہوں نے کھانی شروع کیں۔ان کی گٹھلیاں نکالتے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ ستر سے زیادہ تھے۔بلکہ ایک دوسری روایت کے مطابق تین سو کے لگ بھگ تھے۔یہ کام آپ ﷺ کیلئے کوئی مشکل نہ تھا اگر وہ اس سے بھی زیادہ ہوتے تو بھی محروم نہ رہتے۔

اَنَسٌ وَنَجلُ عَتِيقُ الْعَدْلُ الرِّضَا ۔۔۔ وَاَبُوْهُرَيْرَةَ وَ اِبْنُ خَطَّاب عُمَرُ
وَكَذَا اَبُوْ اَيُّوبَ يَتْبَعُ جَابِرًا ۔۔۔ كُلٌّ رُوِیَ مَا قَدْ رَوَاهُ مِنَ الْخَبَرِ
ذَكَرُوْا الطَّعَامَ وَمَاتَزَا يَدَفِيْهِ مِنْ ۔۔۔ بَرَكَاتِ مَنْ بِدُعَائِهٖ نَزَلَ الْمَطَرُ
هُوَ اَحْمَدُ رَبُّ الْقِرَاْةِ وَاَقْرٰی ۔۔۔ صَلّٰی عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا طَلَعَ الْقَمَرُ

حضرت انس، ابوبکر صدیق، ابوہریرۃ، عمر بن خطاب، ابوایوب اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام نے ایسی احادیث روایت فرمائیں جن میں حضور ﷺ کی برکت سے کھانے میں اضافہ ہوا۔آپ ﷺ کی دعا سے بارش برسی۔آپ ہی ﷺ مہمان نواز ہیں۔اللہ تعالیٰ کے آپ پر صلوۃ و سلام اس وقت تک نازل ہوں جب تک چاند طلوع ہوتا رہے۔

## سولہویں فصل

# درختوں اور پتھروں کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کا حکم تسلیم کرنا

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ کی مسجد یعنی مسجد نبوی کی چھت کھجور کے خشک درختوں پر کھڑی تھی۔ آپ جب خطاب فرماتے تو ان میں سے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ جو سب کا جانا پہچانا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے لکڑی کا منبر تیار کیا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دینا شروع کیا تو سامعین محفل نے اس کھجور کے تنے سے اونٹ کی آواز کے مشابہ آواز سنی۔ حتیٰ کہ پوری مسجد اس کے رونے اور فریاد کرنے سے لرز اٹھی۔ اس کی انکساری اور آہ و بکا سے لوگ بھی رونے لگے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ اگر اسے تسلی نہ دیتے تو وہ قیامت تک اسی کیفیت سے رہتا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے بلایا تو وہ زمین چیرتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے گلے لگایا، پھر حکم دیا کہ واپس اپنی جگہ چلے جاؤ اور وہ چلا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں واپس ان درختوں میں سے کر دیا جائے جو تیرے ساتھی باغ میں پھل دیتے ہیں۔ تیری جڑیں اور تنے شاخیں بھی اُگ آئیں گی۔ تیرے ساتھ دوسرے درختوں کی طرح کھجوروں کے گچھے لگیں گے اور اگر اس کی بجائے تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں جنت میں گاڑ دوں؟ اس نے عرض کیا کہ آپ کی مہربانی ہوگی اگر مجھے جنتی درخت بنا دیں۔ اس نے آپ کی ابدی قدم بوسی کو ترجیح دی اور دارِ فنا کے مقابلہ میں دارِ بقا پسند کیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اسے میرے منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔ تا کہ وہ منبر سے متصل رہے جب مسجد نبوی کی جدید تعمیر کی گئی تو اس درخت کو حضرت ابی اپنے ہاں لے گئے۔

اَلْجِذْعُ حَنَّ اِلَى الرَّسُوْلِ الْمُصطفٰی بِاللّٰهِ اَقْسَمَ اَنَّهُ مَعْذُوْرٌ
قَدْ كَانَ حَالَ الْقُرْبِ مِنْ اَنْوَارِهٖ فِيْ نِعْمَةٍ اِقْبَالُهَا مَاْثُوْرٌ
فَغَدَا لِفُرْقَةِ بَدْرِهٖ مُتَصَدِّعًا بِيُبْدِي الْاَنِيْنَ وَ قَلْبُهٗ مَكْسُوْرٌ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَقْوٰى عَلٰى هِجْرَانِ مِنْ بَيْنِ الْبَرِيَّةِ فَضْلُهٗ مَشْهُوْرٌ

کھجور کے خشک درخت نے حضور سید دو عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور رو کر

فریاد کی۔ خدا کی قسم! وہ اپنے اس فعل میں معذور تھا۔ یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار و تجلیات کے قریب تھا۔ اس کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ جب نور مجسم عرب وعجم کے چاند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے الگ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ اپنے چاند کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا۔ آہ وزاری ظاہر کی اور اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ کون ہے وہ جو خیر البریہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی برداشت کر سکے۔ جن کی فضیلت چار دانگ عالم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن مکہ شریف کے باہر قریبی آبادیوں میں تشریف لے گئے۔ آپ جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے وہی آپ کو سلام نیاز عرض کرتا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی رسالت کے اعلان کا پیام لیکر حاضر ہوئے تو وہ بھی جس راہ سے گزرتے۔ درخت اور پتھر انہیں مبارکبادی دیتے۔ سلام عرض کرتے۔ ان کی دعا پر مکانات اور ان کے دروازوں تک نے آمین کہی۔ آپ جب بھی کسی درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے تو وہ آپ کیلئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض دیہاتیوں کو اسلام پیش فرمایا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ آپ کے سچا رسول ہونے کی کون گواہی دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی کے کنارے ایک ببول کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ زمین چیرتا ہوا سب کے سامنے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ کے سامنے آ کر رک گیا اور آپ کے رسول برحق ہونے کی گواہی دی۔ پھر وہ واپس اپنی پہلی جگہ چلا گیا۔ ایک اور اعرابی نے آپ سے نشانی طلب کی۔ تاکہ اس کیلئے سبب ہدایت بن جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک درخت کے پاس جانے اور اسے جا کر آپ کی طرف سے پیغام پہنچانے کا حکم دیا وہ گیا اور درخت کو جا کر آپ کا پیغام دیا۔ درخت فرمان رسالت مانتے ہوئے زمین پھاڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔ پھر واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی خاطر ایک نہیں بیسیوں معجزات آپ نے دکھائے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے وہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو پردہ بنا کر اس کی اوٹ میں قضائے حاجت فرماتے۔ تو الگ الگ دو درخت باہم قریب ہو کر مل کر کھڑے ہو گئے اور دونوں نے آپ کی ذات مقدسہ کیلئے پردہ بنا دیا۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے اور اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔

إِذَا جَآءَ الْجَمَادُ إِلَيْهِ طَوْعًا   وَخَاطَبَهٗ فَلَاتَعْجَبْ لِذَا كَا

اتی ببغی التدانی من نبی   عَلَامِقْدَارُهٗ فَسَمَا السَّمَا كَا

رَسُوْلُ اللّٰهِ اَفْلَحَ مَنْ تَرَامٰی عَلَیْکَ وَ فَازَ مَنْ وَافٰی حِمَاکَا
وَ فِیْ نَادِیْکَ مَنْ حُلَتْ حِبَاهُ تَلَفَّعَ بِالْمَلَا بِسِ مَنْ حَبَاکَا

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ہنسی خوشی جمادات حاضر ہو گئے اور آپ سے انہوں نے گفتگو کی تو تمہیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے ہر پیغمبر کو اس کے مقام ومرتبہ کے مطابق معجزات عطا ہوئے۔ بلندی بہر حال آسمان کو ہی نصیب ہے۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے آپ کو اپنا مقصود بنالیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کی حمایت میں کوشش کی وہ بھی کامیاب ہو گیا جس کی پکار وفریاد میں آپ کی محبت موجزن ہو وہی آپ کی محبت کے کپڑے زیب تن کرتا ہے۔

کسی غزوہ میں آپ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ کھجوروں کے درختوں اور پتھروں کو میری طرف سے پیغام دو کہ وہ میرے لئے پردہ اور حفاظت بنیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا کلام سنتے ہی درختوں نے اپنی اپنی جگہ سے چلنا شروع کر دیا اور پتھر بھی سرکنے لگے حتیٰ کہ وہ جڑ کر دیوار کی مانند ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو یہ سب آپ کے اشارہ پر اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

ببول یا بیری کا درخت سلام کیلئے حاضر ہوا آپ کا طواف کیا اور واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ کے دعویٰ نبوت ورسالت کی گواہی کون دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ فلاں درخت آپ کی بارگاہ میں وہ درخت جڑوں سمیت زمین چیرتا ہوا حاضر ہوا اور اس کے چلنے سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ طائف کے غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت تشریف لے گئے۔ رات کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا۔ آپ کے راستہ میں بیری کا درخت آ گیا، تو جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ خود بخود دو ٹکڑے ہو گیا۔ آپ کا راستہ صاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وادی میں ایک درخت کی ٹہنی کو آواز دی۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوئی زمین چیرتی حاضر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جو دینے والا اور روکنے والا ہے وہ آپ کے پاس رکی رہی۔ پھر آپ نے اسے واپسی کا حکم دیا تو وہ چلی گئی۔ ایک اعرابی نے ہدایت پانے کی خاطر آپ سے کوئی دلیل طلب کی تو آپ نے اس کی موجودگی میں کھجور کے درخت کو حکم دیا۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا پھر آپ کے حکم سے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

نَبِیٌّ لَهُ الْاَشْجَارُ جَآءَ تْ مَطِیْعَةً نَبِیٌّ عَلَیْهِ سَلَّمَ الْحَجَرُ الصَّلَدُ

نَبِیٌّ هُدًی حَتّٰی الْجِمَادُ یُجِیْبُهٗ    نَبِیٌّ کَرِیْمٌ مَالِدَعْوَتِهٖ رَدٌّ
لَهُ الْفَضْلُ وَالْاَفْضَالُ وَالْبِرُّ وَالتُّقٰی    لَهُ الْعَدْلُ وَالْاِحْسَانُ وَالْجُوْدُ وَالْمَجْدُ
عَلَیْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَاذَرَّ شَارِقٌ    وَمَا مَالَ فِیْ کُثْبَانِهِ الْبَانُ وَالرَّنْدُ

آپ وہ عظیم الشان نبی ہیں کہ درخت آپکا حکم بجالاتے ہوئے حاضر ہو گئے۔ سخت پتھروں نے آپ کو سلام کیا۔ ایسے ہادی پیغمبر کہ جمادات تک نے آپ کی بات مانی۔ آپ کی بات کو کوئی رد نہیں کرتا۔ آپ کیلئے فضل، افضال، نیکی اور تقویٰ مسلم ہے اور آپ کیلئے ہی عدل و احسان اور سخاوت و بزرگی ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کے صلوۃ وسلام ہوں۔ جب تک سورج طلوع ہوتا اور چمکتا رہے اور جب تک ریت کے ٹیلوں میں خوشبودار اور دوسرے درخت اگتے رہیں۔

سترہویں فصل

## حیوانات اور جمادات کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کا حکم ماننا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ گوہ نے حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں آپ سے کلام کیا۔ کہا۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ اے وہ شخصیت! کل قیامت میں آپ کا خطاب کامل ومکمل ہوگا۔ گوہ نے اولین وآخرین کے معبود کی گواہی دی۔ اور یہ بھی گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ ایک بھیڑیے نے بکریاں چرانے والے کو بتایا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ بڑے عظمت والے ہیں۔ اس وقت وہ مشرکین کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں۔ اللہ کے دین کو بلند کرنے کی خاطر کوشاں ہیں۔ چرواہے نے بھیڑیا کو ہی اپنی بکریوں پر محافظ کیا اور خود اس کی بات کی تصدیق وتحقیق کرنے چلا گیا۔ جب پہنچا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اس کے بتانے کے مطابق جہاد میں مصروف ہیں۔ مسلمان ہوگیا جب واپس آیا تو اپنے ریوڑ کو بالکل محفوظ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھانے نے تسبیح فصیح لغت میں کہی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ آپ نے کنکریوں کی مٹھی بھری۔ انہوں نے آپ کے دست اقدس میں تسبیح کہی۔ یہ حدیث بہت سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے۔ اس کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوگئے۔ جبرئیل علیہ السلام ایک تھال لے کر حاضر ہوئے اس میں انگور اور انار تھے۔ جب آپ نے انہیں کھایا تو انہوں نے اللہ کی تسبیح کہی۔

یَا مُرْسَلًا خَاطَبَهٗ ضَبُّ الْفَلَا ۔۔۔ وَاَخْبَرَ الذِّئْبُ بِهٖ رَاعِی الْغَنَمِ
وَسَبَّحَتْ فِیْ کَفِّهٖ صُمُّ الْحَصٰی ۔۔۔ وَاَظْهَرَ الْاَنْوَارَ مِنْ بَعْدِ الظُّلَمِ
لَوْلَاکَ مَاغَابَ الْعِدٰی لَوْلَاکَ مَا ۔۔۔ آبَ الْهُدٰی کُلًّا وَلَا اَمَّ الْاُمَمُ
اُقْسِمُ یَا رَبُّ الْمَقَامِ الْمُجْتَلٰی ۔۔۔ اِنَّکَ خَیْرُالنَّاسِ عَرَبٌ وَ عَجَمٌ

اے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان ایسے رسول! جس سے جنگلی گوہ نے کلام کیا اور بھیڑیے نے چرواہے کو آپ کی نبوت کی خبر دی۔ جن کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح کہی اور جس نے اندھیروں کے بعد روشنیاں بکھیریں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ظلم وزیادتی ختم نہ ہوتی نہ ہی ہدایت کی تروتازگی دیکھنے میں

آتی اور نہ ہی یہ امت ہوتی۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اے بلند و بالا مقام کے مالک! آپ یقیناً عرب و عجم کے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت ہیں۔

بیت اللہ شریف کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے پاؤں پتھروں میں گچ چونا کے ساتھ گاڑے گئے تھے۔ بہت مضبوط تھے۔ جب فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنے دست اقدس میں پکڑی چھڑی سے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا تو اسی وقت وہ بت منہ اور پشت کے بل زمین پر گر گئے۔ اس کے علاوہ اور کتنی بکثرت نشانیاں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ عباس بن مرداس کے چھپے بت کا آپ سے گفتگو کرنا، اس کا مذکورہ شعر پڑھ کر سنانا ایسا واقعہ ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چھپائے گئے پرندے کا کلام کرنا اور اس کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا یہ روایت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک انصاری کے باغ میں بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا اور اونٹ کا آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنے ذبح کئے جانے سے بچنے کی درخواست کرنا یہ سب معجزات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

اَشَارَ اِلَی الْاَ صْنَامِ فِیْ فَتْحِ مَکَّۃَ  فَخَرَّتْ وَ عَادَ الْبَیْتُ مِنْھَا مُطَھَّرَا

وَاَخْبَرَ عَنْ اِرْسَالِہٖ الطَّائِرُ الَّذِیْ  أَفَادَ ضِمَارًا مَا اَسَرَّ وَ اَضْمَرَا

کَرَامَاتُ مَعْرُوْفُ الْمَکَارِمِ عَارِفٌ  یَفُوْقُ الْوَرٰی فَضْلًا وَ خَبْرًا وَ مُخْبِرَا

فتح مکہ کے دن آپ نے بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ حکم بجالاتے ہوئے گر پڑے۔ اور بیت اللہ شریف دوبارہ ان کی نجاست سے پاک ہو گیا۔ آپ کے رسول اللہ ہونے کی خبر اس پرندے نے دی، جسے پکڑ کر چھپا دیا گیا تھا۔ یہ کرامات اس ذات کی ہیں جس کے اعلیٰ اخلاق سبھی جانتے ہیں اور وہی شخصیت فضل، خبر اور خبر دینے والے کے اعتبار سے تمام کائنات پر فوقیت رکھتی ہے۔

آپ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی کا آپ سے کلام کرنا مشہور و معروف ہے۔ اس کی طرف سبز گھاس کا خود بخود آنا اور وحشی جانوروں کا اس سے دور رہنا کتب سیرت میں لکھا ہر شخص جانتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خوراک ترک کر دینا اور کھانا پینا چھوڑ دینا اور یہ کیفیت اس کے مرنے تک بھی مذکور ہے۔ فتح مکہ کے دن مکہ کے کبوتروں کا آپ پر بادل کی طرح سایہ کرنا، عید کے دن قربانی کے ایک جانور کا اپنے آپ کو قربان ہونے کیلئے پیش کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی رات غار پر درخت اگ آنا، مکڑی کا غار پر جالا تننا، کبوتری کا گھونسلہ بنا کر انڈے دینا تا کہ کافروں سے آپ کی حفاظت ہو جائے، رسی میں بندھی ہرنی کا آپ سے فریاد کرنا، اس کا حرف یا

سے آپ کو جنگل میں پکارنا، اس کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا، اپنی رسی کھولنے اور رہا کرنے کی درخواست کرنا تاکہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے، پھر اس کا واپس آ جانا، اور وعدے کا ایفا کرنا، واپس آنے پر آپ کا اسے شکاری کیلئے باندھ دینا، پھر اس شکاری کی اجازت سے اسے بالکل چھوڑ دینا جبکہ شکاری نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

حَامَ الْحِمَامُ عَلَيْهِ اِجْلَالاً لَهٗ     وَبِهٖ اسْتِجَارَتْ ظَبْيَةُ الْقَنَاصِ
شَهِدَتْ بِمَبْعَثِهٖ وَ اَبْدَتْ شَجْوَهَا     بِلِسَانٍ لَاهَذَرَ وَلَاخِرَاصٍ
آيَاتُ حَقٍّ حَارَ كُلُّ مُؤَرِّخٍ     فِيْ حَصْرِهَا وَ مُحَدِّثٍ قِصَاصٍ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور احترام کی خاطر کبوتر آپ پر جمع ہو گئے، رسی میں بندھی ہرنی نے آپ سے ہی پناہ طلب کی۔ اس نے آپ کی نبوت کی گواہی دی اور اپنا دکھڑا اس طرح بیان کیا کہ نہ جھوٹ بولا اور نہ ہی کوئی فالتو بات کی۔ یہ چند سچے معجزات ہیں۔ ان کے علاوہ کس قدر معجزات و آیات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیں؟ اسے مؤرخ، محدث اور قصہ خواں گن نہ سکا۔

آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا راستہ شیر نے چھوڑ دیا، جب اسے علم ہوا کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ غزوۂ خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک گدھے کا اپنا دکھڑا بیان کرنا، اس کا کہنا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ یہ واقعہ بھی جانا پہنچانا ہے۔ ایک اونٹنی نے آپ کے ہاں مدعی کے خلاف بہتان کی گواہی دی۔ اور اقرار کیا کہ اس کے مالک نے اسے چوری نہیں کیا۔ بلکہ وہ پہلے سے ہی اس کی ملکیت میں ہے۔ آپ کے فاتح لشکر کے پاس ایک بکری یا ہرنی کا آنا جبکہ اس لشکر کے پاس ضرورت کیلئے پانی نہ تھا۔ یہ تقریباً تیس سو آدمی تھے۔ پیاس سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ آپ نے اس ہرنی یا بکری کو دوھیا، سب کو دودھ پلایا اور وہ پھر واپس چلی گئی۔ انہیں اس کا علم تک نہ ہوا۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو حکم دیا کہ ادھر ادھر حرکت نہیں کرنی۔ آپ نے نماز ادا فرمائی اور وہ بدستور ساکن کھڑا رہا۔ آپ کے گھر کا پالتو کبوتر (یا کوئی اور جانور) جب آپ گھر تشریف لاتے تو وہ آرام سے ایک جگہ بیٹھ جاتا اور جب باہر تشریف لے جاتے تو ادھر ادھر گھومتا۔

نَبِيٌّ وَ بَلْ مَرْكَزُهٗ غَزِيْرٌ     فَدَعْ طَلَّ السَّحَائِبِ وَالرَّذَاذَا
نَبِيٌّ اَمْرُ مُعْجِزِهٖ كَبِيْرٌ     بِهٖ حَتّٰى جِمَادُ الْاَرْضِ لَاذَا
وَاَقْبَلَ نَحْوَهُ الْحَيْوَانُ طَوْعًا     يَرُوْمُ بِكَهْفِهِ الْعَالِيْ عَيَاذَا

غَدَتْ دَعَوَاتُهُ تَحْكِي سِهَامًا اِذَا مَا اُرْسِلَتْ نَفَذَتْ نِفَاذًا

آپ وہ نبی ہیں جن کے مرکز کی بارش موسلا دھار ہے۔ اس کے مقابلہ میں بادلوں کی معمولی سی بارش اور پھوار کی کیا قدر ہے۔ آپ وہ پیغمبر ہیں جن کے معجزات کا معاملہ بہت بڑا ہے۔ جمادات تک نے آپ سے پناہ لی۔ حیوانات آپ کی طرف خوشی بخوشی آئے اور آپ کی بلند و بالا امن گاہ سے پناہ طلب کی اور پناہ پائی۔ آپ کی دعائیں تیروں اور نیزوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ جس طرح تیروں کو جب نشانہ پر مارا جاتا ہے وہ اس میں اتر جاتے ہیں اسی طرح آپ کی دعائیں جس مقصد کیلئے کی جاتی ہیں وہ مقصد لازماً پورا ہو جاتا ہے۔

اٹھارہویں فصل

## مردوں اور بچوں کا آپ سے کلام کرنا اور دردمندوں کا تندرست کر دینا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے آپ کو بکری کا گوشت بھون کر پیش کیا۔ جب آپ تناول فرمانے لگے تو گوشت بول پڑا۔ حضور! مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔ میرا کھانا اچھا نہیں۔ اس کے کھانے سے حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کی ران یا پایا آپ سے ہم کلام ہوا تھا۔ پھر یہودی عورت نے اپنے کرتوت کا اعتراف کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔

آپ کی بارگاہ میں ایک نومولود بچہ لایا گیا۔ اس نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ اس کے بعد وہ بچہ جوان ہونے تک خاموش رہا۔ بچے کا کلام کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں جب کہ ہرنی اور گوہ کا کلام کرنا اس سے کہیں زیادہ تعجب والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے شخص کے ساتھ تشریف لے گئے جس نے اپنی بچی ایک وادی میں پھینک دی تھی۔ آپ نے اس کا نام لیکر اسے آواز دی۔ وہ باہر نکلی۔ اس کی زبان پر ''لبیک'' تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ اگر تو چاہتی ہے کہ تجھے تیرے والدین کے سپرد کر دوں تو ٹھیک کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں کہنے لگی مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اللہ کو انسے کہیں زیادہ بہتر پایا ہے۔ ایک انصاری نوجوان کے مرجانے کے بعد زندہ ہونا اور اس کی بوڑھی نابینا ماں کا اس کیلئے دعائیں کرنا، اور اس کا اللہ رسول کی خاطر ہجرت کرنا اس کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ان لوگوں نے نقل کیا جن پر شبہ نہیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا آپ سے کلام کرنا جبکہ انہیں فوت ہونے کے بعد قبر میں داخل کیا گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی اور آپ کا اسم گرامی لیا۔ انہیں یمامہ میں شہید کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ اسی طرح حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی۔ انہوں نے بھی آپ کا اسم گرامی لیا۔ رسالت کا ذکر کیا کچھ اور صفات بیان کیں اور فصیح زبان سے آپ کو سلام عرض کیا، پھر مردوں کی طرح خاموش ہو گئے۔

تَكَلَّمَتِ الْمَوْتٰى بِحَضْرَةِ اَحْمَدَ وَخَاطَبَهٗ فِيْ يَوْمِ مَوْلِدِهِ الطِّفْلُ

وَمَا ذَاکَ بِدْعًا بَعْدَ تَکْلِیْمِ بَعْضِهِمْ لِعِیْسٰی کَمَا وَا فِی اِلَیْنَا بِهِ النَّقْلُ
وَقَدْ اَخْبَرَ الرَّحْمٰنُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَلٰی سَآئِرِ الرُّسُلِ الْکِرَامِ لَهُ الْفَضْلُ
هُوَالْمُصْطَفٰی الْمُخْتَارُ وَالشَّاهِدُ الرِّضٰی هُوَ الْمُنْعِمُ الْوَهَّابُ وَالْحَکَمُ وَالْعَدْلُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں مردوں نے باتیں کیں اور نومولود بچوں نے اپنے یوم ولادت کے وقت آپ سے خطاب کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بعض نے گفتگو کی ہے۔ (بلکہ حضرت عیسیٰ نے بچپن میں خود گفتگو فرمائی) یہ بات ہم تک مکمل نقل کے ذریعہ پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے بیشک یہ فرمایا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل واعلیٰ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصطفیٰ، مختار، شاہد اور رضائے رحمٰن ہیں اور اللہ تعالیٰ، منعم، وہاب، حکم اور عدل وانصاف فرمانے والا ہے۔

سیدنا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں آنکھ اپنے خانہ سے باہر نکل کر رخسار پر لٹکنے لگی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس اس کی جگہ رکھا۔ اس کے بعد یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور تیز نظر والی ہوگئی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو ایک زخم آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس پر لگایا۔ اس کے بعد وہاں زخم کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اور نہ ہی درد کا احساس رہا۔ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ اسی وقت ان کی بینائی واپس آ گئی، جس پر تمام لوگ گواہ تھے۔ ایک کو مرض استسقاء نے نہایت لاغر کر دیا۔ اس کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور بینائی ختم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آنکھوں پر پھونک ماری، فوراً نظر واپس آ گئی اور اتنی تیز ہوگئی کہ سوئی میں دھاگہ ڈال لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اسی 80 حج وعمرہ کرائے۔ جناب کلثوم بن حصین کے سینہ میں غزوۂ احد کے دن تیر لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ تھوک شریف لگایا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست ہو گئے۔ جناب عبداللہ بن انیس کا زخم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن لگانے سے ختم ہوگیا۔ غزوۂ خیبر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھ پر لعاب دہن لگایا، جس سے ان کی تکلیف کافور ہوگئی۔

کَفُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ کَمْ اَبْرَأَتْ عَیْنًا وَاَجْرَتْ فِی الْفَلَا مِنْ عُیُوْنْ
وَ کَمْ سَقِیْمٍ مُدْنِفٍ صَیَّرَتْ تَحْرِیْکُ مَا اَسْقَمَهُ فِی سُکُوْنْ
وَاسْأَلْ فَدَیْنٰکَا اِنْ تَشَآءَ اَوْ فَسَلْ قَتَادَةَ تَظْفَرُ بِسِرِّ مَصُوْنْ
وَاعْلَمْ بِاَنَّ الصَّادِقَ الْمُجْتَبٰی اَصْعَبُ مِنْ هٰذَا عَلَیْهِ یَهُوْنْ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست شفا بخش سے کتنے نابینا، بینا ہو گئے اور کس قدر آپ نے بیابانوں میں چشمے جاری فرما دیئے۔ بہت سے ایسے بیمار جو قبر کے کنارے پہنچ چکے تھے آپ نے اس کی بیماری کو دور فرما دیا۔ فدیک سے یا پھر حضرت قتادہ سے پوچھ تجھے اس مخفی راز کا علم ہو جائیگا۔ ہاں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ان سے زیادہ مشکل کام، نہایت آسان ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر لگا زخم پھونک مار کر درست فرما دیا۔ جو انہیں ''یوم الرضع'' میں آیا تھا۔ حضرت ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو تلوار کا زخم آیا۔ وہ بھی آپ کے پھونک مارنے سے درست ہو گیا اور زخم مندمل ہو گیا۔ جناب ابن حکم کی غزوۂ خندق میں پنڈلی ٹوٹ گئی۔ اس پر جب آپ نے پھونک ماری تو پہلے کی طرح جڑ گئی اور درد کافور ہو گیا۔ حضرت علی نے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا کی پھر اپنے پاؤں کی ٹھوکر لگائی۔ اس کے بعد انہیں مرنے تک یہ تکلیف نہ ہوئی۔ ابوجہل نے حضرت معوذ بن عفراء کا ہاتھ کاٹ دیا، یہ غزوۂ بدر کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کی جگہ رکھ کر لعاب دہن لگایا تو اللہ رب العزت کی عطا سے وہ بالکل صحیح ہو گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے شانہ پر چوٹ آئی جس سے وہ ایک طرف ڈھلک گیا آپ نے اسے سیدھا کیا پھونک ماری اور دوبارہ لڑنے کیلئے فوج میں بھیج دیا۔ ایک خثعمیہ کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل شریف کے پانی سے تندرست ہو گیا اور اس کی برکت سے بہت زیادہ عقلمند ہو گیا۔ ایک مرتبہ ابن حاطب کے بازو پر گرم گرم ہنڈیا گر گئی۔ یہ ابھی بچے تھے۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تندرست ہو گیا۔ شراحیل کے ہاتھوں میں خرابی تھی جس کی وجہ سے وہ تلوار کا قبضہ ہاتھ میں نہ پکڑ سکتا تھا۔ اس سے بہت پریشان ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ خرابی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد وہ تاعمر تلوار چلاتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہیں سینکڑوں مصیبت زدہ اور پریشان حالوں کی مدد فرمائی۔ آپ کے در دولت پر جسے بھی لایا گیا خواہ وہ کیسے ہی مرض میں مبتلا ہوتا۔ شفایاب ہو کر جاتا۔

يَا مَنْ لَهُ رُتَبُ الْعَلِيَّةِ وَالْحَسَبِ — يَا مَنْ حَوىٰ شَرَفَ الْمَغَارِسِ وَ النَّسَبِ

دَعَوَاتُکَ اللَّاتِي نَمَتْ بَرَكَاتُهَا — كَمْ اَذْهَبَتْ مَا كَانَ يُفْضِيْ لِلْعَطَبِ

مِنْ ضَرْبَةٍ عِنْدَ النِّزَالِ وَ طَعْنَةٍ — تَأْتِيْ وَمَنْ مَسَّ يُصِيْبُ وَمِنْ وَصَبِ

اَنْتَ الَّذِيْ بَلَغَ الْمُنىٰ مَنْ عَدَّ مِنْ — خُدَّامِ سُنَّتِکَ الشَّرِيْفَةِ وَالْاَدَبِ

صَلّٰى عَلَيْکَ مَدَدَ الْاَكْوَانِ مَا — ظَهَرَ الضِّيَاءُ مِنَ الْغَزَالَةِ وَاحْتَجَبِ

اے وہ عالی مرتبت محبوب خدا! آپ کے مراتب نہایت عالی، آپ کا حسب بہت اونچا اور اصل و نسب کی شرافت کے آپ جامع ہیں۔ آپ کی دعاؤں کی برکات اس قدر پھیلی ہیں کہ بہت سے ایسے امراض دور ہو گئے جو بیمار کو ہلاک کر دینے والے تھے۔ جنگ اور نیزہ و تلوار کے ٹکراؤ سے زخمی ہونے والے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے دست اقدس سے ان کے زخم اور درد دور فرما دیئے۔ آپ ہی کی ذات گرامی وہ ہے جس نے آپ کی سنت مطہرہ اور آداب پر چلنے والے کی تمام خواہشات پوری کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ و سلام نازل ہوتا رہے جب تک اس کائنات میں سورج کے نکلنے سے روشنی اور غروب ہونے سے اندھیرا ابنتا رہے۔

انیسویں فصل

## آپ کی مستجاب دعاؤں کا بیان

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ جب کسی شخص کیلئے دعا کرتے تو اسکی برکت اسے، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک جاتی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے آپ نے مال اور اولاد کی کثرت کی دعا فرمائی۔ آپ کی اس دعا کی برکت سے انہیں جو بکثرت اولاد اور وافر مقدار میں مال و دولت ملا۔ اسے عام آدمی کیا جانے۔ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر وقت مال کی فراوانی رہتی تھی۔ آپ نے اپنے ہاتھوں ایک سو بیٹے جوان کی پشت سے تھے، دفن کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے کثرت مال کی آپ نے دعا فرمائی۔ مال و دولت آپ کے گھر پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے اونٹوں کا جب صدقہ نکالا۔ تو سات سو اونٹ صدقہ میں دیئے۔ آپ نے ایک ہی دن ایک مرتبہ تیس غلام آزاد کئے جب ان کا انتقال ہوا تو وراثت میں بہت زیادہ سونا وغیرہ چھوڑا۔ آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اسی ہزار درہم ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے علاقہ اور شہروں میں قدرت پانے کی دعا فرمائی۔ آپ کو خلافت ملی۔ تو آپ نے نئے پرانے مالداروں میں حکومت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کیلئے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا فرمائی، اس کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جس کیلئے دعا مانگتے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اے اللہ! عمر کو اسلام کے غلبہ کیلئے مسلمان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام نصیب فرما دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر مسلمان ہوئے ہم مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بڑھ گیا۔

نَعَمْ اَعَزَّ دِیْنَنَا اِسْلَامَ ذِی الْعِزِّ عُمَرُ
الزَّاهِدُ الْعَدْلُ الرِّضٰی رَبُّ الْفُتُوْحِ وَ الظَّفَرِ
مَا ذَاکَ اِلَّا بِدُعَا ءِ الْمُصْطَفٰی خَیْرِ الْبَشَرِ
کَمَا دَعَا لِاَنَسٍ فَنَالَ بِالْیُمْنِ الْوَطَرِ
وَلَا بْنِ عَوْفٍ بِالْجَوَا دِ فَاجْتَلٰی بَدْرُ الْبَدَرِ
طُوْبٰی لِقَوْمٍ اَدْرَکُوْا اَیَّامَهٗ الْبِیْضَ الْغُرَرِ

ہاں واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین اور اسلام قبول کرنے سے ہمارے دین کی عزت و وقار میں اضافہ ہوگیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو بہت معزز، زاہد، عادل، راضی برضاء الٰہی، صاحب فتوحات کثیرہ اور کامیاب ہیں یہ جو کچھ ہوا صرف اور صرف خیرالبشر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت تھا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے مال واولاد کی کثرت کی دعا فرمائی۔ تو انہیں مال کثیر اور بہت سی اولاد دیکھنا نصیب ہوئی۔ اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے کثرت مال کی دعا فرمائی، تو وہ بھی قبول ہوئی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ دیکھنا نصیب ہوا جو نہایت روشن اور واضح تھا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''نابغہ'' کیلئے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کے دانت نہ ٹوٹنے پائیں۔ یعنی اس کی گفتگو کو کمال نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے آسمانوں جیسی بلندی عطا فرمائی اور عمر جو خوبصورت دانتوں کے مالک تھے ان کیلئے بھی دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا جب بھی کوئی دانت گرتا اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا اگا دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) کی دعا فرمائی اور قرآن کریم کی تاویل وتفسیر کیلئے دعا سے نوازا۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اس دعا کی برکت سے ''حبر الامۃ'' اور ''ترجمان القرآن'' کہلائے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کیلئے دعا فرمائی کہ انہیں کاروبار میں نفع ہو، پھر جو چیز خریدتے خواہ اپنے لئے یا کسی نائب وامین کیلئے تو اس میں نفع ہی نفع اٹھاتے۔ حضرت مقداد کیلئے بھی برکت کی دعا فرمائی۔ مال و دولت ان کی طرف لپک کر آتے۔ حضرت عروۃ بن جعد کیلئے بھی ایسی ہی دعا فرمائی۔ ان کے منافع کے ستارے سعادت کے آسمان کو چھونے لگے۔ گرمی سردی کا حضرت علی پر آپ کی دعا کی وجہ سے کوئی اثر نہ ہوتا۔ آپ گرمیوں میں سردیوں والے کپڑے اور سردیوں میں گرمیوں والے کپڑے زیب تن فرماتے۔ کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ جناب طفیل بن عمر کو آپ کی دعا کی برکت سے ایک نشانی مل گئی وہ یہ کہ آپ کے پاس ایک کوڑا تھا، جس کی ایک طرف سیاہ رات میں روشن ہوجاتی تھی۔

هٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ بِهٖ قَدْ غَدَا ۔۔۔ فِي الْفِقْهِ وَالتَّاوِيْلِ نِعْمَ الْإِمَامُ
وَعُرْوَةُ بْنِ الْجُعْدِ مِنْ رِبْحِهٖ ۔۔۔ فِي الْمَالِ قَدْ فَازَ بِاَعْلَى السِّهَامِ
وَالْحَرُّ وَالْقَرُّ عَلِيٌّ رَاٰى ۔۔۔ حَرْبُهُمَا سِلْمًا عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَاَيُّ خَيْرٍ لَمْ يَكُنْ اَصْلُهٗ ۔۔۔ مِنْ اَحْمَدَ بَيْتِ قَصِيْدِ الْكِرَامِ

ان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے فقہ

اور تفسیر کے بہت اعلیٰ امام بن گئے۔ حضرت عروہ بن جعد نے آپ کی دعا کی برکت سے مال میں اس قدر نفع پایا کہ بہت بڑے مال دار ہو گئے۔ اور حضرت علی کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا نے یہ اثر دکھایا کہ انہیں گرمی سردی کی پراہ نہ رہی۔ ان کے علاوہ کوئی بھی دوسری بھلائی ایسی نہیں جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوں۔ آپ کا گھرانہ ہی سخیوں کی آماجگاہ ہے۔

قبیلہ مضر کیلئے آپ کی درخواست پر قحط آن پڑا۔ جس سے زندگی دوبھر ہوگئی پھر انہوں نے قریش سے معافی کی درخواست کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی تو قحط جاتا رہا اور بارش برس پڑی۔ کسریٰ کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس کا ملک ختم ہو گیا اس کی اولاد کا اتفاق تتر بتر ہو گیا۔ ایک مرتبہ چند بچوں نے دوران نماز آپ کو ستایا۔ آپ نے دعا کی تو وہ وہیں جکڑے گئے حتیٰ کہ آپ نے ان کی معافی قبول کر لی اور وہ تندرست ہو گئے۔ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ کہنے لگا میرا دایاں ہاتھ کام نہیں کرتا حالانکہ اس کا ہاتھ تندرست تھا۔ چنانچہ آپ کے فرمانے سے اس کا ہاتھ دوبارہ منہ تک نہ جا سکا۔ عتبہ بن ابی لہب کو شیر نے پھاڑ دیا۔ جب اس کیلئے آپ نے دعا کی تھی کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ قریش کی ایک جماعت نے آپ کے سامنے آ کر آپ سے توہین آمیز سلوک کیا تو آپ کی دعا کی وجہ سے وہ سب بدترین حالت میں ہو گئے اور قتل کر دیئے گئے۔ حکم بن عاص آپ کو آنکھوں سے نازیبا اشارے کرتا اور منہ چڑھایا کرتا تھا جبکہ وہ ابھی بالغ نہ ہوا تھا۔ آپ نے دعاء کی کہ تو اسی حالت پر ہی رہ جا۔ چنانچہ وہ تا عمر ٹیڑھے منہ والا ہو گیا ابن جثامہ آپ کی دعاء کے بعد ساتویں دن واصل جہنم ہو گیا جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے باہر پھینک دیا۔ دوبارہ سہ بارہ ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی مرتبہ دعاء استسقاء کے بارے میں مقبول ہوئی اور اس کے علاوہ اور بہت سے مواقع پر کام آئی اس کا شمار نہیں ایسی کرامات اور ایسے بیشمار معجزات اور بھی ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کی عظمت کی دلیل ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْ یَدْعُوْ لَہٗ مَنْ لَا یُرَدُّ دُعَآؤُہٗ لِمُوَفَّقٍ وَ سَعِیْدٌ

وَالْوَیْلُ لِلْعَاصِیْ الَّذِیْ یَدْعُوْ عَلَیْـــــــــــہِ وَاِنَّہٗ لَمُشَرَّدٌ وَ طَرِیْدٌ

یَا سَیِّدَ الْکَوْنَیْنِ یَا مَنْ ظِلُّہٗ کَنَوَالِہٖ لِلْوَافِدِیْنَ مَدِیْدٌ

کَمْ آیَۃٍ وَ کَرَامَۃٍ لَکَ ذِکْرُھَا اَبَدًا عَلٰی مَرِّ الزَّمَانِ جَدِیْدٌ

مِنِّیْ اِلَیْکَ سَلَامُ عَبْدٍ مَا لَہٗ اِلَّا الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ وَ التَّوْحِیْدُ

یقیناً وہ شخص جس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے ہیں جن کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی وہ بہت توفیق والا اور سعادت والا ہے۔ اور تباہی و بربادی اس کا مقدر کہ جس کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں یقیناً وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور اور دھتکارا ہوا ہے۔ اے کونین کے آقا! اے وہ ذات کہ ان کا سایہ ان کی سخاوت کی مانند ہے۔ وہ محتاجوں اور ضرورتمندوں کیلئے پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی کرامات (معجزات) اور آپ کی نبوت کی علامات اس قدر ہیں کہ قیامت تک ان کا ذکر ہوتا رہے گا۔ اور جوں جوں وقت گزرے گا توں توں وہ تازہ ہوں گی۔ میری طرف سے آپ پر سلام ہو میں آپ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں میرے پاس آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے سوا کوئی پونجی نہیں۔

## بیسویں فصل

# انقلاب اعیان (ایک چیز کو دوسری میں تبدیل کر دینا) اور آپ کی برکت کی تاثیر کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جو بہت لاغر تھا اور سب سے پیچھے رہتا تھا۔ آپ کی سواری فرمانے کی برکت یہ ہوئی کہ اب وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ بڑے بڑے تیز رفتار گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ بہت کمزور تھا۔ آپ کی برکت سے وہ اس قدر چست اور توانا ہو گیا کہ مہار پکڑنی مشکل ہو گئی تھی۔ ایک تند خو اونٹ کیلئے دعا فرمائی تو وہ فرمانبردار ہو گیا۔ پھر اس کی قیمت بارہ ہزار درہم پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک گدھے پر سوار کیا جو بہت آہستہ چلتا تھا اسے ایسا کر دیا کہ وہ مالک کے بغیر چر پھر کر واپس آ جاتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ بال تھے۔ آپ نے جس جنگ میں بھی شرکت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے انہیں فتح و نصرت بخشی۔ بیمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے اترے کپڑوں سے شفا حاصل کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جس برتن میں کوئی پینے کی چیز رکھی گئی۔ اس میں پانی ڈال کر آرام و عافیت پاتے۔ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی ایک کنوئیں میں ڈالا گیا تو اس کے بعد اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنوئیں میں آپ نے اپنا لعاب دہن ڈالا جس کی وجہ سے وہ تمام کنوؤں کے پانی سے زیادہ میٹھا ہو گیا۔ آپ نے ایک مرتبہ نمکین پانی کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے ''طیب'' کہا تو وہ اسی وقت میٹھا ہو گیا۔ زمزم کے کنوئیں میں آپ نے کلی کا پانی ڈالا۔ اس سے خوشبو مہکنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ پیتے بچوں کے منہ میں لعاب دہن ڈالتے تو ان کو رات تک بھوک پیاس نہ لگتی۔

رَسُوْلٌ كَمْ حَدِيْثٍ عَنْهُ يُرْوٰى    جَوَاهِرُهٗ شُنُوْفٌ لِلْمَسَامِعِ
نَمَتْ بَرَكَاتُهٗ وَ سَمَا سَنَاهَا    يُشِيْرُ بِلَامِعٍ فِي الْكَوْنِ لَامِعٍ
بِهَا الْحَيَوَانُ اَضْحٰى ذَا نِشَاطٍ    وَ زَالَتْ عَنْ ذَوِي السَّقْمِ الْمَوَانِعِ
بِهَا عَذُبَتْ مِيَاهٌ كُنَّ مِلْحًا    وَصَارَلَهَا شَذِيٌّ كَالْمِسْكِ ضَائِعِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ جن کے موتی کانوں کی

بالیاں ہیں۔آپ کی برکات بہت بڑھیں اوران کی روشنی خوب چمکی۔کائنات میں آپ کی دعاؤں کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔آپ کی برکتوں سے چوپائے ہشاش بشاش ہو گئے اور کمزوروں بیماروں اوردکھ درد کے ماروں کی تکالیف ختم ہو گئیں۔اس کی وجہ سے نمکین پانی میٹھے ہو گئے اوران کی خوشبو مہکنے والی مشک کی طرح ہو گئی۔

جناب مالک کی والدہ کے گھی کے ڈبے کا واقعہ آپ کا اسے حکم دینا کہ اس کو نہ نچوڑے اوراس کا اس میں سے اس وقت تک گھی حاصل کرتے رہنا جب تک اس نے اسے نہ کھولا۔اس کا کوئی منکر نہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بدل کتابت میں تین سو کھجوروں کے پودے لگانا پھراسی سال آپ کے دست اقدس کی برکت سے ان کا پھل لانا،انہیں سونا عطا کرنا جوان کے مالکوں نے وصول کرنا تھااور چالیس اوقیہ مقرر تھا۔وہ صرف مرغی کے ایک انڈے کے برابر تھا۔وہی آپ کی برکت سے چالیس اوقیہ سے زیادہ وزنی ہو گیا۔آپ ﷺ کے پانی پی کر بچے ہوئے پانی کا ایک شخص کا پینا،جس کی برکت سے اسے کبھی پیاس نہ لگی اور ہر وقت سیر رہتا۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اندھیری رات میں ایک لکڑی عطا فرمانا جوان کے پاس روشنی دیتی رہی حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں تلوار ٹوٹ جانا اور آپ کا انہیں ایک ٹہنی عطا فرمانا،پھراسی کو اپنے ساتھ ہر جنگ میں رکھنا،اس کی وجہ سے آپ کا مختلف قبائل میں ''فاتح'' مشہور ہونا،حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ختم ہو جانے پر انہیں کھجور کی ٹہنی عطا فرمانا یہ بھی غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیتی تھی۔حاملہ بکریوں میں آپ کی برکات،ان کے دودھ میں فراوانی کتب حدیث میں اس کے متعلق روایات موجود ہیں جیسا کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں،ام معبد خزاعیہ کی بکری،معاویہ بن ثور کی بکریاں،حضرت انس کی دونوں بکریاں حضرت مقداد اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی بکریوں کے واقعات۔علاوہ ازیں ان گنت واقعات محدثین کرام نے نقل فرمائے۔

لِلّٰهِ دَرُّ نَبِيٍّ دُرُّ مَنْطِقِهٖ ۔۔۔ اَلْبَابَ اَهْلِ الْحُجٰى وَالْعِلْمِ يَسْتَلِبُ

وَالنَّشْرُ مِنْ وَصْفِهٖ لَايَنْطَوِىْ اَبَدًا ۔۔۔ كُلًّا وَّلَا يَنْقَضِىْ مِنْ بَحْرِهِ الْعَجَبُ

بِهٖ وُجُوْهُ ذَوِى الْاِقْبَالِ نَاضِرَةٌ ۔۔۔ آضَتْ وَ عَادَتْ لَهُ الْاَعْيَانُ تَنْقَلِبُ

وَاَبْرَأَتْ كَفُّهُ الْعَاهَاتِ مُسْرِعَةً ۔۔۔ وَ كَمْ لَهُ آيَةٌ تُمْلٰى وَ تُكْتَبُ

صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِىْ اَعْلٰى مَرَاتِبَهُ ۔۔۔ مَاهَبَّتِ الرِّيْحُ فَاهْتَزَّتْ لَهَا الْقُضُبُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیاں اللہ کیلئے ہی ہیں۔آپ کی گفتگو کے موتی ایسے ہیں جنہوں

نے بڑے بڑے دلائل اور صاحبان علم کے دل سلب کر لئے۔ آپ کے اوصاف ہرگز ہرگز بیان نہیں ہو سکتے اور نہ ہی آپ کے عجائب کے سمندر کے موتی گنے جا سکتے ہیں۔ آپ کی برکات سے بلند قسمت والوں کے چہرے تروتازہ ہیں۔ آپ ہی کیلئے اعیان کا انقلاب مقدر تھا۔ آپ کے دست اقدس سے بہت سے آفت زدہ منٹوں میں تندرست اور خوش حال ہو گئے۔ آپ کی بہت سی آیات کتب میں لکھی اور نقل کی گئی ہیں۔ عالی مرتبت محبوب خدا پر اللہ تعالیٰ کے اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل ہوں جب تک ہوائیں چلتی رہیں اور ٹہنیوں کو وہ ہلاتی رہیں۔

## اکیسویں فصل

# آئندہ پیش آنیوالے واقعات اور غیب کی خبر دینے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیوب پر مطلع فرما دیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گزشتہ اور آئندہ ہونے والے واقعات کی معرفت عطا فرمائی۔ جس واقعہ کے متعلق آپ نے ہونے کی خبر دی وہ ہو کر رہا اور جس کے متعلق عنقریب ہونے کا ارشاد فرمایا تو اس کی صبح کی روشنی اور چمک یقیناً رونما ہوئی۔ ان واقعات میں سے کچھ وہ ہیں جن کا تعلق آپ کے دشمنوں پر کامیابی حاصل ہونے کے ساتھ ہے، آپ کے معاونین وانصار کے جھنڈوں کی بلندی کے ساتھ ہے۔ سفر و حضر میں موجود امن وامان کیساتھ ہے۔ فتح مکہ خیبر، یمن، عراق اور شام کے متعلق ارشادات ہیں۔ آپ کی امت کا دنیا اور اس کی ہریالی پانے کے متعلق ہے پھر اس کی تروتازگی اور ہریالی میں کھو جانے کا تذکرہ ہے۔ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی تقسیم کی اطلاع ہے۔ ان کے خزانوں کو پیمانوں میں بھر بھر کر ملنے کی خبر ہے۔ پھر امت کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کی اطلاع ہے۔ جن میں نجات پانے والا صرف ایک گروہ ہے جس کے اور حق کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہوگا اور یہ کہ کوئی ان میں سے قیمتی لباس میں صبح کرے گا اور دوسرا دوپہر گزارے گا۔ ان کے صحیفے (قیامت میں) ان کے ہاتھوں میں تھمائے جائیں گے۔ یہ بات ان کیلئے باعث فخر اور نعمت خداوندی ہوگی۔ ان کیلئے جنت میں بیش بہا بڑھیا لباس اور تا حد نگاہ کشادہ زمین ہوگی۔ ان کے گھروں پر کعبہ کی طرح پردے ہوں گے اور آپ کے امتیوں کی حکومت وہاں تک ہوگی جہاں تک آپ کو مشرق ومغرب سکیڑ کر دکھائی گئی اور یہ کہ ان میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر ڈٹا رہے گا۔

نَبِی اَمَانَۃٍ وَ رَسُوْلُ صِدْقٍ ۔۔۔ جَدِیْرٌ بِالنُّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَۃ
اِذَا مَا قَالَ قَوْلًا فَانْتَظِرْہُ ۔۔۔ فَسَوْفَ یَکُوْنُ حَتْمًا لَا مَحَالَۃ
اِلٰـہُ الْعَرْشِ بِالْاَنْوَارِ مِنْہُ ۔۔۔ ھَدٰی مَنْ شَآءَ مِنْ ظُلَمِ الضَّلَالَۃ
وَعَلِمَ اُمَّۃٌ مِنْ بَعْدِ جَھْلٍ ۔۔۔ بِہٖ وَعَلَی الْوَرٰی اَعْلٰی مَقَالَۃ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب امانت پیغمبر اور صدق وحق لیکر آنے والے نبی ہیں۔ آپ منصب نبوت اور رسالت کے حقدار ہیں۔ آپ نے جب بھی آئندہ رونما ہونے والے واقعہ کے

بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔ تو تم اس کے ہونے کا انتظار کرو وہ یقیناً اور جلد ہو کر رہے گا۔ اللہ عرش کے معبود نے آپ کے انوار سے جسے چاہا گمراہی سے ہدایت نصیب فرما دی۔ آپ کی امت اگرچہ شروع میں آپ کے مقام و مرتبہ سے بے خبر تھی لیکن پھر اسے اس کا علم ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کیلئے آپ کا کلام اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت اور نصائح پر مشتمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں میں یہ واقعات بھی شامل ہیں۔ خزر اور ترکوں کی لڑائی، ملک فارس اور روس کا زوال، علم کا قبض کر لیا جانا، فتنہ و فساد کا ظہور، ایک ایک کر کے اچھے انسانوں کا اٹھ جانا، وقت کا جلد گزر جانا، بنو امیہ کی حکومت ان کا مال کو دولت بنانا، بنو عباس کا خروج، ایک سال بھی ان کو حکومت نہ ملنا، شہادت عثمان، شہادت علی المرتضیٰ، آخری زمانہ میں امام مہدی کا تشریف لانا، آپ کی آل بیت پر آنے والے مصائب، قتل اور دیگر پریشانیوں کا ان کا سامنا کرنا، حضرت زبیر کا حضرت علی سے لڑنا، جب تک عمر زندہ ہیں فتنوں کا چھپا رہنا، آپ کی بعض ازواج پر ہلکے کتوں کا بھونکنا، وہاں بکثرت لوگوں کا قتل ہونا اور ان کا بمشکل بچنا، حضرت عمار کو باغی جماعت کا قتل کرنا، قریش کے ہاتھ میں حکومت کا اس وقت تک رہنا جب تک یہ دین کے جھنڈے کو بلند رکھیں گے، ثقیف میں ایک جھوٹا نبی آنا اور مسیلمہ کذاب کو اللہ تعالیٰ کا واصل جہنم کر دینا۔

بَعْضُ الَّذِیْ قَالَهٗ خَیْرُ الْاَنَامِ جَرٰی     وَالْبَعْضُ یَأْتِیْ كَمَا قَدْ نَصَّ فِي الْخَبَرِ

اَمَّا الصَّحَابُ وَاَهْلُ الْبَیْتِ مِنْهُ وَمَا     قَدْ نَالَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ غَیْرُ مُسْتَتِرِ

بعض وہ باتیں اور واقعات جو سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے وہ ہو چکے اور کچھ ہو کر رہیں گے جیسا کہ ان کے بارے میں احادیث میں وارد ہے۔ آپ کے صحابہ اور آپ کی آل بیت رضوان اللہ علیہم کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ سب پر واضح ہے۔

وَسَوْفَ تَظْهَرُ تَصْدِیْقًا لَّهٗ فِتَنٌ     كَقِطْعِ لَیْلٍ خَلَا مِنْ غُرَّةِ الْقَمَرِ

اور بہت جلد آپ کے ارشادات کی تصدیق کرتے ہوئے عظیم فتنے رونما ہوں گے۔ ان کا آنا یوں یقینی ہے جس طرح چاند کے بغیر رات ہوا کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیب کی خبر دینا درج ذیل واقعات میں بھی واضح ہے۔

لبید بن اعصم کا آپ پر جادو کرنا جو کھجور کے ایک خشک گودے پر کر کے ذروان کے کنواں میں ڈالا گیا تھا۔ قریش کے لکھے کاغذ کو زمین کا کھا جانا، جس میں صرف اللہ تعالیٰ کا نام مقدس باقی بچا تھا، آپ کا فرمانا کہ عرب بہت جلد مرتد ہو جائیں گے، خلافت آپ کے بعد تیس سال ہوگی، معاملہ نبوت سے

شروع ہوا پھر خلافت آئے گی پھر بادشاہت ہوگی۔ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے۔پھر امت میں نافرمانی اور فساد بپا ہوگا۔آپ کی امت میں کثرت عجمیوں کی ہو جائے گی ان میں قتل وخون خرابہ ہوگا، تیس جھوٹے مدعیان نبوت آئیں گے، جن میں سب سے آخری دجال ہوگا۔امیروں کی حالت بیان فرمائی۔نماز میں تاخیر کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ایک شخص قحطان سے نکلے گا اور لوگوں کو اپنے عصا سے ہانکے گا۔اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی حالت اور ان کے متعلق باتوں کا تذکرہ، ہر زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ برے سے زیادہ برا ہوگا، اس امت کے آخری لوگ اس کے اول کے سبب گناہوں میں پڑیں گے۔انصار بہت تھوڑے ہوں گے جیسا کہ آٹے میں نمک، خوارج اسلامی حکومت کے خلاف خروج کریں گے۔ان کی نشانی حلقہ بنا کر بیٹھنا یا سر منڈوانا ہوگی۔قدریہ اور رافضیہ پیدا ہوں گے، اور حق سے دور ہوں گے۔

تَبًّا لِقَوْمٍ رَفَضُوْا عُصْبَةَ مُحَمَّدٍ شَانِئُهُمْ يُرْفِضُ
عُصْبَةَ خَيْرٍ صَحِبُوا الْمُصْطَفٰى وَاللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اَقْرَضُوْا
وَجْهُ الَّذِىْ يَكْرِهُهُمْ اَسْوَدُ وَوَجْهُ كُلِّ مِنْهُمْ اَبْيَضُ
طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ حَلِيْفًا لَهُمْ وَوَيْلٌ مُطْرُوْدٌ لَهُمْ يُبْغِضُ

جس قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کو چھوڑا۔اس کیلئے ہلاکت و بربادی ہے ان کا مذہب ہی رفض ہے جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی وہ بہترین لوگ ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیا، جو شخص انہیں اچھا نہ جانے اس کا منہ کالا ہو۔اور ان سب حضرات کے چہرے منور ہیں، جو شخص ان کا حلیف اور ساتھی ہے وہ مبارک ہے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھتا ہو اس کیلئے جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رکھا گیا ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرمانا کہ تم سب سے پہلے میرے پاس آجاؤ گی۔(یعنی جب آپ کا وصال ہو گیا تو آپ نے وصال سے قبل سیدہ کو فرمایا تھا۔تم جلدی میرے پاس آجاؤ گی) چنانچہ آپ کے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے یہی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوئیں اور آپ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کربلا میں شہید کئے جانے کی خبر دینا، امام حسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اعلان، بکریاں چرانے والے لوگوں کے سربراہ بنیں گے اور ان کے سروں پر شاہی تاج ہوں گے۔پاؤں سے ننگے برہنہ جسم بڑی بڑی بلند عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر بڑائی کا اظہار کریں گے، لونڈیاں اپنی مالکہ کو جنم دیں گی، نجاشی جس دن فوت ہوا اسی دن اس کے

انتقال کی خبر دینا، حاطب کا رقعہ، عمیر کا صفوان کے ساتھ قصہ، فتح بیت المقدس کے بعد دو اموات کا تذکرہ، جماعت کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ یہود کی پناہ لینے والے کا ان کے کجاوہ میں مل جانا، اہل موتہ کی شہادت، اہل بدر کی جنگ اور ان کا مقابلہ، بغداد اور دجلہ کے درمیان شہر آباد ہونا، بصرہ کے باشندوں کے متعلق آپ کا ارشاد وغیرہ حوادثات کی اطلاع دینا، قیامت کی علامات، بعث ونشر کا تذکرہ، موقف و حشر کی نشانیاں، نیک اور بدلوگوں کے حالات، قیامت کی ہولناکیاں، جنت ودوزخ کے اوصاف، اور ایسی باتیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں یہ سب آپ کے علم غیب کی ترجمان ہیں۔قلم آپ کی فضیلت و تفصیل کو لکھنے سے قاصر ہے۔

نَبِيٌّ عَظِيْمُ الْقَدْرِ نَوَّرَ قَلْبَهٗ وَعَلَّمَهٗ مَنْ يَّعْلَمُ السِّرَّ وَ النَّجْوٰى
وَعَرَّفَهٗ بِالْكَائِنَاتِ وَ غَيْبِهَا فَاَصْبَحَ مَنْشُوْرًا لَهٗ كُلُّ مَايُطْوٰى
اَيَاحَبَّذَا مِنْهُ اِمَامٌ وَ قُدْوَةٌ شَرَائِعُ دِيْنِ اللّٰهِ مِنْ لَفْظِهٖ تُرْوٰى
لَهٗ رَوْضَةٌ تَهْتَزُّ بِالنَّدِّ وَ النَّدٰى سَحَائِبُهَا تَنْهَلُّ بِالْجُوْدِ وَالْجَدْوٰى
تَحُفُّ ضَرِيْحًا ضَمَّ هَدْيًا وَ رَحْمَةً وَحَازَ الْعُلَا وَالْعِلْمَ وَ الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى
عَلَيْهِ سَلَامٌ لَمْ يَزَلْ غُصْنُ دَوْحِهٖ رَطِيْبًا سَرِيْعُ الْمَيْلِ يُنْهٰى وَلَا يُذْوٰى

عظیم القدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور اس ذات باری تعالیٰ نے منور فرمایا جو پوشیدہ اور راز و نیاز کو جانتی ہے اور اسی نے آپ کو تعلیم دی۔ کائنات اور اس کے غیوب کی معرفت بخشی، جس کی وجہ سے ہر لپٹی چیز آپ کیلئے کھلی ہوئی ہوگئی۔ خوش قسمتی کہ آپ ایسا امام اور قائد ہمیں ملا اللہ تعالیٰ کے دین کی شریعتیں آپ کے الفاظ مبارکہ سے سیراب ہوتی ہیں۔ آپ کا باغ سخاوت اور بخشش سے لہراتا ہے اور اس کے بادل جود وسخاوت کی بارش برساتے ہیں۔

جس مرقد منور میں آپ تشریف فرما ہیں، وہ مجسمہ ہدایت ورحمت ہے۔ اس نے ہر قسم کی بلندی، علم، نیکی اور تقویٰ جمع کر لیا ہے آپ پر اللہ تعالیٰ کے صلوۃ وسلام اس وقت تک نازل ہوتے رہیں جب تک باغات کی شاخیں سبز وتر ہیں جو تھوڑی سی ہوا چلنے سے جھک جاتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں۔

## بائیسویں فصل

# لوگوں سے آپ کی حفاظت وعصمت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک منزل پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی نے آپ پر تلوار سونت لی۔ تاکہ آپ کو قتل کر دے اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور تلوار ہاتھوں سے نیچے گر پڑی۔ اس نے اپنا سر درخت سے ٹکرا دیا کیونکہ وہ شیطان کے بہکانے کے باوجود کامیاب نہ ہوسکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور اس کی شیطانی کے باوجود اسے کھڑا کر دیا وہ اٹھا اور اپنی قوم کے پاس واپس آ کر کہتا ہے، میں تمہارے پاس ایک بہترین انسان سے مل کر آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر میں قضائے حاجت کیلئے صحابہ کرام سے دور چلے گئے۔ منافقین میں سے ایک نے نیام سے تلوار نکالی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر وشر سے آپ کو محفوظ رکھا، اس کا مکر سینہ میں ہی رہ گیا۔ دعثور بن الحارث نے آپ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے ہاتھ میں تیز تلوار تھی۔ یہ غزوۂ غطفان کا واقعہ ہے۔ وہ پشت کے بل گر پڑا پھر اسے ایمان کی دولت نصیب ہوگئی تھی۔ "حمالۃ الحطب" یعنی ابولہب کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں انگارے ڈال دیا کرتی تھی۔ آپ کو وہ یوں محسوس ہوتے جیسے ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ مشرکین نے بارہا آپ کو دھمکایا ڈرایا اور اس بارے میں ہر حیلہ اور مکر چلایا لیکن ہوا یہ کہ ان میں سے بعض بھاگ نکلے، بعض کی زندگی دوبھر ہوگئی، بعض بیہوش ہو کر گر پڑے، بعض کی اللہ تعالیٰ نے بینائی لے لی اور بعض پر کپکپی طاری ہوگئی اور آپ کے سامنے زمین پر گر پڑے کچھ اور تھے جن کو فرشتوں نے روکے رکھا اور وہ آپ تک پہنچ ہی نہ سکے۔

رَامُوْهُ بِالسُّوْءِ وَالْجَبَّارُ يَحْفَظُهُ ۔۔۔ مِنْ كُلِّ ذِيْ حَسَدٍ لِلشَّرِ مُنْتَصِبِ
وَاَقْبَلُوْا نَحْوَهُ لِلْكَيْدِ فَانْقَلَبُوْا ۔۔۔ بِجَهْلِهِمْ وَ عَمَّاهُمْ اَيَّ مُنْقَلِبِ
لَمَّا مَشَوْا فِيْ ظَلَامِ الظُّلْمِ اَوْرَثَهُمْ ۔۔۔ خَبَطًا وَ خَلَطًا بِهِمْ اَدّٰى اِلَى الْعَطَبِ
تَبًّا يٰلَا فِيْهِمْ لُقْيًا اَبِيْ لَهَبِ ۔۔۔ وَبِئْسَ مَا صَنَعَتْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ

مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستانے اور قتل کرنے کے برے ارادے کئے لیکن اللہ جبار وقہار آپ کی حفاظت فرماتا رہا۔ اس کی حفاظت ہر اس شخص سے تھی جو حاسد اور شرارت کے در پے رہا۔ دشمنوں نے مکر وفریب اور آپ کو داؤ لگانے کیلئے آپ کی طرف پیش قدمی کی لیکن اپنی جہالت اور

اندھے پن کی وجہ سے بری مار کھائی اور ناکام لوٹ گئے۔ جب بدخواہوں نے آپ پر ظلم کرنے کیلئے ظلم کے اندھیروں میں آپ کی طرف بڑھے تو مخبوط الحواس ہو گئے اور انہیں کچھ نہ سوجھا، جس کی بنا پر وہ خود ہلاک ہو گئے۔ ابولہب کی طرح ان کے مقدر میں بربادی ہوئی اور ابولہب کی بیوی نے جو کچھ کیا بہت برا کیا۔

قریش نے پروگرام بنایا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ رات کے وقت آپ کے گھر کا انہوں نے محاصرہ کر لیا آپ اپنے در دولت سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی۔ وہ انتظار میں رہے کہ آپ باہر نکلیں لیکن آپ باہر نکل کر کہیں اور تشریف لے جا بھی چکے تھے۔ اندھے، بہرے اور گونگے کہ انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ہجرت کے موقعہ پر سراقہ نے آپ کا پیچھا کیا جیسا قاتل کسی کا پیچھا کرتا ہے۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ جب سراقہ ان دونوں کے قریب پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا اس کے گھوڑے کے پاؤں دو مرتبہ زمین میں دھنس گئے۔ اس نے فریاد کی۔ امان۔ الامان۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے امان دیدی اور احسان سے پیش آئے۔ بعض چرواہوں کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت حال معلوم ہوئی۔ وہ جلدی سے بھاگتا ہوا قریش کے پاس پہنچا تا کہ ان دونوں کی خبر ان کو بتائے جب وہ مکہ شریف پہنچا تو اس کے دل پر مہر لگا دی گئی اور جس مقصد کیلئے وہ آیا تھا سب بھول گیا اپنا سا منہ لیکر واپس آ گیا۔ ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر آیا تا کہ آپ پر پھینک دے آپ اس وقت حالت سجدہ میں تھے اور قریش اس کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن خدا کی کرنی کہ اس کے ہاتھ گردن پر رک گئے اور کسی بت نے اس کی مدد نہ کی پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کے ہاتھ چھڑوا دیئے جائیں۔ آپ نے دعا فرمائی اور ہاتھ پھر سے کام کرنے لگے ایک اور بار ابوجہل آیا آپ اس وقت نماز ادا فرما رہے تھے جب آپ کے قریب آیا تو ناامید انہی پاؤں پر واپس آ گیا اس نے آگ کی ایک خندق دیکھی جس میں وہ گرا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں بہت زیادہ دہشت زدہ ہو گیا اور کف دست ملتا رہ گیا۔

تَدَانَتْ مِنْهُ وَاجْتَمَعَتْ قُرَيْشٌ عَلَيْهِ وَ بَيَّتُوْهُ لِلْعَكُوْسِ
فَلَمْ يَحْصُلْ لَهُمْ مِمَّا اَرَادُوْا سِوٰى ذَرِّالتُّرَابِ عَلَى الرُّؤُسِ
وَاَسَرُّ سُرَاقَةُ اِذْخَرَّ مُلْقٰى وَ رَاعِيُ الشَّاءِ دُوْنَ فِي الطُّرُوْسِ
وَ يُبْسُ يَدَيْ اَبِيْ جَهْلٍ شَهِيْرٌ وَكَمْ آيِ لِاَحْمَدَ كَالشُّمُوْسِ

قریش نے مل کر پروگرام بنایا کہ آپ کو جھکا دیا جائے لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ اگر ملی تو سر پر مٹی ہی ملی۔ سراقہ جب انعام کے لالچ میں آپ کو پکڑنے آگے بڑھا تو زمین پر (گھوڑے سے) گر پڑا۔ بکریوں کو چرانے والا بھی اپنی یادداشت کھو بیٹھا۔ نامی گرامی ابوجہل کے ہاتھ خشک ہو گئے۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی نشانیاں ہیں جو سورج کی طرح روشن ہیں۔

بنو مغیرہ کا ایک شخص آپ صلی اللہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے بینائی چھین لی وہ دل کا بھی اندھا تھا۔ غزوۂ حنین میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ قتل کرنے کے ارادہ سے اس نے تلوار بلند کی، جب قریب آیا تو آگ کے ایک شعلے نے اسے آلیا۔ پیچھے ہٹا، پھر آگے بڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر خوب داد شجاعت پائی۔ عامر بن طفیل کے ارادۂ قتل کا واقعہ مشہور ہے۔ اور وہ واقعہ بھی جانا پہچانا ہے جب اربد بن قیس نے آپ کے خلاف مکر و فریب سے داؤ کھیلنا چاہا، بہت سے یہودی اور کاہنوں نے آپ کو ڈراوے دیئے اور اپنے باطل معبودوں سے آپ کے خلاف مدد چاہی، بتوں کے پجاریوں کو آپ کے نبی ہونے کی اطلاع کی اور انہیں بھی آپ کے قتل کرنے پر ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد و نصرت سے آپ کو محفوظ و معصوم رکھا اور نہ سونے والی آنکھ سے آپ کی حفاظت کی۔ سفر و اقامت میں اپنی نوازشات سے نوازا۔ مخالفین کی گردنوں پر طوق ڈال دیئے۔ انہیں شکست و ذلت کی شلواریں پہنائیں اور ان کے ہاتھوں کو روک دیا جب انہوں نے زیادتی کرنا چاہی ان کے برے ارادوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت کو چار چاند لگائے اور رکاوٹوں کو دور فرما دیا ان دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی اللہ ہی آپ کیلئے کافی ہے۔ خود فرماتا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (زمر:36)۔

سُبْحَانَ مَنْ عَصَمَ الرَّسُوْلَ مِنَ الْاَذٰی وَلَهٗ اَذَلَّ عِصَابَةَ الْاَوْثَانِ
وَحَمٰی حِمَاهُ وَ عَنْهُ كَفَّ اَكُفَّهُمْ وَرَمَا هُمْ فِیْ هُوَّةِ الْخُسْرَانِ
وَاَعَزَّهٗ وَ كَفَاهُ مَا يَخْشَاهُ مِنْ شَرِّ الْيَهُوْدِ الْبُهْتِ وَالْكُهَّانِ
وَاَقَامَ دَوْلَتَهٗ وَ اَعْلٰی دِيْنَهٗ فَضْلًا وَ اِحْسَانًا عَلَی الْاَدْيَانِ
صَلَّی عَلَيْهِ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ مَا عَطَفَ النَّسِيْمُ مَعَاطِفَ الْاَغْصَانِ

پاکیزگی اس اللہ وحدہ لاشریک کیلئے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اذیت سے بچائے رکھا۔ اور ان کیلئے بتوں کے پجاریوں کو ذلیل کر دیا۔ اپنی حمایت ان کے شامل حال رکھی،

دشمنوں کے ہاتھوں کو آپ تک پہنچنے سے روکے رکھا اور انہیں ذلت کی پستی میں پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت وغلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں اور کاہنوں کی شرارت کے خوف سے اپنی کفایت میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو قائم ودائم کیا آپ کے دین کو بلندی عطا فرمائی۔ اور تمام دینوں پر فضل واحسان میں اعلیٰ مرتبہ بنایا۔ اللہ رب العرش آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک بادِ نسیم ٹہنیوں کو ادھر ادھر جھکاتی رہے۔

## تیئیسویں فصل

# آپ ﷺ کی ذات میں علوم و معارف کے جمع ہونے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ میں اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں معارف جمع فرما دیئے جو ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور ایسے علوم سے نوازا جو ہدایت کے چہرہ سے سفر کرنے والے ہیں۔ عین الیقین بالخصوص عطا ہوا۔ دین و دنیا کے تمام مصالح پر اطلاع دی۔ اپنی شریعت کے قوانین کی معرفت بخشی، اپنی امانت کے اسرار کی حفاظت سپرد فرمائی، اپنے بندوں کی سیاست کا علم عطا کیا، دنیا کے باشندوں کی رعایت کرنا سکھائی، حضرات انبیاء کرام، رسولان عظام اور جابر بادشاہوں کے قصہ جات پر مطلع کیا۔ آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلی امتوں کے واقعات بتائے، گزرے زمانے اور غیر آباد بستیوں کی حکایت کا علم دیا، ان کی شریعتوں کا اظہار، ان کی سیرت کی حفاظت اور ان کی تمام اخبار واضح کیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جو عذاب اتارے جو گرفت کی۔ اس پر بھی مطلع فرمایا۔ ان کا اختلاف رائے بھی بتایا۔

ان کی عمروں اور امداد کی معرفت دی، ان کے حکماء کے حکم اور احبار کی خبریں بھی دیں۔ کافر امتوں میں سے ہر ایک کی حجت بازی، تورات و انجیل کے ماننے والوں کے ساتھ ان کی کتابوں سے معارضہ، انہیں ان کی کتابوں کے مخفی احکامات بتانا، ان کے رازوں سے پردہ اٹھانا، جو انہوں نے چھپایا، ظاہر کرنا۔ جو انہوں نے تبدیل کیا اسے بتانا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت فرمایا۔ لغت عرب اور ان کے ہاں استعمال ہونے والے الفاظ غریبہ، فصاحت کی اقسام، ان کے خطباء کی بلاغت اور ان کے واعظوں کی قدرت کلام سب کچھ عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں "جوامع الکلم" سے مخصوص فرمایا۔ عربوں کی تاریخ، امثال اور فیصلہ جات، ان کے اشعار کے معانی، ان کی نظم و نثر کی مشکلات کا بھی وافر علم عطا فرمایا۔

وَ بِنَاءُ اَرْکَانِ الْعُلُوْمِ وَ رَفْعُ ذِکْرِ مَنَا رِهَا
وَ شِفَاءُ صَدْرِ مُرِیْدِ هَا الظَّامِیْ اِلٰی اَنْهَا رِهَا
وَ بُلُوْغُ مَا یُدْنِیْ اِلٰی اسْتِخْرَاجِ دُرِّ بِحَا رِهَا
وَ سُلُوْکُ اَوْضَحِ طُرُقِهَا فِی النُّوْرِ مِنْ اَقْمَا رِهَا

ارکان علوم کی بنیاد اوران کے ذکر کے میناروں کی بلندی، ان کا ارادہ کرنے والے کے سینہ کی شفاء، ان کی نہروں سے پیاس بجھانے والے، ان کے سمندروں سے موتی نکالنے کے قریب پہنچانے والے، اس کے واضح راستوں پر چلنا اوران کے چاندوں کی روشنی میں، ان تمام باتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا۔

ان باریک باتوں کی تفہیم جو ظاہر نہیں، شریعت مطہرہ کے قواعد کی تمہید وہ شریعت جو اخلاق حسنہ کی خوبیوں پر مشتمل ہے، بہترین موتی، قابل تعریف آداب، صواب کے عجیب وغریب راستے، بیکار اور عبث حرکت والے کی تسکین، طیبات کا حلال کر دینا، خبائث کا حرام کر دینا، عزت اور مال کی حدود سے حفاظت، انسانی جانوں کی وعید سے حمایت، علم ما کان و ما یکون کی تعلیم، تمام فنون جیسا کہ فرائض، حساب، تعبیر، انساب، طب جو حقیقۃً شفا بخش ہو، مجرب دوا کے ذریعہ علاج کی بھی تعلیم دی، جیسا کہ ایک معروف حدیث ہے۔ فرمایا۔ وراثت میں فرضی حصہ، حصہ داروں میں تقسیم کرو اور جو باقی بچ جائے وہ مردوں (عصبات) کو دیدو۔ ایک اور قول مبارک ہے۔ زمانہ اسی طرح چکر لگاتا ہے جس طرح یہ اپنی پیدائش کے وقت چکر لگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ سچا خواب اللہ کی طرف سے اور احلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے۔ ''سبا'' ایک مرد تھا جس کے دس بچے تھے، جن میں سے چھ نیک اور چار برے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''حبہ سودا'' میں موت کے علاوہ ہر ایک مرض کی شفاء ہے۔

لِلّٰهِ مَا اَفْضَلُهٗ مُرْسَلًا حَازَ عُلُوْمًا حَصْرُهَا لَايُنَالُ
بَحْرُ شِرَاعِ الشَّرْعِ اَضْحٰى بِهٖ مُرْتَفِعًا يَعْلُوْ رُؤُسَ الْجِبَالِ
لَوْلَاهُ مَاوَا فِىْ مُحْيًا الْهُدٰى مُبْتَسِمَ الثَّغْرِ وَ زَالَ الضَّلَالُ
طَابَ حَصْرُ الْوَصْفِ مِنْهُ اِنْتَهٰى مَنْ ذَا الَّذِىْ يُحْصِىُ الْحَصٰى وَالرِّمَالِ

بخدا! کس قدر عظیم الشان اور افضل رسول ہیں، جنہوں نے اس قدر علوم اپنی ذات میں جمع فرما لئے جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ شریعت کے راستوں کا سمندر آپ کی برکت سے اتنا بلند ہو گیا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہدایت کی زندگی نہ ملتی اور نہ ہی اس کی مسکراہٹ سے اس کے دانت دکھائی دیتے اور نہ ہی گمراہی ختم ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کہیں ختم نہیں ہوتے۔ ان گنت ہیں ایسا کون ہے جو کنکریوں اور ریت کے ذرّات کو شمار کرے۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف امتوں اور قوموں کی لغت بھی جانتے تھے۔ قلم سے

لکھے حروف کی تصویر و شکل بھی آپ پر عیاں تھی۔ اور ایسے علوم بھی آپ جانتے تھے جن میں سے بعض کا بھی جاننا اور ان میں کمی بیشی کسی کو معلوم نہ تھی۔ ہاں وہ آدمی کچھ جان لیتا جو پڑھنے پڑھانے میں عمر گزارتا، اور اس کے راستوں پر لگاتار چلتا، کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے جھکا رہتا اور علماء کی خدمات بجا لاتا۔ اس قسم کی معرفت رکھنے والوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اپنا پیشوا بنایا۔ اور اپنے علوم کی اس کو اصل قرار دیا۔ تاکہ اس پر تفریعات بٹھا سکیں۔ اور اس کے قدم بقدم چلیں۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امی'' تھے، نہ کسی سے پڑھا اور نہ کسی سے لکھنا سیکھا اور نہ ہی کسی کاتب کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی کسی حساب دان کی محفل اختیار کی۔ نہ ہی اس قوم میں نشو ونما پائی جن میں پڑھنے پڑھانے کا دستور ہوتا۔ ان امور میں سے کوئی امر بھی نہ پڑھا۔ نہ اس کا تجربہ تھا۔ نہ ہی کسی یہودی اور عیسائی عالم کے ہاں آنا جانا ہوا، نہ کسی نجومی کے پاس بیٹھے، نہ کاہن اور تاریخ دان سے ملے۔ عرب باشندوں کا انتہائی علم، شعر اور بیان تھا یا پھر پہلے سے گزرے لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے واقعات اور قصہ کہانیاں تھیں، لیکن عربوں کا یہ سب علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمندر علم میں سے ایک نقطہ ہے اور آپ کی حکمت کے بادلوں میں سے ایک ادنیٰ قطرہ ہے۔ مختصر یہ کہ عرب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے علوم میں جہاں مجبور ہو جاتے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی راہنمائی حاصل کرتے اور اپنے اختلاف کا حل آپ سے ہی حاصل کرتے۔

إِنَّ الْمَعَارِفَ عَرَّفَهَا مِنْ زَهْرِهِ وَنَمَوَ أَفْنَانُ الْفُنُوْنِ بِقَطْرِهٖ
وَ مَعَالِمُ الْعِلْمِ الشَّرِيْفِ بِهٖ سَمَتْ وَ طَرِيْقُهَا وَ ضَحَّتْ بِطَالِعِ فَجْرِهٖ
كَمْ حِكْمَةٍ ظَهَرَتْ مَعَانِيْ حِكَمِهَا بَيْنَ الْبَرَايَا دُرُّهَا مِنْ بَحْرِهٖ
صَلّٰى عَلَيْهِ وَ زَادَهٗ مِنْ فَضْلِهٖ مَنْ خَصَّهٗ شَرَفًا بِغَامِضِ سِرِّهٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھول سے معارف نے عرفان پایا اور آپ کے قطرہ سے فنون نے مختلف اسلوب پائے۔ علم شریف کے مینارے آپ کے وسیلہ سے بلند ہوئے اور آپ کی طلوع فجر سے ان کے راستے واضح ہوئے جس قدر بھی حکمت بھری باتیں لوگوں پر ظاہر ہوئیں وہ آپ کے سمندر کا موتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل ہو اور آپ کو اپنے فضل وکرم سے اپنے انتہائی پوشیدہ راز اور زیادہ عطا فرمائے۔

چوبیسویں فصل

## جنات اور فرشتوں کے ساتھ آپ ﷺ کا تعلق

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائی۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے جنات کا ایک گروہ آپ کی اطاعت میں داخل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی طرف قرآن کریم سننے کیلئے بھیجا۔ آپ کے بہت سے صحابہ کرام نے کافی مرتبہ انہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرشتوں سے عالم علوی میں گفتگو فرمانا روایات میں موجود ہے اور شب معراج آپ نے ان کی کثرت اور ان کی عظیم صورتیں دیکھیں۔ اس کا ذکر بھی کتب حدیث میں مشہور ہے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر ہیں۔ آپ نے اسرافیل وغیرہ فرشتوں سے اس مقام پر گفتگو کی جہاں روحیں چڑھ کر جاتی ہیں۔ آپ کے صحابہ کرام نے کئی جگہ آپ کی موجودگی میں فرشتوں کو دیکھا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ نے جبرئیل کو دحیہ کلبی کی شکل وصورت میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل پاک اور مجلس عالی میں جبرئیل امین بھی دیکھے گئے۔ وہ ایک مرد کی شکل اختیار کر کے آئے تھے اور اسلام وایمان کے بارے میں سوالات کئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب جبرئیل امین اور بائیں طرف میکائیل کو دو خوبصورت مردوں کی شکل میں حضرت سعد وغیرہ صحابہ کرام نے دیکھا۔ اس وقت ان دونوں فرشتوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔

مَلَآئِکَةُ الرَّحْمٰنِ تَطْرُقُ بَابَهٗ ۔۔۔ وَ نَحْوَ حِمَاهُ لَمْ تَزَلْ تَرَدَّدُ
لِتَأْيِيْدِ جَيْشٍ اَوْ اَدَآءِ رِسَالَةٍ ۔۔۔ وَ كَمْ قَدْ اَتَتْ مَعْنَى الزِّيَارَةِ تَقْصُدُ
وَاَمْرُ سِمَاعِ الْجِنِّ لِلذِّكْرِ عِنْدَهٗ ۔۔۔ وَاِيْمَانُهُمْ طَوْعًا بِهٖ لَيْسَ يُجْحَدُ
كَرَامَاتُ ذِيْ فَضْلٍ عَلَيَّ مَحَلُّهٗ ۔۔۔ لَهٗ كَرَمٌ كَا لْغَيْثِ لَا يَتَعَدَّدُ

اللہ تعالیٰ کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور ہر وقت آپ کی حمایت میں آتے جاتے ہیں۔ کبھی آپ کے لشکر کی مدد کیلئے یا اللہ تعالیٰ کے پیغام کو آپ تک پہنچانے کیلئے آتے ہیں اور بارہا صرف آپ کی زیارت کرنے حاضر ہوتے رہے۔ جنات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سننا اور خوشی سے ایمان قبول کرنا اس کا کوئی بھی منکر نہیں۔ صاحب فضل کی کرامات مجھ پر اترتی ہیں اس کا کرم بادل کی طرح ان گنت ہے۔

غزوۂ بدر میں شریک بعض حضرات نے بتایا کہ انہوں نے گھوڑوں پر سوار فرشتوں کی آوازیں سنیں وہ گھوڑوں کو حملہ کرنے پر ابھار رہے تھے اور پھر دیکھا کہ کافروں کے سر قلم کئے جا رہے ہیں لیکن ان

کے سر قلم کون کررہا تھا اور کس آلہ سے کر رہا تھا؟ یہ نظر نہ آتا۔ بعض حضرات نے سفید کپڑوں میں ملبوس مرد دیکھے۔ جو سفید اور سیاہ رنگوں والے گھوڑوں پر سوار تھے اور وہ زمین و آسمان کے درمیان لوگوں کے سروں پر پھرتے نظر آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں دیکھا تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ابن حصین رضی اللہ عنہ سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت تھی۔ غزوۂ احد میں جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ایک فرشتہ نے آپ کی شکل وصورت میں آکر جھنڈا اٹھا لیا۔ تاکہ مسلمانوں کی ہمت کمزور نہ ہونے پائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لیلۃ الجن کو ان جنات میں سے بعض کو دیکھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سننے کیلئے حاضر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ایک ’’شیخ‘‘ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا جس نے ہاتھ میں لاٹھی اٹھا رکھی تھی۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر آپ نے اس کی شیطان لعین سے نسبت بیان فرمائی۔ اور اس کا نام بھی بتایا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے اور ان کے بعد والے حضرات انبیاء کرام کو بھی دیکھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسے قرآن کی چند سورتوں کی تعلیم بھی دی۔ آپ نے ایک شیطان کو اس وقت پکڑ لیا جب وہ آپ کی نماز تہجد میں دخل اندازی کرنے لگا۔ ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر اسے چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل ورسوا کر کے واپس کیا۔

رَسُوْلٌ خَازَ آيَاتِ وَغَايَاتِ مِنَ السَّبَقِ
اَمِيْنٌ جَآءَ بِالْإِيْمَانِ وَالْإِحْسَانِ وَالصِّدْقِ
جَمِيْلُ الْخَلْقِ وَالْاَخْلَا قِ جَمُّ الرِّفْدِ وَالرِّفْقِ
اَفَادَ الْجَانَّ وَالْإِنْسَانَ عَلَمًا بِاِسْمِ الْبَرَقِ
بِهٖ اَضْحَتْ مُنِيْرَاتٌ نَوَاحِي الْغَرْبِ وَالشَّرْقِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم المرتبت پیغمبر ہیں جنہوں نے معجزات وآیات اور سبقت کی غایات اپنے اندر جمع فرمالیں۔ ایسے امین جو ایمان واحسان اور صدق لیکر کائنات والوں کے پاس تشریف لائے۔ خلقت اور اخلاق دونوں میں ’’جمیل‘‘ ہیں۔ نرمی اور مہربانی کے جامع ہیں۔ جنات اور انسانوں کو اعلیٰ چمک دمک والا علم عطا فرمایا۔ آپ کی شخصیت کے سبب مشرق ومغرب کے اطراف نے روشنی پائی۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ''عزیٰ'' کا مکان اور اس کی دیواریں گرائیں۔ تو ایک سیاہ رنگ اور کالے بالوں والی عورت نظر آئی۔ آپ نے اسے زور سے کھینچا اور جو آپ کا پروگرام تھا اس سے پیچھے نہ ہٹے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی کرامت دراصل آپ کے معجزات ہی ہیں۔ یہ چند واضح معجزات ہیں اور آپ کی روشن آیات میں سے چند نشانیاں ہیں۔ نبوت کی چند علامات ہیں آپ کی بلند و بالا کرامات کا مختصر سا حصہ ہیں۔ ہم نے لاتعداد معجزات میں سے چند پر اکتفا کیا اور طویل کرامات میں سے چند پر اختصار کیا۔ اگر سب کو بیان کرنا شروع کر دیا جاتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی۔ بلکہ کئی مجلّات بن جاتیں۔ مختصر یہ کہ آپ کے فضل و کمال کے دلائل ان گنت و لاتعداد ہیں۔ اہل شرف اور اہل قدر حضرات کیلئے اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔

نَعَمْ نِعَمُ الْمُقَفّٰى لَيْسَ تُحْصٰى ‏ وَ تَلْخِيْصُ الْمَقَالَةِ فِيْهِ اَجْدَرُ

لِاَنَّ الْاُفُقَ مَهْمَا قُلْتَ فِيْهِ ‏ مِنَ الزَّهْرِ الدَّرَارِيِّ فَهِيَ اَكْثَرُ

وَفَضْلُ الْبَحْرِ لَمْ يُدْرِكْهُ وَصْفٌ ‏ وَعَدُّ الْمَوْجِ مِنْهُ لَيْسَ يُحْصَرُ

اَيَا لِلّٰهِ مِنْ ذِيْ مُعْجِزَاتٍ ‏ لَهَا نُوْرٌ لِعَيْنِ الشَّمْسِ يُبْهِرُ

عَظِيْمُ الْخُلْقِ مَعْرُوْفُ السَّجَايَا ‏ اِلٰهُ الْعَرْشِ قَدَّسَهٗ وَ طَهَّرَ

سَلَامُ اللّٰهِ لَايَنْفَكُّ يَهْفُوْ ‏ لَهٗ مَا هَلَّلَ الدَّاعِيْ وَ كَبَّرَ

ہاں یہ بات یقینی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتیں اور انعامات ان گنت ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں بات کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر افق کے بارے میں تو ستاروں کا جھرمٹ ہونا بیان کرے گا تو اس کی اکثریت تیرا منہ چڑائے گی۔ سمندر کی تعریف بیان سے باہر ہے اور اس کی امواج کی گنتی نہیں ہو سکتی۔ عذر لگتی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے صاحب معجزات عظیم ہیں جن کی روشنی سے سورج کی آنکھ بھی شرماتی اور حیران ہو جاتی ہے۔ خلق عظیم کے مالک اور معروف عادات کے حامل کہ جنہیں عرش اعلیٰ کے مالک نے پاک و طاہر پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر صلوٰۃ وسلام ہو اس وقت تک جب تک داعی تکبیر و تہلیل کرتا رہے۔

## پچیسویں فصل

# آپ پر ایمان لانے کے وجوب

# آپ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا ایسا شہاب ثاقب ہے جو آسمان ہدایت پر چمکتا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ ہر وہ ایمان جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے خالی ہو وہ ایمان نہیں۔ آپ پر ایمان لانا یہ کہ آپ کی رسالت کی گواہی دی جائے اور آپ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔ اور جو آپ نے فرمایا اس کی تصدیق کی جائے جو آپ پر ایمان لے آیا۔ اس نے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا اور اپنی عاقبت اور انجام کو سنوارنے کیلئے جو ضروری تھا وہ جمع کر لیا اور ایمان میں قلبی پختگی اور یقین ضروری ہے جس طرح اسلام کیلئے زبان سے اقرار لازم ہے جب تصدیق قلبی اور اقرار زبانی جمع ہو جائیں تو ایمان مکمل ہو گیا اور ایسا شخص نیک بختی اور سعادت حاصل کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی اور جس نے اس کے افق کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ توفیق پا گیا جس نے آپ کے ارشادات کو عملی طور پر کر دکھایا۔ اس نے بیش بہا ثواب جمع کر لیا اور جو مخالف ہوا وہ عذاب وعقاب کی طرف چلا۔ آپ کی اطاعت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی سنت کا التزام کیا جائے اور آپ کے تمام احکام کو تسلیم کیا جائے اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے لوگو! تم سب آپ کی اطاعت و اتباع کرو۔ اور آپ کی باتوں کی نشر و اشاعت کرو اور جب آپ کسی بات سے روکیں تو اسے چھوڑ دیا کرو اور جو اللہ تعالیٰ کے رسول تمہیں عطا کریں اسے لے لیا کرو اور قبول کر لیا کرو۔

خُذُوْا مَا اٰتَاکُمْ بِهِ الْمُصْطَفٰی ‏ وَ اَقْوَالَهٗ صَدِّقُوْا تَغْتَنِمُوْا
وَمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعُلَا ‏ اِلَیْکُمْ بِهٖ سَلِّمُوْا تَسْلَمُوْا
وَ وَالُوْهُ وَا مْتَثِلُوْا اَمْرَهٗ ‏ وَطُرُقَ هُدَاهُ الْزِمُوْا تُکْرَمُوْا
وَ سُنَّتَهٗ تَا بِعُوْا وَ اسْمَحُوْا ‏ بِبَذْلِ النَّدٰی وَ ارْحَمُوْا تَرْحَمُوْا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تمہیں عطا فرمایا اسے قبول کر لو اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے اور پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف جو احکام لیکر آئے انہیں آن لو تو عذاب

سے بچ جاؤ گے۔آپ سے محبت کرو اور آپ کے احکام پر عمل کرو۔آپ کی طرف سے بتائے گئے ہدایت کے راستوں پر چلو،عزت پاؤ گے۔آپ کی سنتوں کی اتباع کرو۔خوب سخاوت اور بخشش کرو،رحم کرو،تا کہ تم پر بھی رحم ہو۔

حق کے راستوں اور اس کے طریقوں سے تمہیں روگردانی نہیں کرنی چاہیۓ۔اللہ تعالی،اس کے فرشتوں،کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا چاہیۓ اور عقیدہ کی پختگی اور حضور قلب میں پوری کوشش کرنا چاہیۓ۔تصدیق قلبی اور شہادت لسانی دونوں کو جمع کرنا چاہیۓ اس لئے محض زبان سے شہادت دینا اور دل میں تصدیق نہ ہونا "نفاق" ہے اور جس کی زبان پر تو شہادت ہو لیکن اس کے مطابق اعتقاد نہ ہو اس کی آخرت تباہ و برباد ہے۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم ہو، اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ جب کہ تم جانتے ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور آپ کی سنت عالیہ کی پیروی واجب ہے۔آپ کے طریقہ ہدایت،آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و افعال میں آپ کی پیروی لازم ہے تمام افعال میں آپ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرنا لازم ہے۔جنگ ہو یا امن دونوں حالات میں آپ کے طریقہ کی اقتداء ضروری ہے۔آپ کے اقوال پر عمل پیرا ہونا اور آپ کے فیصلہ پر اظہار رضامندی بھی ضروری ہے۔بہترین ہدایت آپ کی ہدایت ہے جس نے آپ کی اتباع کی اللہ نے اسے محبوب بنا لیا۔لہٰذا تم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو زندہ رکھو اور زندہ کرو۔تا کہ امت کے بہترین افراد شمار ہو سکو۔جس نے سنتوں کو مضبوطی سے تھاما وہ نجات پا گیا اور کامیابی نے اس کے قدم چوم لئے جس نے سنتوں سے وابستگی رکھی جس نے ان کی معاونت کی وہ منصور ہے اور جس نے ان کی اقتداء کی وہ تمام امور میں توفیق یافتہ ہے۔

وَمَنْ اِلَيْهَا جَآءَ يَرْجُوْ الْهُدٰى　　اُلْقِتْ اِلَيْهِ حَبَرَاتُ الْحُبُوْرِ
وَمَنْ اَتٰى يَطْوِىْ الْفَلَا نَحْوَهَا　　فَازَ بِنَشْرِ الْخُلْدِ يَوْمِ النُّشُوْرِ

جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف ہدایت کی امید سے آیا۔اس پر امانت وسیادت کی چادریں ڈال دی گئیں اور جو شخص جنگلات وغیر آباد مقامات کو طے کرتا ہوا سنت کے ہاں پہنچا وہ کل قیامت میں جنت کے دروازے کھلے پانے میں کامیاب ہو گیا۔

جس نے ان سے اعتصام کیا وہ جہنم سے نجات پا گیا۔جس نے ان کی خوبی کی حفاظت کی وہ نیک لوگوں کے ساتھ قیامت میں اٹھے گا جو صاحب سنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر راضی ہوا۔وہ قرآن سے راضی ہوا جس نے امت میں فساد بپا ہونے کے وقت سنتوں کو تھامے رکھا۔اس کیلئے سو شہید کا

ثواب ہے اور جس نے ان سے منہ موڑا وہ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام نہیں، جس نے ان کو اپنے نفس پر ترجیح دی۔ اس نے انتہائی مقصد اور کامیابی حاصل کی اور جس نے ان کی مخالفت کی اور مومنوں کے راستہ کے خلاف چلا۔ اللہ اسے ادھر ہی پھیر دے گا جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ اس کا اصل کافروں کا ٹھکانہ ہے۔ لہٰذا تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس سے نکلی ہر بات کو قبول کرو اور اگر تم کسی معاملہ میں الجھ پڑو تو اس کے حل کیلئے اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ آپ کے طریقہ کو لازم اور آپ کی سنت کی اتباع لازماً کرو۔ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بات تمہیں دھوکہ وفریب میں نہ ڈالے۔ اور دیکھو! اپنے آپ کو ایسے نئے کاموں سے دور رکھو جو بدعت ہیں۔ کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ اپنے دلوں کو اس بات سے بیدار رکھو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور دور جاہلیت کے طریقوں سے باخبر رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہرگز ہرگز نہ کرو اور نہ ہی آپ کے طریقہ مستقیم پر اعتراض کرو ان لوگوں کو ڈراؤ جو امر شریعت میں مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں انہیں فتنہ یا عذاب الیم نہ پکڑ لے۔

لَا يَكْمُلُ الْاِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ امْرِئٍ     اِلَّا بِتَصْدِيْقِ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ
ذَاکَ الَّذِیْ فِی الْخَلْقِ طَاعَةُ اَمْرِهٖ     وَجَبَتْ بِاِخْبَارِ الْكِتَابِ الْمُنْزَلِ
يَا فَوْزَ نَاجٍ اَمَّ سُنَّتَهٗ اِقْتَفٰى     وَ بِهٖ اهْتَدٰى فِیْ كُلِّ اَمْرٍ مُشْكِلٍ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا اَحْيَا الْحَيَا     مَيْتَ النَّبَاتِ بِعَارِضٍ مُتَهَلِّلٍ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے بغیر کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں تمام مخلوق میں جن کے حکم کی اطاعت قرآن کریم کے ارشادات سے واجب ہے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اقتداء کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مشکل میں ہدایت طلب کی وہ کامیاب وکامران ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر اس وقت تک صلوۃ و سلام نازل ہوں جب تک بارش برس کر مردہ پودوں اور نباتات کو زندگی دیتی رہے۔

## چھبیسویں فصل

## حضور ﷺ کی محبت لازم ہونے کے بیان میں

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس کے فرض ہونے پر دلالت کرنے والی اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے والی آیت واضح اور صریح ہے اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی ذات سے، اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام انسانوں سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب نہیں بنالیتا۔ پھر جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا محبوب بنالیا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ اور آپ کی جماعت میں داخل ہوگیا اور ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، جن پر خدائے برتر کا انعام ہے اور کل قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت پائے گا۔ کیونکہ قیامت میں ہر آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت رکھتے تھے اور آپ سے ملاقات اور آپ کا قرب ان کی پسند تھی۔ آپ کی انتہائی تعظیم ان کا شیوہ تھا۔ بکثرت آپ پر صلوۃ وسلام ان کی عادت تھی۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ سے محبت کرنا سب پر آشکارا ہے اور اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرنا کسی پر مخفی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلفیہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنی جان وروح سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا۔ خدا کی قسم! ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اموال واولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ باپ دادوں، والدہ، نانی، دادی وغیرہ اور سخت پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی محبت سے زیادہ آپ ہمیں محبوب ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر میرا اور کوئی محبوب نہیں۔ جناب خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کو اس بات کا ازحد اشتیاق تھا کہ وہ آپ سے ملاقات کریں اور آپ کی گفتگو سے محظوظ ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا گیا جو شخصیت تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا نام لو۔ تو وہ ''یا محمداہ'' پکار اٹھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا جب وقت آیا تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات اور آپ کا دیدار یاد آیا۔ تو پکار اٹھے۔ ''واطرباہ'' بعض صحابہ کرام وہ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دوستی کی خاطر اپنے گھربار، مال واولاد اور وطن تک چھوڑ دیا۔ کچھ وہ تھے، جنہوں نے آپ کی محبت کی وجہ سے اپنے دوستوں کو قتل کردیا، کسی نے اپنے باپ اور کسی نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا۔ اس کا واحد مقصد آپ کی رضامندی کا حصول تھا،

كَيْفَ لَايَفْعَلُ الصِّحَابُ الْكِرَامُ ذَاکَ مَعَ خَيْرِ مَنْ اَظَلَّ الْغَمَامُ

كَيْفَ لَا يَمْنَحُوْنَهُ الْوُدَّ صِرْفًا    وَهُوَ بَدْرٌ بِهِ اِسْتَنَارَ الظَّلَامُ
صَانَهُمْ زَانَهُمْ هَدَاهُمْ حَمَاهُمْ    وَ بِهِ نَحْوَ هُمْ تَدَانَى الْمَرَامُ
حَبَّذَا مُرْسَلٌ عَطُوْفٌ رَؤُوْفٌ    كَاشِفٌ كُرْبَةَ الْهُمُوْمِ هَمَامُ
لِمُحِبِّيْهِ فِي الْوُجُوْدِ مَقَالٌ    وَلَهُمْ فِي جِنَانِ عَدْنٍ مَقَامُ
اِنَّ مَنْ فِي وِلَائِهِ يَتَغَالٰى    لِسَعِيْدٍ مُوَفَّقٌ وَالسَّلَامُ

حضرات صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر شدید محبت کیونکر نہ کرتے آپ کی ذات وہ ہے کہ بادل نے آپ سے بہتر کسی پر سایہ کیا ہی نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام خالص محبت آپ پر نچھاور کرتے جب کہ آپ کے وسیلہ اور سبب سے انہوں نے کفر وشرک کے اندھیرے دور کئے تھے۔ آپ نے انہیں محفوظ کر دیا، زینت بخشی، ہدایت عطا کی اور ان کی حمایت کی اور ان کے تمام مقاصد اور مرادیں آپ ہی پوری فرماتے تھے۔ آپ ہی وہ بہترین رسول ہیں جو نہایت مہربان اور غموں پریشانیوں کو دور فرمانے والے ہیں، آپ کے شیدائیوں کا اس دنیا میں بھی بول بالا ہے اور کل قیامت کو جنت عدن مقام ہوگا۔ وہ شخص جس نے آپ کی محبت میں وارفتگی تک رسائی پائی۔ وہ یقیناً نیک بخت اور توفیق دادہ ہے۔ مختصر یہی بات ہے والسلام۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی توقیر و تعظیم بجالائی جائے اور جب آپ کا ذکر خیر ہو تو خضوع وخشوع کے ساتھ سنے، آپ کی امت پر شفقت کرے، نیک امتیوں کو دوست رکھے، ان کی خیر خواہی میں کوشاں رہے اور ان کی بہتری میں حتی المقدور کوشش کرتا رہے۔ صد مبارک اس کیلئے جو آپ کے شیدائیوں میں شمار ہوتا ہے جو آپ کے ارشادات پر عمل کرتا ہے آپ کے روکے سے رکتا ہے آپ کے دین کی مدد و نصرت کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ خوشی اور غمی میں آپ کے آداب واخلاق پر عمل کرنا اپنا شعار بناتا ہے، آپ کی شریعت کو ہوائے نفس کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ بندوں پر محض رضائے خدا اور رضائے رسول کی خاطر غصہ کھاتا ہے۔ آپ کی سنت پر کاربند رہتا ہے، جس کام کا آپ نے حکم دیا خواہ وہ اپنی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اسے ترک نہیں کرتا۔ آپ کے دین اور شریعت میں تفقہ حاصل کرتا ہے اپنے اخلاق کو آپ کے خلق میں ڈھالتا ہے اپنی طبیعت کو آپ کی طبیعت کے تحت کرتا ہے، آپ کے محبوب سے محبت کرتا ہے، آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ کی تعظیم کرتا ہے۔ مخالف شرع ہر کام سے اجتناب کرتا ہے، ہر بدعتی اور دین میں بے اصل کام شروع کرنے والے سے اعراض کرتا ہے۔ آپ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کا مقابلہ

کرتا ہے، آپ کے بدخواہ اور حاسد سے تعلق منقطع کر لیتا ہے۔ آپ کی خاطر اپنی جان اپنا مال سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ آپ سے محبت کرنے والوں اور جن سے آپ محبت کرتے ہیں ان کی سنگت اپناتا ہے۔

پس کون سا کرم آپ کے کرم سے بڑھ کر ہے؟ کونسی نعمت آپ کی نعمتوں سے زیادہ کامل ہے؟ کونسا افضال آپ کے افضال سے عام ہے؟ کونسی سخاوت آپ کی سخاوت سے بڑھ کر تمام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رأفۃ و رحمت لیکر آئے۔ علم کتاب وحکمت لیکر آئے، بشیر ونذیر بن کر تشریف لائے، تنگی سے روکا اور آسانی کا حکم دیا، نصیحت میں خوب کوشش کی، صحیح راستہ اختیار فرمایا۔ ہدایت میں بھرپور کوشش فرمائی، اندھے پن سے باہر نکالا۔ کامیابی کی طرف بلایا۔ کامیابی کا راستہ واضح کیا۔ بقاء دائمی اور سرمدی نعمتوں کو واجب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر لگاتار غیر منقطع صلوات نازل ہوں اور ان گنت سلام۔

| | |
|---|---|
| يَا صَاحِبَ الْعِزِّ وَالْقُبُوْلِ وَ مَنْ | حَيَّرَ اَهْلَ الْعُقُوْلَ مُعْجِزَهُ |
| يَا مَنْ لَهُ مَجْلِسٌ حَوىٰ شَرَفًا | بِالْقَطْرِ مِنْ سَحْبِهِ يَطْرُزُهُ |
| وَيَظْهَرُ الْعِلْمُ فِيْ جَوَانِبِهِ | وَالدُّرُّ مِنْ فِيْهِ فِيْهِ يَبْرُزُهُ |
| حُبُّكَ يَا اَشْرَفَ الْخَلَائِقِ فِيْ | قُلُوْبِ اَهْلِ الرَّشَادِ مَرْكَزُهُ |
| اَنْتَ الَّذِىْ تَبْطُلُ الْوَعِيْدَ كَمَا | وَعْدَ الْمُرْجِيْ نَدَاكَ تُنْجِزُهُ |
| صَلّٰى عَلَيْكَ الْاِلٰهُ مَا خَطَرَتْ | رِيْحٌ بِغُصْنِ النَّقَا تَهُزُّهُ |

اے عزت وقبولیت کے مالک! اے وہ ذات کہ جس کے معجزات نے عقلمندوں کو محو حیرت کر دیا ہے اے وہ ذات بابرکات! جس کی مجلس پاک شرافت پر مشتمل ہے۔ آپ کے بادل شرافت سے اسے قطرے حاصل ہوتے ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے چاروں طرف علم ہی علم ہے اور جن کے دہن اقدس سے نکلنے والی ہر بات بیش بہا موتی ہے۔ اے اشرف الخلق! آپ کی محبت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے دل مرکز ہیں آپ وہ ہیں جو جھڑک کو باطل کر دیتے ہیں اور جس نے آپ کو آواز دی اس کی امید بر لانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک ہوا درختوں کی ٹہنیوں کو ہلاتی رہے۔

## ستائیسویں فصل

# آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے بیان میں

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر وتعظیم فرض کی ہے۔اور آپ کی امانت ونصرت اور اجلال وتعزیر بھی لازم قرار دی ہے، مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے گفتگو کرنے میں آپ سے تقدم کو منع فرمایا۔آپ سے کلام میں سبقت اور بے ادبی سے بھی روکا ہے اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے جو کلمہ صادر ہوا سے غور سے سنیں اور کسی معاملہ میں آپ کے فیصلہ فرمانے سے قبل جلد بازی نہ کریں اور آپ کی مخالفت سے منع فرمایا خواہ وہ کسی قلیل بات میں ہو یا کثیر میں اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آپ کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے اور حکم دیا کہ آپ کی تعظیم واحترام آپ کی زندگی میں اور آپ کے انتقال کے بعد دونوں حالتوں میں بجالایا جائے اور آپ کو اس طرح نہ بلایا جائے جس طرح ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی پاسداری نہیں کرتا اس سے قطع تعلق کیا جائے اور اس سے بغض رکھا جائے اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے محبوب ناموں سے پکارا جائے اور اس بات کا بھی حکم دیا کہ آپ کو بلاتے وقت آواز بلند نہ ہونے پائے۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں،انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیا اللہ تعالیٰ لازماً اپنا وعدہ (ان سے کیا) پورا فرمائے گا۔

عَظِّمْ نَبِيًّا عَالِمًا عَامِلًا رَبُّ الْعُلَا اَوْجَبَ تَعْظِيْمَهٗ
وَالْزِمْ هَدَيْتَ الرُّشْدَ تَوْقِيْرَهٗ مَادُمْتَ فِي الدُّنْيَا وَ تَكْرِيْمَهٗ
وَاحْذَرْ خِلَافَ اَمْرِهٖ وَ اتَّبِعْ تَحْلِيْلَهٗ طَوْعًا وَ تَحْرِيْمَهٗ
وَاصْبِرْ لِكَلِمِ الضِّدِّ فِيْهِ عَسٰى فِي الْحَشْرِ اَنْ تَسْمَعَ تَكْلِيْمَهٗ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم جانتے ہوئے عملی طور پر پوری کر۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کو فرض کر دیا ہے آپ کی توقیر کو اپنا شیوہ بنا لے اور جب تک زندہ ہے آپ کی تکریم کو اپنے اوپر لازم کر لے،تو رشد وہدایت پائے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی سے اجتناب کر اور حلال وحرام میں آپ کی بخوشی اتباع کر اور آپ کے خلاف بات کرنے سے رک جا،قریب ہے کہ تو حشر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سے بہرہ ور ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔آپ کے اجلال وتوقیر کی وجہ سے آپ کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکتے،جب آپ باہر (گھر سے) تشریف لاتے،تو تیز نگاہ سے صحابہ

کرام نہ دیکھتے۔ صرف ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نظر اٹھا کر آپ کو دیکھنے کی ہمت کیا کرتے تھے۔ آپ کے اردگرد یوں بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ کی خاطر اپنے مال اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اس کو حاصل کرنے اور اس سے برکت پانے میں اس قدر حریص تھے کہ قریب تھا وہ لڑ پڑتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھوک مبارک کے حصول میں کوشاں رہتے۔ مل جاتا تو اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر ملتے، جب کبھی آپ کے سرانور کا کوئی بال گر پڑتا تو اس کے اٹھانے میں ایک دوسرے کی مزاحمت کرتے۔ آپ کے احکام پر عمل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اپنے پوروں سے آپ کے دروازہ پر دستک دیتے، آپ کے رعب اور حیاء کی وجہ سے کسی چیز کے سوال کے بارے میں تاخیر کرتے جب آپ گفتگو فرماتے تو سب خاموش ہوتے اور جب انہیں قرآن سناتے تو بے حس وحرکت ہو جاتے۔

وَاِذَا اَرَادَهُمْ لِاَمْرٍ بَادَرُوْا ۔۔۔ لِجَوَابِ ذَاکَ الْاَمْرِ لَمْ یَتَثَبَّتُوْا
وَاِذَا اَنْهَاهُمْ اَعْرَضُوْا عَمَّا نَهٰى ۔۔۔ وَ لِغَیْرِ مَا یَخْتَارُ لَمْ یَلْتَفِتُوْا
وَاِذَا اَشَارَ بِصَمْتِهِمْ لَمْ یَنْطِقُوْا ۔۔۔ وَاِذَا دَعَا اَقْوَالَهُمْ لَمْ یَسْکُتُوْا
اَکْرِمْ بِهِمْ قَوْمًا اَقَامُوْا دِیْنَهٗ ۔۔۔ وَبِعَزْمِهِمْ شَمْلَ الْاَعَادِیْ شَتَّتُوْا
فَعَلَیْهِمْ رِضْوَانُ رَبِّ صَانَهُمْ ۔۔۔ اَنْ یَعْبُدُوْا مَنْ دُوْنِهٖ اَوْ یَقْنُتُوْا

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرام کو کوئی حکم دیتے تو اس کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اور اس کا جواب دینے میں تاخیر نہ کرتے اور جب آپ انہیں کسی کام سے روکتے تو فوراً رک جاتے اور آپ کی پسند کو چھوڑ کر دوسرے کام کی طرف دھیان تک نہ کرتے۔ جب آپ انہیں خاموش ہونے کا اشارہ فرماتے تو گفتگو نہ کرتے اور جب گفتگو کرنے کا حکم دیتے تو سکوت نہ کرتے، جس قوم نے آپ کے دین کو قائم کیا اور اپنے آہنی ارادوں سے دشمنوں کے منصوبے ناکام بنا دیئے وہ قوم کس قدر قابل اکرام ہے۔ ان پر ان کے رب کی رضامندی ہو جس نے انہیں غیر کی پوجا کرنے دی نہ کسی غیر کا ڈر رہنے دیا۔

واجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی آپ کا احترام و تعظیم اسی طرح بجالایا جائے جس طرح زندگی میں تھا۔ یہ تعظیم یوں ہوگی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے آپ کی حدیث وسنت بیان کی جائے، آپ کا اسم گرامی کان میں پڑے، آپ کی سیرت کا

بیان ہورہا ہوتو بڑے احترام واکرام سے یہ باتیں سنے۔ سلف صالحین رضی اللہ عنہم آپ کی احادیث مبارکہ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کی سنت شریفہ جس مبارک سینہ سے نکلتی، جس بابرکت زبان سے بیان ہوتی۔ اسے فوراً اپنے دل میں جگہ دیتے۔ آپ کے اقوال جہاں بیان کئے جارہے ہوتے بالکل خاموش ہوکر سماع فرماتے۔ آپ کے اوصاف وافعال کی باتیں بڑے ادب سے بیان کرتے اور ان کے ذکر کے وقت باادب ہوجاتے۔ بعض تو حرکت تک نہ کرتے، بعض گردن تک نہ اٹھاتے۔ کچھ خضوع وخشوع کی چادر اوڑھ لیتے۔ بعض وہ کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے پرنالے بہہ نکلتے کچھ وہ کہ بے خبر اور حیران ہوجاتے، بعض کے رنگ پیلے پڑ جاتے اور بعض کے متغیر ہوجاتے۔ بعض وہ تھے جو بغیر طہارت آپ کی احادیث کی کتابت نہ کرتے، بعض وہ کہ جو لیٹ کر، کھڑے ہوکر یا چلتے پھرتے آپ کی احادیث بیان کرنے کو مکروہ جانتے اور کچھ ایسے بھی تھے جن سے اگر کسی نے حدیث پاک سننے کی سفارش کی۔ تو وہ غسل کرکے خوشبو لگا کر اور نئے کپڑے پہن کر ان کی فرمائش پوری کرتے۔ لہٰذا تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور آپ کی باتوں کو قبول کرنے کیلئے کم از کم اس قدر ضرور مؤدب ہوجاؤ، جس طرح تم اس وقت مؤدب ہوتے جب تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوتی اور آپ کی صحبت میسر ہوتی۔ آپ کی بزرگی، تعظیم، اجلال وتکریم بڑھ چڑھ کر بجالاؤ۔ آپ کی قدر ومنزلت پہچانو۔ آپ کے ذکر کے وقت مجسمہ ادب بن جاؤ، اپنے گناہوں کی مغفرت کیلئے، اپنے عیوب کی پردہ پوشی کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ووسیلہ کا سہارا لو اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دامن امید وابستہ کرلو۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء) ”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں آپ کے در دولت پہ حاضر ہوجائیں پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور ان کیلئے اللہ کے رسول بھی مغفرت طلب کریں تو لازماً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے“۔

بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ غُفْرَانِ مَا　　اَسْلَفْتُ فِيْ زَمَنِ الصِّبَا اَتَشَفَّعُ

كَمْ مِنْ ذُنُوْبٍ قَدْ تَحَمَّلَ كَاهِلِيْ　　شَمَّ الْجِبَالَ لِوَقْعِهَا تَتَصَدَّعُ

مَا لِيْ سِوَاكَ اَحُوْمُ حَوْلَهٗ حُمَايَةً　　يَامَنْ اِلَيْهِ ذُو الْمَسَاوِيْ يَهْرَعُ

اَنْتَ الَّذِيْ ظُلَمُ الشَّدَآئِدِ تَنْجَلِيْ　　بِسِرَاجِهٖ وَبِهٖ الْعَظَآئِمُ تَدْفَعُ

صَلّٰى عَلَيْكَ مَنِ اصْطَفَاكَ مِنَ الْوَرٰى　　مَا لَاحَ فِي الْاٰفَاقِ نُوْرٌ يَلْمَعُ

یارسول اللہ! میں اپنے بچپن (نوجوانی) میں کئے گئے گناہوں کی مغفرت کیلئے آپ کی ذات

مقدسہ کو شفیع بناتا ہوں۔ اس قدر گناہوں کے بوجھ میرے کندھوں پر پڑے ہوئے ہیں اگر پہاڑوں کی چوٹیوں پر ڈال دیئے جائیں تو وہ بھی کانپنے لگیں اور پھٹ جائیں میرے لئے آپ کے سوا کون حمایتی ہے کہ جس کی حمایت وحفاظت میں رہوں اور جس کی چراگاہ کے اردگرد پھروں۔ اے وہ دادرس! جس کی بارگاہ میں گنہگار دوڑے آتے ہیں۔ آپ وہی ہیں جن کی بدولت مصیبتوں اور تکلیفوں کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور آپ کے چراغ سے ان اندھیروں کی جگہ روشنی ہوتی ہے اور آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ہی بڑے بڑے اور مشکل کام ٹل جاتے ہیں۔ آپ پر اس ذات کے صلوٰۃ وسلام ہوں جس نے تمام مخلوق سے آپ کو چنا اور اس وقت تک ہوں جب تک کائنات میں نور چمکتا ہے۔

## اٹھائیسویں فصل

# آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل واصحاب کی محبت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ کی آل اطہار، عترت ابرار، ذریت اخیار کی تعظیم کی جائے۔ تمام مہاجرین وانصار کی تعظیم کی جائے۔ امہات المومنین ازواج مطہرات کی تکریم کی جائے۔ ان حضرات کے راستہ پر گامزن ہوا جائے آپ کے تمام صحابہ کرام کی توقیر، آپ کے سفر وحضر کے ساتھیوں کی تعظیم، ان کے حقوق واجبہ کی معرفت، ان کی چمکتی بجلیوں کی روشنی سے اقتباس، ان کے اعمال صالحہ کی اقتداء، ان کے معارف کی نورانیت کی چمک، یہ سب باتیں دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ہی ایک حصہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی اس طرح تعظیم بجالا ؤ جیسا کہ علماء کرام نے عام لوگوں سے بڑھ کر کی۔ آپ کے اہل بیت میں آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس سب شامل ہیں اور ان کے خیر خواہ اور دوستوں سے تو بھی دوستی رکھ۔ ان کے بدخواہوں اور ان سے بغض وعناد رکھنے والوں سے تو بھی عداوت رکھ۔ ان کی محبت کی رسی کو مضبوطی سے تھام کہ یہ دلیل ایمان ہے۔ اور قریش کی تقدیم میں کوشش کر اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کر۔ آپ کی آل پاک کے مکان ومرتبہ کی معرفت جہنم سے برأت کا پروانہ ہے۔ اور ان سے دوستی ہلاکت سے امن میں رہنا ہے۔ ان کی محبت کی بدولت پل صراط سے گزرنا آسان ہو جائے گا اور جنت میں ایسا مقام عطا ہوگا جس پر جنتی رشک کریں گے۔ جس نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھی، ان کی والدہ سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت ومحبت رکھی، ان کے والد گرامی حیدر کرار شیر خدا رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی وہ قیامت کے دن حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات کے قریب ہوگا۔

لَا، تُعَدِّ عَنْ سُنَنِ الرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ وَالْزَمْ مُحَبَّةَ آلِهٖ الْاَطْهَارِ
وَقِرْ وَعَظِّمْ قَدْرَ عِتْرَتِهٖ وَمَنْ يُنْمِىْ اِلَى الذُّرِّيَّةِ الْاَخْيَارِ
وَاسْلُکْ سَبِيْلَ كَرَامَةِ الزَّوْجَاتِ وَالْاَ وْلَادِ وَالْاَعْوَانِ وَالْاَنْصَارِ
وَارْفَعْ لِاَهْلِ الْبَيْتِ رَايَاتِ الْوِلَا تَجِدِ الْوَقَايَةَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور طریقوں سے تجاوز نہ کر۔ اور آپ کی آل اطہار کی محبت لازم وفرض سمجھ۔ آپ کی عزت اور ہر اس شخص کی جو آپ کی اولاد امجاد سے نسبی تعلق رکھتا ہے اس کی تعظیم وتوقیر کر آپ کی اور ازواج مطہرات کی تکریم کے راستہ پر چل، آپ کی اولاد، مددگار اور

انصار کی عزت کی راہ اختیار کر اور اہل بیت کی محبت و دوستی کے جھنڈے بلند رکھ۔ اس کے صلہ میں تو جہنم کی آگ سے خلاصی پا لے گا۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام وآل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت پر خود ابھارا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی رفعت شان پر تنبیہ فرمائی۔ صاحب فضیلت اور مستجاب الدعوات شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جب تک کوئی شخص اہل بیت واصحاب رسول سے محض اللہ اور اس کے رسول کی خاطر محبت نہیں کرتا ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عظمت یوں بیان فرمائی کہ "کتاب اللہ" کے ساتھ ساتھ ان کی حیثیت رکھی۔ فرمایا میں تم میں بہت اہم دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان کا دامن پختگی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری عترت۔ حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں فرمایا جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ ہے۔" اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا" جس نے میرے چچا کو اذیت دی اس نے مجھے دکھایا۔" اور فرمایا" میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں قسم دلاتا ہوں" مجھے اپنی عمر کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا معنی نہایت لطیف ہے۔ ان کے بارے میں اللہ رب العزت کا یہ قول ہی کافی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب) "بیشک اللہ تعالیٰ تم سے اہل بیت ہر قسم کی ناپاکی دور کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور تمہیں خوب پاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے"۔

اَهْلُ الْكِسَاءِ الطَّاهِرُوْنَ ذَوُ وْالنُّقٰى    سُفُنُ النَّجَاةِ وَ رَاحَةُ الْاَرْوَاحِ
فَبِهِمْ تَوَسَّلْ حِيْنَ يَعْتَكِرُ الدُّجٰى    تَلْقَى الرِّضٰى مِنْ فَالِقِ الْاَصْبَاحِ

چادر تطہیر والے حضرات پاک وصاف ستھرے لوگ ہیں۔ نجات کی کشتی اور روحوں کا چین ہیں۔ جب رات سخت ہو جائے تو ان کا ہی وسیلہ تلاش کر تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو صبح نمودار کرنے والا ہے ان کے وسیلہ سے خوشی مل جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کیلئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ان کی بلندیٔ درجات کی دعاء کر اور ان کے مابین جو اختلاف اور قول وعمل میں جو ٹکراؤ نظر آئے اس سے بچنے کی کوشش کر۔ ان کی سیرت حمیدہ ومحمودہ بیان کر ان کے مختلف فضائل کا چرچا کر ان کے ہدایت کے بلند جھنڈوں سے راستہ تلاش کر۔ گمراہی شیعہ اور بدعتی لوگوں سے تعلق منقطع کر جو ان حضرات سے عداوت رکھتے ہیں۔ اللہ

خالق کائنات کے اس قول کو غور سے پڑھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح:29) جناب محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کے تمام صحابہ کفار پر انتہائی سخت اور باہم انتہائی نرم دل ہیں۔ اس کے علاوہ رب ذوالجلال کا یہ ارشاد بھی سامنے رکھ۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18) ''یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام مومنین سے راضی ہے جنہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی''۔ اور قادر مطلق کے اس کلام پر بھی تیری نظر رہے۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ (احزاب:22)۔ وہ ایسے مردان کامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ سچا کر دکھایا۔ حضور سید البشر، اشرف الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا'' نیز آپ نے فرمایا'' ان کی مثال ایسی جیسا کھانے میں نمک ہو'' ایک اور موقعہ پر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات فرمائی۔ ''تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا فی سبیل اللہ خرچ کر دے تو ان صحابہ کرام کے ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہو سکتا''

تَمَسَّکْ بِالْاَوَامِرِ مِنْ رَسُوْلٍ     کَرِیْمٍ نَاشِرِ فَضْلِ الصَّحَابَۃ
وَلَازِمْ حُبَّهُمْ وَاسْتَوْصِ خَیْرًا     بِکُلٍّ مِّنْهُمْ وَارْفَعْ جَنَابَۃ
وَاَکْثِرْ مِنْ ثَنَآئِکَ کُلَّ وَقْتٍ     عَلَیْهِمْ حَائِزًا اَجْرَ الْاِصَابَۃ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کو مضبوطی سے پکڑ۔ جنہوں نے صحابہ کرام کے فضائل خود بیان فرمائے۔ حضرات صحابہ کرام کی محبت کو لازم سمجھ اور ان میں سے ہر ایک کیلئے بھلائی اور بہتری کا حکم دے اور ان کی شان بیان کر ہر وقت ان کی کثرت سے تعریف کر، تجھے بیشمار ثواب حاصل ہوگا۔

جس نے حضرات صحابہ کرام کی خوبیاں بیان کیں، وہ نفاق سے بچا رہا، جس نے ان سے محبت رکھی وہ ایمانداروں میں سبقت لے گیا، جس نے ان کی اتباع کی اس نے اپنا مقصد پالیا، جس نے انہیں پیشوا بنایا وہ ہدایت پا گیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' جس نے ان کی عزت کی اس نے جنت میں لباس فاخرہ حاصل کیا، جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی ان میں حفاظت کی اس کی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا۔ ان حضرات کا فضل صرف اس بناء پر ہے کہ انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی۔ تمام انبیاء و مرسلین کرام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند فرمایا۔ ان کے درجات بلند رکھے۔ ان تمام صحابہ کرام میں سے بالخصوص وہ دس حضرات جنہیں دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

اَصْحَابُ هَادِی الْوَرٰی قَوْمٌ لَهُمْ شَرَفٌ بِالْقُرْبِ مِنْهُمْ خُصُوْصًا اَوَّلُ الْعَشَرَةِ
جَآؤُهُ وَاسْتَمَعُوْا مَاقَالَ وَاتَّبَعُوْا وَبَايَعُوْا تَحْتَ اَغْصَانٍ مِّنَ الشَّجَرَةِ
يَكْفِيْهِمْ اَنَّ خَيْرَالرُّسْلِ اَكْرَمَهُمْ وَاِنَّهُمْ اَفْضَلُ الْاَخْيَارِ وَالْبَرَرَةِ
مِنِّیْ عَلَيْهِمْ سَلَامٌ طَيِّبٌ أَرِجٌ مَا اَظْهَرَ الْبَحْرُ مِنْ قَامُوْسِهٖ دُرَرَهٗ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب وہ حضرات ہیں جو شرف وعزت والے ہیں۔ کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب ملا۔ ان میں سے خصوصاً پہلے دس صحابہ کرام جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوے آپ کے ارشادات سنے اور آپ کی اتباع کی اور ایک درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔ ان کے فضائل میں یہی کافی ہے کہ خیرالرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اکرام بخشا۔ بیشک یہ حضرات نیک اور بہتر لوگوں میں سے بہترین ہیں، میری طرف سے ان کی بارگاہ میں نہایت پاکیزہ متواتر سلام۔ اس وقت تک جب تک سمندر اپنی گہرائیوں سے موتی ظاہر کرتا رہے۔

انتیسویں فصل

# حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت اور آپ کے مقامات ومواطن کی تعظیم کا بیان

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت بہت خوبصورت سنت ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق واجماع ہے۔ اس کی فضیلت کی وجہ سے تمام حضرات نے اس کی رغبت دلائی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی قبر انور کی زیارت کی اس نے گویا آپ کی، آپ کی زندگی میں زیارت کی اور جس نے آپ کی قبر نور کی زیارت کی وہ آپ کے قرب میں جا پہنچا۔ آپ اس کی اس دن شفاعت فرمائیں گے جس دن نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کسی کی سفارش چلے گی، جسے آپ کے شہر مدینہ طیبہ میں رہائش نصیب ہوئی اسے اس کی پاکیزہ مٹی سے ضرور حصہ ملے گا، جسے اس شہر مبارک میں موت نصیب ہوگئی، اسے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد شریف کی زیارت کا قصد کر اور شد رحال کر۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ کی بارگاہ اور آپ کے دونوں ساتھی (ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سلام عرض کر۔ مسجد نبوی میں آواز بلند نہ کرنا، ان لوگوں کی روش اختیار کرنا جو حسن ادب اپنا مقصود رکھتے ہیں۔ آپ کی تعظیم میں سلف صالحین کے راستہ پر چلنا اور تو بھی وہاں پہنچ کر اسی طرح آپ کے اجلال وتکریم میں مبالغہ کر جس طرح سلف صالحین نے کیا۔ آپ کے روضہ انور، منبر شریف اور قدم مبارک لگنے کی جگہوں سے برکت حاصل کر اور اپنی نظر کو اس مقام پر ڈال کر شرافت بخش، جہاں جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر اترتے تھے۔

زُرْ قَبْرَ مِنْ شَمْسِ الضُّحٰی عَدْلِهٗ لَمَّا بَدَتْ وَ لّٰی ظَلَامُ الشَّطَطِ
وَکَیْمَا تَرٰی نَفْسَکَ فِیْ رَوْضَةٍ فِیْ اَرْضِهَا زَهْرُ الْقُرٰی یَلْتَقِطُ
وَاهْرَعْ اِلٰی طَیْبَةِ تِلْکَ الَّتِیْ جُوْدُ اَبِی الطَّیِّبِ فِیْهَا اَنْبَسَطُ
وَ اَنْزِلْ بِهَا فِیْ مَسْجِدٍ مُنْجِدٍ جِبْرِیْلُ فِیْ اَرْجَآئِهٖ کَمْ هَبَطَ

اس عظیم الشان ہستی کی قبر انور کی زیارت کر جس کے عدل وانصاف کے سورج نے طلوع ہوتے ہی ظلم وعدوان کے اندھیرے بھگا دیئے۔ زیارت کرتا کہ تو اپنے آپ کو ایسے باغ میں پائے جس کی زمین میں بستیوں کی رونق دکھائی دیتی ہے۔ اضطراب اور پریشانی کے عالم میں اس پاکیزہ جگہ کی طرف

چل جہاں ابوالطیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا دستر خوان بچھا ہوا ہے کچھ دیر کیلئے اس مقام پر بھی بیٹھ جو مسجد نبوی میں ہے جہاں بیسیوں مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آپ کی ملاقات کی امید لئے حاضر ہوتے رہے۔

اے خوش قسمت مسجد! جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، جس نے اس کے مضبوط سبب سے تمسک کیا وہ کامیاب ہو گیا اس میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بھی ہے اس سے کتاب وسنت کے احکام پھیلے۔ جس میں ایک ایسا حصہ زمین ہے جو تمام زمینی مقامات سے افضل ہے وہ کیوں افضل نہ ہو جب کہ اس خطہ زمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضور شفیع مجرمان اور قیامت کے دن مقبول الشفاعت ہستی کے جسم اطہر سے ملنے کا اسے شرف حاصل ہے۔ تمہیں اس کے نواحی میں صلوۃ وسلام کی کثرت کرنی چاہیئے تا کہ نعیم اور انعام وافر پائے اس مسجد میں کہیں بھی نماز ادا کرنے کو سعادت جانئے۔ کیونکہ مسجد حرام کو چھوڑ کر اس میں ادا کی گئی ایک نماز ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ مسجد حرام وہ ہے جس کے فضائل بکثرت اور برکات وافر مقدار میں ہیں۔ مناسک حج کا اس سے تعلق ہے۔ نعمت الٰہی کی تعیم، حرمت میں عظمت اسے حاصل ہے۔ اس کی ہر جگہ شرافت کی مظہر ہے۔ کوئی طواف کرے یا اعتکاف بیٹھے ہر ایک کو پاک کرنے والی ہے، جس کے قواعد بلند اور جس کی بنیاد مضبوط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کیلئے امن اور مثابۃ بنایا۔ اس کی برکات نامی اور اس کی تعظیم مکمل ہے اس میں آیات بینات مقام ابراہیم ہے اس میں جو آ گیا وہ امن میں ہو گیا۔ یہ نص قرآن ہے جس نے تین مرتبہ اس کا حج (طواف) کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن مقامات پر تشریف لے گئے۔ ان کی تقدیس کا خیال رکھ جن مقامات پر آپ نے نماز ادا فرمائی ان جگہوں کا احترام کر آپ کے معالم ومعاہد پر آنا جانا رکھ۔ آپ کے مواقف ومعابد کی تطہیر میں کوشاں رہ، آپ کے اماکن کی عزت کر اور مکہ ومدینہ میں آپ کے مواطن کی بزرگی کا خیال رکھ۔

حُثَّ الْمَسِيْرَ اِلٰى نَحْوِ الْحِجَازِ وَلَا تَقِفْ وَسَلِّمْ عَلٰى عَرَبٍ بِذِیْ سَلَمٍ
وَانْزِلْ بِمَكَّةَ خَيْرِ الْاَرْضِ مُقْتَفِيًا آثَارَ اَقْدَامٍ سِرًّا لَكَوْنِ فِی الْقَدَمِ
وَاجْنَحْ لِكَعْبَتِهَا وَالْمَرْوَتَيْنِ بِهَا وَالْعُرْفَ مِنْ عَرَفَاتِ مَوْقِفِ الْاُمَمِ
وَالْحَجْرَوَ الْحَجَرَ الشَّامِي وَ خَيْفَ مِنًى وَ كُلَّ مَوْضِعِ نُسُكٍ حَلَّ فِی الْحَرَمِ

اپنی سواری کو سرزمین حجاز کی طرف جانے کیلئے تیار کر اور کہیں نہ رکنا اور سرزمین عرب کو مقام ذی

مسلم سے سلام کہنا، پھر مکہ شریف میں ٹھہرنا جو تمام زمین سے بہتر جگہ ہے۔ وہاں تیرے ٹھہرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ سرالکون ﷺ کے مبارک پاؤں اس زمین پر لگتے رہے تو ان کے نشانات کے پیچھے پیچھے چلنا۔ مکہ میں موجود کعبہ شریف میں تواضع وانکساری کا اظہار کرنا، صفا اور مروہ کی زیارت کرنا اور مسلمانوں کے موقف عرفات بھی جانا، حجر اسود اور حطیم، مسجد خیف، منیٰ اور ان تمام مقامات کی زیارت کرنا جن کا تعلق افعال حج کے ساتھ ہے۔

مکہ مکرمہ میں ان مقامات کی تکریم کرنا جن پر موجود ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ ان کی جبرئیل ومیکائیل کی آمد ورفت سے تروتازگی بڑھی۔ فرشتوں کے آنے جانے سے ان کو بلندی نصیب ہوئی، جن کے آسمانوں کے برج بے مثل چاند کے سبب ارفع ہوئے، جس کی سحری کی بادنسیم تلاوت قرآن سے خوشبوناک ہوئی، جن کے درختوں کے شگوفے ذکر الٰہی سے کھل اٹھے، جن کی بلندیاں تکبیر وتہلیل سے چمک اٹھیں۔ تسبیح وتقدیس سے جن کی وادی گونج اٹھی، جن کی مقدس مٹی سے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر متصل ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول کا دین جن سے مشہور ہوا۔ خوشا! وہ جگہیں جہاں آیات قرآنیہ کی درس وتدریس ہوتی رہی، جہاں اسلامی جھنڈے گاڑے جاتے رہے، جہاں نمازوں کے دوران سجدے کئے جاتے رہے، جہاں وافر برکات کا نزول ہوتا رہا، جہاں باہر معجزات کا ظہور ہوا، جہاں سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشوونما پائی، جو بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار ہجرت بنا، جو رسالت کے بادلوں کا مرکز بنا، واضح دلالات کا وطن قرار پایا، جو مخبر نبوت کا مطلع بنا، جو فتویٰ اور جوانمردی کا معدن بنا، جو حجاج کرام اور عمرہ ادا کرنے والوں کی عبادت گاہ قرار پایا۔ آقاؤں اور غلاموں کا ٹھکانہ بنا، ان خوبیوں کی بنا پر وہ شہر اس کا مستحق ہے کہ اس کی دیواروں کا احترام کیا جائے، اس کے ستونوں کو چوما جائے، ان کے مقام کو رفعت دی جائے، ان کے احکام واعلام کو پھیلایا جائے۔ اس کی چاردیواری کا تحفظ کیا جائے۔ اس کے پانی اور چراگاہوں کی بھی رعایت کی جائے۔ اس کے باغات سے آنکھوں کو تروتازہ کیا جائے، اس کی مٹی کی کیاریوں میں رخساروں کو رگڑا جائے۔

طُوْبٰی لِمَنْ یَّأْتِیْ لِمَکَّۃَ لَآبِدًا ۔۔۔ بِمَشَاعِرَ جَلَّتْ عَنِ الْاَوْصَافِ
وَیُعَظِّمُ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ مُجَدِّدًا ۔۔۔ فِیْہِ بُرُوْدَ السَّحْیِ وَالطَّوَافِ
وَیَسِیْرُ کَیْ یَحْظٰی بِسَاکِنِ طَیْبَۃٍ ۔۔۔ وَیَرُوْا اصِلَ الْاَعْنَاقِ بِالْاِیْجَافِ
وَیُقَبِّلُ الْاَحْجَارَ مِنْ حَجَرٍ اتِہَا ۔۔۔ حُبًّا لِمَنْ یَّرْتَاحُ لِلْاَضْیَافِ
اَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَشَّافَ الْعَنَا ۔۔۔ ذَا الْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَالْاِنْصَافِ

صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا سَقَتِ الثَّرٰى ‏ عَيْنَ الْغَمَامِ مَدَّ مَعَهَا الْوُكَّافِ

خوش بخت اور قابل ستائش ہے وہ شخص جو مکہ شریف میں حج ادا کرنے کے مقامات کی پناہ لینے آیا جن کے اوصاف بہت عظیم ہیں اور وہ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتا ہے اس حال میں کہ سعی اور طواف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے چین کو تازگی بخشتا ہے اور اس لئے سفر کرتا ہے تا کہ طیبہ (مدینہ منورہ) کے ساکن سے فیض پائے اور اپنی گردن کو گھوڑوں سے بلند کرے۔ مدینہ منورہ کے مقامات کے پتھروں کو اس ذات کی محبت میں چومے جو مہمانوں کو راحت پہنچاتی ہے۔ میری مراد جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو مصائب کو دور فرمانے والے صاحب عدل و احسان اور صاحب انصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ وسلام آپ پر اس وقت تک نازل ہوتے رہیں جب تک بادلوں کی آنکھ اپنے لگاتار آنسوؤں سے زمین کو سیراب کرتی رہے۔

## تیسویں فصل

# صلوٰۃ وسلام اور اس کی فضیلت کے بیان میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام فی الجملہ واجب ہے ہر وہ شخص جو آپ پر ایمان رکھتا ہے اور اپنی ہدایت کا آپ کو قبلہ سمجھتا ہے اسے یہ واجب ادا کرنا چاہئے۔ اپنے اوقات کا اکثر حصہ صلوٰۃ و سلام میں صرف کرنا چاہئے اس کی ہمیشگی اختیار کی جائے، اور غفلت نہ برتی جائے۔ خصوصاً ہفتہ میں جمعۃ المبارک کے دن بکثرت صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ حدیث مرفوع جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں اس بارے میں جو حکم موجود ہے بعض علماء کرام نے نماز میں صلوٰۃ کو واجب کہا ہے۔ بعض نے اپنی رائے کے مطابق اس کے استحباب کا قول کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ حمد وثناء کے بعد اس ذات پر صلوٰۃ وسلام بھیجے جس نے ساکن کو حرکت اور خاموش کو اپنے سامنے قوت گویائی سے نوازا۔ ایسا طریقہ سوال کے قبول ہونے میں تیر بہدف ہے وہ دعا جس کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھا جائے رد نہیں کی جاتی اور ضرور شرف قبولیت پاتی ہے ہر دعا آسمان کے نیچے روک لی جاتی ہے جب درود شریف اس کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ اوپر جاتی اور مقبول ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے مقامات میں ایک یہ کہ جب آپ کا ذکر پاک کیا جائے اس وقت پڑھا جائے علاوہ ازیں جب آپ کا نام پاک سنا جائے آپ کی مبارک حدیث کی سماعت ہو، کتاب اور تحریر کے ابتدا و انتہاء میں لکھا جائے۔ اذان کے قریب، مسجد میں داخل ہوتے وقت رسائل میں نمازوں کی تشہد میں، نماز جنازہ میں پڑھا جائے۔ درود شریف کی کثرت کا عادی کامیابی کی بلندی پر ہے۔ اور جس شخص کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لیا گیا اور اس نے سن کر آپ پر درود نہ پڑھا وہ ہلاک ہو۔ درود شریف پڑھنے والے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

صَلُّوْا عَلٰی خَیْرِ الْوَرٰی تُفْلِحُوْا فِیْ هٰذَا الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ
وَاسْتَكْثِرُوْا مِنْهَا تَنَالُوْا الْبَقَا فِیْ جَنَّةٍ رَوْضًا تِهَا نَاضِرَةً
رَبُّ الْعُلَا صَلّٰی عَلَیْهِ كَمَا قَدْ جَآءَ فِیْ آیَاتِهِ الْبَاهِرَةِ
وَالْاَمْرُ مَعْرُوْفٌ بِهَا ظَاهِرٌ وَالْعُرْفُ مِنْهَا رِیْحَةٌ عَاطِرَةٌ

خیر الوریٰ ﷺ پر درود بھیجو۔ اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ بکثرت صلوٰۃ وسلام

کی برکت سے جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ گے۔ جس کے باغات ہر وقت تر و تازہ اور سرسبز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوۃ بھیجی جیسا کہ واضح طور پر آیات قرآنیہ میں آیا ہے۔ درود شریف کا حکم مشہور معروف ہے اور صلوۃ و سلام کی فضا معطر ہونی بالکل واضح ہے۔

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے۔ اس کے دس گناہ مٹاتا ہے۔ اس پر فرشتے صلوۃ بھیجتے ہیں۔ اور آپ سلام بھیجنے والے کو جواباً سلام سے نوازتے ہیں، جس نے آپ پر بکثرت صلوۃ و سلام پڑھا۔ اس کی کفایت ہوگئی اور اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ قیامت کی سختیوں اور پریشانیوں سے نجات پا گیا اور اس کی مصیبت دور کر دی گئی جس نے کسی تحریر میں آپ پر صلوۃ و سلام لکھا۔ اسے ثواب عظیم حاصل ہوا۔ فرشتے اس کیلئے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ لکھا باقی رہتا ہے جس نے آپ پر دس مرتبہ سلام بھیجا۔ اس نے گویا ایک غلام آزاد کیا۔ آپ پر درود بھیجنا گزشتہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ صلوۃ و سلام کی کثرت کرنے والا کل قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب ہوگا۔ جب بھی کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کی روح پاک کو واپس لوٹاتا ہے اور آپ اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ آپ کے روضہ انور کے قریب صلوۃ و سلام آپ خود سنتے ہیں، آپ پر پڑھا گیا صلوۃ و سلام ہر جمعہ کی رات آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور جو امتی آپ پر صلوۃ و سلام پڑھتا ہے اس کا سلام آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ جمعہ کا دن جمعہ کی رات دونوں میں پڑھا گیا صلوۃ و سلام آپ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہیں آپ پر بکثرت صلوۃ و سلام پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ فرض ہے جہاں کہیں بھی ہو صلوۃ و سلام ضرور پڑھو۔ کیونکہ تمہارا صلوۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے اور وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر صلوۃ و سلام نہ پڑھے۔

إِذَا أَنْتَ أَكْثَرْتَ الصَّلَاةَ عَلَى الَّذِيْ ۔۔۔ هَدَاكَ إِلَى الْإِسْلَامِ فُزْتَ بِقُرْبِهٖ
وَكُنْتَ بِهٖ أَوْلٰى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ ۔۔۔ وَنِلْتَ ثَوَابًا وَافِرًا عِنْدَ رَبِّهٖ
فَصَلِّ عَلَيْهِ ثُمَّ ثَنِّ بِآلِهٖ ۔۔۔ أُولِي الْفَضْلِ وَالتَّقْوٰى وَثَلِّثْ بِصَحْبِهٖ
وَسَلِّمْ عَلَيْهِمْ فَالسَّلَامُ مِنَ الْفَتٰى ۔۔۔ يُؤَدِّيْ إِلٰى غُفْرَانِ سَائِرِ ذَنْبِهٖ

جب تو اس ذات پر بکثرت صلوۃ و سلام بھیجے گا جس نے تجھے اسلام کا راستہ دکھایا تو یقیناً تجھے ان کا قرب ملے گا اور تو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے بڑھ کر قریب ہوگا اور ان کے رب سے بہت زیادہ

ثواب پائے گا۔ لہٰذا پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر صلوۃ وسلام بھیج پھر آپ کی آل کی تعریف کر۔ صاحبان فضل اور صاحبان تقوی اور تیسرے آپ کے صحابہ کرام ان سب پر سلام بھیج کسی شخص کا سلام بھیجنا اس کے گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ہے۔

اے اللہ! تو اپنی افضل صلوات، اکمل تحیات و برکات اپنے امین و مأمون جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ جو تیرے علم مخزون کے محافظ ہیں۔ یوم محشر میں تیرے شہید ہیں، کالے اور سرخ کی طرف تیرے رسول ہیں، اپنی ہر بات میں سچے ہیں، انبیائے سابقین کے خاتم ہیں۔ گمراہوں میں ھادی ہیں، باطل کے سر کا بھیجہ نکال دینے والے ہیں، تیرے معاہدات کے حافظ ہیں، تیری حدود کے قریب کھڑے ہیں۔ تیری وحی کے احکام کے ساتھ فیصلہ فرمانے والے ہیں، تیرے امر ونہی کو نافذ کرنے والے ہیں، ظلم کے شعلوں کو بجھانے والے ہیں، اندھیروں کے نشانات مٹانے والے ہیں، احکام کو واضح کرنے والے ہیں، اسلام کے قواعد کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔

اے اللہ! تو انہیں وسیلہ وفضیلت عطا فرما، درجۂ عالیہ جلیلہ بخش، مقام محمود پر فائز فرما، قیامت میں ان سے کیا گیا وعدہ پورا فرما، آپ کا مقام ومرتبہ باعزت بنا، اپنے فضل عظیم سے ان کا مقصد پورا کر، اپنے عدن کے معادن میں انہیں سیر کرا، اپنے فضل واحسان سے ان کا ثواب کئی گنا فرما، ان کی شفاعت کبریٰ قبول فرما، اپنی نظر رحمت کو ان کو انتہائی بشارت بخش، اپنی مہربانیوں کے چشمے ان پر بہا دے، ان کو اپنی طرف سے قوت ونصرت عطا کر۔

اے اللہ! ہمارے آقا جناب محمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام نازل فرما، آپ کی اہل بیت اطہار، آپ کی اولا د امجاد، آپ کے اصحاب وازواج مطہرات اور آپ کے خاص اور احباب وانصار، اعوان وتابعین سب پر صلوۃ وسلام نازل فرما، اور فضیلت جو تکریم وتشریف اور تعظیم وتبجیل پر مشتمل ہو یوم الدین تک ان پر نازل فرما۔ آمین۔

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ وَ يَامَنْ لَهُ ظِلٌّ عَلٰى مَنْ يَرْتَجِيْهِ ظَلِيْلُ
يَا مَعْدَنَ الْجُوْدِ وَ بَحْرَ النَّدٰى يَا صَاحِبَ الْقَدْرِ النَّبِيْهِ النَّبِيْلِ
يَا مَنْ اِذَا مَا اَمَّهُ قَاصِدٌ يَلْقَاهُ بِالْوَجْهِ الْجَلِيِّ الْجَلِيْلِ
كُنْ لِيْ شَفِيْعًا فِيْ ذُنُوْبِيْ فَقَدْ اُلْقِيْتُ مِنْهَا تَحْتَ حَمْلٍ ثَقِيْلِ
وَانْظُرْ لِحَالِيْ وَ اسْقِنِيْ شَرْبَةً مِنْ حَوْضِكَ الْحَالِيْ تُرْوِى الْغَلِيْلِ
اِنِّيْ تَطَفَّلْتُ هُنَا مَادِحًا وَصْفَ مَعَالِيْكَ الْاَثِيْرِ الْاَثِيْلِ

اِذْقُلْتُ فِی مَدْحِکَ مَا قُلْتُهُ وَهُوَ قَلِیْلٌ مِنْ کَثِیْرٍ جَزِیْلٌ
فَاَقْبِلْهُ مِنِّیْ وَاَنِلْنِیْ بِهٖ جَائِزَۃً حَائِزَۃً لِلْجَمِیْلِ
فَضْلُکَ لَایَحْصُرُهٗ وَاصِفٌ اِنَّ الدَّرَارِیْ حَصْرُهَا مُسْتَحِیْلٌ
صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعُلَا وَالْعَرْشِ مَاهَبَّ النَّسِیْمُ الْعَلِیْلُ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی فَضْلِهٖ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ

اے خاتم الرسل! اے وہ ذات کہ جو آپ سے امید رکھنے والے کیلئے گھنا اور لمبا سایہ ہیں۔ اے سخاوت کے معدن! اے بخشش کے سمندر! اے عظیم قدرومنزلت کے مالک! اے وہ ذات کہ جب بھی کسی نے آپ سے اپنے مقصد کے حصول کا ارادہ کیا تو آپ اسے پرتپاک طریقہ اور جلال و جمال سے بھرپور چہرہ سے ملے۔ میرے گناہوں میں آپ میرے شفیع بن جایئے۔ میں ان کے وزنی بوجھ کے تلے دب چکا ہوں۔ میرے حال پر نظر رحمت فرمایئے، مجھے اپنے بھرے ہوئے حوض سے سیراب کیجئے جو پیاسوں کی پیاس بجھا دیتا ہے، میں یہاں آپ کی بلند و بالا خوبیوں کا طفیلی تعریف خواں ہوں، جب میں نے آپ کی شان اور مدح میں جو کچھ کہا وہ مدح کثیر سے ایک تھوڑی سی تعریف ہے۔ آپ مجھ غریب سے اسی قدر تعریف منظور و قبول فرمالیجئے اور مجھے اس کے صلہ میں عظیم القدر انعام عطا فرمایئے۔ آپ کا فضل ان گنت ہے کہ کوئی تعریف کرنے والا اس کو شمار نہیں کرسکتا۔ ستاروں کا شمار واقعی محال ہوتا ہے۔ آپ پر آپ کا رب اعلیٰ اور رب العرش اس وقت تک صلوۃ وسلام نازل فرمائے جب تک بادنسیم چلتی رہے۔ اللہ کے فضل پر اس کی تعریف وحمد ہے، ہمارے لئے اللہ ہی کافی اور وہی بہترین کارساز ہے۔

## امام علامۃ الشہاب احمد المقری صاحب کتاب "نفح الطیب" رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۴۱ھ

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے موتیوں میں سے ایک موتی آپکی تصنیف "فَتْحُ الْمُتَعَال فِی مَدْحِ النِّعَال" الشریفۃ النبویہ ہے۔ میں (علامہ نبہانی) نے اس کا اختصار کیا جس میں میں نے ان کے بہت سے فوائد جمع کر دیئے اور زائد باتیں حذف کر دیں۔ "مختصر" یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امابعد! فقیر یوسف بن اسماعیل نبہانی عرض گزار ہے کہ مجھے کتاب "فتح المتعال فی مدح النعال النبویہ" کے چند نسخہ جات دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب امام علامہ شیخ احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جن کی ایک اور مشہور تصنیف "نفح الطیب" ہے۔ ان کا سن وفات ۱۰۴۱ھ ہجری ہے۔ میں نے جب غور کیا تو مجھے ہر نسخہ میں بعض باتیں زیادہ لکھی نظر آئیں جو دوسروں میں نہ تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو جب کسی بات اور مسئلہ میں مزید معلومات ملتیں۔ تو آپ انہیں پہلے سے لکھے نسخہ کے حاشیہ پر تحریر کر دیتے۔ میں نے بھی ان زیادات کو اپنے ہاں موجود دو نسخہ جات کے حاشیہ پر لکھ رکھا تھا۔ نیت یہ تھی کہ میں ان کو شائع کروں گا اور ان کا نفع عام کروں گا لیکن مجھے اس کی فرصت نہ ملی اس لئے میں نے ان کو اختصار سے ایک مختصر میں جمع کر دیا۔ جس کا نام "بُلُوْغُ الْآمَالِ مِنْ فَتْحِ الْمُتَعَال" رکھا۔

میں نے اس مختصر میں ضروری ضروری باتیں درج کر دیں، جن کے بغیر گزارہ نہ تھا۔ یہ ایک ایسی مختصر کتاب بن گئی جو بہت نفع بخش ہے اور موصوف کی کتاب کے مقاصد و مقصود کی جامع ہے اور اس کی معلومات کی حامل ہے۔ حالانکہ حجم کے اعتبار سے میری مختصر اصل کتاب کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔

کیونکہ میں نے اس کتاب میں سے وہ تمام فوائد حذف کر دیئے جو استطراداً تھے۔ یعنی اصل مسئلہ کے ساتھ مناسبت یا عدم مناسبت سب کچھ ان میں تھا۔ لیکن ان کا مقصود سے بالکل تعلق نہ تھا ایسے فوائد بہ نسبت مقصود کے زیادہ تھے۔ یعنی تالیف کتاب کا جو اصل مقصود تھا۔ اس سے زیادہ اوراق ان

زائد باتوں سے بھرے ہوئے تھے اسی طرح میں نے اصل کتاب میں سے اشعار کا کافی حصہ تحریر نہیں کیا جو ''مثال شریف'' کی تعریف میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے درج کئے تھے میں نے ان میں سے صرف وہی اشعار درج کئے جو میں نے اعلیٰ اور فائق سمجھے۔ میں نے انہیں اپنے مسودہ کی زینت بنایا۔ میں نے کئی سال ہوئے کہ نعلین شریفین کی جو چھ مثالیں (نمونہ) مصنف نے اصل کتاب میں ذکر کئے تھے۔ ان میں سے پہلی صورت کو میں نے الگ رکھ لیا تھا۔ کیونکہ اس کو صحیح، معتمد کہا گیا تھا۔ یہ ایک مخصوص ورقہ پر تھی۔ جس کے اردگرد میں نے اس کے متعلق نفع بخش فوائد ذکر کئے تھے۔ اسی کی چالیس ہزار کاپیاں چھپوا کر میں نے اسلامی ممالک میں بھیجیں۔ جسے ضرورت ہو وہ طلب کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی مختصر کی ترتیب چھ فصلوں پر رکھی ہے۔

## پہلی فصل

''نعل'' کے معانی اور اس کے مناسب کچھ باتیں۔

زمین سے جس کے ذریعہ قدم کو بچایا جائے اسے ''نعل'' کہتے ہیں۔ اس کی جمع ''نعال'' ہے۔ (قاموس)

مصباح وغیرہ میں ہے۔ ''نعل'' مونث ہے اور'' تاسومۃ'' پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور'' قبال'' وہ تسمہ ہے جس کے ذریعہ درمیانی انگلی اور اس سے ملی ہوئی انگلی کے درمیان جوتی کے حصہ کو باندھتے ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ'' قبال'' وہ تسمہ ہے جو دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے۔'' قبال النعل'' وہ ڈوری ہے جو درمیانی انگلی اور اس سے متصل انگلی کے درمیان ہوتی ہے اور ''الشسع'' جیسا کہ حافظ ابوالیمن بن عساکر کا قول ہے جوتی کے تسمہ کو کہتے ہیں، جسے جوتی پہننے والا اپنی انگلیوں کے درمیان رکھتا ہے اور اس کا دوسرا سرا اس سوراخ میں داخل ہوتا ہے جو جوتی کے اگلے حصہ میں ڈوری سے باندھا ہوا ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ اسے'' قبال'' کہتے ہیں اور'' شراک'' وہ پتلا اور باریک تسمہ ہے جو جوتی میں قدم کی پشت پر ہوتا ہے۔

ابن عساکر نے اپنی سند سے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ عن ابیہ سے روایت کیا کہ میں دوران طواف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے دیجئے میں اسے ٹھیک کر دیتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ یہ'' اَثَرَۃ'' ہے اور میں'' اَثَرَۃ'' پسند نہیں کرتا اور'' اثرہ'' کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کو دوسروں کے ساتھ مل کر کرنے کی بجائے اکیلے کرنا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ ایک شخص اکیلا ہی آپ کی نعلین کو درست کرے۔

اور وہ ایک خادم کی حیثیت اختیار کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں رفعت ہو جیسا کہ مخدوم کو خادم پر ہوتی ہے آپ نے ازروئے تواضع اسے ناپسند فرمایا۔ اور اس لئے بھی تاکہ اپنے ساتھی سے اپنے آپ کو بلند وبالا نہ سمجھا جائے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس کا امتحان ایک کام کے ذریعہ لینا چاہا۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کام کیلئے ہم کافی ہیں (آپ خود نہ کریں ہمیں حکم دیں) یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ تم میرے بغیر یہ کام کر سکتے ہو لیکن میں اسے ناپسند رکھتا ہوں کہ اپنے آپ کو تم پر امتیاز دوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت اپنے بندے سے یہ پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز بنے۔ ابن عساکر نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ارادہ تھا۔ اور آپ نے کس لئے فرمایا کہ یہ ''اَثَرَہ'' ہے۔ یہی ارادہ تھا جو میں نے بیان کیا یا کچھ اور تھا بہر حال میں نے تقاضائے لغت کے تحت اس کی مذکورہ تشریح کی ہے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں نعل شریف میں دو دو تسمے تھے اس لئے کہ ایک ایک تسمہ کا رواج امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا تھا۔

دوسرا فائدہ: بعض حافظ اور امام نے یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ڈوریوں میں سے ایک ڈوری۔ اپنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان رکھتے تھے اور دوسری ڈوری درمیانی انگلی اور اس سے متصل کے درمیان رکھتے تھے۔ یہ دونوں ڈوریاں ایک تسمہ میں اکٹھی باندھ دی جاتی تھیں۔ جو آپ کے قدم انور کی پشت پر ہوتا تھا اسی کو ''شراک'' کہتے ہیں جو نعل شریف کے بالائی حصہ پر تھا۔ وہ دوہرا تھا۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔

تیسرا فائدہ: بعض حضرات کیلئے ''قبال'' کی مذکورہ تفسیر نے مشکل پیدا کر دی اور کہہ دیا کہ اس میں ایک دوسرے کی مخالفت ہے۔ اس کا جواب مولانا عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ وہ یہ کہ ''قبال'' نعل کی زمام کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ درمیانی انگلی اور اس سے متصل ہو خواہ دوسری دو انگلیوں کے درمیان ہو۔

چوتھا فائدہ: امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''نعل'' حضرات انبیاء کرام کا لباس ہے۔ لوگوں نے نعل کے بغیر دوسری اقسام کی جوتیاں اس لئے بنائیں کیونکہ ان کی زمین میں مٹی (کیچڑ) تھی۔ یا کہا۔ ان کی زمین پر بارش برستی تھی۔

## دوسری فصل

امام مقری نے اصل میں اپنی سند کے ساتھ خادم رسول کریم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سے روایت ذکر کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کے دو تسمے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک تک سند کو بیان کرنے کے بعد کہا۔ یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کی دوڈوریاں تھیں، جن کا تسمہ دوہرا تھا۔ زین عراقی نے کہا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ سے کتاب اللباس میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں نعلین مبارک دکھائیں جو ''حبر داوین'' تھیں۔ ان دونوں مَیں دوڈوریاں تھیں۔ پھر اس کے بعد ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے مجھے روایت سنائی۔ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تھی کہ مذکورہ نعلین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک تھیں۔ ''حبر داوین'' سے مراد بقول نہایۃ بالوں کے بغیر تھیں۔ یعنی ان پر کوئی بال نہ تھا اور شرح السنہ میں اس کا معنی بوسیدہ لکھا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبید بن جریج رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر فرمائی۔ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے ابوعبدالرحمٰن! میں تمہیں چار کام کرتے دیکھتا ہوں۔ جو آپ کے ساتھی نہیں کرتے۔ پوچھا۔ وہ کون سے کام ہیں اے ابن جریج! کہنے لگے میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کے ارکان میں سے صرف دو ارکان کو آپ چھوتے ہیں، جو جانب یمن میں ہیں۔ دوسرا کام یہ کہ میں آپ کو ''سبتیہ'' نعلین پہنے دیکھتا ہوں، تیسرا یہ کہ آپ نے پیلے رنگ میں رنگے کپڑے پہن رکھے ہیں، چوتھا کام یہ کہ جب آپ مکہ شریف میں ہوتے ہیں تو لوگ اس وقت نیا چاند دیکھتے ہیں آواز بلند کرتے ہیں یعنی تلبیہ کہتے ہیں لیکن آپ یوم الترویہ (آٹھ ذوالحجہ) سے قبل تلبیہ نہیں کہتے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا پہلا کام سو اس بارے میں یہ بات ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف ''ارکان الیمانیین'' کو چھوتے دیکھا ہے، دوسرا کام نعلین سبتیہ، تو میں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی نعلین پہنے دیکھا، جن میں بال نہ تھے اور انہیں میں وضو فرمالیا کرتے، یعنی پاؤں دھو کر تر حالت میں ان کے اندر ڈال لیا کرتے تھے، لہٰذا مجھے بھی یہی محبوب ہے کہ میں بھی ویسی ہی نعلین پہنوں۔ تیسرا کام پیلا رنگ تو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رنگ سے رنگے کپڑے پہنے دیکھا۔ لہٰذا میں بھی اسی رنگ میں رنگے کپڑے پہننا محبوب جانتا ہوں۔ چوتھا کام تلبیہ کہنا میں نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلبیہ کہتے نہ سنا۔ آپ اس وقت تلبیہ شروع فرماتے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لیکر اٹھتی۔ ''السِبتِیَہ'' سبت کی طرف

نسبت ہے جس کا معنی گائے کی مدبوغ کھال ہے۔ یمن سے مدبوغ آتی تھی۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے "سبتیہ" ان نعلین کو کہتے ہیں جس پر بال نہ ہوں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس کے بال اس سے دور کردیے گئے ہوتے ہیں۔ سبت کا اصل معنی قطع یعنی کاٹ دینا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعلین پہنے نماز پڑھتے دیکھا۔ جو "مخصوفہ" تھیں۔ مخصوفہ کا معنی گانٹھی ہوئی یعنی اوپر نیچے دو ٹکڑے رکھ کر جسے سی دیا گیا ہو۔ "خصف" ایک چیز کو دوسری سے ملانے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ خصف النعل خرزھا۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کے دو طاق تھے اور دونوں کو جوڑ کر دھاگے سے سی دیا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے نعلین سمیت نماز ادا فرمائی کیونکہ آپ کی نعلین مبارک پاک تھیں۔

یہ حدیث بھی صحیح اور ثابت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر کے اندر ہوتے تو کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا آپ بھی ایک انسان تھے، اپنے کپڑوں میں سے جوئیں نکالتے (اس کی تحقیق آرہی ہے) اپنی بکری کا دودھ نکالتے اپنے کام کاج کرتے۔ امام احمد اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے، اور اپنی نعلین کی مرمت یا ایک طاق پر دوسرا طاق رکھ کر سی دیا کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کپڑوں کو پیوند لگایا کرتے تھے، اور مردوں والے گھر کے دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے۔ گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے، کپڑے کو پیوند لگانا بکثرت کیا کرتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ میں تواضع کی ترغیب اور تکبر کو ترک کرنے کا سبق ہے اور یہ بھی کہ آدمی کو اپنے کام خود کرنے چاہئیں اور یہ کہ گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظومہ "الفیہ السیرۃ" میں اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

يَخْصِفُ نَعْلَهُ يَخِيطُ ثَوْبَهُ يَحْلِبُ شَاتَهُ وَلَنْ يَعِيبَهُ
يَخْدُمُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ كَمَا يَقْطَعُ بِالسِّكِّيْنِ لَحْمًا فَيمَا

اپنی نعلین پر ایک اور چمڑا چڑھا لیا کرتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگایا کرتے تھے، بکری خود دوہ لیا کرتے تھے۔ ان باتوں کو ہرگز عیب نہ سمجھتے۔ اپنے گھر والوں کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹاتے جیسا

کہ چھری سے گوشت کاٹ کر دینا، یہ کام آپ خود کیا کرتے تھے۔

پھر اس حدیث کے ظاہری الفاظ" ام احرام" کی حدیث کی طرح ہیں جس میں ہے کہ" ام حرام" رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور کے بالوں سے جوئیں نکالا کرتی تھیں۔ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے لیکن ابن سبعہ اور ان کی اتباع کرتے ہوئے بعض شارحین شفاء نے ذکر کیا ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں جوئیں نہ تھیں کیونکہ آپ نور تھے اور اس لئے بھی کہ جوئیں دراصل بدبو سے پیدا ہوتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں بدبو نہ تھی اور اس لئے بھی کہ یہ اکثر بدبودار پسینہ سے بنتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ بلا شک وشبہ خوشبو ناک اور طیب تھا۔

بعض ائمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ کے جسم اقدس سے "طیب" کے علاوہ کوئی چیز نہ نکلتی تھی کہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں میل نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی جسم شریف میں جوئیں پڑتی تھیں۔ ایک جماعت نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی، نہ ہی مچھر نے کبھی آپ کا خون چوسا۔ بعض نے نقل فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر بھی مکھی نہ بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوئیں آپ کے جسم اقدس کو اذیت دیتیں یہ آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر تھا۔

ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین شریف پہننے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے عرض کیا۔ حضور! مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں آپ کو نعلین پہناؤں۔ آپ نے اسے اجازت دے دی جب وہ فارغ ہوا تو فرمایا۔ اے اللہ! اس نے مجھے راضی کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے راضی ہو جا۔

علامہ شہاب احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ نے اصل کتاب میں چند احادیث ذکر کیں۔ جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک نعل پہن کر چلنا منہی عنہ ہے۔ پھر لکھا کہ صاحب سبل الھدیٰ والرشاد (شیخ محمد بن یوسف دمشقی صالحی ان کی مذکورہ کتاب جیسا کہ کشف الظنون میں ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں خوبصورت ترین اور سیرت نبویہ کے موضوع پر بہت طویل وبسیط کتاب ہے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ یہ کتاب تین سو کتابوں سے زیادہ کتب سے منتخب کی گئی۔ اس میں عجیب وغریب فوائد ہیں۔ اس کے ابواب سات سو سے بھی زیادہ ہیں) نے بطور نص ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نعل میں چلنا کتب میں وارد ہے اور اس کے ساتھ ایک جوتی میں چلنے سے نہی بھی وارد ہے۔ ابن عبدالبر

نے تحریر میں لکھا۔ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ایک ہی نعل پہنے اس وقت تک چلتے جب تک وہ درست نہ ہو جاتا۔

طبرانی نے روایت کیا جس کی اسناد کو حافظ الہیثمی نے حسن کہا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کا جب تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ایک ہی نعل پہنے چلتے۔ دوسری آپ کے ہاتھ میں پکڑی ہوتی۔ پھر جب تسمہ مل جاتا تو وہ بھی پہن لیتے۔ واللہ اعلم۔

امام ترمذی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت لکھی۔ بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طہارت فرماتے تو اس میں ''تیمن'' کو پسند فرماتے اور جب بالوں میں کنگھی کرتے تو بھی ''تیمن'' کو پسند فرماتے اور جب نعلین پہنتے تب بھی۔ امام بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ روایت کے الفاظ تقریباً ملتے جلتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعلین پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے، طہارت کرنے اور ہر کام میں ''تیمن'' محبوب تھا۔

لفظ ''تیمن'' چند معانی میں مشترک ہے۔ دائیں طرف سے شروع کرنا، دائیں ہاتھ سے کسی چیز کا پکڑنا پکڑانا، تبرک، دائیں طرف کا قصد کرنا۔ ان معانی میں سے قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث مذکور میں اس سے مراد پہلا معنی ہے۔

امام ترمذی نے جو روایت ذکر کی۔ اس میں ''ما استطاع'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یونہی امام بخاری نے ''باب الصلوٰۃ'' میں جو روایت ذکر فرمائی۔ اس میں مذکورہ زائد لفظ ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ جب تک آپ کی ہمت ساتھ دیتی اور قدرت باقی ہوتی تو آپ دائیں طرف سے شروع کرتے۔ ہاں جب بائیں طرف کے بغیر شروع کرنا مشکل ہوتا۔ اس وقت جب دائیں طرف سے ابتداء میں کوئی رکاوٹ آ جاتی تو ایسی صورت میں بائیں طرف سے ابتداء کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ اگرچہ جس کام میں ایسا کیا جائے وہ ''باب تکریم'' سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق ہے۔ فتح الباری میں ان سے قبل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرما چکے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ بِالْمُحَافَظَةِ عَلٰی ذَالِکَ مَالَمْ يَمْنَعْ مَانِع''۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اچھے کام کی ابتداء دائیں طرف سے فرماتے جب تک کوئی رکاوٹ نہ آتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ''كَانَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ'' یعنی امور شریفہ میں آپ دائیں طرف سے ابتداء کو محبوب سمجھتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائیں طرف سے ابتداء فرمانا اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ نیک فال کو پسند فرماتے تھے۔

کیونکہ ''اصحاب الیمین'' جنتی لوگ ہیں۔اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ''فی تنعلہ'' کا معنی یہ ہے کہ آپ جب نعلین شریف پاؤں میں ڈالنا چاہتے تو پہلے دائیں پاؤں میں ڈالتے۔اسی طرح ''ترجلہ'' یعنی بالوں میں کنگھی کرنے اور ان میں تیل لگاتے وقت دائیں طرف سے ابتداء فرماتے۔

''نہایۃ ابن اثیر'' میں ہے کہ ترجل اور ترجیل کا معنی بالوں میں کنگھی کرنا، ان کو صاف کرنا اور انہیں خوبصورت کرنا ہے۔علامہ عینی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ترجیل سے مراد کنگھی کرنا ہے۔ لیکن یہ عام ہے خواہ سر کے بالوں میں کی جائے یا داڑھی میں کی جائے۔مزید کہا کہ یہ لفظ (ترجیل) تیل لگانے پر دلالت نہیں کرتا۔(جیسا کہ صاحب فتح الباری نے یہ معنی کیا ہے)۔

امام ترمذی نے حمید بن عبدالرحمٰن کی سند سے ایک مرد صحابی سے روایت کیا ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنگھی گاہے بگاہے کیا کرتے تھے'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ فرماتے۔بلکہ ایک دن کرتے اور دوسرے دن ناغہ فرماتے۔اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث معلل ہے کیونکہ اس کی اسناد میں جہالت ہے ہم اسکے جواب میں کہیں گے کہ علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جس راوی کا نام نہیں لیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف صحابی ہونا بیان کیا گیا۔تو یہی کافی ہے کیونکہ آپ کے تمام صحابی عادل ہیں۔(یہ بھی لازماً عادل ہیں)۔

حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی شریف میں کنگھی کرنے کیلئے کسی سے مدد نہیں لیا کرتے تھے۔بلکہ بنفس نفیس یہ کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ بخلاف سر انور کے بالوں میں کنگھی کرنا، کیونکہ داڑھی کی بہ نسبت اس کے بالوں میں کنگھی کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے خاص کر سر کے پچھلے حصہ کے بالوں میں۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے ان میں کنگھی کرنے کے لئے مدد لے لیا کرتے تھے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر انور میں تیل بکثرت لگایا کرتے تھے اور داڑھی شریف میں کنگھی بھی بکثرت کیا کرتے تھے'' ایک روایت سنن بیہقی میں ہے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلیٰ، مسواک اور کنگھی کو ہر وقت ساتھ رکھتے تھے، آپ اپنی داڑھی شریف میں بکثرت کنگھی کیا کرتے تھے'' اس کی اسناد ضعیف ہیں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بکثرت مذکورہ کام کرنا ایک وقت میں ہوتا تھا۔ دوسرے وقت میں نہیں۔ایک دور میں ایسا کرتے تھے، دوسرے دور میں نہیں۔کیونکہ اس پر دلیل آپ کا

وہ ارشاد ہے جس کے معنی یہ ہیں ’’تیل بھی کبھار لگایا جائے‘‘ یہ روایت متعدد احادیث میں وارد ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول ’’فی شانہ کلہ‘‘ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف کو اولیت دیتے) میں کپڑے زیب تن فرمانا، شلوار پہننا، موزے پہننا، مسجد میں داخل ہوتے وقت، امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا، مسجد کی دائیں جانب نماز ادا کرنا، کھانا، پینا، سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، مونچھیں پست کرنا، بغلیں اکھیڑنا یا مونڈنا، سر منڈوانا یا مونڈنا، بیت الخلاء سے نکلنا اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں آپ دائیں طرف کو اولیت دیتے تھے۔ ہاں جو کام کسی دلیل سے مخصوص ہوں۔ وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، ناک صاف کرنا، استنجاء کرنا، کپڑے اتارنا، شلوار اتارنا وغیرہ۔ ان کاموں میں دائیں طرف کی بجائے بائیں طرف سے ابتداء میں استحباب اس لئے ہے کہ یہ ’’باب ازالۃ‘‘ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو اپنے سے دور کرنے سے ان کا تعلق ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کام تکریم اور خوبصورتی سے تعلق رکھتا ہو، وہ دائیں طرف سے اور جو ایسا نہ ہو وہ بائیں طرف سے ہوگا۔ یہ اعتراض اس قاعدہ پر نہیں ہو سکتا کہ سر منڈانا ’’باب ازالۃ‘‘ سے ہے۔ (یعنی تکریم میں شامل نہیں) لہٰذا اس کی ابتداء بائیں جانب سے ہونی چاہیے تھی؟ کیونکہ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سر منڈانا ’’باب العبادۃ‘‘ اور خوبصورتی سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے متعلق دائیں طرف سے ابتداء احادیث سے بھی ثابت ہے۔

## فوائد

پہلا فائدہ: بعض حفاظ کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریفین پیلے رنگ کی تھیں۔

دوسرا فائدہ: ابوالشیخ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین گائے (یا بیل) کے چمڑے سے بنائی گئی تھی۔ ابوذر کے الفاظ یہ ہیں۔ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَيْنِ مِنْ جُلُوْدِ الْبَقَرِ۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیاہ سفید رنگ والی گائے کے چمڑے سے بنی نعلین پہنے دیکھا۔ اور جناب حارث بن ابی اسامہ رضی اللہ عنہ نے حمید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے ایک اعرابی کو یہ کہتے سنا۔ ’’رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ نَعْلَانِ مِنْ بَقَرٍ‘‘ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گائے کے چمڑے سے بنی نعلین پہنے دیکھا۔

تیسرا فائدہ: حافظ عراقی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین ''مُخصَّرة'' ''مُلَسَّنَة'' تھیں۔ ابوالشیخ نے اپنی اسناد کے ساتھ جناب یزید بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ میں نے حضور صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم کی نعلین مُلَسَّنہ مُخصَّرہ دیکھیں۔ ابن سعد نے طبقات میں جناب ہشام بن عروۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین دیکھیں۔ جو مخصرہ معقبہ ملسنہ تھیں۔ ان کے دو تسمے تھے۔ ''مُخَصَّرہ'' جو درمیان سے پتلی ہو یا جس کے دونوں اطراف اور پہلو کاٹ دیئے جائیں اور وہ پتلی ہو جائے۔ ''نہایۃ'' میں یہی معنی لکھا ہے۔ ''ملسّنہ'' ایسی جوتی جو لمبی اور نرم ہو جس طرح زبان ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحاح وغیرہ میں یہ معنی مذکور ہے۔ ''نہایۃ'' میں ہے کہ یہ اس جوتی کو کہا جاتا ہے جس کی زبان بنائی گئی ہو اور جوتی کی زبان اس کے اگلے حصہ میں زبان کی طرح شکل کو کہتے ہیں۔ ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں کہ جناب محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین دکھائیں۔ انہوں نے مجھے اس کی ایڑی دکھائی جو ''حضرمی'' شکل کی تھی۔ اس میں دو تسمے تھے۔ ہشام نے اسے ثابت رکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین معقبہ تھیں۔ یعنی اس کی ایڑی کے ساتھ دو تسمے تھے جن سے پاؤں کو باندھا جاتا تھا، جیسا کہ اکثر نعلین میں ہوتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کی نعلین کی ایڑیاں باہر نکلی ہوئی نہ تھیں۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات نعلین پہنتے اور بعض دفعہ ننگے پاؤں بھی چلتے۔ خاص کر عبادات کیلئے جاتے وقت نعلین کے بغیر ہوتے۔ اور ایسا کرنا از روئے تواضع تھا اور ثواب واجر کی زیادتی کے حصول کی خاطر تھا۔ جیسا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''الفیہ السیر ۃ'' میں کہا ہے۔

يَمْشِىْ مَعَ الْمِسْكِيْنِ وَالْاَ رْمِلَةِ     فِي حَاجَةٍ مِنْ غَيْرِ مَا أَنَفَةْ
يَرْدِفُ خَلْفَهُ عَلَى الْحِمَارِ     عَلَى أَكَافٍ غَيْرِ ذِي اسْتِكْبَارِ
يَمْشِي بِلَا نَعْلٍ وَلَا خُفٍ اِلَى     عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ حَوْلَهُ الْمَلَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مسکین اور بیوہ کی ضرورت پوری کرنے کیلئے کسی لیت ولعل کے بغیر ان کے ساتھ تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ اپنی سواری کے پیچھے کسی کو بٹھانے میں عار اور تکبر نہ فرماتے۔ اور نعلین اور جوتی کے بغیر مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔ لوگوں کا ان کے ارد گرد جمگھٹا ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر بعض دفعہ زین کے بغیر سوار ہو جایا کرتے تھے۔ خچر اور اونٹ

اور گدھا جو سواری کیلئے میسر آتا اس پر سوار ہو جایا کرتے تھے ان کی پشت پر کوئی کپڑا ہوتا یا نہ ہوتا کبھی پیدل ہوتے، کبھی جوتی پہنی ہوتی اور کبھی ننگے پاؤں ہوتے، کبھی چادر، عمامہ اور ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے اور بعض دفعہ ان کے بغیر ہوتے۔

پانچواں فائدہ: ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین، تکیہ، مسواک اور طہارت کیلئے پانی والے برتن کے ذمہ دار تھے۔ ان کو یہ ذمہ داری خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپرد فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اٹھتے تو ابن مسعود آپ کو نعلین پہناتے اور جب بیٹھ جاتے تو اس وقت آپ کی نعلین کو اپنے بازوؤں میں ڈال لیتے اور آپ کے کھڑے ہونے تک اسی طرح رکھتے۔ محمد بن یحییٰ نے جناب قاسم سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تو کھڑے رہتے۔ آپ کی نعلین آپ کے پاؤں سے اتارتے اور انہیں اپنے بازوؤں میں ڈال لیتے۔ پھر جب آپ اٹھتے تو آپ کو پہنا دیتے۔ پھر عصا لئے آپ کے آگے آگے ہو جاتے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارکہ میں داخل ہو جاتے۔ ایک جماعت نے جن میں ابن سعد بھی ہیں، ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین اور وضو کے برتن کے اٹھانے کے خادم تھے۔

چھٹا فائدہ: امام احمد نے زہد میں اور ابوالقاسم بن عساکر نے زیاد بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ نعلین کا کوئی حصہ پاؤں سے زیادہ اٹھا ہوا ہو۔

ساتواں فائدہ: ایک ضعیف خبر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے نعلین اور انگوٹھی کا حکم دیا گیا ہے۔

آٹھواں فائدہ: "وفا" میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مذکور ہے۔ فرماتی ہیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی صبح کا کھانا رات کیلئے اور رات کا کھانا صبح کیلئے اٹھا نہیں رکھتے تھے، نہ ہی آپ کے پاس کسی چیز کا جوڑا تھا۔ نہ ہی دو قمیص، دو چادریں اور دو تہبند تھے، نہ ہی نعلین کا جوڑا تھا" بعض ائمہ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور بعض حفاظ نے اس پر جزم کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک ایک طاق اور زیادہ طاق والی ہوتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موزوں کے چند جوڑے تھے بہت سے حضرات نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمعۃ المبارک کیلئے مخصوص دو کپڑے تھے، جمعۃ

المبارک ادا فرما لینے کے بعد انہیں دوسرے جمعہ تک کیلئے لپیٹ دیا کرتے تھے۔

نواں فائدہ: حضرت ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں روایت ہے۔ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نعلین تھی۔ جسے ''مُخصَّرۃ'' کہا جاتا تھا۔

دسواں فائدہ: طبرانی نے ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے نعل اپنے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اٹھائی ہوئی تھی۔

گیارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ''صاحب النعلین'' بھی ایک اسم ہے۔ انجیل میں آپ کی اسی وصف کے ساتھ تعریف کی گئی ہے۔ اس میں یہ نام بھی ہیں۔ صاحب المذرعۃ، صاحب العمامۃ، صاحب الہراوۃ، عمامہ کو تاج بھی کہتے ہیں۔ اور ہراوۃ کا معنی عصا ہے۔

بارہواں فائدہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابن سعد نے ایک روایت لکھی ہے۔ فرماتی ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے اور بیٹھ کر (دونوں حالتوں میں) نعلین پہنا کرتے تھے''۔ شائد آپ کا یہ عمل بیان جواز کیلئے ہو۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر نعلین پہننے سے منع فرمایا''۔

موزہ شریف: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں آیا ہے اور اسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔ امام ترمذی نے جناب شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں۔ دحیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے موزے ہدیہ کے طور پر بھیجے آپ نے وہ پہن لئے۔ طبرانی نے روایت کیا کہ دحیہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اون کا بنا ہوا جبہ اور موزے بطور ہدیہ بھیجے۔ آپ نے وہ موزے پہن لئے اور پھٹنے تک پہنے رہے۔ آپ نے ان کے بارے میں یہ نہ پوچھا کہ جس کھال کے یہ بنائے گئے وہ ذبح کئے گئے جانور کی تھی یا نہیں؟

ایک جماعت نے روایت کیا جن میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی بھی ہیں امام ترمذی نے اس روایت کو ''حسن'' کہا۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ بن الخصیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سیاہ رنگ کے موزے بطور ہدیہ بھیجے۔ جو ''سادج'' تھے۔ آپ نے وہ پہن لئے اور ان پر مسح فرمایا۔ ''سادج'' کے معنی میں عصام اور ابن حجر نے تین وجہیں بیان کیں۔ پہلا معنی یہ کہ ان پر کوئی نقش و نگار نہ تھا۔ دوسرا معنی یہ کہ وہ بالوں سے بالکل خالی تھے۔ تیسرا یہ کہ ان کا رنگ کسی دوسرے رنگ میں ملا ہوا نہ تھا۔ حافظ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ ان کا

سیاہ رنگ کسی دوسرے رنگ سے مخلوط نہ تھا۔ موزوں پر مسح کرنے کی روایت ایک قول کے مطابق اسی صحابہ کرام نے کی ہے۔ اوراس کی احادیث تمام کے نزدیک متواتر ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احناف نے کہا ہے۔ (علامہ کرخی رحمۃ اللہ علیہ) کہ اس کا انکار کرنا مجھے خطرہ ہے کہ کفر نہ ہو۔ یعنی موزوں پر مسح کا منکر خطرہ ہے کہ کافر نہ ہو جائے۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیزیں جو مجہول الاصل ہوں، وہ پاک ہیں اگر چہ وہ بال ہی کیوں نہ ہوں، جن کے بارے میں شک ہو کہ ان کا اصل ذبح کیا گیا یا نہیں۔ ہمارے مذہب شافیعہ کا اسی پر اعتماد ہے۔

طبرانی نے کبیر میں روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزے منگوائے تاکہ انہیں پہن لیں۔ آپ نے ابھی ایک موزہ ہی پہنا تھا کہ کوا آیا اور دوسرا موزہ اس نے اٹھالیا اسے جب پھینکا تو اس میں سے سانپ نکلا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو جھاڑے بغیر نہ پہنا کرے'' یہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے ہے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو بہت دور نکل جاتے آپ ایک دن قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے پھر فراغت کے بعد وضو فرمانے لگے پاؤں میں آپ نے ابھی ایک موزہ پہنا تھا کہ اتنے میں ایک سبز رنگ کا پرندہ آیا اور اس نے دوسرا موزہ اٹھالیا اوپر لے گیا پھر اسے نیچے گرایا تو اس سے ایک سیاہ رنگ کا زہریلا سانپ نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اکرم بنایا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو پیٹ کے بل زمین پر چلتی ہیں اور ان کے شر سے جو دو ٹانگوں سے زمین پر چلتی ہیں اور ان سے بھی جو چار ٹانگوں سے چلتی ہیں۔

**فائدہ:** بعض اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند موزے تھے ان میں سے چار جوڑے وہ تھے جو خیبر سے آپ کے ہاتھ لگے تھے۔ کتاب ''النور الزاھر الساطع فی سیرۃ ذی البرہان القاطع'' جو ابن فہد مکی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ میں دوٹوک لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نعلین اور آٹھ جوڑے موزے تھے۔

## تیسری فصل

امام مقریؒ نے اصل میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے بھی سیدھے راستہ کی رشد و ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں اولیں گروہ کے ساتھ سلسبیل و رحیق سے سیراب فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ

مغربی ائمہ کرام کی بہت بڑی جماعت جو قابل اقتداء ہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کی مثال کے ضبط کرنے میں انتہائی کوششیں فرمائیں۔ اور پھر ان سے عوام وخواص کی آنکھوں کو سکون وقرار بخشا۔ ان حضرات میں سے امام ابوبکر بن عربی، حافظ ابوالربیع بن سالم کلاعی، کاتب وحافظ ابوعبداللہ بن الأ بار والرحالۃ ابوعبداللہ بن رشید فہری، راویہ ابوعبداللہ محمد بن جابر وادیاشی، خطیب الخطباء ابوعبداللہ بن مرزوق، مفتی امام ابوعبداللہ محمد رصاع تیونسی، ولی صالح شہیر ابواسحاق ابراہیم بن الحاج سلمی اندلسی مربی ہیں۔ موخرالذکر سے ابن عساکر نے مثال نعلین شریفین حاصل کی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامی گرامی حضرات ہیں۔ جن کی تعداد بہت طویل ہے۔ ابوالحکم مالک بن مرحل، ابن ابی خصال وغیرہ پیشوایان امت اور آقایان ملت بھی ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والے کثیر تعداد میں مشرقی علماء بھی ہیں جن میں حافظ ابن عساکر، ان کے شاگرد بدر فارقی، حافظ عراقی ان کے صاحبزادے ولی عراقی اور شیخ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا۔

امام مقری کہتے ہیں کہ مجھے ایک جاہل اور گدھے کی مانند بیوقوف کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریفین کی دونوں مثالوں پر اعتراض کرتا ہے کہتا یہ ہے کہ تم لوگ تصاویر سے کیسے روکتے ہو جب خود تصاویر بناتے ہو؟ میں نے اس شخص کو کہا جس نے مجھے اس کی یہ خبر پہنچائی، جاؤ جا کر اس بیوقوف سے کہو کہ تم لوگ ان باتوں کے بارے میں خواہ مخواہ کیوں گفتگو کرتے ہو جن سے تم جاہل ہو۔ یہ مثال نعلین ان تصاویر میں شامل نہیں جن کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہمیں اپنے ارادے اور پروگرام کی تشریح کرنی چاہئے میں اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں مدد کا طالب ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں، جو عقول عطا کرنے والا ہے میں یہاں اس کتاب میں نعلین پاک کی ان دو مثالوں کو ذکر کروں گا جن کی صحت پر اعتماد کیا گیا پھر ان کے بعد چار عدد اور مثالیں ذکر کروں گا جن سے ان دو مثالوں کی تقویت مقصود نہیں، بلکہ محض تحقیق کی نشاندہی ہوگی میں اپنی بات کو شروع کرتے وقت درج ذیل شعر پڑھتا ہوں تا کہ وہ شخص جو مختلف مثالوں اور ان کی نوعیت کا انکار کرتا ہے اس کا دماغ بھی درست ہو جائے۔

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهٗ  هُوَالْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر ہمارے سامنے بار بار دھرا کیونکہ وہ ایسی خوشبو ہے جسے جتنا زیادہ کیا جائے اتنا ہی اس کی خوشبو بھڑکتی ہے۔ ایک اور شاعر کے قول سے میں ہر عقلمند کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جس کا شعر یہ ہے۔

اَيَا سَاكِنِي اَكْنَافِ طَيْبَةِ كُلُّكُمْ     اِلَى الْقَلْبِ مِنْ اَجَلِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبُ

اے مدینہ منورہ کے قرب وجوار کے باشندو! تم سب دل سے میرے محبوب ہو کیونکہ میرے محبوب حقیقی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں تشریف فرما ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نعلین کی مثال وصورت اس کے پہننے والے کی وجہ سے معزز ومکرم ہوتی ہے۔اس کی شان وشوکت اور قدر ومنزلت بھی اس کے مالک کی بہ نسبت ہوتی ہے۔رسول معظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں سے اس کی نسبت ہے۔

يَا مَنْ يَذْكُرُنِي حَدِيْثُ أَحِبَّةٍ     طَابَ الزَّمَانُ بِذِكْرِهِمْ وَ يَطِيْبُ

اَعِدَّ الْحَدِيْثُ عَلَى مِنْ جَنْبَانِهِ     اِنَّ الْحَدِيْثَ عَنِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبُ

اے وہ شخص! جو مجھ سے دوستوں کی باتیں کیا کرتا ہے اور محبوبوں کے ذکر سے وقت بہت اچھا گزرتا ہے اور بہت مزا آتا ہے۔دوستوں سے بچھڑے ہوئے کیلئے ذرا پھر سے ان کی باتیں دہرا۔ کیونکہ دوستوں اور محبوبوں کی باتیں بھی محبوب ہی ہوتی ہیں۔

اور نعلین شریفین کی تصویر کیا ہے یہی نا کہ وہ پاؤں کیلئے وسیلہ ہے۔کون سے پاؤں؟ وہ کہ جن کے وہ پاؤں ہیں جو اکمل الاوصاف سے مختص ہیں۔

وَمَا حُبُّ النِّعَالِ شَغَفْنَ قَلْبِي     وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ لَبِسَ النِّعَالَا

نعلین کی محبت نے میرے دل کو نہیں پھاڑا لیکن اس کی محبت نے پھاڑا جس نے نعلین پہنیں

لہٰذا وہ نعلین کس قدر قابل تعظیم واکرام ہیں، جنہوں نے مختار ومالک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں سے وابستہ ہو کر شرف پایا۔اور ایسے فضائل پائے جن کا بیان کرنا مشکل ہے اور ان نعلین کی مثال اور صورت جو حقیقی نعلین کی حکایت کرتی ہیں وہ بھی کس قدر رفیع الشان ہے۔زبان حال سے اس مثال نے عرض کیا۔

حَاكَاكَ بَدْرَالدُّجٰى لَمْ يَدْرِ مَنْ حَاكِي     شَتَّانَ مَابَيْنَ مُحْكٰى وَ مَنْ حَاكِي

تیری حکایت اے روشن چاند کسی نے بیان کی۔لیکن حکایت کرنے والا نہ جان سکا کہ جس کی حکایت کی جارہی ہے اور جو حکایت ہے ان میں کس قدر زیادہ فرق ہے۔

بالفرض اگر نعلین مبارک کی مثل اور تصویر کو کسی قسم کا شرف نہ ہوتا صرف یہی ہوتا کہ اس کی صورت اس نعلین سے ملتی ہے جسے اس ذات ستودہ صفات نے پہنا تھا جس کی بزرگی کی کوئی حد اور کوئی کنارہ نہیں جو اولاد آدم کے سردار ہیں۔اگلے پچھلے سب سے عمدہ اور اعلیٰ ہیں، اشرف ومکرم ہیں، تو اسی قدر

فضیلت اس کیلئے کافی تھی۔ اور مقصود کیلئے مکمل تھی۔ علاوہ ازیں وہ امراض کیلئے شافی اور بیماریوں کو دور کر دینے والی ہے۔ اس کے خواص ظاہر اور اس کے منافع واضح ہیں اس کا فضل بین اور سینوں پر اس کا رکھا جانا متعین ہے۔ شیخ علامہ ناصح، صالح شیخ ابو حفص عمر نا کہانی، سکندری مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مثال نعلین کو دیکھا۔ جس نے سینوں پر اپنا دامن پھیلا رکھتا تھا۔ تو مجنوں ولیلیٰ کے قول کی مثال دیتے ہوئے کہا۔

وَلَوْ قِيلَ لِلْمَجْنُونِ لَيْلٰى وَ وَصْلُهَا ‏ تُرِيْدُ اَمِ الدُّنْيَا وَ مَا فِي زَوَايَاهَا

لَقَالَ غُبَارٌ مِنْ تُرَابِ نِعَالِهَا ‏ اَحَبُّ اِلَى نَفْسِي وَ اَشْفَى لِبَلْوَاهَا

اگر مجنون سے پوچھا جائے، کہ کیا تو لیلیٰ اور اس کے وصل کو چاہتا ہے یا دنیا اور اس کے کونوں میں موجود سب کچھ چاہتا ہے تو وہ یقیناً کہے گا کہ لیلیٰ کی جوتیوں کی دھول مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور دل کی پریشانیوں کیلئے عمدہ شافی ہے۔

## المثال الاوّل

یہ مثال جناب ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، الفارقی، السیوطی، السخاوی اور تنائی وغیرہ شیوخ عظام کی معتمد ہے۔ اس کی روایت شیخ ابوالفضل بن البراء التونسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ ابن النخبہ انہوں نے فقیہ ابوزید عبدالرحمٰن بن عربی انہوں نے اپنے والد جناب حافظ الشہیر قاضی ابوبکر بن عربی اشبیلی اندلسی معاضری رحمۃ اللہ علیہ سے کی جو قاضی عیاض وغیرہ کے شیخ ہیں اور فاس محروسہ میں مدفون ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اس کی روایت شیخ فقیہ حافظ ابوالقاسم مکی بن عبدالسلام بن الحسن بن الرمیلی نے لفظاً سنائی۔ کہا کہ ہمیں جناب شیخ ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق بخاری الحافظ نے مصر میں لفظاً سنائی۔ فرمایا کہ مجھے محمد بن الحسین فارسی نے بتایا کہ میں نے اس نعل شریف کو اس نعل شریف کے نمونہ پر کاٹا اور تیار کیا جو محمد بن جعفر تمیمی کے پاس تھی اور ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے پاس موجود نعل شریف کو ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ کے پاس موجود نعل شریف کے نمونہ پر مکہ شریف میں تیار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جناب ابومحمد ابراہیم بن سہل الشیبی نے روایت سنائی کہ ہمیں ابویحییٰ بن ابی مسرۃ نے سنایا کہا کہ ہمیں ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ عن ابیہ عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی نے بتایا۔ فرمایا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ جس کی مثال اور نمونہ میں نے کاٹا اور بنایا۔ جناب اسماعیل بن ابی اویس کہتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے حکم دیا کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کی مثال کا نمونہ تیار کرو۔ اس کے دو نقطوں کے مقام پر دو تسمے تھے جناب اسماعیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کا جناب اسماعیل بن ابراہیم کے پاس ہونے کی یہ وجہ بنی جو ہمیں قابل وثوق حضرات نے بتائی۔ وہ یہ کہ آپ کی نعلین مبارک ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ پھر ان کی ہمشیرہ ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئی۔ جناب ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں تھیں۔ جب جنگ جمل میں شہید ہو گئے تو انہوں نے سیدہ ام کلثوم کیلئے اپنے پیچھے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کو چھوڑا۔ یہ جناب اسماعیل بن ابراہیم کے دادا بزرگوار ہیں، جن کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریف آئی اور اس کے آنے کا یہ طریقہ بنا۔

امام حافظ ابن عساکر نے اپنی تالیف میں اس سے متصل ایک سند ذکر کی جو امام صالح ابو اسحاق ابراہیم بن الحاج المربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المربی نے حرم پاک میں اپنے الفاظ سے یہ بیان کیا کہ مجھے ابوالقاسم القاسم بن محمد نے بارہا از روئے قرأۃ یہ بتایا اور میں نے نعلین کا یہ نمونہ اس نعلین کی مقدار پر اپنے ہاتھ سے کاٹا۔ جو ان کے پاس تھی۔ انہوں نے مجھے وہ عطا فرمائی اور کہا کہ ہمیں جناب ابو جعفر احمد بن علی الادریسی نے بارہا مجھے از روئے قرأۃ بتایا۔ میں نے نعلین کا یہ نمونہ ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق کاٹا اور بنا دیا۔ جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوالقاسم خلف بن بشکوال نے قرأۃ بتایا۔ میں نے نعلین کا یہ نمونہ ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق بنایا۔ جو انہوں نے مجھے عطا کی تھی۔ ہمیں حافظ ابوالقاسم مکی ابن عبدالسلام بن الحسن الرمیلی نے لفظاً بتایا اور میں نے ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق نعلین بنائی۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ہمیں شیخ ابو زکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق البخاری نے مصر میں بتایا۔ میں نے ان کے پاس موجود کی نقل بنائی۔ کہنے لگے کہ مجھے محمد بن الحسین الفارسی نے بتایا کہ میں نے یہ نعلین اس نعلین کے نمونہ پر بنائی ہے جو محمد بن جعفر التمیمی کے پاس تھی۔ انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے یہ نمونہ اس نعلین سے تیار کیا جو ابو سعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ کے پاس تھی اور مکہ میں یہ نمونہ تیار کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمیں ابو محمد ابراہیم بن سہل نے بتایا کہ ہمیں ابو یحییٰ بن ابی مسرۃ نے انہیں ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ نے انہوں نے اپنے والد ابو اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی نے بتایا۔ کہ میں نے نعلین کا یہ نمونہ اس نعلین کے مطابق بنایا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک اسماعیل بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ اسماعیل

بن ابی اویس کہتے ہیں مجھے میرے والد ابواویس نے حکم دیا کہ نعلین کے مطابق نعلین بناؤ۔ تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ پر نمونہ بنایا۔ جس کے دو نقطوں کی جگہ پر دو تسمے تھے۔ اس کے بعد ابن عساکر نے وہی حکایت بیان کی جو ہم پہلے جناب اسماعیل کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کیسے پہنچی'' الخ۔

ابن عساکر نے ابواسحاق بن الحاج اندلسی (جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم السلمی مرحوم نے اپنی زبانی بتایا کہ میں نے اسے اصل سے نقل کیا تھا۔ یا اس کی فرع سے جسے اصل کے ساتھ ملایا گیا اور اس کے خطوط و مثال ہو بہو بنائے گئے تھے۔ کہتے ہیں۔ مجھے ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ السبتی وغیرہ نے میرے پڑھ کر سنانے پر بتایا کہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن التجیبی نے کہا میں نے اسے اصل سے نقل کیا اور اس کا نمونہ بنایا جو تجیبی کے پاس تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ اسکندریہ میں ہمیں حافظ ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد نے ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ دمشق میں مجھے شیخ امین ابومحمد ھبۃ اللہ ابن احمد بن محمد الاکفانی نے ایک نمونۂ نعلین دکھایا۔ اور کہا کہ مجھے ابومحمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی نے ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ مجھے ایک نمونہ ابوطالب عبداللہ بن الحسن بن احمد العنبری نے دکھایا۔ اور ذکر کیا کہ ابوبکر محمد بن عدی بن علی المنقری نے انہیں ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ ابوعثمان سعید بن الحسن التستری نے انہیں ایک نمونہ دکھایا۔ پھر بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کا نمونہ ہے۔ اور یہ کہ احمد بن محمد فزاری نے اصفہان میں ایک نمونہ دکھایا اور اس کی روایت بیان کی۔ جناب محمد بن عدی المنقری نے کہا ہمیں سعید بن الحسن التستری نے ''تستر'' میں بتایا۔ کہ احمد بن محمد فزاری نے کہا کہ ابواسحاق ابراہیم بن الحسین نے بتایا کہ جناب ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس جن کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن عامر الاصبحی القریشی التیمی ہے۔ اور جو جناب امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کہ جس کا میں نے نمونہ اور تمثال بنائی وہ جناب اسماعیل کے پاس تھی۔ یعنی ابن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ جناب اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد جناب ابواویس نے حکم دیا کہ تم جوتی بناؤ تو میں نے اس نعل کی طرح کی نعل ان کی موجودگی میں بنائی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کی مانند تھی۔ دونوں بالکل ایک جیسی تھیں اس میں دو تسمے تھے۔ امام مالک بن انس کے بھانجے سے مراد اسماعیل بن ابی اویس ہے۔ اور ان کی نسبت قریشی اور تیمی جو بیان ہوئی وہ باعتبار ''ولاء'' کے ہے جس کی گئی

حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔

ابن البراء نے اپنی سند کے ساتھ ابن عربی کے حوالہ سے لکھا کہ ابن عربی کہتے ہیں کہ ہمیں قاضی ابوالمطہر نے بتایا۔ انہوں نے کہا ہمیں حافظ ابونعیم نے انہیں ابن ابی الخلدۃ نے انہیں حارث بن ابی اسامۃ نے انہیں سہل نے انہیں ابن عون نے بتایا کہا کہ مدینہ منورہ میں ایک موچی کے پاس میں گیا اسے میں نے کہا۔ مجھے نعل تیار کردو۔ کہنے لگا اگر تم چاہتے ہو کہ فلاں نعل کی طرح بنادوں تو ویسی بنا دیتا ہوں اور اگر چاہتے ہو کہ ویسی بناؤں جیسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک تھی تو ویسی بھی بنا سکتا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل دیکھی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تم نے کہاں دیکھی؟ کہنے لگا میں نے فاطمہ بن عبداللہ بن العباس کے گھر دیکھی ہے۔ میں نے اسے کہا۔ ٹھیک اسی جیسی بنا دو جیسی تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک دیکھی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس نے میرے لئے نعل بنائی جس کے دو تسمے تھے۔ میں جب لینے گیا تو اسے محمد بن سیرین نے لے لیا۔

ابن البراء ہی کہتے ہیں کہ جناب ابن عربی بیان کرتے ہیں۔ ہمیں ابوالقاسم مکی ابن عبدالسلام نے مسجد اقصیٰ میں بتایا کہ ہمیں ابوزکریا بخاری نے محمد بن حسین فارسی سے انہوں نے محمد بن جعفر تمیمی سے انہوں نے ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ سے انہوں نے ابومحمد ابراہیم بن سہل شیبی سے انہوں نے ابویحییٰ بن ابی مسرۃ سے انہوں نے ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی سے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مقدار اتنی تھی اس کی صفت یہ تھی۔ ان کے پاس آپ کی نعل پاک ان کے دادا عبدالرحمٰن کے ذریعہ پہنچی تھی۔ اور جناب عبدالرحمٰن کو سیدہ عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ ام کلثوم سے ملی تھی۔ جن کے خاوند جناب طلحہ بن عبیداللہ کے انتقال کے بعد ان کے ہاتھ آئی تھی۔ بعض نے کہا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے پاس آئی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ روایت حدیث مالک سے غریب ہے میں نے اسے اسی طریقہ سے روایت کیا ہے۔

امام مقری کہتے ہیں کہ ان ائمہ کرام کا چونکہ اس نمونہ نعل پر اعتماد تھا اس لئے میں نے اسے دوسرے نمونوں پر مقدم رکھا۔ ان حضرات نے نعل مبارک کی طول وعرض میں حدبندی نہیں کی۔ یعنی یہ بیان نہیں کیا کہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کتنی تھی۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اس لئے کہ سب نے اس کا مشاہدہ کیا اور ہاتھوں ہاتھ ایک دوسرے کو عطا کرتے رہے۔ کیونکہ ہر ایک نے جب نمونہ بنایا تو

نمونہ بناتے وقت لمبائی چوڑائی برابر رکھی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ثقہ لوگوں کے نزدیک باوجود مختلف نمونوں کے ان میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی تبدیلی ہوئی کیونکہ ایک امین سے دوسرے امین تک پھر تیسرے اور چوتھے تک منتقل ہوتی رہی۔ ان تمام نمونہ جات کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ایک عادل نے دوسرے عادل سے کی۔ جس کی بناء پر قابل اعتماد وثوق ہے۔

اگر تم اعتراض کرو کہ جب نعل مبارک کا نمونہ "مشاہدہ" سے حاصل نہیں کیا گیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کو دیکھ کر اس کے برابر لمبی چوڑی اور کیفیت والی "مثل" بنائی نہیں گئی تو اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کا طول وعرض پیش نظر نہیں تھا۔ لہٰذا نمونہ بنانے والوں کو کیسے یقین ہو گیا۔ کہ جو ہم نے نمونہ تیار کیا ہے وہ اس کے موافق ہے جس کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے اور اس میں کونسی رکاوٹ ہے کہ ناقل نے اسے تبدیل کر دیا ہو جبکہ ناقل غیر مأمون ہو لہٰذا جب یہ احتمال موجود ہے تو استدلال ساقط ہو جائیگا؟

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہمارا اعتماد اس بارے میں ثقہ اور مضبوط لوگوں پر ہے۔ اس لئے کہ ہم نے اسے ان لوگوں کے خط سے نقل کیا ہے جو باوثوق علماء ہیں جن کے ساتھ ہمارا سلسلہ اسناد ملتا ہے۔ اور ان کی تحریری اجازت ہمارے پاس موجود ہے اور اس بارے میں تمام شرائط کی پابندی کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کے اس نمونہ پر نمونہ بنایا۔ جو ان کی تحریرات معروضہ کے ذریعہ ثابت ہوا اور انہوں نے اس شخص کو اس کی اجازت دی جس نے انہیں پڑھ کر سنایا۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر احتمال کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

اور یہ بھی بات قابل اطمینان ہے کہ یہ نمونہ ہم تک دیگر نامور شیوخ کے ذریعہ بھی پہنچا۔ ان میں سے ایک شخصیت حافظ دمیمی اور دوسری علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے۔ ہم نے ان دونوں حضرات کی تحریر اور خط ابن عساکر کے نمونہ پر ایک معتمد نسخہ میں لکھی دیکھی۔ جسے اکابر کی ایک جماعت نے پڑھا۔ اور میں نے انہیں پڑھ کر سنایا۔ ہم اس خط کو اپنے مقصد کی تکمیل اور منکر کی تردید کیلئے لکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ میں نے امام سخاوی کا خط اور ان کی تحریر ابن عساکر کی مثل کے ایک حصہ پر جو لکھی دیکھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (النمل:30)۔ يَقُوْلُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّخَاوِى اَخْبَرَنِىْ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ اَبُوالْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ الشَّرَفِ الْاَزْهَرِى بِقِرَاءَتِىْ قَالَ اَنْبَأَنَا

الجَمَالُ اَبُو المُعَالِي عَبْدُاللّٰهِ بنُ عُمَرَ بنِ عَلِيِّ الْحَلَاوِيِ الْاَزْهَرِی۔اھ

اس کے آخر میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل کاتب کے خط سے شیخ حلاوی کی روایت لکھی۔ جو بدر فارقی عن ابی الیمن بن عساکر الی آخر الجمیع تک ہے۔

امام موصوف کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ میری سند کا فارقی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہونے کا معاملہ وہ باب اول میں بطریقہ خطیب بن مرزوق گزر چکا ہے جب انہوں نے روایت کی۔ جیسا کہ ان کے سفرنامہ میں ہے۔ یہ نعل مبارک کا نمونہ فاروقی سے اس کے مؤلف ابن عساکر کو ملا۔

رہے امام سخاوی تو مجھے میرے چچا جناب شیخ سعید المقری نے مفتی ابوالحسن علی بن ہارون سے انہوں نے امام ابن غازی سے انہوں نے حافظ سخاوی سے اجازۃً یہ بات پہنچائی۔

اس تالیف کے آخر میں ثابت ہے جس پر امام سخاوی کا خط ہے اور حافظ دیمی کی بھی تحریر ہے۔ یہ خط اور تحریر اس تالیف کے کاتب کے ہاتھ سے لکھے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

تَمَّ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهٖ وَ حُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ عَلٰى يَدِ كَاتِبِهٖ لِنَفْسِهٖ وَلِمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ بَعْدِهٖ الْعَبْدِ الضَّعِيْفُ فَتْحُ اللّٰهِ بنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بنِ اَبِى بَكْرِ بْنِ اَحْمَدِ حَسَنِ الْمَنْفَلُوْطِى الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْفَرْجُوْطِىْ الْحَنَفِى عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهِ الْخَفِىْ غَفَرَ ذُنُوْبَهٗ وَ سَتَرَعُيُوْبَهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة وَ وَالِدَيْهِ وَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسْلِمًا وَ مَحْسَبِلًا وَ مُحَوْقِلًا بِتَارِيْخِ يَوْمِ الْخَمِيْسِ آخِرِ النَّهَارِ رَابِعُ شَهْرِ اللّٰهِ الْاَصَمِ الْاَصَب رَجَب مِنْ شُهُوْرِ سَنَةَ اِحْدٰى وَ تِسْعِيْنَ وَ ثَمَا نِمَائَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ وَالتَّحِيَّةِ وَالْاِكْرَامِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ وَ تَابِعِيْهِمِ بِاُحْسَانٍ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ۔اھ

اس کے بعد امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا خط ان الفاظ سے ثبت کیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ قَرَأَ عَلَيَّ صَاحِبُه وَ كَاتِبُهُ الشَّيْخُ الفَاضِلُ الْمُجِدُّ الْمُحَصِّلُ الْمُفِيْدُ زَيْنُ الدِيْنِ اَبُو الْفَتْحِ فَتَحَ اللّٰهُ الْمَذْكُوْرَ اَعْلَاهُ نَفَعَهُ اللّٰهُ وَ نَفَعَ بِهٖ بِسَنِدِى فِيْهِ اَوَّلَهُ فَسَمِعَهُ الشَّيْخُ الْفَاضِلُ الْبَارِعُ الْاَوْحَدُ مُفِيْدُ الطَّالِبِيْنَ بَرَكَتُ الْمُسْتَفِيْدِيْنَ صَلَاحُ الدِّيْنَ مُحَمَّدُ بْنُ سَيِّدِنَا وَ حَبِيْبِنَا العَالِمِ شَيْخِ الْمُحَدِّثِيْنَ مُفْتِى الْمُسْلِمِيْنَ بَرَكَةِ الطَّالِبِيْنَ الْفَخْرِى اَبِى عَمْرِو عُثْمَانَ الدِّيْمِى الشَّافِعِىْ وَالشَّيْخُ الْمُتْقِنُ النَّاظِمُ النَّاثِرُ مُحى الدِّيْنَ عَبْدُالْقَادِرِ الْقُرْشِىْ وَ ذَالِكَ فِىْ يَوْمِ السَّبْتِ سَادِسُ شَهْرِ رَجَبِ الْمُذْكُوْرِ بِمَنْزِلِىْ وَ

اَجَزْتُ لَهُمْ رِوَايَتَهٗ وَ سَائِرَ مَرْوِيَاتِيْ وَ مُؤَلَّفَاتِيْ قَالَهٗ وَ كَتَبَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّخَاوِي خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِخَيْرٍ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔اھ

اس کے بعد اصل کے کاتب اور مجاز کی تحریر ان الفاظ سے درج ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَأَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ فَتْحُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ حَسَنِ الْمَنْفَلُوْطِيَ الْمَعْرُوْفُ بِابْنِ الْفَرْجُوْطِيِ الْحَنَفِي عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهِ الْخَفِيِّ وَ غَفَرَ ذُنُوْبَهٗ وَ سَتَرَ عُيُوْبَهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ آمِيْنَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا الشَّيْخِ الْإِمَامِ الْعَالِمِ الْعَامِلِ الْعَلَّامَةِ الْبَحْرِ الْحِبْرِ الْفَهَّامَةِ حَافِظِ الْعَصْرِ اَبِيْ عَمْرٍو عُثْمَانَ الدَّيْمِي الشَّافِعِيِّ عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهٖ وَالْمُسْلِمِيْنَ آمِيْنَ جَمِيْعَ تِمْثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ الْإِمَامَ الْاَصِيْلُ الْمُسْنِدُ الْمُفِيْدُ اَمِيْنُ الدِّيْنِ اَبِي الْيَمَنِ عَبْدُالصَّمَدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ عَبْدِالْوَهَّابِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَسَاكِرَ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَوْدًا عَلٰى بَدْءٍ۔

میں (امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) کتاب فتح المتعال فی وصف النعال اور امام مقریؒ مذکور کی بقیہ تمام تالیفات اسی سند اور اس کے علاوہ دوسری اسناد سے روایت کرتا ہوں۔ دوسری اسناد کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں اور میں ہر اس شخص کو اجازت دیتا ہوں جو میری اس کتاب ''جواہر البحار'' پر مطلع ہو اور اجازت قبول کرتا ہو کہ وہ میری طرف سے اس کی روایت کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ میری تمام تالیفات وتصنیفات اور مرویات کی روایت کی بھی اجازت ہے، جن میں امام مقریؒ کی تمام مؤلفات بھی شامل ہیں اور ان میں سے ہی ایک کتاب فتح المتعال المذکور بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی جو مثالیں اور نمونہ جات اس کتاب میں مذکور ہیں۔ ان کی بھی اجازت ہے۔

ہم واپس امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ تم نے گزشتہ اوراق میں بہت سے مشائخ کرام جیسا کہ ابن عربی ہیں اور ان سے پہلے کے مشائخ ہیں ان کا تذکرہ کیا۔ لیکن ان کے تذکرہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انہوں نے کاغذ پر نعل مبارک کا نمونہ بنایا۔ جیسا کہ تم نے کیا ہے۔ ان حضرات نے تو نعل مبارک کا نمونہ نعل کی شکل میں بنایا۔ لیکن تمہارا مدعیٰ یہ نہیں؟

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جب نعل پر رکھ کر نعل کاٹی گئی۔ پھر مثال نعل کو کاغذ پر بنایا گیا جو لمبائی چوڑائی میں ہو بہو تھی۔ یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔ جیسا کہ اس پر امام عراقی کا کلام دلالت کرتا ہے اور یہ بھی بات پیش نظر ہے کہ نعل مبارک کا نمونہ خواہ چمڑے کا بنا ہوا ہو یا کاغذ پر ان میں فرق تو کوئی نہیں ہوتا ہم نے کاغذ پر نعل مبارک کے کئی نمونہ جات دیکھے ہیں۔ جو چمڑے کی نعل پر لگا کر کاٹا جاتا ہے۔ جس طرح چمڑے کی بنی نعل کاغذ پر رکھ کر کاغذ پر نمونہ بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جس پر ان ائمہ اور علماء کی اکثریت کا اعتماد ہے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں اور خبر بھلا آنکھوں دیکھے واقعہ کے کب برابر ہو سکتی ہے۔

اگر ہم اعتراض کو تھوڑی دیر کیلئے تسلیم بھی کر لیں تو ہم اپنے موقف کی دلیل میں ابن عساکر، ابن مرزوق، سخاوی، سیوطی اور دیمی وغیرہم حضرات جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے انہیں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات نے ابن عساکر کی مثال کی روایت کی۔ علاوہ ازیں جب ابن عساکر نے ابن عربی کی اسناد کا تذکرہ کیا تو ان کے بعد نمونہ کا نمونہ لکھا۔ یہ بات ہمارے مذکورہ موقف پر دلالت کرتی ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تم نے ابن عساکر کی کیوں مخالفت کی۔ ان حضرات نے صرف ایک مثال اور نمونہ پر اقتصار کیا اور تم نے ایک نہیں بلکہ چند (چھ) نمونہ جات ذکر کر دیئے۔ حالانکہ ان حضرات کی اتباع مطلوب ہے؟

میں جواب میں کہوں گا کہ ہم نے جب حافظ الاسلام زین الملۃ والدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ کہ انہوں نے اپنے منظوم ''الفیہ'' میں ایک مثال پر اعتماد کیا۔ لیکن اس کے اور اس کے درمیان کچھ مخالفت نظر آئی۔ ہم نے ان کی اقتداء میں یہ مثال ذکر کی ہے۔ کیونکہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ وہ امام ہیں جن کی فن حدیث میں امامت تسلیم کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ آپ آٹھویں صدی کے مجدد ہیں، جیسا کہ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا۔

اگر کوئی اعتراض کرے۔ کہ چلو ہم نے تسلیم کر لیا کہ ان دونوں نمونہ جات کا تعلق مشہور علماء کرام سے ہے، جن کی کسی طور مخالفت اچھی نہیں لیکن ان دونوں پر ہی اکتفا کیا جاتا تم نے ان کے علاوہ چار اور نمونہ جات بھی درج کئے کیوں؟

میں کہوں گا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ آخری چار نمونہ جات جو ہم نے دو نمونہ جات کے بعد درج کئے وہ ان دو کی قوت میں اضافہ نہیں کرتے اگر چہ ان میں سے بعض کے ناقل وقت کے امام ہوئے ہیں۔ اور ہم نے اشارہ کر دیا تھا کہ یہ کام ہم نے احتیاط برتتے ہوئے کیا ہے اور احتیاطاً ایسا کرنا

کوئی نقصان دہ نہیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ آئندہ ذکر ہونے والے منافع اور خواص کیا صرف پہلی دو مثالوں سے تعلق رکھتے ہیں یا عام ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ ہم نے تمام نمونہ جات کے بالمشاہدہ منافع دیکھے ہیں۔ ثقہ حضرات نے ہمیں ان کی خبریں بھی دیں۔ یہ سب کچھ صاحب نعل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے۔ کیونکہ مقصود بالذات آپ کی ذات مقدسہ ہے۔ علاوہ ازیں ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نعل مبارک کے جس نمونہ کی حکایت بکثرت ہے اسے عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے وہ نمونہ جات ذکر کردیئے جن کی صحت ہم تک پہنچی۔ اور ان کا علم ہم تک آیا۔ ہم نے ان میں سے کوئی نمونہ خود نہیں گھڑا۔ ہم نے ان میں ائمہ دین کی اقتداء کی ہے اللہ ہماری نیات پر مطلع ہے۔ ہمارا صرف یہ مقصد ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کی جائے۔ اور دوسرا مقصد یہ کہ نعل مبارک کے تمام نمونہ جات یکجا جمع ہو جائیں۔ کیونکہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہ دیکھا جس نے ایک جگہ انہیں جمع کیا ہو۔ تمام تعریفیں اور احسانات اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہیں۔ ہم نے اپنی انتہائی کوشش کر ڈالی۔ اس موضوع پر بہت سی تصانیف وتالیفات ہیں۔ ہم کو جو مل سکا اسے ہم نے نقل کر دیا اور جس تک ہماری رسائی نہ ہو سکی اس کے ذکر نہ کرنے سے معذور ہیں۔ ہمارے پیش نظر علامہ السبتی اور ابن عساکر کی تالیفات تھیں۔ یہ دونوں بہت چھوٹی ضخامت کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے قصد جمیل سے نفع بخشے۔ ہمیں اور ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجاہ ہماری امیدوں تک پہنچا دے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ (آل عمران)۔

اس گفتگو کے بعد امام مقری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ چھ نمونہ جات میں سے یہ پہلا نمونہ ہے جنہیں مصور نے کاغذ پر بنایا تھا اس کے بعد مثال ثانی کے عنوان کو شروع کیا۔

## المثال الثانی

یہ نمونہ اور مثال حافظ الاسلام، خادم سنت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صاحب معارف کاملہ اور احوال، ایک قول کے مطابق مجدد دین، الشیخ، الامام زین الدین عبدالرحیم العراقی الشافعی صاحب تالیفات کثیرہ ومناھج السد یدہ رحمۃ اللہ علیہ کی معتمد ہے۔ آپ کی سند ہم تک بہت سے طریقوں سے متصل ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو موصوف کے پوتے ابن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ہے۔ مثال نعلین کی مذکورہ صفات جو موصوف کے ہاں معتبر ہیں۔ وہ ان کی تالیف ''الفیہ'' میں موجود

ہیں۔ جو نظم میں سیرت نبویہ پر تحریر کیا گیا اور اس کے قابل اعتماد نسخہ میں ہیں۔ اس منظوم تالیف میں موصوف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض احوال معظمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے موصوف نے نعل مبارک کے بارے میں بھی کچھ تعریفی اشعار کہے ہیں۔ جن میں نعلین مبارک کا طول وعرض زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پاؤں مبارک میں پہن کر انہیں اعزاز بخشنا مذکور ہے۔

مُحَمَّدُنِ الْمُصْطَفٰى الْهَادِي اِلَى السُّبُلِ ذُوالْمُعْجِزَاتِ اِمَامُ الْخَلْقِ وَالرُّسُلِ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مِنْ بَدْوٍ وَ مِنْ حَضَرٍ وَاَكْرِمِ النَّاسِ مِنْ حَافٍ وَّ مُنْتَعِلٍ

جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے راستوں کی راہنمائی فرمانے والے، صاحب معجزات، تمام کائنات کے امام اور رسولوں کے پیشوا ہیں۔ دیہاتی اور شہری تمام لوگوں سے بہتر اور ننگے پاؤں اور جوتیاں پہننے والے تمام انسانوں سے بڑھ کر مکرم ومعزز ہیں۔

موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے نعل مبارک کا جو طول وعرض بیان کیا۔ اسے شیخ امام حافظ علقمی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر پر اپنے لکھے گئے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے لکھا۔ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگلیاں تھی اور ایڑی سے متصل حصہ کا عرض سات انگلیوں کے برابر، قدم کے درمیان سے پانچ انگلیاں اور اس سے اوپر کا حصہ چھ انگلیاں چوڑا تھا اور نعل پاک کا سر محدد تھا اور دونوں تسموں کے درمیان دو انگل برابر چوڑائی تھی۔ اھ

یہی بعینہٖ طول وعرض صاحب الفیہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ اور یہ انہوں نے بطور نص بیان کیا ہے۔ اسے مسلم رکھا اور تمہارے لئے اس قدر کافی ہے اگرچہ بعض حفاظ نے کہا "کہ میں نے اس طول وعرض پر کسی اور کو نہ پایا۔ یہ صرف علامہ عراقی نے بیان کیا ہے" تمہارے لئے یہ حجت ہے۔ کیونکہ علامہ عراقی کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ مصر وشام کا اعلیٰ حافظ انہی کو کہا گیا ہے۔

اِذَا قَالَتْ حَذَامِ فَصَدِّقُوْهَا فَاِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامِ

جب حذام (ایک عورت کا نام ہے جو بہت تیز نظر تھی) کوئی بات کہتی ہو تو اسے سچا سمجھو۔ کیونکہ بات وہی ہے جو حذام نے کہی ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صاحب "سبل الہدیٰ والرشاد" نے بھی مذکورہ طول وعرض ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ذکر کے ساتھ کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ اسے مسلم رکھا اور تمہارے لئے صاحب سبیل الہدیٰ کی وافر اطلاع اور علامہ عراقی کا الفیہ میں درج ذیل اشعار کہنا بطور دلیل کافی ہے۔

وَنَعْلُهُ الْكَرِيْمَةُ الْمَصُوْنَةُ طُوْبٰى لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِيْنَهُ
لَهَا قِبَا لَانِ بَسِيْرٍ وَ هُمَا سَبْتِيَّتَانِ سَبْتُوْا شَعْرِ هِمَا
وَ طُوْلُهَا شِبْرٌ وَ اَصْبَعَانِ . وَ عَرْضُهَا مِمَّا يَلِي الْكَعْبَانِ
سَبْعُ اَصَابِعَ وَ بَطْنُ الْقَدَمِ خَمْسٌ وَفَوْقَ ذَا فَسِتٌّ فَاعْلَمِ
وَرَأْسُهَا مُحَدَّدٌ وَ عَرْضُ مَا بَيْنَ الْقَبَالَيْنِ اَصْبَعَانِ اِضْبِطْهُمَا
وَهٰذِهِ تِمْثَالُ تِلْكَ النَّعْلِ وَ دُوْرُهَا اَكْرِمْ بِهَا مِنْ نَعْلِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت نعل مبارک کو جس نے اپنے ماتھے سے لگایا وہ بڑا خوش بخت ہے آپ کی نعل پاک کے دو تسمے تھے اور دونوں نعل مبارک بالوں سے خالی تھیں۔ لمبائی ایک بالشت اور دو انگلیوں برابر تھی۔ اور ٹخنوں سے متصل نعل پاک کی چوڑائی سات انگلیاں تھیں۔ اور قدم کے درمیان سے پانچ انگلیاں اور اس سے اوپر چھ انگلیاں چوڑائی تھی۔ اس کا سر محدد تھا۔ اور دونوں تسموں کے درمیان دو انگلیوں کی چوڑائی تھی یہ نمونہ اور تمثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل کی طرح قابل احترام واکرام ہے۔

اس کے بعد علامہ مقری نے فرمایا کہ یہ صفت اس نمونہ نعل کی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے اس کے قابل اعتبار ہونے کی دلیل یہی ''الفیہ'' ہے جس کے قابل وثوق نسخہ میں جہاں یہ الفاظ کہے گئے۔ ''وھذہ تمثال تلک النعل'' ان کے بعد فتح المتعال میں امام مقری نے اس نمونہ کی نقل ایک ورق پر نقش کی۔ اس کے بعد تحریر فرمایا ''ھذان المثالان ھما المعتمدان'' یہ دونوں نمونہ جات قابل اعتماد ہیں۔ اور لکھا کہ ان دونوں پر اقتصار ہر عقلمند کیلئے کافی شافی ہے۔ لیکن ان دو کے علاوہ میں نے چار اور نمونہ جات بھی دیکھے۔ جن کی تعظیم اور جن کا فائدہ بہر حال ہے میں نے احتیاطاً ان کو بھی درج کر دیا اور تبرک واغتباط کی خاطر ان کا تذکرہ بھی کر دیا۔

## المثال الثالث

میں نے یہ نمونہ متقدمین میں سے بعض اکابر علماء کی تحریر سے لیا ہے جو مغرب کے رہنے والے تھے۔ اور قابل اعتماد تھے انہوں نے اس نمونہ کے درمیان یہ الفاظ لکھے تھے۔ ''ھذہ صورۃ نعل نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' یعنی یہ نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے۔ اس کے نیچے لکھا کہ مجھے شیخ فقیہ ابو عبداللہ بن سلمۃ نے شعر سنائے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ شعر جناب کلائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنائے تھے۔ شعر یہ ہیں۔

يَا نَاظِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ  قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَكَبِّرًا
وَاعْكِفْ بِهٖ فَطَالَمَا عَكِفَتْ بِهٖ  قَدَمُ النَّبِيِّ مُرَوَّحًا وَ مُبَكِّرًا

اے دیکھنے والے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کو چوم لے۔ متکبر نہ بن۔ اس پر از روئے ادب جھک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم صبح وشام ان کو پہن کر انہیں سرفراز فرماتے رہے۔

اس کے علاوہ دیگر اشعار بھی اس بارے میں موجود ہیں۔ ان کا ناظم (یعنی یہ شعر) ابن سعد خیر کے ہیں۔ علامہ کلاعی کے اپنے کہے اور بنائے گئے نہیں۔

## المثال الرابع

امام مقری کہتے ہیں میں نے مغرب (افریقی ممالک) میں یہ نمونہ دیکھا۔ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ سب کے نزدیک یہ نمونہ مقبول تھا اور اس کے منافع کا میں نے مشاہدہ بھی کیا۔ دعاء کی قبولیت (اس کے وسیلہ سے) مجرب تھی۔ ان شہروں کے باشندوں کے نزدیک نہایت معظم تھا۔ ان کی امیدیں اور تمنائیں اس کے وسیلہ سے برآتیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنی تالیف اس سے خالی نہ رکھوں۔ اگر چہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس امام سے نقل کیا گیا ہے۔

## المثال الخامس

یہ نمونہ بھی میں نے مغرب سے نقل کیا۔ مجھے مغربی ممالک کے حکمرانوں کے خزانے سے دستیاب ہوا۔ یہ ان کے نفیس ترین خزانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف انہیں مدد بخشی۔ اللہ تعالیٰ جنگوں میں ان کی حمایت کرے، اور دین ودنیا کی صلاح میں ان کی اعانت فرمائے۔ انہیں ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلائے۔ میں نے اس نمونہ کی برکات کا خود مشاہدہ کیا جب ہم سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ قریب تھا کہ سمندری موجیں ہمیں غرق کر دیتیں لیکن اس نمونہ نعل کی برکت سے ہم محفوظ رہے۔

## المثال السادس

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ نمونہ ایسے شخص سے نقل کیا جو باوثوق اور صاحب درایت شخص تھا۔ اس کی روایت پر اعتماد تھا۔ صاحب صلاح وخیر تھا۔ ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ پر گامزن تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ میں نے یہ نمونہ ایک صالح شخص کی تحریر سے حاصل کیا ہے۔ جو لوگوں کا پیشوا تھا۔ لوگ اس سے ادب سیکھتے تھے۔ اور اس کے آداب میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ شخص مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کو مزید شرف وکرامت، عظمت وعزت عطا

فرمائے۔ذکر کیا گیا کہ یہ مثال ان کے ہاں متداول تھی۔لوگوں میں اس کا چرچا تھا۔وہ اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اسے سبھی جانتے تھے۔

یہ اور بات ہے کہ اس نمونہ اور سابقہ نمونہ جات کے درمیان معمولی سافرق ہے۔شائد یہ ایک ہی ہوں گے لیکن کسی غیر محتاط ناقل کے نقل کرتے وقت معمولی سی تبدیلی ہوگئی ہوگی۔یہ بھی قول کیا جاتا ہے کہ نمونہ ہو بہو نہیں بلکہ بہت حد تک ملتے جلتے ہوتے ہیں۔اس قول کے مطابق معمولی سافرق کوئی عیب نہیں شمار کیا جاتا۔تجربہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نعل مبارک کے نمونہ کے جو خواص آگے ہم ذکر کریں گے۔وہ ان تمام نمونہ جات میں مکمل یا اکثر پائے جاتے ہیں۔ہم نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔اور ''خبر'' دیکھی بھالی بات کے برابر نہیں ہوتی۔پھر علامہ مقری لکھتے ہیں۔مختصر یہ کہ ہم نے اپنی طاقت و بساط کے مطابق کوشش کی۔اور ہم ایسا مضمون لکھنے میں کامیاب ہوگئے۔جس میں ایسا اختلاف نہیں جو دور نہ کیا جاسکتا ہو اس کے بعد علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ کے چھ نمونہ جات درج فرمائے۔اور ہر ایک نمونہ ایک الگ ورق پر بنایا۔لیکن میں (علامہ بہانی) نے ان میں سے صرف پہلے نمونہ پر اقتصار واختصار کیا۔یہی معتمد ہے اور حفاظ حدیث سے یہی مروی ہے۔اس کی اسانید بھی متصل ہیں۔میں نے اسے مستقل ورق پر طبع کرایا اور اس کتاب کے ساتھ منسلک کردیا ہے۔

## چوتھی فصل

مصنف علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فتح المتعال'' کے تیسرے باب میں بہت سے قطعہ جات نقل فرمائے۔کثیر تعداد میں قصیدہ جات ذکر کئے، جو نعل شریف کی تعریف وتوصیف میں مختلف شعراء نے کہے تھے۔انہیں حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ان کی تعداد بہت ہے، لیکن میں (نبہانی) نے ان میں سے اپنی پسند کے مطابق بہت کم ذکر کئے۔موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔باب اول میں جو میں نے اپنی سند ذکر کی ہے۔جو ابن عساکر تک پہنچتی ہے۔فرمایا کہ ہمیں ابواسحاق ابراہیم بن محمد اندلسی نے اپنے الفاظ سے روایت کی کہ مجھے محمد بن عبداللہ قرطبی نے ''سبتۃ'' میں اور ابو زکریا یحییٰ بن ابی بکر عبدری نے ''تلمسان'' میں بتایا کہ ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی نے انہیں ابو محمد عبداللہ بن محمد بن خلف بن سعادۃ دانی مقری نے اسکندریہ میں اپنی زبانی سنایا کہ مجھے ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سعد الخیر البلانسی نے اپنی زبان سے یہ شعر سنائے۔

يَا مُبْصِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهِ ... قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَكَبِّرًا
وَاعْكِفْ بِهِ فَطَا لَمَا عَكِفَتْ بِهِ ... قَدَمُ النَّبِيِّ مُرَوَّحًا وَ مُبَكِّرًا

B

أَوَ مَا تَرٰى اِنَّ الْمُحِبَّ مُقْبِلٌ     طَلَلًا وَاِنْ لَمْ يَلْفَ فِيْهِ مُخْبِرًا

اے صاحب نظر! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کو چوم لے۔ متکبر نہ بن۔ اور اس پر جھک جا کیونکہ عرصہ دراز تک ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک صبح وشام رونق افروز رہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ دوست بلند جگہ سے آرہا ہے اگرچہ اس میں خبر دینے والا چھپا ہوا نہیں ہے۔

ابن عساکر نے کہا کہ مجھے ابواسحاق اندلسی نے ہی بتایا کہ میں نے شیخ ادیب، رونق محفل ابوامیہ اسماعیل بن سعد السعود بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ابوالحسن بن سعد الخیر مذکور کے اشعار مذکورہ کی تذییل کہی جائے (یعنی ان کے وزن اور قافیہ پر مزید شعر کہو) تو انہوں نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے مقام اشبیلیہ میں ۶۳۴ھ میں درج ذیل اشعار مجھے سنائے۔

وَلَرُبَّمَا ذَكَرَ الْمُحِبُّ حَبِيْبَهٗ     بِشَبِيْهِهٖ فَغَدَا لَهٗ مُتَصَوِّرَا

أَوَ مَا رَأَيْتَ الصُّحُفَ يَنْقُلُ حُكْمُهَا     فَيُوَافِقُ الْمُتَقَدِّمَ الْمُتَأَخِّرَا

وَالْمَرْءُ يَهْوِي بِالسِّمَاعِ وَلَمْ يَكُنْ     يَحْكِي الَّذِي قَدْهَامَ فِيْهِ مُبْصِرًا

وَيَظُنُّ حِيْنَ يَرٰى اِسْمَهٗ فِيْ رُقْعَةٍ     اِنْ قَدْ رَأٰى فِيْهَا الْحَبِيْبَ مُصَوَّرًا

لَا سِيَّمَا فِيْ حَقِّ نَعْلٍ لَمْ تَزَلْ     صَوْنًا لاخمص خَيْرُ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰى

فَعَسَاكَ تَلْثُمُ فِيْ غَدٍ مِنْ لَثْمِهَا     كَأْسَ النَّبِيِّ اِذَا وَرَدْتَ الْكَوْثَرَا

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبّ اپنے محبوب کی تصویر کا ذکر کرتا ہے اور تصور میں وہ اپنے محبوب کو پاتا ہے۔ کیا تم نے قرآن کریم کی نقول نہیں دیکھیں بعد میں کی جانے والی نقل پہلے سے موجود کے بالکل موافق ہوتی ہے۔ آدمی اپنے محبوب کے ذکر سننے سے محبت کرتا ہے اور جسے دل دے بیٹھا ہوتا ہے اسے کبھی دیکھا تک نہیں ہوتا۔ محبّ جب اپنے محبوب کا کسی رقعہ میں نام لکھا دیکھتا ہے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ اس میں مجھے اپنے محبوب کی صورت دکھائی دے رہی ہے۔ خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے بارے میں جو ہمیشہ سے ان ذات کے تلووں کی محافظ رہی جن کا کائنات میں ثانی نہیں۔ تم اسے چوم لو، ممکن ہے کل قیامت کے دن جب تمہارا کوثر پر جانا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے دیئے گئے پیالے کو منہ سے لگا کر پی سکو۔

ابن عساکر کا کلام یہاں ختم ہوا۔ ابن سعد السعود کے درج بالا اشعار کی ایک مصری عالم وادیب فاضل شرف الدین عیسٰی بن سلیمان الطنوبی المصری نے تذییل کہی۔ ''اِذَا وَرَدْتَ الْكَوْثَرَا'' کے

تحت اس نے اشعار کہے۔

وَ عَلَى الصِّرَاطِ غداً تَسِيرُ بِيُمْنِهَا ... كَالطَّيْرِ اَوْ كَالْبَرْقِ فِي لَيْلِ السُّرىٰ

اَعْظِمْ بِهَا نَعْلًا مَشَتْ فَوْقَ الثَّرىٰ ... وَبِهَا تَشَرَّفَتِ الْجِبَاهُ مِنَ الْوَرىٰ

اِذْ جَاوَرَتْ قَدَمًا لِاَشْرَفِ مُرْسَلٍ ... قَدَمًا اَتَانَا مُنْذِرًا وَ مُبَشِّرًا

فِيهَا تَمَلَّ مُقْبِلًا لِقِبَالِهَا ... وَ شِرَاكِهَا لِلْوَجْنَتَيْنِ مُعَفِّرًا

فَعَسٰى بِجِسْمِكَ اَنْ تَكُوْنَ مُحَرَّمًا ... اَبَدًا عَلٰى لَهَبٍ غَدًا مُتَسَعِّرًا

وَافْرِضْ بَمَا عَايَنْتَ مِنْ تِمْثَا لِهَا ... اِنْ قَدْ نَظَرْتَ اِلٰى حَبِيْبِكَ مُسْفِرًا

فَالصَّبُّ يَقْلَقُ اِنْ تَبَاعَدَ حُبُّهُ ... وَتَرَاهُ يَسْكُنُ اِذْ يَرَاهُ فِي الْكَرىٰ

کل پل صراط پر سے تو نعل پاک کی برکت سے یوں گزر جائے گا جس طرح پرندہ گزر جاتا ہے یا اندھیری رات میں بجلی کوندتی ہے۔ اس نعل پاک کی تعظیم بجالا۔ جو زمین پر چلتی رہی اور مخلوق کی پیشانیاں اس کی وجہ سے معزز و مشرف ہوئیں۔ وہ وقت یاد کر جب انہیں حضور اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کی مجاوری نصیب ہوئی۔ ان کے قدم جو ہمارے پاس بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے۔ لہٰذا تو ان کے تسموں کو چومنے کیلئے آگے بڑھ اور اپنے رخساروں کا ان کے ساتھ لگنے والی خاک کو غازہ بنا۔ ہوسکتا ہے کہ تیرا جسم ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ پر حرام کر دیا جائے۔ اور جب تو نعل پاک کے نمونہ کو دیکھے تو یوں گمان کر کہ تو وہ خوش بخت ہے جسے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دے رہے ہیں۔ دل ان کی محبت میں پریشان ہو جاتا ہے جب یہ آنکھوں سے دور ہو جاتے ہیں اور جونہی دکھائی دیتے ہیں۔ اسے سکون مل جاتا ہے۔

اسی بحر اور اس قافیہ میں فقیہ محدث، حافظ، کاتب، بارع، صاحب تصانیف کثیرہ، یکتائے زمانہ، شیخ ابوعبداللہ محمد بن الابار القضاعی الاندلسی البلنسی نزیل تیونس رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے۔

لِمِثَالِ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى اَصْفَى الْهَوىٰ ... وَاَرٰى السَّلْوَ خَطِيْئَةً لَنْ تُغْفَرَا

وَاِذَا اُصَافِحُهُ وَامْسَحُ لَا ثِمًا ... اَرْكَانُهُ فَمُعَزَّزًا وَ مُوَقَّرًا

تَرْكُ اِعْتِزَازِىْ فِي جِهَارِ تَذَلُّلِي ... لِجَلَا لِهٖ اَثْرًا بِقَلْبِي اَثَّرَا

اِنْ شَاقَنِىْ ذَاكَ الْمِثَالُ فَطَا لَمَا ... شَاقَ الْمُحِبُّ الطَّيْفُ يَطْرُقُ فِي الْكَرىٰ

لِيْ اُسْوَةٌ فِي الْعَاشِقِيْنَ وَ قَصْدُهُمْ ... لَثْمَ الطُّلُوْلِ لِاَهْلِهِنَّ تَذَكُّرًا

وَ بُكَاؤُ هُمْ تِلْكَ الْمَعَاهِدَ ضِلَّةً ... تَحْتَ الظِّلَالِ عَلَى الْغَرَامِ تَوَخُّرًا

افلا اَمرِغُ فِيهِ شَيبِي رَاشِدًا وَارِيقُ دَمعِي وَسطَهُ مُستَبصِرًا

ثِقَةً بِاَثرَائِي مِنَ الْخَيرَاتِ فِي شُغفِيُ بِنَعلِي خَيرِ مَنُ وَطِئَ الثَّرٰی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تصویر اور نمونہ سے میری محبت شدید درجہ کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس محبت سے روگردانی اور دل کو تسلی دینا ناقابل معافی گناہ ہے۔ میں جب اسے چومتا ہوں اور ہاتھوں میں لیتا ہوں تو اس وقت میں معزز و مکرم شمار ہوتا ہوں۔ اس کے جلال کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں اور ظاہری طور پر اس کے احتراز کا ترک بوجہ اس کی جلالت کے اس کا میرے دل میں گہرا اثر ہوتا ہے۔ اگر اس کے دیکھنے سے مجھے شفا ہوتی ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سچی محبت کرنے والا خوابوں میں بہت کچھ دیکھتا ہے۔ عاشقوں کا سا میں بھی مذہب رکھتا ہوں۔ ان کا مقصود ٹیلوں کو چومنے سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے باشندوں کی یاد میں ایسا کرتے ہیں۔ ان مقامات پر ان کی آہ و بکا از روئے عشق ہوتی ہے۔ سایہ میں ان کا رونا محبت کو اور بھڑکاتا ہے کیا میں نعل پاک کی تصویر کے سامنے اپنا بڑھاپا راہنمائی حاصل کرنے کیلئے لوٹا نہ دوں۔ اور میں اس کے درمیان اپنے آنسو بہا کر انکھیارانہ بن جاؤں۔ نیکیوں کے اثرات مجھ میں مضبوط ہیں۔ کیونکہ میرے دل میں اس نعل کی محبت ہے جسے خیر المرسلین نے پہنا تھا۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے نعل پاک کی بعض مثالوں پر درج ذیل شعر لکھے دیکھے۔ لیکن ان کا قائل کون تھا؟ مجھے معلوم نہ ہوسکا۔

یَا عَیْنُ اِنْ بَعُدَ الْحَبِیْبُ وَ دَارُهُ وَنَاَتْ مَوَاطِنُهُ وَشَطَّ مَزَارُهُ

فَلَقَدْ ظَفِرْتَ مِنَ الزَّمَانِ بَطَائِلَ اِنْ لَمْ تَرِیْهِ فَهٰذِهِ آثَارُهُ

اے آنکھ! اگرچہ محبوب اور اس کا گھر بہت دور ہے۔ اس کا وطن بھی بہت دور ہے اور اس کی زیارت بھی دور کی بات ہے۔ تو تجھے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ تجھے ایسا وقت مل گیا جس میں تیرا نصیبا جاگ اٹھا۔ وہ اس طرح کہ اگرچہ تو محبوب کو نہ دیکھ سکی۔ لیکن اس کے آثار و نشانات و علامات تیرے سامنے ہیں۔

اس کے بعد امام مقری لکھتے ہیں کہ کافی مدت گزرنے کے بعد میں نے ایک تحریر دیکھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان دونوں اشعار کے قائل نے جب یہ اشعار کہے تو اس وقت نعل شریف کا نمونہ اس کے پیش نظر تھا۔ یہ اس طرح معلوم ہوا کہ مجھے خطوط کا ایک مجموعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو مصر کے ایک بہت بڑے عالم کے پاس تھا۔ اس میں یہ تحریر تھا۔

مجھے مرحوم شیخ برہان الدین ابراہیم بن مرحوم شیخ صالح شمس الدین محمد بن قدیدار رحمہما اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شیخ ابوالفضل بن الامام المغربی التلمسانی اور شیخ علامہ علاؤ الدین بن سلام اور علماء کی ایک جماعت سیدہ زینب بنت امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا کے مزار پر جمع تھے۔ یہ ۸۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ ان میں سے شیخ علاؤ الدین بن سلام نے شیخ جلال الدین بن خطیب داریا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب مذکورہ دونوں شعر سنائے۔ تو شیخ ابوالفضل بولے کہ یہ شعر لسان الدین بن خطیب کے اشعار سے ملتے جلتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

اِنْ بَانَ مَنْزِلُهٗ وَ شَطَّ مَزَارُهٗ　　قَامَتْ مَقَامَ عَيَانِهٖ اَخْبَارُهٗ
قَسِّمْ زَمَانَكَ عَبْرَةً اَوْ عِبْرَةً　　هٰذِي تَرَاهُ وَهٰذِهٖ آثَارُهٗ

اگر چہ محبوب کی منزل اور اس کا مزار بہت دور ہیں۔ لیکن اس کی باتیں اور خبریں تو اس کے قائم مقام ہیں۔ اپنے اوقات کو تقسیم کر لے۔ ایک وقت مقرر کر کہ تو آنسو بہائے اور دوسرے وقت کو عبرت کیلئے رکھ چھوڑ۔ کیونکہ یہ اس کی زمین ہے اور یہ اس کے نشانات ہیں۔

امام مقری کہتے ہیں کہ کافی مدت بعد میں نے کتاب "بَدَائِعُ الزُّهُوْرِ فِي وَقَائِعِ الدُّهُوْرِ" میں دیکھا۔ کہ شیخ ابن خطیب داریا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں اشعار "آلا ثار النبویہ" میں کہے تھے۔ جو مصر میں تھے جسے جراکسہ کے آخری بادشاہ سلطان قانصوغوری نے قاھرہ کی سرزمین کی طرف منتقل کر دیا۔ جہاں اس سلطان نے بچپن گزارا تھا۔ اسی مضمون پر ایک اور شاعر نے کس خوبصورتی سے کلام کہا۔

يَا عَيْنُ بِالْآثَارِ مِنْ خَيْرِالْوَرٰى　　فَتَمَتَّعِي اِنْ شَطَّ عَنْكِ مَزَارُهٗ
وَلَئِنْ حُرِمْتِ زَمَانَهٗ لَا تَجْزَعِي　　اِنْ لَمْ تَرِيْهِ فَهٰذِهٖ آثَارُهٗ

اے آنکھ! خیر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ سے جی بھر کر نفع اٹھا۔ اگر چہ ان کا مزار تجھ سے بہت دور ہے۔ اور اگر چہ تجھے وہ زمانہ نصیب نہ ہوا، جس پر تجھے رونا دھونا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اگر تو انہیں نہ دیکھ سکی تو یہ ان کے ہی آثار و نشانات ہیں۔

فاس میں مدفون ادیب، علامہ، کاتب، مجید ابوالحکم بن مرحل السبتی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اَدَمْعُكَ اَمْ سَمْطٌ وَقَلْبُكَ اَمْ قُرْطٌ　　وَشَوْقُكَ اَمْ سَقْطٌ وَ جِسْمُكَ اَمْ خَطٌّ
اَمَا مَرَحٌ بَعْدَ النُّزُوْعِ عَنِ الصِّبَا　　وَلِلشَّيْبِ شُهْبٌ فِي عَذَارِكَ اَوْ وَخَطٌ
اَجَلْ لَا وَلٰكِنَّ نَفْحَةً قُدْسِيَّةً　　اَشَمَّ لَهَا تُرْبُ الْجِنَانِ فَاَنْحَطُّ

رَأَيْتُ مِثَالَ النَّعلِ نَعلَ مُحَمَّدٍ ‏ فَلُمْتُ وَمَا لِي غَيرَ ذَالِكَ أَسْفَنطُ
رَمَقَتْ حِجَابُ السَّبعِ مِنْ حُسْنِ وَجْهِهِ ‏ فَأَبْصَرتَهُ فِيْ سِدْرَةِ الْمُنتَهٰى يَخطُ
رَأَيْتُ مِثَالًا لَوْ رَأَتْهُ كَرُوْيَتِي ‏ نُجُوْمُ الدُّجٰى وَاللَّيْلُ اَسْوَدُ مُشَمَّطٌ
لَسَرَّ الثُّرَيَّا اَنَّهَا قَدَمٌ وَلَمْ ‏ يَسُرَّ الثُّرَيَّا اَنَّهَا اَبَدًا قُرْطٌ
اَلَا بِاَبِي ذَاكَ الْمِثَالُ فَاِنَّهُ ‏ خِيَالُ حَبِيْبٍ وَالْخِيَالُ لَهُ قِسْطٌ
فَاِنْ لَا يَكُنْهَا اَوْ تَكُنْهُ فَاِنَّهُ ‏ اَخُوْهَا اِعْتِدَالًا مِثْلَمَا اِعْتَدَلَ الْمُشْطُ
اَرٰى لَثْمَهُ مِثْلَ التَّيَمُّمِ مُجْزِيًا ‏ فَأَلْثِمُهُ حَتّٰى اَقُوْلُ سَيَنْعَطُ
وَمَا هِيَ اِلَّا لَوْعَةٌ وَ صَبَا بَةٌ ‏ بِقَلْبِيْ لَهَا سَقْطٌ وَ فِيْ مَعْيٍ سَمْطُ
قَذَفْتُ الْكَرٰى بِالدَّمْعِ وَالصَّبْرُ بِالْاَسٰى ‏ فَاَغْرَقَ ذَا نُقَطٍ وَاَحْرِقَ ذَا نَفْطٍ
فَلَا تَقْلِعِي يَا عَيْنُ اَوْ يَطْفَأُ الْاَسٰى ‏ وَ هَيْهَاتَ اِنْ يَطْفَأُ وَ مَرْقَدُهُ الشَّحطُ
سَيَطْفَأُ يَوْمَ الْحَشْرِ عِنْدَ لِقَائِهِ ‏ عَلَى الْحَوْضِ بِالْكَأْسِ الرَّوِيَّةِ اِذَا عَطَّ
تَبَسُّطُ عَبْدٌ مُذْنِبٌ غَيْرَ اَنَّهُ ‏ بِحُبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَبَّحَ لَهُ الْبَسْطُ
عَلَيْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَا عَنْ عَارِضٍ ‏ وَلَاحَ لَهُ بَرْقٌ وَ سَعَ لَهُ نُقَطٌ

کیا تیرے آنسو یا موتیوں کی لڑی اور تیرا دل یا کانوں کی بالیاں، اور تیری محبت یا رسوائی اور تیرا جسم یا خط، محبت کے بعد خوشی نے بچپن سے اخوت قائم کر لی ہے۔ اور بڑھاپے کیلئے تیری گال انگارا ہیں یا تیز تیر ہیں۔ ہاں، ایسا نہیں۔ لیکن ایک قدوسی خوشبو کا جھونکا ہے جس نے جنت کی مٹی کو خوشبوناک کیا اور پھر نیچے اتر آیا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کی نعل پاک کی مثال دیکھی۔ تو مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی خوشبودار انگوری شراب نہ تھی۔ آپ کے حسین وجمیل چہرہ کو ساتوں آسمان دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر دیکھا کہ آپ سدرۃ المنتہٰی میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے آپ کی نعل پاک کی جو مثال دیکھی اگر میرے دیکھنے کی طرح اسے راتوں کے ستارے دیکھتے اور سیاہ رات دیکھتی تو ثریا خوش ہو جاتی کہ یہ قدم رسالتمآب ہیں۔

خبردار! مجھے اپنے باپ کی قسم! وہ تو مثال ہی ہے۔ اور وہ بیشک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال ہے اور آپ کے خیال کا بھی حصہ ہے۔ اگر جو خیال ہے وہ واقعی وہی ہے یا وہی نہیں دونوں صورتوں میں یہ مثال اس نعل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی جلتی بلکہ طول وعرض میں اور کیفیت میں برابر ہے۔ ایسے ہی جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں۔ میں اس کا بوسہ لینا تیمم کی طرح جزاء کا حامل سمجھتا

ہوں۔ میں اس کو چومتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ابھی نصف ہوا ہے۔ یہ سراسر عشق سے دل جلنا ہے اور محبت خالص ہے۔ میرے دل کو اس سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اور میرے آنسوؤں کو موتی کر دیا ہے۔ نینداور اونگھ کو میں نے آنسوؤں میں بہا دیا ہے۔ اور صبر کو غم کے سپرد کر دیا ہے۔ نقطہ والا ڈوب گیا اور تیل والا جل گیا۔ اے آنکھ۔ ان سے روگردانی مت کرنا، امیدیں نہ بجھا دینا، اگر بجھ گیا تو افسوس ہوگا اور اس کا جلنا ہی ذبح ہونا ہے۔ بہت جلد میدان حشر میں آپ سے ملاقات کے وقت آپ کی تپش ختم ہو جائے گی۔ جب حوض کوثر پر پانی کا بھرا پیالہ آپ عطا فرمائیں گے۔ گنہگار بندہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی اسے ہاتھ بڑھانے دیتی ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام نازل ہو۔ جب آپ کا چہرہ انور دکھائی دے اور اس کی روشنی پھیلے اور آپ کی تعریف ہو۔

حافظ امام اندلسی ابوالربیع سلیمان بن سالم الکلاعی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے۔

خَوَاطِرُ ذِیْ الْبَلْوٰی عَوَامِرُ بِالْجَوٰی     فَفِی کُلِّ یَوْمٍ یَعْتَرِیْهِ خَبَالُ
مَتٰی یَدْعُ دَاعٍ بِاِسْمِ مَحْبُوْبَهٖ هَفًّا     فَیَهْتَاجُ بَلْبَالٌ وَیَکْسِفُ بَالُ
وَاِنْ یَرَ مِنْ آثَارِهٖ اَثْرًا هَمَّتْ     لَهٗ مِنْ غُرُوْبِ الْمَقْلَقَیْنِ سَجَالُ
حَالِیْ وَقَدْ اَبْصَرْتُ نَعْلًا مِثَالُهَا     لِنَعْلِ الرَّسُوْلِ الْهَاشِمِیْ مِثَالُ
عَرَانِیْ مَایَعْرُوْ الْمُحِبَّ اِذَا بَدَا     لِعَیْنَیْهِ مِنْ مَغْنَی الْاَحِبَّةِ آلُ
فَقَبِلْتُ فِیْ ذَاکَ الْمِثَالِ مُعَاوَدًا     اَرٰی اَنْ ذِلِّیْ فِیْ هَوَاهُ حَلَالَ
وَمثَلْتُهٗ نَعْلَ الرَّسُوْلِ حَقِیْقَةً     وَاِنِّیْ لَا دُرِے اِنَّ ذَاکَ مُحَالُ
وَمِنْ سُنَّةِ الْعُشَاقِ اَنْ یَبْعَثَ الْهَوٰی     مِثَالٌ وَیَقْتَادُ الْغَرَامَ خِیَالُ
فَلَا فَرْقَ اِلَّا اَنْ حُبَّ مُحَمَّدٍ     هُدًی وَالْهَوٰی فِیْمَنْ عَدَاهُ ضَلَالُ

دل پریشان، گھر کے تمام افراد سوزش عشق میں مبتلا۔ انہیں روزانہ جنون لاحق ہوتا ہے جب کوئی بلانے والا بلاتا ہے اور اپنے محبوب کا نام لیتا ہے۔ تو دل پھڑ پھڑاتا ہے۔ شدت غم ابھر آتی ہے۔ دل کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے اگر محبوب کے نشانات میں سے کوئی نشان دیکھ لیتا ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں سے آنسوؤں کے ڈول باہر گرتے ہیں۔ میرا حال تو یہ ہے اور میں نے رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کی ایک مثال دیکھی۔ تو میری وہی کیفیت ہوگئی جو کسی محب کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی آنکھوں سے محبوب کو دیکھتا ہے پھر میں نے بڑھ کر اس نعل پاک کے نمونہ کو بار بار چوما۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی محبت میں میری ذلت حلال ہے میں نے اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محال ہے۔ عاشقوں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ مثال کو بھی دل دے دیتے ہیں۔ اور خیال محبوب بھی ان میں عشق کی آگ روشن کر دیتا ہے کوئی فرق نہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہدایت ہے اور آپ کے علاوہ کی خواہش و محبت گمراہی ہے۔

حافظ، کاتب، محدث ابو عبداللہ محمد بن الابار القضاعی الاندلسی مقیم تیونس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ ابو الربیع رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار سابقہ پر تعریض لکھی۔ جو درج ذیل ہے۔

سَجَامٌ لَعَمْرِی اَدْمُعُ وَ سَجَالُ　　لَئِنْ عَنَّ مِنْ نَعْلِ الرَّسُوْلِ مِثَالُ
وَهَلْ یَمْلِکُ الْعَیْنَیْنِ فِی مِثْلِهَا سِوی　　خَلَی عَرَاهُ عَنْ هُدَاهُ ضَلَالُ
مِثَالٌ اِلٰی نَعْلِ الْمُطَهَّرِ یَعْتَزِی　　فَاِعْزَازُهٗ لِلْمُحْسِنِیْنَ مَنَالُ
اُقَبِّلُهٗ شَوْقًا تَمَلَّکَنِیْ لَمَّا　　حَکٰی وَ شَهِیْدِی لَوْ یُفَرَّہُ قَبَالُ
وَ آبٰی اِشْتِرَاکًا فِی الْتِزَامِ شِرَاکِهٖ　　وَ حَسْبِی مِنْهُ عِصْمَةٌ وَّ ثِمَالُ
وَ مَعْقِدُهٗ مِمَّا عَقَدَتْ بِهِ الْهَوٰی　　فَلَا صَحَّ عَزْمِی اِنْ صَحَّ لِی بَالُ
فَرَاغِیْ مِنْ تَمْرِیْغِ شَیْبِی عَلَیْهِ اَنْ　　تُسِحُّ مِنَ الرَّحْمٰنِ عَلَیْهِ سَجَالُ
وَمِنْ وَضْعِهٖ فِی حُرِّ وَجْهِی وَ رَفْعِهٖ　　لُقْمَةُ رَاْسِی اَنْ یَعِزَّ مَنَالُ
فَاَحْظٰی بِحَظِّی مِنْ جِوَارِ مُحَمَّدٍ　　وَهَلْ بَعْدَ تَنْزِیْلِ الْجِوَارِ نَوَالُ

میرے آنسو لگاتار اور آنکھیں بھر بھر کر گرتے ہیں۔ جب میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا نمونہ آتا ہے اور کیا آنکھیں مثال نعل مبارک کو دیکھ کر نہ رونے کی قدرت رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ بڑی گمراہی ہے۔ یہ نمونہ اس مقدس و مطہر نعل مبارک کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا اس کا اعزاز مسلمانوں کیلئے کامیابی ہے۔ میں اسے چوم لیتا ہوں اور یہ بوجہ شوق ہوتا ہے، جب اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ اس بات کی گواہی اس کے تسمے دیتے ہیں۔ اس کے تسمے لاثانی ہیں، وہ میرے دکھ درد اور پریشانیوں میں کافی ہے۔ ان کے باندھنے کی جگہ میں میرا دل بندھا ہوا ہے۔ میرا عشق تندرست نہیں اگر چہ میرا دل ٹھیک ہے۔ میں اپنے بڑھاپے کو اس پر قربان کرتا ہوں۔ اور آنسوؤں کی لڑی پیش کرتا ہوں۔ اس کو چہرہ پر رکھنے اور سر پر رکھنے میں میری کامیابی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی سنگت اور ہمسائیگی سے نفع پایا۔ اور ہمسائے کے اترنے کے بعد داد و دہش ہوتی ہے۔

الشیخہ ام السعد بنت عصام بن احمد بن محمد ابراہیم بن یحییٰ الحمیری الاندلسی القرطبی جو ''سعدونۃ'' کے

نام سے معروف ہیں۔ جب انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے بارے میں بعض غرناطہ کے ادباء کے اشعار پہنچے جن کا آخری شعر یہ تھا۔

سَاَلْتُمُ التِمْثَالَ اِذْ لَمْ اَجِدْ لِلَّثْمِ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى مِنْ سَبِيْلِ

تم مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثل اور نمونہ کا سوال کرتے ہو جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کو چومنے سے کوئی راستہ نہ پایا۔

لَعَلِّي اَحْظِي بِتَقْبِيلِهٖ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ اَسْنٰى مَقِيلَ
فِي ظِلِّ طُوْبٰى سَاكِنًا اٰمِنًا اَسْقِي بِاَكْوَابٍ مِنَ السَّلْسَبِيْلُ
وَاَمْسَحُ الْقَلْبَ بِهٖ عِلَّهٗ يَسْكُنُ مَاجَاشَ بِهٖ مِنْ غَلِيْلِ
فَطَا لَمَا اِسْتَشْفٰى بِاَطْلَالِ مِنْ يَهْوَاهُ اَهْلُ الْحُبِّ مِنْ كُلِّ جِيْلِ

شائد میں بھی اس کے چومنے میں کچھ کامیابی حاصل کرلوں وہ یہ کہ جنت الفردوس میں بلند و بالا گفتگو کرنے کا موقعہ پاسکوں۔طوبیٰ کے سایہ میں امن وامان سے رہوں۔اور سلسبیل کا پانی پیالے بھر بھر کر پیوں۔اور اسے دل پر پھیروں شائد اس کا عشقیہ جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ہر گروہ میں سے محبت کرنے والے اپنے محبوب کے ویران مکانات کے نشانات دل کی تسلی اور شفا حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔

امام قاضی، کاتب، ادیب ابوالحکم مالک بن المرحل السبتی مدفون باب الحبیسہ فاس کے اشعار جن میں سے بعض صاحب مواھب لدنیہ نے اپنی کتاب میں درج فرمائے ہیں۔

بِوَصْفِ حَبِيْبِي طَرَزَ الشِّعْرُ نَاظِمُهٗ وَنَمْنَمَ خَدَّ الطِّرْسِ بِالنَّقْشِ رَاقِمُهٗ
نَبِيٌّ لَهٗ فَضْلٌ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ مُفَاخِرُهٗ مَشْهُوْرَةٌ وَ مَكَارِمُهٗ
رَؤُفٌ عَطُوْفٌ اَوْسَعُ النَّاسِ رَحْمَةً وَجَادَتْ عَلَيْهِمْ بِالنَّوَالِ غَمَائِمُهٗ
حَفِيٌّ وَ فِيٌّ لَا تَمِيْنُ عَهُوْدُهٗ حَمْتِيٌّ اَبِيٌّ لَا تَلِيْنُ شَكَائِمُهٗ
وَكَمْ نَازَعَتْهُ الْاَمْرَ ثَمَّ اَعِزَّةٌ فَمَا اَسْلَمَتْهُ بِيْضُهٗ وَ لَهَا ذِمَّهٗ
غَدَا الْعَالِمُ الْاَعْلٰى يُقَاتِلُ دُوْنَهٗ فَنُقْدِمُهٗ قَبْلَ اللِّقَاءِ هَزَائِمُهٗ
اَمَا نَصَرَ الْاِسْلَامَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا فَلَمْ يُنْجِ اِلَّا مُسْلِمٌ اَوْ مَسَالِمُهٗ
اَمَا حَسَمَ الْكُفْرَ الصَّرِيْحَ حِسَامُهٗ اَمَا صَرَمَ الشِّرْكَ الْقَبِيْحَ صَوَارِمُهٗ
نَبِيٌّ لَهٗ فِي حَضْرَةِ الْحَقِّ رُتْبَةٌ تَرَقّٰى بِهَا فِي عَالِمِ الْعُلُوِّ عَالِمُهٗ
لَهُ الْحُسْنُ وَالْاِحْسَانُ فِي كُلِّ مَذْهَبٍ فَاٰثَارُهٗ مَحْبُوْبَةٌ وَ مَعَالِمُهٗ

بِهٖ خَتَمَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ كُلَّهُمْ — وَ كُلُّ فَعَالٍ صَالِحٍ فَهُوَ خَاتِمُهٗ
اُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ حُبًّا لَوْاَنَّهٗ — تَقَسَّمَهٗ قَوْمِي كُنْتُهُمْ قَائِمُهٗ
كَاَنَّ فُؤَادِي كُلَّمَا مَرَّ ذِكْرُهٗ — مِنَ الْوَرْقِ خَفَّاقٌ اُصِيْبَتْ قَوَادِمُهٗ
اَهِيْمُ اِذَا هَبَّتْ نَوَاسِمُ اَرْضِهٖ — وَمَنْ لِفُؤَادِي اَنْ تَهُبَّ نَوَاسِمُهٗ
فَاَنْشَقُّ مِسْكًا طَيِّبًا وَ كَاَنَّمَا — نَوَافِجُهٗ جَادَتْ بِهٖ وَلَطَائِمُهٗ
وَمِمَّا دَعَا نِي وَ الدَّوَاعِي كَثِيْرَةٌ — اِلَى الشَّوْقِ اِنَّ الشَّوْقَ مِمَّا اُكَاتِمُهٗ
مِثَالٌ لِنَعْلِي مَنْ اُحِبُّ حَوَيْتُهٗ — فَهَا اَنَا فِي يَوْمِي وَ لَيْلِي لَاثِمُهٗ
اَجُرُّ عَلٰى رَاْسِي وَوَجْهِي اَدِيْمَهٗ — وَاَلْثِمُهٗ طَوْرًا وَ طَوْرًا اُلَازِمُهٗ
صَبَا بَةَ مُشْتَاقٍ وَّ لَوْعَةَ هَائِمٍ — نَعَمْ اَنَا مُشْتَاقُ الْفُؤَادِ وَ هَائِمُهٗ
كَاَنَّ مِثَالَ النَّعْلِ مِحْرَابُ مَسْجِدٍ — فَوَجْهِي فِيْهِ شَاخِصُ الطَّرْفِ دَائِمُهٗ
اُمَثِّلُهٗ فِيْ رِجْلِ اَكْرَمِ مَنْ مَشٰى — فَتُبْصِرُهٗ عَيْنِي وَمَا اَنَا حَالِمُهٗ
اُحَلِّي بِهٖ خَدِّيَ وَاَحْسِبُ وَقْعَهٗ — عَلٰى وَجْنَتِي خُطْوًا هُنَاكَ يُدَاوِمُهٗ
وَمَنْ لِيْ بِوَقْعِ النَّعْلِ فِي حَرِّ وَ جَنَّتِي — لِمَاشٍ عَلَتْ فَوْقَ النُّجُوْمِ بَرَاجِمُهٗ
تَفِيْضُ دُمُوْعِي كُلَّمَا لَاحَ نُوْرُهٗ — بُكَاؤُكَ لِلْبَرْقِ الَّذِي اَنْتَ شَائِمُهٗ
فَيَادَمْعَ عَيْنِي اَنْتَ تَمْنَعُ نَاظِرِي — نَعِيْمًا بِهٖ فَارْفُقْ فَاِنَّكَ ظَالِمُهٗ
وَيَا حَرَّ قَلْبِي اَنْتَ تَحْرُمُ بَاطِنِي — لُصُوْقًا بِهٖ فَاسْكُنْ لَعَلَّكَ رَاحِمُهٗ
سَاَجْعَلُهٗ فَوْقَ التَّرَائِبِ عُوْذَةً — لِقَلْبِي لَعَلَّ الْقَلْبَ يَبْرُدُ جَاحِمُهٗ
وَاَرْبُطُهٗ فَوْقَ الشُّؤُوْنِ تَمِيْمَةً — لِجَفْنِي لَعَلَّ الْجَفْنَ يَرْقَأُ سَاجِمُهٗ
اَلَا بِاَبِي تِمْثَالُ نَعْلِ مُحَمَّدٍ — لَقَدْ طَابَ حَاذِيْهِ وَ قُدِّسَ خَادِمُهٗ
يَوَدُّ هِلَالُ الْاُفْقِ لَوْاَنَّهٗ هَوٰى — يُزَاحِمُنَا فِي لَثْمِهٖ وَ نُزَاحِمُهٗ
وَمَا ذَاكَ اِلَّا اَنَّ حُبَّ نَبِيِّنَا — يَقُوْمُ بِاَجْسَامِ الْخَلَائِقِ لَازِمُهٗ
سَلَامٌ عَلَيْهِ كُلَّمَا هَبَّتِ الصَّبَا — وَغَنَّتْ بِاَغْصَانِ الْاَرَاكِ حَمَائِمُهٗ
سَلَامٌ عَلَيْهِ مَا تَفَاوَحَتِ الرُّبٰى — بِزَهْرٍ كَاَنَّ الْمِسْكَ تَحْوِي كَمَائِمُهٗ

ناظم شعر نے اپنے اشعار کو حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف سے مزین کیا اور کاغذ کے گال کو اس پہ لکھنے والے نے خوبصورت بنا دیا۔ وہ ایسے پیغمبر ہیں جو تمام کائنات سے افضل ہیں۔ جن

کے مفاخر اور اعلیٰ اخلاق معروف ومشہور ہیں۔ بہت مہربان، نرم دل اور تمام سے بڑھ کر رحمت والے ہیں۔لوگوں پر آپ کی سخاوت وبخشش کے بادل غالب آگئے۔ ہر چیز کا بہت زیادہ علم رکھنے والے، وعدہ کے انتہائی پابند، ان کے وعدہ جات کبھی جھوٹے نہ ہوئے، حمایت کرنے والے، کسی سے بدلہ نہ لینے والے، بہت مرتبہ لوگوں نے مقابلہ کیا لیکن کسی کے بھی تیر و نیزے اور تلواریں آپ سے بچ نہ سکیں۔ عالم اعلیٰ (فرشتے) آپ کی طرف سے لڑنے والے تھے۔ دشمنوں کی شکست لڑنے سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی تھی۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی بے پناہ مدد نہیں فرمائی اور آپ سے اگر کوئی بچا تو وہ مسلمان تھا یا صلح کرنے والا تھا۔ کیا آپ کی تیز تلوار نے کفر صریح کو بالکل صاف نہ کر دیا۔ کیا آپ کی تلوار نے شرک قبیح کی جڑ نہ کاٹ ڈالی؟ آپ وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ جن کا بارگاہ ایزدی میں وہ رتبہ ہے جس کی دھو میں عالم بالا میں مچی ہوئی ہیں۔ ہر مذہب میں حسن واحسان آپ کا ہی ہے۔ آپ کے آثار ونشانات سب کو محبوب ہیں۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کا سلسلہ مکمل فرما دیا۔ ہر اچھے کام کا اختتام آپ پر ہی ہوتا ہے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اگر اسے میری قوم آپس میں بانٹے تو ان سب کیلئے کافی ہو جائے جب بھی کسی ورق پر آپ کا تذکرہ گزرتا ہے تو میرا دل پھڑکنے لگتا ہے۔ جب آپ کے سرزمین سے باد نسیم کے جھونکے آتے ہیں تو میں عشق میں بیقرار ہو جاتا ہوں۔ میرے دل کا کون رازداں ہے جب اس سے محبت کی خوشبوئیں نکلتی ہیں۔ پھر وہ مشک وخوشبو سے پھٹ پڑا۔ گویا وہ خوشبوؤں کی دکان بلکہ منڈی ہے...... جس چیز نے مجھے شوق کی طرف بلایا، حالانکہ بلاوا دینے والی باتیں بہت سی ہیں اور شوق ان باتوں میں سے ہے جو چھپائی جاتی ہیں۔ بلاوا دینے والی بات اس شخصیت کی نعل پاک کی مثال ہے، جس کی سرخی مائل رنگت نے مجھے دیوانہ کر رکھا ہے۔ ہاں دیکھو میں صبح وشام اس کو چومتا ہوں۔ میں کبھی اپنے چہرہ اور کبھی اپنے سر پر اس کا چمڑا پھیرتا ہوں۔ کبھی اسے چومتا ہوں اور کبھی اسے سینہ سے لگا لیتا ہوں۔ ایک مشتاق کی محبت اور ایک عاشق کی وارفتگی۔ ہاں میں دل سے شیدائی اور وسوسہ میں مبتلا عاشق ہوں۔ نعل پاک کا نمونہ گویا مسجد کا محراب ہے میرا چہرہ ہر وقت اس کی طرف اٹھا رہتا ہے۔ یہ مثال اس شخصیت کے پاؤں مبارک کی نعل کی ہے جو تمام مخلوق سے بڑھ کر کریم ہے۔ میری آنکھیں یہی دیکھتی ہیں لیکن یہ کوئی خواب نہیں۔ میں اپنے رخسار کی اسے زینت بناتا ہوں اور جب اس کا تعلق میرے رخسار سے ہوتا ہے تو اس کے اثرات دائمی ثبت ہو جاتے ہیں۔ میرے رخسار کی گرمی پر پڑنے والی مثال نعل اس ذات کی ہے جس کے پاؤں کی انگلیاں ستاروں سے کہیں اوپر لگی تھیں۔ جب بھی اس کی چمک نظر پڑتی ہے میرے آنسو بہہ

نکلتے ہیں۔ تیرا رونا اس چمک کیلئے ہے جس کو تو دیکھتا ہے۔ اے میری آنکھ کے آنسوؤ! تم مجھے اس کے دیدار کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہو تم ظالم ہو اور اے دل کی تپش! تو میرے باطن کو ان کے وصال سے محروم کرتی ہے۔ ذرا تھم جا شائد تجھے رحم آ جائے۔ میں بہت جلد اپنے سینہ پر اسے تعویذ بنا کر رکھوں گا۔ جو میرے دل کیلئے کام دیگا۔ شائد دل اس کی تپش سے ٹھنڈا ہو جائے۔ میں اسے سر کی ہڈیاں جہاں باہم ملتی ہیں۔ وہاں تعویذ بنا کر رکھوں گا۔ یہ تعویذ میری پلکوں کیلئے ہوگا۔ شاید پلکوں کے آنسو تھم جائیں۔ میرے ماں باپ قربان! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا نمونہ وہ ہے جس کا بنانے والا اور اس کا خادم دونوں طیب ومقدس شخصیت ہیں۔ افق کا چاند چاہتا ہے کہ محبت کے جوش کی وجہ سے اس تمثال کو چومنے کیلئے ہمارا راستہ روکے اور ہم اس کا راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہ ایَ ... ساتھ لازم ہے۔ آپ پر اس وقت تک سلام ہو جب تک ہوا میں روانی رہے۔ اور درختوں ... تے رہیں۔ آپ پر سلام اس وقت جب تک پھول خوشبو بکھیرتے رہیں۔ گویا کہ مشک ... سے گر رہی ہے۔

علامہ ابن رشید مغربی نے اپنے سفرنامے میں بہت سے اشعار لکھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تعریف وتوصیف میں ہیں کہتے ہیں کہ میں نے انہیں اپنے دوست ادیب مورخ قاضی ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں پڑھا۔ انہوں نے نعل پاک کی مثال کا تذکرہ کیا اور لکھا کہ مجھے ہمارے شیخ علی ابوالحسن الرعینی رحمۃ اللہ علیہ نے خود درج ذیل اشعار کہے اور میں نے ان کی تحریر سے نقل کیے۔

مِثَالُ لِنَعْلِ الْمُصْطَفٰی سَیِّدِ الْوَرٰی    نَبِیِّ الْهُدٰی الْمُخْتَارِ مِنْ آلِ هَاشِمِ
حَذَاهُ لَنَا اَشْیَا خُنَا عَنْ شُیُوْخِهِمْ    بِاَسْنَادِهِمْ عَنْ عَالَمٍ بَعْدَ عَالَمِ
تَلَقَّتْهُ مِنَّا اَوْجَهٌ بِخُدُوْدِهَا    وَالْقَتْهُ اَیْدِیْنَا مَكَانَ الْعَمَائِمِ
وَعَفِرَتِ الْوَجْنَاتُ فِیْهِ مَحَبَّةً    وَالْصَقُ تَقْبِیْلًا لَهٗ بِالْمَنَاسِمِ
تَقَدَّسَتِ النَّعْلِ الَّتِیْ قَدْ غَدَتْ لَهَا    خَوَاضِعُ تِیْجَانِ الْمُلُوْكِ الْاَعَاظِمِ
اِذَا لَمْ تُعَایِنْهَا فَهٰذَا مِثَالُهَا    مُثِیْرُ شَدِیْدِ الشَّوْقِ مِنْ كُلِّ هَائِمِ
فَلَیْتَ جَبِیْنِیْ كَانَ مَوْطِنَهَا فَلَا    یَخَافُ غَدًا لِلنَّارِ لَفْحَةَ جَاحِمِ
فَیَا فَضْلَهَا لَمَّا حَوَتْ رِجْلَ سَیِّدٍ    تَقِرُّ لَهٗ بِالْفَضْلِ كُلُّ الْعَوَالِمِ
حَبِیْبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ رُسْلِهٖ    وَصَفْوَتُهُ الْمُعْطٰی جَمِیْعَ الْمَكَارِمِ

حَنِيْنِي اِلٰى تُرْبٍ لَهٗ كَانَ وَاطِنًا ۔۔۔ تَقَدَّسَ مِنْ تُرْبٍ حَنِيْنِ الرَّوَائِمِ

فَهَلْ لِيْ سَبِيْلٌ وَالْمَنِيْ قَدْ تَتَاحُ لِيْ ۔۔۔ اِلٰى وُقْفَةٍ مَا بَيْنَ تِلْكَ الْعَالِمِ

فَاشْفِيْ غَلِيْلِيْ بِالتَّشَامِيْ تُرَابُهَا ۔۔۔ وَاسْقِيْهِ مِنْ دَمْعِيْ بَاَوْكَفِ سَاجِمِ

عَلٰى خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ اَزْكٰى تَحِيَّةً ۔۔۔ تَخِبُّ بِهَا اَيْدِي الْمُطِيِّ الرَّوَاسِمِ

فَتَحْمِلُ طَيِّبًا نَحْوَ طَيْبَةٍ زَارِيًا ۔۔۔ عَلٰى نَفَحَاتِ الْمِسْكِ طَيَّ اللَّطَائِمِ

وَتَهْدِيْهِ لِلْقَبْرِ الْكَرِيْمِ وَقَدْ سَرَتْ ۔۔۔ عَلَى الرَّوْضِ هِبَاتُ الرِّيَاحِ النَّوَاسِمِ

حضور سید کائنات، نبی ہدایت، مصطفیٰ اور آل ہاشم میں سے منتخب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال وہ ہے جسے ہمارے مشائخ کرام نے اپنے مشائخ سے تیار کیا جن کی اسناد میں ہر شخص بہترین عالم ہے۔ ہمارے چہروں نے اپنے رخساروں سے اس کا استقبال کیا اور ہمارے ہاتھوں نے پگڑیوں کی جگہ اسے ڈالا۔ ہمارے رخساروں نے اس کی خاک کو اپنا غازہ بنایا۔ اور ہونٹوں نے اس کے کناروں کو اپنی بوسہ گاہ بنایا۔ نعل پاک اس قدر مقدس ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے سلطانوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اگر تو نعل پاک کو نہیں دیکھ سکا تو اس کی مثال یہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ جو ہر عاشق کے دل میں شوق کو برانگیختہ کرتی ہے۔ کاش کہ میری جبین اس کی رہ گزر بنتی تا کہ کل قیامت میں جہنم کی آگ کے شعلوں سے خوف نہ رہتا۔ کتنی فضیلت اسے حاصل ہے کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پاؤں کو اپنے اندر جگہ دی، جن کی فضیلت وفضل کا کل جہان اقراری ہے۔ میرے محبوب، اللہ کے رسول، تمام رسولوں کے آخر میں تشریف لانے والے اور اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ اخلاق سے نوازا۔ نعل کے تلووں سے جو مٹی لگی وہ میری محبت کا مرکز ہے۔ اور خوشبوناک مٹی سے کہیں بہتر ہے۔ کیا میرے لئے کوئی راستہ ہے جبکہ میری خواہشات اس وقفہ کیلئے تیار ہیں جو اس کے نشانات کے درمیان ہے۔ میں اس کے نیچے روندی جانے والی مٹی سے اپنی پیاس بجھاتا ہوں۔ اور میں اپنے آنسوؤں کے پیالے بھر بھر کر اس میں انڈیلتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پاکیزہ تحیات جن پر رشک کیا جائے۔ اور نرم زمین کو اونٹ اور گھوڑے طے کر کے خوشبوؤں کو لاد کر مدینہ طیبہ پہنچیں۔ اور مشک وعنبر کی لہریں اور تحفہ جات قبر انور پر نچھاور کریں۔ اور آپ کے روضہ مقدسہ پر بادہائے نسیم چلتی رہے۔

امام مقری کہتے ہیں کہ میں نے ایک مثال شریف پر درج ذیل اشعار لکھے دیکھے۔ لیکن ان کے قائل کا علم نہ ہو سکا۔

يَا مُبْصِرِيْنَ مِثَالِ نَعْلِ مُحَمَّدٍ     صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
قُوْمُوا لِرُؤْيَتِهٖ قِيَامَ تَجَلُّدٍ     ثُمَّ الْثِمُوْهُ وَ كَرِّمُوا تَكْرِيمًا
فَسَبِيْلُ اَهْلِ الْحُبِّ رَعْى مَعَاهِدٍ     عَهِدُوا الْحَبِيْبَ بِرَبْعِهِنَّ مُقِيمًا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال دیکھنے والو! آپ کی ذات اقدس پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔ اس کے دیکھتے ہی صبر واستقلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اس کو چوم لو اور اس کی تعظیم وتکریم بجالاؤ۔ کیونکہ اہل محبت کا طریقہ یہ ہے کہ محبوب جن مقامات وآبادیوں میں قیام پذیر ہو رہا ہو ان سے بھی پیار ومحبت کے پیمان باندھتے ہیں۔

امام مقری نے کہا کہ ہمارے دوست فقیہ، سیاح جناب ابوالحسن علی بن احمد الخزرجی الفاسی الشہیر بالشامی نے درج ذیل اشعار کہے۔

وَقَفْتُ عَلٰی تِمْثَالِ نَعْلٍ كَرِيْمَةٍ     اُحَيِّيْتُ لِرَسْمِ الشَّوْقِ مِنِّي مَا اَقْوٰى
وَاَيْقَنْتُ اَنِّي اِنْ ظَفَرْتُ بِلَثْمِهَا     تَمَسَّكْتُ فِي اُخْرٰى بِالسَّبَبِ الْاَقْوٰى
وَنَادَيْتُهَا يَا نَعْلُ عُذْرًا فَاِنَّنِيْ     عَلٰى مَدْحِ بَعْضٍ مِنْ مَعَالِيْكَ لَا اَقْوٰى
وَطَأْتَ رُبُوْعًا لِلْهُدٰى وَ مُغَانِيًا     عَلَاهَا عَلَى الرِّضْوَانِ اُسِّسَ وَالتَّقْوٰى
وَلَا مَسَّتْ رَجُلًا لَوْ يُطَاوِعُ تُرْبَهَا     ثُرَيَّا السَّمَاءِ شَدَّتْ لِتَقْبِيْلِهٖ حُقْوًا

جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل کریم کی مثال کے قریب کھڑا ہوا۔ تو میں نے اپنی قوت کے مطابق رسم شوق ومحبت سے اس کی تعظیم کی اور سلام کیا۔ اور مجھے یقین تھا کہ اگر میں اس کے چومنے میں کامیاب ہو گیا تو میں نے اپنی آخرت کیلئے ایک مضبوط سبب کو تھام لیا ہے۔ میں نے آواز دی۔ اے نعل! مجھے معذور سمجھنا۔ کیونکہ میں تمہارے کچھ حصوں کی بھی تعریف نہیں کر سکتا۔ تجھے وہ شرف حاصل ہے کہ تو نے رہنمائی کیلئے زمین کو زینت بخشی اور جس کی بنیاد رضوان الٰہی اور تقویٰ پر رکھی گئی۔ وہاں تو چلتی رہی۔ اور تو نے اس مقدس پاؤں کے بوسے لئے اگر اس کی مٹی کو آسمانی ثریا چوم لیتی تو اس کی فریاد بھی بڑھ جاتی۔

مولانا شیخ امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

يَا طَالِبًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ     هَا قَدْ وَجَدْتَ اِلَى اللِّقَاءِ سَبِيْلًا
فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّاسِ وَ اخْضَعْ وَاعْتَقِدْ     وَتَغَالِ فِيْهِ وَاَدِّلْهُ التَّقْبِيْلًا
مَنْ يَدَّعِيَ الْحُبَّ الصَّحِيْحَ فَاِنَّهٗ     يَبْدِيْ عَلٰى مَا يَدَّعِيْهِ دَلِيْلًا

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کے طالب! ادھر آکر تجھے ملاقات کا ایک راستہ اور طریقہ میسر آگیا ہے۔ وہ یہ کہ تو اس نمونۂ نعل کو اپنے سر پر رکھ لے۔ جھک جا اور اظہار عقیدت کر اور حد سے بڑھ کر کر۔ اور اس کو چوم لے۔ جو بھی خالص محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے اپنے دعویٰ پر دلیل ضرور پیش کرنی چاہیے۔

## پانچویں فصل

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح المتعال'' کے چوتھے باب میں نعل مبارک کی مثال کے خواص، مجربات اور منافع ذکر کئے ہیں جو ان حضرات سے نقل کئے گئے جن کی باتوں اور خبروں میں حق و صداقت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے قابل اعتماد حضرات ہیں جن کے روشن سورج سے لوگوں نے روشنی پائی۔ اور جن کے چمکتے آفتاب سے ضیاء حاصل کی۔ اس بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی امیدیں برلائے۔ تمہاری بات اور عمل کو ستھرا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس مثال مبارک ومقدس کے منافع محتاج بیان نہیں کیونکہ بیان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی بات آنکھوں سے دیکھی نہ ہو۔ مثال مقدس کے منافع و برکات آنکھوں دیکھی حقیقت ہیں۔ جنہیں ان دیکھنے والوں نے بیان کیا۔ جو خود بھی ایسے امام وعلماء ہیں، جو مشہور ومعروف ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- امام رحلہ شیخ صالح ابو اسحاق بن الحاج یعنی ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المری الاندلسی السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان سے ابوالیمن بن عساکر وغیرہ نے نقل کیا۔ فرماتے ہیں مجھے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مجھے ابو جعفر احمد بن عبدالمجید نے بتایا۔ موصوف بہت بڑے شیخ اور صالح بزرگ تھے۔ فرماتے ہیں میں نے اس مثال شریف کا ایک نمونہ ایک طالب علم کیلئے تیار کیا وہی طالعلم چند دن بعد مجھے ملنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے گزشتہ رات اس نعل پاک کے نمونہ کی عجیب برکت دیکھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کیا دیکھا ذرا بیان تو کرو۔ وہ بولا۔ میری بیوی کو سخت درد نے آلیا۔ اتنا شدید درد کہ معلوم ہوتا تھا وہ گھڑی پل کی مہمان ہے۔ میں نے نعل شریف کا نمونہ اس کی درد والی جگہ پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے اللہ! مجھے اس نعل پاک کے نمونہ کی برکت دکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت میری بیوی کو شفا دیدی۔

۲- یہ واقعہ بھی ابو اسحاق بن الحاج مذکور نے ہی بیان کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جناب ابوالقاسم قاسم بن محمد نے مجھے بتایا۔ میں نے اس نعل پاک کے نمونہ کی برکات کا تجربہ کیا ہے۔ جو شخص اسے اپنے

پاس حصول برکت کیلئے رکھتا ہے۔وہ باغیوں کی بغاوت سے امن و امان میں ہو جاتا ہے۔دشمنوں پر اسے غلبہ حاصل ہوتا ہے۔اور ہر شیطان مردود کی شرارت سے پناہ میں رہتا ہے۔اور ہر حاسد کی آنکھ سے بچا رہتا ہے۔اگر اس نمونہ کو حاملہ عورت اپنی دائیں جانب باندھ لے۔باوجودیکہ اس کو دردزہ انتہائی درجہ کا ہو رہا ہو۔اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کا یہ مرحلہ آسان کر دیتا ہے۔انتہیٰ۔جناب علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے بھی اس بات کا تجربہ کیا اسے بالکل صحیح پایا۔

۳۔ مثال شریف ہر نظر بد اور جادو سے امان کا ذریعہ ہے۔جیسا کہ جناب شرف الدین طنوبی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔

أَكْرِمْ بِتِمْثَالٍ تُزَايِدُ يُمْنَهُ ‌ ‌ رَوَتِ الثِّقَاتُ لَهُ جَمِيلَ فَعَالٍ

إِنْ أَمْسَكَتْهُ حَامِلٌ بِيَمِينِهَا ‌ ‌ رَأَتِ الْخَلَاصَ بِهَا وَحُسْنَ فِصَالٍ

أَوْ مَنْ بِهِ دَاءٌ لَأَصْبَحَ فَاقِهًا ‌ ‌ مِنْ ضُرِّ أَوْجَاعٍ وَمِنْ أَوْجَالٍ

أَوْ كَانَ فِي جَيْشٍ لَأَصْبَحَ ظَافِرًا ‌ ‌ أَوْ مَنْزِلٍ لَنَجَا مِنَ الْأَشْعَالِ

وَبِهِ الْأَمَانُ مِنَ الْعَدُوِّ بِنَظْرَةٍ ‌ ‌ وَالسِّحْرِ وَالشَّيْطَانِ ذِي الْأَضْلَالِ

وَالْأَمْنُ مِنْ غَرَقٍ وَ مِنْ بَاغٍ وَمِنْ ‌ ‌ كَيْدِ الْحَسُوْدِ وَ سَارِقٍ خِتَالٍ

فَبِهِ تَمَسَّكْ بِالْحَبِيبِ الْمُصْطَفٰى ‌ ‌ فَعَسٰى بِهِ تَنْجُوْ مِنَ الْأَهْوَالِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کی بہت عزت کر۔اس سے بڑی برکت ملے گی۔ باوثوق حضرات نے اس کے ذریعہ اور برکت سے بڑے بڑے کام بیان کئے ہیں۔اگر حاملہ عورت اسے اپنی دائیں جانب باندھ لیتی ہے تو اس کی برکت سے جننے کی تکلیف کی فلاحی پالے گی۔اور آسان اور اچھے طریقے سے بچہ پیدا ہوگا۔یا اگر کسی شخص کو کوئی بیماری ہے تو اس کی برکت سے اسے ہر درد اور تکلیف سے فاقہ ہو جائے گا۔یا اگر کوئی میدان جنگ میں لڑنے والی جماعت میں ہے تو اس کی برکت سے کامیاب ہو جائے گا اور اگر یہ نمونہ گھر میں رکھا جائے تو وہ گھر آگ سے محفوظ رہے گا۔اس کی برکت سے آدمی نظر بد سے، جادو اور گمراہ کرنے والے شیطان سے امن و امان میں رہے گا۔ڈوبنے سے بچاؤ، باغی سے بے خوفی، حاسدوں کے حسد سے حفاظت اور چور کی چوری سے امن اس کی برکات میں شامل ہے۔لہٰذا تو اس کو وسیلہ بنا اور اس سے اپنا تعلق استوار کر کیونکہ اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کی پریشانیوں اور سختیوں سے نجات عطا فرمادے۔

۴۔ بعض ائمہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی برکات میں سے ایک مجرب چیز یہ ہے کہ جس نے ہر

وقت اسے اپنے پاس رکھا وہ عوام میں قبولیت تام پائے گا۔ اور ضرور بالضرور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ یا پھر وہ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

۵- بہت سے ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نعل پاک کی مثال جس لشکر میں موجود ہو اسے شکست نہیں ہوتی۔ جس قافلہ میں ہو وہ لوٹا نہیں جاتا، جس کشتی میں ہو وہ غرق نہیں ہوتی، جس گھر میں ہو اسے آگ نہیں جلاتی، جس سامان میں ہو اس کی چوری نہیں ہوتی۔ اور جو بھی اس کے صاحب یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی حاجت وضرورت میں وسیلہ بناتا ہے وہ لازماً پوری ہو جاتی ہے۔ اور ہر تنگی دور ہو جاتی ہے۔ علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے اس مضمون سے ملتا جلتا مضمون امام ابن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھا۔ جو انہوں نے نعل پاک کی مثال پر لکھا ہوا تھا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ جَرَّبَ هٰذَا الْمِثَالَ الشَّرِيْفَ اِنْ كَانَ فِيْ دَارٍ لَاتَحْرِقُ اَوْ مَالٍ لَا يُسْرَقُ اَوْ مَرْكَبٍ لَا تَغْرِقُ اَوْ قَافِلَةٍ لَا تُنْهَبُ بِبَرَكَةِ النَّبِيِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وسلم وَ شرف و اکرم۔ اھ۔ اس مثال شریف کا تجربہ کرلو۔ اگر یہ گھر میں ہوگی تو گھر نہیں جلے گا، اگر مال میں ہوگی تو اسے چرایا نہیں جا سکے گا۔ اگر کشتی (یا جہاز) میں ہوگی وہ ڈوبے گی نہیں۔ قافلہ میں ہوگی وہ لٹے گا نہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت شرافت وکرامت کی وجہ سے ہے۔

۶- علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعل پاک کی مثال کی برکت کا ایک عظیم واقعہ ہے جس کا تعلق ہمارے شیخ امام محدث شہر فاس کے مفتی شیخ سیدی محمد القصار القیسی الغرناطی الاصل رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ افریقی ممالک میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ میں نے اگر چہ یہ واقعہ موصوف سے خود اپنے کانوں سے نہیں سنا۔ لیکن مجھے جن لوگوں نے بتایا وہ سبھی باوثوق تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیدی محمد القصار رحمۃ اللہ علیہ ابھی بچے تھے۔ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایک بہت بڑے مکان کی نچلی منزل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مکان کی بڑی بڑی بنیادیں، اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ جیسا کہ فاس شہر کے مکانات کی ہوتی ہیں۔ خاص کر فاس شہر کے کھاتے پیتے گھرانے کے جیسے مکان ہوتے ہیں۔ اس طرح کا یہ مکان تھا۔ اس مکان میں مثال شریف ایک دیوار کے ساتھ تھی۔ جو انسانی قد سے ذرا اونچی جگہ پر لٹکائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت مکان کی بالائی منزل نچلی منزل پر گر پڑی۔ اور مکان منہدم ہو گیا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ اس کے اندر جو لوگ تھے وہ سب مر گئے ہیں۔ انہوں نے سارا دن اس کا ملبہ ادھر ادھر کرنے میں گزارا۔ تا کہ اندر سے ان کی لاشیں نکال کر دفن کی جائیں۔ جب ملبہ ہٹاتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ سب زندہ موجود ہیں۔ اور نعل پاک کی مثال کی برکت سے

انہیں کوئی چوٹ نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر نہایت مہربانی ہوئی۔ اور اس نے محیر العقول کام کر دکھایا۔ جو وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔ وہ یوں ہوا کہ ایک شہتیر جس پر چھت کھڑی تھی جب وہ گرا تو ان لوگوں پر خیمہ کی طرح چھا گیا۔ اس کا بلندی والا حصہ دیوار کے اس حصہ پر آکر ٹک گیا جہاں مثال شریف تھی اور دوسرا حصہ زمین پر آکر لگ گیا۔ اور اس میں گڑ گیا پھر اوپر سے جو ملبہ گرتا اس پر آکر گرتا۔ یہ لوگ اس شہتیر کے نیچے تھے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے مثال شریف کی برکت سے انہیں کس طرح محفوظ رکھا۔

۷- علامہ مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے مشاہدہ کیا اس نے کہیں سے سن رکھا تھا کہ جو شخص مثال نعل شریف ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے اس کی ہر امید پوری ہو جاتی ہے اس نے اس کے بعد مثال شریف کو اپنی پگڑی میں باندھ لیا اور بہت سے امور کے بارے میں امید باندھ لی۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے ساتھیوں پر مجھے سبقت حاصل ہو جائے لیکن علم میں وہ اس کا حقدار نہ تھا۔ اسے اس کی برکت سے اپنا مطلوب ومقصود مل گیا اور امامت پر فائز ہو گیا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جو اس سے زیادہ امامت کے حقدار تھے۔ اسے تقدم حاصل ہو گیا اور اس قدر بھاری بھرکم منصب اسے صدق نیت اور عدم شک کی وجہ سے حاصل ہو گیا اگر چہ اس نے جو مقصد اس مثال شریف کے ذریعہ اور برکت سے حاصل کیا ایسا مقصد اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ افراد پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخیار میں سے بنائے اور اغیار سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۸- جناب شیخ عبدالحق بن حسب النبی ایک ثقہ عالم ہیں۔ انہوں نے مجھے واقعہ سنایا۔ انہوں نے اس کتاب کا ایک چھوٹا نسخہ بھی لکھا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سال نصف رمضان گزرنے پر مجھے جسم کے نچلے حصہ میں ایک بیماری ظاہر ہوگئی جس کا مجھے علم نہ تھا کہ یہ کیا بیماری ہے؟ بہت شدت کا درد شروع ہو گیا۔ اچانک مجھے اس نعل شریف کی مثال اور اس کے منافع یاد آگئے۔ تو میں نے مثال شریف کو درد والی جگہ پر رکھا۔ اور یہ دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰی بِالنَّعْلِ اَنْ تُعَافِیَنِیْ مِنْ هٰذَا الْمَرَضِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کے طفیل سوال کرتا ہوں جو اس نعل کے ذریعہ چلتے رہے یہ کہ تو مجھے اس مرض سے آرام دے دے۔ اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! درد اسی وقت تھم گیا۔ اور اسی دن مکمل شفایاب ہو گیا۔ گویا مجھے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے ان موصوف کی صاحبزادی نے بتایا کہ اس کی آنکھوں میں بیماری آپڑی۔ جس کے علاج ودوا سے میں عاجز ہو گئی۔ اس نے اپنے والد سے گزارش کی۔ ابا جان! میں کبھی کبھار آپ سے سنا کرتی تھی کہ آپ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثل کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ مہربانی فرما کر مجھے عطا فرمائیے۔ چنانچہ وہ لائے اور اسے دی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر لگائی۔ تو اسی وقت تندرست ہوگئی۔

۹- امام مقری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ کیا میرے ساتھ اور میرے سامنے یہ واقعات ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے "تطاوین" کی سرحد سے جزائر کی طرف ذی قعدہ ۷ ۱۰۲ھ میں بذریعہ کشتی سفر کیا۔ اس وقت سخت سردی تھی۔ دریا ان دنوں انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ چلتے چلتے دریا ہمارے لئے ہولناک بن گیا۔ حتیٰ کہ چپو بھی ٹوٹ گئے۔ ہم بالکل ہلاکت کے منہ میں پہنچ چکے تھے۔ تجربہ کار اور دریائی ماہر نجات سے ناامید ہو چکے تھے۔ سب نے موت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں نے اس وقت نعل شریف کی مثال کشتی کے رئیس کو بھیجی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے وسیلہ سے دعا کی کہ اس کی برکت سے ہمیں نجات مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے ایک عظیم مہربانی یہ ہوئی کہ انجام کار ہم سلامتی سے بہرہ ور ہوئے۔ اسے دریائی تجربہ کاروں نے "کرامت" شمار کیا۔

اسی سفر میں ہمیں ہوا کے شدید جھونکوں نے سفر سے روک دیا۔ اس وقت ہم ایک کافر دشمن کے ساحل پر تھے۔ اللہ انہیں برباد کرے۔ وہاں ہمارا پڑاؤ طویل ہوگیا۔ اس قدر کہ عام عادت کے مطابق اتنے عرصہ میں وہ دشمن حملہ کر دیتے تھے۔ لیکن بحمد اللہ ہم نے صرف ان کے بارے میں خبر ہی سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ہمارے دیکھنے سے اندھا کر دیا تھا۔ جب ہم تیونس پہنچے تو ہم نے وہاں سے "سوسہ" سرحد کی طرف ایک بڑے بحری جہاز میں سفر کیا۔ دوران سفر سمندر بپھر گیا۔ اس قدر طغیانی اور مدوجذر کی ہم نے ایسی حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہمیں زندگی سے ناامیدی ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کی برکت سے صحیح وسالم پار لگا دیا۔

۱۰- ایک مرتبہ میں نے مصر سے "سویس" بندرگاہ کی طرف سفر کیا ایک چھوٹے ہندی بحری جہاز میں ہم سوار ہوگئے۔ دوران سفر سمندر میں ہولناک طوفان آیا۔ ایسا ہم نے پہلے نہ دیکھا تھا اور ہمارے ساتھ جو عمر رسیدہ لوگ تھے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم نے بھی ایسا شدید طوفان پہلے نہیں دیکھا۔ اس طوفان شدید کی وجہ سے بہت سی سلطانی (شاہی) کشتیاں غرق ہوگئیں۔ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی اپنی کشتیوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ سات کشتیاں ان میں سے ہم نے ڈوبتے دیکھیں۔ ہم بھی کئی مرتبہ اس طوفان میں ہلاکت کے قریب پہنچے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نعل شریف کی مثال کی برکت سے ہمیں نجات عطا فرمائی۔

۱۱- مجھے ایک ایسی جماعت نے بتایا جن کی خبر باوثوق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ان پر سمندر ہولناک ہو

گیا۔لوگوں نے مثال شریف کا وسیلہ پکڑا۔ اسے اپنا سفارشی بنایا اور اس کے وسیلہ وسفارش سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل اور مکمل حفاظت عطا فرمادی۔

۱۲- ہم نے ایک دن آگ دیکھی۔ جیسا کہ وہ سمندر سے اٹھ رہی ہے۔ ہمارے اور اس آگ کے درمیان تقریباً بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور ہماری کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ملاح اور بحریہ کے آدمی بھاگ گئے اور ہمیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی۔ جبکہ وہ صرف ہم سے دو گز کے فاصلہ پر تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کے شعلے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتے۔ پھر اس کے بعد ہوا ہمارے موافق نہ رہی۔ ہم پریشان تھے اس دوران اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں مثال شریف کی طرف اشارہ کروں میں نے فی البدیہہ اس وقت (اشارہ کرتے ہوئے) یہ اشعار کہے۔

سَأَلْتُ رَبِّیْ بِطٰهٰ صَاحِبِ النَّعْلَیْنِ     وَمَنْ سَمَا قَدْرُهٗ فِی الْاَصْفِیَا الْاَعْلَیْنَ

فِیْ اَنْ یَّمُنَّ عَلَیْنَا بِالنَّسِیْمِ اللَّیِّنَ     یَسْرَعُ بِنَا لِنَحْوِ الطَّیِّبِ الْاَصْلَیْنِ

میں اپنے رب سے طٰہٰ صاحب نعلین شریفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور اس ذات کا وسیلہ پیش کرتا ہوں جن کی قدر و منزل اس نے اعلیٰ درجہ کے اصفیاء سے بھی اعلیٰ بنائی۔ کہ وہ ہم پر ہمارے موافق ہوا چلا کر احسان فرمائے۔ تاکہ ہم جلدی سے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پہنچ جائیں۔۔

میں ابھی اس استغاثہ اور دعاء سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ نہایت نرم اور موافق ہوا چل پڑی۔ حتیٰ کہ ہم "ینبوع" آگئے۔ وہاں سے اتر کر ہم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۱۳- راستہ میں ایک "خارجی" رہتا تھا جس نے راستہ کو پرخطر بنایا ہوا تھا۔ لوگوں کا مال واسباب لوٹ لیا کرتا تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو اس نے اپنے ساتھیوں سمیت ہم پر حملہ بول دیا وہ سب مسلح تھے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ وہ ہمیں دیکھ نہ سکے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ والحمد للہ۔

۱۴- ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھی جس کشتی پر سوار تھے وہ دریا میں ایک ایسی جگہ پھنس گئی۔ جہاں چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے مجھے پتھر ہی پتھر نظر آرہے تھے۔ ہم صبح کے وقت وہاں پہنچے تھے۔ ادھر دریا بھی جوش میں تھا۔ عادت یہ تھی کہ ان پتھروں میں سے کسی ایک پتھر پر کشتی کھڑی کر دی جاتی۔ اور اسے توڑ کر راستہ بنایا جاتا تھا۔ لیکن ہم نے مثال شریف سے توسل پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلامتی سے گزار دیا۔

۱۵- امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ واقعات درج فرمانے کے بعد لکھا۔ کہ مجھے ایک ثقہ آدمی نے بتایا کہ وہ ایک مرتبہ شدید بیمار پڑ گیا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ

مجھے موت کا کچھ وقت مل جائے گا اگر نعل شریف کا نمونہ بنائے۔ اور اس سے توسل کرے تو میں نے اس الہام کے مطابق مثال شریف بنائی۔ اس سے توسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی۔

۱۶- ایک دوست نے مجھے بتایا، جس کی بات قابل اعتراض نہیں ہوتی تھی کہ اس نے ایک مرتبہ خطرناک علاقے میں سفر کیا ایسا علاقہ جس میں جانے والا چوروں اور ڈاکوؤں سے شائد ہی بچ پائے۔ اس کے ساتھ مثال شریف بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بحفاظت وہاں سے گزار دیا۔ چوروں نے اس کو لوٹنے کا ارادہ بھی کیا اور گھات لگا کر بیٹھے بھی رہے۔ لیکن کئی مرتبہ کوشش کرنے کے باوجود ناکام رہے۔

۱۷- امام مقری فرماتے ہیں کہ میں نے مثال شریف کی ان دنوں قاھرہ میں عجیب وغریب برکت دیکھی وہ یہ کہ میں نے اپنی یہ کتاب (فتح المتعال) جس میں نعل پاک کی مثال موجود ہے۔ ایک صندوق میں دوسری کتابوں کے ساتھ رکھ دی۔ میں نے ایک دفعہ صندوق کھولا تا کہ اس میں ایک کتاب نکالوں کھولتے ہی مجھے ایک بچھو نظر آیا جو اوراق پر تھا اور مرکر خشک ہو گیا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اسے مرے مدت گزر چکی ہے میں نے جب یہ واقعہ دیکھا تو مجھے یقین تھا کہ یہ مثال شریف کی برکت ہے۔

مختصر یہ کہ مثال شریف کے منافع مشہور اور اس کے خواص سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہیں اور اس سلسلہ میں حق بات صاحبان مراتب کثیرہ سے بکثرت وارد ہیں۔ اور اس سے طلب شفاء ایسے ائمہ وقت کرتے رہے جن کی امامت واقتداء مسلم ہے۔ ان میں پرانے اور نئے ہر زمانہ کے حضرات موجود ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس موضوع پر بہت سے قصائد اور نعتیہ اشعار مختلف شخصیات نے کہے ہیں۔ لہٰذا ہر مثال شریف کے دیکھنے والے اور اس کی زیارت کرنے والے پر از روئے ادب و برکت اس کا چومنا لازم ہے۔ میں نے اپنے آقا اور چچا محترم کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے۔ کہ وہ اپنا چہرہ اس پر رگڑتے تھے اور اپنی داڑھی کے سفید بال اس پر پھیرتے تھے۔ میں نے بارہا انہیں ایسے کرتے دیکھا۔ اسی طرح ہمارے دیگر شیوخ کرام کا بھی یہی معمول رہا ہے ان سب حضرات کا مثال شریف سے برکت حاصل کرنا صرف اس وجہ سے تھا۔ کہ اس کی نسبت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ وہ اس سے طالب شفا ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات وآثار مبارکہ سے طلب شفاء کوئی منکرات میں شامل نہیں اور نہ ہی انہونا کام ہے۔ درج ذیل اشعار کا مضمون کس قدر معزز ہے۔ ملاحظہ ہو۔

خَلِیْلَیَّ ھٰذَا رُبْعُ عِزَّۃٍ فَاعْقِلَا ۔۔۔ قُلُوْصَیْکُمَا ثُمَّ انْزِلَا حَیْثُ حَلَّتْ

وَمَسَّا تُرَابًا طَالَمَا مَسَّ جِلْدَھَا ۔۔۔ وَظَلًّا وَبَیْتًا حَیْثُ بَاتَتْ وَ ظَلَّتْ

وَلَاتَيَا سَاإِنْ يَمْحُوَ اللّٰهُ عَنْكُمَا ذُنُوْبًا إِذَا صَلَّيْتُمَا حَيْثُ صَلَّتْ

میرے دونوں دوستو! یہ گھر اور جگہ بڑی عزت والی ہے۔ اپنی اونٹنیاں بٹھاؤ اور نیچے اترو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک زمین پر پڑتی رہی تم بھی وہاں لوٹ جاؤ۔ اس مٹی کو چومو جس نے عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کی۔ اور دن رات وہاں بسر کرو جہاں آپ کی نعل مبارک نے دن رات گزارا۔ اس بات سے ناامید نہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ جب تم نے وہاں نماز ادا کی جہاں انہوں نے خدمت کی۔

ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب صاحب مصر و شام، یمن و حجاز اور فاتح ممالک کثیرہ اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کا نجات دہندہ جو اسلام کا عظیم حکمران ہو گزرا ہے۔ اسے ایک دفعہ پنکھا بطور ہدیہ بھیجا گیا، جس کی ایک طرف یہ لکھا ہوا تھا۔ "یہ ہدیہ ایسا ہے کہ ایسا ہدیہ اس سے پہلے آپ کو کسی نے نہ بھیجا ہو گا۔ اور نہ ہی آپ کے والد کو بلکہ کسی حکمران اور بادشاہ کو بھی نہیں بھیجا گیا ہو گا" ہدیہ بھیجنے والا مدینہ منورہ کا شریف تھا۔ (یعنی مدینہ منورہ کا حکمران) یہ تحریر پڑھ کر سلطان موصوف غصہ میں آ گیا۔ غصہ کی حالت میں اس نے پنکھا کی دوسری طرف الٹا کر دیکھا۔ اس پر درج ذیل دو بیت لکھے ہوئے تھے یہ بھی بیان کیا گیا کہ جو ایلچی یہ پنکھا لیکر گیا تھا اس نے عرض کیا بادشاہ سلامت! غصہ نہ فرمائیں۔ اس کی دوسری طرف کو بھی دیکھ لیں۔ اشعار یہ ہیں۔

أَنَا مِنْ نَخْلَةٍ تُجَاوِرُ قَبْرًا سَادَ مَنْ فِيْهِ سَائِرَ الْخَلْقِ طُرًّا

شَمَلَتْنِي سَعَادَةُ الْقَبْرِ حَتّٰى صِرْتُ فِي رَاحَةِ ابْنِ أَيُّوْبَ أُقِرًّا

میں اس کھجور کے پتوں سے بنایا گیا ہوں جنہیں اس شخصیت کی قبر انور کی ہمسائیگی نصیب رہی جو تمام کائنات کے سردار ہیں۔ مجھ میں قبر انور کی سعادت شامل رہی یہاں تک کہ میں اب صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں میں ہوں۔

یہ اشعار دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ خدا کی قسم! سچ ہے، بہت خوش ہوا اور اس پنکھے کو سینے سے لگا لیا اور لانے والے ایلچی کو خوب انعام و اکرام سے نوازا۔

ہمارے ایسے ائمہ کرام جو اپنے دور کے مقتداء اور پیشوا ہوئے ان کی بہت بڑی جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا چومنا "صحیح" کہا ہے۔ یعنی جس ورق پر یا جس چیز پر لکھا ہوا اس کو چومنا درست قرار دیا ہے۔ چومنے کے علاوہ اس کی تکریم، تبجیل اس کو تبرک سمجھنا اور اسے سر اور آنکھوں پر رکھنے کو بھی جائز و صحیح کہا ہے۔

شیخ امام ابوعبداللہ محمد التوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ آپ ''القصیدہ الشقراطیسیہ فی مدح خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے مرتب ہیں۔ اس قصیدے کی انہوں نے ایسی جامع اور طویل شرح کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ کئی مجلدات میں ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں ''توز'' نامی شہر میں رجب ۶۷۴ھ میں بکری نے ایک بچہ دیا جو سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کا ماتھا سفید تھا۔ اس سفید رنگ میں سیاہ رنگ سے لفظ ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔ اتنا واضح تھا کہ ہر ایک اسے پڑھ سکتا تھا۔ میں نے اس پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''اَلْغُرَّةُ اللَّائِحَةُ وَالْمَسْكَةُ الْفَائِحَةُ فِي الْخُطُوطِ الصَّمَدِيَةِ وَالْمُفَاخِرَةِ الْمُحَمَّدِيَةِ'' رکھا۔ اس میں میں نے ایک نظم کے انداز میں لکھا۔

جَدْیٌ غَدَا كَالْجَدْیِ اَشْرَقَ نُوْرُهُ ... فَمَحَلُّهُ فَوْقَ السَّمَاکِ الْاَعْزَلِ
رَقَمَتْ يَدُ الْاَقْدَارِ صَفْحَةَ وَجْهِهٖ ... رَقْمًا بَدِيْعًا بِاِسْمِ اَكْرَمِ مُرْسَلِ
فَتَلَأْلَأَتْ اَنْوَارُهُ فَشُعَاعُهَا ... كَالشَّمْسِ قَدْ حَلَّتْ بِاَشْرَفِ مَنْزِلِ
مَا اَبْصَرَ الْاِسْمَ الشَّرِيْفَ مُوَحِّدٌ ... اِلَّا وَقَبَّلَ مِنْهُ خَيْرَ مُقَبَّلِ
رُوِيَتْ بِهٖ اَلْبَابُنَا فَكَاَنَّمَا ... وَرَدَتْ بِهٖ الْاَفْوَاهُ اَعْذَبَ مَنْهَلِ
فِي غُرَّةِ الشَّهْرِ الْمُبَارِكِ اَشْرَقَتْ ... فَالنَّاسُ بَيْنَ مُكَبِّرٍ وَ مُهَلِّلِ
عَجَبٌ اَتٰى رَجَبٌ بِهٖ فَتَاكَّدَتْ ... بَرَكَاتُهُ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤَمِّلِ
فَكَاَنَّ مَنْ قَدْ قَالَ عِشْ رَجَبًا تَرٰى ... عَجَبًا عَنَاهُ بِالزَّمَانِ الْمُجْمَلِ
يَاغُرَّةً كَالصُّبْحِ تَمَّمَ حُسْنَهَا ... خَطٌّ مِنَ اللَّيْلِ الْبَهِيْمِ الْاَلْيَلِ
اَشْهٰى وَاَحْلٰى فِي النُّفُوْسِ مِنَ الْكَرٰى ... وَاَلَذُّ مِنْ عَذْبِ الزُّلَالِ السَّلْسَلِ
هِيَ خَطُّ اِنْعَامٍ عَلٰى لَوْحِ الْهُدٰى ... لِمُؤَمِّلٍ نَعْمَاهُ اَوْ مُتَاَمِّلِ
هِيَ تَاجُ اِحْسَانٍ عَلٰى رَاْسِ الْعُلَا ... اَحْسَنُ بِتَاجٍ بِالسَّنَاءِ مُكَلِّلِ
سَبْحٌ بَدَا فِي لُؤْلُؤٍ مُتَلَالِئٍ ... طِرْزٌ عَلٰى ثَوْبِ الْجَمَالِ الْاَكْمَلِ
طَرَزَ بِهٖ اَرْدَانُ الزَّمَانِ بِاَسْرِهٖ ... فِي الْحَالِ وَالْمَاضِيْ وَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ
يَا تَوْزَرُ الْغَرَّاءِ فُزْتِ بِغُرَّةٍ ... غَرَّاءَ فِي زَمَنٍ اَغَرَّ مُحَجَّلِ
جَرٰى ذُيُوْلُ الزَّهْوِ مِنْ فَرَحٍ بِهَا ... جَرَّ الْفَتَاةِ ذُيُوْلَ بُرْدٍ مُسْبَلِ
اُعْطِيْتَ مَا لَمْ يُعْطَ غَيْرُكَ مِثْلَهٗ ... شُكْرًا لِمَوْلَاكَ الْعُلٰى الْمُفْضِلِ
شَرَفٌ خُصِّصْتَ بِهٖ وَفَضْلٌ بَاهِرٌ ... يَبْقٰى عَلٰى مَرِّ الزَّمَانِ الْاَطْوَلِ

هٰذَا طِرَازُ الْحُسْنِ لَا مَاقَالَهٗ حَسَّانٌ فِي حُسْنِ الطِّرَازِ الْاَوَّلِ

ایک بکری کا بچہ صبح پیدا ہوا جو روشنی میں ''جدی'' ستارے کی مانند ہے۔ لہٰذا اس کا محل و مقام ''اعزل'' ستارے کے آسمان سے بھی اوپر ہے۔ دست قدرت نے اس کے چہرہ کے صفحہ پر عجیب و غریب انداز سے اکرم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہے۔ اس کے انوار چمک اٹھے۔ اس کی شعاعیں سورج کی مانند ایک اعلیٰ مکان میں پڑیں، جس کسی مسلمان نے اس اسم شریف کو دیکھا۔ وہی اسے خوش آمدید اور مبارک دینے لگا۔ اس نے ہمارے دلوں کو تر و تازہ اور شاداب کر دیا۔ یوں لگا جیسے کہ میٹھے پانی سے بھرے مشکیزے انڈیل دیئے گئے۔ بکری کا یہ بچہ رجب شریف کے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں پیدا ہوا۔ جب لوگ تکبیر و تہلیل کی تیاریوں میں تھے۔ اس بار رجب عجیب کیفیت سے آیا کہ ہر مومن کے دل میں اس کی برکات اور مضبوط ہو گئیں۔ جو یہ محاورہ بولا جاتا ہے ''عش رجبا تری عجبا'' رجب میں زندہ رہو عجیب و غریب حالات دیکھو گے۔ اس کے کہنے والے نے یہی بابرکت زمانہ مراد لیا ہو گا۔ اے بچے کے ماتھے! تو صبح کی مانند حسن و جمال میں مکمل ہے اور تو سیاہ اندھیری رات کی ایک لکیر ہے۔ تو نیند سے زیادہ میٹھا اور چاہت ہے اور میٹھے سلسبیل کے پانی سے زیادہ لذت والا ہے۔ یہ ہدایت کی تختی پر ایک خط انعام ہے اور ہر اس شخص کیلئے جو نعمتوں کا امیدوار ہو یا ابھی سوچ میں پڑا ہو۔ یہ بلندیوں کے سر پر احسان کا تاج ہے کس قدر چمکتا اور خوبصورت تاج ہے۔ ایک سیاہ موتی چمکتے موتیوں میں ظاہر ہوا جیسا کہ خوبصورت کپڑے پر کڑھائی کی گئی ہو۔ ایسی کڑھائی جس نے زمانے کے تمام پہلوؤں کو خوبصورت کر دیا۔ یعنی ماضی حال اور مستقبل سب مزین ہو گئے۔ اے مبارک شخص! تجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا نادر و کمیاب بکری کا سفید چہرے والا بچہ عطا کیا، جو اس روشن دور میں ممتاز ہے۔ تو اس کی خوشی میں خوشی کے دامن اس طرح گھسیٹا چل جس طرح نوجوان عورت لٹکی ہوئی چادر کا دامن گھسیٹی چلتی ہے۔ تجھے وہ چیز عطا کی گئی جو تیرے سوا کسی اور کو نہیں ملی۔ تو اپنے مولیٰ، بلند و بالا اور فضل والے کا شکریہ بجا لا۔ یہ ایسا شرف ہے جو تجھے بالخصوص عطا کیا گیا۔ اور ایسا واضح فضل ہے جو تیرے لئے خاص کیا گیا۔ یہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ یہ ایک خوبصورت قصیدہ ہے لیکن ایسا نہیں جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال میں کہا۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء'' میں اور ابن مرزوق نے ''شرح بردہ المدیح'' میں بہت سی ایسی حکایات نقل کی ہیں۔ جن میں دست قدرت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی کا لکھا جانا مذکور ہے۔ بعض واقعات پتھروں کے متعلق ہیں۔ بعض کسی اور

چیز پر لکھے گئے اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے شہر فاس میں ۱۰۲۶ھ میں ہتھیلی برابر ایک سیاہ پتھر دیکھا۔ جس پر قدرۃً ایک کونہ میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرے میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا۔ کتابت سیاہ رنگ کی تھی۔ بعض لوگوں نے امتحان کی خاطر لوہے کے ایک آلہ سے اس تحریر میں سے ایک حرف کو کھرچا۔ کھرچتے کھرچتے پتھر کی دوسری طرف آ گئی لیکن وہ حرف مٹنے کی بجائے اور زیادہ واضح ہوتا گیا۔ جو اس بات کی صحت کی دلیل تھی کہ یہ تحریر کسی انسانی ہاتھ سے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ قدرتی ہے۔ یہ پتھر ایک عورت کی ملکیت تھا۔ جو "فاس" کی رہنے والی تھی اسے اس پتھر کے برابر میں نے دوگنا سونا پیش کیا۔ تا کہ اس کے عوض وہ پتھر فروخت کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا میں نے ہر ممکن طریقہ سے اسے اس پتھر کی فروخت کی رغبت دلائی۔ اس کے باوجود وہ تیار نہ ہوئی۔ میرے پاس وہ پتھر چند دن رہا۔ پھر میں نے اسے واپس کر دیا۔ فاس میں اسے ہر شخص جانتا ہے۔ حاملہ عورتیں اسے لے جاتی ہیں۔ تا کہ اس کی برکت سے ولادت کا مرحلہ ان پر آسان ہو جائے۔ اس کی مالکہ نے مجھے بتایا کہ یہ پتھر مجھے بحر محیط کے ساحل سے ملا تھا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنے محبوب ﷺ کی شان عجیب انداز سے ظاہر فرمائی۔

## فائدہ: نعل شریف کی مثال کو چومنے کا ذکر

نعل شریف کی مثال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہر چیز کا ادب واحترام۔ امام مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے مشائخ کرام جو قابل اعتماد شخصیات ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ان کی تعظیم وتوقیر کرتے، علاوہ ازیں معظمین دینی کے آثار سے برکت حاصل کرنا بھی معلوم ہے۔ یہ بات مشہور اور جانی پہچانی ہے میں نے ارادہ کیا کہ قابل تعظیم اشیاء کے چومنے کے بارے میں کچھ اقوال ذکر کروں۔ لہٰذا میں کہتا ہوں۔

بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے خاص کر علماء مالکیہ کا مشرب یہ ہے کہ جن اشیاء کے بوسہ دینے کے بارے میں شریعت میں کچھ وارد نہیں۔ ان کو چومنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ حجر اسود کے بارے میں روایات موجود ہیں۔ اس کو چومنا درست ہے۔ بعض ائمہ کرام نے حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت کہا۔ جو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہی ہے جو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو تمہیں بوسہ دیتے نہ دیکھتا۔ میں تجھے نہ چومتا" اس قول کے پیش نظر ان بعض ائمہ نے کہا ہے کہ جن پتھروں وغیرہ کے بارے میں شریعت چومنے کے متعلق خاموش ہے۔ ان کا

چومنا مکروہ ہے۔ انتہیٰ۔

حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے تحت فرماتے ہیں۔ قول یہ ہے "جب بھی کسی نے بیت اللہ شریف کا بوسہ لیا اس نے اچھا کیا" اس سے مراد امام موصوف کی یہ نہ تھی کہ ایسا کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسا کرنا مباح ہے اور مباح بھی اچھے کاموں میں سے ایک اچھا کام ہے۔ جیسا کہ علماء اصول نے ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔

بعض علماء نے کہا کہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں "نظر" ہے۔ جو مخفی نہیں۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی کہا۔ متبرک مقامات کا بطور تبرک چومنا اور بزرگوں کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دینا یہ کام نیت اور قصد کے اعتبار سے حسن ومحمود ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ وہ اپنے جسم کے اس حصہ پر سے کپڑا سرکائیں۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوما تھا۔ یہ جگہ ان کی ناف تھی۔ (جب امام موصوف نے اپنی ناف سے کپڑا اٹھایا) تو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ سے حصول برکت کی خاطر اور آپ کی اولاد کے تبرک کے پیش نظر اسے چوم لیا۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چومے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے یہ ہاتھ وہ بابرکت ہاتھ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس نے چھوا ہے۔ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا کہ مجھے حافظ ابوسعید بن العلاء نے خبر دی کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے کلام میں ایک قدیم جزء میں دیکھا۔ جس پر ابن ناصر وغیرہ حفاظ حدیث کی تحریر تھی۔ کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور اور منبر شریف کا چومنا کیسا ہے؟ فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ تحریر شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھائی۔ وہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اور تعجب کرنے لگا۔ اور کہنے لگا "امام احمد عجیب آدمی ہیں۔ میرے نزدیک وہ جلیل القدر شخصیت ہیں۔ لیکن وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں" یہ معنی ابن تیمیہ کے جواب کا ہے۔ موصوف نے کہا کہ اس قول امام احمد میں تعجب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی قمیص دھوئی اور جس پانی سے اسے دھویا اسے آپ نے پی لیا۔ جب امام احمد بن حنبل کے ہاں اہل علم کی تعظیم کا یہ عالم ہے۔ تو حضرات صحابہ کرام کی تعظیم اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ کی تعظیم کا کیا مقام ہوگا؟ لیلیٰ کے مجنوں نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى ۔ أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي ۔ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

میں لیلیٰ کے شہر سے گزرتا ہوں۔ کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس کو۔ شہر کی محبت نے میرا دل نہیں پھاڑا۔ بلکہ اس نے پھاڑا جو اس شہر میں سکونت پذیر ہے۔ انتہی۔

محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حجر اسود اور ارکان کعبہ کے چومنے سے یہ استنباط کرنا ممکن ہے۔ کہ ہر اس چیز کو چومنا جائز ہے جس کے چومنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہو۔ کیونکہ ان اشیاء کے بارے میں اگرچہ ثواب کی کوئی روایت نہیں ہے تاہم کراھت کی بھی کوئی روایت نہیں۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے جد امجد جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تالیفات میں امام ابو عبداللہ بن ابی الصیف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا دیکھا کہ بعض حضرات کو میں نے دیکھا۔ کہ جب وہ قرآن کریم کو دیکھتے اسے چوم لیتے، جب حدیث پاک کی کتاب دیکھتے اسے بوسہ دیتے اور جب کسی صالح کی قبر دیکھتے تو اسے بھی چوم لیتے۔ فرمایا یہ کوئی انوکھی اور بعید از فہم بات نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ واللہ اعلم۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس معاملہ میں مالکی مذہب والے حضرات کراہت کا قول کرتے ہیں۔ ابن الحاج نے ''مدخل'' میں لکھا ہے بعض لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کا طواف کرتے ہیں، یونہی جب وہ روضہ مطہرہ کی دیواروں کو ہاتھوں سے چھوتے ہیں، اور قبر انور پر شمعیں اور غلاف وغیرہ ڈالتے ہیں یا اس قسم کی دوسری بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، اس سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ تبرک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دور جاہلیت میں بتوں کی پرستش اسی قبیلہ سے تھی۔

اسی لئے ہمارے علماء نے کعبہ کی دیواروں کو چھونا، یا مسجد (نبوی) کی دیواروں، قرآن کریم کی چھونے سے تعظیم کرنا مکروہ کہا ہے۔ قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے، نہ کہ اسے چوما جائے اور اس کیلئے قیام کیا جائے جیسا کہ اس زمانہ میں بعض لوگ کرتے ہیں۔ مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ اس میں نماز ادا کی جائے، اور اس کا احترام کیا جائے، یہ نہیں کہ اس کی دیواروں کو چھوا جائے۔ یونہی وہ ورق کہ جس پر اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی لکھے ہوئے ہوں اور وہ زمین پر پڑا ہوا مل جائے۔ اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو گندی جگہ سے ہٹا دیا جائے یہ نہیں کہ اسے چومنا شروع کر دیں۔ یونہی ولی اللہ کی تعظیم اس کی اتباع کرنا ہے نہ کہ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا۔ انتہی بقدر

ضرورت۔

اگر تم اعتراض کرو کہ ابھی یہ چند سطور جو ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کی گئیں ان میں جو مذکورہ امور کی کراہت بیان کی گئی یہ تمہاری پچھلی گفتگو کے خلاف ہے جس میں تم نے مالکی مذہب کے کئی ایک علماء سے نقل کیا کہ وہ مثال شریف کو چومتے تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں مثال نعل پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چومنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ان حضرات کے قصائد اور قطعہ جات بھی مذکور ہوئے، جن میں یہ باتیں موجود ہیں کیا صواب ان کے ساتھ ہے یا ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ؟ حالانکہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ بڑے زاہد اور متقی علماء میں سے ہوئے ہیں۔ قابل اعتماد و مقتدیٰ ہوئے ہیں؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ جن علماء کرام نے اسے جائز قرار دیا اور خود کیا تھے؟ یہ لوگ اپنے دور کے پیشوا تھے۔ ان حضرات نے اس مسئلہ میں ان علماء کی تقلید کی ہو جو امت محمدیہ میں سے اس کے جواز کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ان حضرات نے چومنے اور بوسہ لینے کا حکم نہ دیا ہوتا (صرف خود چوما ہوتا) تو ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ غلبہ شوق کے تحت ان حضرات نے ایسا کیا اور بے اختیار ان سے یہ کام ہو گیا۔ جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے۔

فَقُلْتُ وَمَنْ يَمْلِكُ شَفَا هَا مَشُوْقَةٌ      اِذَا ظَفِر يَوْمًا بِبُغْيَتِهَا الْقَصْوٰى

میں نے (معترض) کو کہا کہ جب شوق اور محبت کا غلبہ ہو اور اپنی انتہائی امید بر آئے۔ (یعنی محبوب کا ہجر ختم ہو اور محبوب تنہائی میں مل جائے) تو وہ کون ہے جو اپنے ہونٹوں کو قابو میں رکھ سکے۔

امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام (فائدہ کے ضمن میں) یہاں تک تھا۔

میں (علامہ نبہانی) نے صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے اور ان کو چومنے کے بارے میں بھرپور تبصرہ کیا ہے اور اکابر علماء کرام کے اقوال اس سلسلہ میں اپنی کتاب "شواھد الحق فی الاستغاثۃ لسید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے باب اول کے آخر میں ایک مستقل فصل میں نقل کیے ہیں۔ میں نے وہاں ذکر کیا کہ زیارت کرنے والے کیلئے کون سے کام نہ کرنے کے لائق ہیں۔ جن علماء کرام کے اقوال میں نے نقل کیے۔ ان میں شیخ الشافعیہ الشمس الرملی رحمۃ اللہ علیہ کا شرح المنہاج میں سے یہ قول بھی ہے۔ وَيُكْرَهُ اَن يُجْعَلَ عَلَى الْقَبْرِ مِظَلَّةٌ وَاَنْ يُقَبَّلَ التَابُوتَ الَّذِىْ فَوقَ الْقَبْرِ وَاِسْتِلَامَهُ وَ تَقْبِيْلُ الْاَعْتَابِ عِنْدَ الدُّخُوْلِ لِزِيَارَةِ الْاَوْلِيَاءِ نَعَمْ اِنْ قَصَدَ بِتَقْبِيْلِهِ التَّبَرُّكَ لَا يُكْرَهُ كَمَا اَفْتٰى بِهِ الْوَالِدُ اھ۔ قبر پر سائبان بنانا، اس کے اوپر والا تعویذ چومنا، اسے ہاتھ لگانا اور اولیاء کرام کے (مزارات) کی زیارت کیلئے داخل ہوتے وقت دہلیز کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر

چومنے سے ارادہ یہ ہے کہ برکت حاصل ہوتو پھر مکروہ نہیں، جیسا کہ میرے والد گرامی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

الفصل السادس: امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب مذکور "فتح المتعال" میں مثال نعل شریف کے وصف اور اس کے منافع نظم ونثر میں ذکر کرنے کے بعد "خاتمۃ الکتاب" میں لکھا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ میں اس خاتمہ میں چند اہم مسائل تحریر کروں۔ اگرچہ ان میں سے بعض اس کے حقدار تھے کہ انہیں کتاب کے شروع میں لکھا جاتا۔

**مسئلہ 1:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک انسانی قدموں میں سے خوبصورت ترین قدم تھے۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک موٹے موٹے تھے۔ اسے بخاری، مسلم اور بیہقی نے روایت کیا۔ ھند بن ابی ہالۃ کہتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک موٹے اور سخت تھے۔ انگلیاں سیدھی تھیں۔ پاؤں کے تلوؤں کا درمیانہ حصہ چلتے وقت زمین پر نہ لگتا تھا۔ دونوں قدم مبارک ایسے تھے کہ ان میں کوئی بل اور شگاف نہ تھا۔ پانی پڑتا تو جلد بہہ جاتا تھا۔ (رواہ الترمذی)۔

ترمذی شریف کی مذکورہ روایت میں پاؤں کیلئے "شَثْنُ الْكَفَّيْنِ، خَمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ، مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْ عَنْهُمَا الْمَاءُ" الفاظ آئے ہیں۔ ان کے بارے میں علامہ مقریؒ رحمہ اللہ علیہ نے لغوی بحث کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا کہ کئی ایک حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کیلئے "شثن" کا لفظ ذکر فرمایا۔ اس کا معنی انگلیوں کا گوشت سے بھرا ہوا ہونا یعنی موٹی تھیں۔ پھر کہا کہ دونوں پاؤں "ذَاخَمْصٍ" تھے۔ یعنی دونوں پاؤں کے تلوے ایسے نہ تھے کہ چلتے وقت تمام کے تمام زمین پر لگتے ہوں۔ اور "مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ" جس روایت میں آیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قدمہائے مبارکہ میں نرمی اور صفائی تھی۔ شگاف اور بل نہ تھے۔ اھ۔ "خَمْصَانِ" کا تلفظ خاء مضمومۃ کے ساتھ ایک جماعت نے ضبط کیا ہے۔ نہایۃ ابن اثیر اور جوھری کی صحاح کے قلمی صحیح نسخہ میں ایسے ہی مذکور ہے۔ لیکن الشفاء کے بعض قابل اعتماد نسخہ جات میں خاء مفتوحہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔ النہایۃ میں ہے کہ "اَخْمَصُ" قدم میں وہ جگہ ہے جو چلتے وقت زمین پر نہیں لگتی۔ اور "اَلْخَمْصَانِ" اس معنی کا مبالغہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے قدم مبارک کا وہ حصہ جو چلتے وقت زمین پر نہ لگتا تھا وہ زمین سے لازماً اٹھا ہوا رہتا۔ ابن اعرابی سے اس لفظ کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا کہ جب پاؤں کے وصف میں "خَمْصُ الْاَخْمَصِ" کہا جائے اور قدم کا زمین سے ہٹا ہوا

رہنا زیادہ نہ ہو اور قدم کا نچلا حصہ برابر نہ ہو۔ تو یہ حالت ''احسن الخمص'' ہے۔ بخلاف اول کہ وہ زیادہ اچھی نہیں کہلاتی۔ اور لفظ ''مَسِيْحُ'' میم مفتوحہ اور سین مکسورہ کے ساتھ پھر یاء ساکنہ اور آخر میں حاء اس کا معنی نرم اور وہ بھی ایسا جس میں کوئی بل اور شگاف نہ ہو۔ جب ایسے پاؤں پر پانی ڈالا جائے تو بہت جلد پانی ان سے زمین پر گر جائے۔ کیونکہ وہ ملائم ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے نَبَاءَ الشَّيْءُ يَنْبُو۔ جب کوئی چیز دور ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے عبد الرزاق اور بزاز نے ایک روایت کی ہے۔ ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَطَأُ بِقَدَمِهٖ جَمِيْعًا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے پاؤں سے زمین پر چلتے تھے۔ یعنی درمیان کا حصہ زمین سے اٹھا ہوا نہ ہوتا۔ یہ روایت پہلی روایت کے خلاف ہے۔ اسکا بعض شیوخ نے یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاؤں پر زور دیکر چلنے کے وقت تھا۔ جس سے پورا تلوا زمین پر لگتا تھا۔ اور پہلی روایت اس وقت ہے جب آپ آرام سے چلتے۔ یعنی آرام اور نرم رفتار سے چلتے وقت تلوے کا درمیان زمین سے اٹھا رہتا اور جلدی اور تیز رفتاری کے وقت پورا تلوا زمین پر لگتا۔ اس فرق کے پیش نظر دونوں روایات میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

ہمزیہ کی شرح میں ہے۔ ''اَخْمَص'' قدم میں وہ مقام ہے جو چلتے وقت زمین سے نہیں لگتا۔ ''اُلْخَمْصَانِ'' اس کیفیت میں مبالغہ ثابت کرتا ہے۔ اس پر امام بیہقی کی اس روایت سے اعتراض نہ کیا جائے۔ جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بایں مضمون مروی ہے۔ '' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زمین پر چلتے تو پورا پاؤں زمین پر لگاتے اس کے درمیان کا حصہ زمین سے اٹھا ہوا نہ ہوتا'' اسی طرح ابن عساکر نے حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوے مبارک درمیان سے اونچے نہ تھے۔ بلکہ جب چلتے تو پورا تلوا زمین پر لگتا تھا'' اعتراض اس لئے نہ کیا جائے کہ آپ کے پاؤں کے نچلے حصہ کا درمیان زیادہ اٹھا ہوا نہ تھا۔ یعنی نہ تو بالکل ایڑی اور انگلیوں والے حصہ کے برابر تھا۔ بلکہ ان سے تھوڑا سا اوپر رہتا تھا اور نہ ہی بہت زیادہ اوپر رہتا تھا۔ پاؤں کے تلوے کی یہ کیفیت اس کی خوبصورتی پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں اگر تلوا بالکل برابر ہو یا درمیان سے بہت ابھرا ہوا ہو تو قابل مذمت ہوگا۔ شرح ہمزیہ کی یہ عبارت اسی تطبیق کو بیان کرتی ہے جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

**مسئلہ 2:** امام السنۃ حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ میمونہ بنت کردم (بروزن جعفر) رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کی سبابہ انگلی (انگوٹھے

سے متصل انگلی) دیکھی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری پاؤں کی انگلیوں سے لمبی تھی۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کی چھنگلیا ابھری ہوئی تھی۔ اس روایت کی سند میں سلمہ بن حفص السعدی ہے۔ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ شخص احادیث گھڑا کرتا تھا۔ لہٰذا اس کی روایت سے احتجاج (دلیل پکڑنا) درست نہیں۔ اور نہ ہی اس سے روایت کرنا چاہئے۔ اس کی مذکورہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "معتدل الخلق" تھے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے انگوٹھے سے متصل انگلی بقیہ پاؤں کی انگلیوں سے لمبی تھی۔ جس نے اس انگلی کا لمبا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی انگلیوں میں کہا۔ اس نے غلط کہا۔ جیسا کہ کئی ایک ناقدین نے کہا ہے اور آپ کے پاؤں کی چھنگلیا ظاہر تھی۔

**مسئلہ 3:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کثیر مدح گو حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی پتھر یا چٹان پر چلتے تو آپ کے قدم مبارک اس میں ثبت ہو جاتے۔ یعنی چٹان پر پاؤں لگنے کا نشان بن جاتا۔ اور آپ جب ریت پر چلتے تو اس میں پاؤں مبارک کا نشان نہ پڑتا۔ حتیٰ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ بعض پتھر ایسے ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کے نشانات ہیں تو لوگ ان پتھروں کی زیارت کرنے جاتے تا کہ ان سے تبرک حاصل کیا جائے خاص کران پتھروں سے برکت حاصل کرنا جو مخصوص مقامات پر رکھے ہی اس لئے گئے تھے تا کہ لوگ ان کی زیارت کریں۔

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مصر میں سلطان مرحوم ابوالنصر قایتبائی المحمودی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر ایک پتھر دیکھا جو صحراء میں تھی۔ اس پتھر پر نشانات تھے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نشانات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے ہیں لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس کی برکات لوگوں نے دیکھیں۔ جنکار مرحوم سلطان الروم خادم الحرمین الشریفین مولانا سلطان احمد بن مولانا السید محمد بن مولانا سلطان مراد بن عثمان رحمۃ اللہ علیہم نے یہ پتھر اس مقام سے اپنے دربار شاہی قسطنطنیہ منتقل کرایا تھا پھر حکم دیا کہ اسے وہیں پہلی جگہ ہی واپس رکھ دیا جائے۔ اس بادشاہ نے اس پتھر پر شاہی طریقہ سے سونا چڑھایا۔ جس پر درج ذیل اشعار مکتوب تھے۔

تَشَوَّقُ حَضْرَةُ السُّلْطَانُ اَحْمَدُ زِيَارَتَهُ اِلَى الْقَدَمِ الْمُكَرَّمِ
فَحَرَّكَهُ بِجَاذِبَةِ اِشْتِيَاقِ عَلَى اِقْدَامِ اَقْدَامِ فَقَدَمَ

وَصَيَّرَهٗ اِلٰی قُسْطُنْطِنِيَة فَقَالَ لَهٗ تَقَدَّمْ خَيْرَ مَقْدَمِ
وَاَدْخَلَ دَارَهٗ بِالْيُمْنِ حُبًّا وَ تَعْظِيْمًا لِصَاحِبِهِ الْمُعَظَّمِ
حَبِيْبُ اللّٰهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ رَبُّنَا صَلّٰی وَسَلَّمَ
وَاَرْجَعَهٗ بِاِعْزَازٍ عَظِيْمٍ اِلٰی تِلْقَاءِ مَوْضِعِهِ الْمُقَدَّمِ
اِلٰهِیْ عَمِّرِ السُّلْطَانَ اَحْمَدَ وَقَدِّمْهُ عَلٰی مَنْ قَدْ تَقَدَّمَ
بِحُرْمَةِ صَاحِبِ الْقَدَمِ الْمُعَلّٰی اِلَی الدَّرَجَاتِ فِی الْاَفْلَاکِ سَلَّمْ

سلطان احمد کا شوق ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے نشان کی زیارت کرے۔ تو سچے شوق نے اسے اس قدم مبارک کو اپنے ہاں لانے کا ارادہ کیا۔ پھر جب وہ قسطنطنیہ لایا گیا تو اس کا خوب استقبال کیا اور تعظیم ومحبت کے جذبات سے اسے اپنے گھر داخل کیا۔ کیونکہ اس نشان والے قابل تعظیم ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حبیب ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ جن پر ہمارے رب نے صلوۃ وسلام بھیجے۔ پھر اس نشان والے پتھر کو پورے احترام وتعظیم کے ساتھ اس کی پہلی جگہ واپس کر دیا۔ اے اللہ! سلطان احمد کو عمر دراز عطا فرما اور اپنے سے پہلے گزرے بادشاہوں سے مقدم کر۔ اے اللہ! صاحب قدم معلّٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحرمت اس سلطان کو آسمانوں میں بلند درجات عطا فرما۔

بادشاہ موصوف اس نشان قدم کی زیارت سے ۱۰۲۴ھ میں مشرف ہوا۔ (انتہیٰ ما الفیتہ بحروفہ)

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ مشرفہ میں بھی زمزم شریف کے گنبد کے پیچھے والے گنبد میں ایک پتھر پر نشان قدم دیکھا۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ یہ نشان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک کا ہے۔

مجھے کچھ لوگوں نے بتایا کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مقدسہ میں بھی ایسا ایک پتھر ہے۔ میں جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوا تا کہ اس میں جلنے والی چراغ روشن کر کے برکت حاصل کروں۔ اس وقت مجھے ایسا کوئی پتھر نظر نہ آیا۔ پھر میں نے اس کے متعلق باوثوق اور جان پہچان والے حضرات سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ حجرہ مقدسہ میں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ہاں مدینہ منورہ کے کسی مکان میں ایسا پتھر ہے۔ میں پوچھتے پوچھتے اس مکان تک پہنچ گیا۔ میں نے اس پتھر کی جگہ تلاش کر لی اور ایسے وقت میں اسے پایا کہ جس وقت میں گیا تھا۔ اس وقت اس مکان میں داخلہ ناممکن تھا۔ اس کے بعد مجھے کئی مرتبہ حجرہ مقدسہ میں داخل ہونے کا اتفاق ہوا۔ لیکن وہاں مجھے اس قسم کا پتھر بالیقین نظر نہ آیا۔ جس پر مجھے یقین ہو گیا کہ جس نے مجھے بتایا تھا اسے وہم تھا۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے نشان قدم والا پتھر بیت المقدس میں صخرہ شریفہ کے گنبد میں دیکھا۔لوگ اس کی تعظیم بجالاتے تھے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اس قسم کی چیز کا ثبوت و وجود کتب واحادیث میں کسی طرح بھی نہیں ملتا۔اس کے منکرین میں سے امام برہان الدین ناجی دمشقی بھی ہیں۔انہوں نے اس بات پر جزم کیا کہ ایسی کوئی روایت وارد نہیں۔یونہی امام حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوٰی میں لکھا ہے۔کہتے ہیں کہ میں اس بارے میں کسی اصل پر مطلع نہیں۔نہ ہی مجھے کوئی سند ملی اور کتب احادیث میں اس بارے میں کسی تخریج کو میں نے دیکھا۔ان کے شاگرد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''سیرت'' میں تسلیم کیا لیکن کہا کہ تمہارے لئے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اطلاع ہی کافی نہیں ہے۔میں نے ان کی نشان دادہ کتب کی طرف رجوع کیا۔جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہے۔لیکن مجھے یہ چیز ان میں نہیں مل سکی۔لہٰذا وہ چیز جس کا ثبوت و وجود نہ کتب تاریخ میں ہو اور نہ کتب احادیث میں ہو اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔انہوں نے اس سلسلہ میں سوال وجواب کے رنگ میں یہ بات لکھی ہے۔

**مسئلہ 4:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کے ضمن میں عوام کی زبان پر چند مسائل چڑھے ہوئے ہیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نرم ہوجاتا تھا اور آپ کے قدموں کے نشان اس پر بن جاتے تھے۔

۲۔ آپ جب ریت پر چلتے تھے تو اس میں آپ کے قدموں کے نشان نہیں پڑتے تھے۔

کیا ان دونوں باتوں کی کتب حدیث میں اصل ہے یا نہیں؟اگر ان کے بارے میں کچھ وارد ہے تو کس نے اس کی تخریج کی؟وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے؟۔

۳۔ حافظ شمس الدین بن ناصر دمشقی نے اپنے ''معراجیہ'' میں جو مسجع لکھا۔اس نے اس میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کے صخرہ کی طرف متوجہ ہوئے پھر اس کے اوپر چڑھے۔اس کی مشرقی طرف سے اوپر چڑھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نیچے اس نے ہلنا شروع کر دیا اور آپ کیلئے وہ صخرہ نرم ہوگیا۔فرشتوں نے اسے حرکت کرنے سے روکا۔

کیا اس واقعہ کی بھی کتب حدیث میں اصل ہے خواہ ضعیف ہو یا صحیح؟اور کیا آج بھی اس پتھر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشان موجود ہیں یا نہیں؟

۴- کتب حدیث میں وارد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کے قدم مبارک اس پتھر میں اتر گئے تھے۔ اور آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی دیواروں کی تعمیر کی تھی۔ اور وہ پتھر اب بھی مسجد حرام میں اس جگہ موجود ہے جسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔

کیا یہ بھی صحیح ہے یا ضعیف ہے؟ یا اس کا بھی کوئی اصل نہیں؟

۵- بعض علماء کہتے ہیں کہ انبیائے سابقین کو جس قدر معجزات عطا ہوئے وہ سب کے سب ہمارے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کئے گئے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کرام کو جو کرامات دی گئیں وہ سب آپ کو بھی عطا کی گئیں۔

کیا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ قول کس کا ہے؟

۶- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمۃ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تو باہر کھڑے آپ ان کے آنے کا انتظار فرما رہے تھے۔ دوران انتظار آپ کا کندھا اور کہنی ایک دیوار کے ساتھ لگے تو پتھر کی بنی دیوار میں آپ کی کہنی کے نشانات پڑ گئے۔ اسی لئے اس گلی کا نام ''زقاق المرفق'' پڑ گیا۔

کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اس کی کوئی اصل ہے؟

۷- امام ثعلبی اور طرطوسی نے اپنی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خندق کھودی تو کھودتے ہوئے ایک چٹان آ گئی۔ صحابہ کرام اس کے توڑنے سے عاجز آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق میں اترے۔ آپ نے اس پر تین ضربیں لگائیں وہ چٹان آپ کیلئے نرم ہو گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

کیا یہ صحیح ہے یا ضعیف؟ کیا اس کی کوئی قابل اعتماد اصل ہے؟

۸- جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پتھر نرم ہو جاتا تھا اور آپ کے قدم مبارک کے نشان اس میں پڑ جاتے تھے تو کیا یہ آپ کا معجزہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: خندق کھودتے وقت چٹان کا ظاہر ہونا، صحابہ کرام کا اس کے توڑنے سے عاجز آ جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے تین ضربات لگانا اور اس کا ٹوٹ جانا یہ صحیح ہے۔ یہ واقعہ مختلف طریقہ ہائے اسناد سے الفاظ متعددہ کے ساتھ وارد ہے۔ امام بیہقی اور ابونعیم دونوں نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرۃ بن عوف المزنی کی حدیث لکھی ہے۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔ اس کی اصل صحیح میں ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّا یَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ تَعَرَّضَتْ کُدْیَۃٌ شَدِیْدَۃٌ فَجَاؤُا اِلَی النبِي صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالُوا ھٰذِہٖ کُدْیَۃٌ عَرَضَتْ فِيْ الْخَنْدَقِ فَاَخَذَالمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَتْ کَثِیْبًا اَھْیَلاً۔ ہم غزوۂ خندق کے دن خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان سامنے آ گئی صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یہ ایک سخت چٹان خندق میں آڑے آ گئی ہے۔ آپ نے کدال اٹھایا اس پر مارا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا اور اس پتھر پر آپ کے مبارک قدموں کے نشانات پڑ جانا۔ یہ واقعہ کتب میں وارد ہے۔ ازرقی نے تاریخ مکہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ جس کو ابوسعید خدری عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ان پر موقوف ہے اس کی سند صحیح ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج کی ہے۔ انہوں نے ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ ان دو کے علاوہ بقیہ سوالات کے بارے میں کسی اصل پر واقف نہیں ہوا۔ نہ کوئی سند دیکھنے میں آئی اور نہ ہی مجھے کوئی ایسا شخص معلوم ہوا جس نے ان کی کسی کتاب میں تخریج کی ہو۔ جو حدیث کے موضوع پر لکھی گئی ہو۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں۔ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص" میں لکھا ہے۔

صاحب الصحاح رزین رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ آپ جب کسی پتھر پر پاؤں رکھتے تو اس میں آپ کے پاؤں کے نشانات پڑ جاتے تھے۔ حافظ ترمذی نے جو ابن قیم کا شاگرد ہے اس نے بھی یہ بات اپنی تصنیف "خصائص" میں لکھی ہے۔ لکھنے کے بعد کہا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہے کا موم ہو جانا، یہ تو معروف ہے کہ آگ میں ڈالنے سے لوہا موم ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پتھروں کو موم کر دیا ہے۔ پتھروں کا آگ میں ڈالے جانے سے موم ہونا غیر معروف ہے۔ بلکہ کسی اور طریقہ سے بھی پتھر موم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ معجزہ زیادہ بلیغ ہے۔ پھر لکھا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی چٹان پر چلتے تو وہ آپ کے قدموں تلے موم ہو جاتی۔ اور جب آپ ریت پر چلتے تو اس میں پاؤں کے نشانات نہ پڑتے۔ یہ عادت جاریہ کے بالکل خلاف بات ہے۔ کتاب کے شروع میں اس نے کہا۔ ہم ہر پیغمبر کے معجزات ذکر کریں گے۔ اور یہ بھی کہ وہ سب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کیلئے ثابت تھے۔ اس کے علاوہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص، فضائل اور آپ کے فواضل بھی ذکر کریں گے۔ بیشک یہ بات وارد ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک اس پتھر پر ثبت ہو گئے جو مقام ابراہیم میں موجود ہے۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مقام ابراہیم میں بارہا داخل ہوا۔ پہلی مرتبہ ۱۰۲۹ھ میں جانے کا اتفاق ہوا میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات دیکھے، جو مقام ابراہیم میں ہیں، میں نے ان سے برکت حاصل کی، گلاب کے پانی سے میں نے انہیں دھویا اور پھر اسے پی لیا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ فَهُوَ الْمَسْئُوْلُ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَجْعَلَنَا مِنَ الْاٰمِنِيْنَ۔ آمین۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ ہمزیہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں لکھا ہے۔

اَوْ بِلَثْمِ التُّرَابِ مِنْ قَدَمٍ لَا نَتْ حَيَاءً مِنْ مَشْيِهَا الصَّفْوَاءُ

یا اس ذات کے قدم ہائے مبارکہ سے لگنے والی مٹی کو بوسہ دینا جن کیلئے شرم وحیاء کی وجہ سے سخت پتھر موم ہو گئے۔

اے عاقل! تجھے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے۔ کہ تجھے بھی ہر اس بات کی مخالفت کرنے سے شرم وحیاء آنی چاہئے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تیرے پاس آئی۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ پتھر جو دیکھتا سنتا نہیں وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیاء کرتے ہوئے اپنی سختی پر قائم نہ رہے۔ جب آپ اس پر چلتے تھے تا کہ اس سختی سے کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔ لہٰذا وہ موم ہو جاتا۔ حتیٰ کہ آپ اس پر سے آرام سے گزر جاتے اور تو پتھر سے کہیں زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف عمل پر ڈٹا رہے۔ جبکہ تجھے آپ کے جلیل اوصاف اور بلند اخلاق کا اچھی طرح علم بھی ہے اس کے بعد علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بات لکھی ہے۔ یہ اور لوگوں نے بھی لکھی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص پر گفتگو کی۔ لیکن اس کی سند ذکر نہیں کی پھر ابن حجر نے علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت لکھی۔ جو انہوں نے ''خصائص'' میں لکھی ہے۔ جس کا ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

سوال: شیخ حافظ محدث سیدی شیخ محمد بن احمد المتبولی المصری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا کوئی روایت ملتی ہے کہ مکھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھتی تھی؟ اور دھوپ میں

آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا؟ یا کوئی روایت نہیں۔ اور کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریت پر چلتے تھے تو آپ کے قدموں کے نشانات ریت پر نہیں بنتے تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک جب سخت پتھر پر پڑتے تو اس میں نشان پڑ جاتا تھا؟

جواب: ہاں! ابن سبع اور نیشاپوری وغیرھما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی دھوپ میں آپ کا سایہ دکھائی دیتا تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مکھی کا جسم پر بیٹھنا اور وہ بھی بڑے آدمیوں کے جسم پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جابر لوگوں کی ذلت کا ایک طریقہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبر وظلم سے کوسوں دور تھے۔ دوسرا مسئلہ کہ آپ کا دھوپ میں سایہ نہ پڑتا اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ ''نور'' ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا سخت پتھر پر قدم مبارک کے نشانات پڑنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر شریف باقی رکھا جائے اور اس طرح اشارہ کرنا مقصود تھا۔ کہ پتھر بھی آپ کیلئے نرم ہو جاتا تھا۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ کا منکر ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آپ کی اتباع نہیں کرتا وہ پتھر سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ دونوں احادیث کی سند ضعیف ہے۔ مگر فضائل وغیرہ کے موضوع پر ایسی روایات میں چشم پوشی کی جاتی ہے اور مقبول ہوتی ہیں۔ ہاں عقائد اور احکام میں ایسی روایات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (حافظ متبولی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مکمل ہوا)۔

''الشفاء'' میں ہے۔ یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا دھوپ میں سایہ نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی چاند کی چاندنی میں سایہ پڑتا۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نور'' تھے اور یہ بھی مذکور ہے کہ مکھی آپ کے جسم اقدس اور آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پہلی بات کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ اس کے بارے میں تم جان چکے ہو کہ اسے ابن سبع اور نیشاپوری نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابھی شیخ کے جواب میں گزرا ہے۔ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں روایت لکھی ہے جس کے راوی عبدالرحمٰن بن قیس ہیں۔ لیکن یہ راوی روایات گھڑنے والا اور جھوٹا ہے۔ یہ (عبدالرحمٰن بن قیس) عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ مجہول ہیں اور یہ (عبدالملک) ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر مکھی کا نہ بیٹھنا اس بارے میں بھی تم جان چکے ہو کہ اسے بھی ابن سبع اور نیشاپوری نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ دلجی شائد اس

روایت سے واقف نہ ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ ''میں نہیں جانتا کہ اس کی روایت کس نے کی ہے؟'' حالانکہ الشفاء کے حاشیہ پر یہ روایت موجود ہے جسے علامہ ابن اقبرص نے لکھا ہے۔ صاحب الشفاء نے جب لکھا۔ ''یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہیں تھا۔ یہ قول واضح طور پر ابن سبع کی طرف منسوب ہے۔ اور انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نور'' تھے۔ اس عبارت میں بحث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے جیسا کہ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ۔ اس عبارت کے صحیح قرار دینے کا طریقہ یہ ہوگا کہ موصوف (ابن سبع) کی مراد ''نور'' سے یہ ہے کہ آپ کے پاس ایسی نورانیت تھی جو سورج اور چاند کی روشنی پر غالب آ جاتی تھی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ دکھائی نہ دیتا۔ کیونکہ دونوں نور مختلف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ایسی ہے جو نور لئے ہوئے ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ کیا یہ صفت صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی یا دیگر انبیاء کرام بھی اس سے متصف تھے؟ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی تھا کہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے نور عطا فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔ اھ۔

صاحب الشفاء کے قول ''مکھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس اور کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھی'' کے بارے میں شارح موصوف نے لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قول بھی ابن سبع کا ہی ہے اور اس کی تعلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامل طہارت سے سرفراز فرمایا ہے اور مکھی بعض دفعہ جسم یا کپڑے پر بیٹھ کر گندگی خارج کر دیتی ہے۔ اس قول میں تم غور کرو۔ اور اس عبارت میں بھی آخر تک بحث ہے کیا یہ عبارت اعتراض سے محفوظ ہے یا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

علامہ مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے قاضی القضاۃ محمد بن ابراہیم الفتائی المالکی المصری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ ''میں نے بعض مجموعہ جات میں لکھا دیکھا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے درج ذیل دس معجزات لکھ کر اپنے گھر میں رکھے گا۔ اس کا گھر آگ سے محفوظ رہے گا۔ اور جس نے یہ لکھ کر آگ پر ڈالے۔ آگ بجھ جائے گی۔

۱- زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کبھی بھی سایہ نہ پڑا۔

۲- آپ کا پیشاب بھی کبھی زمین پر ظاہر نہ رہا۔

۳- مکھی کبھی بھی آپ کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھی۔

۴- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔

۵- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جماہی نہ لی۔

۶- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

۷- کبھی کوئی چار پایہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بھاگا نہیں۔

۸- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن قلب انور نہیں سوتا تھا۔

۹- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح سامنے دیکھتے ویسے ہی اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

۱۰- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو تمام سے آپ کے کندھے بلند دکھائی دیتے۔ واللہ اعلم۔ اھ۔

محدثین کرام کی ان دس میں سے بعض کے متعلق کلام ہے۔ اور ان دس کے علماء نے بہت سے منافع وفوائد بھی لکھے ہیں۔

**مسئلہ 5** : دمشق میں اشرفیہ مدرسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ ابن رشید نے اپنے سفرنامے میں جس کا نام ''ملٔ العیبة'' ہے۔ مدرسہ اشرفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔ مدارس میں سے یہ بھی ایک مدرسہ ہے جہاں طلبہ بکثرت ہیں۔ اس کی چھتیں کافی اونچی اور اس کی دیواریں بہت مضبوط ہیں۔ دروازے نہایت پختہ ہیں۔ اس مدرسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نعل شریف بھی ہے۔ میں نے اس کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس سے برکت حاصل کرسکوں اور شفایاب ہوں۔ کیونکہ مجھے ایک مرض نے گھیر رکھا تھا۔ میں نے اس کی برکت پائی۔ میں بیماری کی حالت میں اس کی زیارت کرنے گیا اس وقت شیخ زین الدین عبداللہ فاروقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے جو اس مدرسہ کے شیخ تھے۔ اس مدرسہ کی جانب قبلہ میں دو کمرے تھے۔ ایک محراب کی دائیں طرف تھا۔ جس میں قرآن کریم کے نسخہ جات رکھے ہوئے تھے۔ دوسرا کمرہ محراب کی بائیں جانب تھا۔ جس میں صرف نعل مبارک تھی۔ اس کمرے کے دروازے کی چوڑائی پر تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لگائے گئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسا سونا جڑا گیا ہے۔ اس پر ریشمی پردے لٹکا دیئے گئے تھے۔ ایک سرخ، ایک سبز اور ایک زرد تھا۔ نعل پاک آبنوس کی بنی ایک کرسی پر رکھی گئی تھی۔ پھر نعل پاک پر ایک آبنوس کی تختی رکھی تھی۔ اس تختی کو درمیان سے اتنا چیرا گیا تھا کہ اس سے نعل پاک دکھائی دیتی تھی۔ جو تختی سے نیچے تھی اور یقیناً اس تختی کے دائیں بائیں اتنی جگہ باقی تھی جس پر تختی کھڑی تھی۔ پھر اس میں بنائے گئے خلاء کے ارد گرد چاندی چڑھائی گئی تھی۔ اس کے ظاہری حصہ پر مختلف اقسام کی خوشبویات رکھی گئی تھیں۔ حتیٰ کہ جو شخص اس کو

چومتا اس کا منہ خوشبو سے لتھڑ جاتا۔ جب کوئی شخص یہ چاہتا کہ اس کی مثال تیار کرے۔ تو وہ کاغذ یا ورق اس جگہ پر رکھتا جو تختی کو کاٹ کر نعل پاک کی شکل اور لمبائی چوڑائی پر بنایا گیا تھا پھر اپنے ناخنوں سے اس پر نشان لگاتا۔ تو نعل شریف کی مقدار برابر ایک نمونہ تیار ہو جاتا۔ وہاں ایک شخص کو محافظ مقرر کیا گیا تھا جو اس کی نگرانی و حفاظت کرتا تھا۔ اسے اس بات کی چالیس ناصری درہم تنخواہ ملتی تھی۔ وہ سوموار اور جمعرات کو دروازہ کھولتا۔ لوگ اسے چوم کر برکت حاصل کرتے۔ اتفاق کی بات کہ میں شیخ زین الدین فاروقی جو اس مدرسہ کے شیخ التدریس تھے کے ہاں ان دونوں دنوں کے علاوہ گیا۔ میں نے جب ان سے ملاقات کی تو میں انتہائی سخت بیمار تھا اور بستر سے چپکا ہوا تھا۔ انہوں نے مہربانی فرمائی اور خادم کو حکم دیا کہ میرے لئے دروازہ کھول دے۔ اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ میں نے نعل مبارک کو چوما۔ اس سے برکت حاصل کی اور یہ مثال اس پر کاغذ رکھ کر بنائی۔ جسے تم ایک ورق پر دیکھ رہے ہو۔ یہ نعل شریف کی مثال اس کی ہے جو میں نے خود تیار کی تھی۔ کیونکہ جو میں نے بنفسہ تیار کی تھی۔ وہ میرے ایک مخلص دوست نے بطور ہبہ مجھ سے لے لی تھی۔ جس سے میں واپس نہ لے سکتا تھا۔ میں نے اصل مثال اسے دیدی اور یہ اس کا کامل نمونہ تیار کیا۔ اس کے اور اس کے جو میں نے مدرسہ اشرفیہ میں موجود نعل شریف کی مثال بنائی۔ بالکل فرق نہ تھا۔ علاوہ ازیں ہمارے شیخ فقیہ محدث ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو نمونہ تیار کیا۔ اس میں نعل پاک کے اطراف میں چوڑائی اور تنگی میں کچھ مخالفت ہے اور جانب ایڑی میں زیادتی ہے۔ یہ اسی طرح تھی جس طرح ایک مثال ہمارے دوست المقری المجود ابو عبداللہ محمد بن علی بن عبدالحق انصاری المعروف ابن القصار نے بہت پہلے فاس شہر میں تیار کی تھی اور ان کی یہ مثال شیخ ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود مثال کے مطابق و موافق بنائی گئی تھی۔ مجھے انہوں نے ہمارے شیخ ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ خبر دی تھی۔ دونوں مثالوں میں جو معمولی سا اختلاف ہمیں نظر آتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ اشرفیہ میں موجود نعل پاک کی مثال اس وقت اتاری تھی جب وہ آبنوس کی کرسی پر رکھی گئی تھی۔ اور اس پر بالکل ظاہر تھی اور ابھی اس پر تختی نہیں لگائی گئی تھی۔ پھر تختی لگا کر تختی میں اس کے برابر اسی ہیئت کا سوراخ کیا گیا۔ لہٰذا یقینی بات ہے کہ نعل پاک کا جو حصہ تختی کی کروٹوں کے نیچے تھا اور جو حصہ چاندی چڑھانے میں نیچے رہ گیا تھا وہ مثال میں کم ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

ابن رشید مذکور بیان کرتا ہے کہ اس نعل پاک کا واقعہ جیسا کہ مجھ سے ہمارے دوست مقری ابو عبداللہ محمد بن علی بن القصار نے ۷۷ھ میں اکیس شعبان المکرم کو بتایا۔ اسی تاریخ کو میں نے وہ

مثال تیار کی تھی۔ جو ان کے پاس موجود مثال کے مطابق تیار کی تھی۔ جو انہوں نے شیخ ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مثال کا نمونہ بنایا تھا۔ یہ کہ جس نعل پاک پر اندازہ لگایا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متروکہ اشیاء میں سے ایک تھی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سیدہ میمونہ بنت الحارث کے پاس تھی۔ پھر ان کے بعد ان کے ورثاء کو منتقل ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ "بنوالحدید" کے پاس آ گئی۔ پھر ان کے پاس اس وقت تک رہی جب ان کا آخری فرد انتقال کر گیا۔ اس آخری فرد نے تیس ہزار درہم اور مذکورہ قدم مبارک ترکہ چھوڑا۔ اور دو بیٹے بھی چھوڑے۔ دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا۔ تم یا پورا مال لے لو یا قدم مبارک؟ دونوں کی صلح اس پر ہوئی۔ کہ ایک مال لے گا اور دوسرا قدم۔ جس کے حصہ میں قدم مبارک آیا وہ اسے لیکر عجم کی طرف چلا گیا۔ بادشاہوں کے پاس وہ لے جاتا وہ اس سے تبرک حاصل کرتے۔ حتیٰ کہ واپس "اخلاط" کے علاقہ میں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے یہ قدم بادشاہ اشرف بن عادل کو بھیجا۔ تاکہ وہ اس سے برکت حاصل کرے۔ اس کے بعد مذکورہ بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر مجھے دیدو۔ تاکہ میں اس سے برکت حاصل کیا کروں۔ پھر بادشاہ موصوف نے خود ہی اس مطالبہ کو واپس لے لیا۔ پھر کہا کہ تم اس کے عوض میں مجھ سے ایک گاؤں لے لو۔ اور مجھے دیدو۔ تم بہت بوڑھے ہو چکے ہو اسے کیا کرو گے؟ چنانچہ اس نے یہ قدم بادشاہ کو دیدیا۔

پھر بادشاہ اشرف جو شام کا حکمران تھا۔ اس نے دمشق کو اپنا مسکن بنالیا۔ وہاں اس نے دارالحدیث تعمیر کیا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کی درس و تدریس ہوگی۔ اس کیلئے بہت سے اوقاف مقرر کیے۔ اس مدرسہ کے قبلہ کی طرف ایک مسجد نماز کیلئے تعمیر کرائی۔ مسجد کے محراب کی مشرقی جانب ایک مکان بنوایا۔ جس میں مذکورہ نعل شریف رکھی گئی۔ آبنوس سے بنے صندوق پر اسے رکھا گیا۔ جس کو چاندی کی میخیں لگائی گئیں تھیں۔ اس کا تالا بھی چاندی کا بنوایا۔ اس کے دروازوں پر سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تین ریشمی پردے لٹکائے۔ ہر ایک پردے کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ ایک بہت بڑا دروازہ بنوایا۔ جس پر تانبے کے ٹکڑے لگائے گئے تھے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ سونے کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔ اس پر ایک محافظ مقرر کیا جو اس کی دیکھ بھال کرتا اس کی چالیس درہم ناصری تنخواہ مقرر کی گئی۔ جو ہمارے دراہم کے حساب سے اسی درہم ماہانہ بنتے ہیں۔ وہ اس کے دروازے سوموار اور جمعرات کو کھولتا تھا۔ لوگ ان دو دنوں میں اس نعل پاک سے برکت حاصل کرتے تھے۔ پھر ابن رشید نے کہا کہ محمد بن علی بن عبدالحق انصاری نے کہا۔ ہم نے یہ نمونہ اس مثال شریف سے تیار کیا ہے جو ہمارے شیخ ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک سے بنایا تھا۔ ہم سے

حصول برکت کیلئے بنایا۔اور اس کی بلندیٔ شان کو دیکھ کر بنایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت یافتہ امتی بنائے۔ جنہوں نے آپ کی سنت مبارکہ کے انوار سے ہدایت پائی اور آپ کی سنت مبارکہ کے آثار پر چلنے والوں میں سے ہمیں بھی کر دے۔آمین۔

محمد بن رشید نے کہا میں نے مثال شریف اس مثال مبارک کے موافق بنائی جو ہمارے دوست ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بنائی تھی۔موصوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب قدم شریف سے یہ مثال تیار کی تو میں نے اس کی تعریف میں یہ اشعار کہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع بخشے۔(هَنِيئًا لِعَيْنِي اِذْ رَأَتْ نَعْلَ اَحْمَدَ) پھر مکمل اشعار ذکر فرمائے۔میں نے حرف الدال میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔وہاں ملاحظہ فرمالیں۔(انتہیٰ کلام المقریٰ)

اس مختصر کو قلمبند کرنے والا یوسف نبہانی عرض گزار ہے کہ میں نے باب ثالث میں حرف الدال کی طرف رجوع کیا۔جو فتح المتعال میں ہے۔تو مجھے یہ عبارت لکھی نظر آئی۔

امام حافظ مشہور سیاح ابو عبداللہ محمد بن رشید الفہری المغربی المالکی السبتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفرنامے مسمیٰ "ملٔ العیبہ" میں لکھا۔جس میں انہوں نے مکہ و مدینہ شریفین کے طویل سفر کی روئداد قلمبند کی کہ جب میں دارالحدیث الاشرفیہ میں داخل ہوا تا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی زیارت کروں داخل ہو کر میں نے اسے چوما اور درج اشعار فوراً میرے ذہن میں آ گئے۔

هَنِيئًا لِعَيْنِي اِذْ رَأَتْ نَعْلَ اَحْمَدَ ۔۔۔ فَيَا سَعْدَ جَدِّي قَدْ ظَفِرْتَ بِمَقْصَدِي
وَ قَبَّلْتُهَا اَشْفِي الْغَلِيْلَ فَزَادَنِي ۔۔۔ فَيَا عَجَبًا زَادَ الظَّمَأُ عِنْدَ مَوْرِدِي
فَالِمَهُ ذَاكَ اللَّثْمُ فَهُوَ اَلَذُّمِنْ ۔۔۔ لَمِي شِفَةٌ لَمْيَا وَخَدٌّ مُوَرَّدِ
وَلِلّٰهِ ذَاكَ الْيَوْمُ عِيْدًا وَ مُعْلَمًا ۔۔۔ بِتَارِيْخِهِ اَرِخْتُ مَوْلَدَ اَسْعَدِي
عَلَيْهِ صَلَاةٌ نَشْرُهَا طِيْبٌ كَمَا ۔۔۔ يُحِبُّ وَ يَرْضٰى رَبُّنَا لِمُحَمَّدِ

میری آنکھوں کیلئے انتہائی خوشی جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک دیکھی۔اے میری قسمت کے ستارے! تو میری مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔میں نے اس نعل پاک کو چوم لیا تا کہ میں اپنے غم محبت کو شفا دوں لیکن چومنے نے تو اس میں اضافہ کر دیا۔اے تعجب! کہ گھاٹ کے قریب پیاس اور بڑھ گئی۔اس کا بوسہ لینا میرے لئے ہونٹ و رخسار چومنے سے کہیں زیادہ لذت والا ہے۔خدا کی قسم! وہ دن عید تھا اور میری پیدائش کا مبارک ترین دن تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی خوشبوئیں پھیلتی رہیں۔جس طرح ہمارا رب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پسند فرماتا ہے۔

امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں اور بھی بہت سی گفتگو لکھی ہے۔ جس کا تعلق ان اشعار کے ساتھ ہے میں اس کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی طرف پھر متوجہ ہوتا ہوں۔ جو انہوں نے ''خاتمہ'' کے عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ موصوف (امام مقریؒ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن رشید نے جس طرف اشارہ کیا۔ یعنی اسے مدرسہ اشرفیہ میں جو نعل پاک دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ جو ''بنو ابی الحدید'' کے پاس تھی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو شیخ محدث ابو عبداللہ البرزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے اسماء گرامی لکھے جن سے انہوں نے اجازت لی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وَلِاَحْمَدَ بْنِ اَبِی الْحَدِیْدِ صَاحِبِ نَعْلِ سَیِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ ذَالِکَ فِی سَنَةِ تِسْعٍ وَّ سِتَّمِأَتِه۔ انتہیٰ۔

امام مقریؒ کہتے ہیں کہ ہم باب ثانی میں ذکر کر آئے ہیں کہ ''بنو ابی الحدید'' کا ایک آدمی آخر میں ایسا تھا جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ یہ ابن رشید کی تحقیق کے موافق ہے۔ لہٰذا اس کا بطور وراثت اس آخری آدمی تک پہنچنا درست ہے۔

''عبدری'' نے اپنی تاریخ میں ملک اشرف کی تعریف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ملک موصوف بہادر، کریم، سخی، اہل علم سے محبت کرنے والا، علم دوست خاص کر حدیث پاک کے علماء اور حفاظ صالحین سے عقیدت رکھنے والا تھا۔ اس نے حدیث پاک کے علماء کیلئے ایک دارالحدیث تعمیر کرایا۔ جو دمشق میں تھا۔ پھر لکھا کہ اس بادشاہ نے اس دارالحدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک رکھی تھی۔ جس کو حاصل کرنے کا وہ حریص تھا۔ جو اس وقت ''نظام بن ابی الحدید'' تاجر کے پاس تھی۔ (انتہیٰ المقصو دمنہ)

دمشق کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نعل پاک سے طلب شفاء کرتے تھے جب انؓ پر کوئی آفت، مصیبت اور پریشانی آ پڑتی۔ پھر اس نعل پاک کی برکتیں انہیں دکھائی دیتیں۔ ایک دفعہ اہل دمشق پر ایک عظیم واقعہ اور بڑی مصیبت آ پڑی۔ یہ بات اس دور کی ہے جب وہاں کی باگ ڈور ناصر محمد بن قلاون کے ہاتھ تھی۔ مصیبت یوں ہوئی کہ موصوف (ناصر محمد) کا ایک نائب جو دمشق میں ہی تھا۔ جس کا نام ''سیف الدین کرامی'' تھا۔ ہوا یوں کہ اس نائب نے اہل دمشق پر رات کے وقت ڈیڑھ ہزار گھوڑے سوار مقرر کر دیئے۔ حالانکہ عام عادت یہ تھی کہ صرف دوسو گھوڑے سوار مقرر ہوتے۔ اس قدر زیادہ مقدار سے اہل دمشق عاجز آ گئے اور شہر بند ہو گیا۔ کیونکہ اس نائب نے بازاروں

پر زیادتی اور ظلم ڈھایا۔ شہر کے خواص، شہر کی املاک اور دیگر اشیاء جو دکانوں میں پڑی تھیں۔ سب کو پابند کر دیا اور اس نائب نے حکم جاری کر دیا کہ تمام دکانوں، بازاروں اور املاک کی فہرست بنائی جائے۔ تا کہ ان پر ٹیکس لگایا جائے۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ شہر کے قاضیوں، خطیبوں اور اماموں سے انہوں نے شکایت کی۔ سب نے باہم وعدہ کیا کہ صبح سویرے ایک جگہ جمع ہوں گے اور پھر اجتماعی طور پر اس نائب یعنی سیف الدین کے پاس چلیں گے۔ ۷۱۱ھ ۱۴ جمادی الاولیٰ بروز سوموار خطیب جلال الدین قزوینی صاحب تلخیص المفتاح والایضاح نے قرآن کریم (مصحف مکرم عثمانی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک ہاتھوں میں لیئے۔ جو دارالحدیث اشرفیہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اور جامع کے جھنڈے خطیب حضرات نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ "باب الفرج" سے باہر نکلے آپ کے ساتھ علماء، فقہاء، قراء، مؤذنین، ائمہ کرام عوام کی بھاری تعداد تھی۔ جب یہ سب نائب کے پاس پہنچے اور اپنی پریشانی بتائی اور اس سے فریاد کی تو اس نے انہیں مار پیٹ کا حکم دیدیا۔ امام قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اسے سلام کہا تو اس نے کہا "لا سلم اللہ علیک" اللہ تعالیٰ کی تم پر سلامتی نہیں۔ اس نائب کے نقیبوں نے لوگوں کو مارنا شروع کر دیا اور مار دھاڑ کے دوران انہوں نے مصحف شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک اور جھنڈے زمین پر پھینک دیئے۔ اب لوگوں نے ان کو پتھر مارنے شروع کر دیئے اور امام قزوینی کو چھڑا کر محل کی طرف لے گئے۔ عوام نے نائب کے کارندوں سے قرآن کریم اور نعل نبوی کو قبضہ میں لیا۔ اور شہر میں داخل ہو گئے۔ ابھی اس واقعہ کو دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نائب سیف الدین کرائی مذکور کو اپنی گرفت میں لے لیا اسے ناصر محمد بن قلاون کے حکم سے قید کیا گیا اور ایسی بے عزتی کی جسے ہر ایک جانتا ہے۔ یہ سب کچھ اس نائب کے ساتھ اس لئے ہوا کہ اس نے مصحف شریف اور نعل پاک کی توہین کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل دمشق کی پریشانی دور فرمادی اور ان لوگوں نے اس نائب سے اللہ تعالیٰ نے جو انتقام لیا۔ اس پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔

امام مقریؒ کہتے ہیں میں نے اپنے دور میں اس نعل پاک کے بارے میں بہت تفتیش کی لیکن کسی سے کوئی خبر نہ ملی۔ میرا خیال ہے کہ تیمور لنگ کے فتنہ کی نذر ہو گئی ہو گی۔ جب اس نے دمشق پر حملہ کیا تھا اور ۸۰۳ھ میں اسے آگ لگادی تھی جیسا کہ مشہور ہے۔

"مقریزیؒ" نے اپنی تاریخ "السلوک" میں لکھا ہے کہ سلطان سیف الدین جقمق جب قاضی زین الدین عبدالباسط پر غالب آ گیا اور اسے قلعہ بند کرنے کا حکم دیا تو اس کے پاس قاہرہ کا والی آیا اور

حکم دیا کہ پہنے ہوئے تمام کپڑے اتار دو کیونکہ سلطان کو یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے پاس ''اسم اعظم'' ہے۔اسی لئے اس نے جب بھی اسے پکڑنا چاہا تو یہ بچ نکلتا۔تو اس نے اس کے جسم پر سے تمام کپڑے اتروا دیئے۔پگڑی بھی اتروائی اور ان کپڑوں کولیکر والی قاھرہ کے پاس گیا اور اس کے ہاتھوں میں پہنی انگوٹھیاں بھی اتروا کر ساتھ لے گیا۔تو انہوں نے جب اس کے کپڑوں کی تلاشی لی تو اس کے عمامہ میں انہیں چمڑے کا ایک ٹکڑا ملا۔مذکور ہے کہ جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو بتایا گیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ایک ٹکڑا ہے۔انتہیٰ۔

ہوسکتا ہے کہ قاضی زین الدین مذکور نے یہ ٹکڑا دارالحدیث اشرفیہ سے لیا ہو۔جو شام میں واقع ہے کیونکہ اس کی وہاں اچھی خاصی شہرت تھی اور اسلامی مملکت میں اچھا خاصا تصرف تھا جو مصر اور شام پر تھی۔واللہ اعلم۔(امام مقریؒ کا کلام مکمل ہوا)۔

امام مقریؒ نے چند اور فوائد ذکر کرنے کے بعد لکھا۔کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ مکمل ہو چکا ہے اور نعل پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہم نے جو گفتگو کرنی تھی وہ مکمل ہوگئی۔اور بعض باتیں جو نعل پاک کی مثال شریف کے بارے میں تھیں۔خواہ وہ نظم میں تھیں یا نثر میں ہم نے وہ بفضل اللہ لکھ دیں۔اس کے بعد علامہ موصوف نے ایک مغربی (افریقی) عالم کا تصنیف شدہ ''قصیدہ رائیہ'' درج کیا۔جو تین سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل تھا۔جس کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح تھی۔ان کا نثر میں بھی کلام ذکر کیا ان کے علاوہ دوسرے علما کا بھی کلام جید واعلیٰ قصائد درج کیے، پھر امام مقری نے کہا کہ میں نے جب یہ کتاب ''فتح المتعال فی وصف النعال'' شروع کی تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی میں نے نہ کیا تھا۔اس مضمون پر لکھنے کا میرے سوا کسی کو علم نہ تھا۔حتیٰ کہ ایک صالح اور باوثوق شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ایک بڑی سواری کھڑی تھی جس کو بہترین زیورات سے خوب سجایا گیا تھا۔اس کو لوگ دیکھ دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں۔اچانک ایک شخص نے بلند آواز سے کہا۔یہ ہدیہ فلاں شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں بھیجا ہے۔یعنی کتاب فتح المتعال کا مصنف۔جب اس شخص نے مجھے یہ خبر دی تو میں نے اس کی تاویل یہ نکالی کہ میں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تعریف میں کتاب لکھی ہے۔کیونکہ نعل پاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری تھی۔اور اس کا زیور اس کی تعریف اس کا وصف بیان کرنا ہے۔باقی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ ہی کے ایک اور شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی متعدد مرتبہ مدح بیان کی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس محفل عظیم میں میں نے تجھے (امام مقریؒ) بھی حاضر دیکھا۔ تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک یا اس کی مثال میں کلام عرض کر رہا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میں جب مدینہ منورہ کی طرف جا رہا تھا تو مقام ''روحاء'' میں اتوار کے دن ۱۰۳۱ھ چھ شوال کو دیکھا۔ کہ میرا ایک باغ ہے جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے جہاں دوسرے باغات بھی ہیں۔ جو مختلف لوگوں کے ہیں ان تمام کی طرف دریائے نیل نہ پہنچتا تھا۔ مجھے اس کے ان باغات میں داخل نہ ہونے سے تعجب ہوا۔ حالانکہ دریا بالکل قریب تھا میں نے حیلہ کیا کہ کسی طرح نیل کا پانی اپنے باغ میں لاسکوں اور مجھے زیادہ تکلیف بھی نہ برداشت کرنا پڑے۔ پھر میرا باغ سیراب ہو گیا لیکن دوسرے باغ بدستور خشک تھے۔ جن کے قریب سے نیل گزرتا تھا مجھے اپنا باغ سیراب دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی میں نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ میں اس باغ میں سیرابی کے بعد کچھ پودے لگاتا۔ میں ابھی اس سوچ میں ہی تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آدمی آیا۔ جس کے ہاتھوں میں نعل شریف کے دو نمونے تھے اور کہنے لگا میں نے تیرے باغ میں یہ دونوں گاڑ دیئے ہیں میں اس کو دیکھ کر اور خوش ہوا میرے دل میں آیا کہ یہ دونوں مثالیں مذکورہ چھ مثالوں میں سے پہلی دو ہیں۔ اس خواب کی تعبیر میں نے یہ کتاب نکالی اور دریائے نیل سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو محض اپنی ذات کیلئے مجھ سے قبول کر لے۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس ذات کا وسیلہ پیش کیا ہے جو قدم میں انبیاء کرام کے نبی تھے۔ انبیاء کرام کے تاج تھے جو صاحب القدم ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت پیش وسیلہ میری زبان پر کسی شاعر کے درج ذیل اشعار ہیں۔

يَا رَبِّ بِالْقَدَمِ الَّتِي اَوْطَأْتَهَا ۔۔۔ مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ الْمَحَلَّ الْاَكْرَمَا

ثَبِّتْ عَلٰى مَتْنِ الصِّرَاطِ تَكَرُّمًا ۔۔۔ قَدَمِي وَ كُنْ لِيْ مُنْقِذًا اَوْ مُسْلِمًا

اے اللہ! اس قدم پاک کے وسیلہ سے میرے پاؤں پل صراط پر ثابت رکھنا، جن پاک قدموں نے قاب قوسین ایسا اکرم و معظم مقام طے کیا۔ اے اللہ! تو مجھے پل صراط سے پار کر دے اور مجھے سلامتی عطا فرما دے۔

پھر امام مقریؒ نے لکھا کہ کتاب مذکور کی تحریر سے میں ۱۰۳۰ھ شوال المکرم کے مہینہ میں فارغ ہوا۔ اور قاہرہ میں اس کو تحریر کیا۔ صرف چند صفحات اس تاریخ کے بعد لکھے اور کچھ مزید باتیں بعد میں

شامل کیں۔قَالَ هٰذَا وَ كَتَبَهٗ مُؤَلِّفُهُ الْفَقِيْرُ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمُقْرِيْ۔انتہیٰ۔

**خاتمه:** اس کتاب (فتح المتعال) کو مختصر کرنے والا الفقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے۔دس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ میں نے کتاب ''فتح المتعال'' کے تین نسخہ جات جمع کئے ان میں سے ہر ایک کے اندر کچھ ایسی باتیں زائد تھیں۔ جو دوسری میں موجود نہ تھیں۔ان میں سے ایک جو میری ملکیت میں ہے۔وہ میں نے ایک حلبی سے خریدی تھی جو حلب سے میرے لئے لایا تھا۔اس کے آخر میں لکھا ہوا تھا۔''انها كبت فيها'' شائد یہ مولف کے زمانہ میں یا اس سے قریب ترین زمانہ میں ہوا ہو۔دوسرا نسخہ شام میں میں نے نقل کرنے کیلئے ادھار لیا تھا۔اس وقت میرا قیام بیروت میں تھا۔ بیروت سے میں نے اس کے مالک سیدی علامہ سید شریف سید ابوالخیر عابدین کو خط لکھا تو موصوف نے مجھے ارسال کر دیا۔اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاء خیر عطا فرمائے۔علاوہ ازیں انہوں نے اور بھی کئی مفید کتابیں ارسال فرمائیں جو نادر الوجود تھیں اور قلمی تھیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کتابوں سے مجھے میرے مقصد میں مددگار کچھ عبارات مل سکتی تھیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو واپس کر دوں گا میں نے اپنا مقصد مکمل ہو جانے پر مذکورہ کتابیں واپس کر دیں۔ان تمام کتابوں میں ایک ''فتح المتعال'' بھی تھی۔ جو خوبصورت مغربی رسم الخط میں تحریر تھی اور اس کا حاشیہ سونے کے پانی کیساتھ بنایا گیا تھا۔اور نعل شریف کی مثال مبارک جو اس کتاب میں بنائی گئی تھی اسے سونے کی پالش کی گئی تھی اور مختلف رنگ بنائے گئے تھے ایسا میں نے اس کے علاوہ کسی اور مثال شریف میں نہ دیکھا۔مختصر یہ کہ یہ نسخہ بادشاہی نسخہ تھا۔اپنی مثال آپ تھا۔ میں نے ایسا نقشہ کبھی نہ دیکھا۔تیسرا نسخہ صحیحہ جناب فاضل شیخ احمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔انہیں یہ نسخہ اپنے والد عالم علامہ شیخ یوسف مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے ترکہ میں سے ملا تھا موصوف (یوسف مغربی) وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مدرسہ دارالحدیث کافروں کے قبضہ سے حاصل کیا تھا۔کفار نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی مسجد کو شراب بیچنے کی دکان بنا لیا تھا۔موصوف اس مدرسہ کے حصول کیلئے قسطنطنیہ گئے۔وہاں رہ کر اسے واگزار کرانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے آسانی کر دی۔وہ یوں کہ سید شریف علامہ عارف باللہ سیدی امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ واسطہ بنے۔انہوں نے اس کی قیمت اپنے مال میں سے ادا کی۔اور یوں اسے خریدکر ان کا قبضہ ختم کر کے اپنے تصرف میں لائے اسے دوبارہ مسجد میں تبدیل کر دیا۔خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کام کا ثواب ان دونوں حضرات کو اس نے کس قدر عطا فرمایا ہوگا۔اس بات کو چالیس سال سے اوپر ہونے کو ہیں۔اب تک وہ باقاعدہ مسجد ہی چلی آ رہی ہے۔اس کے اردگرد حجرہ جات ہیں۔ جن میں طلباء اور

مدرسین رہائش رکھتے ہیں۔ مجھے شیخ احمد مذکور نے ''فتح المتعال'' کا نسخہ بھیجا۔ میں نے اسے انتہائی خوبصورت پایا۔ کتابت بہت عمدہ تھی۔ اور اس پر یہ عبارت لکھی تھی۔ ''هٰذَا صُوْرَةُ مَا وُجِدَ فِي النُّسْخَةِ الْمَكْتُوْبِ مِنْهَا'' اس کتاب پر مؤلف کے ہاتھ سے لکھے الحاقات بھی تھے۔ اور مولف کے علاوہ دیگر حضرات کی الحاقی عبارات بھی تھیں۔ ایک دو یا تین اوراق پر مولف کا خط تھا۔ (ہاتھ کی لکھائی تھی) اور ہر کاغذ کا اصل کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ اس کتاب پر ان کی ہاتھ سے لکھی تحریر تھی۔ کہ یہ صحیح ہے۔ قَالَ لَهٗ جَامِعُهُ الْفَقِيْرُ اِلَى اللّٰهِ اَحْمَدُ الْمُقْرِيْ الْمَالِكِي اَخَذَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ۔ اھ۔

میں نے تمام زیادہ باتیں جو ان دونوں نسخہ جات میں تھیں اور وہ زائد باتیں جو میری ملکیت میں موجود نسخہ میں تھیں۔ ان میں سے بعض تو میں نے اس کے حاشیہ پر اور بعض کو مستقل اوراق پر قلمبند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس نسخے کے طبع کرانے کی ہمت عطا فرمائی۔ تا کہ اس کا فائدہ عام ہو۔ لہٰذا میں نے اس میں وہ باتیں جمع کر دیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں مل سکتیں۔ اس کے آخر میں اس دور کے بکثرت علماء کرام کی تقاریظ تھیں۔ میں اس سے قبل ۱۲۹۸ھ میں قسطنطنیہ میں تھا۔ وہاں رہنے کے دوران میں نے بازار سے ''فتح المتعال'' کا ایک نسخہ خریدا یہ نسخہ مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس پر تاریخ بھی درج تھی، یہ سب کچھ اس کے آخر میں لکھا ہوا تھا۔ مجھ سے ایک بزرگ نے یہ نسخہ لے لیا۔ جب اسے اس کے متعلق پتہ چلا۔ کہ میرے پاس ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے جو کچھ کتاب فتح المتعال مذکور سے نقل کیا ہے۔ وہ دوسرے نسخہ جات میں جو باتیں زائد تھیں ان کو جمع کرنے کے بعد لکھا تھا۔ خواہ وہ چھوٹی باتیں تھیں یا بڑی بہر حال ان کا ذکر کرنا مناسب تھا۔ میں نے کوئی اہم فائدہ چھوڑا نہیں۔ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی طرح سے بھی ہے۔ ہاں اگر کوئی قصیدہ تھا یا قطعہ تھا جو نعل شریف کی تعریف وتوصیف میں کہا گیا تھا ان میں سے میں نے وہی نقل کئے جو معیاری تھے اس کے علاوہ دیگر ابحاث جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور نہ ہی آپ کی نعل پاک سے متعلق تھیں۔ جو بہت تھیں۔ میں نے ان کو نقل نہیں کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی استطرادی طور پر انہیں لکھا تھا۔ ان طویل ابحاث کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی تھی۔ میں نے اس کا اختصار کیا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تا کہ آسانی سے اس کے مضامین پر مطلع ہوا جائے۔ اور مختصر وقت میں مکمل کتاب پڑھی جا سکے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

پہلا فائدہ: میں یہاں اپنی کتاب ''سعادت دارین'' کی عبارت نقل کرتا ہوں جو اس کتاب کے نویں

باب کے آخر میں ہے۔ اس عبارت کی کچھ باتیں اگر چہ پہلے ذکر ہو چکی ہیں میں نے لکھا۔ چالیسواں فائدہ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کرنا۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پاس آپ ﷺ کی نعل پاک کی مثال شریف رکھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ خواب میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ جیسا کہ صاحب فتح المتعال جناب الشہاب احمد مقری نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔

مثال شریف کے خواص میں سے ایک خاصیت یہ ہے جسے بعض ائمہ نے ذکر فرمایا اور اس کی برکت کو مجرب پایا۔ وہ یہ کہ جس نے ہر وقت مثال شریف اپنے پاس رکھی۔ اسے مخلوق میں مکمل مقبولیت حاصل ہوگی اور لازماً وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرے گا۔ یا پھر خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے مذکورہ کتاب سے نعل پاک کی مثال شریف نکال کر طبع کرائی۔ اور اس کے تمام فوائد، خواص کا خلاصہ کیا۔ اور اس مثال شریف کے ارد گرد ان کو لکھ کر طبع کرایا۔ اس کا غذ کا طول تقریباً ایک فٹ اور عرض چھ انچ تھا۔ انتہائی نفیس بنا۔ لوگوں کے پاس جب یہ مثال شریف پہنچی تو انہوں نے اپنے گھروں کے اعلیٰ کمروں میں اسے لٹکایا۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں یہاں بھی ان فوائد کو ذکر کر دوں۔ جیسا کہ وہ ہیں۔ تا کہ اس کتاب میں بھی وہ محفوظ ہو جائیں۔ مثال شریف کے اوپر کاغذ پر جو تحریر میں نے لکھی۔ وہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – قَدْ صَحَّ اِنَّ نَعْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَتْ مَخْصُوْفَةً اَیْ طَاقًا عَلٰى طَاقٍ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَلَهَا قِبَالَانِ وَالْقِبَالُ زِمَامُ النَّعِلِ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَضَعُ اَحَدَ الزِّمَا مَيْنِ بَيْنَ اِبْهَامِ رِجْلِهٖ وَالَّتِیْ تَلِيْهَا وَالْآخِرِيْنِ الْوُسْطٰى وَالَّتِیْ تَلِيْهَا وَ يَجْمَعُهُمَا اِلَى السَّيْرِ الَّذِیْ يَظْهَرُ قَدَمَهٗ وَهُوَالشِّرَاكُ وَكَانَ مُثْنٰى مِنْ سَيْرَيْنِ وَكَانَتْ مِنْ جُلُوْدِالْبَقَرِ مُخَصَّرَه اَیْ لَهَا خَصَرٌ مُلَسَّنَةٌ اَیْ عَلٰى هَيْئَةِ اللِّسَانِ مُعَقَّبَةٌ اَیْ لَهَا عَقَبٌ مِنْ سُيُوْرٍتُضَمُّ بِهِ الرَّجُلُ وَقَالَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ كَانَتْ صَفْرَاءَ وَ لَبِسَ الْخُفَّيْنِ وَ مَسَحَ عَلَيْهِمَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔

اور مثال شریف کی دائیں جانب کاغذ پر یہ تحریر تھی۔

تنبیہ: مِنْ اَسْمَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِی الْكُتُبِ الْقَدِيْمَةِ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ لِاَنَّ لُبْسَ النِّعَالِ عَادَةُ الْعَرَبِ وَكَانَ لَهٗ نَعْلَانِ وَ ثَمَانِيَةُ خِفَافٍ وَّ مَشٰى مُتَنَعِّلًا وَ حَافِيًا وَلَا

سَيِّمَا اِلَى الْعِبَادَاتِ تَوَاضِعًا وَ صَلَّى بِنَعْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ وَ حَمَلَهُمَا بِسَبَابَةِ يَسَارِهِ اَحْيَانًا وَ خَادِمَهُمَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَضَعُهُمَا عِنْدَ خَلْعِهِمَا فِي ذِرَاعَيْهِ وَيُقَدِّمُهُمَا لَهُ عِنْدَ اللُّبْسِ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْيُمْنٰى بِاللُّبْسِ وَ بِالْيُسْرٰى بِالْخَلْعِ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِى مَنْ وَاظَبَ عَلَى الْبَدَاءَةِ بِالْيُمْنٰى اَمِنَ وَجعَ الطِّحَالِ وَقَالَ غَيْرُهُ اِذَا كُتِبَتْ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَه وَ شَرِبَ الْمَطْحُوْلُ مَاءَ هَا بَرِئَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

**مسئله:** تَصْوِيْرُ الْاَشْجَارِ وَ نَحْوِهَا كَهٰذَا الْمِثَالِ جَائِزٌ وَ اَمَّا تَصْوِيْرُ الْاِنْسَانِ وَالْحَيْوَانِ وَاتِّخَاذِ صُوَرِهَا بِصِفَةِ غَيْرِ مُمْتَهِنَةٍ فَحَرَامٌ۔

*مثال شریف کی بائیں طرف کاغذ پر یہ تحریر تھی۔*

نَقَلَ الْقَسْطَلَانِىُّ فِى الْمَوَاهِبِ اللَّدُنِّيَهِ وَالْمُقرِّى فِى فَتْحِ الْمُتَعَالِ عَنِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ مِمَّا جُرِبَ مِنْ بَرَكَةِ هٰذَا الْمِثَالِ الشَّرِيْفِ اِنَّهُ مَنْ اَمْسَكَهُ عِنْدَهُ تَبَرُّكًا بِهِ كَانَ لَهُ اَمَانًا مِنْ بَغْيِ الْبُغَاةِ وَغَلَبَةِ الْعُدَاةِ وَ حِرزًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ وَ عَيْنِ كُلِّ حَاسِدٍ وَاِنْ اَمْسَكَتْهُ الْمَرْأَةُ الْحَامِلُ بِيَمِيْنِهَا وَقَدْ اِشْتَدَّ عَلَيْهَا الطَّلَقُ تَيَسَّرَ اَمرُهَا بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهِ وَاَنَّهُ اَمَانٌ مِنَ النَّظْرَةِ وَالسِّحْرِ وَمَنْ لَازَمَ حَمْلَهُ كَانَ لَهُ الْقَبُوْلُ التَّامُ مِنَ الْخَلْقِ وَلَابُدَّ اَنْ يَزُوْرَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَيَرَاهُ فِى مَنَامِهِ وَلَمْ يَكُنْ فِى جَيْشٍ فَهُزِمَ وَلَا فِى قَافِلَةٍ فَنُهِبَتْ وَلَا فِى سَفِيْنَةٍ فَغَرِقَتْ وَلَا فِى بَيْتٍ فَاُحْرِقَ وَلَا فِى مَتَاعٍ فَسُرِقَ وَمَا تَوَسَّلَ بِصَاحِبِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِى حَاجَةٍ الْاَقْضِيَتْ وَلَا فِى ضِيْقٍ اِلَّافُرِجَ وَلَا فِى مَرَضٍ اِلَّاشُفِىَ بِشَرْطِ قُوَّةِ الْاِيْمَانِ۔

*اور مثال شریف کے نچلے حصہ کے کاغذ پر یہ تحریر تھی۔*

قَالَ مُرَتِّبُهُ هٰذَا اَصَحُّ مِثَالٍ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَقَدْرُسِّمَ بِالفوتو غراف حَتّٰى جَاءَ طَبْقَ اَصْلِهِ الصَّحِيْحِ الَّذِىْ اِسْتَخْرَجْتُهُ مِنْ كِتَابِ فَتْحِ الْمُتَعَالِ فِى مَدْحِ النِّعَالِ لِلْعَلَّامَةِ اَحْمَدَ الْمُقرِّىْ وَ هُوَ مُجَلَّدٌ كَبِيْرٌ وَ قَدْيَسَّرَ اللّٰهُ لِى مِنْهُ مَعَ نُدْرَةٍ وَّجَوْدَةٍ ثَلَاث نُسَخٍ مُعْتَبَرَاتٍ اِحْدَاهَا مَنْقُوْلَةٌ مِنْ نُسْخَةٍ عَلَيْهَا خَطُّ الْمُؤَلِّفِ وَقَدْ رَاَيْتُ فِى جَمِيْعِهَا هٰذَا الْمِثَالَ مُتَقَارِبًا وَهُوَالْمِثَالُ الْاَوَّلُ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ مِنْ سِتَّةِ اَمْثِلَةٍ ذَكَرَهَا قَالَ وَهُوَ مُعْتَمَدُ ابْنِ الْعَرَبِىْ وَابْنُ عَسَاكِرَ وَ ابْنِ مَرْزُوْقٍ وَالْفَارِقِى وَالسُّيُوْطِى وَالسَّخَاوِىْ وَالتَّتَائِى وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الشُّيُوْخِ وَ ذَكَرَ اَسَانِيْدَهُمْ

وَاَسَانِيْدُهُ فِي اَنَّ نَعْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ السَّيِّدَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تَنْتَقِلُ وَ تَحَذِيْ عَلَيْهَا نِعَالٌ وَ عَلٰى مَا حَذٰى عَلَيْهَا مِنَ النِّعَالِ نِعَالٌ اُخْرٰى ثُمَّ وَ ثُمَّ اِلٰى اَنْ رَسَّمَ مِثَالَهَا الشُّيُوْخُ عَلَى الْوَرَقِ وَنَقَلُوْ بِالْاَسَانِيْدِ حَتّٰى اَلَّفَ فِيْهِ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ اَبُوالْيُمْنِ بْنُ عَسَاكِرَ وَ رَسَّمَهُ فِي كِتَابِهِ ثُمَّ رُوِيَ كِتَابَهُ بِالْاَسَانِيْدِ وَ قُرِئَ بِالضَّبْطِ حَتّٰى وَصِلَ اِلَى الْمُقْرِيْ فَرَسَّمَهُ فِي فَتْحِ الْمُتَعَالِ مِنْ نُسْخَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ الْمُعْتَمِدَةِ الَّتِي عَلَيْهَا خُطُوْطُ الْعُلَمَاءِ وَ الْحُفَّاظِ كَالسَّيُوْطِي وَالسَّخَاوِي وَالدَّيْمِي رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَ نَقَلْتُهُ اَنَا مَعَ جَمِيْعِ الْفَوَائِدِ الَّتِي حَوْلَهُ مِنْ فَتْحِ الْمُتَعَالِ۔

علامہ مناوی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما نے شمائل ترمذی کی شرح میں کہا ہے جناب ابن العربی کہتے ہیں کہ "نعل" حضرات انبیاء کرام کا پہناوا تھا۔ لوگوں نے نعل کے علاوہ جو جوتیاں وغیرہ تیار کیں یہ اس لئے کہ ان کی زمین پر مٹی بہت تھی۔ اور میں نے اپنی تحریر کو اپنے اس قول پر ختم کیا۔

اِنِّيْ خَدِمْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى ۔۔۔ لِاَعِيْشَ فِي الدَّارَيْنِ تَحْتَ ظِلَالِهَا
سَعَدَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِخَدْمَةِ نَعْلِهِ ۔۔۔ وَاَنَا السَّعِيْدُ بِخِدْمَتِي لِمِثَالِهَا

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال شریف کی خدمت کی تا کہ میں دنیا و آخرت میں اس کے سایہ میں رہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس نعل پاک کی خدمت سے سعادت ابدی پا گئے۔ اور میں بھی سعید ہوں۔ لیکن اس کی مثال شریف کی خدمت کرنے کی بناء پر۔

مثال شریف کے بارے میں میرے ہی درج ذیل اشعار ہیں۔ میرا مقصد اور ارادہ تھا کہ ان اشعار اور ان کے بعد ہونے والے اشعار کو مثال شریف والے کاغذ کی خالی جگہوں میں لکھوں گا لیکن پھر ترجیح اسی کو دی کہ اس جگہ کو خالی سفید چھوڑ دیا جائے۔

مِثَالٌ حَكٰى نَعْلًا لِاَفْضَلِ مُرْسِلٍ ۔۔۔ تَمَنَّتْ مَقَامَ التُّرْبِ مِنْهُ الْفَرَاقِدُ
ضَرَائِرُهَا السَّبْعُ السَّمٰوَاتُ كُلُّهَا ۔۔۔ غَيَارِيٌّ وَ تِيْجَانُ الْمُلُوْكِ حَوَاسِدُ

یہ مثال شریف وہ ہے جو افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی یاد دلاتی ہے جس خاک پر آپ کی نعل پاک پڑتی رہی۔ روشن ستارے اس کی جگہ ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ ساتوں کے ساتوں آسمان اس پر غیرت کھانے والے ہیں اور شہنشاہوں کے تاج حسد سے مر رہے ہیں۔

میرے ہی چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

عَلٰى رَأْسِ هٰذَا الْكَوْنِ نَعْلُ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ عَلَتْ فَجَمِيْعُ الْخَلْقِ تَحْتَ ظِلَالِهِ

لَدَیَ الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اخْلَعْ وَ اَحْمَدُ     عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

اس کائنات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک سایہ فگن ہے تمام مخلوق اس کے سایہ میں پناہ لئے ہوتا ہے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی کہ اپنی نعلین اتار کر آیئے لیکن عرش کے اوپر بھی حضور ﷺ کو اپنی نعلین پاک اتارنے کا حکم نہ دیا گیا۔

مِثَالُ نَعْلِ الْمُصْطَفٰی مَا لَهٗ مَثَلٌ     لِرُوْحِی بِهٖ رَاحٌ لِعَیْنِی بِهٖ کُحْلٌ

فَاَکْرِمْ بِهٖ تِمْثَالُ نَعْلٍ کَرِیْمَةٍ     لَهَا کُلُّ رَأْسٍ وَ دَّلَوْاَنَّهٗ رَجُلٌ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کی مثل نہیں۔ میری روح اس سے چین وقرار پاتی ہے اور میری آنکھوں کا (اس کی خاک) سرمہ ہے۔ نعل پاک کی مثال کس قدر قابل احترام ہے جس کیلئے ہر سر یہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ اس کے نیچے ہوتا۔

وَلَمَّا رَاَیْتُ الدَّهْرَ قَدْ حَارَبَ الْوَرٰی     جَعَلْتُ لِنَفْسِی نَعْلَ سَیِّدِهٖ حَصْنًا

تَحَصَّنْتُ مِنْهُ فِیْ بَدِیْعِ مِثَالِهَا     بِسُوْرٍ مَنِیْعٍ نِلْتُ فِیْ ظِلِّهِ الْاَمْنَا

میں نے جب دیکھا کہ زمانہ کے حالات لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کو اپنی جان کی حفاظت کیلئے قلعہ بنالیا۔ میں اس نعل پاک کی انوکھی مثال کی پناہ سے محفوظ ہو گیا جس کی دیواریں بہت بڑی رکاوٹ ہیں کسی کو ان سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں میں نے ان کے سایہ میں امن پالیا ہے۔

''سعادت دارین'' کے دسویں باب سے کچھ پہلے کی عبارت یہاں اختتام کو پہنچی۔

میں نے اس مضمون سے قبل ''مبشرات شیخ اکبر'' کے رسالہ کے چند ایسے واقعات تحریر کئے جن کا خواب سے تعلق ہے۔ ''نویں خواب'' کے تحت میں نے لکھا کہ جب میں نے مثال شریف کی تحریر طبع کرائی۔ تو ۱۵ ۱۴۱۳ھ شعبان المعظم کی گیارہویں تاریخ منگل کی فجر کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ میں خشکی کے راستہ حج کرنے جارہا ہوں۔ میں نے ایک مزار دیکھا جو پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر ایک پتھر پر جس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے نشانات ہیں۔ اسے یوں اس لئے رکھا گیا تاکہ لوگ اس کی زیارت کریں اور اس سے برکت حاصل کریں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے یہ مزار تعمیر کیا تھا۔ میں اس مزار کی جانب بڑھا اور کہا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِصَاحِبِ هٰذَا الْاَثَرِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْزُقَنِیْ حَجًّا مَقْبُوْلًا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس نشان قدم والی شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کر

کے عرض کرتا ہوں کہ تو مجھے حج مقبول سے سرفراز فرما۔ میں خواب سے بیدار ہو گیا میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی۔ کہ مثال مذکورہ صحیح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے مطابق ہے۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الصافات)۔اھ

میں نے چند سطور پہلے ایک شعر کا مصرعہ کہا تھا۔

ع وَاَحْمَدُ عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش معلیٰ پر نعلین اتارنے کا حکم نہ دیا۔ میں نے یہ بات بعض مدح خوانان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کہی ہے اور قصہ خوانوں کی اتباع کی ہے۔ علامہ زرقانی نے مواہب کی شرح میں اور دیگر علماء نے اس بارے میں کہا ہے کہ یہ "طریق صحیح" سے وارد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ دوم: میرا کلام جو پہلے لکھا جا چکا ہے اس کی کتابت کے بعد میں نے بیروت سے دمشق الشام کی طرف سفر کیا۔ یہ سفر ۲۵ رجب المرجب ۱۳ھ میں کیا تھا۔ مجھے وہاں بکثرت علماء سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ جن میں سے ایک عالم عامل فاضل تقی نقی سید شریف سیدی شیخ محمد مبارک مغربی جزائری بھی تھے۔ جو دمشق میں مقیم تھے۔ یہ بزرگ اپنے بھائی مرحوم ولی کبیر عارف باللہ سیدی شیخ محمد طیب مدفون دمشق کے انتقال کے بعد سلسلہ عالیہ شاذلیہ فاسیہ کے شیخ الطریقت تھے۔ دونوں حضرات نے یہ سلسلہ شیخ سیدی محمد فاسی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔ جو ایک مرشد کامل اور اس دور کے امام عارف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں بھی مستفیض فرمائے۔ جب میری ملاقات شیخ محمد مبارک مذکور سے ہوئی تو بوقت ملاقات اس مرتبہ انہوں نے کرم نوازی فرمائی کہ مجھے انہوں نے اپنے گھر میں موجود بہت سی نفیس کتابوں کی زیارت بھی کرائی۔ جو قلمی نسخے تھے۔ ان میں سے ایک قلمی نسخہ کتاب فتح المتعال کا بھی تھا ان کا یہ نسخہ اب تک میرے دیکھے گئے اس کتاب کے نسخہ جات میں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بلکہ یہ نسخہ سیدی ابوالخیر آفندی عابدین مذکور کے نسخہ سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ کیونکہ یہ کم از کم انداز تحریر اور خوبصورت کتابت میں اس کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر تھا۔ اس کا سونے سے جڑاؤ کیا گیا تھا۔ خوبصورت رنگوں سے مزین کیا گیا تھا۔ اور قابل بڑائی یہ بات تھی۔ کہ اسے مشرقی خط میں بڑی خوبصورتی سے لکھا گیا تھا اور آفندی مذکور کے ہاں کا نسخہ خط مغربی میں تھا۔ اگر چہ وہ بھی خوبصورت تھا۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں نسخہ جات ایسے تھے جن کی مثال نہ تھی۔ کم از کم میں انہیں بے مثل سمجھتا تھا۔ کیونکہ میں نے ان جیسا خوبصورت نسخہ کہیں نہ دیکھا تھا۔ میں نے جو مثال شریف ابوالخیر آفندی کے نسخہ سے تیار کی

تھی۔ جس کی چالیس ہزار کاپیاں میں نے چھپوائی تھیں۔ اسے بڑی گہری نظر اور دقت فکر سے دیکھا اور اس کا موازنہ جناب شیخ مبارک کے ہاں موجود نسخہ کے ساتھ کیا۔ تو دونوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ میں اس مماثلت پر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ اس نسخہ میں مذکور مثال شریف میرے پہلے نسخہ کی مثال سے ذرا مختلف تھی۔ اختلاف ایڑی کی جانب میں تھا۔ لیکن وہ بھی بالکل معمولی تھا۔ میں نے اب بھی اسے شائع کیا ہے اور اسی پہلی رسم کے مطابق شائع کیا ہے لیکن کوئی فائدہ اس کے ارد گرد نہیں لکھا۔ اور میں نے اسے اس مختصر کے ساتھ بھی ملحق کر دیا ہے میں نے ص۔ میں اس کتاب کے اندر اسے لگا دیا ہے۔

فائدہ سوم: میں جب شام سے واپس بیروت آیا تو مجھے سیدی شیخ محمد مبارک مذکور نے ایک خط لکھا اس میں انہوں نے مجھے لکھا۔ اِنَّ الْاَخَ الْمَرْحُوْمَ السَّیِّدَ مُحَمَّدُ الطَّیِّبُ طَیَّبَ اللّٰهُ ثَرَاهُ حَرَّرَ قَبْلَ وَ فَاتِهٖ کِتَابًا اَمْلَاهُ عَلٰی بَعْضِ اَخْوَانِنَا وَ اَمَرَ اَنْ تُرْسَلَ مِنْهُ نَسَخٌ لِجُمْلَةٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَ الْفَضْلِ عَیَّنَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ مِنْ اَجَلِهِمْ حَضْرَتُكُمْ وَ فِیْ اِثْنَا ذَالِکَ تَدَارَکَتْهُ الْمَنِیَّةُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَبَقٰی ذَالِکَ الْکِتَابُ عِنْدَ اَخِیْنَا الشَّیْخِ حَسَن اَفِنْدِی الْاُسْطُوَانِیْ وَقَدْ وَ اَفَانِیْ بِهٖ وَ ذَکَرَ لِیْ اَنَّهٗ وَ عَدَ بِاِرْسَالِ نُسْخَةٍ مِنْهُ اِلٰی حَضْرَتِكُمْ وَهَا هُوَطَیٌّ هٰذَا الْکِتَابُ وَهٰذِهٖ صُوْرَتُهٗ بِحُرُوْفِهٖ۔ میرے مرحوم بھائی شیخ محمد طیب رحمہ اللہ نے انتقال سے قبل ایک کتاب لکھی۔ جسے ہمارے چند دوستوں نے تحریر کیا اور حکم دیا کہ اس کے نسخہ جات تیار کر کے تمام اہل علم و فضل کو ارسال کئے جائیں۔ جن کے موصوف نے نام بھی بتا دیئے تھے۔ ان میں سے ایک شخصیت آپ کی بھی تھی۔ لیکن اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد مذکورہ کتاب ہمارے ایک بھائی شیخ حسن افندی اسطوانی کے پاس رہی۔ اس نے وہ کتاب مجھے عنایت کر دی اور مجھ سے ذکر کیا کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ایک نسخہ جناب کو بھی ارسال کیا جائے۔ یہ لپٹی ہوئی چیز وہی کتاب ہے اور یہ بعینہ اس کے ہی الفاظ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ السَّابِقِ لِلْخَلْقِ نُوْرُهٗ وَ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ ظُهُوْرِهٖ اِلٰی آخِرِ ..................۔

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکتیں ہمارے آقا و سردار جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کا نور مخلوق کیلئے پہلے بنایا گیا۔ اور تمام عالمین کیلئے آپ کا ظہور رحمت ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے آپ ''اول'' اور صورت کے اعتبار سے ''آخر'' ہیں۔ اپنی دعوت اور شریعت کے اعتبار سے ''ظاہر'' اور اپنے تعین میں تمام مخلوقات میں از آدم تا آخر ''باطن'' ہیں۔ تمام مخلوق کی تخلیق ان

کی استعداد اور طلب مدد کے حساب سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے ملنے سے پہلے (یعنی وصال شریف سے قبل) اولین و آخرین کے علوم عطا کر دیئے گئے۔ آپ کی آل پر بھی صلوٰۃ ہو۔ جو آپ کے اسرار کے حامل ہیں۔ آپ کے تمام صحابہ کرام پر بھی درود و سلام ہو اور ان تمام پر بھی جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے تعلق ہے۔

اما بعد! اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اس کی حمد بجا لاتا ہوں اور اسکے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے خاص امتیوں میں سے بنالیں جو آپ کے دربار عالیہ اور فیوض و برکات کے وافر حصہ سے بہرہ ور ہیں۔

برادرم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس کے اعضاء متفرق ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک عضو دکھی ہوتا ہے تو تمام جسم اس کی موافقت کرتا ہے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ "آگاہ رہو! جس میں محبت نہیں اس کا ایمان نہیں" اور میں تم سے "فی اللہ" محبت خالص رکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں نے دیکھا کہ آپ لوگ نصیحت کرنے اور تمام امت کیلئے طلب ہدایت کرنے میں پوری طرح آگے بڑھ کر کام کر رہے ہیں اور خاص کر ایسے وقت میں جب کہ وقت کے اندھیروں نے ہدایت کے انوار پر غلبہ پالیا ہے اور محقق لوگوں نے اپنے اوپر اس کو چھپانے کیلئے چادریں ڈال لی ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارے اندر قابلیت کی کمی ہے اور استعداد کمزور ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود ہمیں زیب نہیں دیتا کہ دعوت الی اللہ کو ترک کر دیں۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ فرمادیجئے۔ یہ میرا طریقہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جس نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں (یوسف:108)۔ "بصیرۃ" کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محققین علماء کی بصیرت ہے۔ جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کی بدولت ملی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے تمسک کرتے ہیں۔ دوسری بصیرت کا تعلق "خاص لوگوں" سے ہے جن کو مذکورہ پہلی قسم کی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں لوگوں کی قابلیت کا تحقق اور تبصر حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر ایک مرید کو اس کے لئے جو مناسب ہوتا ہے شریعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکم دیتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ اپنے ہر ایک صحابی کو اس کے مناسب شریعت مطہرہ کا حکم دیتے تھے۔ علماء ظاہر کو ایسے احکام سے وہم ہوتا ہے کہ یہ مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف کہا گیا ہے۔ پھر وہ اس اختلاف کو ختم کرنے کیلئے تکلف کر کے جمع کا طریقہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس

کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک صحابی کو اس کے مناسب حکم دیا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تمہیں لازماً امت کی نصیحت کیلئے پوری محنت کرنی چاہئے۔ اور اللہ کی طرف دعوت تمہیں اس طریقہ کے مطابق کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے۔ اس میں وقت اور حال کی مناسبت پیش نظر رہنی چاہئے۔ بیشک جسے مکمل اور تمام نہیں ملتا وہ تھوڑے کو چھوڑ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی نیت اور قصد کے مطابق نفع عطا فرماتا ہے یہ بات ذہن نشین رکھیئے۔

میں آپ کو نصیحت کرنے میں پوری محنت اور دعوت الی اللہ ہر وقت بحسب حال و وقت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ جیسا کہ مجھے اس کی اجازت میرے مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے اجازت دی تھی۔ یہ اجازت مطلق اور عام ہے۔ اللہ تمہاری اعانت کرے اور تمہیں قوت بخشے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی کے کسی شبہ کو دور کر دینا، اور سنت ماثورہ سے بدعت کو تبدیل کر دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ مبارکہ سے غلط طریقوں کو مٹانا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ "اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور قوی اور مضبوط مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے" اور جب ہم اہل قرب کے حقائق سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانیں گے اور اہل جذب کے راستہ پر چلیں گے تو پھر ہم ہر اس چیز کو غریب مریدین پر خرچ کر دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فیض و کرم سے عطا فرمایا۔ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ ۔ ہر صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا اسے اس میں خرچ کرنا چاہئے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا (الطلاق 7:)۔ تم پر بار بار اور لگاتار اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو۔ اس کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ یہ تحریر جمادی الثانی کی نو تاریخ ۱۳۰۳ھ کو لکھی گئی۔ خادم الفقراء محمد الطیب ابن محمد المبارک المغربی الحسینی نے لکھوائی۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِاِخْوَانِهٖ وَالْمُسْلِمِيْنَ۔ آمین۔

فائدہ چہارم: میں شام کے اس سفر میں شام کے ہی ایک عمر رسیدہ بہت بڑے عالم سے ملا۔ ان کا اسم گرامی سیدی امام علامہ محقق محدث شیخ عبداللہ السکری الحنفی ہے۔ نوے سال سے کچھ اوپر عمر ہے۔ وہ دمشق میں اپنے گھر ہی رہتے ہیں۔ میں ان کے شاگرد بعض فاضل علماء کے ساتھ ان کی ملاقات کو گیا۔ مجھے ان کی دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے میں نے اجازت اور دعا کی درخواست کی تو انہوں نے میری درخواست قبول فرمالی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ خاص کر "حدیث رحمت المسلسل بالاولیۃ" اور

"حدیث المسلسل بالمصافحہ" کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بیروت کی طرف میرے سفر کے بعد انہوں نے میری طرف اپنے خاص شاگرد سیدی عالم عامل فاضل کامل سید شریف شیخ عبدالکریم افندی الحمز اوی نفعنی اللہ ببرکاتہ و برکات اسلافہ الطیبین الطاہرین کے ہاتھ آگے ذکر ہونے والی اجازت ارسال فرمائی۔ شیخ موصوف نے یہ اجازت لکھوا کر بھیجی تھی۔ کیونکہ اس وقت ان کی بینائی جواب دے چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات میں اضافہ فرمائے۔ اور مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کی برکات سے نفع بخشے۔ آمین۔ دونوں حدیثوں کی اجازت درج ذیل الفاظ کے ساتھ دی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ تَتَوَالٰى – اَمَّا بَعْدُا فَيَقُوْلُ رَاجِي عَفْوَرَبِّهِ الْعَلِيِّ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ السَّيِّدِ دُرْوِيْش الرَّكَابِي الشَّهِيْرِ بِالسُّكَرِي مِنْ ذُرِّيَّةِ الْقُطْبِ الْكَبِيْرِ وَالْعَارِفِ الشَّهِيْرِ سَيِّدِي اَحْمَدَ الرِّفَاعِي حَضَرَ عِنْدِي الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ وَالْعُمْدَةُ الْفَهَّامَةُ مَنْ هُوَ لِلْمَحَاسِنِ حَاوِي الشَّيْخُ يُوْسُفُ اِفَنْدِي النَّبْهَانِي فَحَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثِ الرَّحْمَةِ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ وَاَسْمَعْتُهُ اِيَّاهُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعَهُ مِنِّي فَاِنِّي اَرْوِيْهِ بِالسَّمَاعِ مِنَ الْعَالِمِ الْعَلَّامَةِ الْعُمْدَةِ الْفَهَّامَةِ سَيِّدِيْ الشَّيْخِ عَبْدِاللَّطِيْفِ اَفَنْدِي فَتْحِ اللّٰهِ الْمُلَقَّبِ بِمُفْتِي بَيْرُوْت وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَهُوَيَرْ وِيْهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الشَّيْخِ الْعَلَّامَه الْمَنْجِي التَّرَابُلْسِي وَ هُوَ يَرْوِيْهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنْ مُحَدِّثِ الْبِلَادِ الشَّامِيَّةِ شَارِحُ صَحِيْحِ الْاِمَامِ الْبُخَارِي الشَّيْخِ اِسْمَاعِيْلَ الْعَجْلُوْنِي الْجَرَاحِيُّ قَالَ فِي ثَبْتِهِ حَدَّثَنَا شَيْخُنَا الْوَلِيْدِي الْمَكِّي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ حِيْنَ اِجْتِمَاعِي بِهِ فِي مَكَّةَ الْمُشَرَّفَةِ فِي دَارِالْخَيْزُ رَانِ فِي سَنَةِ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ وَ مِائَةٍ وَاَلْفٍ حِيْنَ حَجَجْتُ قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ شَيْخِنَا اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْبَنَا الدُّمْيَاطِي قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْمُتَوَفِّى الْمُعَمَّرِ قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ اَبِي الْخَيْرِ بْنِ عَمُّوْشِ الرَّشِيْدِي قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ شَيْخِ الْاِسْلَامِ زَكَرِيَّا قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنَ الْحَافِظِ ابْنِ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الصَّلَاحُ مُحَمَّدُ الْحَكَرِي الصُّوْفِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْنُ الدِّيْنِ الْعِرَاقِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَرَجِ عَبْدُاللَّطِيْفِ ابْنِ عَبْدِالْمُنْعِمِ الْحَرَانِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَرَجِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ الْجَوْزِي

وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ إِسْمَاعِيْلُ النِيْسَابُوْرِی وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا وَالِدِی اَبُو صَالِحٍ الْمُؤَذِّنُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ طَاهِرٍ مُحَمَّدٌ الزِيَادِی وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَزَّازِ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ بَشْرِ النِيْسَابُوْرِی وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِی قَابُوْسٍ مَوْلٰی عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الرَاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ – وَيَرْحَمُكُمْ قَالَ فِی الْاَسْعَافِ بِالْرَفْعِ فِی الرِوَايَةِ كَمَا قَالَهُ الْبُرْهَانُ الْعِمَادِی فَالْجُمْلَةُ دُعَائِيَّةٌ مُسْتَأْنِفَةٌ وَنُقِلَ مِثْلُهُ عَنِ النَجْمِ الغزِی وَلَا يُمْتَنَعُ الْجَزْمُ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ عَظِيْمٌ مَرْوِیٌّ عَنْ اَئِمَّةٍ حُفَّاظٍ وَ فِيْهِ تَحْرِيْکٌ لِسِلْسِلَةِ الرَّحْمَةِ مِنْ اَوَّلٍ وَ هِلَةٍ وَ قَالَ شَيْخُ مَشَائِخِنَا اِبْرَاهِيْمُ الْكَوْرَانِی فِی كِتَابِهٖ مَسَالِکِ الْاَبْرَارِ اِلٰی اَحَادِيْثِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ اِنَّ الْحَافِظَ الْعِرَاقِی قَالَ فِی رِوَايَتِهٖ بَلَفْظِ الرَاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاؤدَ عَنْ اَبِی بَكْرِ بْنِ اَبِی شَيْبَه اِلٰی آخِرِمَا نَقَلَهُ وَقَدْ نَظَّمَهُ كَثِيْرُوْنَ مِنْهُمُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِیُّ قَالَ۔

اِنَّ مَنْ يَرْحَمُ اَهْلَ الْاَرْضِ قَدْ آنَ اَنَّ يَرْحَمُهُ مَنْ فِی السَّمَاءِ
فَارْحَمِ الْخَلْقَ جَمِيْعًا اِنَّمَا يَرْحَمُ الرَّحْمٰنُ مِنَّا الرُحَمَا

وَكَذَالِکَ اَرْوِيْهِ بِطَرِيْقِ الْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الشَيْخِ التَمِيْمِی عَبَّاسٍ بَاشَا خَدِيْوِی مِصْرَ وَهُوَيَرْوِيْهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الْعَلَامَةِ الشَهِيْرِ الشَيْخِ مُحَمَّدِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ وَ اَخْبَرَنِی اَنَّهُ عَادَهُ وَ كَانَ مَفْلُوْجًا وَ طُلِبَ مِنْهُ سِمَاعُ الْحَدِيْثِ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ فَاسْمَعَهُ اِيَّاهُ وَ اَجَازَهُ بِهٖ وَسَنَدُهُ مَذْكُوْرٌ فِی ثَبْتِهٖ وَكَذَالِکَ اَرْوِيْهِ بِطَرِيْقِ الْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الْعَالِمِ الْفَاضِلِ الشَيْخِ مُحَمَّدِ الْقَاوقْجِی بِسَنَدِهِ الْمَذْكُوْرِ فِی ثَبْتِهٖ ثُمَّ اِنِّی اَذِنْتُ لِلْمُجَازِ بِاَنْ يُجِيْزَ بِهٖ مَنْ هُوَ اَهْلٌ لِذَالِکَ۔

وَكَذَالِکَ صَافَحْتُهُ بِكَفِی هٰذِهٖ لِلَّتِی صَافَحْتُ بِهَا كُلًّامِنْ شَيْخِنَا فَقِيْهُ النَّفْسِ مَنْ يُكَنّٰی بِاَبِی حَنِيْفَةَ الصَغِيْرِ سَيِّدِی الشَّيْخِ سَعِيْدِ الْحَلْبِی وَ شَيْخِنَا الْمُحَدِّثِ الْكَبِيْرِ وَ

الْعَلَّامَةِ النِّحْرِيْرِ سَيِّدِى الشَّيْخِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْكُزْبَرِى وَ هُمَا يَرْوِيَا نِهٖ عَنْ وَالِدِ الثَّانِى الْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ الْكُزْبَرِى وَهُوَ يَرْوِيْهِ عَنْ وَالِدِهٖ الْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْكُزْبَرِى وَهُوَ يَرْوِيْهِ عَنِ الْمُسْنِدِ الْمُحَدِّثِ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ عَقِيْلَةَ الْمَكِّى قَالَ فِى مُسَلْسَلَاتِهٖ وَقَدْ صَافَحَنِى شَيْخُنَا وَ مَوْلَانَا وَ بَرَكَتُنَا الشَّيْخُ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ النَّخْلِى وَقَالَ صَافَحَنَا الْعَارِفُ بِاللّٰهِ الْكَبِيْرُ مَوْلَانَا الشَّيْخُ تَاجُ الدِّيْنِ النَّقْشَبَنْدِى قَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ الشَّهِيْرُ بِحَاجِى رَمْزِى وَقَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخُ الْحَافِظُ عَلِيُّ الْاَوْبَهِى قَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخَانِ الْمُسْنِدَانِ اَلشَّيْخُ مَحْمُوْدُ الْاَسْفِزَارِى وَالسَّيِّدِ اَمِيْرٌ عَلِى الْهَمْدَانِى قَالَا صَافَحَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْحَبْشِى الصَّحَابِى الْمُعَمَّرُ قَالَ صَافَحَنِى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ الْمُسْنِدُ الْمُحَدِّثُ الشَّيْخُ مُحَمَّدِ بْنُ اَحْمَدَ عَقِيْلَةَ الْمَكِّى فِىْ مُسَلْسَلَاتِهٖ هٰذَا السَّنَدَ كُلُّهٗ مُشْتَمِلٌ عَلَى الثِّقَاتِ الْاَجِلَّاءِ الْعُلَمَاءِ الْعُرَفَاءِ وَ عَلٰى هٰذَا السَّنَدِ رَوْنَقُ الْقُبُوْلِ فَتَكُوْنُ يَدُ الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ سَابِعُ يَدٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اھ فَحِيْنَئِذٍ تَكُوْنُ يَدُ الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ عَبْدِاللّٰهِ الرِّكَابِى الشَّهِيْرِ بِالسُّكَّرِى حَادِى عَشَرَيَدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔اھ

وَاَرْوِيْهِ بِسَنَدٍ آخَرَ مُتَّصِلٌ بِالْمُعَمَّرِ اَبِى الْعَبَّاسِ الْمُلَثَّمِ قَالَ كَذَالِكَ صَافَحَنِى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَنْ صَافَحَنِى اَوْ صَافَحَ مَنْ صَافَحَنِى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ اَجَزْتُهٗ بِهَا وَاَذِنْتُ لَهٗ اَنْ يُصَافِحَ وَ يُجِيْزُ اَهْلَ الْاِصْلَاحِ اَمْرًا بِكِتَابَةِ ذَالِكَ الْعَالِمِ الْعَلَّامَةِ مُحِبِّ الْعُلَمَاءِ الْعَامِلِيْنَ وَ مَحْسُوْبِ السَّادَةِ الْفُقَرَاءِ الْكَامِلِيْنَ السَّيِّدِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ السَّيِّدِ دُرْوَيْشِ الرِّكَابِى الشَّهِيْرِ بِالسُّكَّرِى الْقَادِرِى الْحَنَفِى عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ بِجَاهِ النَّبِىِّ اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

سیدی شیخ عبداللہ السکری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کا متن مکمل ہوا۔ اس سند اجازت میں الشیخ امیر کی بیاض کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جو" حدیث الرحمۃ المسلسل" کی سند میں تھا۔ ذیل میں شیخ امیر کی سند اس کے حروف سے نقل کردیتا ہوں۔ تاکہ فائدہ مند ہو۔

قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى اَوَاخِرِهٖ مَانِصَّهٗ عَادَتُهُمْ يُقَدِّمُوْنَ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ وَهُوَ حَدِيْثُ الرَّحْمَةِ قَالَ فِى الْمَنْعِ لِاَنَّهٗ وَرَدَ اَوَّلُ شَيْءٍ خَطَّهُ اللّٰهُ فِى الْكِتَابِ الْاَوَّلِ اَنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا سَبَقَتْ رَحْمَتِىْ غَضَبِىْ فَمَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

وَ رَسُوْلَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاَيْضًا فَاِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَنُوْرُهُ اَوَّلُ مَخْلُوْقٍ سَمِعْتُهُ مِنْ اَشْيَاخٍ كَثِيْرَةٍ مِنْهُمُ الشَّيْخُ شِهَابُ الدِّيْنِ اَحْمَدُ الْجَوْهَرِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَنْ شَيْخِهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَالِمِ الْبَصْرِى اَلْمَكِّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمَغْرِبِى وَ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ سَعِيْدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْجَزَائِرِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا مُفْتِى تِلْمِسَانَ اَبُوْ عُثْمَانَ الْمُقْرِئُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ الْقَارِى اَوَّلُ مَا حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَتْحِ الْمَرَاغِى اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحِيْمِ الْعِرَاقِى الْاَثَرِى اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَتْحِ مُحَمَّدِ الْبَدْرَمِى اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّطِيْفِ بْنِ عَبْدِالْمُنْعِمِ الْحَرَانِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ اَبُوالْفَتْحِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَلِيٍّ اَوَّلُ تَحْدِيْثِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ النِّيْسَابُوْرِى اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ الزِيَادِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَامِدِ بْنِ بِلَالِ الْبَزَّارِ وَ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ بِشْرِ بْنِ الْحَكَمُ الْعَبْدِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَاِلَيْهِ يَنْتَهِى التَّسَلْسُلُ بِالْاَوَّلِيَّةِ عَنِ الْاَصْلَحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِىْ قَابُوْسٍ مَوْلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اِرْحَمُوْا مَنْ فِى الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِى السَّمَاءِ وَ وَقَعَ فِىْ بَعْضِ طُرُقِ هٰذَا الْحَدِيْثِ ابْنُ الْجَوْزِى فَجَعَلَهُ صَاحِبُ الْمِنَحِ هُوَالْوَاعِظُ الْمَشْهُوْرُ وَ نَقَلَ شَيْخُنَا الْجَوْهَرِى عَنِ الْبَصْرِى عَنْ شَيْخِ الْاِسْلَامِ زَكَرِيَّا اِنَّ هٰذَا بِضَمِّ الْجِيْمِ وَ لَيْسَ هُوَالْوَاعِظُ الْمَشْهُوْرُ قَالَ وَيَرْحَمُكُمْ بِالرَّفْعِ جُمْلَةٌ دُعَائِيَّةٌ لَا بِالْجَزْمِ جَوَابُ الْاَمْرِ قَالَ فِى الْمِنَحِ وَهُوَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِى فِى الْكُنٰى وَالْاَدَبِ الْمُفْرَدِ وَالْحُمَيْدِى فِىْ مُسْنَدِهٖ وَ اَبُوْ عَلِيٍّ الزَّعْفَرَانِى وَ اَبُوْ دَاوٗدَ فِىْ سُنَنِهٖ وَالتِّرْمِذِى فِىْ جَامِعِهٖ اِنَّهُمْ جَمِيْعًا لَمْ يُسَلْسِلُوْهُ وَاَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْبَكْرِ بْنِ اَبِىْ شَيْبَهْ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ التِّرْمِذِى بِاِعْتِبَارِ مَالِهٖ مِنَ الْمُتَابِعَاتِ وَالشَّوَاهِدِ۔اھ

فائدہ پنجم: میں نے جو اپنی اجازت گزشتہ سطور میں ذکر کی۔ اس کی مناسبت سے ایک اور جلیل القدر اجازت ذکر کرنا چاہتا ہوں ایک چیز کی جب کسی دوسری چیز سے مناسبت ہوتی ہے تو ایک کے ذکر کرنے

اَلْمُتَحلّی بِالْفَوَاضِلِ الْمُتَهَنِّکِ فِی مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَهْلَ بَیْتِهٖ یُوْسُفَ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ النَّبْهَانِی اَجْزَلَ اللّٰهُ عَطَاهُ وَ کَشَفَ عَنْ قَلْبِهٖ غِطَاءَهُ وَ بَلَّغَهُ مَا یَتَمَنَّا فِی دُنْیَاهُ وَ اُخْرَاهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ عَلٰی مَنْ وَالَاکُمْ فِی اللّٰهِ ۔ صُدُوْرُ الْمُحَرِرِ مِنْ حَوْطَةِ الْحَبِیْبِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعِطَاسِ حَرَیْضَةَ وَ بَاعِثُهٗ طَلَبُ الدُّعَاءِ وَالسُّؤَالِ عَنْکُمْ اَرْجُوکُمْ وَمَنْ لَدَیْکُمْ فِی عَافِیَّةٍ کَمَا اَنَا وَمَنْ لَدَیْنَا مِنَ الْاَخْوَانِ وَالْمَعَارِفِ کَذَالِکَ وَقَدْ اَرْسَلْنَا لَکُمْ قَبْلَهٗ کِتَابًا جَوَابًا لِکُتُبِکُمُ السَّابِقَةِ مِنْ طَرِیْقِ عَدَنَ وَ اَخْبَرْنَا کُمْ فِیْهِ اَنَّ الصَّنْدُوْقَ الَّذِیْ اَرْسَلْتُمُوْهُ اِلَیْنَا فِی اِثْنَاءِ الطَّرِیْقِ وَفِی بَاطِنِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَصَلَ اِلٰی طَرْفِنَا رِیَاضَ الْجَنَّةِ وَوَجَدْنَاهُ کَمَا ذَکَرْتُمْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ یَشْکُرُ سَعْیَکُمْ وَ یَتَقَبَّلُ مِنْکُمْ وَ فَرَقْنَاهُ عَلٰی اَهْلِ الْجِهَةِ کُلِّهَا حَسْبَ الْاِمْکَانِ عَلَی السَّادَةِ وَ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَ مَنْ لَهٗ رَغْبَةٌ فِی الْخَیْرِ اَرْسَلْنَا اِلٰی تَرِیْم نَحْوَسِتِّیْنَ وَاِلٰی سَیُوْنَ نَحْوَ خَمْسِیْنَ وَاِلَی الْبُلْدَانِ الْاُخْرٰی مَاتَیَسَّرَ مِنْ ذَالِکَ وَاَجْتَمَعْنَا بِغَالِبِ السَّادَةِ الْعُلْوِیِّیْنَ وَ غَیْرِهِمْ مِنْ اَهْلِ تِلْکَ الدِّیَارِ وَالْجَمِیْعُ یَشْکُرُوْنَکُمْ وَیَمُدُّوْنَکُمْ بِصَالِحِ الدُّعَاءِ وَ غالب مؤلفاتکم موجودة وَالْقِرَاءَةُ مُسْتَمِرَّةٌ فِیْهَا وَ عَرَفْتُمْ قَصْدَکُمْ الْاِجَازَةَ وَ نَشْرَحُ لَکُمْ بَعْضَ الْحَالِ لَایَخْفِی عَلٰی جَنَابِکُمُ الْکَرِیْمِ اِنَّا فُقَرَاءُ وَضُعَفَاءُ وَمَا لَدَیْنَا شَیْءٌ مِمَّا ظَنَنْتُمْ اِلَّااِنَّانُحِبُّکُمْ فِی اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِنْ کَانَ شَیْءٌ مِنَ الْاَرْتِبَاطِ بَیْنَنَا وَبَیْنَ السَّلَفِ فِی الصُّوْرَةِ وَ فِی الْمَعْنٰی عَسٰی اَنْ یَکُوْنَ مَا ظَنَّنَاهُ مُحَقِّقًا وَنَقُوْلُ اِغْتِنَا مَالصَّالِحِ دُعَائِکُمْ وَاِمْتِثَالًا لِاَمْرِکُمْ اَجَزْتُ الشَّیْخَ الْفَاضِلَ الْعَالِمَ الْعَامِلَ یُوْسُفَ بْنَ اِسْمَاعِیْلَ النَّبْهَانِیْ فِی جَمِیْعِ الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّةِ مِنْ تَفْسِیْرٍ وَّ حَدِیْثٍ وَّ فِقْهٍ وَّ تَصَوُّفٍ وَآلَاتِ ذَالِکَ وَ فِی جَمِیْعِ الْاَذْکَارِ وَالْاَحْزَابِ وَالْاَوْرَادِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَی السَّلَفِ الصَّالِحِ وَ فِی جَمِیْعِ عُلُوْمِ الرِّوَایَةِ وَالدِّرَایَةِ اجزتهٗ اِجَازَةً مُطْلَقَةً وَاَجَزْتُهٗ اَیْضًا فِی الطَّرَائِقِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلٰی اَهْلِهَا کَالْعُلْوِیَّةِ وَالشَّاذِلِیَّةِ وَالْقَادِرِیَّةِ وَ غَیْرِهَا مِنَ الطَّرَائِقِ کَمَا هِیَ مَبْسُوْطَةٌ وَ مَذْکُوْرَةٌ فِی مُؤَلَّفَاتِهَا لَاسِیَمَا کِتَابُ السَّیِّدِ مُحَمَّدِ مُرْتَضٰی اَبْوَابُ السَّعَادَةِ وَ سَلَاسِلُ السِّیَادَةِ وَهُوَ کِتَابٌ عَظِیْمٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی غَالِبِ الطُّرُقِ بِاَسَانِیْدِهَا وَاَنَا اَرْوِیْهِ بِالْاَجَازَةِ الْعَامَّةِ وَالْخَاصَّةِ عَنِ السَّیِّدِ الشَّرِیْفِ عَیْدَرُوْسِ بْنِ عُمَرَ الْحَبْشِی وَغَیْرِهٖ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالسَّادَةِ وَ مِنْ اَجَلِّهِمْ وَ اَفْضَلِهِمْ وَ اَعْلَمِهِمُ السَّیِّدُ

الشَّرِيْفُ صَالِحُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعَطَّاسِ بِحَقِّ اَخْذِهِمَا عَنِ السَّيِّد الشَّرِيْفِ الْعَالِمِ الْعَامِلِ الْكَامِلِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْاَهْدَلُ بِحَقِّ اتِّصَالِهٖ بِالسَّيِّدِ مُحَمَّدِ مُرْتَضٰى بِحَقِّ اَخْذِهٖ لِذَالِکَ عَنِ السَّيِّدِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مُصْطَفٰى الْعِيْد رُوْسِ كَمَا شَرَحَ ذَالِکَ بَيْنَهٗ فِي النَّفْسِ الْيَمَانِيْ فِي اِجَازَةِ بَنِي الشَّوْكَانِي لَهٗ وَهُوَ كِتَابٌ جَلِيْلٌ حَفِيْلٌ ذَكَرَ فِيْهِ مَشَائِخَهٗ وَ مَشَائِخَ وَالِدِهٖ وَ مَشَائِخَ جَدِّهٖ يَحْيٰى وَالْكِتَابُ الْمَذْكُوْرُ عِنْدِي وَاَجَزْتُكُمْ بِهٖ وَبِمَا احْتَوٰى عَلَيْهِ وَقَدِ اتَّصَلْتُ بِهٖ مِنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِثَبْتِ السَّيِّدِ الشَّرِيْفِ عِيْدِ رُوْسِ بْنِ عُمَرَ الْحَبشي وَ مَا احْتَوٰى عَلَيْهِ مِنَ الطَّرَائِقِ الْعُلْوِيَّةِ وَ غَيْرِهَا كَمَا اَجَازَنِي بِذَالِکَ وَاَذِنَّ لِي بِمَا هُنَالِکَ نُطْقًا وَ كِتَابَةً وَهُوَ مَوْجُوْدٌ عِنْدِي وَطُبِعَ فِي مِصْرَ وَهُوَ كِتَابٌ عَامٌّ وَسَمِعْنَا الْكَثِيْرَ مِنْهُ عَلٰى مُؤَلِّفِهٖ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِثَبْتِ الشَّيْخِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ كَمَا اَرْوِيْهِ بِالْاِجَازَةِ عَنْ سَيِّدِنَا وَ شَيْخِنَا السَّيِّد اَحْمَدَ زَيْنِي دُحْلَانَ وَهُوَيَرْوِيْهِ عَنِ الشَّيْخِ عُثْمَانَ بْنُ مُحَمَّدِ الدِّمْيَاطِيُّ عَنَ الشَّيْخِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِجَمِيْعِ مَا صَحَّتِ الْاِجَازَةُ مِنْ جَمِيْعِ الطُّرُقِ الْخَاصَّةِ وَالْعَامَّةِ كَمَا اَخَذْتُ ذَالِکَ مِنْ مَشَائِخَ كَثِيْرِيْنَ يَقِظَةً وَ مَنَامًا بِالْحَرَمَيْنِ وَالْيَمَنِ وَمِصْرَ وَ حَضَرَ مَوْتَ وَاتَّصَلْتُ بِكَثِيْرٍ مِنَ الْمَشَائِخِ الْاَجِلَّةِ وَاَخَذْتُ عَنْهُمْ بِلَاوَاسِطَةٍ كَالشَّيْخِ عَبْدِالْقَادِرِ الْجِيْلِيْ وَالْفَقِيْهِ الْمُقَدَّمْ مُحَمَّدِ بْنُ عَلِي الْحُسَيْنِيْ وَالشَّيْخِ الغزالي وَالشَّيْخِ اَحْمَدُ بْنِ حَجَرٍ وَالشَّيْخِ ابْنِ الْعَرَبِيْ وَ كَثِيْرٍ مِمَّنْ يَطُوْلُ ذِكْرُهُمْ وَ تَعْدَادُ هُمْ وَاِنْ قَدَّرَاللّٰهُ وَ سَمَحَ الزَّمَانُ بَيَّنَا لَكُمْ بَعْضًا مِنْ ذَالِکَ وَلَا تَنْسُوْنَا مِنْ صَالِحِ دَعْوَاتِكُمْ وَمَا اعْتَذَرْتُمْ بِهٖ مِنْ بَذَّةِ الْحَالِ وَالْبَالِ كُلٌّ مَعَهٗ مَايَكْفِيْهِ وَ حَالَ اِمْلَاءِ الْكِتَابِ وَالْمَكَانَ مَلَّانٌ وَاللّٰهُ يَجْعَلُ الْعَاقِبَةَ لِلْجَمِيْعِ خَيْرًا وَقَدْ رَفَعْنَا حَاجَتَكُمْ اِلٰى كَثِيْرٍ مِنْ اَهْلِ التَّوَجُّهَاتِ وَ طَلَبْنَا مِنْهُمُ الدُّعَاءَ لَكُمْ وَلِحُفْرَةِ الْمُحِبِّ عَبْدِالْغَنِي بَاشَابِيُوْضُوْنَ الْبِيْرَوْنِيْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى اَوْلَادِكُمْ وَمَنْ شِئْتُمْ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنَّا وَمِنْ اَوْلَادِنَاوَ مِمَّنْ لَدَيْنَا۔

حَرَّرَ مُنْتَصَفَ رَجَبٍ سَنَةَ ۱۳۲۱ھ مِنَ الْمُسْتَمِدِّءِ لِلدُّعَاءِ مِنْكُمْ وَالدَّاعِي لَكُمْ الْفَقِيْرُ اِلٰى عَفْوِ مَوْلَاهُ اَحْمَدُ بْنُ حَسَنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِي الْعَطَّاسِ الْعُلْوِي۔

# امام علامہ شیخ الاسلام ابوالعباس احمد بن تیمیہ الحنبلی
## المتوفی ۷۲۸ھ

میں نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں ابن تیمیہ کی ضرررساں بدعات کا خوب رد کیا۔ اور اس کتاب ''جواہر البحار'' میں اس کی موتیوں بھری باتیں ذکر کر رہا ہوں۔ اس حقیقت سے باخبر شخص کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ابن تیمیہ ایک جلیل امام ہے۔ لہٰذا اس کی بکثرت اچھی باتوں سے نفع اٹھانے کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس کی معدود باتیں نہایت نازیبا اور بری ہیں اور جس شخص کو اس کی کتاب ''الصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا جس سے میں یہاں کچھ باتیں نقل کر رہا ہوں۔ وہ انتہائی تعجب کرے گا۔ کہ یہ وہی ابن تیمیہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ اور آپ کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے کو حرام کہتا ہے۔ بہرحال جو بھی ہے تقدیر سے بچنا ناممکن اور جب قضا آجاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہے۔ بیشک ابن تیمیہ نے فوت کر دیا جو فوت کر دیا اور نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

موصوف کے موتیوں میں سے ایک موتی اس کی تصنیف ''اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ'' ہے۔ میں نے اس سے مختصر مضامین لئے۔ غالباً اسی کی عبارات کو میں نے برقرار رکھا۔ جہاں میں نے اسے کافی سمجھا۔ اسی مضمون پر اس نے قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثار مرویہ، کلام ائمہ پیش کئے۔ پھر موصوف نے کچھ اپنا کلام بھی لکھا۔ مذکورہ کتاب ضخامت کے اعتبار سے کافی بڑی ہے۔ علمی باتوں سے بھرپور ہے۔ میں اس کا جو اختصار پیش کر رہا ہوں۔ یہ اصل کتاب کا تقریباً پانچواں حصہ بنتا ہے۔ میں نے اس اختصار میں موصوف کی ذکر کردہ تمام آیات، احادیث، آثار اور ائمہ کے عظیم کلام کو جو اس موضوع پر ہیں۔ مکمل درج کیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلِيِّ الْاِحْسَانِ۔

تمام تعریفیں اللہ ہادی کیلئے جو نصیر ہے اور خوب نصیر و ہادی ہے وہ جو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور اس کیلئے رشد و ہدایت کا راستہ واضح کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے مومنین کو اس حق کی ہدایت دی جس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اس نے ان کیلئے ہدایت اور درستگی کو جمع کر دیا اور وہ اللہ جس نے اپنے پیغمبروں اور ایمانداروں کی دنیوی زندگی اور قیامت میں مدد فرمائی۔ جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا۔ وہ ایسا سچا ہے جس نے کبھی بھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسی گواہی جو گواہی

دینے والے کو دین حنیف کیلئے قائم کرے اور الحاد سے بیزار کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ جو تمام رسولوں سے افضل اور تمام بندوں سے بڑھ کر کریم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا۔ تا کہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ اگر چہ مشرک اور دشمن اسے پسند نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ساتھ ہی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ اذان، تشہد اور جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں دونوں ذکر متصل ہیں۔ آپ کے دشمنوں کو سرنگوں کیا۔ آپ کے نافرمانوں کو ہلاک کر دیا اور مذاق اڑانے والے حاسدین سے آپ کی کفایت فرمائی۔ آپ کے بدخواہ کی جڑ کاٹ دی۔ آپ کو ایذا دینے والے پر دنیا وآخرت میں لعنت کی۔ اور اس کے ہر ارادے کو بیکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء کرام کے مقابلہ میں اس قدر خصوصیات سے مختص فرمایا، جن کی گنتی نہیں ہوسکتی سو آپ کیلئے ہی وسیلہ، فضیلۃ، مقام محمود اور ایسی لواء الحمد ہے جس کے نیچے ہر حمد کرنے والا ہوگا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ اَفْضَلَ الصَّلٰوَاتِ وَ اَعْلَاهَا وَ اَكْمَلَهَا وَ اَنْمَاهَا كَمَا يُحِبُّ سُبْحَانَهٗ اَنْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَ كَمَا اَمَرًا وَ كَمَا يَنْبَغِي اَنْ يُصَلِّيَ عَلٰى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَفْضَلُ تَحِيَّةً وَ اَحْسَنُهَا وَ اَوْلَاهَا وَ اَبْرَكُهَا وَ اَطْيَبُهَا وَاَزْكَاهَا صَلٰوةً وَّ سَلَامًا دَائِمِيْنِ اِلٰى يَوْمِ التَّنَادِ بَاقِيَيْنِ بَعْدَ ذَالِكَ اَبَدًا رِزْقًا مِنَ اللّٰهِ مَا لَهٗ مِنْ نَفَادٍ۔ اما بعد۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب ہمیں ہدایت دی اور ان کی وجہ سے ہمیں اندھیروں میں روشنی کی طرف نکالا۔ آپ کی رسالت کی برکت سے اور آپ کے پیغام رساں بنائے جانے کے احسان سے دنیا وآخرت کی بھلائی عطا کی۔ آپ کی اپنے رب کے ہاں اس قدر بلند و بالا منزلت ہے کہ تمام عقول اس کی معرفت اور زبانیں اس کی تعریف سے عاجز ہیں۔ علم اور بیان کی چونکہ ایک حد ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کیلئے خاموشی اور عاجزی ہی بہتر طریقہ ہے۔ ایک حادثہ اور ایک واقعہ رونما ہوا۔ کم از کم ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حق ہے بلکہ وہ تو ایسا حق ہے کہ اللہ رب العزت نے ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم توقیر واجب کر دی ہے۔ اور اس کیلئے ہر طریقہ اپنانے کا حکم دیا۔ نفس کے ایثار کا حکم دیا۔ مال قربان کرنے کا کہا اور ہر وقت ہر جگہ ایسا کرنے کو کہا آپ کی حفاظت، آپ کی حمایت ہر قسم کی ایذاء دینے والے سے لازم قرار دی۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کی مدد سے مستغنی فرما دیا

B

ہے لیکن بعض کو بعض کے ذریعہ آزمانا منظور ہے اور اس لئے تا کہ لوگوں کے سامنے وہ لوگ آ جائیں جو غائبانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ تا کہ اعمال پر جزاء کا تحقق ہو جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس حادثہ نے تقاضا کیا کہ میں وہ عقوبت ذکر کروں جو شرع محمدی نے ہر اس شخص کیلئے مقرر کی ہے جو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر یا ان کے متبعین ہوں۔ اور ذکر بھی اس طرح کروں کہ جس میں حکم اور دلیل دونوں موجود ہوں۔ میں اس بارے میں جو میرے ذہن میں اقوال حاضر تھے وہ نقل کروں گا۔ اور ہر قول کے ساتھ اس کی علت بھی ذکر کروں گا۔ اور یہ بھی بیان کروں گا کہ کس موقف کو تسلیم کیا گیا ہے۔ باقی جو اللہ تعالیٰ نے ایسے کیلئے سزائیں مقرر کر رکھی ہیں تو ان کی تفصیل قلمبند ہونا مشکل ہے۔ یہاں مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلہ میں ایسا حکم شرعی بیان کر دیا جائے جس پر مفتی فتویٰ دے سکتا ہو اور قاضی فیصلہ کر سکتا ہو۔ اور ہر امام اور امت کے ہر فرد پر جس پر ڈٹ جانا بقدرِ امکان ہو۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْهَادِیُ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ۔

**جوہرا:** ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول میں ''المسئلۃ الاولیٰ'' کے تحت لکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ یہ عام اہل علم کا مذہب ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ عام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دینا چاہئے۔ اس قول کے قائل امام مالک، لیث، احمد، اسحاق بھی ہیں۔ اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ اگر ذمی ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک شرک سے یہ بات بڑی نہیں ہے۔ ابو بکر فارسی نے اصحاب شافعی سے ذکر کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس شخص کی حد قتل ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دی۔ جیسا کہ آپ کے سوا کسی اور کو گالی دینے والے کیلئے کوڑے ہیں۔ یہ اجماع جو ابو بکر فارسی نے ذکر کیا ہے۔ صدر اول یعنی صحابہ کرام اور تابعین حضرات کے اجماع پر محمول ہے یا موصوف نے یہ مراد لیا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ اگر مسلمان ہو کر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس کی سزا بالاجماع قتل ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض نے بھی یہی شرط لگائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا آپ کی تنقیص کرتا ہے وہ واجب القتل ہے۔ یونہی اور بھی بہت سے حضرات نے ایسے شخص کے واجب القتل اور اس کی تکفیر پر اجماع کا قول کیا ہے۔

امام اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں جو ایک مشہور امام ہیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص

اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اس میں سے کسی کا انکار کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کو قتل کرتا ہے وہ اس فعل سے کافر ہو جاتا ہے اگرچہ تمام ما انزل اللہ کا اقرار کرتا ہو۔ خطابی کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی مسلمان کا میں اختلاف نہیں پاتا۔ جناب محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے۔ اور ایسے کا حکم تمام امت کے نزدیک یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے اور جو ایسے کے کفر میں شک لائے اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں ''واجب القتل'' ہونے کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ گالی دینے والا اگر مسلمان ہے تو وہ بغیر اختلاف واجب القتل ہے اور کافر ہے۔ یہ ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ کن حضرات نے اس اجماع کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ اور اگر گالی دینے والا ذمی ہے تو اسے بھی امام مالک، اہل مدینہ اور امام احمد کے مذہب میں قتل کیا جائے گا۔ اور فقہاء الحدیث بھی اسے واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد نے کئی مقامات پر یہ بات بطور نص ذکر فرمائی ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں۔ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہر وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی یا تنقیص شان کی وہ مسلمان ہو یا کافر۔ وہ واجب القتل ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ امام حنبل ہی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہر وہ شخص جو عہد توڑ دے اور اسلام میں کوئی نیا شوشہ نکالے۔ جیسا کہ یہ (گالی دینا) ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی سزا قتل ہے۔ اس بات کے ہوتے ہوئے اسے عہد اور ذمہ نہیں دیں گے۔ اسی طرح ابوالعقر نے بھی کہا کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ اگر کوئی ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اس کی سزا کیا ہے؟ فرمایا جب اس پر بینہ قائم ہو جائیں (گالی دینا ثابت ہو جائے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ یہ دونوں روایات ''خلال'' نے ذکر کیں۔ انہوں نے عبداللہ اور ابوطالب کی روایت میں کہا ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جواب دیا۔ اسے قتل کر دیا جائے۔ ان سے پوچھا گیا کیا اس بارے میں احادیث ہیں؟ جواب دیا۔ ہاں۔ احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ''حدیث الاعمیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں مروی ہے کہ ایک نابینا نے ایک عورت کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتی

ہے۔اور حدیث حسین بھی ہے۔وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی ایسے کے قتل کا کہا کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور کوئی مسلمان، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا تصور بھی نہیں کر سکتا۔عبداللہ نے کچھ الفاظ زیادہ ذکر کیے کہ میں نے ان سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے کیا اس کی توبہ قبول کی جائے گی؟ فرمایا۔یقیناً اس پر قتل کیا جانا واجب ہو چکا ہے۔اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دی تھی۔اس کی توبہ قبول نہ کی تھی۔یہ روایت ابوبکر نے ''الشافی'' میں ذکر کی ہے۔ابوطالب کی روایت میں ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ ولم کو گالی دینے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔فرمایا۔اس کو قتل کر دیا جائے۔یہ دونوں روایات بھی ''خلال'' نے ذکر کی ہیں۔اس حکم پر ان جوابات کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات پر امام احمد نے بطور نص کہا ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔آپ کے تمام اقوال اس کے واجب القتل ہونے اور ناقض عہد ہونے پر صاف صاف دلالت کرتے ہیں۔آپ سے اس بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں۔یونہی امام موصوف کے اصحاب متقدمین ومتاخرین تمام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

پھر ابن تیمیہ نے لکھا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں مسلک خود ان سے بطور نص یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا عہد اس حرکت کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ اسے قتل کیا جائے گا۔یونہی ان سے ابن منذر نے حکایت کی ہے۔امام خطابی وغیر بھی یہی نقل کرتے ہیں۔''کتاب الام'' میں امام موصوف نے فرمایا۔جزیہ پر ایک صلح نامہ تحریر کیا جائے، جس میں شروط تحریر ہوں......فرمایا۔کہ ایک شرط یہ بھی منوائی جائے کہ ذمی کہیں اگر ہم میں سے کسی ایک نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب اللہ، دین اسلام کا ذکر ایسے انداز اور طریقہ سے کیا جو نا مناسب ہو۔تو اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور پھر امیر المومنین کا ذمہ اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ختم ہو جائے گا اور اس کو جو امان دی گئی وہ اس سے ٹوٹ جائے گی۔اور امیر المومنین کیلئے اس کا مال اس کا خون حلال ہو جائیں گے جس طرح حربیوں کا مال وخون حلال ہے۔اس کے بعد ابن تیمیہ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بقیہ کلام ذکر کیا اور ان کے عراقی اور خراسانی اصحاب کا کلام بھی ذکر کیا۔اور ان میں یہ اختلاف بھی ذکر کیا۔ کہ کیا کیا باتیں ذمیوں کے عہد کو توڑ دیتی ہیں اور کون کون سی نہیں توڑتیں۔پھر لکھا۔کہ ان تمام حضرات

نے اختلافی کتب میں یہ بات صراحۃً اور دوٹوک انداز میں ذکر کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہے جیسا کہ ہم نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ذاتی نظریہ اس بارے میں ذکر کیا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے عہد نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی اس بات پر ذمی کو قتل کیا جائے گا لیکن اس کے اظہار پر اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ جیسا کہ انہیں ان منکرات کے اظہار پر تعزیر لگائی جاتی ہے، جن کے کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔ مثلاً ان کی اپنی کتابوں کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔ یہ نظریہ امام طحاوی نے جناب ثوری سے ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ احناف کی اکثریت یہ فتوی دیتی ہے کہ ذمیوں میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اسے قتل کیا جائے گا۔ اگر چہ وہ پکڑے جانے کے بعد مسلمان ہو جائے۔ قتل کا قول ان کے نزدیک ''سیاسۃً'' ہے۔ جو احناف کے نظریہ کے اصول کی طرف لوٹتا ہے۔

جوہر ۲: ''ذمی'' کا عہد ٹوٹ جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کے دین یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے۔ اور وہ واجب القتل ہو جاتا ہے اور مسلمان بھی اگر یہ فعل کرے تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ ان پر دلیل کتاب اللہ، سنت، اجماع الصحابۃ والتابعین اور قیاس میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں امور مذکورہ پر دلائل کئی آیات سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

آیت ۱: قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾ ان لوگوں کو قتل کر دو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی قیامت کے دن پر، اور نہ وہ حرام سمجھتے ہیں ان اشیاء کو جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا اور نہ وہ دین حق کو بطور دین قبول کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے جنہیں کوئی کتاب دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذلیل ہوتے ہوئے جزیہ نہ ادا کریں (توبہ)۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص ہمارے سامنے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے، اور لوگوں کی موجودگی میں ہمارے پروردگار کو برا بھلا کہے اور اپنی محفلوں میں ہمارے دین پر لعن طعن کرے وہ ''ذلیل'' نہیں۔ کیونکہ ذلیل وہ ہوتا ہے جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ اور یہ فعل قابل عزت اور داد کے لائق ہے؟ بلکہ یہ تو ہمارے لئے انتہائی ذلت اور اہانت کا سبب ہے۔

آیت ۲: كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۔ مشرکین کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اسکے رسول کے ہاں کیونکر عہد ہوسکتا ہے۔ مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے قریب عہد کیا۔ سو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔ (توبہ:7)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ مشرکین میں سے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہے ان کے علاوہ کسی مشرک کا کوئی عہد نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کیلئے اسی وقت تک عہد معتبر ہوگا جب تک وہ مستقیم رہیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو مشرک ہمیں گالی گلوچ سرعام دیتا ہے، ہمارے رب کے بارے میں نازیبا الفاظ کہتا ہے، ہماری کتاب کی توہین کرتا ہے، ہمارے دین کا مذاق اڑاتا ہے، ایسا کرنا اس کا ''استقامت'' کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ آیت اگرچہ ان مشرکین کے بارے میں جو صلح کے بعد اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ نازل ہوئی لیکن بطریقہ اولیٰ یہ معنیٰ ان ذمیوں کیلئے بھی ثابت ہے جو ہم مسلمانوں کے علاقہ میں مقیم ہیں۔

آیت ۳: وَإِنْ نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ ۔ اور اگر وہ (غیر مسلم) عہد و پیمان کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے سرکردہ لیڈروں کو قتل کرو۔ یقیناً ان کیلئے کوئی قسم (عہد و پیمان نہیں) (توبہ:12)۔

یہ آیت کریمہ چند وجوہ سے مقصود پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اول: محض قسم اور عہد و پیمان توڑ دینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ''طعن فی الدین'' الگ مستقل طور پر ذکر کیا اور اسے مخصوص طور پر بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرکت اور فعل ''قتال'' کے لازم ہونے کیلئے بہت مضبوط سبب ہے۔ اسی لئے اس شخص کو سخت ترین عقوبت وسزا دی جائے گی۔ جو دین اسلام پر طعن کا مرتکب ہوگا۔ ایسی شدید سزا دوسرے ''نقض عہد'' کرنے والوں کو نہیں دی جائیگی۔

وجہ دوم: ذمی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ کو دشنام دیتا ہے، یا اسلام میں عیب نکالتا ہے۔ اور ایسا وہ علی الاعلان کرتا ہے تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور ہمارے دین پر طعن بھی کیا۔ لہٰذا اس کا قتل کیا جانا اس آیت سے بطور نص ثابت ہوا اور یہ دلالت بہت مضبوط اور اعلیٰ ہے۔

وجہ سوم: اللہ تعالیٰ نے انہیں ''دین پر طعن'' کرنے کی وجہ سے ''کفر کے امام'' کہا ہے۔ جب کوئی ذمی دین پر طعن کرتا ہے تو وہ بھی کفر میں امام ہے۔ لہٰذا ''فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' (توبہ:12) کے تحت اس

کے ساتھ قتال کرنا لازم ہوا اور اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ کیونکہ اس نے ہم مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے دین کا عیب علی الاعلان نہ نکالوں گا۔ لیکن اس نے اس کی مخالفت کی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو بھی ہمارے دین پر ہم سے عہد کرنے کے بعد طعن کرتا ہے۔ جبکہ اس کا عہد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تو وہ کفر میں امام ہے۔ اس کا عہد ختم ہو گیا۔ اس کا قتل کیا جانا آیت مذکورہ سے بطور نص ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ایسا کرنے والا اور عہد توڑنے والا جو امام نہ ہو دونوں کے درمیان فرق ہے۔ عہد توڑنے والا وہ ہوتا ہے جو کسی ایسی شرط کے خلاف کرے جن پر صلح کی گئی تھی۔ لیکن دین پر طعن نہ کرے۔

وجہ چہارم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ۔ تم ان لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسمیں اور عہد و پیمان توڑ ڈالے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تمہارے ساتھ پہل کی۔ (توبہ:13) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکالے جانے کا ارادہ کرنے والوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس ارادہ میں یہی بات ہے کہ وہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک طرف یہ ارادہ اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا اول الذکر سے دوسری بات زیادہ اذیت دینے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ان لوگوں کو تو معاف کر دیا تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن آپ نے گالی دینے والوں کو معاف نہ کیا۔

وجہ پنجم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۴﴾ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾۔ ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے گا۔ اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے دلوں کو شفاء بخشے گا۔ اور ان کے دلوں کا غصہ ختم کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا رجوع کرے گا اور اللہ علیم حکیم ہے (توبہ:14)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے۔ جو وعدہ توڑنے والے اور دین پر طعن کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں ضمانت دی کہ اگر ہم ان کے خلاف لڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا۔ انہیں ذلیل کرے گا اور ان کے خلاف ہماری مدد کرے گا اور جن مسلمانوں کو ان کے عہد توڑنے سے اور دین پر طعن کرنے سے کچھ ان کی طرف سے ناگفتہ حالات

کا سامنا کرنا پڑے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں کا غصہ ختم کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا عہد و پیمان توڑنے والا اور دین پر طعن کرنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قتل کا مستحق ہے۔

وجہ ششم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں کو ٹھنڈا کر دے گا (توبہ: 14)۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عہد و پیمان کو توڑنے اور طعن فی الدین سے جو مسلمانوں کے دلوں کو تکلیف پہنچی۔ اس سے سینوں کو شفا بخشا اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔ اور اس کا حصول اس کا مطلوب ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے سینوں میں جو اس سے غصہ آیا اس کا ختم کرنا بھی مقصود و مطلوب ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ جو ذمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اور برا کہتا ہے یہ ایسا کام ہے جو مومنوں کو غضبناک کرتا ہے۔ اور انہیں تکلیف دیتا ہے۔ اس کی تکلیف اور اس کا غصہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانا اور ایک دوسرے کا مال و اسباب لوٹ لینا اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دینے سے مسلمان کا غصہ محض اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ اور رسول کی حمایت کیلئے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مطلوب و مقصود ہے کہ مومنوں کے سینوں کو شفا بخشے اور ان کے دل کے غضب کو ٹھنڈا کر دے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب گالی بکنے والے کو قتل کیا جائے۔

آیت ۴: دلائل قرآنیہ میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ ۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی اور مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اس کیلئے جہنم کی آگ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہے گا (توبہ: 67)۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرنا اور مخالفت کرنا ہے۔ کیونکہ یہ آیت پچھلی آیت کے بعد مذکور ہے۔ پچھلی آیت یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾ ۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ انتہائی ذلیل ہیں۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے۔ (مجادلہ)

''اذل'' میں بہ نسبت ذلیل کے زیادہ مبالغہ ہے۔ اور ''اذل'' اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک

اسے اپنی جان اور اپنے مال کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ یہ خوف اسے اعلانیہ مخالفت کرنے کی وجہ سے ہو۔ اس لئے کہ جس آدمی کا خون اور مال معصوم ومحفوظ ہے۔ اس کا خون گرانا اور مال چھیننا جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ''اذل'' بھی نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور دشمنی کرتا ہے اس کیلئے ایسا عہد نہیں ہوسکتا جو اس کی جان و مال کی حفاظت کرتا ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے والا آپ کا مخالف اور دشمن ہے۔ لہٰذا اس کیلئے ایسا کوئی عہد نہیں جو اس کے خون کو معصوم کر دے۔ ہمارا بھی یہی مقصود ہے۔

اور یوں بھی ہمارا مقصود ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کو خوب ذلیل ورسوا کیا جائے۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو ذلیل ورسوا کیا گیا (مجادلہ:5)۔ لفظ ''کبت'' کا معنی ذلیل کرنا رسوا کرنا اور خوب پچھاڑنا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ''کُبِتُوْا'' کا معنی انہیں ہلاک کیا جائے، ذلیل ورسوا کیا جائے اور ڈرایا دھمکایا جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو اللہ ورسول کا ''محاد'' ہے یعنی مخالف اور دشمن ہے۔ وہ ذلیل کیا گیا، رسوا کیا گیا، غیظ وخوف سے بھرا گیا اور تباہ وبرباد کیا گیا ہے۔ اور یہ باتیں اس وقت مکمل ہوں گی جب اس کو خوف ہو کہ میں نے اگر اللہ ورسول کی مخالفت اور دشمنی کو ظاہر کیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا اور اگر اسے اپنے قتل کئے جانے کا خوف نہ ہوگا۔ تو ہر وہ شخص جسے اللہ ورسول کی مخالفت ودشمنی کرنے کی قدرت ہے۔ اور اسے علی الاعلان کرنا بھی چاہتا ہے لیکن وہ اپنی جان کو محفوظ سمجھتا ہے اور اپنے مال کو بھی معصوم جانتا ہے تو وہ ذلیل ورسوا نہ ہوا۔ بلکہ وہ تو خوش اور باعزت بنا پھرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ (مجادلہ:21)۔ یہ اس قول کے بعد ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ (مجادلہ)۔ یہ قول (کتب اللہ) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ایک طرف اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا غلبہ ہے۔ گویا ''مخالفت'' غلبہ اور دشمنی کے مقابل ہے۔ حتیٰ کہ دو مخالف ہوں تو ایک غالب اور ایک مغلوب ہوگا (اور آیت کریمہ میں غالب کا صراحۃً ذکر کر دیا گیا) اور یہ دو لڑنے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ نہ کہ امن و امان سے رہنے والوں کے درمیان۔ لہٰذا معلوم ہوا اللہ اور رسول کا مخالف، امن وصلح میں نہیں ہے۔

اور اس طرح بھی دلیل بن جائے گی۔ کہ ''محادۃ'' (اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنا)

''مشاقہ'' (اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنا) کی ایک صورت ہے۔ جب اس میں بھی ''مشاقہ'' کا معنی پایا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ ان کی گردن پر مارو اور ان کے ہر جوڑ پر مارو۔ یہ سزا انہیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف چلتا ہے بیشک اس کیلئے سخت سزا ہے...... (آیت ۴/سورۃ ۵۹) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس لئے قتل کرنے کا حکم دیا کہ یہ لوگ ''مشاقہ اور محادۃ'' کی صفت سے متصف ہیں۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو'' حاد اور شاق'' ہو اس کے ساتھ ایسا کرنا (قتل کرنا) واجب ہے۔ کیونکہ اس کی علت موجود ہے۔

آیت ۵: قول باری تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ (احزاب:57)

یہ آیت کریمہ اس شخص کے قتل کو واجب کرتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچانے والا ہو۔ اور اس کا کیا ہوا عہد و پیمان اسے معصوم نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں نے ان سے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائیں۔ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک کرتا ہے۔ ''مَنْ لِكَعْبِ بْنِ اَشْرَفَ فَاِنَّهٗ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ'' کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔ یہ سنتے ہی مسلمان اس یہودی کی طرف لپک پڑے۔ جو معاہد تھا۔ وجہ یہی تھی کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔

**فصل:** ایسی آیات جو گالی دینے والے کے کفر اور قتل پر دلالت کرتی ہیں جبکہ وہ معاہد نہ ہو۔ خواہ وہ اسلام کو ظاہر کرنے والا ہی کیوں نہ ہو بکثرت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اجماعی عقیدہ بھی ہے۔

دلیل ۱: وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ان کے کان ہیں آپ کہہ دیجئے۔ کان تمہارے لئے بہتر ہیں۔ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اور اعتبار کرتا ہے مومنین کا اور تم میں سے مومنوں کیلئے رحمت ہے اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

تکلیف دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔(توبہ:61)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ الایۃ۔ تمہیں ایسے لوگ نہیں ملیں گے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں پھر وہ ایسے شخص سے محبت بھی کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں۔ خواہ ان کے وہ باپ دادا ہوں، بیٹے بھائی وغیرہ ہوں۔(مجادلہ:22)

جب اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخالفت رکھنے والے سے محبت کرنے والا مومن نہیں ہے تو خود مخالفت کرنے والا کیسا ہوگا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کا مخالف اور دشمن کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔

دلیل ۲: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ ۔ منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کے دلوں میں چھپی بات بتادے۔ فرمادیجئے۔ مذاق پراڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو نکالنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو لازماً کہیں گے کہ ہم تو غور وخوض کرتے اور کھیل کھیلتے رہے۔ فرمادیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ تم مذاق کیا کرتے تھے۔ مت عذر پیش کرو۔ تم ایمان لانے کے بعد پکے کافر ہوگئے ہو۔(توبہ:66)

یہ آیت کریمہ اس بارے میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کفر ہے۔ لہٰذا گالی جب ارادۃً ہوتی ہے تو وہ بطریقہ اولیٰ کفر ہوگی۔

دلیل ۳: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ(توبہ:58) اور ان میں سے بعض آپ کو صدقات کی تقسیم میں طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ ''اللمز'' عیب اور طعن کو کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ الایۃ (توبہ:61)۔ یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی کی اور آپ کو اذیت پہنچائی۔ وہ ان یعنی منافقین میں سے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی اور آپ کو تکلیف پہنچانا ایسا شخص ہرگز نہیں کرسکتا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول برحق مانتا ہو، اور آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز وقریب جانتا ہو، اور جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آپ صرف اور صرف حق کہتے ہیں اور آپ کا ہر فیصلہ

عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ اور بیشک آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور تمام مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر واجب ہے۔

**دلیل ۴:** قول باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الایۃ (النساء:65) آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے اختلافات میں آپ کو "حکم" نہ تسلیم کر لیں۔ پھر جو آپ ان میں فیصلہ فرمائیں اس سے متعلق کسی قسم کی دل میں تنگی نہ پائیں اور اس فیصلہ کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قسم اٹھا کر بیان فرمایا۔ کہ جب تک آپ کو اپنے خصومات میں لوگ "حکم" تسلیم نہیں کر لیتے پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ ہو بلکہ ظاہر وباطن سے آپ کے فیصلہ کو تسلیم کریں۔ وہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱ کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو گمان کرتے ہیں کہ وہ یقیناً اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی۔ وہ چاہتے ہیں کہ شیطانی قوتوں کی طرف اپنے فیصلہ جات لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ آپ سے دور بھاگتے ہیں۔ (النساء)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جس شخص کو کتاب اللہ اور اس کے رسول کی طرف مقدمات لے جانے کو کہا جائے اور انہیں "حاکم" تسلیم کرنے کو کہا جائے تو اگر وہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑتا ہے وہ منافق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ایک گروہ ان میں اس کے بعد پلٹ جاتا ہے اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب انہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے اسی وقت ایک گروہ ان میں سے منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے اور اگر حق ان کی طرف ہوتا ہو تو دوڑتے ہوئے ان کی طرف آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں کوئی مرض ہے یا وہ شک میں ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول زیادتی کریں گے؟ بلکہ وہ ہیں ہی ظالم بیشک مومنین کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو ان کا جواب اور کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، کامیاب بھی یہی لوگ ہیں۔ (النور)

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑا۔ اور ان کا حکم ماننے سے انکار کیا وہ بھی ایک منافق ہے مومن نہیں ہے اور مومن وہ ہے جو "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" کہتا ہو۔ جب نفاق ثابت ہو گیا اور ایمان رخصت ہو گیا اور وہ بھی اس وجہ سے کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے منہ موڑا اور کسی دوسرے کے پاس اپنا فیصلہ لے گیا یہ اگرچہ شرک محض ہے لیکن بعض دفعہ اس کا سبب قوت شہوت بھی ہوتا ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان اور آپ کو گالی دیتا ہو یا اس قسم کی اور اذیت پہنچاتا ہو وہ کیونکر مسلمان رہ جائے گا؟ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن دحیم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "ہمیں شعیب بن شعیب نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں ہمیں ابوالمغیرہ نے انہیں عتبہ بن ضمرہ نے وہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے بتایا کہ دو مردوں نے اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں فیصلہ کیلئے پیش کیا۔ آپ نے حق والے کیلئے اور باطل والے کے خلاف فیصلہ فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ گیا وہ کہنے لگا میں اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ اس کے ساتھی نے اسے کہا پھر تیرا کیا ارادہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ابوبکر صدیق کے پاس چلو۔ ہم دونوں ابوبکر صدیق کے پاس آ گئے۔ ان کے پاس جا کر وہ شخص بولا جس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا۔ ہم دونوں اپنا مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے تھے۔ آپ نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے (لیکن اس نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا)۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا تم دونوں کا فیصلہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے کر دیا ہے۔ اس پر بھی اس کا ساتھی راضی نہ ہوا پھر عمر بن خطاب کے پاس دونوں آئے۔ یہاں بھی اس شخص نے جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا کہا کہ ہم دونوں نے اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا۔ لیکن یہ راضی نہ ہوا۔ پھر ہم دونوں ابوبکر صدیق کے پاس گئے انہوں نے فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ اس کی ناراضگی پھر بھی ختم نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ جو کچھ تمہارے ساتھی نے کہا وہ درست ہے؟ کہنے لگا درست ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر داخل ہوئے جب واپس باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ آپ نے فیصلہ پر ناراض ہونے والے کا سر قلم کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الایة (النساء:65)۔ اس حدیث مرسل کی اور بھی احادیث شاہد ہیں۔ جو ایسی وجہ اور سند کے ساتھ مروی ہیں، جن پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ ابن دحیم کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا الْجَوْزَ جَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَسْوَدِ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَه عَنِ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ اِخْتَصَمَ الْحَدِيْث۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے۔ آپ نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ فرمایا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا ہمیں حضرت عمر کے پاس جانے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ دونوں آپ کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت عمر کے ہاں پہنچے تو اس شخص نے کہا جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا۔ اے ابن خطاب! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے اور اس میرے ساتھی نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت عمر نے اس شخص سے پوچھا جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا کیا ایسے ہی ہوا ہے؟ اس نے کہا۔ جی۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ تو میرے باہر آنے تک یہیں ٹھہرنا۔ پھر میں باہر آ کر تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں گا۔ حضرت عمر گھر سے تلوار لئے باہر تشریف لائے پھر آپ نے اس شخص کی گردن اڑا دی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا تھا ہمیں حضرت عمر کے پاس جانے دیں۔ دوسرا شخص واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! عمر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اگر میں انہیں عاجز نہ کرتا تو مجھے بھی وہ قتل کر دیتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ عمر کسی مومن کے قتل کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الایة (النساء:65) اللہ

تعالیٰ نے حضرت عمر کو قتل سے بری کر دیا۔ مذکورہ قصہ ان دو طریقوں کے علاوہ اور طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

دلیل ۵: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ کی دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ اور اللہ نے ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو بغیر کچھ ان کے کئے اذیت پہنچاتے ہیں۔ وہ یقیناً بہتان باندھتے ہیں اور واضح گناہ اٹھاتے ہیں (احزاب)۔

اس آیت کی ہمارے مقصود پر دلالت چند وجوہ سے ہے۔

وجہ اول: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کو اپنی اذیت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ جس طرح (دوسرے مقام پر) اپنی اطاعت کو حضور کی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے۔ پس جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نص مذکور ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ کافر ہے۔ اس کا خون حلال ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے محبوب کی محبت، اپنی رضامندی اور اپنے محبوب کی رضامندی اور اپنی اطاعت اور حضور کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ فرما دیجئے۔ اگر تمہارے باپ دادے، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور تمہارے کمائے ہوئے مال کہ جس کے نقصان سے ڈرتے ہو اور تمہارے مکانات جو تمہیں بڑے اچھے لگتے ہیں یہ سب اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہیں۔ (توبہ:24)

نیز فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔ یہ قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح:48)۔ بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ (انفال:1) لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے

میں پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے۔ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی اور حضور کی نافرمانی، اپنی مخالفت اور حضور کی مخالفت، اپنی اذیت اور حضور کی اذیت، اپنی حکم عدولی اور حضور کی حکم عدولی ان سب کو بھی ایک ہی چیز کہا ہے۔

ارشاد فرمایا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (انفال:13)
یہ اس کا بدلہ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی۔

ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (مجادلہ:20)۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (توبہ:63)۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھی۔

ارشاد فرمایا۔ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (النساء:14) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔

ان آیات میں اور ان کے علاوہ دیگر ایسی آیات میں اللہ اور اس کے رسول کے دونوں حق لازم ملزوم قرار دیئے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جہت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جہت ایک ہی ہے۔ لہٰذا جس نے رسول کریم کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآل وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت کو اپنے رب کی طرف سے جو کچھ وصول ہوتا ہے۔ وہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے وصول ہوتا ہے۔ کسی ایک کیلئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور سبب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی امر، نہی، اخبار، بیان وغیرہ میں اپنے قائم مقام کیا ہے۔ لہٰذا یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ان امور میں سے کسی ایک امر میں تفریق کی جائے۔

وجہ دوم: آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ کی اذیت کو مومن مردوں اور عورتوں کی اذیت الگ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو اذیت پہنچانا، "بہتان اور اثم مبین" قرار دیا ہے اور اس کیلئے دنیا و آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور اس کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مومن مرد یا عورت کی اذیت کبھی گناہ کبیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس میں کوڑوں کی سزا ہے اس سے زیادہ بڑی سزا اگر ہو سکتی ہے تو وہ کفر اور قتل ہی ہے۔

وجہ سوم: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا۔ کہ اس نے مومنوں کو اذیت دینے والے پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ اور رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لعنت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ اور جسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور رکھے۔ وہ صرف کافر ہی ہوسکتا ہے۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کرتا ہے۔ لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ۔ مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کی مانند ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورت کو اذیت پہنچانے والے پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے۔ تو وہ اس کے قتل کیے جانے کی مانند ہوئی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کا قتل مباح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ذکر فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ بیشک وہ لوگ جو پاکدامن اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت زنا لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے (النور:23)۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے۔ کہ یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں خصوصاً ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ آیت بھی ایک حجت ہے اور اس آیت کے موافق ہے۔ اس لئے کہ جب امہات المومنین کو بدکاری کی تہمت بھی ایسی بات ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے۔ تو اس الزام لگانے والے پر بھی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس آیت میں توبہ کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے کی توبہ مقبول نہیں۔ حتیٰ کہ وہ نئے سرے سے اسلام لائے۔ اس تفسیر کے مطابق ازواج مطہرات پر تہمت لگانا نفاق ہے جو خون گرانے کو مباح کر دیتا ہے۔ جب اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا قصد کیا جائے۔ یا ازواج مطہرات کو اذیت پہنچائی جائے۔ جبکہ ان کے بارے میں معلوم ہو چکا ہو کہ آخرت میں آپ کی یہ ازواج ہوں گی۔ اس لئے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بغاوت (بدکاری) نہیں کی۔

دلیل ۶: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ (الحجرات)۔ اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا مت کرو۔ اور نہ ہی آپ سے ایسی بلند آواز میں گفتگو کرو جیسے آپس میں تم بلند آوازی سے گفتگو کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اس آیت میں ہمارے مقصد پر دلالت اس طرح سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حضور صلی اللہ

B

علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور آپ سے ایسی بلند آوازی سے گفتگو کرنا جیسا کہ ہم باہم کرتے ہیں اس سے بھی منع فرمایا۔ اس لئے کہ یہ اونچی آواز اور بلند آوازی اعمال صالحہ کو ضائع ہونے تک پہنچا دیتی ہے اور ایسا کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا اور جو کام نیک اعمال کے ضائع کرنے کا سبب بنتا ہو۔ اسے لازماً اور واجباً ترک کیا جانا چاہیے۔ اور عمل کے ضائع ہونے کا سبب ''کفر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَیَمُتۡ وَہُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ (البقرہ:217) اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جائیں گے پھر وہ کافرانہ عقیدے پر مر جائیں گے تو ان لوگوں کے تمام (نیک) اعمال ضائع ہو گئے۔ وَغَیۡرُ ذَالِکَ مِنَ الۡآیَاتِ۔

پس جب ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچی آواز کرنا اور بلند آواز سے آپ کو پکارنا اس سے ایسا کرنے والے کے کافر ہو جانے کا خطرہ ہے جبکہ اسے خود علم نہ ہوا اور اس سے اس کے تمام اعمال ختم کر دیئے جائیں گے اس کا شدید خطرہ ہے اور اس کا سبب یہی مذکور دو باتیں ہیں۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر، تشریف و اکرام اور اجلال جیسا آپ کے شایان شان ہے۔ ایسا کرنا اسکے خلاف ہے اور اس لئے بھی کہ کبھی بلند آوازی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت پر مشتمل ہوتی ہے اور آپ کا اس میں استخفاف ہوتا ہے۔ اگرچہ بلند آواز کرنے والا اس کی نیت نہ بھی کرے۔ لہٰذا جب بلند آواز کرنا ایسا عمل ہے (جس سے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ اس سے آپ کو اذیت ہوئی اور استخفاف کیا گیا) تو اذیت پہنچانا اور استخفاف کرنا جبکہ بالقصد اور جان بوجھ کر ہوں بطریقہ اولیٰ کفر ہوں گے۔

دلیل 7: اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾ (النور)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکارنے کو تم لوگ آپس میں یوں برابر نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو چپکے سے پناہ لینے کیلئے کھسک جاتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہیں انہیں فتنہ یا عذاب الیم نہ آن پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ فتنہ سے خوف کھائیں۔ اور فتنہ 'مرتد ہونا اور کفر' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَقٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ:193) ان سے جہاد کرو تاوقتیکہ فتنہ باقی مٹ جائے۔ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں "ارتداد اور کفر" کو فتنہ کہا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ امام موصوف کا یہ قول فضل بن زیاد کی روایت میں ہے۔ "میں نے قرآن کریم میں غور وفکر کیا۔ تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی بات تینتیس آیات میں ملی۔ پھر امام موصوف نے یہ پڑھنا شروع کر دیا"۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور) اسے بار بار دہراتے رہے۔ اور فرماتے "فتنہ" شرک ہے شائد جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی رد کر دیتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں کچھ ٹیڑھا پن داخل ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔ اور یہ آیت پڑھنا شروع کر دی۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:65)

یہ باب اور موضوع بڑا وسیع ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ مجمع علیہ (اجماعی عقیدہ) بھی ہے۔ لیکن جب دلائل متعدد ہوں اور ایک دوسرے کی اس بات پر مضبوطی کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا انتہائی غلیظ وشدید کافر ہے۔ اس کے عقوبت کے سخت ہونے میں ایک دوسرے کی تقویت کریں۔ اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ کا احترام نہ کرنا اور آپ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آنا اس کی وجہ سے ایسے کفر کا شدید خطرہ ہے جو اعمال کو ضائع کر دینے والا ہے تو ہمارا مقصد اس سے انتہائی مضبوطی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دلیل ۸: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾۔ اور تمہارے لئے روا نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ۔ اور نہ یہ کہ تم آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کے بعد شادی رچاؤ۔ بیشک تمہارا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عظیم ہوگا۔ (الاحزاب)

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے شادی کرنا امت کیلئے حرام کر دیا۔ کیونکہ اس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور اس کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں "بہت بڑا کام" قرار دیا ہے۔ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ مذکور ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی۔ جب کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کر جائیں۔ تو میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلوں۔

پھر مسئلہ یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی باندیوں سے

شادی کی۔ اس کی سزا قتل ہے اور یہ سزا اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ جب ایسے کو قتل کرنے کا حکم ہے تو آپ کو گالی دینے والے کا قتل کیا جانا بطریقہ اولیٰ ہے۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت حماد بن ثابت عن انس سے روایت کیا۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ام ولدہ کے ساتھ تہمت زدہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی کو فرمایا۔ جاؤ اور جا کر اس کی گردن اڑا دو۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے۔ دیکھا تو وہ ایک پانی والے کنویں میں گرمی دور کر رہا تھا۔ آپ نے آواز دی باہر آؤ۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکالا۔ دیکھا تو وہ مجبوب تھا۔ اس کا آلۂ تناسل ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے سے رک گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! وہ تو مجبوب ہے۔ اس کا تو آلۂ تناسل ہی نہیں۔

اس شخص کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے آپ کی حرمت اور تعظیم میں خلل اندازی کی تھی۔ (آپ کو بدنام کرنا چاہا تھا) آپ نے اس کے بارے میں یہ حکم نہ دیا کہ اس پر حد زنا قائم کی جائے۔ اس لئے کہ "حد زنا" گردن اڑانا نہیں ہے۔ بلکہ اگر زانی محصن ہو تو اس کی سزا رجم اور اگر غیر محصن ہو تو کوڑے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی قانون ہے کہ زانی پر حد اس وقت قائم کی جاتی ہے جب اس کے خلاف چار آدمی گواہی دیں۔ یا وہ خود اقرار کرلے۔ جو قابل اعتبار ہوں۔ اس صورت میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گردن اڑانے کا حکم صادر فرمایا اور کوئی تفصیل ذکر نہ کی۔ کہ وہ محصن ہے یا غیر محصن؟ تو معلوم ہوا کہ اس کا قتل کیا جانا صرف اس بنا پر تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ (یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحقیق کئے بغیر یہ حکم صادر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو گواہوں نے گواہی دی ہو۔ کہ ہم دونوں نے اس شخص کو اس عورت کے ساتھ مباشرت کی حالت میں دیکھا۔ یا اسی قسم کی اور گواہی دی ہو۔ تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ پھر جب معلوم ہوا کہ وہ تو مجبوب ہے تو پتہ چلا کہ جس شرارت اور فساد کا خطرہ تھا۔ وہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی کو اس کے پاس بھیجا تا کہ واقعہ کی تحقیق کرائیں۔ اگر بات وہی ہے جو آپ تک پہنچائی گئی تو اسے قتل کر دیں۔ اسی لئے آپ نے اس

قصہ یا کسی اور واقعہ میں کہا۔ "اَکُوْنُ کَالسِّکَّۃِ الْمُحْمَاۃِ" فرمایا۔ "بَلِ الشَّاھِدُ یَرٰی مَالَا یَرٰی الْغَائِبُ" اس پر دلالت ایک اور واقعہ بھی کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قیلہ بنت قیس بن معدیکرب" کے ساتھ نکاح کیا۔ جو "اشعث" کی بہن ہے اور اس کے ساتھ ہم بستری کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اور شادی کے بعد یہ عورت اپنے سسرال میں ہی تھی آپ کے ہاں بالکل نہیں آئی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا تھا کہ تو اب پردے میں اور حجاب میں رہنا پسند کرے گی اور مومنین کیلئے اب تو حرام ہو جائے گی۔ یہ دونوں باتیں تسلیم کرلے یا پھر میں تجھے طلاق دیدیتا ہوں پھر تیری مرضی جس سے تو چاہے شادی کر سکتی ہے۔ تو اس نے کہا کہ مجھے نکاح پسند ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اسی عورت سے عکرمہ بن ابی جہل نے نکاح کر لیا۔ یہ شادی "حضرموت" میں ہوئی تھی۔ جب اس نکاح کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ ان دونوں کے گھر میں موجود ہوتے ہوئے اس گھر کو ان سمیت آگ لگا دوں۔ پھر کسی نے کہا۔ یہ عورت امہات المومنین میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ہم بستری کی ہے۔ اور نہ ہی پردہ کے احکام اس نے قبول کئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ مرتدہ ہو گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو دلیل پیش کی کہ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مرتدہ ہے۔

اس واقعہ میں دلیل بننے کی وجہ اس طرح ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا۔ کہ اس عورت اور اس سے شادی کرنے والا دونوں کو آگ میں جلا دیں گے۔ یہ آپ کا ارادہ اس لئے تھا کہ آپ نے جب دیکھا کہ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی تھی۔ حتیٰ کہ عمر نے آپ سے بحث کی۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے نہیں ہے۔ تو اس بحث کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔ وہ قتل کیا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ارادہ یا حکم (جلانے کا) زنا کی حد تھی۔ اسی لئے کہ وہ عورت عکرمہ پر حرام تھی۔ اور جو محرم عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے زنا کی حد لگائی جاتی ہے۔ یعنی رجم کیا جائیگا۔ یا قتل کیا جائے گا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ "حد زنا" رجم ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ کسی پر حد قائم کرنے کیلئے ثبوت زنا ضروری ہے۔ جو یا تو چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے یا زانی کے خود اقرار کرنے سے۔ لہٰذا جب حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر کو جلانے کا ارادہ کیا۔ حالانکہ احتمال موجود ہے کہ عکرمہ نے ابھی اس عورت سے وطی بھی نہ کی ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا (گھر جلانے کی) صرف اس وجہ سے تھی۔ کہ اس سے حضور ﷺ کی حرمت کو پامال کیا گیا اور عزت سے کھیلنے کی کوشش کی۔

جوہر نمبر ۲: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کیلئے قتل کئے جانے کی سزا واجبی پر ''سنت'' سے دلائل گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر یا ذمی۔ اور ذمی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے ''معاہدہ'' ختم ہو جانا یا کتاب اللہ، اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کو برا کہنے سے ذمہ ختم ہو جانا اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حدیث اول: امام شعبی نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیا کرتی تھی۔ اور آپ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون باطل کر دیا۔ (یعنی قاتل کو کوئی سزا نہ دی) یونہی ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور ابن بطہ نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث من جملہ ان دلائل میں سے ایک ہے جس سے امام احمد بن حنبل نے اپنے موقف پر دلیل پیش کی۔ اور یہ بات ان کے صاحبزادے عبداللہ سے روایت ہے۔ اور کہا۔ اَنْبَأَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ الْحَدِيْث۔ یعنی جناب شعبی بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان نابینا مرد ایک یہودی عورت کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ وہ اسے کھاتی پلاتی اور حسن سلوک بھی کرتی۔ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہتی اور آپ کو تکلیف دینے کی حرکات کرتی۔ ایک رات اس نابینا نے اس کا گلا دبا دیا اور وہ مر گئی۔ جب صبح ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا قصہ بتایا گیا۔ اس عورت کے بارے میں لوگوں میں خبر پھیل گئی۔ ایک نابینا کھڑا ہوا اور اس نے اس عورت کی ساری بات سنائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کا خون باطل قرار دیدیا۔ یہ حدیث جید ہے۔ کیونکہ جناب شعبی نے حضرت علی المرتضی کو دیکھا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ یہ واقعہ اس بارے میں نص ہے کہ اس عورت کا قتل صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی وجہ سے تھا۔ اور یہ قصہ اس کی دلیل ہے کہ ذمی خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت جب ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس کا قتل بطریقہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ عورت اپنے شہر میں رہائش پذیر تھی۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو آپ نے تمام یہودیوں کو جو مدینہ میں تھے۔ انہیں مطلقاً ان کے گھروں پر رہنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے

ان پر کوئی جزیہ مقرر نہ فرمایا تھا۔ اور یہ بات اہل علم کے ہاں مشہور ہے۔ گویا متواتر ہے۔ اگر اس عورت کا قتل جائز نہ ہوتا تو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرد کے اس فعل کی قباحت اور برائی بیان فرماتے۔ کیونکہ آپ ہی کا ارشاد ہے۔ ''مَنْ قَتَلَ نَفْساً مُعَاهَدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَالَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ'' جس نے کسی معاہد کو بغیر حق قتل کر دیا۔ وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا، تو جب آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا تو معلوم ہوا کہ اس کا خون گرایا جانا مباح تھا۔

حدیث دوم: وہ روایت ہے جسے اسماعیل بن جعفر نے عن اسرائیل عن عثمان الشحام عن عکرمہ عن ابی عباس سے روایت کیا ہے وہ یہ کہ ایک نابینا شخص کی ام ولدہ تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیا کرتی تھی۔ اور آپ کو برے الفاظ سے یاد کرتی تھی۔ اس نابینا نے اسے منع کیا۔ لیکن وہ نہ رکی۔ اس نے ڈانٹا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک رات جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازیبا گفتگو شروع کی۔ اور گالی دینا شروع کیا تو اس نابینا نے کدال پکڑا اور اس کے پیٹ پر دے مارا وہ پیٹ میں گھس گیا اس کو تکیہ بنا کر بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ جس شخص نے یہ قتل کیا وہ کھڑا ہو جائے مجھے اس پر حق ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ نابینا کھڑا ہوا۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے لگا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں اس کا مالک ہوں۔ وہ آپ کے بارے میں بکواسات کرتی تھی اور گالی بکتی تھی میں نے روکا لیکن نہ رکی۔ میں نے ڈرایا، دھمکایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ میرے اس کے بطن سے دو بیٹے ہیں۔ ایسے جیسا کہ موتی ہوں اور وہ میرے حق میں بڑی نرم دل تھی۔ جب گزشتہ رات ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دینا شروع کیں۔ اور نازیبا الفاظ بکنے شروع کر دیئے میں نے کدال پکڑا اور اس کے پیٹ میں گھسیڑ دیا۔ اس پر میں نے ٹیک لگالی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے مار کر چھوڑا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ۔ اس عورت کا خون ضائع ہے۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا یہ قصہ ممکن ہے پہلا ہی (جو ذکر کیا جا چکا ہے) قصہ ہو۔ اسی پر امام احمد بن حنبل کا کلام دلالت کرتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے علاوہ الگ واقعہ ہو۔

حدیث سوم: یہ وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا اگرچہ ذمی ہو وہ واجب القتل ہے۔ اور اس سے ذمہ اٹھ جاتا ہے۔ یہ حدیث ''کعب بن اشرف یہودی'' کا قصہ ہے۔ خطابی کہتے ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ذمی

کو بھی قتل کیا جائے گا اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے اور اس سے ذمہ اٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے اس موقف پر "کعب بن اشرف" کے واقعہ سے دلیل پکڑی ہے۔ اس کا قصہ مستفیضہ مشہورہ ہے۔ اسے عمرو بن دینار نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ کون ہے جو کعب بن اشرف کی خبر لے؟ اس نے بیشک اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔ یہ سن کر جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! میں تیار ہوں کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں۔

جناب محمد بن مسلمہ نے عرض کیا۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کروں؟ فرمایا۔ اجازت ہے۔ اجازت ملنے کے بعد جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس گئے۔ باہمی معاملات وتعلقات پر گفتگو کی۔ دوران گفتگو کہنے لگے۔ کہ یہ شخص (جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے دن ہم سے صدقات طلب کرتا ہے۔ انہیں پناہ دیکر ہم نے تمام عرب دشمن بنا لئے۔ کعب نے کہا۔ خدا کی قسم! ایک دن تم لازماً اس سے اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ بولے۔ اب تو ہم ان کی اتباع کر چکے ہیں۔ اسے چھوڑنا اچھا نہیں۔ حالات دیکھ رہے ہیں کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ پھر جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تمہارے پاس کچھ رکھ کر قرض لینا چاہتا ہوں؟ کہنے لگا۔ اپنی بیویاں میرے پاس رہن رکھ دو۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تم نہایت خوبصورت شخص ہو۔ اس لئے اگر ہم نے اپنی بیویاں تمہارے پاس گروی رکھیں تو شاید وہ ہمارے پاس واپس آنے کو تیار نہ ہوں۔ کعب نے کہا۔ پھر اپنے بیٹے رہن رکھ دو۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کہ ایسا کرنے سے لوگ ہمارے بیٹوں کو کہا کریں گے۔ کہ تم وہی ہو نا جنہیں تمہارے باپ چند کوڑیوں کے عوض گروی رکھ آئے تھے۔ یہ بہت بڑی بدنامی ہوگی۔ ہاں اپنے ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا۔ منظور ہے۔ دونوں میں یہ طے پایا۔ کہ حارث، ابوعبس بن جبیر اور عباد بن بشر بھی موجود ہوں گے۔ چنانچہ یہ جمع ہو گئے۔ اور کعب بن اشرف کو انہوں نے دوستانہ طریقہ سے رات کے وقت اپنے ہاں بلایا۔ اور وہ آ گیا۔ جناب سفیان بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے علاوہ دیگر راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کی بیوی نے کہا۔ مجھے آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسا خون کی آواز ہو۔ کعب کہنے لگا میں جن کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ محمد اور اس کے رضاعی بھائی ابونائلہ کا گھر ہے۔ جب کسی معزز کو دعوت دی جاتی ہے تو اسے لازماً جانا چاہئے۔ جناب محمد بن مسلمہ نے ساتھیوں سے کہا۔ جب کعب آئے تو میں اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا۔ جب اسے اچھی

طرح قابو کرلوں تو تم اپنا کام کر دکھانا، کعب حسب وعدہ آ گیا۔ اس پر دحشت کے آثار تھے۔ حاضرین نے کہا۔ تم سے بڑی عمدہ خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ کہنے لگا۔ کیوں نہ آئے۔ میرے نکاح میں وہ عورت ہے جو تمام عرب عورتوں سے زیادہ بہتر خوشبو استعمال کرتی ہے۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تم مجھے خوشبو سونگھنے کی اجازت دیتے ہو؟ کہنے لگا۔ سونگھ لو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے سر کے بالوں کو سونگھا۔ دوبارہ کہا کہ میں پھر سونگھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے اب کے خوشبو سونگھنے کے بہانے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے اور ساتھیوں سے کہا۔ اٹھو اور اپنا کام کر دکھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر ڈالا۔

اور ابن ابی اویس نے ابراہیم بن جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمۃ عن ابیہ عن جابر بن عبداللہ روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ نہ آپ سے لڑے گا، اور مکہ چلا گیا۔ پھر واپس مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلانیہ دشمنی کرنی شروع کر دی۔ اشعار کے ذریعہ آپ کی ہجو کہنی شروع کر دی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت دی۔

واقدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرمایا۔ کہ یہودی اور ان کے ساتھی مشرکین پر خوف طاری ہو گیا۔ تو مل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں صبح سویرے حاضر ہوئے۔ کہنے لگے۔ آج رات ہمارے ایک سردار پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اور بلا جرم اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اور کسی حادثہ کے بغیر اسے مار دیا گیا۔ بہرحال ہمیں اس کے جرم کا کوئی علم نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر وہ دوسروں کی طرح آرام سے رہتا جو اس کے ہم خیال ہیں، تو اسے دھوکہ سے قتل نہ کیا جاتا۔ لیکن اس نے ہمیں اذیت پہنچائی اور اشعار میں ہماری ہجو کہی۔ تم میں سے اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اس کا علاج صرف تلوار ہوگی۔ پھر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی دعوت دی کہ آپس میں ایک تحریر لکھو۔ پھر اس میں جن باتوں سے تمہیں روکا جائے۔ اس پر رکو۔ انہوں نے اپنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین ایک معاہدہ تحریر کیا جو رملہ بنت حارث کے گھر میں ایک پھلدار کھجور کے درخت کے نیچے لکھا گیا۔ یہودی سراسیمہ اور خوفزدہ ہو گئے۔ اور جس دن کعب ابن اشرف کو قتل کیا گیا اس دن سے ذلیل ہو گئے۔

موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ قصہ میں وہ کہتے ہیں۔ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات ذکر کی گئی کہ آپ نے یہ کلمات کہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ ابْنَ الْاَشْرَفِ

بِمَا شِئْتَ ''اے اللہ! میری ابن اشرف سے کفایت فرما جیسے تو چاہے۔ یہ سن کر جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا۔ پھر زہری نے قتل کئے جانے سے بقیہ قصہ بیان کیا۔ پھر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ابن اشرف کو اپنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت کرنے کی وجہ سے قتل کیا۔ اور آپ کی ہجو کرنے اور قریش کو آپ کے خلاف اکسانے کی بنا پر اس کی گردن ماری گئی۔ اس نے یہ سب اعلانیہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

حدیث ۴: حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔'' جس نے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے۔ اور جس نے نبی کے اصحاب کو گالی دی۔ اسے کوڑے لگائے جائیں۔ اسے ابو محمد خلال اور ابوالقاسم ازجی نے روایت کیا ہے۔ اور ابوذر ہروی نے بھی روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔'' مَنْ سَبَّ نَبِیًّا فَاقْتُلُوْہُ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَاجْلِدُوْہُ '' جو پیغمبر کو گالی دے اسے قتل کر دو۔ اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔ اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول کئے بغیر قتل کر دیا جائے اور قتل اس کی حد ہے۔

حدیث ۵: جناب عبداللہ بن قدامہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا کہا۔ میں نے کہا۔ میں اسے قتل کر دوں؟ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے ڈانٹ پلائی۔ اور فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یا آپ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینے کی سزا قتل نہیں ہے۔ اسے امام نسائی نے جناب شعبہ کی حدیث سے اسے روایت کیا ہے۔

جناب ابوبکر بن عبدالعزیز بن جعفر عن ابی برزۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو گالی دی۔ میں (ابو برزہ) نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے خلیفہ! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو گالی دینے کی سزا یہ نہیں ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ جناب عبداللہ بن مطرف حضرت ابو برزہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپ ایک شخص پر ناراض ہوئے تو اس نے آپ کو برا کہا۔ میں نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے خلیفہ! مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیں۔ کہتے ہیں کہ میری اس بات نے آپ کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ آپ اٹھے اور اندر چلے گئے۔ پھر میری طرف کسی کو بھیجا اور پوچھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو نے کیا کہا تھا؟ میں نے

کہا۔ مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیں۔ پوچھا۔ اگر میں تجھے اجازت دے دیتا تو کیا تو ایسے کر دکھاتا؟ میں نے عرض کیا۔ جی ضرور۔ فرمایا۔ خدا کی قسم! ایسا نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی انسان کیلئے اس کی اجازت نہیں۔

اس حدیث پاک سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ استدلال علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے جن میں ابوداؤد، اسماعیل بن اسحاق قاضی، ابوبکر بن عبدالعزیز اور قاضی ابویعلی وغیرہ ہیں۔ حدیث یہ فائدہ دیتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا فی الجملہ قتل کو مباح کر دیتا ہے اور اس کے عموم کے پیش نظر کافر اور مسلمان دونوں کے قتل پر استدلال کیا گیا ہے۔

**حدیث ۶: عصماء بنت مروان کا قصہ۔**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ قبیلہ ''خطمۃ'' کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری خاطر کون اس کا کام تمام کرے گا؟ اس کی قوم کے ہی ایک آدمی نے عرض کیا۔ میں اس کا کام تمام کروں گا یا رسول اللہ! وہ اٹھا اور جا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''اس کے بارے میں دو مینڈھے سینگوں سے نہیں لڑیں گے'' اصحاب مغازی نے اس عورت کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

واقدی نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن حارث بن فضیل نے اپنے والد سے بتایا۔ کہ عصماء بنت مروان کی شادی یزید بن زید خطمی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتی تھی۔ اسلام پر عیب لگاتی اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ اس پر اس نے کئی شعر بھی کہے تھے۔ جب اس کی باتیں عمیر بن عدی نے سنیں اور اس کے اکسانے کا علم ہوا۔ جو ان الفاظ میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ نَذْرًا لَئِنْ رَدَدْتَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَاَ قْتُلَنَّہٗ۔ اے اللہ! تیرے لئے مجھ پر نذر لازم ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ واپس لوٹائے تو میں ضرور بالضرور انہیں مدینہ میں قتل کرواؤں گی۔ ان دنوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے مقام پر تھے۔ جب آپ بدر سے واپس تشریف لائے تو اس عورت کے پاس عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت آئے گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت اس عورت کے اردگرد اس کے بچے سو رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو اپنے سینہ پر بیٹھا کر دودھ پلا رہی تھی۔ جناب عمیر نے ہاتھ لگا کر بچے کو دیکھا

تو وہ دودھ پی رہا تھا۔ آپ ایک طرف ہو گئے۔ پھر کچھ دیر بعد تلوار اس عورت کے سینہ پر رکھی۔ اور زور سے دبائی حتیٰ کہ وہ پیٹھ کی طرف سے باہر نکل آئی۔ پھر وہاں سے نکل آئے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا اور پیچھے کی طرف مڑ کر بیٹھ گئے تو آپ کو عمیر نظر آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم مروان کی بیٹی کو قتل کر آئے ہو؟ کہنے لگا۔ میرے ماں باپ قربان۔ جی یا رسول اللہ! عمیر کو خوف لگا۔ شائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہ ہوں۔ عرض کی۔ کیا مجھ پر اس کا کوئی جرمانہ یا حد وغیرہ ہے۔ یا رسول اللہ؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کے بارے میں دو مینڈھے سینگوں سے لڑیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی مرتبہ یہ کلمہ سنا تھا۔ جناب عمیر کہتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ارد گرد صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا۔ اگر تمہیں محبت ہو کہ ایسا شخص دیکھو جسکی اللہ اور اس کے رسول نے غائبانہ مدد کی۔ (یا جس نے غائبانہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی) تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس نابینے کو دیکھو جس نے اللہ کی اطاعت میں رات بسر کی۔ آپ نے فرمایا۔ اسے نابینا نہ کہو۔ لیکن یہ تو ''بصیر'' ہے۔ جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس آئے۔ تو دیکھا۔ کہ اس عورت کے گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ جو اسے دفن کرنے میں مصروف تھے۔ جب انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف سے عمیر کو آتے دیکھا۔ تو سارے ان کی طرف دوڑے۔ قریب آئے۔ تو کہنے لگے۔ اے عمیر! تم نے اس عورت کو قتل کیا ہے؟ عمیر کہنے لگے۔ ہاں میں نے قتل کیا ہے۔ تم سب میرے خلاف جو مکر و فریب اور داؤ کھیلنا چاہتے ہو کھلی اجازت ہے۔ میں تم سے مہلت بھی طلب نہیں کرتا۔ اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم سب وہی لفظ کہو جو اس عورت نے کہے تھے۔ تو میں اپنی اس تلوار سے تم سب پر حملہ کر دوں گا۔ پھر یا تو میں قتل ہو جاؤں گا۔ یا میں تم سب کو قتل کر کے چھوڑوں گا۔ اس دن ''بنوخطمۃ'' میں اسلام ظاہر ہوا۔ ان میں سے کچھ مرد ایسے تھے جو اسلام کو اپنی قوم سے خفیہ رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ قوم انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس عورت کا قتل رمضان شریف میں ہوا۔ جب رمضان شریف کے اختتام کو صرف پانچ راتیں باقی رہ گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے۔ اس عورت کا تعلق بنوخطمہ سے تھا۔ جو انصار کی ایک شاخ تھی۔

### حدیث ۷: ابو عفک یہودی کا قصہ

اس قصہ کو اہل مغازی اور سیر نے ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنی سند سے ذکر کیا کہ بنو عمرو بن عوف

کا ایک شخص جسے ابوعفک کہا جاتا تھا۔ جو ایک سو بیس سال کی عمر کا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ شخص لوگوں کو آپ کی عداوت پر اکساتا تھا۔ اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کیطرف تشریف لے گئے۔ اور وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عظیم کامیابی عطا فرمائی۔ اس سے یہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں قصیدہ کہا۔ اس میں آپ کے علاوہ آپ کی اتباع کرنے والوں کی بھی اس نے مذمت کی۔ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نذر مانی۔ کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا۔ یا پھر اس سے لڑتا ہوا مارا جاؤں گا۔ سالم بن عمیر نے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں کی آمد تک انتظار کیا۔ حتیٰ کہ گرمیوں کی ایک رات تھی۔ اور ابوعفک گرمی کے مارے بنوعمرو بن عوف میں گھر کے سامنے میدان میں سویا ہوا تھا۔ سالم بن عمیر آگے بڑھے۔ اور تلوار اس کے جگر کی جگہ پر رکھ دی۔ زور سے دبائی۔ حتیٰ کہ وہ بستر کی طرف جا نکلی۔ اس اللہ کے دشمن نے چیخ ماری۔ اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ لوگ بھاگتے ہوئے اس کے ہاں پہنچے۔ اس کے گھر داخل ہوئے۔ چونکہ یہ مر گیا تھا۔ اسے قبر میں ڈالا۔ اور پوچھنے لگے۔ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ خدا کی قسم! اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اس کا قاتل کون ہے تو ہم اسے لازماً قتل کر کے چھوڑیں گے۔ محمد بن سعید نے ذکر کیا کہ ابوعفک یہودی تھا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ کے تمام یہودیوں نے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ پھر جب اس ابوعفک نے معاہد ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی اور آپ کی مذمت ظاہر کی۔ تو اسے ہجرت کے بیسویں سال شوال کے مہینہ میں قتل کیا گیا۔ یہ قتل ابن اشرف کے قتل سے بہت پہلے کا ہے۔ اس واقعہ میں اس بات پر واضح دلالت ہے کہ معاہد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دیتا ہے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اسے دھوکہ سے قتل کیا جانا چاہیے۔

## حدیث ۸: انس بن زنیم دیلی کا واقعہ

یہ واقعہ بھی اہل سیر کے نزدیک مشہور ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ واقدی کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن عمرو بن زہیر نے محجن بن وھب سے روایت کیا۔ کہ آخری بات جو بنو خزاعہ اور بنو کنانہ کے درمیان ہوئی۔ وہ یہ کہ انس بن زنیم دیلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی۔ اسے جب بنو خزاعہ کے ایک غلام (لڑکے) نے سنا۔ تو اس نے انس بن زنیم کی خبر لی۔ اس کا سر پھوڑ دیا۔ انس بن زنیم اپنی قوم کے پاس گیا اور انہیں اپنا زخم دکھایا۔ جس سے ان میں شرارت بھڑک اٹھی۔ اس کے ساتھ پہلے سے یہ بھی بات چلی آ رہی تھی کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ سے اپنی بہت سے خونوں کا بدلہ لینا تھا۔ واقدی کہتے ہیں۔ مجھے خزام بن ہشام بن خالد کعبی نے اپنے والد سے بیان کیا۔ وہ کہتے

ہیں کہ عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ جو اس کے اپنے قبیلہ سے تھے، نکلا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد طلب کی۔ اور آپ کو اپنی پریشانی بتائی۔ عمرو بن سالم نے آپ کو قصہ بتایا۔ جس میں ایک قصیدہ کہا گیا تھا۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا'' جب سوار فارغ ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! انس بن زنیم دیلی نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بہانا (قتل کرنا) جائز قرار دے دیا۔ جب یہ خبر انس بن زنیم کو پہنچی۔ تو وہ عذر پیش کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ پھر راوی نے انس بن زنیم کا ایک قصیدہ بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح بیان کی۔ اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

اَنْتَ الَّذِی تُهْدٰی مَعَدٌّ بِاَمْرِہٖ ۔۔۔ بَلِ اللّٰهُ يَهْدِيهَا وَقَالَ لَكَ اَشْهَدُ

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا ۔۔۔ اَبَرُّ وَاَوْفٰی ذِمَّةً مِنْ مُحَمَّدِ

تَعَلَّمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّكَ مُدْرِكِيَّ ۔۔۔ وَاِنَّ وَعِيْدًا مِنْكَ كَالْاَخْذِ بِالْيَدِ

تَعَلَّمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّكَ قَادِرٌ ۔۔۔ عَلٰی كُلِّ حَيٍّ مُتْهِمِيْنَ وَ مُنْجِدِ

وَ نُبِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنِّی هَجَوْتُهٗ ۔۔۔ فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِی اِلَیَّ اِذًا يَدِی

سِوٰی اَنَّنِی قَدْ قُلْتُ يَا وَيْحَ فِتْيَةٍ ۔۔۔ اُجِيْبُوا بِنَحْسٍ يَوْمَ طَلْقٍ وَاَسْعَدِ

فَاِنِّیْ لَاعِرْضًا خَرَقْتُ وَلَا دَمًا ۔۔۔ هَرَقْتُ فَفَكِّرْ عَالِمَ الْحَقِّ وَاقْصُدِ

آپ کی ذات بابرکات وہ ہے کہ جس کے حکم سے بنو معد کو ہدایت ملی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیتا ہے اور اس نے آپ کو کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کسی اونٹنی نے اپنے کجاوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نیک اور ذمہ داری کو نبھانے والا نہیں بٹھایا۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں۔ کہ آپ مجھے قابو کرنے والے ہیں۔ اور آپ کی طرف سے میرے بارے میں دھمکی یوں جیسا کہ کوئی چیز ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہو۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ پر تہمت لگانے والے قبیلہ پر گرفت رکھتے ہیں۔ اور اس کی نجات بھی آپ کے پاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ میں نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اس وقت سے میرے ہاتھ نے اپنا کوڑا نہیں اٹھایا۔ (یعنی میں سوار نہیں ہوا) میں نے اس کے سوا کچھ نہ کہا تھا۔ کہ افسوس ہے اس گروہ پر جس کو ایک اچھے دن خراب جواب دیا گیا تھا۔ میں نے نہ تو کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کا خون گرایا ہے۔ لہٰذا حق کو جاننے والے اس میں غور و فکر کریں اور اچھا ارادہ کریں۔

واقدی کہتے ہیں۔کہ مجھے یہ قصیدہ حزام نے سنایا تھا۔اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انس بن زنیم کا یہ قصیدہ پہنچا۔اور اس کی معذرت پہنچی۔اس کے بارے میں نوفل بن معاویۃ دیلی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی۔کہنے لگا۔یارسول اللہ! آپ سب لوگوں سے بڑھ کر عفوو درگزر فرمانے والے ہیں۔ہم میں سے جاہلیت کے دور میں بھی آپ سے کسی نے نہ دشمنی رکھی نہ ہی اذیت پہنچائی۔ہمیں کوئی علم نہ تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔اور آپ کے وسیلہ سے ہمیں ہلاکت سے بچایا۔انس بن زنیم کے بارے میں سواروں نے آپ سے غلط بیانی کی ہے۔انہوں نے آپ کے پاس جمگھٹا کر لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔سواروں کو درمیان میں نہ لاؤ۔''تہامہ'' میں رشتہ داروں اور غیروں سے کوئی ایک بھی ''بنوخزاعہ'' سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں۔یہ سن کر نوفل بن معاویہ دیلی خاموش ہو گیا۔جب چپ ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔میں نے انس بن زنیم کو معاف کر دیا۔نوفل بولا۔آپ پر میرے ماں باپ قربان!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس بن زنیم کا خون بیکار فرما دیا تھا۔یعنی اس کے قتل کرنے والے پر کوئی حد وغیرہ نہیں۔آپ کا یہ فرمان اس بارے میں نص ہے کہ کوئی معاہد جو ہجو کہتا ہے تو اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔پھر جب انس بن زنیم نے اپنے اشعار کے ذریعہ اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا۔اسی لئے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے علماء شمار کرتے ہیں۔اس کے اسلام لانے معذرت کرنے، مخبرین کی تکذیب اور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کرنے کے بعد تھا۔اس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگی گئی۔تاکہ آپ نے جو اس کا خون ضائع قرار دیا ہے۔وہ معاف کر دیں۔اور معافی وہاں ہوتی ہے۔جہاں گناہ کی سزا جائز ہوتی ہو۔لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ جائز تھا کہ اس کے مسلمان ہو کر آنے اور معذرت کرنے کے بعد آنے پر بھی اگر آپ سزائے قتل دینا چاہتے تو دے سکتے تھے۔لیکن آپ نے حلم وکرم سے کام لیتے ہوئے معاف کر دیا۔

## حدیث ۹: ابن ابی سرح کا قصہ

اس قصہ پر اہل علم متفق ہیں اور اس قدر مستفیض ہے کہ روایت احاد سے مستغنی کر دیتا ہے۔مستفیض ہونے کے اعتبار سے یہ قصہ اور واقعہ ایک عادل اور ثقہ آدمی کی روایت سے زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔ہم اس واقعہ کو سند کے ساتھ اور شرح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔تاکہ دلالت کا طریقہ واضح ہو

جائے۔ جناب مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ کہ جب مکہ فتح ہو گیا۔ تو فتح کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر چھپ گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لا کھڑا کر دیا۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! عبداللہ کو بیعت میں لے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرانور اٹھایا۔ اور تین دفعہ اس کی طرف دیکھا۔ ہر مرتبہ آپ نے انکار فرمایا۔ تین مرتبہ کے بعد آپ نے اسے بیعت میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موجود صحابہ کرام کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ کیا تم میں کوئی نیک بخت ایسا نہ تھا جو کھڑے ہو کر اس کا کام تمام کر دیتا جب اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے اسے بیعت میں لینے سے انکار کر دیا تھا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمیں آپ کے دلی ارادے کی خبر نہ تھی صرف آپ نے اپنی آنکھ سے ہماری طرف اشارہ فرمایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کسی پیغمبر کیلئے آنکھ کی خیانت درست نہیں۔ اسے ابوداؤد نے اسناد صحیح سے روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے بھی یہ واقعہ جناب سعد بن ابی وقاص سے ہی قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب فتح مکہ کا دن آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں کے سوا سب کو امن دیدیا۔ ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔ "اُقْتُلُوْهُمْ وَاِنْ وَجَدْتُمُوْهُمْ مُتَعَلِّقِيْنَ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ" جہاں کہیں یہ ملیں انہیں قتل کر دو اگر چہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹے ہوئے بھی ہوں۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ عبداللہ بن خطل۔ مقیس بن صبابۃ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان میں سے عبداللہ بن خطل تو کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹا ہوا پایا گیا۔ اس کی طرف جناب سعید بن حریث اور عمار بن یاسر لپکے۔ دونوں میں حضرت عمار بن یاسر نے پہلے وار کر دیا۔ کیونکہ یہ اپنے ساتھی سعید بن حریث سے زیادہ تجربہ کار اور طاقت ور تھے۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص مقیس بن صبابۃ اسے لوگوں میں بازار میں پایا۔ وہیں اس کا کام تمام کر دیا۔ تیسرا عکرمہ بن ابی جہل وہ کشتی پر سوار ہو گیا (تاکہ کہیں بھاگ جائے) دوران سفر کشتی کو تند و تیز ہوا نے آلیا۔ کشتی والوں نے کہا۔ اپنا اپنا بچاؤ کر لو۔ تمہارے خدا یہاں کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ دیکھ کر عکرمہ نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر دریا اور سمندر میں مجھے صرف اخلاص نے نجات دی تو یہی اخلاص مجھے خشکی پر بھی نجات دے گا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَافَيْتَنِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ آتِيَ مُحَمَّدًا حَتّٰى اَضَعَ يَدَيَّ فِيْ يَدِهٖ فَلَاَجِدَنَّهٗ عَفُوًّا كَرِيْمًا۔ اے اللہ! میں تجھ سے پکا وعدہ کرتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے میری اس حالت سے نجات عطا فرما دی۔ اور امن عطا کر دیا۔ تو میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ عالیہ میں لازماً حاضر ہوں گا۔ اور

اپنے ہاتھ ان کے ہاتھ دیدوں گا۔ پھر یقیناً میں انہیں معاف کر دینے والا کریم پاؤں گا۔ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ جو چوتھا شخص عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چھپ گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کیلئے بلایا۔ حضرت عثمان اسے ساتھ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد امام نسائی نے وہی کہا جو امام ابوداؤد نے کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کرتا تھا۔ شیطان نے اسے بہکایا۔ تو وہ کفار کے ساتھ مل گیا۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے پناہ کی درخواست کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پناہ دیدی۔ اسے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنے اشیاخ سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی ذمہ داری یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ اس کا زعم تھا۔ کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے "سمیع علیم" لکھواتے۔ تو یہ "علیم حکیم" لکھتا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح پڑھتے اور ان الفاظ کو برقرار رکھتے۔ اس سے وہ فتنہ میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کہتے ہیں انہیں اس کی بھی خبر نہیں رہتی کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا لکھایا۔ میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ اسی طرح میری طرف وحی ہوا ہے جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی آتی ہے۔ پھر وہ مدینہ سے جانب مکہ بھاگ گیا۔ اور دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی ضائع قرار دیدیا۔ جب یہ دن آیا تو ابن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا۔ حضرت عثمان اس کے رضاعی بھائی تھے۔ کہنے لگا۔ بھائی جان! خدا کی قسم! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر بند کر لیں۔ اور پھر خود آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں۔ اور میرے بارے میں ان سے معافی کی درخواست کریں۔ اگر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دیکھ لیا تو جس میں میری آنکھیں ہیں۔ اس کو اڑا دینے کا حکم دیں گے۔ کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں اکیلا نہیں بلکہ تو بھی میرے ساتھ چل۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کہنے لگا۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو میری گردن اڑا دیں گے۔ مجھے بالکل مہلت نہیں دیں گے۔ میرا خون انہوں نے جائز قرار دیدیا ہے۔ اور آپ کے اصحاب ہر جگہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت عثمان

3

رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم میرے ساتھ چلو انشاء اللہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا ہاتھ پکڑے آرہے ہیں۔ تو آپ نے اس بات کی رعایت کی۔ دونوں آپ کے سامنے تھے۔ حضرت عثمان غنی آگے بڑھے۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس کی ماں مجھے اٹھائے پھرتی تھی اور اسے پیدل چلاتی تھی۔ مجھے دودھ پلاتی تھی اور اسے روٹی وغیرہ چبا کر کھلاتی تھی۔ مجھ سے پیار کرتی اور میرا دل لبھاتی تھی اور اسے ٹال مٹول کر دیتی تھی۔ لہٰذا آپ سرکار اسے میرے لئے ہبہ کر دیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ حضرت عثمان جس طرف آپ منہ پھیر لیتے ادھر سامنے حاضر ہو جاتے۔ اور دوبارہ یہی بات عرض کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ پھیرنے سے مقصد یہ تھا۔ کہ کوئی اٹھے اور ابن سرح کا کام تمام کر دے۔ کیونکہ آپ نے اسے کوئی امن نہ دیا تھا۔ جب آپ نے دیکھا۔ کہ کوئی بھی اس کام کیلئے نہیں اٹھتا۔ ادھر حضرت عثمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرانور کو جھک کر چومتے جارہے تھے۔ اور عرض کر رہے تھے۔ یارسول اللہ! اسے اپنی بیعت میں لے لو۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان! اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ہاں'' فرما دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ ارشاد فرمایا۔ تمہیں اس کتے کی طرف قتل کرنے کیلئے کھڑا ہونے سے کس بات نے روک رکھا تھا؟ یا آپ نے کتے کی جگہ لفظ فاسق ذکر کیا۔ اس پر حضرت عباد بن بشر نے عرض کیا۔ حضور! آپ اشارہ تو فرماتے۔ پھر دیکھتے کہ میں کیا کرتا ہوں۔ اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق دیکر مبعوث فرمایا۔ میں لگاتار آپ کی نگاہ اقدس پر نظر جمائے رہا۔ اور میں آپ کی آنکھوں سے کوئی ایسا حکم یا اشارہ دیکھنے کی امید لگائے ہوئے تھا۔ کہ آپ مجھے اشارہ فرمائیں۔ اور میں اس کا کام تمام کروں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بات جناب ''ابوالسیر'' نے کہی تھی۔ اور حضرت عمر بن خطاب کا قول بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اشارہ کر کے قتل کرانا پسند نہیں کرتا۔

کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فرمایا تھا کہ پیغمبر کیلئے آنکھ کی خیانت نہیں زیب دیتی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن سرح کو اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس کے بعد ابن سرح جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے دیکھتا تو بھاگ جاتا تھا۔ ایک دن حضرت عثمان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے ماں باپ! اگر آپ دیکھیں کہ جب بھی عبداللہ کی ماں کا بیٹا آپ کو دیکھتا ہے بھاگ اٹھتا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور پوچھا۔ کیا میں نے اسے بیعت میں نہیں لے لیا تھا۔ اور کیا میں نے اسے امن نہیں

دیدیا تھا؟ حضرت عثمان نے عرض کیا۔ جی حضور! لیکن اسلام لانے کے دور میں اس نے جو جرم عظیم کیا۔ اسے وہ یاد آجاتا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاِسْلَامُ یَجِبُّ مَا کَانَ قَبْلَهٗ۔ اسلام اپنے ماقبل کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بعد ابن سرح کے پاس گئے۔ اور اسے یہ ساری باتیں بتائیں۔ اس کے بعد ابن سرح دوسرے لوگوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔

اس واقعہ میں ہمارے مقصد پر دلالت کی وجہ یوں ہے۔ کہ عبداللہ بن سعد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بہتان باندھا تھا۔ کہ وہ آپ کی وحی کو مکمل کرتا ہے۔ اور آپ کیلئے جو چاہتا ہے وہ لکھتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی موافقت کرتے ہیں اور وہ حضور کو جدھر پھیرنا چاہے پھیر دیتا ہے۔ اور وحی کی باتیں تبدیل کر دیتا ہے پھر آپ اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور اس کا زعم تھا کہ اس پر عنقریب اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح کا کلام اترے گا۔ اس لئے اس کی طرف بھی اس کے زعم کے مطابق اسی طرح وحی کی گئی تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح وحی آتی تھی۔ اس کا یہ ''طعن'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر' آپ کی کتاب (قرآن مجید) پر تھا۔ اور آپ پر ایسا بہتان تھا جس کی وجہ سے آپ کی نبوت میں لازماً شک پڑ جاتا۔ یہ باتیں محض کفر سے بڑھ کر اور ارتداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی ایک قسم کی ''گالی دینا'' ہے۔ یونہی جب ایک اور کاتب نے اسی قسم کا بہتان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گھڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اور ایسی سزا دی جو عادت الٰہی سے خارج تھی۔ تاکہ ہر ایک کو واضح ہو جائے۔ کہ یہ اس کے بہتان کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اس قسم کے بہتان سے بیمار دلوں میں شک واقع ہو جاتا ہے کہ جب کاتب ہی ایسی باتیں کرے جو ظاہر و باطن کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس نے جو خبر دی وہی حقیقت حال ہو سکتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ اس نے اپنے رسول کی رسالت کو سچا دکھانے کیلئے ایسی بہتان طرازوں کو ننگا کر دیا۔ اور ایسی نشانیاں ظاہر فرمائیں جن سے ان کا بہتان سب کے سامنے کھل کر آجائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جناب عبدالعزیز بن صہیب سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک نصرانی مسلمان ہو گیا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر نصرانی ہو گیا۔ نصرانی ہونے کے بعد کہا کرتا تھا۔ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو وہی پتہ چلتا جو میں ان کیلئے لکھتا'' یہ نصرانی جب مرا۔ اور اسے دفن کیا گیا رات گزری۔ صبح کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا۔ یہ کام محمد اور

ان کے ساتھیوں کا ہی ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اس کی قبر اکھیڑی ہوگی۔ اور نکال کر باہر ڈال دیا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے دوبارہ اس کیلئے گڑھا کھودا۔ اور بہت نیچے تک گہرا لے گئے۔ جہاں تک لے جا سکتے تھے۔ دفن کر کے واپس آ گئے۔ صبح دیکھا تو زمین نے پھر باہر پھینک دیا تھا۔ اب انہوں نے جان لیا کہ یہ کام لوگوں نے نہیں کیا۔ اسے وہیں پڑا رہنے دیا۔

امام مسلم نے اسے سلیمان بن مغیرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ وہ جناب ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ کہ بنونجار کے ایک آدمی نے سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھی۔ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ موقعہ پا کر بھاگ گیا۔ اور اہل کتاب سے جا ملا۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ اہل کتاب نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ بڑی عزت دی۔ کہنے لگے۔ یہ شخص مسلمانوں کے نبی کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ ابھی اسے زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی۔ اور مر گیا۔ لوگوں نے اسے گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ صبح کو دیکھا۔ تو زمین نے اسے منہ کے بل اوندھا باہر ڈال دیا۔ لوگوں نے دوبارہ گڑھا کھود کر اسے دفن کیا۔ دوسری مرتبہ پھر صبح سویرے زمین نے منہ کے بل اسے باہر پھینک دیا۔ اس پر لوگوں نے اسے وہیں پڑا رہنے دیا۔ یہ ملعون جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھا کہ آپ کو صرف اسی قدر علم ہوتا جو میں لکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اور خوب رسوا کیا۔ کہ اسے قبر نے باہر نکال پھینکا۔ اور یہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار ہا کر کے دکھایا۔ ایسا ہونا عادت الٰہیہ سے خارج ہے۔ اس سے ہر شخص یہ دلیل پکڑ سکتا ہے کہ یہ اس کی باتوں کی اسے سزا دی گئی ہے۔ اور وہ پرلے درجہ کا جھوٹا تھا۔ اس لئے کہ عام مردوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ ہوا۔ اور یہ جرم، جرم ارتداد سے بھی بڑا ہے۔ کیونکہ عام مرتدین مرتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر اس سے انتقام لیتا ہے جو اس کے رسول پر طعن کرتا اور گالی دیتا ہے۔ آپ کے دین کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جھوٹا ثابت کر کے چھوڑتا ہے۔ جب اس پر لوگوں کو کوئی حد قائم کرنا ناممکن ہوتا ہو۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ اس کی مثال وہ واقعات ہیں۔ جو ہمیں بہت سے عادل مسلمانوں نے سنائے جن کا تعلق فقہ سے اور واقعات سے ہے۔ ان واقعات کا انہوں نے متعدد مرتبہ تجربہ کیا۔ جب قلعہ جات اور شہروں کا محاصرہ ہوتا رہا۔ جو شام کے ساحلی علاقہ جات میں واقع ہیں۔ جب مسلمانوں نے ان میں ہمارے زمانہ میں ''بنو اصغر'' کا محاصرہ کیا۔ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جب کسی قلعہ یا شہر کا

معاصرہ رکھے ہوئے ایک مہینہ کے لگ بھگ ہو جاتا اور اب بھی اسے فتح کرنا ہمارے لئے ناممکن دکھائی دیتا۔ حتیٰ کہ ہم ناامید ہو جاتے۔ پھر ایسا ہوتا کہ قلعہ یا شہر کے باشندے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے اور آپ کی عزت پر حملہ کرتے۔ تو ہمارے لئے فتح آسان اور جلد ہو جاتی۔ پھر صرف ایک دو دن کی تاخیر کے بعد لڑے بغیر ہم اس کو فتح کر لیتے۔ اور ان کی بکثرت تعداد قیدی بنالی جاتی۔ یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کو فتح کی خوشخبری سنایا کرتے تھے جب ان کی طرف سے ہمیں اس قسم کی بدزبانی کا علم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود کہ ہمارے دلوں میں ان باتوں سے غیظ وغضب کا لاوا ابل رہا ہوتا۔ علماء باوثوق نے مجھے بیان کیا۔ کہ افریقہ کے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ کبھی تو اپنے دشمنوں کو خود عذاب دیتا ہے۔ اور کبھی اپنے مومن بندوں کے ہاتھوں انہیں مزا چکھاتا ہے۔ لہٰذا اسی کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی سرح پر قابو پایا۔ تو آپ نے اس کا خون مباح قرار دیدیا۔ کیونکہ اس نے نبوت میں طعن کیا تھا۔ اور آپ پر بہتان گھڑا تھا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام مکہ کے باشندوں کو امن عطا فرمادیا تھا۔ جنہوں نے آپ سے جنگیں لڑی تھیں۔ اور سخت ترین مخالفت کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سنت یہ ہے کہ مرتد کو فوراً قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو اسے قبول کر لیا جائے۔ خواہ یہ توبہ کرانا وجوبا ہو یا استحبابا ہو۔ ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ کہ ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئی تھی۔ آپ نے انہیں توبہ کی طرف بلایا۔ ان پر توبہ پیش کی۔ حتیٰ کہ انہوں نے توبہ کر لی۔ اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے۔ کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کرنے والا اور گالی دینے والا ہو۔ وہ مرتد سے بھی بڑا مجرم ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تائب ہو کر اور مسلمان بن جانے کے بعد بھی خون کو مباح ہی رکھا۔ اب رہا یہ معاملہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو فرمایا۔ تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔ اور ادھر آپ نے اسے بعد میں معاف بھی کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اختیار صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔ کہ اسے قتل کرائیں یا اسے معاف فرمادیں۔ اور اس کا خون معصوم فرمادیں۔ اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اختیار ہے کہ جو شخص آپ کو گالی دیتا ہو۔ وہ اگرچہ توبہ کر لے اور اسلام کی طرف واپس آجائے تب بھی آپ اسے اگر قتل کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں۔

## حدیث ۱۰: دو لونڈیوں کا واقعہ جو گایا کرتی تھیں

دو لونڈیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گانے کی طرز پر گایا کرتی تھیں۔ یہ قصہ بھی اہل سیر کے نزدیک مشہور و مستفیض ہے۔ جناب موسیٰ بن عقبہ اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب زہری نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو لڑائی سے روکے رکھو۔ صرف اسی سے لڑنا جو تم سے لڑے۔ آپ نے چار آدمیوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ابن خطل کی دو گانے والی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک قتل کر دی گئی۔ دوسری کہیں چھپ گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امن طلب کر لیا گیا۔

اس کے بعد موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ابن خطل کا جرم ذکر کیا۔ لکھا۔ کہ اس نے ایک مسلمان مرد کو قتل کر دیا تھا۔ اور مرتد ہو کر مکہ میں آ گیا تھا۔ یہاں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''ہجو'' نظم میں کہی۔ پھر اپنی دونوں لونڈیوں کو حکم دیا کہ تم ان ہجو یہ اشعار کو گاؤ۔ ایک اور عورت ''سارہ'' نامی تھی جو عمرو بن ہاشم کی آزاد کردہ تھی۔ یہ بھی گانے والی اور مکہ میں پیسے لے کر نوحہ کیا کرتی تھی۔ اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ''ہجو یہ کلام'' دیا گیا۔ اور اسے گانے کی طرز پر گانے کا کہا گیا۔ اس نے ایسا کیا۔ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی تھی اور آپ سے صلہ رحمی کی درخواست کی تھی۔ اپنی ضروریات اور حاجات کا رونا روئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہیں جو گا کر اور نوحہ کر کے ملتا ہے وہ کافی نہیں ہے؟ کہنے لگی۔ کہ بدر میں بہت سے قریشی مارے گئے۔ اب انہوں نے مجھ سے گانا سننا بند کر دیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ترس کھایا۔ اور اسے اونٹ بھر کر کھانے پینے کا سامان عطا فرمایا۔ وہ واپس قریش کے پاس آئی۔ ابھی وہ اپنے دین پر ہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اسی دن اسے قتل کر دیا گیا۔

**حدیث ۱۱:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے ایک جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ پھر اس بنا پر ایک جماعت کو قتل بھی کیا گیا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کی طرح کے دوسرے حربی کافروں کے قتل سے روکا اور منع فرمایا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

**واقعہ ۱:** اسے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن عبداللہ بن زبعری کے قتل کا حکم دیا۔ ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بجیر ابن زہیر بن ابی سلمی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے مکہ میں بہت سے مردوں کو قتل کروا دیا ہے۔ جو آپ کی ہجو کیا کرتے تھے اور آپ کو تکلیف دیا کرتے تھے اور قریش کے جو شاعر بچ گئے یعنی عبداللہ بن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وھب لوگ ان کی تلاش میں ہیں۔ اس واقعہ میں اس چیز کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے ہر اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو آپ کی ہجو کہتا ہو یا اذیت پہنچاتا ہو۔ جیسا کہ ابن زبعری وغیرہ ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ابن زبعری کا گناہ یہی تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ یعنی زبان کا دشمن تھا۔ کیونکہ یہ بہترین شاعر تھا۔ اور اسلامی شعراء کی ہجو کہا کرتا تھا۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک رضی اللہ عنہما۔ اس زبانی دشمنی کے علاوہ جو اس کے گناہ تھے۔ اس میں قریش کی کافی تعداد اس کی ہم نوا تھی۔ پھر یہی ابن زبعری ''نجران'' کی طرف بھاگ گیا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مسلمان ہو کر واپس آیا۔ اس کے توبہ کرنے اور معذرت کرنے کے موضوع پر بڑے خوبصورت اشعار ہیں۔ اس کا نام عبداللہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے اس کا خون ضائع کر دیا تھا۔ حالانکہ آپ نے تمام اہل مکہ کو امان دی تھی۔ صرف اس کے اس جرم کے ساتھی امان سے باہر تھے۔

### واقعہ ۲: ابوسفیان بن حارث عبدالمطلب کا واقعہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہنے اور آپ کے اس سے اعراض کرنے کا واقعہ جبکہ یہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ مشہور و مستفیض ہے۔ واقدی نے اپنی سند کے ساتھ اسے یوں ذکر کیا ہے۔

ابوسفیان بن حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رضاعی بھائی تھا۔ اس کو سیدہ حلیمہ نے کئی دن دودھ پلایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسے بڑی الفت تھی۔ آپ کا ہم عمر تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ تو یہ آپ کا ایسا دشمن ہو گیا کہ ایسی دشمنی کبھی کسی نے کسی کے ساتھ نہ کی ہوگی۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ ''شعب'' میں داخل نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی جی بھر کر ہجو کہتا۔ واقدی نے آگے ذکر کرتے ہوئے کہا پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں کس کا ساتھی بنوں گا۔ کون میرے ساتھ ہوگا۔ ادھر اسلام مجھ میں جڑیں پکڑ چکا ہے۔ پھر میں اپنی بیوی بچوں کے پاس آیا۔ انہیں کہا یہاں سے چلے جانے کی تیاری کرلو۔ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم جم چکے ہیں۔ گھر والے بولے۔ اب تمہارے لئے وقت آ گیا ہے کہ تم غور کرو۔ عرب و عجم والے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ ان کی دشمنی کے بغیر سانس نہیں لیتے۔ حالانکہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے میں تم سب سے زیادہ حقدار تھے۔ یہ سن کر میں نے اپنے غلام کو کہا۔ میرا اونٹ اور گھوڑا جلدی سے تیار کرو۔ کہتے ہیں کہ پھر ہم گھر سے چل پڑے۔ حتیٰ کہ "ابواء" میں آ کر اتر گئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدم کی طرف اترا تھا۔ میں نے اپنا بھیس بدل لیا۔ مجھے خوف تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قتل کرا دیں گے۔ آپ نے میرا خون پہلے ہی ضائع قرار دیدیا تھا۔ میں باہر نکلا اور بنی جعفر کو میں نے اپنے قدم پر لیا۔ ایک میل تک ہم چلے۔ یہ اس صبح کا واقعہ ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت "ابوا" تشریف لائے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں سے ملنا شروع کیا۔ میں آپ کے صحابہ سے ایک طرف ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب آپ چلے میں بھی چپکے سے آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ جب آپ کی آنکھیں مجھ سے دو چار ہوئیں۔ تو آپ نے میری طرف سے رخ انور پھیر لیا۔ دوسری طرف دیکھنے لگے۔ میں اس طرف سے اس طرف گیا جدھر آپ کا چہرہ تھا۔ آپ نے کئی مرتبہ مجھ سے منہ موڑا پھر مجھے دور و نزدیک کے خیالات نے آ گھیرا۔ میں نے کہا کہ آپ کی حاضری سے قبل مجھے قتل کر دیا جائیگا۔ میں آپ کی نیکی اور رحمت کو یاد کرتا۔ اور اپنے ساتھ قرابت بھی مجھے یاد آتی۔ جب سے میرا دل کچھ ہمت پاتا۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ کہ میرے اسلام قبول کرنے سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ میری رشتہ داری ہی ایسی تھی۔ جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ موڑنا دیکھا۔ تو سب نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ پھر مجھے ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق) ملے انہوں نے بھی منہ دوسری طرف کر لیا۔ حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسا رہے تھے۔ اچانک ایک شخص کی آواز میرے کان پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہی وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اور آپ کے صحابہ کو تکلیف دیتا تھا؟ تو ان کی دشمنی میں مشرق و مغرب تک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے دفاع میں کچھ کہا۔ اس نے مجھ پر ہاتھ بڑھایا۔ اس کی آواز بلند ہوئی۔ لوگوں کا جمگھٹا بن گیا۔ ہر ایک اس پر خوش تھا۔ جو مجھ سے وہ کر رہا تھا۔ میں اپنے چچا حضرت عباس کے پاس گیا۔ عرض کیا۔ چچا جان! میں امید لگائے بیٹھا تھا کہ میرے اسلام لانے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ میری آپ سے قرابت ہے۔ اور میں ایک جانا پہچانا آدمی ہوں۔ لیکن حضور کی طرف سے جو ہوا وہ آپ نے بھی دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا اب آپ میرے متعلق ان سے گفتگو کریں۔ تاکہ وہ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ حضرت عباس بولے۔ نہیں۔ نہیں۔ خدا کی قسم! میں تیرے متعلق کبھی ان سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ جو کچھ تو نے ان کا رد عمل دیکھ لیا

ہے۔اس کا تقاضا یہی ہے یا جو کچھ میں نے آپ کا ردعمل دیکھا ہے اس کا تقاضا یہی ہے۔میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال اور رعب سے ڈرتا ہوں۔ میں نے کہا۔ چچا جان! پھر آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں؟ کہنے لگا۔ وہ شخص ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ میں پھر حضرت علی المرتضی کے پاس آ گیا۔ ان سے گفتگو کی۔ انہوں نے بھی مجھے حضرت عباس کیطرح جواب دیا۔ آگے واقدی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل کے دروازہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ آپ وہاں سے جحفہ کی طرف چل پڑے۔ لیکن آپ نے مجھ سے کوئی بات چیت نہ کی اور نہ ہی کسی مسلمان نے مجھ سے کلام کیا۔ میں نے یہ کیا۔ کہ جس منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرماتے۔ میں آپ کے دروازہ پر بیٹھ جاتا۔ میرے ساتھ جعفر کے دونوں بیٹے بھی تھے۔ میں نے جب بھی دیکھا۔ آپ نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ میں اسی حالت میں نکلا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر ہوا۔ میں اس لشکر میں تھا۔ جو آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ ''کداء'' سے نیچے اترے۔ اور ''ابطح'' نزول فرمایا۔ سو آپ نے مجھے دیکھا۔ ایسا دیکھا کہ جو بے مثل تھا۔ مجھے امید لگی۔ کہ آپ تبسم فرمائیں گے۔ آپ کے پاس بنو عبدالمطلب کی عورتیں حاضر ہوئیں۔ ان کے ساتھ میری بیوی بھی اندر آئی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے بارے میں نرم کرنے کی کوشش کی۔ آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ میں آپ کے سامنے تھا۔ کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ ''ھوازن'' کی طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ پھر واقدی نے آگے ''ھوازن'' کا قصہ بیان کیا۔ جو مشہور ہے۔

پھر ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ ابن اسحاق نے کہا۔ کہ ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیۃ بن المغیرہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہے۔ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''ثنیۃ العقاب'' میں تھے۔ دونوں نے التماس کی کہ ہمیں اندر آنے کی اجازت بخشی جائے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے بارے میں سفارش کی۔ کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ! ایک آپ کے چچا کا بیٹا اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا اور سسرالی رشتہ دار ہے۔ فرمایا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان میں سے جو میرے چچا کا بیٹا ہے اس نے میری عزت کو داغدار کیا۔ اور دوسرا جو میری پھوپھی کا بیٹا اور سسرالی رشتہ دار ہے یہ وہی ہے جس نے مکہ میں مجھے کہا تھا جو کہا تھا۔ جب یہ بات ان دونوں تک پہنچی۔ ابوسفیان کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! یا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر آنے اور ملاقات کی اجازت

بخشیں گے یا میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑوں گا۔ پھر ہم دونوں کہیں دور نکل جائیں گے اور بھوکے پیاسے جان دیدیں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ان دونوں کیلئے نرم ہو گئے۔ دونوں اندر آئے۔ ابوسفیان نے اپنے اسلام لانے کے بعد یہ اشعار کہے۔ اور اپنی گزشتہ غلطیوں کی معذرت کی۔ کہا۔

لَعَمْرِکَ اِنِّی یَوْمَ اَحْمِلُ رَایَۃً — لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلُ مُحَمَّدٍ
لَکَا لْمُدْلِجِ الْحَیْرَانَ اَظْلَمَ لَیْلَۃً — فَھٰذَا اَوَانِی حِیْنَ اَھْدٰی وَ اھْتَدِی
ھَدَانِی ھَادٍ غَیْرَ نَفْسِی وَدَلَّنِی — عَلَی اللّٰہِ مَنْ طَرَدْتُہٗ کُلَّ مَطْرَدِ

تیری عمر کی قسم! میں اس دن جب میں لات کے لشکر کا محمد کے لشکر پر غلبہ کیلئے جھنڈا اٹھایا کرتا تھا۔ وہ یقیناً رات میں سفر کرنے والے حیران آدمی کی مانند ہے جس کی رات سخت اندھیری ہو۔ یہ میرے اوقات تھے جب اللہ نے مجھے ہدایت دی اور میں راہ راست پر آ گیا۔ ایک ہادی نے مجھے ہدایت کی اور اس نے مجھے اللہ کا راستہ دکھایا جسے میں نے مکمل طور پر اپنے سے دور کر دیا تھا۔

باقی اشعار بھی اس نے ذکر کئے۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ دونوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے دونوں کو انکار کر دیا۔ پھر آپ کی زوجہ سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی۔ کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ! آپ کا سسرالی رشتہ دار پھوپھی زاد اور چچا زاد بھائی اور رضاعی بھائی ان دونوں کو اللہ تعالیٰ مسلمان بنا کر آپ کے پاس لے آیا ہے۔ یہ دونوں آپ کے بارے میں لوگوں سے زیادہ شقی نہیں ہوں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیرے بھائی نے مکہ میں مجھے جو کچھ کہا۔ وہ کہا تھا۔ یعنی ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ آسمانوں پر چڑھ جائیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ آپ کی قوم کا ہی ایک فرد ہے۔ اور تمام قریش نے آپ کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں۔ ان کے بارے میں معین طور پر آیات بھی نازل ہوئیں۔ آپ نے ان کو معاف فرما دیا۔ جو اس سے بڑے مجرم تھے۔ آپ کا چچا زاد بھائی اس کی آپ سے قریبی قرابت داری ہے۔ اور آپ ان تمام لوگوں سے زیادہ معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ جو معاف کر دیتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ وہ ہے جس نے میری عزت کو داغدار کیا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب یہ بات ان دونوں تک پہنچی۔ تو ابوسفیان بن حارث جس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! یا تو مجھے حضور

قبول فرمالیں گے یا پھر میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑوں گا اور کہیں چلا جاؤں گا۔ حتیٰ کہ بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اس بات کا علم ہوا۔ آپ اس کیلئے نرم پڑ گئے۔ عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ میں آپ کے پاس آپ کی تصدیق کرنے آیا ہوں، اور میری جو بھی قرابت ہے۔ اور آپ کے سسرال سے میرا تعلق ہے۔ سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے بارے میں سفارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کیلئے نرم پڑ گئے۔ اندر آنے کی اجازت دیدی۔ اندر آئے تو اسلام قبول کرلیا۔ دونوں کا اسلام لانا بہترین اسلام تھا۔ عبداللہ بن امیہ طائف میں قتل کر دیئے گئے۔ اور ابو سفیان بن حارث مدینہ منورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔ ان پر کسی قسم کا کیچڑ نہ اچھالا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ یہ ان کے ملاقات کرنے سے پہلے ہوا۔

اس واقعہ میں دلیل بننے کی وجہ یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ابوسفیان بن حارث کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر بڑے بڑے قریشیوں کا خون ضائع قرار دینے کا حکم صادر نہ فرمایا۔ حالانکہ یہ بڑے ہاتھ کی لڑائی اور مالی جنگ میں بڑا موثر مقام رکھتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمۃ تشریف لائے۔ لیکن اس ارادے سے نہیں کہ یہاں کے باشندوں کا قتل عام کریں۔ بلکہ آپ نے ان کے اسلام قبول کرنے کیلئے نہایت نرم رویہ اختیار فرمایا۔ ابوسفیان کے قتل کا حکم دینے کا سبب اگر تھا تو صرف اس کی ہجو تھی۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باوجود ان کو منہ نہ لگایا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ غیر رشتہ داروں اور غیر قرابت داروں کو بھی اسلام لانے کیلئے تالیف قلب فرماتے۔ جب غیروں کے ساتھ یہ رویہ تھا تو اپنوں اور اپنے خاندان والوں سے رویہ اس سے بھی زیادہ مہربانہ ہونا چاہئے۔ اور ایسا لازماً تھا۔ لیکن ابوسفیان کی قرابت کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہا کرتا تھا۔

## واقعہ ۳: فتح مکہ کے دن حویرث بن نفیل کے قتل کا حکم

یہ واقعہ بھی سیرت نگاروں میں مشہور و معروف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں امام زہری کے حوالہ سے لکھا ہے یہ مغازی سب سے زیادہ صحیح ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو مغازی لکھنا پسند کرتا ہو۔ اسے رجل صالح موسیٰ بن عقبہ کی مغازی لکھنی چاہئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا۔ کسی پر حملہ نہ کرنا۔ اس حکم کی تعمیل

کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام نے صرف ان لوگوں سے لڑائی کی جنہوں نے ان پر ہاتھ اٹھائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چار آدمیوں کو قتل کر دیا جائے۔ان میں سے ایک حویرث بن نفیل بھی تھا۔ جسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

واقدی نے اپنے اشیاخ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑنے سے منع فرمادیا تھا۔اور چھ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔عکرمہ بن ابی جہل، ھبار بن اسود، ابن ابی سرح، مقیس، حویرث بن نفیل اور ابن خطل ۔لکھا۔ کہ حویرث بن نفیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا۔آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا۔وہ اپنے گھر میں ہی تھا جس دن مکہ فتح ہوا۔ دروازہ بند کرلیا تھا۔حضرت علی المرتضی تشریف لائے۔اور اس کے بارے میں دریافت کیا۔آپ کو بتایا گیا کہ وہ جنگل میں گیا ہوا ہے۔ادھر حویرث کو خبر دی گئی۔ کہ تمہاری تلاش کی جارہی ہے۔حضرت علی المرتضی اس کے گھر کے دروازہ سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے رہے۔ حویرث اندر سے نکلا۔اس کا ارادہ تھا کہ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں بھاگ کر داخل ہو جائے۔ حضرت علی المرتضی نے اسے پالیا۔اس کی گردن اڑادی۔یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض اذیت پہنچانے پر قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر کے ان باشندوں کو امان دیدیا تھا۔جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔آپ کے اصحاب کے ساتھ جنگ کی تھی۔اور اس کے علاوہ دوسرے کئی نقصان دہ کام کئے تھے۔

واقعہ ۴: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر سے واپس مڑے اور جانب مدینہ رواں تھے۔تو آپ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرادیا۔بدر کے قیدیوں میں سے صرف ان دو کو قتل کیا گیا۔ ان دونوں کا قصہ بھی معروف ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ''صفراء'' پر تھے تو نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا۔اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے چل پڑے۔جب ''عرق الظبیہ'' میں آئے۔عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا گیا۔اسے عاصم بن ثابت نے قتل کیا تھا۔موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا جسے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا جب عقبہ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا۔قریش سے فریاد کی۔کہنے لگا۔ اے جماعت قریش! یہاں مجھے کس وجہ سے قتل کیا جارہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر

فرمایا۔اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ تیری عداوت کی وجہ سے۔

امام بزاز نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا۔ اے قریش! مجھے کیا ہوا کہ تمہارے درمیان مجھے بند کر کے قتل کیا جا رہا ہے؟ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے کفر کی وجہ سے اور اللہ کے رسول پر تیرے افتراء کی وجہ سے تجھے قتل کیا جا رہا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ نضر بن حارث کو حضرت مقداد بن اسود نے قیدی بنایا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے باہر تشریف لائے۔ اور مقام ''الاثیل'' پر تھے۔ آپ کے سامنے قیدی پیش کئے گئے۔ آپ نے نضر بن حارث کی طرف دیکھا۔ اور ذرا تیز نظر سے دیکھا۔ نضر بن حارث نے اپنے قریب کھڑے شخص کو کہا۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایسی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جن میں میری موت نظر آ رہی تھی۔ اس کے قریب کھڑے شخص نے کہا۔ خدا کی قسم! تمہیں جو کچھ دکھائی دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رعب تھا۔ نضر بن حارث نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کہا۔ اے مصعب! تو یہاں میرے قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہے۔ میرے متعلق اپنے آقا سے سفارش کرو۔ کہ وہ میرے دوسرے ساتھیوں کی طرح میرے ساتھ سلوک کریں۔ اگر تم نے سفارش نہ کی تو بخدا! وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ جناب مصعب نے جواب دیا تو ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں ایسے ایسے بکواس کرتا تھا اور تو ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نبی کے بارے میں ایسے ایسے غلط الفاظ بکتا تھا۔ کہنے لگا۔ اے مصعب! ان سے درخواست کرو کہ وہ میرے قیدی ساتھیوں میں سے کسی ایک کی مانند مجھ سے سلوک کریں۔ اگر ان قیدیوں کو قتل کیا جائے گا تو مجھے بھی قتل کر دینا اور اگر ان پر احسان کر کے چھوڑ دیا جائے تو مجھ پر بھی احسان کر کے چھوڑ دینا۔ جناب مصعب نے جواب دیا۔ تو وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دیا کرتا تھا۔ پھر واقدی نے آگے کی گفتگو ذکر کی۔ حتیٰ کہ لکھا۔ کہ اسے حضرت علی المرتضی نے قید میں ہی تلوار سے قتل کر دیا۔

واقدی کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیدی پیش کئے گئے۔ حتیٰ کہ آپ جب مقام ''عرق الظبیہ'' تشریف فرما ہوئے۔ تو آپ نے جناب عاصم بن ثابت بن ابی الافلح کو حکم دیا۔ کہ عقبہ بن ابی معیط کی گردن اڑا دو۔ عقبہ نے فریاد کی۔ ہائے میرے لئے افسوس! اے قریش یہاں مجھے کس جرم کی بنا پر قتل کیا جا رہا ہے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول

کے ساتھ تیری عداوت کی وجہ سے۔ کہنے لگا۔ یا محمد! آپ کی طرف سے احسان کر کے قتل نہ کرنا افضل ہوگا۔ آپ مجھے بھی میری قوم کے افراد کی طرح سزا دیں۔ اگر آپ انہیں قتل کریں گے تو مجھے بھی قتل کر دینا۔ اور اگر آپ ان پر احسان فرمائیں گے تو مجھ پر بھی احسان فرما دینا۔ اور اگر ان سے آپ فدیہ لیں گے تو مجھ سے بھی لے لینا۔ اے محمد! بچی کا کون ہوگا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم کی آگ اس کے آگے ہے۔ اے عاصم! اس کی گردن مار دو۔ یہ سن کر جناب عاصم آگے بڑھے اور اس کی گردن اڑا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم! تو بہت برا آدمی تھا۔ تجھ سے بڑھ کر میں نے کوئی شخص اللہ تعالیٰ اس کی کتاب اور اس کے رسول کا کافر اور اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچانے والا نہ دیکھا۔ میں اس اللہ کی حمد کہتا ہوں جس نے تجھے قتل کیا۔ اور تجھ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔

اس واقعہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان دو آدمیوں کا قتل جس سبب سے ہوا۔ ان کے علاوہ دوسرے قیدیوں کو قتل نہ کیا گیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قول و فعل کے ذریعہ اذیت پہنچائی۔ وہ آیات جو نضر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معروف ہیں۔ اور ابن ابی معیط کا اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا مشہور ہے۔ یہی وہ بد بخت ہے جس نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹا تھا۔ آپ کے گلے میں اپنی چادر ڈالی اور اسے پورے زور سے مروڑا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دے گا۔ اور جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر جیلی (مادہ حیوان کی بچہ دانی) ڈالی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے۔ وغیرہ ذالک۔

واقعہ ۵: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن زہیر وغیرہ کے قتل کا حکم دیا، جو لوگ قریش اور دیگر عرب اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہا کرتے تھے۔ ان کے قتل کا بھی حکم صادر فرمایا۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اور ان سے یونس بن بکیر اور بکائی نے روایت کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپسی پر مدینہ منورہ تشریف لائے تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا۔ جس میں اس نے یہ اطلاع پہنچائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ایسے کئی آدمیوں کو قتل کروا دیا ہے۔ جو ان کی ہجو کہتے تھے اور اذیت پہنچاتے تھے۔ اور یہ بھی لکھا۔ کہ قریش کے دوسرے شعراء مثلاً ابن زبعری اور ھبیرہ بن ابی وھب مکہ سے نامعلوم مقام کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اگر تمہارے دل میں کوئی اپنے بارے میں ہمدردی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس چلے جاؤ۔ کیونکہ جو بھی آپ کے پاس تائب ہو کر آ جاتا ہے آپ اسے قتل نہیں کرتے۔ اور اگر تو نے یہ کام نہیں کرنا۔ تو پھر اپنی نجات کا کوئی اور راستہ تلاش کر لے۔ کعب بن زہیر نے ایسے اشعار کہے تھے۔ جن میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی اور عیب لگایا تھا۔ اور وہ اشعار لوگوں میں متعارف ہو چکے تھے۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي بُجَيْرًا رِسَالَةً ۔۔۔ فَهَلْ لَّكَ فِيمَا قُلْتَ وَيْحَكَ هَلْ لَّكَا

لِتُخْبِرَنِي إِنْ كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ ۔۔۔ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ غَيْرُ ذَالِكَ دَلَّكَا

عَلَى خُلُقٍ لَمْ يَلْفَ يَوْمًا أَبًا لَهُ ۔۔۔ وَلَا أَنْتَ لَمْ تَعْرِفْ عَلَيْهِ أَبًا لَكَا

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِآسِفٍ ۔۔۔ وَلَا قَائِلٍ أَمَا عَثَرْتَ لَعًا لَكَا

سَقَاكَ بِهَا الْمَأْمُوْنُ كَأْسًا رَوِيَّةً ۔۔۔ فَأَنْهَلَكَ الْمَأْمُوْنُ مِنْهَا وَ عَلَّكَا

سنو! میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو۔ کہ میں نے جو کچھ کہا۔ اس کے بارے میں تمہیں کیوں فکر ہے۔ وہ میں نے تمہارے متعلق نہیں کہا۔ تم پر بہت افسوس ہے۔ تا کہ تو مجھے بتائے کہ اگر میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں۔ اس کے سوا کس چیز پر اس نے راہنمائی کی۔ ایسے شخص کے بارے میں کہ ایک دن بھی اس کے باپ نے اس سے پیار نہیں کیا۔ اور نہ ہی تو اسے پہچان سکا۔ اگر تو نے کچھ نہیں کیا تو کوئی افسوس نہیں۔ اور نہ کوئی یہ کہنے والا ہے کہ تو نے بھید ظاہر کر دیئے۔ تجھے تو ماٗ مون (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھر کر پیالہ پینے کو دیدیا ہے۔ ماٗ مون تو اس سے خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اور شائد تو بھی خطرات میں پڑ جائے۔

ان اشعار میں کعب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ماٗ مون'' کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ قریش آپ کو ''امین'' کہا کرتے تھے۔ بہر حال جب کعب کو یہ رقعہ ملا۔ تو زمین اس پر تنگ ہو گئی۔ اپنے بارے میں خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے جو دشمن موجود تھے۔ انہوں نے اس کے بارے میں خبریں پھیلا دیں۔ اور کہنے لگے۔ اب وہ قتل کر دیا جائے گا۔ جب کعب کو اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ تو اس نے ایک قصیدہ کہا۔ جس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح بیان کی۔ اور اس میں آپ کا خوف بھی ذکر کیا۔ اور چغلی کھانے والوں کی سرگوشیاں بیان کیں۔ پھر وہ مکہ شریف سے جانب مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ آیا۔ تو قبیلہ جہینیہ کے ایک دوست کے گھر ٹھہرا۔ اس دوست نے رات بسر ہونے کے بعد صبح سویرے اسے اپنے ساتھ لیا اور مسجد میں چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو دوست نے اشارہ سے بتایا۔ کہ وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول۔ اٹھو اور ان

کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ پھر ہمیں بتایا گیا۔ کہ کعب اپنے دوست کے کہنے پر اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی پہچان نہ تھی۔ اب کعب کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آپ سے امان چاہتا ہے۔ وہ توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ کیا آپ اسے قبول کرلیں گے اگر میں اسے اپنے ساتھ آپ کے پاس لے آؤں؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اب کعب بولا۔ یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا۔ کہ مجھے عاصم بن عمر نے بتایا کہ کعب کو قتل کرنے کیلئے ایک انصاری اس پر لپکا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے اور چھوڑ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کا سر قلم کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے دور رہو۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ ہمارے پاس تائب ہو کر آیا ہے۔ مسافر ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ کعب کو انصار کے اس قبیلہ اور شاخ پر بہت غصہ آیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ ان کے ایک آدمی نے ہی اسے قتل کرنے کی حضور سے اجازت مانگی تھی۔ مہاجرین میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں اچھے کلمات کے سوا کچھ نہ کہا۔ پھر کعب نے ایک قصیدہ کہا۔

ابن اسحاق نے کعب کا وہ قصیدہ ذکر کیا۔ جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے وقت کہا تھا۔ مذکورہ قصیدہ "بانت سعاد فقلبی الیوم مقبول" سے مشہور ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

أُنبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِی وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ

مَهْلًا هَدَاكَ الَّذِی اَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْفُرْقَانِ فِیْهِ مَوَاعِیظُ وَ تَفْصِیْلُ

لَا تَاْخُذَنِی بِاَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَلَمْ اُذْنِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِیَّ الْاَقَاوِیْلُ

مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قتل کا ڈراوا دیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو معافی کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ رک جایئے۔ اللہ ذات نے آپ کو ہدایت دی جس نے آپ کو قرآن کریم عطا فرمایا۔ جس میں نصیحتیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ چغلخوروں کی باتوں میں آ کر مجھے نہ پکڑیئے۔ اگر چہ مجھ پر بہت سے بہتان ہیں۔ لیکن میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ جب کعب کو یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا خون ضائع قرار دیدیا ہے۔ کیونکہ آپ کو میری کچھ باتیں لوگوں نے پہنچائیں۔ تو کعب مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اور ایک قصیدہ پڑھا۔ اس کو خبر دی گئی تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم لکھا دیا ہے۔ کہ مکہ کے ان مردوں کو قتل کر دیا جائے جنہوں

نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اور آپ کو اذیت پہنچائی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کچھ نجران کی طرف بھاگ گئے۔ پھر ابن زبعری تائب ہوکر مسلمان ہوکر واپس آیا۔ اور "ھبیرہ" نجران میں ٹھہر گیا۔ حتیٰ کہ وہیں مشرکانہ عقائد پر مرا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب کا خون بھی ضائع قرار دیدیا۔ کیونکہ اس نے بھی نازیبا کلمات کہے تھے۔ حالانکہ اس کی یہ ہجو کوئی بلیغانہ انداز کی نہ تھی۔ کیونکہ اس نے دراصل "دین اسلام" پر طعن کیا تھا۔ اس کی عیب جوئی کی تھی۔ اور اس کی عیب جوئی کی تھی جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت دیتے تھے۔ پھر اس نے توبہ کرلی قبل اس کے کہ اس کو قابو کرلیا جاتا۔ مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوا۔ اور یہ حربی تھا۔ اس کے باوجود وہ عفو ودرگزر کی التماس کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ لَا تَأْخُذَنِّي بِأَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَلَمْ أُذْنِبْ۔ (ترجمہ گزرچکا ہے)۔

واقعہ ۶: (سومنقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہجو کہنے والے کے قتل پر ابھارا۔ اور فرمایا۔ مَنْ يَّكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ۔ میرے دشمن سے مجھے کون مستغنی کرے گا؟)

اموی سعید بن یحییٰ بن سعید نے اپنی مغازی میں لکھا ہے۔ کہ ہمیں ہمارے والد نے بتایا کہ مجھے عبدالملک بن جریج نے ایک شخص سے روایت کیا۔ جس کو جناب عکرمہ نے اور انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بتایا۔ مشرکین میں سے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ من یکفینی عدوی؟۔ یہ سن کر حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! میں ہوں۔ پھر حضرت زبیر نے اس مشرک سے مقابلہ کیا اور اسے قتل کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کو اس مشرک کا سامان لڑائی عطا فرمادیا۔ کہا۔ کہ میرے گمان میں یہ واقعہ خیبر میں ہوا۔ جب ابو یاسر کو کسی نے قتل کیا تھا۔ اسے محدث عبدالرزاق نے بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ ۷: مروی ہے کہ ایک شخص نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو آپ نے فرمایا۔ مَنْ يَّكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ؟۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میں حضور۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خالد کو اس کی طرف روانہ فرمایا جناب خالد نے اسے جاکر قتل کردیا۔

واقعہ ۸: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام جب کسی سے سنتے کہ فلاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا اذیت پہنچاتا ہے۔ تو اسے قتل کردیتے۔ اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوتا۔ ایسا کرکے حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چین وآرام پہنچاتے۔ اور جو صحابی یہ کام سرانجام دیتا۔ اس کو "ناصر اللہ ورسولہ کہتے" یعنی اللہ اور اس کے رسول کا مددگار۔

ابو اسحاق مزاری نے سیرت پر لکھی گئی اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔ کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اسماعیل بن سمیع سے اور انہوں نے مالک بن عمیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ میں نے مشرکین میں اپنے باپ سے جب ملاقات کی۔ تو میں نے اس سے آپ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات سنے۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے نیزہ سے اسے مارا۔ اور وہ مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ یعنی آپ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔ اور نہ ہی اسے برا سمجھا۔

**واقعہ ۹:** جناب ابو اسحاق فزاری نے مذکورہ کتاب میں ہی اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ جناب حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جیش روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب مشرکین کیساتھ لڑنے کیلئے انہوں نے صف بندی کی۔ تو ان میں سے ایک مشرک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا شروع کر دی۔ انتظامیہ کا ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ میں فلاں ہوں۔ میری ماں فلانی ہے۔ تو مجھے گالی دے لے۔ میری ماں کو گالی دے لے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے رک جا۔ اس بات سے وہ اور دلیر ہو گیا۔ اور پہلے کی طرح گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ اس آدمی نے بھی دوبارہ وہی پیشکش کی۔ تیسری مرتبہ اس نے کہا۔ اگر اب تو نے بکواس کی۔ تو میں اپنی تلوار کا تم پر وار کر دوں گا۔ اس مشرک نے پھر بکواس کی۔ اب اس شخص نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ پیٹھ دے کر بھاگ نکلا۔ یہ آدمی اس کے پیچھے لگا۔ حتیٰ کہ مشرکین کی صف کو اس نے چیرا اور اس بکواسی کو اپنی تلوار سے مارا۔ اس پر دوسرے مشرکین نے اسے گھیر لیا۔ اور قتل کر دیا۔ (جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی) تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس شخص پر تعجب کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی۔ پھر وہی زخمی مشرک کچھ دنوں بعد تندرست ہو گیا۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنا نام اس مسلمان مرد کے نام پر رکھ لیا جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔

عمیر بن عدی کی بات اور قصہ ذکر ہو چکا ہے۔ جب اسے مروان کی بیٹی کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کی خبر ملی۔ تو اس نے کہا۔ اے اللہ! مجھ پر نذر لازم ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس لائے۔ تو میں اس عورت کو قتل کر کے رہوں گا۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لئے بغیر اس عورت کو قتل کر دیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم ایسے مرد کو دیکھنا پسند کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے تو پھر عمیر ابن

عدی کو دیکھو۔

واقعہ ۱۰: اسی طرح ایک یہودی عورت کا قصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ جب اسے قتل کر دیا تھا۔ اس کے قتل کئے جانے کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا تھا۔ اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت لئے بغیر قتل کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے۔ جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قتل کو برقرار رکھا۔ جسے کسی نے اس لئے قتل کیا کہ مقتول، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا۔

واقعہ ۱۱: مذکور ہے کہ وہ جنات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی ایسے جن کا قلع قمع کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے جو کافر جن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا۔ ہجرت سے قبل اور جہاد کی اجازت ملنے سے قبل بھی ایسے کئی واقعات ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان واقعات پر بھی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سعید بن یحییٰ اموی اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن سعید یعنی ان کے چچا نے بتایا کہ محمد بن منکدر کہتے ہیں۔ مجھ سے بیان کیا گیا۔ کہ مکہ میں ابوقبیس پر ایک جن نے آواز دی۔ اس نے چند اشعار کہے جن میں اس نے مکہ کے کافروں کو جوش دلایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فریب میں لانے کی کوشش کی۔ یعنی آپ کے خلاف خوب بھڑکایا۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ صبح کے وقت اس کے شعر مکہ کے لوگوں کی زبانوں پر رواں تھے۔ وہ ایک دوسرے کو سناتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ یہ شیطان تھا۔ جو بتوں میں داخل ہو کر لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اسے ''مسعر'' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل ورسوا کرنے والا ہے۔ لوگوں نے تین دن بعد ایک غائبانہ آواز سنی۔ پہاڑ سے کوئی کہہ رہا تھا۔

نَحْنُ قَتَلْنَا فِي ثَلَاثٍ مِسْعَرَا    اِذْ سَفِهَ الْحَقَّ وَسَنَّ الْمُنْكَرَا
قَنَّعْتُهُ سَيْفًا حُسَامًا أَبْتَرَا    بِشَتْمِهِ نَبِيَّنَا الْمُطَهَّرَا

ہم نے تین دنوں میں ''مسعر'' کو قتل کر دیا۔ جب اس نے حق کو بدنام کیا اور برائی کو مروج کیا۔ میں نے تیز تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ کیونکہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا۔ ہمارے پیغمبر مقدس و پاکیزہ شخصیت ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ایک طاقتور جن ہے جس کی آواز تم نے سنی۔ صاحب ایمان ہے۔ اس کا نام ''سمج'' ہے۔ مجھ پر ایمان لایا تو میں نے اس کا نام 'عبداللہ' رکھا ہے۔ اس نے

مجھے بتایا۔ کہ وہ اس کافر جن کی تین دن سے تلاش کر رہا تھا۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔

واقعہ ۱۲: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے ابورافع بن ابی الحقیق یہودی کو قتل کر دیا۔ اس کا قصہ درج ذیل ہے۔

یہ قصہ علماء کے نزدیک مشہور و مستفیض ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا حصہ ذکر کریں گے۔ جس میں دلیل ہے۔ (یعنی ہمارے مقصود پر دلیل بنتی ہے) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورافع یہودی کی طرف انصار کے چند مردوں کو روانہ فرمایا۔ ان کا امیر جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا اور ہر اس شخص کی مدد بھی کرتا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا۔ وہ سرزمین حجاز میں واقع اپنے قلعہ میں رہائش پذیر تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روانہ کئے گئے انصار اس کے قریب پہنچے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے مکانات کے صحن میں آرام کر رہے تھے۔ جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا۔ اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ میں جاتا ہوں۔ اور دربان کی چاپلوسی کرتا ہوں۔ شائد میں اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ آپ چل پڑے۔ حتیٰ کہ دروازہ کے قریب جا پہنچے۔ پھر آپ نے اپنے کپڑے میں منہ چھپا لیا۔ جیسا کوئی شخص قضائے حاجت کر رہا ہو۔ لوگ اندر جا رہے تھے۔ دربان نے آواز دی۔ اے عبداللہ! اگر تم اندر آنا چاہتے ہو تو جلدی کرو۔ میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ میں اندر چلا گیا۔ اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب لوگ اندر آ گئے۔ تو دربان نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دی گئیں۔ میں اٹھا اور چابیاں کھونٹی سے اتاریں۔ اور دروازہ کھولا۔ ابورافع کے پاس قصہ کہانیاں سنائی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھر کے افراد میں موجود تھا۔ جب اسے کہانیاں سنانے والے چلے گئے میں اس کی طرف چڑھ گیا۔ میں نے جاتے وقت یوں کیا۔ کہ جو دروازہ کھول کر آگے بڑھتا اس کو اندر سے بند کر دیتا۔ میں نے کہا کہ اگر لوگوں نے مجھے پکڑنا چاہا تو وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر پہنچ گئے تو ان کے آنے سے پہلے میں ابورافع کو قتل کر چکا ہوں گا۔ بہر حال میں اس تک پہنچ گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے کمرے میں اپنے اہل و عیال کے درمیان موجود ہے جس میں گھپ اندھیرا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ گھر میں کس جگہ لیٹا ہوا ہے۔ میں نے آواز دی۔ ابورافع؟ کہنے لگا۔ کون ہے یہ؟ میں جدھر سے آواز آئی اس طرف چل پڑا۔ اور خیال تھا کہ اس پر اپنی تلوار سے وار کروں گا۔ میں بہت گھبرایا ہوا اور

وہشت زدہ تھا۔ میں کسی چیز سے مستغنی نہ ہوا۔ اس پر تلوار کا وار کر دیا۔ وہ چلایا۔ پھر میں اس کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد میں پھر اندر آیا۔ میں نے پوچھا۔ اے ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟ کہنے لگے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ایک مرد نے تھوڑی دیر پہلے گھر میں مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے تلوار کا وار تو کیا لیکن وہ قتل نہ ہوا۔ میں نے اس مرتبہ تلوار اس کے پیٹ پر رکھی۔ اور اسے دبایا حتیٰ کہ وہ اس کی پیٹھ کی طرف جا نکلی۔ اس سے مجھے پتہ چل گیا۔ کہ اب میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب میں نے ایک ایک کر کے دروازہ کھولنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ میں سیڑھی تک آ گیا۔ میں نے پاؤں رکھا۔ میرا خیال تھا کہ میں زمین پر آ گیا ہوں۔ میں چاندنی رات میں نیچے گر گیا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے پگڑی سے اسے باندھ لیا۔ میں چل پڑا۔ حتیٰ کہ جا کر دروازہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے دل میں کہا کہ میں آج رات یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب (سحری کے وقت) مرغ بولا۔ تو ایک ناعی (موت کی خبر دینے والا) دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ اور زور سے کہنے لگا۔ اہل حجاز کا تاجر ابورافع قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر میں اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے کہا "النجاء" اللہ تعالیٰ نے ابورافع کا کام تمام کر دیا ہے۔ میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ذرا اپنی ٹانگ بچھاؤ۔ میں نے بچھائی۔ تو آپ نے اس پر دست اقدس پھیرا۔ مجھے ایسا آرام آ گیا۔ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے جناب زہری نے عبداللہ بن کعب بن مالک نے روایت کیا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ایک ترکیب نکالی۔ وہ یہ کہ انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ جیسا دو پہلوان مقابلہ کرتے ہوں۔ ان میں سے ایک قبیلہ اگر کوئی آپ کیلئے کام کرتا تو دوسرا بھی وہی کام لازماً کرتا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہم سے کوئی سبقت نہ لے جائے۔ اور کوئی مسلمان ہم سے حسن سلوک میں آگے نہ بڑھے۔ جب اوس قبیلہ نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔ تو خزرج نے ایک مرد کو موت یاد دلائی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا۔ انہوں نے خیبر میں ابن ابی الحقیق کو ڈرایا دھمکایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت دیدی۔ ابن اسحاق نے آگے تک حدیث ذکر کی۔ پھر کہا۔ کہ پھر یہ لوگ اس کے بالاخانہ کی طرف چڑھ گئے۔ وہاں پہنچ کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کی عورت

(بیوی) باہر ان کی طرف نکلی۔ پوچھنے لگی۔ تم کون ہو؟ کہنے لگے۔ ہم ایک عربی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہم کچھ کھانے پینے کی اشیاء لینا چاہتے ہیں۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اور کہنے لگی۔ جس آدمی کے پاس تمہیں جانا ہے وہ وہاں اس کمرے میں بیٹھا ہے۔ پھر ابن اسحاق نے تمام حدیث ذکر کی۔ جو اس کے قتل تک کی ہے۔

حضرت براء بن عازب اور عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کی روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان ابورافع کے قتل کیلئے رات کے وقت گئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی تھی۔ اس کو قتل اس لئے کیا گیا کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا تھا۔ اور آپ کے ساتھ عداوت رکھتا تھا۔ یہ ''ابن اشرف'' کی نظیر ہے۔ لیکن ابن اشرف معاہد تھا۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی۔ تو مسلمان اسے قتل کرنے پر ٹوٹ پڑے۔ اور یہ یعنی ابورافع معاہد نہ تھا۔

ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ یہ مذکورہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا یا آپ کو اذیت پہنچاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے قتل کا ارادہ فرماتے تھے۔ اور اس کرتوت کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو اس کے خلاف بھڑکاتے اور اکسایا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ آپ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ یعنی ایسے شخص کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسرے کافروں سے آپ ایسا سلوک نہ کرتے۔ خواہ وہ کافر غیر معاہد ہی کیوں نہ ہوتا۔ بلکہ آپ ان لوگوں کو امان دیتے۔ یا ان پر احسان فرماتے۔ حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان کوئی عہد نہ ہوتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والوں اور اذیت پہنچانے والوں میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا۔ اور بعض تائب ہو کر مسلمان بن کر حاضر خدمت ہو گئے۔ تو آپ نے ان کے خون کو معصوم قرار دیدیا۔ جس کے تین اسباب تھے۔

اول یہ کہ مذکورہ شخص ابھی قابو نہ آیا تھا۔ کہ وہ خود تائب ہو کر حاضر ہو گیا۔ مسلمان جس پر حد واجب ہو۔ اگر وہ قابو آنے سے پہلے تائب ہو کر آ جائے۔ اس پر سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ تو حربی اگر تائب ہو کر مسلمان ہو کر قابو آنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ تو اس کی سزا بطریقہ اولیٰ ساقط ہو جائے گی۔

دوم یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم یہ تھا۔ کہ آپ ان کو معاف کر دیتے۔ لہٰذا آپ نے معاف کر دیا۔

تیسرا یہ کہ حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے ان جرائم کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ جو اس نے

جاہلیت (اسلام سے قبل) میں کئے ہوں۔ خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کی دلیل ہے۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ آپ کفار کو کہہ دیں کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے تو ان کے گزرے جرائم معاف کر دیئے جائیں گے (الانفال:38)۔ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بھی دلیل ہے۔ اَلْاِسْلَامُ یَجِبُّ مَاقَبْلَهٗ۔ اسلام اپنے سے قبل کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور قول بھی اس کی دلیل ہے۔ مَنْ اَحْسَنَ فِی الْاِسْلَامِ لَمْ یُؤَاخِذْ بِمَا عَمَلَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ۔ (متفق علیہ) جس نے اچھی طرح اسلام قبول کر لیا۔ اس سے قبل اسلام کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ جنہوں نے سب کو معلوم تھا۔ کہ کئی قتل کئے ہوئے تھے۔ لیکن کسی نے ان سے قصاص کا مطالبہ نہ کیا۔ نہ دیت طلب کی اور نہ ہی کفارہ انہیں دینے کو کہا گیا۔ یونہی حضور ﷺ نے ان میں سے کسی کو اس نقصان کی چٹی دینے کو نہ کہا۔ جو انہوں نے اسلام لانے سے قبل کسی کے مال کا نقصان کیا تھا۔ نہ ہی آپ نے کسی پر حد زنا، حد چوری، شراب اور قذف وغیرہ کی حد جاری فرمائی۔ برابر ہے کہ مذکورہ شخص قیدی بننے کے بعد مسلمان ہوا۔ یا قید ہونے سے قبل مسلمان ہو گیا۔ یہ وہ مسائل ہیں۔ جن میں مسلمانوں کے مختلف مذاہب کے درمیان ہمیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے کہا کہ ہم نے یہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ ذکر کی ہیں۔ جن میں ایسے مشرکین کو لازماً قتل کرنے کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان جیسے دوسرے کافروں کو آپ معاف کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات ایسی ہے جو حضرات صحابہ کرام کے دلوں میں راسخ تھی۔ یہ رسوخ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی تھا۔ اور آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ وہ ہر اس شخص کو قتل کرنے کیلئے تیار تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہو۔ اور اس کیلئے وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ایسے شخص کے علاوہ دوسرے کفار کے قتل سے وہ رک جایا کرتے تھے۔ اور وہ یہی نظریہ رکھتے تھے کہ ایسے شخص کے قتل کا سبب صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ اور اذیت پہنچانا ہے۔ اور اس کیلئے وہ اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک گزشتہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ سَبَّنِیْ وَ سَبَّ اُمِّیْ وَ كَفَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ۔ مجھے گالی دے لے اور میری ماں کو دشنام دے دے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زبان بند

رکھ۔ پھر اس پر حملہ کر دیا۔ اور واصل جہنم کر دیا۔ اور وہ حدیث جس میں ایک شخص نے اپنے باپ کو گالی بکتے سنا۔ تو اسے بیٹے نے قتل کر دیا۔ اور انصاری کی وہ حدیث جس میں انہوں نے نذر مانی تھی۔ کہ وہ ''عصماء'' کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ پھر اسے قتل کر بھی دیا تھا۔ اور ایک اور حدیث جس میں ایک شخص نے نذر مانی کہ ابن ابی سرح کو وہ قتل کرے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو اپنی بیعت میں لینے سے رکنا تا کہ وہ اپنی نذر پوری کر لے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں غزوہ بدر میں کھڑا تھا۔ میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا۔ اچانک مجھے انصار کے دو لڑکے نظر آئے۔ جن کی عمر کوئی زیادہ نہ تھی۔ میں نے تمنا کی کہ میں ان دونوں کے درمیان ہو جاؤں۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اور کہنے لگا۔ چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں بھتیجے! تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ کہنے لگا۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں نے اسے دیکھ لیا۔ تو میرا جسم اور اس کا جسم الگ نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ ہم سے وہ مر نہ جائے جس کی موت جلد آئی ہو۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں۔ مجھے اس کی اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔ فرماتے ہیں۔ پھر دوسرے نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اس نے بھی مجھ سے وہی کچھ کہا۔ جو پہلے نے کہا تھا۔ پھر چند ہی لمحوں بعد میں نے ابو جہل کو دیکھ لیا۔ وہ اس وقت لوگوں میں پھر رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو کہا۔ کیا تمہیں وہ شخص نظر آ رہا ہے؟ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ دونوں نے تلوار تھامی اور اس کی طرف دوڑ پڑے۔ قریب پہنچ کر ایسا وار کیا۔ کہ اسے قتل کر دیا۔ پھر دونوں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ ہر ایک نے عرض کیا۔ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تم نے اپنی اپنی تلوار کو صاف تو نہیں کیا؟ عرض کیا۔ نہیں حضور! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی تلواریں دیکھیں۔ دیکھ کر فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ یہ دو لڑکے معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھے۔ یہ قصہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بہت خوش ہوئے۔ کہ ابو جہل مارا گیا ہے۔ اور اس پر آپ کا سجدہ شکر ادا کرنا بھی مشہور ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ ''هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' یہ (ابو جہل) اس امت کا فرعون ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالبختری بن ہشام

کے قتل کرنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ اور اس سے عہد وغیرہ کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس معاہدہ کے ورق کو توڑنے میں کوشش کی تھی۔ جسے کفار قریش نے لکھا تھا۔ اور انہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں۔ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے قطع تعلق کریں گے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واقعہ موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا۔ پھر وہ مجھ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا۔ تو میں ان کو رہا کر دیتا۔ تا کہ میں اس کا وہ بدلہ اتار سکتا۔ جو اس نے مکہ میں مجھے پناہ دی تھی۔ مطعم کافر تھا۔ غیر معاہد تھا۔ لہٰذا ان دونوں واقعات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والا بہر صورت ہلاک کئے جانے کا مستحق ہے۔ اور اس سے انتقام لیا جائیگا۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ کیلئے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اگر چہ یہ دونوں کافر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسان کرنے والے کے احسان کا ضرور بدلہ عطا فرماتے۔ اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابولہب کی آپ کے ساتھ جو قرابت تھی۔ وہ سب جانتے ہیں جب اس نے آپ کو اذیت پہنچائی۔ اور آپ کی مدد کرنے سے بنو ہاشم سے کٹ گیا۔ تو اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اتریں جو اتریں جن میں اس پر لعنت اور اس کا نام لیکر دھمکی دی گئی۔ تا کہ اسے ایسا رسوا کیا جائے جو کسی دوسرے کافر کو نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابولہب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کا ہی ایک کافر تھا۔ حتیٰ کہ ہم سے نکل گیا۔ جب قریش نے باہم قسمیں اٹھائی تھیں۔ اس نے ان کی پشت پناہی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لائق الفاظ سے یاد کیا۔ اور بنی مطلب جو عبد شمس اور نوفل کے ہم نسب تھے۔ جبکہ انہوں نے آپ کی اعانت کی۔ اور مدد کی حالانکہ یہ کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے احسان کا بدلہ دیا۔ اور انہیں اسلام کے بعد ذوی القربیٰ کے حصہ میں بنو ہاشم کے ساتھ رکھا۔

اسی طرح ابو طالب جب اس نے آپ کی مدد کی اور اعانت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا۔ تو اس کا عذاب ہلکا کر دیا گیا۔ اب وہ جہنمیوں میں سے خفیف ترین عذاب میں ہے۔ مروی ہے۔ کہ ابولہب کو اس کی شہادت کی انگلی کے پورے سے پینے کیلئے کچھ ملتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا۔ جب اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہوں۔ اگر مسلمانوں

کے ہاتھ سے ان کا قلع قمع نہیں کراتا۔ تو خود ایسے لوگوں سے انتقام لیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفایت فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿﴾ (الحجر) ۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿﴾ (الحجر)۔ جس کا آپ کا حکم دیا گیا ہے اسے پہنچا دیں اور مشرکین سے اعراض کریں۔ بیشک مشرکین کے مقابلہ میں ہم آپ کیلئے کافی ہیں۔ اس آیت میں جن استہزاء کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک ایک کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا وہ سب پر واضح ہے۔ سیرت نگاروں اور مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ قریش کے کرتا دھرتا تھے۔ جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، ابن عبد یغوث اور حارث بن قیس تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کی طرف دعوت نامے ارسال کئے۔ دونوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لیکن قیصر نے آپ ﷺ کے رقعہ کا احترام کیا۔ اور آپ کے ایلچی کی آؤ بھگت کی۔ جس کی بنا پر اس کی حکومت قائم رہی۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کی اولاد میں سے اب بھی صاحب اقتدار ہے۔ اور کسریٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رقعہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اور اس کا مذاق اڑایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تھوڑی مدت کے اندر ان کی حکومت کا صفایا کر دیا۔ اور مکمل طور پر اس کی حکومت تباہ و برباد ہوگئی۔ خود بھی قتل کر دیا گیا۔ کسریٰ کی اولاد میں سے آئندہ کیلئے کوئی برسر اقتدار نہ رہا۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿﴾ (الکوثر)۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یعنی آپ کو غصہ دلایا۔ اور آپ سے عداوت رکھی۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی جڑ اکھیڑ دے گا۔ اور اس کا نام و نشان مٹا دیگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ یا بقول بعض اس کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے متعلق یا کعب بن اشرف کے بارے میں ہوا تھا۔ ان کیساتھ جو اللہ تعالیٰ نے سلوک کیا پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

عام علماء کرام کی عزت سے کھیلنا زہر آلود حرکت ہے۔ جب عام علماء کی عزت کا یہ مقام ہے تو حضرات انبیاء کرام اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے کھیلنا کس درجہ سخت ہوگا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس نے میرے کسی دوست سے عداوت رکھی اس نے مجھے مقابلہ کیلئے دعوت دی۔ اگر عام ولی اللہ سے عداوت ایسی ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھنے والا کس قدر مغضوب ہوگا۔ اور جس نے بھی اللہ

تعالیٰ سے لڑائی لڑی وہ لازماً ذلیل و رسوا ہوا اور شکست خوردہ ہوا۔ جب تم قرآن کریم میں ان انبیاء کرام کے واقعات پڑھو گے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لا چکے۔ تو تم ان کی امتوں کے ہلاکت کے اسباب پر غور کرو انہیں اس وقت ہلاک کیا گیا جب انہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنے کے ساتھ انہیں اذیت پہنچائی۔ جب انہوں نے انبیاء کرام سے قبیح گفتگو کی۔ اور بد عملی پر اتر آئے۔ یونہی بنی اسرائیل پر ذلت ڈالی گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے۔ جب انہوں نے حضرات انبیاء کرام کو شہید کر دیا۔ ایک تو وہ کافر تھے اور اس کے ساتھ پیغمبروں کی شہادت انکے ہاتھوں سے ہوئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے۔ تو ان کا کوئی بھی حامی و ناصر نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے ہی ذکر فرمایا ہے۔ شائد تمہیں ایک بھی آدمی یا واقعہ ایسا نہیں ملے گا کہ کسی نے کسی پیغمبر کو اذیت پہنچائی ہو۔ پھر اس نے صدق دل سے توبہ نہ کر لی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسے کو عبرتناک سزا سے دوچار نہ کیا ہو۔

ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر آئے ہیں کہ مسلمانوں نے اس بات کا بارہا تجربہ کیا ہے کہ جب بھی کوئی کافر قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے پر اتر آتی ہے تو اس کا انتقام جلد لے لیا جاتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ بات بہت وسیع ہے۔ جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا یہاں مقصد ایسے واقعات بیان کرنا نہیں۔ بلکہ ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے اور اذیت پہنچانے والے کا ''حکم شرعی'' بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حمایت فرماتا ہے اور جو لوگ آپ کو تکلیف دینے کی ترکیبیں سوچتے ہیں۔ یا آپ کو گالی دیتے ہیں ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت ہر وقت آپ کے شامل حال ہے۔ اور ان کے ان ارادوں کو ہر طریقہ سے ناکام کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ الفاظ میں بھی حفاظت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیسے دور رکھا۔ اور ان کی لعنت سے مجھے کیسے بچایا۔ وہ کسی ''مذمم'' کو گالی دیتے ہیں۔ کسی مذمم پر لعن کرتے ہیں۔ میں تو (مذمم نہیں) محمد ہوں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی ہی ایسا رکھا کہ جس میں حمد ہی حمد ہے۔ اس نام کو اذیت یا اس نام کی برائی ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گالیوں اور بدزبانی کو کسی ''مذمم'' کی طرف پھیر دیا۔ اگرچہ اذیت پہنچانے والوں کا ارادہ یہی تھا۔ اور دشنام طرازوں کی نیت یہی تھی۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآل

وسلم کو ایسا کہہ رہے ہیں۔

جب ہماری پچھلی گفتگو اور دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپکے اصحاب کی سیرت وغیرہ یہی حکم دیتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا صرف اور صرف قتل کا مستحق ہے۔اب ہم یہ کہتے ہیں۔کہ اس کو صرف قتل کرنے کا حکم یا تو اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والا'' کافر حربی'' ہے۔یا کافر حربی کے ساتھ گالی دینے کی وجہ سے وہ واجب القتل ہوا۔ پہلی وجہ (صرف کافر حربی ہونا) باطل ہے۔کیونکہ بکثرت احادیث اس پر نص ہیں۔کہ محض'' کافر حربی'' کی وجہ سے ایسے کو قتل نہیں کیا گیا۔بلکہ عام احادیث اس پر نص ہیں۔کہ اس کا واجبی قتل صرف '' گالی دینے'' کی وجہ سے ہے۔اب ہم کہتے ہیں کہ جب'' حربی'' کا قتل کیا جانا'' گالی دینے'' کی وجہ سے ہوا۔تو پھر یہی حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے مسلمان، ذمی کا بھی ہوگا بلکہ بطریقہ اولیٰ ہوگا۔اس لئے قتل کا سبب'' محض گالی دینا'' ہے۔صرف کفر یا حربی ہونا نہیں۔جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔لہٰذا جہاں کہیں یہ سبب پایا جائے گا۔قتل واجب ہوگا۔اور یہ اس لئے کہ'' کفر'' کی وجہ سے کافر کا خون گرانا مباح ہوتا ہے۔یہ نہیں کہ ہر حال میں'' کفر'' کافر کے قتل کو لازم کر دیتا ہے۔کیونکہ جائز ہے کہ اسے امان دے دی جائے۔اسے اس کے گھر وشہر میں رہنے دیا جائے۔اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دیا جائے۔اور اس سے فدیہ وصول کر لیا جائے۔لیکن جب کافر سے عہد ہو گیا۔تو عہد نے اس کے خون کو محفوظ کر دیا۔جو خون کفر کی وجہ سے گرانا مباح تھا۔یہ ہے وہ فرق جو'' حربی'' اور'' ذمی'' کے درمیان ہے۔رہا ان کے سوا دوسرے موجبات قتل (اسباب قتل) تو وہ عہد کے حکم میں شامل نہیں ہوتے۔ہم سنت سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا کرتے تھے۔صرف اس کے گالی دینے کی وجہ سے۔نہ کہ اس کے محض کافر ہونے کی وجہ سے۔جس (کافر) کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔لہٰذا جب یہ سبب منعقد ہوگا۔یعنی قتل کو لازم کرنے والا سبب اور عہد بھی نہیں۔کہ اس کا خون معصوم ہو۔اس لئے ایسا شخص لازماً ہر حال میں'' سزائے قتل'' کا حقدار ہے۔

اگر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔تو وہ گالی دینے والا مرتد ہو جاتا ہے۔اور مرتد کا قتل اصل کافر کے قتل سے کہیں زیادہ لازم ہے۔اور ذمی اگر گالی دیتا ہے۔تو وہ'' کافر حربی'' ہو جاتا ہے۔جبکہ اس نے پہلے سے کئے گئے عہد کے خلاف کیا ہے۔اور ایسے کا قتل کیا جانا بھی زیادہ اہم ہے اور اس لئے بھی کہ ذمی سے ہم نے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا تھا۔کہ وہ گالی بکتا پھرے۔بلکہ اجماع اس بات پر ہے کہ ذمی کو عہد میں پابند کیا جائے گا۔کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دے گا۔

اس لئے جب وہ گالی دیتا ہے۔ تو اسے باجماع المسلمین سزا دی جائے گی۔ یا قتل کیا جائے گا۔ یا تعزیر لگائی جائے گی۔ اور یہ جائز نہیں کہ کسی ذمی کو کسی ایسے کام کرنے پر سزا دی جائے۔ جس کے کرنے کا اس سے معاہدہ ہوا تھا۔ پھر جب وہ ایسا کام کرتا ہے۔ جو اس کے معاہدہ کے تحت اسے کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے ذمی معاہد کو قتل کرایا ہے۔ تو اب ہم لازماً یہ کہیں گے کہ گالی دیکر اس نے وہ کام کیا ہے جس کی سزا قتل ہے۔ اور اس پر سے ایسا کرنے سے عہد اٹھ جائے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کا قتل کیا جانا بلا تردد جائز ہے۔ اس توجیہ سے اس کا قتل کیا جانا ہی متقاضی ہے۔ خواہ اس نے عہد توڑا یا نہیں توڑا۔ کیونکہ قتل کئے جانے کے ایسے اسباب کہ جن پر ہم نے اس ذمی سے کوئی عہد و اقرار نہ کیا تھا۔ اس سبب کے واقع ہونے پر ذمی کا قتل کیا جانا ہی تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قتل کے سبب کے واقع ہونے سے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ جس طرح کسی ذمہ عورت کے ساتھ زنا کرنے یا کسی ذمی پر ڈاکہ ڈالنے سے عہد نہیں ٹوٹتا۔ یا کسی ذمی کے قتل کرنے سے عہد نہیں ٹوٹتا۔ یونہی مذکورہ جرائم اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان سے کئے تب بھی اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کا عہد نہ توڑو۔ یا اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ لیکن عہد کے ہوتے ہوئے اسے قتل کیا جائے گا۔

اور یوں بھی کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے اس لئے بچتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ظاہر کر چکا ہے۔ اور ذمی اس لئے بچے گا کہ وہ ذمی ہونا تسلیم کر چکا ہے۔ اور اس کی ذمیت ظاہر ہو چکی ہے (تو جب مسلمان نے گالی بکی۔ تو ایمان سے گیا اور ذمی نے بکواس کیا۔ تو ذمیت سے گیا)۔

گزشتہ احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا قتل کیا جانا لازم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کا کئی مواضع و مقامات پر قتل کرنے کا خود "امر" دیا ہے۔ اور "امر" وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جب بھی کسی کی طرف سے آپ کو گالی دینا آپ کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا۔ یونہی آپ کے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ قتل کا حکم جس کے بارے میں آپ نے دیا۔ آپ سے اس کے لئے معاف کر دینا ممکن اور متوقع تھا۔ اور جہاں آپ کی طرف سے معاف کر دینا ناممکن ہو۔ وہاں گالی دینے والا کا قتل کیا جانا زیادہ مؤکد ہوگا۔ اور اس پر ابھارنا زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا۔ (معاف کر دینا ناممکن ہو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ہوگا) حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ایسے لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم دینا یہ بھی ایک جہاد کی قسم ہے۔ اور کافروں پر سختی کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ اور منافقین کی سرکوبی کا ایک راستہ یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا اظہار، اس کے کلمات کی بلندی اور اجراء کے طریقوں میں سے یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا جب مذکورہ اشیاء (جہاد، مشرکین ومنافقین پر سختی وغیرہ) واجب اور فرض ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کے حصول کا یہ طریقہ (گالی دینے والا کا قتل) بھی فرض ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ گالی دینے والا کا قتل کیا جانا فی الجملہ فرض ہے۔ اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے معاف کر دینے کا جواز تھا۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں تھا۔ جن کی تقدیر میں، اسلام قبول کر کے اس پر قائم رہنا تھا۔ اور اس کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا مقدر تھی۔ یا ان لوگوں کیلئے تھا۔ جو آپ کے ہاں اسلام قبول کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ ان کے علاوہ جو نہ اسلام قبول کرنے حاضر ہوئے ہوں نہ ان کی تقدیر میں اسلام تھا۔ ایسے بدزبانوں میں سے کسی ایک کو بھی آپ نے معاف نہیں فرمایا۔

اس حکم شرعی (یعنی بدزبان کا واجب القتل ہی ہونا) پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرات صحابہ کرام میں سے چند نے ان دو لونڈیوں میں سے ایک کو امن وامان دیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ اور بعض صحابہ کرام نے ابن ابی سرح کو امان دیا۔ جب یہ واجب القتل تھے تو امان دینے کا کیا مطلب؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے۔ کہ یہ دونوں اسلام کے متلاشی اور اسلام لانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ اور توبہ کرنے کی ان کی پکی نیت تھی۔ اور جو بدزبان ایسا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اسے معاف کر دینا جائز تھا۔ لہٰذا آپ کی طرف سے معاف کر دینا ممکن ہوا۔ تو بہرصورت قتل لازم نہ ہوا۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ بدزبان کا قتل واجب وفرض ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر حربی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دیتا۔ اس کا قتل کیا جانا واجب نہیں۔ بلکہ صرف جائز ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کسی کافر کا ذمی ہونا جس کا خون معصوم ہو گیا اگر وہ بھی گالی بکتا ہے تو اس کا ذمی ہونا اور اس کی ذمیت اس کے خون کو معصوم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ گالی دینے کی وجہ سے وہ واجب القتل ہو گیا ہے۔ ہاں اس کا خون معصوم رہ سکتا ہے جس کا کوئی جرم ایسا ہو جس میں اس کا قتل کیا جانا صرف جائز ہو واجب نہ ہو۔ کیا مرتد کی مثال ہمارے سامنے نہیں۔ اس کا کوئی ذمہ نہیں اور اس کے خلاف جب ڈاکو اور زانی کا قتل کیا جانا واجب ہے تو ان کا ذمہ (ذمی ہونا) ان کے قتل میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ بلکہ ان دونوں کو ذمی ہونے کے باوجود قتل کیا جائے گا۔ اور یہ بھی دیکھئے کہ ذمی کافر کو حربی کافر پر اگر کسی بات میں برتری

ہے۔تو وہ عہد کی وجہ سے ہے۔یعنی ذمی کافر سے ہم مسلمان حکومت نے عہد کررکھا ہے۔حربی کافر سے کوئی عہد نہیں ہوتا۔اور ذمی کا عہد اس بات کو مباح نہیں کر دیتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتا پھرے۔اور یہ بات اجماعی ہے۔لہٰذا ذمی اور حربی دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔کہ ان میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔وہ واجب القتل ہے۔اور ذمی کے ساتھ جو مخصوص عہد کیا گیا تھا۔وہ عہد اس کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اب عہد کے بعد اس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا مباح ہو گیا ہے۔لہٰذا اگر ذمی عہد ہو جانے کے بعد ایسا کام کرتا ہے (گالی بکنا) جو اس کے قتل کئے جانے کو واجب کر دیتا ہے۔(حالانکہ اس بات پر اس سے قطعاً عہد نہیں ہوا تھا۔کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے سکتا ہے) تو پھر ایسے ذمی کا قتل کیا جانا ضروری طور پر واجب ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف ایسے اشخاص کو امان دیتے نظر آتے ہیں۔جو آپ سے لڑائی کرتا ہے تو اس طرز نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو گالی دینا، آپ کے ساتھ جنگ کرنے سے کہیں زیادہ برا ہے۔یا کم از کم لڑائی کے برابر ہی ہو گا۔اور ذمی جب لڑائی پر اتر آتا ہے۔اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کیلئے پر تولنے لگتا ہے تو اسے قتل کیا جاتا ہے۔لہٰذا ذمی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اسے بطریقہ اولیٰ قتل کیا جانا واجب ہو گا۔

ذمی اگرچہ عہد کی وجہ سے معصوم الدم ہو جاتا ہے۔لیکن اسی عہد کے ذریعہ اس کو منع کیا گیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں نکال سکتا۔اور حربی کے ساتھ کوئی عہد نہیں ہوتا۔جو اس کے خون کو معصوم کر دے۔اور نہ ہی اسے کسی اور طریقہ سے گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔اب دونوں کا موازنہ کیا جائے۔تو ذمی کی حالت حربی سے کہیں زیادہ بری دکھائی دے گی۔کیونکہ ذمی کو عہد کے ذریعہ گالی بکنے سے روکا گیا تھا۔اور حربی سے ایسا کوئی عہد نہ تھا۔عداوت اور جرم کے اعتبار سے ذمی بہ نسبت حربی کے بڑا دشمن اور بڑا مجرم ہو گا۔(کہ عہد کے باوجود نہیں رکا) اور ذمی کو عبرتناک سزا بھی حربی سے زیادہ سخت دی جانی چاہئے۔کیونکہ اس کا جرم بھی زیادہ ہے۔اور گالی دینے کی سزا حربی کیلئے قتل ہے۔لہٰذا ذمی کا عہد جس نے اس کا خون معصوم قرار دیا تھا۔گالی دینے کی صورت میں اس نے اس عہد کی پاسداری نہیں کی۔اب اس نے عہد خود توڑا اور اب وہ عہد اس کو خون کے معصوم ہونے میں کوئی فائدہ نہ دیگا۔کیونکہ بات سیدھی سی ہے کہ جب تک ذمی ہمارے ساتھ درست رویہ رکھتا ہے ہم بھی اس سے ویسا ہی سلوک کریں گے اور اگر وہ ٹیڑھا راستہ اختیار کرتا ہے۔تو ہم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے۔یہ بات بالاتفاق ہے۔اس لئے ذمی کو سزا دی جائے گی۔"عہد" اس کا خون معصوم کرتا

ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مگر جب خون گرانے کا حق ہو تو پھر معصوم نہیں رہے گا۔ للہذا جب ذمی کے ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے پر بالاتفاق سزا دینا جائز ہے۔ (حالانکہ اس سے عہد کیا گیا تھا) تو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی نہ کوئی ایسا کام کیا ہوگا جس کی سزا اسے دی جا رہی ہے۔ اور سنت سے ثابت ہے کہ گالی دینے کی سزا قتل ہے۔ للہذا اگر ذمی یہ جرم کرتا ہے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہئے۔

مذکورہ احادیث سے استدلال میں ایک نکتہ یہ ہے کہ "ذمی" کو صرف اس وجہ سے قتل نہیں کیا جائیگا کہ گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ اس کا صرف عہد توڑنا اسے ایسا کافر کردے گا جس کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ (گویا عہد ٹوٹنے سے وہ "حربی کافر" ہو جائیگا، واجب القتل نہیں ہوگا) اور ان مذکورہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کو قتل کئے جانے کا حکم صرف اس لئے نہیں دیا کہ وہ کافر ہے۔ اور غیر معاہد ہے۔ آپ نے اس کے کفر اور عہد کو نہیں بلکہ اس کے گالی دینے کو سبب قتل قرار دیا۔ اگرچہ گالی دینا "کفر" کو لازم کر دیتا ہے۔ (یعنی آپ کو گالی دینے سے گالی دینے والا اگرچہ کافر ہو جاتا ہے) اور اس میں مسلمانوں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑائی کرنے کی عداوت موجود ہے۔ یہ قدر جہاں بھی پائی جائے گی۔ قتل کو واجب کردے گی۔

حدیث ۱۳: یہ حدیث ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی نے انہیں علی بن مسہر نے انہیں صالح بن حبان نے انہیں ابو بریدہ نے اور انہیں ان کے والد نے بیان کیا۔ کہ ایک مرد مدینہ منورہ کی جانب ایک قوم کے پاس آیا۔ آ کر ان سے کہنے لگا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں تم میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں۔ اور تمہارے مال کے بارے میں بھی مجھے اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا اختیار آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ فلاں فلاں چیز میں بھی یہی اختیار دیا ہے۔ اس شخص نے اس قوم کی ایک عورت سے جاہلیت میں شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن قوم نے اسے مذکورہ عورت بطور بیوی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا یہاں تک کہ اس عورت کے پاس آیا۔ قوم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ اس نے جا کر آپ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے۔ پھر آپ نے ایک شخص کو اس کی طرف روانہ فرمایا۔ اور فرمایا۔ اگر تمہیں زندہ مل جائے تو اسے قتل کر دینا۔ اور اگر تو اسے مرا ہوا پائے۔ تو اس کی لاش کو آگ میں جلا دینا۔ وہ چل پڑا۔ حتیٰ کہ جب اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اسے سانپ نے ڈسا ہے اور وہ مر چکا ہے۔ اس نے اسے آگ میں جلایا۔ اس واقعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔جو بھی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنالینا چاہئے۔

اسی روایت کو ابو احمد بن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں روایت کیا ہے۔لکھتے ہیں۔حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَنْبَرَ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ الشَّاعِرُ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مِسْهَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ اَبِي بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ۔فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے دومیل کے فاصلہ پر بنولیث کی ایک شاخ رہائش پذیر تھی۔ایک شخص نے دور جاہلیت میں اس شاخ کی ایک عورت سے نکاح کرنے کا پیغام دیا۔لیکن قبیلہ والوں نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔پھر یہی شخص ان کے پاس آیا۔اور اس نے ایک حُلّہ (کپڑوں کا نیا جوڑا) پہن رکھا تھا۔کہنے لگا۔کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ حلہ پہنایا ہے۔اور حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال اور تمہاری جانوں کے بارے میں فیصلہ کروں۔پھر وہاں سے نکلا اور اس عورت کے گھر آ گیا۔جس سے اسے محبت تھی۔قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اپنا آدمی روانہ کیا۔آپ نے اسے فرمایا۔اللہ کا دشمن! جھوٹ کہتا ہے۔پھر آپ نے ایک آدمی کو بھیجا۔اور فرمایا۔اگر تجھے زندہ مل جائے۔لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ تجھے زندہ ملے۔تو اس کی گردن مار دینا۔اور اگر تو اسے مردہ پائے تو آگ میں اسے جلا دینا۔راوی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ''

ابن تیمیہ نے لکھا۔کہ یہ اسناد صحیح بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔اس کی کوئی علت معلوم نہیں۔اور اس روایت کے دوسری وجہ سے شواہد موجود ہیں۔اسے معافی بن زکریا الحریری نے اپنی کتاب ''الجلیس'' میں ذکر کیا ہے۔حَدَّثَنَا اَبُوْ حَامِدِ الْحَضْرَمِي حَدَّثَنَا السَّرِي بْنَ مَزِيْدِ الْخَرَاسَانِي حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ الْغُزَارِي حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرَقَانِ اَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ سَائِبٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے دوستوں سے پوچھا۔کیا تم اس حدیث کی تاویل (مفہوم) جانتے ہو؟ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔جواب دیا۔کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق ہو گیا تھا۔شام کے وقت اس کے اہل خانہ کے پاس آیا۔اور آ کر کہنے لگا۔کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔اور فرمایا ہے کہ میں تمہارے گھروں میں سے جس گھر میں چاہوں رات بسر کروں۔وہ رات کا انتظار کر رہا تھا۔ان میں سے ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔اور عرض

کرنے لگا۔ یارسول اللہ! فلاں آدمی ہمارے ہاں آیا ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ آپ نے اسے حکم دیا کہ ہمارے گھروں میں سے کسی گھر میں وہ رات گزار سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹ کہتا ہے۔ اے فلاں! اٹھو اور اس کے ساتھ جاؤ۔ اگر تجھے اللہ تعالیٰ اس پر قدرت دے تو اس کو قتل کر دینا۔ اور اسے آگ میں جلا دینا۔ اور میں تیرے بارے میں یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس کیلئے کافی ہو گا۔ یا تجھے اسے قتل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایلچی آپ کے ہاں سے باہر نکلا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے واپس بلا لاؤ۔ جب واپس آ گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ کہ اس کی گردن اڑا دینا۔ اور یہ کہ اسے آگ میں جلا دینا۔ اب میرا حکم یہ ہے کہ اگر تجھے قدرت ہو تو اس کی گردن مار دینا۔ لیکن اسے آگ میں نہ جلانا۔ اس لئے کہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تجھے اس کے قتل کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر آسمان سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔ وہ شخص باہر نکلا۔ تاکہ وضو کرے۔ اچانک اسے سانپ نے کاٹ لیا (اور وہ مر گیا) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جہنم کی آگ میں ہے۔

ابو بکر بن مردویہ نے وازع عن ابی سلمۃ عن اسامۃ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''مَنْ يَّقُوْلُ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ'' جو شخص مجھ سے ایسی بات روایت کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی ہوتی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنا لے۔ اس ارشاد گرامی کا سبب یہ بنا۔ کہ آپ نے ایک شخص کو کہیں بھیجا۔ اس نے جا کر آپ کے حوالہ سے جھوٹ کہا۔ تو وہ مرا ہوا پایا گیا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور زمین اسے قبول نہ کرتی تھی۔

مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جھوٹ کہا۔ تو آپ نے حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ تاکہ اسے قتل کر دیں۔ '' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کو قتل کیا جائے'' اس مسئلہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: حدیث مذکور کے ظاہری معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جان بوجھ کر جھوٹی بات بیان کرتا ہے۔ اس کو قتل کر دینا چاہئے۔ ان علماء میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ ایسا قول کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ یہ قول ایک جماعت کا ہے۔ جن میں سے امام ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ابن عقیل نے اپنے شیخ ابو الفضل الہمدانی سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ اسلام میں بدعات کا رواج دینے والے، پرلے درجے کے جھوٹے اور

احادیث گھڑنے والے یہ لوگ ملحدین (بے دینوں) سے زیادہ خطرناک ہیں۔اس لئے کہ "ملحدین" اسلام کو اسلام سے باہر رہ کر نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔اور یہ لوگ دین میں رہ کر فساد بپا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ ان لوگوں کی مانند ہیں۔جو کسی شہر کے اندر رہائش پذیر ہوتے ہوئے اس شہر کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور "ملحدین" ایسے کہ جنھوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔اور باہر ہو کر نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔پس اندر کے رہائشی قلعہ کو کھول دیں گے اور شہر فتح ہو جائے گا۔اس لئے یہ لوگ اسلام کیلئے انتہائی شریر اور خطرناک ہیں۔اس قدر خطرناک وہ لوگ نہیں جنھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ نہیں رکھا۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جھوٹ بولنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹ بولنا ہے۔اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اِنَّ کَذِبًا عَلَیَّ لَیْسَ کَکَذِبٍ عَلٰی اَحَدِ کُمْ فَاِنَّ مَا اَمَرَ بِهِ الرَّسُوْلُ فَقَدْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ یَجِبُ اِتِّبَاعُهٗ الحدیث۔ بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا تم میں سے کوئی دوسرے پر جھوٹ باندھتا ہے۔بیشک جس بات کا رسول حکم دیتا ہے۔وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اس کی اتباع واجب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع واجب ہے اور جس بات کی اللہ تعالیٰ کا رسول خبر دے اس کی تصدیق اسی طرح واجب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی خبر کی تصدیق واجب ہے۔اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔اور گمان یہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے یا اس کا نبی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹی خبر دیتا ہے۔جیسا کہ مسیلمہ اور عنسی اور ان کی مانند جھوٹے نبی کیا کرتے تھے۔تو ایسا کرنے والا کافر ہے۔اس کا خون حلال ہے۔یونہی وہ شخص جو جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے۔کافر اور حلال الدم ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اس کے قائم مقام ہے کہ گویا جھوٹ باندھنے والے نے آپ کی تکذیب کی۔آپ کی نبوت کو جھٹلایا۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں (جھوٹ باندھنے اور جھٹلانے) کو اپنے اس قول میں جمع فرمایا ہے۔وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے یا حق کو آ جانے کے بعد جھٹلاتا ہے (العنکبوت:68)۔بلکہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا گناہ کے اعتبار سے اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جو آپ کو جھٹلاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں "جھوٹ باندھنے" کو ابتداء میں ذکر فرمایا۔یہ ایسے ہی

ہے جیسا کہ بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچ کہنے والا اس شخص سے بڑا درجہ پاتا ہے جو آپ کی خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے ایسا ہوا جیسا اس کی تکذیب کرنے والا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا بھی ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو جھٹلانے والا ہوتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''تکذیب'' ایک قسم کا جھوٹ ہی ہے۔ کیونکہ جس شخص نے آپ کی خبروں کو جھٹلایا۔ اس نے دراصل یہ کہا کہ آپ سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ اور آپ کی رسالت کو سچا نہ جاننا، اللہ تعالیٰ کے دین کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔ اور ایک خبر میں جھٹلانا اور تمام اخبار میں جھٹلانا ایک جیسا ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایسا شخص کافر اس لئے ہوگیا۔ کہ اس نے ایسا کہہ کر اللہ تعالیٰ کی رسالت اور اس کے دین کو باطل کردیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا کیا کرتا ہے یہی کہ جھوٹی بات کی نسبت حضور کی طرف کرتا ہے۔ اس طرح وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں جان بوجھ کر ایسی باتیں داخل کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو دین میں داخل ہوتی نہیں۔ اور گمان یہ رکھتا ہے کہ امت پر اس جھوٹی خبر کی تصدیق کرنا لازم ہے۔ اور اس جھوٹے حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دین بنا کر پیش کرتا ہے۔ حالانکہ اسے بخوبی معلوم ہے کہ یہ جھوٹی بات اور جھوٹا حکم ''دین'' نہیں ہے۔ یوں وہ دین میں غیر دین کی زیادتی کرتا ہے۔ اور دین میں زیادتی گویا دین کا نقص ہے۔ اور ایسے دو شخصوں میں کوئی فرق نہیں جن میں سے ایک قرآن کریم کی کسی آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ دوسرا از خود کلام گھڑتا ہے۔ اور گمان یہ رکھتا ہے کہ جو کچھ میں نے کلام گھڑا یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایک سورت ہے۔ اور وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جان بوجھ کر جھوٹ کہنا ایک قسم کا آپ سے استہزاء کرنا ہے اور آپ کی بے عزتی کرنے کے مترادف ہے۔ وہ اس طرح کہ ایسا کرنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایسی باتوں کا حکم دیا ہے۔ جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا۔ یا اس کا گمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کا حکم دیا۔ آپ کی طرف ''بیوقوفی'' کی نسبت کرتا ہے۔ یا یہ کہ آپ (معاذ اللہ) باطل چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتا ہے۔ اور دونوں کفر صریح ہیں۔

یوں بھی وجہ بن سکتی ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے والا اگر وہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

رمضان شریف کے علاوہ کسی اور مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں۔ یا اس کا یہ زعم ہے۔ کہ پانچ نمازوں سے زائد نماز فرض ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور گمان رکھتا ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی اور گوشت کو حرام کر دیا ہے اور وہ اپنے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سراسر جھوٹ ہے۔ ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ گمان رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں چیز واجب کر دی ہے جس کو آپ نے واجب نہ کیا ہو۔ یا آپ نے فلاں چیز حرام کر دی ہے جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو۔ تو اس نے دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اور جھوٹ باندھنے کے علاوہ اس نے زیادتی یہ بھی کی ہے کہ اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔ اور اپنے بارے میں یہ تاثر دیتا ہے کہ میں نے یہ حکم اجتہاد اور استنباط کے طور پر نہیں کہا ہے۔

بالجملہ جس شخص نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو جان بوجھ کر جھٹلایا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو شخص اس پر جھوٹ باندھے جس کی تعظیم کی جانی واجب تھی۔ اس نے گویا اس کی اہانت کی ہے اور اسے بے عزت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جھوٹ کہنے والا لازماً آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کر کے بدنام کرنے والا اور آپ کی شان کو کم کرنے والا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر اس شخص نے اس طرح کا آپ پر جھوٹ باندھا۔ جس طرح کا جھوٹ ابن ابی سرح نے باندھا تھا۔ ابن ابی سرح نے کہا تھا۔ حضور مجھ سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یا جھوٹ باندھنے والے نے آپ پر بعض تباہ کن فواحش کی کا الزام لگایا۔ یا خبیث اقوال کی نسبت کی۔ تو اس سے وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ اسی طرح آپ پر جھوٹ باندھنے والا کا معاملہ ہے۔ کیونکہ ایسا شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے کوئی حکم، کوئی خبر یا کوئی فعل لوگوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اگر وہ آپ کے حوالہ سے ایسا حکم پھیلاتا ہے جس کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ تو اس نے آپ کی شریعت میں زیادتی کر دی۔ اور یہ اس طرح کہ وہ کام جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہیں دیا اور جھوٹا شخص اسے آپ کا حکم بتا کر لوگوں سے وہ کام کروانا چاہتا ہے۔ وہ کام دراصل ایسا تھا جو حکم دیئے جانے کے لائق نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس کے لائق ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کا حکم دیتے۔ اس لئے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْئٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ إِلَّا اَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَا مِنْ شَيْءٍ يُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ

اِلَّا نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ'' میں نے جو چیز تمہیں جنت کے قریب کرنے والی تھی ایسی ہر چیز کا حکم دیا ہے۔ اور جو چیز تمہیں آگ سے دور رکھتی تھی۔ اس سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔ للہذا جب آپ نے اس کام کا حکم نہیں دیا ہوتا۔ جو جھوٹا شخص آپ کے حوالہ سے بتاتا ہے۔ تو اس کا حکم دیا جانا ہی ناجائز تھا۔ اب جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی ایسے حکم کی روایت کی اور کہا کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے۔ تو اس نے آپ کو ایسے کام کی طرف منسوب کر دیا جس کا حکم دینا آپ کیلئے جائز نہ تھا۔ اور یہی نسبت ''بے وقوفی'' کہلاتی ہے۔ یونہی اگر کوئی شخص آپ کی طرف سے کوئی خبر گھڑتا ہے۔ اور آپ کے حوالہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ خبر اگر واقعۃً ایسی خبر ہوتی۔ جس کا خبر دیا جانا جائز ہوتا۔ تو آپ اس کی خبر دیتے۔ یونہی اگر کوئی شخص آپ کی طرف سے کسی فعل کو نقل کرتا ہے۔ جس میں وہ سراسر جھوٹا ہے۔ اگر وہ فعل درحقیقت ایسا فعل ہوتا، جو کرنے کے لائق ہوتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بروئے کار لا کر اس کی جانب فعل کو ترجیح دیتے، لیکن جب آپ نے اس کام کو کیا ہی نہیں۔ تو پھر اس کا نہ کرنا ہی اولیٰ ٹھہرا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام احوال میں کامل ترین انسان ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قول یا فعل کو ترک کیا اس کا ترک اس کے کرنے سے اولیٰ ہے۔ اور جس کو آپ نے کیا اس کا کرنا اس کے ترک سے اولیٰ ہے۔ پس جب کسی شخص نے آپ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا۔ یا کسی نے آپ کی طرف سے ایسی خبر دی۔ جو واقعۃً نہ تھی۔ تو اس جھوٹ باندھنے والے اور جھوٹی خبر دینے والے نے آپ کی طرف اس کی نسبت کر کے آپ کی شان کو کم کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اگر وہ واقعی کوئی کمال ہوتا۔ تو آپ سے ضرور واقع ہوتا۔ اور جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کی وہ یقیناً کافر ہے۔

تم نے دیکھا۔ کہ یہ قول انتہائی مضبوط ہے۔ لیکن اس طرف بھی توجہ ہونی چاہئے۔ کہ ایک شخص وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کے سامنے جھوٹ کہتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو آپ پر بالواسطہ جھوٹ باندھتا ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا لازم ہے۔ بالواسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں بن فلاں نے فلاں بن فلاں سے مجھے یہ حدیث سنائی۔ اس طریقہ میں دراصل جھوٹ باندھنے کا تعلق اس آدمی کے ساتھ ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں) اور اس کی طرف اس نے حدیث کی نسبت کی ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ہی فرمائی ہے۔ اور ایسا کہنے والا بخوبی جانتا ہو کہ یہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ تو اس صورت میں یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنے کے تحت آ جائے گا۔

لیکن اگر کسی نے صرف افتراء کیا۔ اور خالص روایت آپ سے روایت کی۔ تو اس میں نظر (گنجائش) ہے۔ خاص کر حضرات صحابہ کرام کے بارے میں، کیونکہ تمام صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عادل" ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جب جھوٹ اگر ان حضرات میں شامل کسی سے واقع ہو۔ تو اس کا دین میں بہت بڑا نقصان لائے گا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جان بوجھ کر آپ پر جھوٹ باندھنے والے کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اور اس کی سزا میں جلدی فرمائی۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی۔ کہ اس طریقہ سے وہ منافق "عادل" حضرات میں داخل ہونے سے رک جائے۔ جو عادل ہے نہیں۔ منافق ہے۔ یا اس کی طرح کافر وغیرہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ ایک شخص ایسی حدیث کی روایت کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ تو اسے ایسی حدیث کی روایت کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "مَنْ رَوىٰ عَنِّيْ حَدِيْثًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ" جو شخص میری طرف سے ایسی حدیث کی روایت کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے (یعنی حضور کا ارشاد نہیں) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ لیکن اسے کافر نہیں کہا جائیگا۔ ہاں اگر وہ روایت کے ساتھ ایسی بات نتھی کر دیتا ہے۔ جو موجب کفر ہو (تو کافر ہو جائیگا) اسے کافر اس لئے نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک اعتبار سے سچا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے شیخ نے اسے وہی حدیث پہنچائی تھی۔ لیکن جب اسے علم ہو گیا کہ میرے شیخ نے اس میں جھوٹ کہا ہے۔ تو اس علم کے بعد اسے اس حدیث کی روایت کرنا حلال نہیں رہتا۔ پس یہ راوی اس گواہ کی طرح ہو گیا۔ جس نے کسی کے اقرار کو سن کر اس کے متعلق گواہی دی۔ یا کسی کی شہادت پر شہادت دیدی۔ یا عقد ہوتے دیکھا تو اس کی گواہی دیدی۔ حالانکہ وہ گواہ جانتا ہے کہ وہ (گواہی، شہادت اور عقد) باطل ہے۔ ایسی شہادت "حرام" ہوگی۔ لیکن وہ گواہ جھوٹ کا گواہ نہیں بنے گا۔

اس قول کے پیش نظر وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ وہ قتل کئے جانے کا اس شخص سے زیادہ مستحق ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس لئے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے والے نے دین میں ایسی چیز بڑھا دی جو دین میں نہ تھی۔ اور گالی دینے والے نے تو دین میں مکمل طور پر طعن کر دیا۔ اور اس وقت جب حقیقت حال یہ ہے۔ تبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا جس نے آپ پر جھوٹ باندھا تھا۔ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔ یونہی آپ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جانا ضروری ہے۔ بلکہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے۔ اور اس

سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی۔

دوسرا قول: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کو سخت ترین سزا دی جائے۔ لیکن اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ ہی اس کا قتل کیا جانا جائز ہے۔ اس لئے کہ قتل کو لازم کرنے والے اسباب اور کفر کے اسباب معلوم ومتعین ہیں۔ ان میں سے یہ (جھوٹ باندھنا) کوئی سبب نہیں ہے۔ پس ایسی بات کا ثابت کرنا جس کی اصل ہی کوئی نہ ہو۔ جائز نہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ قول کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہاں یہ پابندی اور شرائط لگانا ضروری ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے۔ جو عیب ظاہری پر مشتمل ہو۔ اگر جھوٹا آدمی یہ خبر دے کہ اس نے فلاں بات سنی ہے۔ اور بات ایسی کہے جو آپ کی تنقیص وعیب پر ظاہر دلالت کرتی ہو تو ایسا جھوٹا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہراً مذاق اڑانے والا ہوگا۔ اس کے کافر ہونے اور خون حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور وہ شخص جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے آپ پر ایسا جھوٹ باندھا تھا۔ جو آپ کی شان کو کم کرنے اور آپ میں عیب ثابت کرنے پر مشتمل تھا۔ کیونکہ اس نے یہ زعم کیا تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس قوم کے مال وخون کا حاکم بنایا تھا۔ اور اسے اجازت دی تھی کہ جس گھر میں چاہئے رات بسر کرے۔ اس سے اس کا مقصود یہ تھا۔ کہ اپنی محبوبہ کے پاس رات گزارے تاکہ اس سے بدکاری کرے۔ اور قوم کو انکار کرنے کی گنجائش نہ ہو کیونکہ وہ ان کے مال وخون کا حاکم بنایا گیا تھا اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرام کو حلال نہیں کرتے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے خون ومال ایسی قابل احترام اشیاء کو حلال قرار دیدیا ہے۔ اور بے حیائی کی اجازت دیدی ہے۔ تو اس نے دراصل آپ کی شان میں نقص پیدا کیا اور عیب لگایا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کا حکم دیدیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث مذکور اس بارے میں نص ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کرنے والا دونوں اقوال کے مطابق توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے گا۔

حدیث ۱۴: یہ حدیث ایک اعرابی کے بارے میں ہے جس کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مال عطا فرمایا تھا تو کہنے لگا۔ "مَا اَحْسَنْتَ وَلَا اَجْمَلْتَ" آپ نے کوئی اچھا انداز نہیں اپنایا۔ اس کی اس بات پر مسلمانوں نے اسے قتل کرنا چاہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر میں تمہیں چھوڑ دیتا جب اس شخص نے کہا جو کہا۔ پس تم اسے قتل کردیتے تو وہ لازماً جہنم کی آگ میں جاتا۔

یہ حدیث مبارک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت

پہنچاتا ہے جب اسے قتل کیا جائے تو وہ جہنمی ہے۔ اور یہ (اس کا جہنمی ہونا) اس کے کفر کی دلیل ہے۔ اور اس کے قتل کے جواز کی دلیل ہے۔ ورنہ وہ شہید ہوتا اور اس کو قتل کرنے والا جہنمی ہوتا۔ رہا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا تھا اور اس کی درخواست پر آپ اس سے راضی ہو گئے تھے۔ تو یہ اس لئے کہ ایسا کرنے کا اختیار صرف آپ کو تھا کہ جو آپ کو اذیت پہنچائے اسے آپ معاف فرما دیں (کسی دوسرے کو اس کا اختیار نہیں)۔

اسی بات سے اس واقعہ کا بھی تعلق ہے جس میں مذکور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "حنین" کے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ تو ایک شخص نے آپ کو کہا۔ "اِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ مَا اُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى" یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے ارادے سے نہیں ہوئی۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجئے کہ میں اس منافق کو قتل کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اَنْ يَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنِّيْ اَقْتُلُ اَصْحَابِيْ" خدا کی پناہ! لوگ کہتے پھریں گے۔ کہ میں نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بتایا۔ کہ اس کی پشت سے ایسی قوم آئے گی۔ جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو اس کے قتل کرنے سے منع اس لئے کیا تھا۔ کہ لوگ آپس میں یہ نہ کہتے پھریں۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا۔ اس لئے منع نہیں کیا تھا۔ کہ اس کا خون اور وہ خود محفوظ و معصوم عن القتل ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں فرمایا تھا۔ جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا رقعہ عورت سے برآمد ہو گیا۔ تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا۔ حضور! میں نے یہ جو فعل کیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں کافر ہو گیا ہوں یا مرتد ہو گیا ہوں۔ اور نہ اس لئے کہ میں اسلام کے بعد کفر کو پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اس نے تمہارے سامنے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ شخص یقیناً بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تمہیں کیا علم کہ شائد (یقیناً) اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر متوجہ ہو کر فرما دیا ہے۔ "اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ" جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں یقیناً معاف کر دیا ہے۔ آپ نے یہ ارشاد فرما کر واضح کر دیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ایمان پر قائم ہیں۔ اور ان سے جو فعل بدر میں شرکت صادر ہو گیا وہ ایسا ہے جس کی برکت سے ان کے بعد والے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے سو معلوم ہوا کہ ان کا خون معصوم ہے اور اعرابی کے واقعہ میں

(جسے حضور کی اعطاء اچھی نہ لگی) آپ نے اس کی ایسی علت بیان فرمائی۔ (یہ کہ لوگ مجھے قاتل کہتے پھریں گے) جو مفسدہ ہے لیکن زائل ہونے والی ہے۔ (یعنی اگر لوگوں میں چرچا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتو قتل لازماً تھا) سو معلوم ہوا کہ ایسے شخص کا قتل جب اس کے قتل کئے جانے سے کوئی فساد رونما نہ ہو۔ جائز ہے۔ اسی لئے جب فساد وغیرہ کا خدشہ ختم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط اے نبی محترم! آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ارشاد فرمایا تھا۔ (توبہ:73)۔ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ (الاحزاب:48) کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیئے اور ان کی ایذاء کو بھول جائیے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول "جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ" منسوخ ہے۔ اور اسے وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ الایۃ نے منسوخ کیا ہے۔

اعرابی کے گزشتہ واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن ابی نے جب کہا۔ اگر ہم واپس مدینہ پلٹے تو ہم طاقت ور اور کرتے دھرتے لوگ مدینہ سے لازماً کمزور اور غریب لوگوں کو باہر نکال دیں گے۔ اور اس نے یہ بھی کہا تھا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ انہیں کھانے پینے وغیرہ میں مدد مت دو۔ یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو جائیں۔ عبداللہ بن ابی کی ان باتوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ کہ اسے قتل کرنے دیا جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اگر اجازت دیدوں اور تم قتل کر دو تو پھر) اس وقت اس کے حق میں بہت سے اہل مدینہ ہم پر برس پڑیں گے۔ اور فرمایا۔ لوگ یہ بات نہ کرتے پھریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو مروا دیتے ہیں۔ یہ قصہ مشہور ہے۔ اور بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔

سو معلوم ہوا کہ جو شخص اس قسم کی گفتگو کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اس کا قتل جائز ہے۔ جب قتل کئے جانے کیلئے قدرت (حالات سازگار) ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل سے اجتناب اس لئے برتا کہ ایسا کرنے سے بہت سے لوگ اسلام چھوڑ جائیں گے۔ کیونکہ ابھی اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا۔

اسی باب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے۔ "مَنْ يَعْذِرُنِيْ فِيْ رَجُلٍ بَلَغَنِيْ اَذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ" اس شخص کے بارے میں میرا ہاتھ کون بٹائے گا۔ جس نے میرے اہل (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں الزام تراش کر مجھے اذیت پہنچائی؟ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ

عنہ نے عرض کیا۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کو سر خرو کرتا ہوں۔ میں اس کی گردن مار دوں گا۔ قصہ مشہور ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کی بات کا انکار نہ فرمایا۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے اور آپ کی تنقیص شان کرتا ہے۔ اس کی گردن اڑانا (قتل کرنا) جائز ہے۔

عبداللہ بن ابی اور دوسرے لوگوں نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا تھا۔ ان دونوں (عبداللہ بن ابی اور اس کے علاوہ دوسرے) میں فرق یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کا مقصد ان باتوں سے یہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی اور آپ پر طعن کیا جائے۔ اور آپ کو شرم دلائی جائے۔ وہ اس غرض سے اس قسم کی (تہمت کے علاوہ) اور باتیں بھی کرتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے کہا۔ کہ ہم اسے قتل کریں گے۔ اس کے برخلاف حضرت حسان بن ثابت، مسطح اور خستہ وغیرہ نے (بھی اگرچہ الزام میں شرکت کی) اپنی گفتگو میں یہ ارادے نہ کئے تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے ایسی مزید باتیں کی تھیں۔ جو اس مقصد کی طرف نشاندہی کرتی ہوں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے بارے میں ہاتھ بٹانے کی خواہش کی۔ دوسروں کے بارے میں آپ نے ایسا ارشاد نہیں فرمایا۔ اور اس وجہ سے آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو قریب تھا کہ دو قبیلے ایک دوسرے کا خون بہاتے۔

حدیث ۱۵: اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال غنیمت تقسیم فرمانے کا ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو سفیان بن حرب، اس کی اولاد اور قریش کے بعض سرکردہ لوگوں کو غنیمت کی وافر مقدار اس لئے عطا فرمائی۔ تا کہ ان لوگوں کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے۔ اور یہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر بعض بے دینوں نے اعتراض کیا۔ آپ نے اس بے دین کے قتل کا حکم دیدیا۔ لیکن وہ نہ مل سکا۔ یہ شخص ان خوارج کا اصل اور بانی تھا۔ جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج (بغاوت) کی تھی۔ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر چند احادیث ذکر کیں۔ جن کا تعلق غزوۂ حنین وغیرہ کے ساتھ ہے۔ پھر کہا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم یا تقسیم فرمانے پر آپ کو عیب لگاتا اور بدنام کرتا ہے اس کا قتل کیا جانا واجب ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں ایسا حکم دیا ہے۔ اور یہی حکم آپ کے وصال کے بعد بھی ہے۔

ایک سوال: ابن تیمیہ نے اس کے بعد ایک سوال لکھا۔ جس کا بعد میں جواب بھی لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا گزشتہ حدیث ۱۵ میں ذکر کیا گیا کہ انہوں نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا۔ یہ عیب

لگانے والے بھی منافق ہیں۔ ان کا نفاق "کفر" کا موجب ہے۔ اور ان کا خون حلال ہے۔ حتیٰ کہ اس قائل کے ہم نوا اور ہم جنس لوگ "بدترین مخلوق" قرار پائے۔ ایک طرف تو اعتراض کرنے والوں کی یہ حیثیت ہے۔ اور دوسری طرف قریش اور انصار کے کچھ لوگ ہیں۔ جو آپ کی تقسیم پر ناراض ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ (کیونکہ اول الذکر کے قتل کا حکم دیا تھا اور مؤخر الذکر کے بارے میں آپ نے ایسا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ معترض دونوں ہیں)۔

قریش وانصار کی ناراضگی کا ذکر درج ذیل احادیث سے مذکور ہے۔

**حدیث ۱:** حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح میں ہے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ذھبیہ" یعنی سونا چار آدمیوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔ تو قریش اور انصار ناراض ہوئے۔ کہنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجد کے بڑوں کو تو عطا کیا ہے، ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں اس طرح (انہیں دیکر) ان کے دلوں میں اسلام کی الفت ومحبت ڈالنا چاہتا ہوں۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تو ایک گہری آنکھوں والا شخص آگے بڑھا۔ اس کے بعد اس معترض کی بات ذکر کی۔

**حدیث ۲:** مسلم شریف میں مروی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک نے کہا۔ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ حقدار تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ میں امین ہوں اس کا جو آسمانوں میں ہے۔ وہ مجھے صبح وشام آسمان کی خبر دیتا ہے۔ اس پر ایک گہری آنکھوں والے نے کہا...... الحدیث۔

**حدیث ۳:** حنین کی غنیمتوں کی تقسیم پر انصار نے بھی اعتراض کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے چند آدمیوں نے حنین کے دن کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ھوازن کا مال بطور غنیمت عطا فرمایا۔ جو بھی عطا فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے آدمیوں کو ایک سو اونٹ دے دیتے ہیں۔ سو کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف فرمائے۔ قریش کو تو آپ دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے گرتے ہیں۔

**حدیث ۴:** ایک اور روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا۔ تو آپ نے مال غنیمت قریش میں تقسیم فرمایا۔ اس پر انصار بولے۔ جب لڑائی اور جنگ کا وقت ہو تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو آپ دیتے دوسروں کو ہیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کی یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے انصار کی طرف کسی کو بھیجا۔ تاکہ انہیں جمع ہونے کا آپ کا پیغام پہنچائے۔ اس پر انصار چمڑے سے بنے ایک سائبان کے نیچے جمع ہوئے۔ اور ان کے مجمع میں کسی غیر انصاری کو نہ آنے دیا گیا۔ جب وہ جمع ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ تمہاری طرف سے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے؟ یہ سن کر فقہاء انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جو ہم میں سے صاحب رائے ہیں۔ انہوں نے تو کوئی بات نہیں کہی۔ ہاں ہم میں سے وہ لوگ جن کی عمر ابھی پختہ نہیں انہوں نے کہا تھا۔ "اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے۔ قریش کو وہ دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں" تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے ان مردوں کو دیا ہے جن کا کفر کا زمانہ بہت قریب تھا۔ (یعنی مسلمان ہوئے تھوڑا وقت گزرا تھا) میں نے انہیں ان کی اسلام سے الفت بڑھانے اور مضبوط کرنے کیلئے دیا ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ مال واسباب لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کے ساتھ اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف جاؤ؟ اور جو تم لیکر واپس ہو وہ اس سے بہتر ہو جو وہ لیکر واپس جائیں؟ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہاں۔ ہم راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت جلد میرے بعد تم شدید خود غرضی دیکھو گے۔ سو تم صبر کرو۔ حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول کو حوض کوثر پر پاؤ۔ کہنے لگے۔ ہم صبر کریں گے۔

جواب: مذکورہ سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قریش اور انصار وغیرہ میں سے کسی مومن نے جو بات کی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تجویز نہ دی گئی اور نہ ہی آپ کے عمل شریف کے خلاف تجویز پیش کی گئی۔ اور نہ ہی آپ پر یہ تہمت دھری گئی۔ کہ آپ نے جو تقسیم فرمائی اس میں غلطی کی۔ اور ہوائے نفس کے تحت ایسا کیا۔ اور نہ ہی کسی نے آپ کی طرف یہ بات منسوب کی۔ کہ آپ نے اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہیں رکھا۔ یا اس قسم کے الفاظ نہیں کہے۔ جو منافقین نے کہے تھے۔ پھر دونوں قبیلوں کے صاحب رائے لوگ جو جمہور ہیں۔ انہوں نے تو بالکل کوئی بات تک نہ کی۔ بلکہ وہ تو اس پر راضی تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے عطا کیا تھا۔ اور انہوں نے یہ کہا تھا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ۔ عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ انصار کے فقہاء نے کہا تھا۔ کہ ہم میں سے صاحب رائے نے تو کوئی بات نہیں کہی۔ جن لوگوں نے کچھ کہا ہے۔ وہ نوعمری کی وجہ سے ہوا۔ لہٰذا ان حضرات نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کی تقسیم اسلامی مصلحتوں کے مطابق کی ہے۔ اور آپ نے جسے کچھ دیا وہ بھی برمحل تھا۔ اور جسے محروم

رکھا وہ بھی درست تھا۔ اس میں انہیں کوئی شکایت نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصلحت کا علم بذریعہ وحی بھی ہوتا تھا اور بذریعہ اجتہاد بھی کبھی مصلحت سامنے آجاتی تھی۔ حضرات صحابہ کرام کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ آپ نے جو کام کیا وہ کس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آپ نے فرما دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ ہے۔ سو جو شخص اسے مکروہ جانے اور ناپسند کرے۔ یا اس پر اعتراض کرے۔ جبکہ آپ نے یہ بتا دیا ہو کہ یہ بذریعہ وحی ہے تو وہ کافر اور جھٹلانے والا ہے۔ اور جائز ہے کہ آپ کی تقسیم ازروئے اجتہاد ہو۔ حضرات صحابہ کرام امور دنیویہ میں جن کا تعلق دینی مصلحتوں سے ہوتا تھا ان کے بارے میں آپ کے اجتہاد سے اختلاف کرتے تھے اور یہ ایسا موضوع ہے جس میں امت متفق ہے کہ اس پر عمل جائز ہے اور بعض دفعہ حضرات صحابہ کرام آپ سے دریافت کرتے تھے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ اس میں آپ سے مراجعت کی درخواست کی جائے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کام کی وجہ سمجھیں۔ اور اس کے سبب میں تفقہ حاصل کریں۔ اور اس کی علت جان سکیں۔ حضرات صحابہ کرام کی طرف سے جائز مراجعت ان دو وجوہات سے باہر نہیں۔ اول یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکمیل نظر اس میں ہو جائے۔ لیکن یہ اس کام میں ہوگا جس کا تعلق امور سیاست سے ہوتا ہو۔ اور وہ بھی ایسے امور ہوں کہ جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔ دوم یہ کہ صحابہ کرام کو حضور کے ذکر کرنے سے اس کی وجہ معلوم ہو جائے۔ اور ان کے علم وایمان میں زیادتی ہو جائے۔ اور ان کیلئے ان میں تفقہ کا راستہ کھل جائے۔

پہلی وجہ کی مثال یہ ہے کہ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدر میں ایک جگہ سواری سے اتر کر قیام فرماتے دیکھا تو پوچھنے لگے۔ یا رسول اللہ! کیا یہ جگہ جہاں آپ اترے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اترنے کا حکم دیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ہمیں اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ یا لڑائی کیلئے کوئی چال چلنا اس جگہ سے تعلق رکھتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور جنگ کیلئے ایک چال کی خاطر یہاں پڑاؤ کیا گیا ہے۔ اس پر جناب حباب بن منذر رضی اللہ عنہ بولے۔ یہ لڑائی کیلئے مناسب جگہ نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے کو قبول کر لیا۔ اور اس جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر "غطفان" سے مدینہ منورہ کی کھجوروں کے نصف حصہ پر صلح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان!

یہ جو چیز آپ ان کو عطا فرما رہے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے؟ اگر ایسا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سر تسلیم خم ہے۔ یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ میری ذاتی ہی رائے ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ قوم تمہیں مال دے گی۔ تو تمہارے پاس بھی اس قدر ذخیرہ ہو جائے گا۔ جو دوسرے قبائل میں تم دیکھتے ہو۔ اور تم تو ہو بھی صرف ایک ہی قبیلہ۔ سو میں نے چاہا کہ ان میں سے بعض کو کچھ دیکر دور کر دوں۔ اور دوسروں کیلئے کچھ مقرر کر دوں تاکہ تم اے انصار اس سے کچھ خرید کر اپنے حالات درست کر لو۔ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بولے۔ یا رسول اللہ! ہم جب شرکیہ زندگی میں تھے۔ تو وہ ہم سے نصف لینے کی امید نہ رکھتے تھے۔ یا اس وقت جو بھی الفاظ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ لوگ ہم سے ماسوائے خریدنے اور مہمان بننے کے ایک کھجور بھی نہ کھاتے تھے۔ آج یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ خدا کی قسم! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور آپ ہم میں تشریف فرما ہیں۔ ہم انہیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ ان کی کوئی عزت و کرامت نہیں ہے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ نے تحریر نامہ لیا۔ اس میں تھوکا اور پھینک دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو رائے یا اظہار خیال کسی دنیوی کام میں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں لگانے کا حکم دیا (جسے تلقیح کہتے ہیں) تو اس سلسلہ میں آپ نے بالآخر یہ فرمایا۔ میرا مشورہ تمہارے کام نہ آیا۔ یہ صرف میرا خیال تھا۔ لہٰذا تم میرے ظن اور رائے کے پابند نہیں ہو۔ ہاں اگر میں تمہیں کسی چیز کے بارے میں یہ کہوں کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو تمہیں اس کو لازماً اختیار کرنا ہوگا۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جھوٹ نہیں کہتا۔ (رواہ مسلم) ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم دنیوی کام مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ پس جو حکم تمہارے دین کے بارے میں ہو۔ وہ میرے حوالہ کر دیا کرو۔

اسی قبیلہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کو کچھ عطا فرمایا۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے اس گروہ میں سے ایک شخص کو کچھ نہ دیا۔ حالانکہ وہ آدمی میرے نزدیک ان سب سے زیادہ حقدار تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے فلاں اور فلاں کو تو عطا فرمایا لیکن فلاں کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ مومن ہے۔ فرمایا وہ مسلمان ہے حضرت سعد نے یہ بات تین بار آپ کی بارگاہ میں عرض کی۔ آپ نے بھی تین مرتبہ وہی جواب ارشاد

فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ میں اسے دے سکتا ہوں جس طرح دوسروں کو میں نے دیا۔ لیکن مجھے خطرہ ہے کہ اس شخص کو اگر دیا تو یہ مال اس کے منہ کے بل جہنم میں گرنے کا سبب نہ بن جائے۔ (متفق علیہ) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر جو آپ سے نہ دینے کے بارے میں پوچھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ ان کو خیال آیا۔ کہ شائد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے دینا یاد نہ رہا۔ لہٰذا سوال کے ذریعہ آپ کو یاد دلایا جائے۔ تا کہ جہاں دوسرے کو دیا گیا۔ اسے بھی مل جاتا۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت سعد اپنے طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہ جب آپ نے اس کے دوسرے ساتھیوں کو دیا ہے۔ اور اسے نہیں دیا تو اس کے محروم رکھے جانے کی کیا وجہ اور اس میں کیا حکمت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ دینا محض ایمان کی بنا پر نہیں ہے۔ یعنی جو صاحب ایمان ہو اس کو دیا جائے۔ اور جو نہ ہو وہ محروم رکھا جائے۔ میں دیتا ہوں اور نہیں بھی دیتا۔ لیکن جسے میں دیتا ہوں۔ وہ میرے نزدیک اتنا اچھا نہیں ہوتا جس قدر اچھا وہ ہوتا ہے جس کو میں نہیں دیتا۔ کیونکہ جسے میں دیتا ہوں۔ اگر میں اسے نہ دیتا۔ تو وہ کفر اختیار کر لیتا۔ لہٰذا میں اسے دیتا ہوں تا کہ میں اس کا ایمان اس کیلئے محفوظ کر دوں۔ اور میں اسے ان لوگوں میں نہ جانے دوں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کنارے پر کرتے ہیں۔ (یعنی اگر حالات ٹھیک ہوں تو اللہ اللہ کرتے ہیں اور اگر پریشانی لاحق ہو جائے تو تبدیل ہو جاتے ہیں) اور جس شخص کو میں نہیں دیتا۔ اس کے پاس یقین و ایمان کی دولت ایسی مضبوط ہوتی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ دنیا سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ اور افضل ہے وہ اللہ تعالیٰ سے پختہ تعلق رکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور دنیوی حصہ کے مقابلہ میں وہ دینی حصہ قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ ابوبکر صدیق وغیرہ نے کیا۔ اور جیسا کہ انصار نے اس وقت کہا جب وہ خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ اور اہل نجد بکریاں اور اونٹ لیکر واپس گئے تھے۔ انصار کے ساتھ اللہ کے رسول تھے جن کے ہوتے ہوئے انہیں بھیڑ بکری یا اونٹ کی ضرورت نہ تھی۔ پھر دوسری بات اس (حدیث مذکور) میں یہ بھی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا صرف ایمان کی وجہ سے ہوتی۔ یعنی جس میں صفت ایمان پائی جاتی۔ وہ عطاء کا مستحق ہوتا۔ اے سعد! تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اس کے مومن ہونے کا کیسے پتہ چلا؟ ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمان ہو۔ اور ابھی ایمان نے اس کے دل میں گھر نہ کیا ہو۔ اور یہ بات واقعی درست ہے۔ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے مومن ہونے یا نہ ہونے کی تمیز حضرت سعد سے کہیں زیادہ جانتے تھے۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ بھی ہے۔ جسے ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم بن حارث سے ذکر کیا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرما دیئے۔ لیکن جعیل بن سراقہ ضمری کو آپ نے کچھ بھی نہیں دیا؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جعیل بن سراقہ میرے نزدیک عینیہ اور اقرع جیسے نامی گرامی لوگوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے ان دونوں کو اسلام کی محبت میں آگے آنے کیلئے عطا کیا ہے اور جعیل بن سراقہ کو اس کے اسلام کے سپرد کیا ہے۔

بعض اہل مغازی نے انصار کے واقعہ میں لکھا ہے کہ انصار کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا کہ ہماری خواہش تھی کہ ہمیں اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کرنا کہاں سے ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تو ہم صبر کریں گے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے تھی۔ تو ہم آپ سے ''استعتاب' کریں گے۔ (استعتاب کا معنیٰ آگے آ رہا ہے) انصار کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انصار نے سوال کیا تھا۔ انہیں یہ سمجھ آیا تھا۔ کہ آپ نے مال کی تقسیم اپنی ذاتی رائے سے کی تھی۔ اور اس میں جو مصلحت تھی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو افضل تھا اور جو افضل نہ تھے انہیں عطا فرما دیا۔ سوال کرنے والے کی بظاہر رائے ایسی تھی۔ جو چاہتی ہے کہ افضل کو دیا جانا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ آپ بھی بخشش وعطاء میں دوسروں کی طرح تقسیم فرماتے ہیں۔ ''استعتاب'' کا معنیٰ یہی ہے۔ یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تا کہ ہماری پریشانی دور فرما دی جائے جس کے دور ہونے کے دو ہی طریقے تھے ایک یہ کہ وہ وجہ بیان فرما دیں جس کی بنا پر دوسروں کو دیا گیا۔ یا پھر ہمیں بھی عطا فرما دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی بارگاہ میں عذر لاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ پسند فرمایا۔ کہ انصار بھی اپنا عذر بیان کر دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل شریف میں آپ کی حکمت کو جان جائیں۔ تو آپ نے ان کو واضح کر دیا۔ جب حقیقت حال انصار پر کھلی۔ تو اتنے روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور ایسے راضی ہو گئے جیسا کہ راضی ہونے کا حق ہوتا ہے۔

ان حضرات کی گفتگو جو ذکر کی گئی ہے۔ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ان کے خیال میں آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقسیم فرمانا از روئے اجتہاد تھا۔ اور انکا یہ بھی خیال تھا کہ ہم بہ نسبت دوسروں کے عطاء کے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن جب تقسیم ان کے خیال کے مطابق نہ ہوئی تو انہیں تعجب ہوا۔ اور پھر انہوں نے معلوم کرنا چاہا کہ کیا تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے مطابق ہوئی یا آپ نے ذاتی رائے سے ایسا کیا؟ اور اگر آپ نے اجتہاد سے تقسیم فرمائی تو کیا اس میں سوال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کی مصلحت آپ ہی بہتر جانتے تھے۔ یا پھر آپ نے ایسے اجتہاد سے تقسیم فرمائی۔ جس میں دوسروں کی رائے بھی قبول کی جاسکتی ہے؟ جبکہ دوسرے کی رائے زیادہ بہتر ہو؟ اور یہ بھی ممکن کہ یہ تقسیم ایسی ہے جس میں آپ کی رائے کا دخل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قائم کیا ہو؟ انہی خیالات کے پیش نظر انصار نے کہا تھا۔ "اللہ تعالیٰ رسول اللہ کی مغفرت کرے۔ آپ قریش کو تو دیتے ہیں اور ہمیں محروم رکھتے ہیں۔ اور ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں"۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار نے کہا۔ "یہ عجیب تقسیم ہے۔ ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں۔ اور ہماری غنیمت انہیں دی جاتی ہے"۔ ایک اور روایت میں یوں بھی آیا ہے۔ "جب حالات سنگین ہوتے ہیں تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے"۔

ان عطیہ جات کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا یہ اصل مال غنیمت میں سے تھے یا مال غنیمت کے خمس میں سے تھے؟ جناب سعد بن ابراہیم اور یعقوب بن عتبہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مذکورہ عطیہ جات مال غنیمت میں سے تھے۔ اگر یہ روایت درست مانی جائے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال غنیمت میں سے لوگوں کا حصہ لینا (اور اسے تقسیم فرمانا) ان لوگوں کے رضامندی سے ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ آپ نے ان لوگوں کیلئے جن کے حصہ میں یہ مال غنیمت آتا تھا۔ انہیں مال غنیمت کی بجائے بحرین کی کچھ زمین دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ تو ان انصار نے عرض کیا۔ کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی زمینیں دیں۔ تب ہم لیں گے۔ اسلیئے جب بحرین کا مال آیا۔ اور نماز فجر ادا ہو چکی۔ تو آپ نے حضرت جابر کو فرمایا۔ کاش کہ بحرین کا مال آجائے تو میں تجھے اس میں سے فلاں فلاں مال عطا کروں گا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تقسیم کرنے سے قبل اجازت طلب نہیں کی تھی۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ سب جو میں کروں گا اس پر راضی ہیں۔ اور طریقہ بھی یہی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دوست کی عادت سے بخوبی واقف ہو کہ اس کے مال میں سے لینے پر وہ ناراض نہیں ہوتا۔ بلکہ خوشی محسوس کرتا ہے تو ایسے میں اس کا مال لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اگرچہ زبانی یا تحریری اس سے اجازت نہ بھی لی گئی ہو۔ اور یہ معاملہ حضرات

صحابہ کرام اور تابعین کے درمیان معروف و مشہور تھا۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالوں کا بنا گچھا مانگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ دیکھو! جو میری یا بنی ہاشم کی ملکیت میں ہے وہ سب کچھ تمہارا ہے۔ اس تقریر (یعنی مال غنیمت ہی تھا اور انصار وغیرہ سے زبانی اجازت لئے بغیر تقسیم کر دینا) پر جب اس مال غنیمت کے مالکوں نے آپ سے اپنا حصہ مانگ لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جناب موسیٰ بن ابراہیم بن عقبہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ مال ''خمس'' میں سے تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ یہ قول پہلے قول کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہے۔ اس قول کے مطابق ''خمس'' کو امام اپنے اجتہاد سے تقسیم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک کا قول ہے یا پھر اس کے پانچ حصے کرے گا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد بھی یہی قول کرتے ہیں۔ پھر جب امام اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ تو اسے اتفاق سے کوئی یتیم یا مسکین یا ابن السبیل نہیں ملتا۔ جس کو ان میں سے عطا کرے۔ یا ملتے ہیں۔ لیکن انہیں ضرورت نہیں تو ان کے حصہ جات واپس ہو جائیں گے۔ یہ لوگ ''سہم رسول'' کے حصہ دار ہیں۔ بہر حال اس وقت (جب آپ نے مذکورہ مال تقسیم فرمایا) یتیم، مسکین اور ابن السبیل تعداد میں بہت کم تھے۔ اور اس کے باوجود وہ ضرورت مند بھی نہ تھے۔ کیونکہ جب خیبر فتح ہوا تھا۔ تو مسلمانوں کی اکثریت ضرورتمند نہ رہی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انصار کو کھجوروں کے وہ باغ بھی واپس کر دیئے تھے۔ جو انہوں نے عطیہ کے طور پر مہاجرین کو دیئے تھے۔ اب انصار کے ہاں اپنا مال بھی وافر مقدار میں آ گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ خیبر وغیرہ سے ملنے والا مال غنیمت بھی کافی تعداد میں انہیں موصول ہو چکا تھا، جس کی بنا پر یہ لوگ بہت امیر ہو گئے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ ''کیا میں نے تمہیں تنگدست نہ پایا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔'' لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کا عام حصہ اپنے حصہ میں شامل کر لیا۔ اور پھر اس تمام کو ان مصارف پر خرچ کیا۔ جو آپ کے حصہ میں آنے والے خمس کے مصارف تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ خوب جانتے ہیں کہ کہاں خرچ کرنے میں مصلحت ہے اور کہاں نہیں؟ اور اہم ترین مصلحت یہ تھی کہ ان لوگوں کو دیا جائے جن کے دل ایمان کی طرف مائل ہوں۔ اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔

جس شخص نے یہاں یہ خیال کیا۔ کہ ''خمس'' میں سے پانچواں حصہ ہی اس قدر تھا جو تالیف قلب کیلئے دیئے گئے لوگوں کیلئے بہت تھا۔ یہ خیال کرنے والا شخص یہ نہیں جانتا کہ یہاں ''قصہ'' کیا ہے۔

اور جسے اس کا علم ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ ''خمس'' کا پانچواں حصہ ان حضرات کے لئے کافی نہ تھا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان عطیہ جات میں چوبیس ہزار اونٹ تھے، چالیس ہزار یا کم وبیش بکریاں تھیں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں۔ ''خمس'' کا پانچواں حصہ ایک ہزار اور دو سو اونٹ تھے۔ لہٰذا اس کے پیش نظر تیس ہزار اونٹ بنتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو آپ نے تالیف قلب کیلئے عطا فرمایا۔ وہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ جس میں کسی صاحب علم کو اختلاف نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ''یمن'' سے بہت سا سونا بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ آپ نے اسے تقسیم فرمایا۔ اس پر بعض انصار اور بعض قریش نے کہا۔ آپ اہل نجد کے بڑوں بڑوں کو تو دیتے ہیں۔ اور ہمیں چھوڑ دیا ہے؟ ان کا یہ قول بھی اسی باب سے ہے۔ اور ان کا سوال بھی مذکورہ وجہ کیلئے تھا۔

یہاں دو جواب اور بھی ہیں۔

**جواب اول:** اعتراض کرنے والوں میں سے بعض منافق بھی تھے۔ جن کا قتل جائز تھا۔ یہ منافق اسی منافق کی طرح تھے جس سے ''حنین'' کے مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت حضرت ابن مسعود نے یہ کہتے سنا تھا۔ ''خدا کی قسم! یہ تقسیم ایسی کی گئی ہے جس سے خدا کی خوشنودی کے حصول کا ارادہ نہیں کیا گیا'' قریش اور انصار کے اندر بھی بکثرت منافق تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یا آپ کی تقسیم کے بارے میں اگر ایسا لفظ کہا گیا۔ جس کا کوئی محل وموقع نہیں بنتا۔ تو ایسا لفظ یقیناً کسی منافق نے کہا ہوگا۔ اور جس شخص کا قول ''ہم زیادہ حقدار تھے'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔ اگر انہوں نے اس کا نام نہیں لیا۔ لیکن وہ بھی اسی قبیلہ (منافق) سے تھا۔ واللہ اعلم۔

**جواب دوم:** ''اعتراض'' کبھی تو گناہ اور معصیت ہوتا ہے جس سے نفاق کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا قائل منافق نہیں بھی ہوتا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ **يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ** (الانفال:6) آپ سے پھر بھی جھگڑتے ہیں۔ جبکہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہوتا ہے۔ یا اس کی مثال یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیں اور ان لوگوں کا احرام سے باہر نکلنے میں جلدی کرنا ہے۔ یونہی مسلمانوں کا حدیبیہ کے سال احرام سے باہر نکلنے کو ناپسند کرنا۔ ان کا صلح کو مکروہ جاننا بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ پھر آپ نے ان میں سے جس کی بات نہ مانی اس کا اصرار کرنا۔ اس قسم کا اعتراض جو کرتا ہے۔ وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس اعتراض کرنے کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ جیسا کہ ان لوگوں نے گناہ کا ارتکاب کیا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازوں کو اونچا کیا۔ پھر انہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات:7)
تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے رسول تم میں جلوہ فرما ہیں۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری مانیں تو تم ہی مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا۔"لوگوں نے مجھے تہمت لگائی کہ میں نے دین کے بارے میں رائے دی ہے۔ میں نے ابو جندل کے دن کچھ عرض کیا تھا۔ اور اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی ہمت پاتا تو میں ضرور ایسا کرتا" اس قسم کی باتیں ان لوگوں سے سہواً اور جلدی میں ہو جاتی تھیں۔ ان کا ایسی باتیں کرنے سے یہ ارادہ نہ ہوتا تھا۔ کہ انہیں دین میں شک ہو گیا ہے۔ اس کی مثال حضرت حاطب کا قریش کو خفیہ پیغام بھیجنا تھا۔ لیکن یہ بہر حال گناہ اور نافرمانی کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو لازماً توبہ کرنی چاہئے۔ اور یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (اگرچہ بالا رادہ نافرمانی نہیں)۔

اسی قبیلہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی ہے۔ جو فتح مکہ کے وقت ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کرایا کہ "جو شخص ابو سفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن میں ہے۔ اور جو اس کے دروازہ میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔" اس پر انصار نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنوں کی محبت اور اپنے خاندان سے نرم رویہ نے ایسا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو ہم پر مخفی نہ رہتی۔ جب وحی آتی تو ہم میں سے کسی کو بھی نظر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ پڑتی۔ یہ حالت وحی مکمل ہونے تک رہتی۔ جب وحی مکمل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے جماعت انصار! سب نے عرض کیا۔ لبیک یا رسول اللہ! فرمایا۔ تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اپنوں کی محبت اور خاندان سے نرم رویّے نے ایسا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ انصار بولے کچھ اسی قسم کی بات ہو گئی ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ سنو! میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ زندگی تمہاری زندگی اور موت تمہاری موت ہے۔ یہ سن کر انصار روتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے۔ اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ خدا کی قسم! ہم نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بخل کیا ہے۔ اس پر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں۔ اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔

(رواہ مسلم)۔

انصار نے یہ بات اس لئے کہی جب انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو امن عطا فرما دیا ہے اور ان کو ان کے ہی گھروں میں رہنے دیا گیا۔ ان کے اموال کو بھی ان کے پاس رہنے دیا گیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں طاقت کے بل بوتے پر داخل ہوئے تھے۔ اور آپ کو اہل مکہ کے قتل کرنے کی پوری پوری طاقت تھی۔ ان کے مال واسباب کو حاصل کرنے کی ہر طرح ہمت تھی۔ اگر آپ یہ باتیں چاہتے تو ہر طرح حالات سازگار تھے۔ لیکن آپ نے ان باتوں کی بجائے ان کو امن دینے کا اعلان کیا۔ تو اس اعلان سے حضرات صحابہ کرام کو خطرہ محسوس ہوا۔ کہ شائد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کو پھر سے اپنا وطن بنانا چاہتے ہیں۔ اور قریش کو ہم نوا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ آپ کا ہی شہر تھا۔ اور قریش آپ کا ہی خاندان تھا۔ اور آپ کا مکہ کو پھر سے وطن بنالینا اور اپنے خاندان میں مل بیٹھنا اس سے صاف نتیجہ نکلتا تھا کہ انصار کو واپس مدینہ منورہ آنا پڑے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر آنا ہوگا۔ اس خطرہ کے پیش نظر انصار میں سے کچھ حضرات نے جو کہا وہ کہا۔ لیکن ان میں سے فقہاء اور عقلمندوں نے لب کشائی نہ کی۔ جو جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طور بھی مکہ کو پھر سے اپنا مستقل وطن قرار نہیں دیں گے۔ تو حضرات انصار نے اس موقعہ پر جو کچھ کہا۔ وہ ازروئے طعن اور عیب نہ کہا تھا۔ ہاں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بخل کیا تھا۔ اور پھر اللہ اور اس کے رسول نے ان کے ازروئے بخل کہنے کی تصدیق بھی کردی۔ اور ان کا عذر قبول کر لیا۔ جب انہوں نے اپنے کہے سے توبہ کر لی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مومنین انصار کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی (جس کا انہیں خطرہ محسوس ہوا) کس قدر شدید تھی۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے اعضاء کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ جبکہ دوسرے مومن جسم پر اوڑھے گئے کپڑوں کی مانند تھے۔ اور ایسی بات جو کسی شخص کی زبان سے محبت، تعظیم، تشریف اور تکریم کی خاطر نکلے۔ وہ اس شخص کی غلطی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بلکہ ایسی بات پر وہ قابل تعریف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی قسم کی بات بغیر محبت و تعظیم کے کہی جائے۔ تو پھر اس کا قائل سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ یونہی "فعل" کا بھی معاملہ ہوگا (یعنی بظاہر اچھا فعل دکھائی نہ دے لیکن اظہار محبت و تعظیم میں ہو جائے تو قابل قدر ورنہ قابل گرفت ہوتا ہے) کیا ہمارے سامنے وہ واقعہ نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب انہوں نے نماز پڑھاتے ہوئے آپ کو آتے محسوس کیا تو امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔

فرمایا تھا۔ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پیچھے نہ ہٹو۔ لیکن ابوبکر صدیق پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ اے ابوبکر! جب میں نے تمہیں وہی کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا تو تم نے میرا حکم کیوں نہ مانا؟ عرض کیا۔ حضور! ابن ابی قحافہ میں یہ جرأت کہاں کہ وہ آپ کے آگے کھڑا ہوسکے۔ یونہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ کہ مکان کے نچلے حصہ میں انہیں اترنے کی اجازت بخشیں۔ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالائی حصہ پر تشریف لے جائیں۔ ابوایوب انصاری کیلئے یہ بات برداشت سے باہر تھی۔ کہ وہ تو اوپر رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان کی نچلی منزل میں ہوں۔ لیکن ان کی طلب اجازت کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ ابوایوب! اپنی جگہ (بالائی منزل) پر ہی رہو۔ اور فرمایا۔ کہ میرے لئے نچلی منزل ہی بہتر ہے۔ کیونکہ لوگوں کی آمد ورفت ہوگی اور ان کیلئے ملاقات میں آسانی نچلے حصہ میں ہی رہ کر ہوگی۔ لیکن حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے ادباً اسے تسلیم نہ کیا۔ اور آپ کی عزت وعظمت کے پیش نظر اسے منظور نہ کیا۔ مختصر یہ کہ انصار مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کہا۔ وہ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس قسم کے کہے گئے الفاظ تین اقسام کے ہوسکتے ہیں۔ ایک قسم وہ جو "کفر" ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہا گیا۔ "یہ تقسیم بخدا ایسی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کا ارادہ نہیں کیا گیا"۔

دوسری قسم گناہ اور معصیت ہے۔ جس کے کہنے والے کے بارے میں خطرہ ہے۔ کہ کہیں اس وجہ سے اس کی تمام نیکیاں برباد نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ آپ کی آواز سے آواز بلند کرنا۔ یا جیسا کہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ کی بات کے خلاف کہنا جبکہ آپ صلح پر قائم ہو گئے تھے۔ یا بدر کے دن حق واضح ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بات واپس لینے کی تجویز دینا۔ اس قسم کی معروضات ایک طرح سے آپ کے حکم کی مخالفت بنتی ہیں۔

تیسری قسم وہ جو گناہ اور معصیت نہ بنے۔ بلکہ اس بات کے کہنے والے کو اس کے اس کے قول کی بنا پر "اچھا" کہا جائے اس کی تعریف کی جائے۔ یا تعریف نہ کی جائے۔ (لیکن گرفت بھی نہ کی جائے) جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم نماز قصر کیوں پڑھیں جبکہ ہم امن میں ہیں؟ یا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ جسے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔؟" یا جیسا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قول "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ تم میں سے ہر

ایک کو اس پر سے گزرنا ہے؟" یا جیسا کہ حضرت حباب کا بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑاؤ پر اپنی تجویز پیش کرنا، یا جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا غطفان کے ساتھ صلح کے موقعہ پر مدینہ کی نصف کھجوروں پر صلح نہ ماننا وغیرہ حق میں کہنے والوں نے کسی اشکال کو دور کرنے کیلئے آپ سے کچھ کہا۔ تاکہ وہ اشکال آپ دور فرما دیں۔ یا مصلحت معلوم کرنے کیلئے آپ سے سوال کیا گیا تاکہ سائل کو بھی آپ کے فعل کی مصلحت معلوم ہو جائے۔

یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ چند احادیث ہم نے نقل کیں۔ جس میں آپ کو گالی دینے والے کی سزا "قتل" کا ذکر ہے۔ گالی دینے والا خواہ معاہد (ذمی) ہو یا غیر معاہد ہو دونوں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

**فصل:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم واجب القتل ہے۔ اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعدد فیصلہ جات منقول ہیں۔ جو ہر عام وخاص کو معلوم تھے۔ ان فیصلہ جات میں مذکور شخص کی سزا قتل ہی تھی۔ ان فیصلہ جات کا کسی نے بھی انکار نہ کیا۔ یوں یہ مسئلہ ان کے مابین "اجماع" قرار پایا۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ حضرات صحابہ کرام سے کسی فروعی مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ مذکورہ طریقہ کے بغیر نقل ہونا زیادہ وزنی اور مضبوط نہیں ہوگا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں ان کے فیصلہ جات موجود ہیں۔ اور ان میں کسی ایک فیصلہ کا بھی کسی صحابی نے انکار یا اس پر اعتراض نہیں کیا۔ حضرات صحابہ کرام کے متعدد فیصلہ جات اور پھر بغیر انکار کے ان کا ایسا اجماع ہے۔ جس سے زیادہ مضبوط کسی فروعی مسئلہ میں ان کا اجماع نظر نہ آئے گا)۔

ان فیصلہ جات میں سے ایک یہ ہے۔ جسے جناب سیف بن عمر تمیمی نے "کتاب الردۃ والفتوح" میں اپنے مشائخ سے ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت مہاجر بن ابی امیہ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا۔ آپ اس وقت "یمامہ" کے یا اس کے گرد ونواح کے امیر تھے۔ مقدمہ دو عورتوں کا تھا جو گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ایسا گانا گایا جس کے بول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اور گالی پر مبنی تھے۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اور سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے۔ دوسری نے مسلمانوں کی ہجو گائی تھی۔ تو آپ نے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے۔ اس کے بعد ان کو حضرت ابوبکر نے رقعہ لکھا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو گانے کی صورت میں گالی دینے والی عورت کے ساتھ فلاں سلوک کیا ہے۔ اگر یہ سزا تمہاری طرف سے مجھ تک خبر پہنچنے سے پہلے واقع نہ ہو چکی ہوتی تو میں اس کے قتل کئے جانے کا حکم دیتا۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی شان میں بکواس کرنے والے کی حد عام لوگوں کی حد جیسی نہیں ہوتی۔ جو مسلمان ایسی حرکت کرتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر معاہد (ذمی) کرتا یہ تو حربی ہو جاتا ہے۔ اور ذمہ توڑنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسری عورت جس نے مسلمانوں کی ہجو گائی تھی۔ کے متعلق لکھا۔ اگر وہ اسلام کا دعویٰ کرتی ہے تو اسے تادیب کرتے۔ یعنی سزا دیتے۔ لیکن مثلہ نہ کرتے۔ (مثلہ یہ کہ کسی کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے) اور اگر وہ عورت ذمیہ ہے تو اس کے شرک سے تم نے درگزر کی۔ حالانکہ وہ زیادہ بڑا جرم ہے۔ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ تم اس عورت سے یہ سلوک کرنے والے ہو تو میں روک دیتا۔ لہٰذا لوگوں کے جرائم پر سزا دو لیکن "مثلہ" مت کرو۔ اس سے بچو۔ کیونکہ "قصاص" کے بغیر یہ سزا دینا قابل ملامت اور نفرت ہے۔

یہ قصہ سیف بن عمر کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس قصہ میں اسی موقف کی موافقت ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اس کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور مسلمان کو گالی دینے پر یہ سزا نہیں ہے۔ یہ واقعہ اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا ذمی (معاہد) واجب القتل ہے۔ بلکہ اگر عورت ہو تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بخلاف اس کے جو عام مسلمانوں کو گالی دیتا ہے (اس کی سزا قتل نہیں اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی) یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سزا (قتل) حضرات انبیاء کرام کی حد ہے۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کو گالی دینے والی کی سزا کوڑے لگانا ان مسلمانوں کی حد ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے قتل کا حکم کیوں نہ دیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے پہلے ہی اسے سزا دے دی تھی۔ ایک مرتبہ سزا ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر نے یہ پسند نہ فرمایا۔ کہ اسے دوہری سزا دی جائے۔ علاوہ ازیں آپ کو اس کے اسلام لے آنے اور توبہ کرنے کے بارے میں امید تھی۔ اور یہ بھی کہ شائد حضرت مہاجر نے اس کی توبہ قبول کر لی ہو۔ اور ہوا بھی یہی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رقعہ پہنچنے سے پہلے ہی اس نے توبہ کر لی تھی۔ اور حضرت مہاجر نے اس کی توبہ قبول بھی کر لی تھی۔ بہر حال یہ محل اجتہاد تھا۔ اور حضرت مہاجر نے اپنے اجتہاد سے جو سزا تجویز کی وہ دیدی تھی۔ اس لئے حضرت ابوبکر نے اس کو تبدیل نہ کیا۔ کیونکہ ایک اجتہاد کو دوسرا

اجتہاد نہیں توڑ سکتا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو (تحریر) سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کے قتل کیے جانے کا حکم دینے سے منع اگر کیا تو اسی بات نے کیا کہ پہلے سے ہی حضرت مہاجر اس کو سزا دے چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لازماً اس کے قتل کا حکم دیتے۔

جناب حارث نے اپنے ''مسائل'' میں حضرت لیث بن ابی سلیم کے حوالہ سے جناب مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ آپ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے کسی رسول کو گالی دیتا ہو اسے قتل کر دو۔ جناب لیث بیان کرتے ہیں کہ مجھے جناب مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی پیغمبر کو گالی دیتا ہو وہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتا ہے اور آپ کی تکذیب ''مرتد'' کر دیتی ہے۔ ایسے سے توبہ کرنے کو کہا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اور کوئی بھی معاہد (ذمی) اگر اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی پیغمبر کو گالی دیتا ہے۔ یا اعلانیہ ایسا کرتا ہے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ اسے قتل کر دو۔

حضرت ابی مشجعہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے۔ تو شام کے راستہ میں قسطنطین آ کھڑا ہوا۔ اور اس نے حضرت عمر کے ساتھ اپنے معاہدہ کا ذکر کیا۔ اور حضرت عمر نے جو اس کے ساتھیوں پر شرائط رکھی تھیں۔ وہ بتائیں۔ کہنے لگا کہ اس بارے میں ایک دستاویز تیار کر لی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ جب وہ دستاویز لکھ رہا تھا۔ تو اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا۔ فرمانے لگے۔ میں نے دو مرتبہ تجھ پر ''معسرۃ الجیش'' کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کہنے لگا۔ آپ کی مہربانی اور جو آپ کی باتوں کے خلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔ جب دستاویز تیار ہوگئی۔ کہنے لگا۔ اے امیر المومنین! لوگوں میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیں۔ کہ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اور مجھ پر کیا لازم کیا ہے۔ تا کہ لوگ میرے ظلم سے رک جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ آپ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء یوں کہی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَ اَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَاهَادِيَ لَهٗ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے۔ میں اس کی حمد کہتا ہوں۔ اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ابھی اسی قدر الفاظ پڑھے تھے کہ ایک ''نبطی'' بولا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ کیا کہتے ہو؟۔ لوگوں نے کہا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ نبطی نے وہی بات پھر

دہرائی۔ آپ نے کہا۔ مجھے بتاؤ یہ کیا کہتا ہے؟ کسی نے کہا۔ کہ اس کا خیال (عقیدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہم نے تمہیں جو کچھ دیا (یعنی تیرے ساتھ معاہدہ کیا کہ تجھے کچھ نہیں کہا جائے گا) وہ اس لئے نہیں دیا کہ تو ہمارے دین میں ٹانگ اڑائے۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تو نے اب وہی بات پھر کہی۔ تو میں یقیناً تمہارے جسم کا وہ حصہ اڑا دوں گا جس میں تیری دونوں آنکھیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی الفاظ کہے۔ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ (الاعراف:186) لیکن اب نبطی کو وہی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطاب سے فارغ ہوئے تو اس نبطی نے دستاویز لے لی۔ اسے حرب نے روایت کیا ہے۔

یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو مہاجرین وانصار کے بھرے مجمع میں اعلان کر رہے ہیں۔ اور سب کے سامنے یہ بھی اس شخص کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں جس سے آپ نے معاہدہ کیا۔ ''ہم نے تجھے عہد کر کے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دی۔ کہ تو ہمارے سامنے ہی ہمارے دین میں ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اور آپ نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے پھر سے وہی بات کہی۔ تو اس کی لازماً گردن اڑا دی جائے گی'' اس سے معلوم ہوا۔ کہ تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ کسی معاہد کیلئے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ہمارے دین پر اعتراض کرتا پھرے۔ اور یہ کہ اگر کوئی معاہد ایسی حرکت کرتا ہے۔ تو اس کا خون گرانا مباح ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ دین پر سب سے بڑا اعتراض ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ تقدیر کو جھٹلانا اور اعلانیہ جھٹلانا اتنا بڑا گناہ یا جرم نہیں جس قدر بڑا جرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نبطی کو اس وقت قتل کیوں نہ کر دیا (صرف دھمکی دی) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ بات یقینی نہ تھی کہ اس نے جو الفاظ کہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے دین میں طعن بنتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوں۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گرفت کی۔ اور بتایا کہ یہ ہمارا دین ہے اور اسے کہا کہ اگر اب تو نے پھر وہی الفاظ کہے۔ تو میں یقیناً تجھے قتل کر دوں گا۔

دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے۔ جسے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے دلیل بنایا۔ یہ روایت جناب ہیثم سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں جناب حصین نے اپنے شیخ کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کے قریب سے ایک راہب گزرا۔ تو آپ کو کہا گیا کہ یہ راہب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی

اللہ عنہما نے فرمایا۔ اگر میں سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔ ہم نے ان ذمیوں کو یہ ذمہ (عہد) نہیں دیا۔ کہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بکتے پھریں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ہی امام ثوری عن حصین عن شیخ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس راہب پر اپنی تلوار نکال لی جس کے بارے میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اور فرمایا ہم نے ان (ذمیوں) سے اس بات پر تو صلح نہیں کی کہ یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بکتے پھریں۔

ان دونوں روایتوں میں جمع (تطبیق) یوں ہوگی۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے شائد اس وجہ سے تلوار نکالی ہو کہ وہ راہب دوسروں کے سامنے اقرار کر چکا تھا کہ میں نے بکواس کی تھی۔ لیکن جب اس نے آپ کے دریافت کرنے پر انکار کر دیا۔ تو آپ نے اسے قتل نہ کیا۔ اور تلوار کو واپس نیام میں ڈال دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا اگر میں اس کی بکواس سن لیتا تو لازماً اس کو قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی محدثین نے ذکر کی ہے۔

مذکورہ آثار بالکل واضح ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا خواہ ذمی مرد ہو یا عورت دونوں برابر ہیں۔ ان کی سزا قتل ہے۔ بعض آثار ایسے ہیں جو کافر اور مسلمان دونوں کو عام ہیں۔ یا ان دونوں کو بطور نص شامل ہیں۔ اس سے پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو قتل کر دینے کا ذکر تھا۔ اور وہ بھی اس سے توبہ کی درخواست کئے بغیر قتل کیا گیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ قبول کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول: اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ الایۃ (النور:23) کے بارے میں فرمایا۔ یہ آیت خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی۔ اس میں توبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ فرمایا۔ خاص کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس آیت میں عام منافقین پر لعنت کی گئی ہے۔ اور یہ بات جانی پہچانی ہے۔ اس لعنت کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا ہے۔ اور انہیں تہمت لگانا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا ہے۔ اور ایک قسم کا نفاق ہے۔ اور منافق واجب القتل ہوتا ہے۔ جب اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی اسناد سے جناب سماک بن فضل عن عروۃ بن محمد عن رجل بن بلقین سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ لیکن یہ عورت نامعلوم ہے۔

اس سے پہلے ہم محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (واقعہ) ذکر کر چکے ہیں۔ جو ابن یامین کے متعلق تھی۔ جس کا خیال تھا کہ کعب بن اشرف کا قتل ایک قسم کا دھوکہ تھا۔ اور جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی تھی کہ اگر اسے کہیں الگ پا لیا تو لازماً اسے قتل کر کے چھوڑیں گے۔ کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف "دھوکہ" کی نسبت کی ہے۔ مسلمانوں نے حضرت محمد بن مسلمہ کے اس اعلان کا کوئی انکار نہ کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ اس پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے امیر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ یا مروان نے اس شخص کو قتل کیوں نہ کیا یا کرایا اور یہ خاموش کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی خاموشی ان کے مذہب پر دلالت نہیں کرتی۔ مطلب یہ کہ یہ اس لئے خاموش رہے کہ ان کے نزدیک اس شخص کا قتل کیا جانا ناجائز تھا۔ جبکہ حضرت محمد بن مسلمۃ اس کے قتل کا اعلان کر رہے ہیں۔ ایسا نہ تھا بلکہ ان کا مذہب بھی یہی تھا۔ کہ ایسے کو قتل ہی کیا جانا چاہئے۔ اس لئے ان میں اور محمد بن مسلمۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کی خاموشی اس بنا پر ہو۔ کہ انہوں نے اس شخص کے حکم میں ابھی غور و فکر نہ کیا ہو۔ یا غور و فکر کیا ہو لیکن کوئی واضح حکم سامنے نہ آیا ہو۔ یا بدگمان ہوا ہو کہ اس شخص نے یہ عقیدہ سامنے رکھ کر کہا ہے۔ کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر قتل کیا جائے گا۔ یا کوئی اور اسباب ہو سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی خاموشی یا قتل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ حضرت محمد بن مسلمہ کے مخالف تھے۔ اور اس کے قول کو درست نہ سمجھتے تھے۔ بظاہر قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حد قائم نہ کرنے کی وجہ سے انہیں غلطی پر جانا۔ اسی لئے ان کو چھوڑ دیا لیکن یہ شخص مسلمان تھا۔ کیونکہ ان دنوں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے دین کا ماننے والا کوئی نہ تھا۔

حضرت ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ مجھے حرملۃ بن عثمان نے کعب بن علقمہ سے یہ واقعہ سنایا کہ عرفہ بن الحارث کندی رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ نے ایک نصرانی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے سنا۔ انہوں نے اس کو خوب مارا جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ پھر یہ مقدمہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا آپ نے جناب عرفہ بن حارث کو فرمایا۔ کہ ہم نے ان (نصاریٰ) سے عہد کیا ہوا ہے۔ (یعنی وہ ذمی ہونے کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ تم نے مار کر غلطی کی) یہ سن کر حضرت عرفہ بن حارث نے فرمایا۔ معاذ اللہ! ہم نے انہیں اس بات کا عہد دیا ہے کہ وہ سر عام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں؟ ہم نے تو ان کو یہ عہد دیا ہے کہ ہم انہیں اور ان کے کلیساؤں میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ وہ اپنے کلیسا میں جو چاہیں کرتے پھریں۔ اور ہم نے یہ عہد دیا ہے کہ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ اگر ان کو کسی

دشمن نے تنگ کرنے کی ٹھانی تو ہم اس کا راستہ روکیں گے۔ اور یہ کہ ہم ان کے احکام میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ ہاں اگر وہ خوشی سے ہمارے پاس ہمارے احکام کیلئے آتے ہیں۔ تو ان کی مرضی۔ پھر ہم ان میں فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے کریں گے۔ اور اگر وہ ہم سے غائب ہو جاتے ہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا یہ سن کر جناب عمرو بن عاص نے فرمایا۔ تم نے واقعی سچ کہا ہے۔ اب دیکھئے اس واقعہ میں حضرت عمرو بن عاص اور عرفہ بن حارث رضی اللہ عنہما متفق ہو گئے کہ ہمارے اور اہل ذمہ کے درمیان جو معاہدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کی آڑ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں۔ جیسا کہ ان سے معاہدہ اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اپنے کفر اور تکذیب پر قائم رہیں۔ لہٰذا جب ذمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرعام گالی دیتے ہیں تو اس سے ان کا خون مباح ہو گیا۔ کیونکہ اس بات کا عہد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ان کا اس فعل پر قتل کیا جانا جائز ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے راہب کے بارے میں فرمایا تھا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ کہ اگر میں اس سے گالی سن لیتا تو لازماً اسے قتل کر دیتا۔ ہم نے ان کو اس بات کا عہد نہیں دیا کہ وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں۔ رہا یہ اس شخص کو قتل کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ (واللہ اعلم) یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس کی اس حرکت پر اس کے خلاف گواہی نہ قائم ہوئی۔ صرف جناب عرفہ رضی اللہ عنہ نے سنا یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عرفہ نے اسے قتل کرنے کے ارادہ سے زدوکوب کیا ہو۔ لیکن پھر زخمی کر کے اسے لئے چھوڑ دیا کہ گواہ موجود نہ تھے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے امام کے پاس مقدمہ اٹھایا ہو اور امام کے روبرو حضرت عرفہ ثابت نہ کر سکے ہوں۔

جناب خلید ان سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا گیا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ قتل صرف اس شخص کو کیا جائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہو۔ لہٰذا اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے سر پر کوڑے برساؤ۔ اگر میں جانتا کہ یہ سزا اس کیلئے بہتر نہیں تو میں اس کا حکم نہ دیتا۔ اسے حرب نے روایت کیا۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اسے ذکر کیا۔ اور یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔ آپ خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ عالم سنت اور متبع سنت ہوئے ہیں۔

یہ چند اقوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے اور حضرات تابعین کرام کے ذکر کئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی اور کسی تابعی کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ بلکہ سب کا اس پر اقرار ہے اور اسے تمام نے سراہا ہے۔

# گالی دینے والے معاہد کے وجوبِ قتل پر قیاس سے دلائل

دلیل اول: ہمارے دین میں عیب نکالنا اس کے نقائص بیان کرنا اور ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا دراصل ہم مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دینا ہے۔ بلکہ اعلان جنگ ہے۔ لہٰذا جو شخص معاہد ہو کر ایسی حرکت کرتا ہے وہ خود اپنے عہد کو توڑنے والا ہوگا۔ جیسا کہ ہم سے ساز و سامان سے لڑنے والا اور مقابلہ کرنے والا اپنے عہد کو توڑنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ اول الذکر اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو یوں بیان فرماتا ہے۔ جَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 41) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ ''جہاد بالنفس'' زبان سے بھی کیا جاتا ہے جس طرح ہاتھ سے کیا جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ زبان سے کیا گیا جہاد ہاتھ کے جہاد سے زیادہ اہم و مضبوط ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ'' مشرکین سے اپنے ہاتھوں، اپنی زبانوں اور اپنے اموال سے جہاد کرو۔ اسے امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے۔ ''اُغْزُهُمْ دغازهم'' سب سے بڑا غازی اور جنگ کرنے والا ہے۔ آپ ان کیلئے مسجد میں منبر لگوایا کرتے تھے۔ جس پر بیٹھ کر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنے اشعار کے ذریعہ آپ کا دفاع کیا کرتے تھے۔ اور مشرکین کے ہجو یہ کلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا ہوتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ'' اے اللہ! حسان کی روح القدس کے ذریعہ مدد فرما۔ اور فرمایا۔ جبرئیل اس وقت تک تمہارے ساتھ ہے جب تک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت کرتے ہو۔ اور فرمایا۔ تمہارا دفاعی کلام مشرکین کیلئے نیزوں سے بھی زیادہ عبرتناک ہے۔ مشرکین میں سے بہت سے ایسے تھے جو مسلمانوں کے ساتھ ایسی حرکت کرنے سے باز رہے جو انہیں تکلیف دے سکتی ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا کام کیا تو حسان کی زبان ہمارا ستیاناس کردے گی۔ حتیٰ کہ جب کعب بن اشرف مکہ گیا تو وہ جس گھر میں ٹھہرتا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس گھر والوں کی اشعار

میں ہجو کہہ دیتے جس کی وجہ سے مکہ کے لوگ کعب بن اشرف کو اپنے گھروں میں نہ ٹھہرنے دیتے تھے حتیٰ کہ پورے مکہ میں ایک گھر بھی ایسا نہ تھا، جو اسے اپنے ہاں ٹھکانہ دیتا۔

حدیث پاک میں ہے۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ وَ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ۔ الخ۔ بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔ اور سب سے اعلیٰ شہید حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ اور وہ شخص سب سے افضل ہے، جس کو ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں اس حاکم نے مروا دیا ہو"۔ مشرکین کی گالی اور ہجویات کے جواب میں دین اللہ کے اظہار میں اور اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے میں جب زبان کے جہاد کا یہ مرتبہ ہے تو اس سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کو گالی دیتا ہو اس کے رسول کو گالی دیتا ہو اور یہ عملاً کرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اعلانیہ برے الفاظ سے تذکرہ کرتا ہو۔ تو ایسا شخص یقیناً مسلمانوں کو جنگ کی دعوت دے رہا ہے۔ اور اپنے عہد کو توڑ رہا ہے۔

دلیل دوم: ہم مسلمانوں نے ذمیوں کو اگرچہ ان کے کفریہ اور شرکیہ عقائد پر باقی رہنے کا ذمہ دیا ہے۔ لیکن ہماری طرف ان کو یہ رعایت اسی طرح کی ہے جس طرح ہم نے انہیں اس کی اجازت دی کہ وہ اپنے دل میں ہمارے خلاف جو جذبات رکھتے ہیں جو عداوت رکھتے ہیں۔ اور جو برے ارادے رکھتے ہیں اور ہمارے لئے تباہ و برباد ہونے کی آرزوئیں رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ رکھتے رہیں۔ کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ ہمارے دین کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ہماری خونریزی کی تمنا رکھتے ہیں۔ اپنے باطل دین کی کامیابی چاہتے ہیں۔ اور ان باتوں کیلئے وہ کوشش بھی کرتے اگر ان کے بس میں ہوتا۔ یہ تمام باتیں ہوتے ہوئے ہم نے ان کو عہد دیا۔ لیکن جب وہ اپنے ان ارادوں اور تمناؤں کے حصول کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیں۔ وہ یوں کہ ہم سے لڑنا شروع کر دیں۔ مارکٹائی پر اتر آئیں تو وہ اپنا عہد توڑ بیٹھیں گے۔ یونہی اگر ان لوگوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق جب یہ عمل شروع کر دیا۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کے رسول اور اس کے دین کو اعلانیہ گالی دینا شروع کر دیا تو بھی ان کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے کہ ارادہ اور تمنا کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا اور عقیدہ کو بروئے کار لانے کیلئے عملی کوشش کرنا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

دلیل سوم: ہمارے اور ذمیوں کے درمیان مطلق عہد یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر طعن کا اظہار کرنے سے بچیں اور اپنے آپ کو اس سے روکے رکھیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ یہ اسی طرح ان کیلئے لازم ہے جس طرح عہد کی وجہ سے ان کیلئے ہم

مسلمانوں کے خون بہانا اور ہم سے لڑنا اس سے باز رہنا ان پر لازم ہے۔ کیونکہ ''عہد'' کا مطلب یہ ہے۔ کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو ہر اس بات سے محفوظ رکھیں گے جس سے اس کی دل آزاری ہوتی ہو۔ اور جس بات کا عہد سے قبل ہر ایک کو خطرہ تھا۔ اس سے امن ہو جائے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم ان سے کلمہ کفر کا اظہار اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دینا اسے اپنے ساتھ لڑنے سے بھی کہیں زیادہ برا اور خطرناک جانتے ہیں۔ کیونکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم آپ کے بلندئ ذکر کی خاطر، آپ کے شرف وعلو کی خاطر اپنی جانیں اور اپنے مال تک قربان کر دیتے ہیں۔ اور وہ (ذمی) بھی بخوبی جانتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارا دین ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دینے کی حرکت کی۔ وہ اپنے عہد کو توڑنے والا ہوگا۔ اور اس حرکت سے اس نے ہمیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔ اور یہ بات عہد سے قبل اور عہد کے بعد بھی دونوں حالتوں میں ہمارے لئے جہاد کی دعوت دینے والی ہے۔ یعنی اگر کوئی ''ذمی'' ذمی بننے سے پہلے بارگاہ رسالت میں بکتا ہے تب بھی وہ ہماری تلوار کو للکارتا ہے۔ اور اگر عہد ہو جانے کے بعد ایسا کرتا ہے تب بھی عہد توڑ کر دعوت جہاد دیتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

دلیل چہارم: ذمیوں کے ساتھ کیا گیا ''عہد مطلق، فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ بات کے شمول کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن وہ عہد جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا۔ اس میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ (کہ کوئی ذمی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا نہیں کہے گا) لہٰذا جب اب تمام ذمی انہی پابندیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ معاہدہ حضرت عمر وغیرہ صحابہ کرام کے معاہدہ کے مطابق ہی جاری ہے تو لازماً اب ہر معاہدہ میں وہ شرط ہوگی۔

جناب حرب نے عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے جب آپ سے شامی عیسائیوں نے صلح کی۔ یہ تحریر لکھی گئی۔ ''هٰذا كِتَابٌ لِعَبْدِ اللهِ عُمَرَ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ مَدِيْنَةِ كَذَا وَ كَذَا اِنَّكُمْ لَمَّا قَدِمْتُمْ عَلَيْنَا سَأَلْنَاكُمُ الْاَمَانَ لِاَنْفُسِنَا وَ ذُرِّيَتِنَا وَ اَمْوَالِنَا عَلَى أَنْ لَانُحْدِثَ وَ ذَكَرَ الشُّرُوْطَ اِلَى اَنْ قَالَ وَلَا نُظْهِرُ شِرْكًا وَ لَانَدْعُوا اِلَيْهِ اَحَداً وَقَالَ فِي آخِرِهِ شَرَطْنَا ذَالِكَ عَلَى اَنْفُسِنَا وَ اَهْلِيْنَا وَ قَبِلْنَا عَلَيْهِ الْاَمَانَ فَاِنْ نَحْنُ خَالَفْنَا عَنْ شَيْءٍ شَرَطْنَاهُ لَكُمْ وَضَمِنَّاهُ عَلَى اَنْفُسِنَا فَلَاذِمَّةَ لَنَا وَقَدْ حَلَّ لَكُمْ مِنَّا مَاحَلَّ مِنْ اَهْلِ الْمُعَانَدَةِ وَالشِّقَاقِ'' یہ دستاویز اللہ تعالیٰ کے

بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف فلاں فلاں شہر سے ہے۔ جب تم ہمارے پاس آتے ہو۔ تو ہم آپ سے امان کا سوال کرتے ہیں کہ ہماری جانوں، مالوں اور اولادوں کو فلاں فلاں شرط کے تحت امان دی جائے...... پھر شرائط ذکر کیں...... حتیٰ کہ کہا۔ کہ ہم شرک کا اظہار نہیں کریں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کریں گے۔ اس کے آخر میں لکھا۔ کہ ہم ان شرائط پر اپنی جانوں، اپنے اہل وعیال کیلئے امان چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق ہماری امان قبول کی جائے۔ پھر اگر ہم نے لگائی گئی شرائط میں سے کسی ایک کی مخالفت کی۔ اور جن باتوں کے تحت ہم نے اپنی جانوں کو محفوظ کرایا ان میں سے کسی کی مخالفت کی۔ تو ہمارے لئے کوئی ذمہ نہ رہے گا۔ اور تمہارے لئے ہماری ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی۔ تو دشمن اور حربی کی حلال ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ جو آپ نے اس شخص کو مجلس عقد میں فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ ہم نے تجھے ذمہ اس لئے نہیں دیا تھا کہ تو ہمارے دین میں ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تو نے پھر وہی الفاظ کہے تو تیری گردن اڑا دوں گا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی ان کیلئے شرائط تجویز فرمائی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کے ساتھ کئے گئے عہد میں مسلمانوں کو یہ شرط لگانی ضروری ہے۔ کہ کوئی ذمی کلمہ کفر کا اظہار نہیں کرے گا۔ اور اگر کسی نے کسی وقت اس کا اظہار کر دیا تو وہ ذمی نہیں بلکہ حربی ہو جائیں گے۔ اس شرط یا طریقہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا بھی ان ذمیوں کے حق میں ''نقض عہد'' کا موجب بنے گا۔ اور یہ بات ان کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑنے والی ان حضرات کے نزدیک بن جائے گی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ذمی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس سے ان کا عہد نہیں ٹوٹتا جب تک اسے عہد کی شرائط میں نہ تحریر کیا جائے۔ یہ موقف کچھ حنبلیوں اور بعض شافعیوں کا ہے۔ (یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر ذمیوں کے ساتھ عہد کرتے وقت یہ شرط نہیں رکھی گئی تھی کہ کوئی ذمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دے گا۔ ذمہ پختہ ہو جانے کے بعد اگر کوئی ذمی گالی بکتا ہے تو اس سے اس کا عہد قائم ہے کیونکہ اس نے کسی مذکورہ شرط کی مخالفت نہیں کی۔ اور اگر شرائط میں سے یہ بات بھی تھی تو عہد ٹوٹ جائے گا۔ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ کوئی ذمی'' کلمہ کفر'' کا اظہار نہ کرے گا۔ تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی بات بھی آ جائے گی۔ اور دیگر حضرات کے ساتھ چند حنابلہ اور شوافع بھی متفق ہو جائیں گے)۔

یونہی یہ بات (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا) ان لوگوں کے نزدیک بھی نقض عہد کا سبب

بن جائے گی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر شرط یہ رکھی گئی تھی کہ عہد اس وقت ٹوٹے گا جب عملی طور پر عہد کو توڑا جائے۔ (محض زبانی اور عہد کے خلاف صرف باتیں کرنے سے عہد نہیں ٹوٹے گا) یہ موقف بعض اصحاب امام شافعی کا ہے۔ ان کے نزدیک اگرچہ گالی دینا کوئی عمل نہیں بلکہ قول ہے لیکن عہد یوں ٹوٹ جائے گا۔ کہ جس قدر بھی اہل ذمہ چلے آرہے ہیں ان کے ساتھ جب کوئی مسلمان حاکم عہد کرتا ہے تو اس وقت عہد نامہ میں شرائط وہی ہوتی ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر فرما گئے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ایسا امام نہیں ہوا جس نے آپ کے عقد اور آپ کی شرائط کے خلاف عقد کیا ہو۔ بلکہ سب کی اصل آپ کی ہی دستاویز ہے۔ بہر حال جو حضرات اس مسئلہ میں کچھ اختلاف رکھتے ہیں ان کے اختلاف کو یوں بیان کیا جائے تو یہی بہتر ہوگا۔ وہ یہ کہ جب ذمیوں کے ساتھ عہد نامہ میں یہ شرط موجود ہو کہ اگر کسی ذمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایسی شرط موجود ہوتے ہوئے پھر کسی کا اختلاف کرنا قطعاً اس کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اور خاص کر جب اس شرط کی صحت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع بھی موجود ہے۔ اور اصول کی بات بھی یہی ہے۔ لہٰذا جب حضرات ائمہ دین نے اس بات کو ذمیوں کیلئے ایک شرط کی جگہ رکھا۔ اور ایسا کرنا صحیح بھی ہے تو تمام حضرات کے قول پر اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

دلیل پنجم: ذمیوں کے ساتھ عہد کرتے وقت یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ تم چونکہ دارالسلام میں رہائش پذیر ہو گے۔ جب یہ مسلمانوں کا ملک ہے تو اس میں احکام بھی اسلامی ہوں گے۔ اور یہ بھی کہ "ذمی" مسلمانوں کے ملک میں مسلمانوں سے کم تر اور ذلت کو قبول کرتے ہوئے زندگی بسر کریں گے۔ ان باتوں کے پیش نظر ان سے صلح کی گئی اور عہد کیا گیا۔ اب دار اسلام میں رہتے ہوئے اگر کوئی ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ یا ہمارے دین پر طعن کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا اس کے کم تر اور ذلیل ہونے کے منافی ہوگا۔ کیونکہ جو شخص دین پر طعن کرتا ہو یا اس کو برا کہتا ہو۔ وہ "کمتر" کیسے رہے گا؟ لہٰذا ایسے شخص کا عہد باقی نہیں رہے گا۔

دلیل ششم: اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر فرض کی ہے۔ آپ کی "تعظیم" یہ ہے کہ آپ کی مدد کی جائے اور آپ کا دفاع کیا جائے اور آپ کی "توقیر و اجلال" یہ ہے کہ آپ کی عزت اور آپ کے مرتبہ و وقار کی حفاظت کی جائے۔ اور اس کیلئے جو طریقہ بھی اختیار کرنا پڑا اس سے اجتناب نہ کیا جائے۔ بلکہ ایسا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیر و توقیر کا پہلا درجہ ہے۔ لہٰذا یہ ہرگز جائز نہیں کہ اہل ذمہ سے اس بات پر صلح کی جائے کہ ان سے ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے بارے میں گالی سنیں۔اور وہ اسے اعلانیہ کرتے پھریں۔اگر ذمیوں کو اس کی اجازت دی گئی تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیر وتوقیر کا ترک لازم آئے گا۔اور ذمی بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ہم ان سے اس بات پر کبھی صلح نہیں کر سکتے بلکہ ہم پر فرض ہے کہ ہم انہیں اس بات سے باز رکھیں۔اور اس کے ارتکاب پر ہر طریقہ سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں اور مسلمانوں نے درحقیقت ذمیوں سے ایسا ہی معاہدہ کیا ہوتا ہے۔لہٰذا جب اہل ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں تو انہوں نے ایسا کر کے ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ کی ایک شرط کو توڑ دیا۔

دلیل ہفتم: ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا فرض ہے۔کیونکہ آپ کی مدد کرنا اسی تعزیر (تعظیم وتوقیر) کی ایک صورت ہے جو ہم پر فرض کی گئی ہے۔اور اس لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا "عظیم جہاد" کی ایک صورت بھی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۞ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ۔ تمہیں کیا ہو گیا جب تمہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلو تو تم زمین پر بیٹھ گئے۔کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ دنیوی ساز وسامان کا آخرت میں نفع بہت ہی کم ہے۔اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے (تو کیا ہوا) اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر چکا ہے (التوبہ:40)۔نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ۔اے مومنو! اللہ تعالیٰ کے (دین ومحبوب کے) مددگار بن جاؤ۔جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا۔اللہ تعالیٰ کی طرف میرا کون مددگار ہے؟ حواری بولے۔ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں (الصف:14)۔.....بلکہ ہر ایک مسلمان کی مدد کرنا لازم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔"اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم" اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس سے ترک تعلق نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر ظلم کرتا ہے" جب عام مسلمانوں کی مدد کرنا لازم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی اہمیت کس قدر ہوگی۔آپ کی مدد کی اعلیٰ وعظیم قسم یہ ہے کہ جو شخص آپ کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو۔اس کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت کی جائے۔کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے "جو کسی مومن کی اس وقت حمایت کرتا ہے جب کوئی منافق اسے تکلیف پہنچاتا ہو۔اس کی کھال کی اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے قیامت میں حفاظت کرے

گا۔'' اسی لئے جو شخص اپنے گالی دینے والے کا مقابلہ اسی کی مانند گالی دیکر کرتا ہے۔ اسے مُنْتَصَرْ (مدد کیا گیا) کہا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی اور اس نے یہ حرکت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ اور تشریف فرما رہے۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گالی کے جواب میں گالی سے مدد لی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے آپ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! وہ مجھے گالی دیتا رہا اور آپ تشریف فرما رہے۔ لیکن جب میں نے مدد لینا چاہی تو آپ کھڑے ہو گئے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کا جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود جواب دینا چاہا۔ اس وقت فرشتہ چلا گیا۔ لہٰذا میں نے اس وقت بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ جب فرشتہ چلا گیا۔

عربوں میں یہ بات مشہور ہے کہ کسی کو اگر کوئی گالی دے یا برا کہے تو گالی کھانے والا اگر جواب دیتا ہے تو اسے ''مُنْتَصَرْ'' کہتے ہیں۔ جیسا کہ کسی مارنے والے یا قتل کرنے والے کو جواب دینے والے کو ''مُنْتَصَرْ'' کہتے ہیں۔ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنت مروان کے قتل کرنے والے کے بارے میں فرمایا۔ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ ''اگر تم پسند کرتے ہو کہ ایسے شخص کو دیکھو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہے۔ تو اس شخص کو دیکھو۔'' اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا۔ جس نے مشرکین کی صف کو چیرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر کے دم لیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ ''تم اس شخص کو تعجب سے دیکھو۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت کا آپ کی ''مدد'' میں شامل ہونا اس قدر واضح ہے کہ اتنی وضاحت اور حقیقت کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی عزت سے کھیلتا ہے۔ وہ کبھی اس کے مقصود میں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ اس سے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے کھیلنے والا اللہ تعالیٰ کے دین کی مکمل نفی کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب عزت رسول ہی نہ رہی تو احترام و تعظیم رسول ختم ہو گیا۔ جب یہی ختم ہو گیا تو وہ سب کچھ ختم ہو گیا جو آپ کی رسالت سے ہمیں ملا۔ اور جب نتیجہ یہ ہوا تو دین کہاں رہ گیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء کا قیام اور آپ کی توقیر و تعظیم دراصل مکمل دین کا قائم رکھنا ہے۔ اور اس کا ختم ہو جانا دراصل دین کے خاتمہ کی علامت ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہوئی۔ تو پھر ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے

کھیلنے والے کے خلاف آپ کی مدد اور حفاظت عزت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور آپ کی مدد ایسے شخص کے قتل کرنے سے کریں۔ کیونکہ اس کی عزت دراصل اللہ تعالیٰ کے دین کو بے عزت کرنا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کے فاسد کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی عزت سے کھیلتا ہے۔ خواہ وہ کوئی مخصوص و معین آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا دین باطل نہیں ہوتا۔ اور معاہد (ذمی) سے ہم نے یہ عہد تو نہیں کیا کہ ہم تمہارے ساتھ عہد کرنے کی وجہ سے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوقت ضرورت مدد نہیں کریں گے۔ خواہ وہ اس کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے ہو۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے معاہد سے یہ عہد نہیں کیا کہ تمہارے ساتھ عہد ہو جانے کے بعد ہم مسلمانوں کے حقوق سے دستبردار ہو جائیں گے۔ نہ ہی معاہدہ میں ایسی بات کا ہونا جائز ہے۔ کیونکہ معاہد بھی بخوبی جانتا ہے کہ ہم نے اس سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ اب جب اسے بھی علم ہے تو پھر اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ تو پھر ہم مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی خاطر ہم آپ کی مدد کریں۔ اور یہ مدد بذریعہ قتل ہی ہو سکتی ہے۔ یعنی گالی بکنے والے معاہد کو قتل کر دیں اور ہم نے اس سے یہ بھی تو عہد نہیں کیا کہ اگر تم نے ایسی حرکت کی۔ تو ہم خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ اور اس کا دفاع نہیں کریں گے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں معاہد کا قتل کیا جانا واجب ہے۔ اور یہ ہر صاحب غور و فکر کیلئے واضح ہے۔

**دلیل ہشتم:** کفار سے یہ عہد لیا جاتا رہا کہ تم اپنے دین کی وہ باتیں جو منکرات شرعیہ میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اعلانیہ نہیں کرو گے۔ جب تک تم دار اسلام میں رہو۔ اس عہد کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کافر ایسی بات کو اعلانیہ کرتا ہے تو وہ اس کے اظہار کی وجہ سے مستحق عقوبت ہو گا۔ اگر اس کا اظہار ان کے دین کا تقاضا ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر کافر علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں تو مستحق سزا ہوں گے اور اس جرم کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

**دلیل نہم:** اس بات میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ کہ ہم نے کفار کو بتا دیا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرعام اور اعلانیہ گالی دینے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کو سزا دی جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ کفار کو ہم نے دار اسلام میں اس بات کی اجازت دے کر نہیں ٹھہرایا۔ جیسا کہ انہیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ دار اسلام میں اپنے کفر پر بیشک قائم رہیں۔ اب جب وہ دار اسلام میں وہ حرکت کرتے ہیں، جس کے کرنے کی انہیں اجازت نہ تھی۔ تو بالاتفاق وہ سزا کے

مستحق ہوں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی سزا یا تو کوڑے یا قید یا ہاتھ پاؤں کاٹنے یا قتل ان میں سے ہی کوئی ایک ہوگی۔ پہلی (کوڑے لگانا) تو باطل ہے۔ اس لئے کسی ایک اور عام مسلمان کو گالی دینے والے اور مسلمان حکومت کے سربراہ کو گالی دینے والے کیلئے کوڑوں کی سزا لازم ہے۔ اور قید کی سزا بھی ہے۔ لہٰذا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی سزا بھی یہی ہوتی۔ تو پھر پیغمبر کو گالی دینا اور عام مسلمان کو گالی دینا برابر ہو جاتا اور یہ بالضرورت باطل ہے۔ دوسری سزا ہاتھ پاؤں کاٹنے اس کا کوئی تک نہیں بنتا۔ لہٰذا ایسے شخص کی سزا قتل ہی متعین ہے۔

دلیل دہم: قیاس جلی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اہل ذمہ جب کسی ایسی بات کی خلاف ورزی کرتے ہیں جو معاہدہ میں موجود ہو تو ان کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اعتراض: ابن تیمیہ نے ایک اعتراض ذکر کیا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں سے آزمایا جائے گا۔ اور لازماً تم اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو یہ بہت بڑا کام ہوگا (آل عمران:186)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو یہ خبر دی ہے کہ ہم ان کافروں اور مشرکوں سے اذیت ناک بہت سی باتیں سنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے حالات میں ان کی اذیت پہنچانے پر صبر کی دعوت دی ہے اور یہ لوگ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب، دین اور اس کے رسول کے بارے میں عام اذیت پہنچاتے ہیں۔ (تو معلوم ہوا کہ گالی بکنے کے مقابلہ میں ہمیں صبر و تقویٰ سے کام لینا چاہیے۔ قتل کرنا درست نہیں؟)۔

جواب: ابن تیمیہ نے خود ہی جواب لکھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو صبر و تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب ہمیں ان کے قتل کرنے کی ہمت ہو تو اس وقت بھی ہم صبر و تقویٰ ہی کیے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان پر حد قائم نہ کریں۔ کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جب ہم کسی مشرک یا کتابی سے ایسی بات سنتے ہیں کہ جس سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہو۔ اور ہمارے اور اس کے درمیان کسی قسم کا کوئی معاہدہ بھی نہ ہو۔ تو ہم پر اس سے قتال کرنا واجب ہے۔ اور حتی الامکان ہم ان سے ٹکر لیں گے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے لکھا کہ خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام

مشرکین واہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق معاف کر دیا کرتے تھے۔ اور ان کی تکالیف پر صبر سے کام لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ "وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ" میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ بہت سے کتابی تمہارے بارے میں یہ تمنا رکھتے ہیں۔ کہ کاش وہ تمہیں ایماندار ہونے کے بعد کافر بنا لیں۔ یہ ان کے دل کا حسد ہے۔ اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد ہے۔ لہٰذا تم انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم عطا فرما دے۔ بیشک وہ ہر بات کر سکتا ہے۔ (البقرہ)

پھر لکھا۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب علی بن طلحہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان اقوال کے بارے میں انہوں نے فرمایا۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ (الانعام) — لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ (الغاشیہ) — فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ (المائدہ:13) — وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا (التغابن:14) — فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ (البقرہ:109) — قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (الجاثیہ:14) اور اس قسم کی دیگر قرآنی آیات کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم مشرکین کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کیا کرو۔ ان تمام آیات کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول منسوخ کر رہا ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ:5)۔ اور یہ قول بھی ان کا ناسخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (توبہ)۔ لہٰذا مشرکین کو معاف کر دیا جانا ان آیات سے منسوخ ہو چکا ہے۔

پھر لکھا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے وہ حکم اتارا جس کا گزشتہ آیت (حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ) میں اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ وہ حکم کیا تھا یہ کہ دین کا غلبہ ہوگا۔ مومنوں کو عزت ملے گی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے معاہدہ جات ہیں۔ ان سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دو اور مشرکین سے مکمل جہاد کرو۔ اور اہل کتاب سے بھی لڑو۔ یہ لڑائی اس وقت تک نہیں رکنی چاہئے جب تک یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذلت میں گر کر جزیہ نہ دیں۔ صبر کا انجام اور تقویٰ کا پھل ان لوگوں کو یہ ملا جنہیں اللہ تعالیٰ نے شروع میں صبر و تقویٰ کی دعوت دی تھی۔ اس وقت مدینہ منورہ کے یہودی ہوں یا کسی اور جگہ کے کسی سے جزیہ نہیں لیا گیا تھا۔ پھر یہ آیات (جن میں صبر و تقویٰ ذکر ہے)

ان مومنوں کے حق میں جو کمزور ہیں۔ جو اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کر سکتے۔ ان کیلئے یہ پیغام دیتی ہیں کہ تم سے جیسے بھی ہو سکتا ہے ویسے ہی مدد کرو۔ اگر زبان و ہاتھ سے نہیں تو کم از کم دل وغیرہ سے تو مدد کر سکتے ہو۔ یہی کرو۔ اور وہ آیات (جن میں جہاد کا ذکر ہے) جن معاہدین کو ذلیل کرنے کا حکم ہے۔ ان ایمان والوں کے بارے میں ہوں گی۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زبان، ہاتھ اور ہر طرح سے مدد کر سکتے ہیں۔ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات پر مسلمان حضور ﷺ کے آخری دور میں عمل کرتے رہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ اور اسی طرح قیامت تک اس امت کا ایک گروہ لازماً ایسا رہے گا۔ جو حق پر قائم رہے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل مدد کرے گا۔ لہٰذا جو ایمان والا ایسے علاقہ اور ایسی حکومت میں رہ رہا ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ یا ایسے حالات و وقت میں ہے کہ بے بس ہے تو اسے آیت صبر، درگزر اور معاف کر دینے والی پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی جو لوگ اس کے سامنے ایسی حرکات کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو، اس کے دین کو، اس کی کتاب کو، اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچتی ہو۔ خواہ وہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب ہوں۔ تو وہ صبر کرے۔ اور درگزر سے کام لے۔ رہے وہ مسلمان جو صاحب قوت ہیں۔ تو ان کو آیات قتال و جہاد پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے کفر کے سرکردہ لیڈروں اور ان کے حکمرانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو دین میں طعن کرتے ہیں اور آیت ''کتابیوں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک ذلیل ہو کر وہ اپنے ہاتھوں سے تمہیں جزیہ نہیں دیتے'' پر عمل کرنا چاہیے۔ انتہیٰ کلامہ۔

## جو ہر ابن تیمیہ۔ موصوف نے اپنی کتاب ''الصارم المسلول'' مذکور میں لکھا

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہمارے دلوں، زبانوں اور اعضاء پر وہ بھی لازم کیے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کے علاوہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنی تصدیق کے علاوہ اور بھی بہت سی عبادات ان کے دل، زبان اور اعضاء پر لازم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت و تعظیم کیلئے جہاں آپ کی نبوت کی تکذیب کو حرام کر دیا وہاں اور بھی بہت سے امور حرام کر دیئے جو آپ کے علاوہ دوسروں کیلئے حرام نہیں ہیں۔

ان امور میں سے ایک امر صلوۃ و سلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت صلوۃ و سلام میں پہلے خبر دی کہ وہ خود اور اس کے فرشتے آپ پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو صلوۃ و سلام کا حکم دیا۔ اور آپ پر ''صلوۃ

بھیجنا'' اس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء بھی شامل ہے اور آپ کیلئے خیر کی دعا بھی موجود ہے۔اور قرب خداوندی کی بھی درخواست ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بھی استدعا ہے۔اور آپ پر ''سلام بھیجنا'' اس میں آپ کی ہر آفت سے سلامتی کی دعا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ پر صلوۃ وسلام بھیجنا'' تمام خیرات'' کو جامع ہے۔پھر اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجتا ہے۔جس نے آپ پر ایک مرتبہ صلوۃ بھیجی۔یہ اس لئے تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ آپ پر صلوۃ بھیجیں۔اور جس قدر زیادہ بھیجیں گے اسی قدر زیادہ کے حقدار بھی ہوں گے۔اور سعادت الٰہیہ سے مستفید ہوں گے۔اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ایک امران میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور عزیز ہیں۔لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان پیاسا ہو۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی کی ضرورت ہو تو اپنی پیاس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دے۔بھوکا ہو اور کھانے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرورت ہو تو خود بھوکا رہے کھانا آپ کی بارگاہ میں حاضر کردے۔اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے مال اپنی جان سے حفاظت کرے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهِ ؕ اہل مدینہ اوران کے گردونواح والے دیہاتیوں کو کیا ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ گئے۔ اورانہوں نے اپنی جانوں کو آپ کی ذات سے کیوں ترجیح دی (توبہ:120) اس سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کا یہ پسند کرنا کہ جو پریشانی اور مصیبت میری ذات کو چھونے والی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلی جائے۔حرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر مومنوں کو جہاد اور دوسری سختیوں کے بارے میں فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ﴿۲۱﴾ یقیناً تمہارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے۔یہ اس کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے (الاحزاب)

آپ کے حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مومن کے نزدیک آپ کی ذات مبارکہ اپنی جان، اپنی اولاد اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہونی چاہئے۔جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ

تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ الآية۔ فرما دیجئے۔ تمہارے آباؤ اجداد تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور تمہارے محنت سے کمائے گئے اموال اور وہ تجارت جس کے نقصان سے ڈرتے ہو اور وہ رہائش گاہیں جنہیں تم بہت پسند کرتے ہو، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہیں (التوبہ:24)...... یہی مضمون بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان کو چھوڑ کر باقی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ عمر! انہیں بات تب ہوگی کہ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب سمجھے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم! آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ فرمایا۔ عمر! اب ٹھیک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ تم میں سے کوئی بھی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)۔

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے ایک حق آپ کی تعظیم وتوقیر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ "آپ کی تعظیم وتوقیر کرو (الفتح:9)۔ "تعزیر" ایک جامع لفظ ہے۔ جس میں آپ کی مدد کرنا، آپ کی تائید کرنا اور آپ کو اذیت پہنچانے والی ہر چیز سے آپ کی حفاظت کرنا شامل ہیں۔ اور "توقیر" بھی ایک جامع لفظ ہے جس میں ہر وہ چیز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکون و اطمینان کا سبب ہو۔ اجلال و اکرام ظاہر ہوتا ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر وہ شریفانہ برتاؤ اور تعظیم بھرا سلوک کرنا جو آپ کے وقار کا محافظ ہو۔ انہیں مخصوص حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت آپ کے لائق بات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا "رسول کریم ﷺ کو آواز دینا ایسے نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو (النور:63)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "یا محمد، یا احمد، یا ابا القاسم کے الفاظ کے ساتھ آواز دینا منع کر دیا ہے۔ اگر کہنا ہے تو "یا رسول اللہ، یا نبی اللہ" کہو۔ حضرات صحابہ کرام آپ کو اس انداز سے کیسے مخاطب نہ کرتے جب کہ پروردگار عالم نے آپ کو جن الفاظ سے خطاب فرمایا۔ ویسے الفاظ سے اس نے حضرات انبیاء کرام کو خطاب نہیں فرمایا۔ آپ کو عزت بھرے الفاظ سے مخاطب کیا کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں

آپ کا نام لیکر خطاب نہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا (الاحزاب:28) ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الاحزاب: 59)۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ (الاحزاب)۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ (الاحزاب:50) ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ (الاحزاب:1) ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق:1)۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ (التحریم: 1)۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ (المائدہ: 67)۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاۙ (المزمل)۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْﭪ (المدثر:)۔ ادھر یہ اور ادھر دیگر انبیاء کرام سے خطاب کرتے وقت فرمایا۔ وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرہ:35) ۔ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۚ (البقرہ:33) ۔ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَۚ (ھود:46) ۔ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَاۚ (ھود:76)۔ یٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ (الاعراف:144) ۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص:26)۔ یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍؕ (مریم12)۔ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَۘ (المائدہ:110)۔

ایک اور حق یہ ہے کہ آپ کے سامنے گفتگو میں پہل کرنا حرام ہے۔ جب تک آپ اجازت نہ عطا فرمائیں۔ لب کشائی نہیں کرنی چاہئے اور آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممنوع ہے کہ کوئی شخص آپ سے اس طرح اونچی آواز سے گفتگو کرے جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایسا کرنے والے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور اعمال کا ضائع اور باطل ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حرکت تقاضائے کفر کرتی ہے۔ کیونکہ عمل کا ضیاع کفر سے ہی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ آپ کے دربار عالیہ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہ خلوص تقوی والا دل رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ اور انہیں اپنی رحمت سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آوازیں دیتے ہیں جب آپ اپنے در دولت میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو ان میں سے اکثریت کم عقلوں بلکہ بے عقلوں کی ہے۔ کیونکہ انہیں اگر عقل ہوتی تو اس طرح زور زور سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں نہ دیتے۔ اور اس لئے بھی کہ اگر کچھ دیر صبر کرتے تو آپ خود باہر تشریف لے آتے۔ لیکن ان بے عقلوں نے آواز پر آواز دیکر آپ کو باہر آنے پر مجبور کر دیا۔

آپ کے مخصوص حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ امت کیلئے اس بات کو حرام کر دیا ہے کہ آپ کو اذیت

پہنچائے۔ خواہ اذیت کی بات ایسی ہی کیوں نہ ہو جو آپس میں کرنی مباح ہو۔ یہ حکم آپ کے اور امت کے درمیان امتیاز کیلئے ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ آپ کے وصال کے بعد نکاح کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ تم میں سے کسی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا جائز نہیں۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے شادی کرو۔ یہ ابدی حکم ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک بہت بڑا (گناہ) ہے (الاحزاب)۔ اللہ تعالیٰ نے امت پر آپ کی وجہ سے آپ کی ازواج کا احترام لازم کر دیا۔ اور احترام و تحریم میں انہیں "مائیں" فرمایا۔ ارشاد ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے زیادہ عزیز و قریب ہیں۔ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں (الاحزاب:6)۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے افعال کو اپنے افعال کی بنیاد قرار دینے کا معاملہ ہے تو یہ باب اور موضوع اس قدر وسیع ہے کہ جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ ان باتوں کو بھی لوازم رسالت میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہماری گفتگو کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے لوازم کے علاوہ وہ حقوق بیان کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپکی امت پر واجب یا حرام کئے۔ جن کے بارے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایسا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث فرمائے۔ لیکن امت پر اس رسول کیلئے ایسے حقوق لازم نہ ہوں۔ مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کرام میں سے آپ کے ان حقوق واجبہ و محرمہ کا تذکرہ کرنا ہے جن کا تعلق صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ ہے۔

-حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی و کرامت اس سے بھی دکھائی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق اذیت اور مومنین کی اذیت الگ الگ بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ (الاحزاب) اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کی حد قتل ہے جیسا کہ آپ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینے والے کیلئے کوڑے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر

کو ایسی بلندی بخش دی ہے کہ جہاں خود اللہ تعالیٰ کا اپنا ذکر ہوتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی موجود ہے۔ امت کیلئے خطبہ اور تشہد اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتے جب تک وہ ان میں یہ گواہی نہ دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسول مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خطبہ میں آپ کا ذکر لازم کر دیا ہے۔ اور شہادتین میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ جو اسلام کی اساس و بنیاد ہیں۔ اذان میں بھی آپ کا ذکر ہے جو شعار اسلام ہے۔ نماز میں بھی آپ کا ذکر ہے جو دین کا ستون ہے ان کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر رکھا ہے۔ یہاں آپ کے خصائص پر گفتگو مکمل ہوتی ہے۔ اگرچہ خصائص کی تعداد اس قدر طویل ہے جو ختم نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں ابن تیمیہ کا کلام اختتام کو پہنچا۔ شافعی مسلک کے امام سبکی رضی اللہ عنہ اور حنفی مسلک کے امام ابن عابدین رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا حکم "قتل" ہی کیا ہے۔ جناب قاضی عیاض مالکی رضی اللہ عنہ تو ان سب کے پیشوا ہیں۔ یعنی مسئلہ مذکورہ میں آپ نے یہی بات ان سے بہت پہلے کہی تھی۔ ان تمام نے آپ کے ہی آثار کا اقتباس کیا اور ان کا کلام "الشفاء" میں مرقوم ہے۔ وہاں سے انہوں نے نقل کیا۔ اسی وجہ سے میں نے یہاں خاص کر اسے ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا جو چاہتا ہو کہ ان کے کلام پر مطلع ہو۔ وہ "الشفاء" کا مطالعہ کرے۔

اب میں ذیل میں امام تقی الدین السبکی رضی اللہ عنہ کی کتاب "السیف المسلول" کا خطبہ نقل کر رہا ہوں۔ یہ کتاب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کے بارے میں تحریر فرمائی۔ اس کے نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی جس انداز سے بیان کی گئی۔ اسے بلاغت کی زبان میں "براعۃ" کہتے ہیں اور اس خطبہ سے ہی ان کا موقف بھی ظاہر ہوتا ہے اور ان کے امام ہمارے امام جناب محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ گالی دینے والا اگر توبہ کر کے اسلام لے آتا ہو تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے جب وہ اسلام قبول کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ میں نے اس موضوع پر ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے قرآن کریم، احادیث، اجماع اور قیاس سے دلائل ذکر کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اب کسی اور کتاب سے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابن تیمیہ نے کافی بسط سے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اگرچہ ابن تیمیہ کا اس بارے میں مذہب وہی ہے جو ان

کے امام یعنی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ کا بھی ہے وہ یہ کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ وہ ہر صورت میں واجب القتل ہے۔ اور اس موقف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم زیادہ نظر آتی ہے۔ اس لئے میں نے بکثرت دلائل ابن تیمیہ کی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ دوسری کسی کتاب سے نہیں۔ اگرچہ تمام ائمہ کرام راہ راست پر ہیں۔ اور حق پر ہیں۔ جیسا کہ امام شعرانی وغیرہ نے کیا۔ امام السبکی کی کتاب میں اکثر عبارات فقہاء کرام کی نقل کی گئی ہیں اور کتاب وسنت میں سے بعض دلائل پر اکتفا کیا جو ابن تیمیہ نے ذکر کئے۔ اس کے بعد میں امام ابن عابدین کے کلام سے بھی چند اقتباس پیش کروں گا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَ نَفَعَنَا بِبَرَکَاتِھِمْ وَالْمُسْلِمِیْنَ۔

امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "اَلسَّیْفُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی مَنْ سَبَّ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اس اللہ کو زیبا جو اپنے اولیاء کی مدد کرنے والا اور دشمنوں کی سرکوبی کرنے والا ہے۔ زمین وآسمان میں وہی معبود ہے۔ اپنی صفات اور اپنے اسماء سے مشہور ہے۔ اپنی عظمت وکبریائی میں یکتا ہے۔ اپنی جبروت وبلندی میں قاہر ہے۔ وہ ایسا ایک اور تنہا ہے جو اپنی ازلیت میں اول نہیں رکھتا اور اپنی بقاء میں آخر نہیں رکھتا۔ پالنے والا، بے نیاز ایسا کہ نہ اس کی کوئی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کی قضا میں کوئی شریک ہے۔ حی اور باقی ہے۔ اور اس نے ہر ایک کو فنا کا حکم دے رکھا ہے۔ عالم ہے کہ زمین وآسمان میں ایک ذرہ بھر کی مقدار بھی اس سے اوجھل نہیں۔ خواہ وہ ظاہری حالت میں ہو یا پوشیدہ ہو۔ ایسا قادر کہ تمام ممکنات اس کی اطاعت میں مسخر ہیں۔ اور اس کے امر ودعوت کے تابع ہیں۔ حکیم ایسا کہ جو بناتا ہے وہ پختہ اور یقین کے ساتھ بناتا ہے۔ سو پاکیزگی اس کیلئے جس کی نعمتوں کے سمندر میں عقلیں حیران ہیں۔ میں اس کی اپنی نعمتوں کے عطاء پر حمد کہتا ہوں اور اس کی بخشش کے لوٹانے پر تعریف کرتا ہوں۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ایک اور لاشریک ہے۔ ایسی گواہی جو اس اللہ سے ملاقات والے دن کیلئے میں اسی کے سپرد اور اسی کے پاس امانت رکھتا ہوں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد خاص اور اس کے رسول ہیں۔ جو تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں۔ تمام مرسلین سے برگزیدہ ہیں، اس کے تمام امین حضرات سے منتخب شدہ ہیں۔ نبی الرحمت ہیں شفیع امت ہیں۔ تکالیف

اور غموم کے دور فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اندھیرے سے نور کی طرف نکالنے والے ہیں۔ کفایت اور عصمت کی جنہیں خوشخبری دی گئی۔ جن کی تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ نے قدر و منزلت کو شرف بخشا۔ تمام انبیاء کرام سے جن کی نصرت کرنے کا عہد و میثاق لیا گیا، جو اللہ تعالیٰ کے حبیب و خلیل ہیں۔ اس کی وحی کے امین ہیں۔ اس کی رسالت کے محافظ ہیں جو اپنے رب کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں، جن کی جماعت سے مدد کا وعدہ کیا گیا۔ جو نہ ہوتے تو سورج پیدا نہ کیا جاتا، نہ کوئی نفس تکمیل پاتا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دینے والے کسی شخص کا وجود ہوتا۔ جن کی تعظیم فرض اور جن پر ہر زبان میں صلوۃ بھیجنی لازم ہے۔ وہ کہ جن کی نبوت اس وقت واجب کر دی گئی تھی جب حضرت آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ آپ کا اسم گرامی عرش معلیٰ پر اللہ واحد بے نیاز کے ساتھ رقم تھا۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر ایسا بلند کیا کہ جب بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ جن کی شریعت کو اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی ناسخ بنایا۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جسم ظاہری کے ساتھ زمین پر زندہ موجود ہوتے تو دونوں حضرات آپ کی اقتداء کرتے اور آپ کی اتباع میں ہوتے۔ وہ جن کی ایک مہینہ کی مسافت تک رعب سے مدد کی گئی۔ جن پر اترنے والی کتاب ابدالآباد تک باقی ہے جو دعوت عامہ کے ساتھ مخصوص ہیں جبکہ پہلے انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ اس وقت شفاعت عظمٰی فرمائیں گے جب ہر ایک اپنی اولاد، والد اور ماں کو بھول جائے گا۔ حمد کا جھنڈا ان کے دست اقدس میں ہوگا۔ آدم اور ان کے علاوہ دیگر تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

وہ کہ جنہیں خود اللہ تعالیٰ ایسی تعریف کرنا سکھائے گا جس کے ساتھ اس کی آپ تعریف کریں گے اس دن آپ ایسی بہترین حمد و ثناء کا مقام اور ادائیگی کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ آپ ہی سب سے پہلے زمین (قبر انور) سے باہر تشریف لائیں گے۔ جب مردوں کو اٹھایا جائے گا اور آپ ہی امام الانبیاء اور خطیب الانبیاء ہوں گے جب اللہ رحمٰن کے حضور آوازیں جھکی (خاموش) ہوں گی۔ الم نشرح کے سینہ والے، فرشتوں اور روح الامین کے امداد یافتہ، ظاہر و باہر معجزات والے، واضح آیات والے، ہر عیب اور نقص سے پاک، ہر شک اور ریب سے کوسوں دور۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سے نور بن کر پشتوں اور پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے یہ سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہو کر آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ تک آتا ہے۔ لہٰذا آپ کا نسب شریف تمام نسبوں سے پاکیزہ تر اور عظیم تر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اس کی مخلوق کے نزدیک ارفع اور اکرم

ہے۔آپ کا نسب پاک جاہلیت کے نکاح فاسد اور بدکاری سے بالکل مبرا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلمات کے سبب صحیح شخصیات میں محفوظ چلتا رہا۔حتیٰ کہ وہی نور "بدر منیر" بن کر طلوع ہوا۔جس کے طلوع ہوتے ہی بت اوندھے ہوگئے اور شرک کی دعوت دینے والے آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی اوجھل ہو گئے۔زمانہ کے دائرہ کا کمال اور قطب بن کر جلوہ فرما ہوئے۔کائنات سے برگزیدہ اور اس کا مغز بن کر آئے۔تمام قبائل میں سے اعلیٰ ترین قبیلہ میں سے اور خود اس کے تمام افراد سے اعلیٰ فرد تھے۔وہ قبیلہ جو تمام قبائل کا سردار تھا اور آپ اس کے سرکردہ تھے جو اپنی ذات وصفات میں کامل تھے۔جن کی حرکات وسکنات محفوظ تھیں جو جلوت وخلوت میں معصوم تھے۔جنہیں قوم امین کہہ کر پکارتی تھی۔جو اللہ رب العالمین کی عبادت قلب وقالب سے متوجہ ہو کر کرتے تھے جنہیں بعثت سے پہلے پتھر سلام کرتے تھے، بادل سایہ کرتے تھے، جن میں ایسی نشانیاں رکھ دی گئی تھیں جنہیں جاننے والا فوراً سمجھ جاتا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔حتیٰ کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی مکمل ہوئی تو آپ کے پاس روح الامین حاضر ہوئے۔کتاب مبین لائے، وہ کتاب جو کنکریوں کے بولنے، انگلیوں سے پانی پھوٹنے، چاند کے ٹکڑے ہونے، ڈوبے سورج کو لوٹانے، قلیل کو کثیر اور اجابت دعاء، معراج واسراء، خلق وخلق میں کمال محاسن، تمام مخلوق کیلئے رأفت ورحمت بن کر تشریف لانے ایسے معجزات سے کہیں اعلیٰ معجزہ ہے۔وہ کہ جن پر پیغمبروں نے صلوٰۃ بھیجی۔جنہیں اولاد آدم کی سیادت سے نوازا گیا۔جن کے سورج پلٹانے کو دنیا نے دیکھا، جنہوں نے اعیان کو تبدیل کر دیا۔(ایک چیز کو الگ دوسری چیز بنا دیا) آنکھوں سے محروم کو بینائی بخشی۔وغیر ذالک معجزات سے بھی قرآن کریم بڑا معجزہ ہے۔جن کی تعداد اور شمار ناممکن ہے۔صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا مَّا دَارَ فَلَكٌ ۔اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل، ازواج اور ذریت پر بکثرت سلامتی نازل فرمائے جب تک آسمان چکر لگاتا رہے۔فرشتے تسبیح کرتے رہیں۔سورج مشرق ومغرب کی طرف آتا جاتا رہے۔کبوتر جھوم جھوم کر غٹکوں غٹکوں کرتا رہے۔جب تک دنیا اور آخرت رہے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی تعظیم کے لباس فاخرہ پہناتا رہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو وسیلہ، فضیلۃ، درجہ رفیعہ پر متمکن فرمائے۔مقام محمود پر آپ کو مبعوث فرمائے اور ہماری طرف سے آپ کی بارگاہ عالیہ میں ہر وقت لگاتار صلوٰۃ وسلام کے نذرانے وہدایا پیش کرتا رہے۔

اما بعد! اللہ تعالیٰ کے بعد ہم پر کسی کا احسان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہے اور آپ کی شخصیت اور ذات مبارکہ کے سوا کسی اور کا ہم پر فضل عظیم نہیں ہے۔کیونکہ آپ ہی کی بدولت

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صراط مستقیم کی رہنمائی کی۔اور جہنم کی آگ سے بچایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے۔ جن پر تمہاری ہر مشقت گراں گزرتی ہے۔ تمہارے حد درجہ خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے بہت ہی مہربان اور نرم دل ہیں (التوبہ) آپ ہی کی بدولت ہمیں دنیا و آخرت کی مصلحتیں ملیں۔ اور آپ کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی ظاہری باطنی نعمتیں نچھاور کیں۔ ہم اندھے تھے آپ نے بینا کر دیا، گمراہ تھے راہ راست پر آپ کی برکت سے آ گئے۔ جاہل تھے آپ کے ذریعہ علم دیا اور انشاء اللہ آپ کی برکت سے ہم خوف کے بعد امن کی امید رکھتے ہیں۔ آپ نے ہمارے لئے اپنی مخصوص دعا مؤخر کر رکھی ہے۔ جو شفاعت کے رنگ میں کل قیامت کو ہمیں اپنے دامن میں لے گی۔

آپ نے ہی اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے ایسی کرامات (بزرگیاں) مانگیں۔ جن تک ہماری خواہشات و تمناؤں کی رسائی نہ تھی۔ تو ہم آپ کا شکر کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔ آپ کے احسانات کا جو شکر ہم پر ہے اس کا عشر عشیر بھی تو ہم ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جب آپ کا مرتبہ بہت عالی ہے تو اس نے ہم پر آپ کی تعظیم، توقیر، نصرت، محبت اور آپ کا ادب فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ ہم نے ہی آپ کو حاضر ناظر، خوش خبری دینے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو (الفتح:8)۔ نیز ارشاد فرمایا۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔ اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر چکا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کیلئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز و قریب ہیں۔ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اے مومنو! اپنی آوازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا نہ کرنا۔ اور نہ ہی آپ کو اس طرح بلند آواز سے پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، کہیں بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔ وہ وہی ہیں جن

کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے چن لئے۔ اور ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (الحجرات)۔ ارشاد فرمایا۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی محترم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے مومنو تم بھی ان پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسا بھیجنا چاہئے (الاحزاب)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ اگر تم دونوں نے ان کے خلاف اتحاد کرلیا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کا والی وارث ہے اور جبرئیل، صالح مومن اور فرشتے بھی ان کے حامی ہیں (التحریم 4) نیز فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں ان سے ہی ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمادیا۔ (آل عمران 164)

جو شخص تمام قرآن کریم پر غور وفکر کرتا ہے۔ وہ لازماً اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر عظیم سے بھرپور پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہم مسلمانوں پر اپنی ذات کی تصدیق اور وحدانیت پر ایمان لانا لازم قرار دیا اسی طرح ہمارے دلوں میں اپنی تعظیم، اجلال، رعب، خوف، رضا، توکل اور شکر بھی لازم کیا۔ اور ہماری زبانوں پر اپنی صفت وثنا، ذکر وحمد اور قرآن کریم کی قراءۃ، ہمارے اعضاء پر نماز وغیرہ عبادات کی ادائیگی فرض کردی۔ اسی طرح اس نے ہمارے آقا محترم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے اور آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں میں آپ کی تعظیم وتوقیر اور محبت فرض کی۔ ہماری زبانوں پر آپ پر صلوۃ وسلام عرض کرنا، اذان، نماز اور خطبہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دینا، اور ہمارے اعضاء پر یہ کہ آپ کو ہم اپنی جان سے زیادہ مقدم سمجھنا بھی فرض کردیا۔ اور آپ کے سامنے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا لازم قرار دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم کیں جو تبلیغ رسالت کے منصب کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ رسالت کے اعتبار سے واجبات تو تمام انبیاء کرام کے ساتھ عام ہیں۔ اس لئے آپ کے بارے میں کچھ فرائض ایسے بھی ہیں جن میں کوئی دوسرا نبی شریک نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنے باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ ہر ایک چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ اے عمر! نہیں، بات تب ہوگی کہ تو اپنی جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب سمجھے۔ عرض کیا۔ حضور! آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ اب بات ہوئی نا۔

یونہی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی خاطر ہم پر بہت سی باتیں حرام کر دی ہیں۔
ارشاد فرمایا۔ ''تمہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ کبھی جائز کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرو۔ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے''۔

ارشاد فرمایا۔ ''بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں لعنت۔ اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی وجہ سے۔ ایسے لوگ بہتان باندھتے اور واضح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔'' ان آیات میں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے اور عام مومن مرد و عورت کو اذیت پہنچانے والے کے درمیان جزا میں کیسا واضح فرق ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے آپ کے وصال کے بعد شادی کرنا حرام قرار دے دیا۔ لیکن کسی مومن کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح حرام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ '' ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کان ہیں۔ فرما دیجئے میرا کان ہونا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور مومنین کی بات مانتے ہیں اور تم میں سے مومنوں کیلئے رحمت ہیں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''بیشک یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتی ہے وہ تم سے شرم و حیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا'' اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات کی ابتدائی آیات میں اپنے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم سے منع فرمایا۔ اس لئے کسی کیلئے جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گفتگو میں پہل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ چھوڑنے کو بھی حرام فرمایا۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ الاية (التوبہ:120) اہل مدینہ اور ان کے اردگرد کے گنواروں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اور نہ یہ جائز کہ آپ کی ذات سے اپنی ذات کو پسند کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حجرہ جات کے پیچھے سے آپ کو آواز دینا حرام قرار دیا۔ اور ایسا کرنے والے کو بے عقل فرمایا۔ بہرحال اس مقام پر ایسی آیات کا احاطہ کرنا اور ان سب کو تحریر کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں یہ بات صراحۃً اور اشارۃً بیان فرمائی۔ اور جن میں آپ کی اعلیٰ قدر و منزلت اور بلند

مرتبہ مذکور ہے اور جن میں آپ کے ادب و احترام کو مبالغۃً بیان کیا گیا۔ کوئی راستہ نہیں۔ یعنی ممکن نہیں۔ یونہی ایسی آیات کے ذکر کرنے کی کوئی سبیل ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی ثناء بیان کی۔ آپ کی حیات کی قسم کھائی، آپ کو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ سے پکارنا، اور آپ کا اسم گرامی لیکر نہ پکارنا ذکر فرمایا۔ بخلاف دوسرے انبیاء کرام کے کہ ان کے نام سے پکارا گیا۔ وغیر ذالک ایسی آیات جو آپ کی قدر عالی پر دلالت کرتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ کسی کی بزرگی آپ کی بزرگی کے مساوی نہیں۔ لہٰذا ہمارا آپ کی تعظیم بجالانا، اپنی جانوں کو آپ پر قربان کرنا، آپ کی توقیر کرنا، آپ کی مدد کرنا یہ سب باتیں ہم پر لازم عبادات ہیں۔ کیونکہ ان تمام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ہماری جانیں آپ کے تابع حکم ہیں۔ کیونکہ آپ کے ہم پر عظیم احسان ہیں۔ اور حقیقت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو بھی دلوں پر احسان کرتا ہے دل اسے محبوب سمجھتے ہیں۔ محبت دل سے، مدد ہاتھ اور زبان سے کی جاتی ہے اور اگر مدد ہاتھ سے کرنے میں کوئی عذر ہو تو زبان سے لازماً کرنی چاہیے۔ یہ تصنیف جس کا میں نے نام "السیف المسلول علی من سب الرسول" رکھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ بنا۔ کہ ہمارے پاس ایک نصرانی کے بارے میں فتویٰ لایا گیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکی تھی۔ اور اسلام نہ لایا تھا۔ میں نے اس پر لکھا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اسے اس طرح قتل کرنا ضروری ہے۔ جس طرح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کروایا تھا اور لکھا کہ اس کتے کو گھسنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب رفیع کو پاک کر دیا گیا۔

لَا یَسْلِمُ الشَّرَفُ الرَّفِیْعُ مِنَ الْاَذٰی ۔۔۔ حَتّٰی یُرَاقَ عَلٰی جَوَانِبِهِ الدَّمُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت رفیعہ پر بکنے والے سے اس وقت تک محفوظ نہیں ہوگی جب تک اس بکنے والے کا خون اس کے پہلوؤں پر گرا نہ دیا جائے۔ (یعنی قتل کر دیا جائے) میرے ساتھ شافعی اور مالکی المسلک حضرات کی ایک جماعت نے یہی لکھا۔ لیکن بعض حضرات نے اس حکم کا انکار کیا، جن کے پاس امام رافعی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول بطور دلیل تھا۔ ان بزرگوں نے لکھا ہے کہ چونکہ کسی ذمی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا اس سے کیا اس کا عہد ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور خیال کیا کہ جب عہد بالاتفاق ختم نہیں ہوتا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور میرے استدلال پر تعجب کا اظہار کیا جو میں نے کعب بن اشرف کے واقعہ سے کیا تھا اور کہا۔ یہ ایک معین واقعہ ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ اسے گالی بکنے کے علاوہ کسی اور جرم کی بناء پر

قتل کیا گیا ہو۔ اور بعض دفعہ تو ہمارے موقف کے مخالفین نے یہاں تک زعم کیا کہ کعب بن اشرف حربی تھا۔ مجھے اس بارے میں جھگڑا کرنے اور بحث وتکرار کرنے پر بہت تعجب ہوا۔ خاص کر اس شخص کا جسے سیرت سے معمولی سا بھی لگاؤ ہو یا فقہ سے کچھ انس ہو اور مجھے شافعی المسلک (امام رافعی) کے بیان سے اور بھی تعجب ہوا۔ کیونکہ ان کے امام (جناب امام شافعی رضی اللہ عنہ) بھی وہی فرما چکے ہیں جو میں نے لکھا۔ انہوں نے بھی دلیل وہی ذکر فرمائی جو میں نے ذکر کی۔ یعنی کعب بن اشرف کا واقعہ۔ اسی طرح آپ کے مذہب کے اکابر حضرات نے بھی یہی لکھا۔ ان میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف نہ کہا۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''ہمارا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔'' اور اس موقف سے انکار کی وجہ صرف ''باطل مجادلہ'' ہی نظر آتی ہے۔ مجھ پر اور میرے علاوہ دوسرے اہل علم حضرات پر لازم ہے کہ اس موقف پر ڈٹ جائیں اور اس بارے میں ''حق'' کی کھل کر وضاحت کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج:40) جو اللہ تعالیٰ کی مدد کریگا اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔ مجھے اس کے زائل کرنے کی قدرت نہیں۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دل اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اس کا صرف زبان سے انکار کر دینا ہی کافی نہیں ہوگا جب اس کے انکار کے اور بھی امکانی طریقے ہوں۔ لہٰذا میں اس کے خلاف زبانی اور قلمی دونوں طرح جہاد کروں گا اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرا اس بات پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ جو میرے ہاتھ اور طاقت سے باہر ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اسی طرح نجات عطا فرمادے گا جس طرح وہ ایسے لوگوں کو نجات دے گا جو برائی سے روکتے ہیں۔ بیشک وہ معاف کر دینے والا بخشنے والا ہے۔ اِنْتَهٰی کَلَامُ السُّبْکِیِّ فِیْ خُطْبَةِ كِتَابِهِ الْمَذْکُوْرِ۔

اس کے بعد امام موصوف نے ''فصل ثانی'' میں تحریر فرمایا۔ کہ جو بات ہم نے کہی کہ گالی بکنے والے کی توبہ ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ کہ اس کی توبہ ''اسلام'' کے بغیر قطعاً قبول نہیں ہوگی۔ اور جہاں ہم نے مطلقاً توبہ قبول کرنے کی بات لکھی ہے اس سے مراد بھی ایسی توبہ ہے جو ''اسلام'' قبول کرنے کے ساتھ ہو۔ پھر امام موصوف نے لکھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ ارشاد فرمایا ''مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہ کی جائے گی'' اس سے مراد ''اسلام قبول کرنے کے بغیر توبہ'' ہے اور عام زبانوں پر جو موقف مشہور ہے اور جو حکام سے بھی عام طور پر معروف ہے کہ جس حکم کے ساتھ وہ ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے رہے یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اھ

# امام ابن عابدین کا حضور ﷺ کو گالی دینے والے کے بارے میں حکم

امام موصوف رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام'' میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام میں نے ''تَنْبِيْهُ الْوَلَاةِ وَالْحُكَّامِ عَلٰى اَحْكَامِ شَاتِمِ خَيْرِ الْاَنَامِ اَوْ اَحَدِ اَصْحَابِهِ الْكِرَامِ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ'' رکھا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف وضع اور ترصیف کی وجہ یہ بنی کہ میں نے اپنی ہی دو سابقہ تصانیف ''العقود الدریہ'' اور ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ایسے بد بخت اور لعین کے متعلق مختصر طور پر احکام تحریر کر دیئے تھے۔ جس نے یہ حرکت کر کے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار اپھینکا تھا۔ کیونکہ اس نے سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زبان درازی کی تھی۔ لیکن باعتبار نقول اور دلائل کے مجھے یہی نظر آیا کہ اپنے امام کے موقف کے سامنے سر تسلیم کرنا چاہئے اور عصبیت کو ترک کر دینا چاہئے اور میں اس طرف مائل ہو گیا کہ ایسے بد بخت کے اسلام قبول کرنے پر اس کی توبہ قبول کر لینی چاہئے اور اس کے قتل سے رجوع کر لینا چاہئے۔ اگر چہ میرا سینہ اس سے مطمئن اور میرا دل اس سے شافی نہ تھا۔ کیونکہ مجھے ایسے شخص کے قتل کئے جانے کے بغیر دلی خوشی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ لیکن عقل کو ایسی باتوں میں دخل نہیں ہوتا جب کہ نقل سے بات واضح طور پر سامنے آ جائے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفی ائمہ حضرات کی تحریرات میں سے مجھے کسی کی ایسی تحریر نظر نہ آئی۔ جس نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب واضح کر دیا ہو لیکن دوسرے مسلک کے حضرات نے اس پر خوب بسط سے کلام کیا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' کے آخر میں اسے لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے ابوالعباس ابن تیمیہ نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔ میں نے ابھی اس کا ایک قدیم نسخہ دیکھا ہے۔ جس پر مصنف کے ہاتھ کی تحریر ہے پھر امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے خاتمۃ المجتہدین تقی الدین ابوالحسن علی السبکی نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ''السیف المسلول علی من سب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' رکھا۔ میں نے ان بزرگوں کے دستر خوان سے ریزے چنے اور اس کتاب میں جمع کر دیئے۔ ان کے کلام کے علاوہ کچھ

دوسرے حضرات کا بھی کلام لیا گیا ہے اس کے بعد امام ابن عابدین موصوف نے امام سبکی کے وہ دلائل لکھے جن میں ایسے زبان دراز کی سزا "قتل" ہے۔ جب وہ توبہ نہ کرے تو یہ دلائل کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے لئے گئے۔ پھر امام سبکی کی بہت سے تحریرات نقل کیں۔ اور دوسرے شافعی حنفی حضرات کی بھی لکھیں۔ جن میں یہ مذکور ہے کہ اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ "حنبلیوں" کا موقف "مالکیوں" سے تقریباً ملتا جلتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسے کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور ان سے ہی ایک روایت "توبہ قبول" کر لینے کی بھی ہے۔ لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کے مذہب کے مطابق ہے۔

اس کے بعد امام ابن عابدین رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ ان عدول اور ثقہ لوگوں کی گواہی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق ہے وہ یہ کہ ایسے کی توبہ قبول کر لی جائے گی پھر امام موصوف نے اپنے حنفی مسلک کے بہت سے آئمہ کی تحریرات نقل کیں: جن کے آخر میں لکھا۔

اہل مذہب کی یہ نقول اس بارے میں صریح ہیں کہ مذکور گالی دینے والے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور قتل سے بچ جائے گا۔ پھر لکھا کہ اس موقف وحکم پر مذہب حنفی کے قابل اعتبار متن مکمل طور پر ناطق ہیں اور بالعموم یہی حکم بیان کرتے ہیں پھر بہت سے ائمہ کی عبارات نقل کیں۔ پھر "بزازیہ" کے کلام کا رد کیا۔ کیونکہ ان کا موقف یہ ہے کہ ایسا شخص لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ اصلاً قبول نہ ہوگی۔ "بزازیہ" کی اتباع میں صاحب دار، بحر، نحر، تنویر، خیر رملی اور شرنبلانی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ یہ حضرات احناف کے متاخرین میں سے "عمدۃ" ہیں ان کی تردید میں بھی امام موصوف نے بہت سے اقوال نقل کیے۔ جن سے یہ ثابت کیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے کہ ایسے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ جسے ان کی تفصیلی عبارات درکار ہوں وہ امام ابن عابدین کی مذکور کتاب کو دیکھ سکتا ہے وہ اب دمشق سے طبع ہوئی ہے اور مل سکتی ہے ابن تیمیہ کی مذکورہ کتاب اور امام سبکی کی مذکورہ کتاب یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں (اب آسانی سے دونوں مل سکتی ہیں۔ یہ بات علامہ نبہانی کے دور کی ہے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے ان دونوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ دستیاب ہوا۔ شائد ایک نسخہ مولف کے زمانہ میں عاریۃً لکھا گیا اور دوسرا "ملکاً" تحریر ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین چونکہ ان دونوں کی اطلاع مجھے متاخر ملی۔ اس لئے ان سے عبارات کا نقل کرنا متاخر ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ان دونوں کے اقتباسات (جواھرات) پہلے لکھتا۔ علاوہ ازیں میں امام سبکی

رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ جہاں ان کے ایک رسالہ "منح المنہ" کا ذکر "لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" کی تفسیر کے تحت آیا تھا۔ بہرحال ان کے ملفوظات کو متاخر ذکر کرنے کا سبب یہی بنا۔ اگرچہ یہ حضرات متقدمین میں سے ہیں۔ لیکن یہ اتنی بڑی غلطی بھی نہیں۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# الامام العارف باللہ الامیر عبدالقادر الجزائری الحسنی المدفون بدمشق کے جواھر

## المتوفی ۱۳۰۰ھ

جوہرا: موصوف نے اپنی کتاب "المواقف" کے موقف ۸۹ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالمین کیلئے رحمت ہونے سے مراد یہ نہیں کہ آپ اپنے فقط جسم طبعی کے اعتبار سے رحمت ہیں۔ اگرچہ جمہور مفسرین نے یہی کہا ہے۔ اور عام مفسرین کا یہی موقف ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ حیثیت کے اعتبار جمیع عالمین کیلئے رحمت عامہ نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ "عالم" اللہ تعالیٰ کے سواسب پر بولا جاتا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "من حیث الحقیقہ" رسالت جو تمام حقائق کی حقیقت ہے اور "مِنْ حَيْثُ الرُّوْحِ" جو روح الارواح ہے۔ اس کے اعتبار سے آپ "رحمت عالمین" ہیں۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہی وہ رحمت ہے۔ جو ہر شے پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ رحمت اس قدر عام ہے کہ اسماء الحق تعالیٰ کو بھی شامل ہے لیکن یہ شمول ان اسماء کے آثار کے ظہور اور ان کے مقتضیات کے باعتبار ہے اور یہی رحمت سب سے پہلی وہ چیز ہے جس نے عدم کی ظلمت (اندھیرا) کو پھاڑا۔ اور اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ صادر ہوئی اور یہی رحمت وہ وجود ہے جو تمام ممکنات کے اعیان پر فیض ڈالنے والا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلَ مَا خُلِقَ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ اے جابر! سب سے اول اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

اس "حقیقت محمدیہ" کے بہت سے نام ہیں جو اس کی بکثرت وجوہ اور اعتبارات کے پیش نظر ہیں۔ میں ان اسماء میں چند ذکر کرتا ہوں تاکہ میں جو ذکر کرنا چاہتا ہوں اس کیلئے نمونہ قرار پائیں۔

بہت سے حضرات جو مختلف حضرات کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں جب وہ یہ بکثرت نام دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ یہ مختلف مسمیات کے نام ہیں۔ حالانکہ بات یہ نہیں بلکہ یہ بکثرت نام یوں سمجھئے جس طرح عربی زبان میں سیف، صارم، قضیب، ہندوانی، ابیض، صقیل اور محدود وغیرہ سبھی ایک مسمی کے نام ہیں۔ (یعنی تلوار)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ حقیقت کے چند اسماء گرامی۔

۱-التعین الاول: یعنی حق تعالیٰ کیلئے تعین اول-اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حقیقت محمدیہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذات مع التعین الاول ہے۔

۲-القلم الاعلیٰ، ۳-امر اللہ، ۴-العقل الاول، ۵-سدرۃ المنتہیٰ، ۶-الحد الفاصل، ۷-مرتبۃ صورۃ الحق والانسان الکامل بلا تعدید، ۸-القلب، ۹-ام الکتاب، ۱۰-الکتاب المسطور، ۱۱-روح القدس، ۱۲-الروح الاعظم، ۱۳-التجلی الثانی، ۱۴-حقیقۃ الحقائق، ۱۵- العماء، ۱۶-الروح الکلی، ۱۷-الانسان الکامل، ۱۸-الامام المبین، ۱۹-العرش الذی استوی علیہ الرحمٰن، ۲۰-مرأۃ الحق، ۲۱-المادۃ الاولیٰ، ۲۲-المعلم الاول، ۲۳-نفس الرحمٰن (بفتح الفاء)، ۲۴-الفیض الاول، ۲۵-الدرۃ البیضاء، ۲۶-مرأۃ الحضرتین، ۲۷-البرزخ الجامع، ۲۸-واسطۃ الفیض والمدد، ۲۹-حضرۃ الجمع، ۳۰- الوصل، ۳۱-مجمع البحرین، ۳۲-مرأۃ الکون، ۳۳- مرکز الدائرۃ، ۳۴-الوجود الساری، ۳۵-نور الانوار، ۳۶-الظل الاول، ۳۷-الحیاۃ الساریۃ فی کل موجود، ۳۸-حضرۃ الاسماء والصفات، ۳۹-الحق المخلوق بہ کل شیٔ۔ وغیرہ ذالک جن کا ذکر طویل ہے۔

اس کے بعد امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے اس اسماء گرامیہ کی صوفیائے کرام کے قاعدہ کے مطابق تفسیر بھی لکھی۔ میں (علامہ نبہانی) یہاں ان میں سے چند ایسے اسماء کی تفسیر درج کر رہا ہوں جو مجھے سمجھ آسکی۔ امام موصوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو اس نام سے اس لئے پکارا جاتا ہے کہ آپ وہ ''برزخیۃ کبریٰ'' جہاں جا کر'' کامل حضرات'' کی سیر، اعمال اور علوم ختم ہو جاتے ہیں اور اسی مراتب کی انتہا ہے۔

القلب: اس نام کی کئی وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کائنات کا اصل اور تمام موجودات کا خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ خلاصہ آپ کی ہی حقیقت ہے اور کسی چیز کا قلب اس چیز کا خلاصہ اور اصل ہی ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حقیقت مذکورہ میں بہت جلد تبدیلی آجاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے۔

تیسری وجہ یہ کہ آپ دائرہ وجود کے قلب ہیں اور اس کا مرکزی نقطہ ہیں۔ وغیرہ۔

العقل الاول: یہ نام اسی لئے کہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو سب سے پہلے سمجھا۔ جب اس نے ''کُن'' کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موجود کیا لیکن نہ کوئی مادہ اور نہ

کوئی مدت تھی۔ آپ اپنی ذات کے عالم اور آپ کا علم آپ کی ذات تھا۔ صفت نہ تھا۔ لہٰذا آپ علم الٰہی اجمالی کی تفصیل ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''عقل'' کو پیدا کیا۔

ام الکتاب: یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود وہ ہے جس میں تمام موجودات اس طرح مندرج ہیں جس طرح دوات میں حروف کا اندراج ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ''دوات'' کا اپنے اندر مندرج حروف میں سے کسی حرف کا نام نہیں ہوتا۔ یونہی ''ام الکتاب'' پر بھی کسی وجود کا نام نہیں بولا جاتا۔ نہ کسی عدم کا نام بولا جاتا ہے۔ لہٰذا یوں نہیں کہا جائیگا۔ کہ وہ ''حق'' ہے۔ ''خلق'' ہے ''عین یا غیر'' ہے۔ کیونکہ اس کا حصر واحاطہ نہیں ہوسکتا تا کہ اس پر کسی خاص چیز کا حکم لگایا جاسکے۔ ہاں وہ ایک ماہیت ہے۔ جس کو الفاظ وعبارت میں بیان یا بند نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جس عبارت میں اس کا انحصار کریں گے۔ بالکل اس کی ضد بھی بنتی ہے۔ اس لئے ''حقیقت محمدیہ'' تمام اشیاء کا محل اور تمام وجود کا مصدر ہے۔ پس ''الکتاب'' وجود مطلق ہے اور یہ حقیقت (محمدیہ) اس کے مانند جس سے کتاب کا وجود ہوا لہٰذا ''کتاب'' اس حقیقت کا ایک چہرہ ہے کیونکہ ''وجود'' اس کا ایک چہرہ ہے اور ''عدم'' اس کا دوسرا چہرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعبیر کسی عبارت سے نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں جو چہرہ ہوگا اس کی بعینہٖ ضد بھی موجود ہے۔

روح القدس: چونکہ تمام امکانی نقائص اور کوئی خرابیوں سے آپ ''روح مقدس'' ہیں۔ لہٰذا آپ روح ہیں لیکن دیگر ارواح کی مانند نہیں۔

روح الاعظم: یہ نام اس لئے ہے کہ آپ ہی ''روح الارواح'' ہیں۔ اس لئے کہ تمام جزئی روحیں جو ہر صورت کی ہیں خواہ وہ صورت جسمیہ ہو یا روحیہ یا عقلیہ ہو، خیالیہ ہو مثالیہ ہو ہر ایک آپ سے ہی فائض ہے۔

حقیقۃ الحقائق: یہ نام اس لئے ہے کہ جتنے بھی حقائق الٰہیہ یا کونیہ ہیں ان کا تحقق آپ کے ساتھ ہی ہے کیونکہ یہ حقیقت نہ توحقیہ اور نہ ہی خلقیہ سے متصف ہوسکتی ہے۔ سو یہ ''ذات محض'' ہے۔ کسی مرتبہ کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا یہ اضافت نہ ہونے کی وجہ سے کسی ''وصف'' یا کسی ''اسم'' کا تقاضا نہیں کرتی۔ اسی لئے ہمارے آقا وامام حضرت شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ معلومات تین ہیں۔ ۱-الحق تعالیٰ، ۲-العالم، ۳-وہ معلوم جو وجود وعدم، حق وخلق، حدوث وقدم، وجوب و امکان کسی صفت سے موصوف نہیں ہوسکتا۔ جب اس سے حق کو موصوف کیا جائے گا تو وہ ''حق'' ہی

کہلائے گا۔ جب خلق کو موصوف کیا جائے گا تو "خلق" کہلائے گا۔ جب قدیم یا حادث کو موصوف بنایا جائے گا تو وہ قدیم یا حادث کہلائے گا۔

النور: یہ نام اس لئے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ "نور" کی دو اقسام ہیں، ایک "نور الحق" ہے اور وہ غیب، مطلق اور قدیم ہے اور دوسرا "نور العالم المحدث" ہے۔ یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے خلق کیا اور ہر چیز اس نور سے پیدا کی گئی۔ لہٰذا "نور محمدی" ہیت کے اعتبار سے "کل شئی" ہے اور تمام اشیاء صورت کے اعتبار سے اس کی غیر ہیں۔ جیسا کہ ماہیت کے اعتبار سے یہی نور محمدی "نور حق" بھی ہے۔ لیکن صورت کے اعتبار سے اس کا غیر ہے۔ بعض اخبار میں وارد ہے۔ "اَنَا مِنْ رَّبِّي وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّيْ" میں اپنے رب سے ہوں اور تمام مومن مجھ سے ہیں۔ مومنین کو خاص کر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ باعث شرافت ہیں ورنہ تمام مخلوق خواہ مومن ہو یا کافر سب آپ سے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "کاملین حضرات" ہر چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ ہی کرتے ہیں اور علی الدوام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ایک لحہ بھر بھی اوجھل ہو جائیں۔ میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں گا۔ پس اوجھل نہ ہونے سے مراد ہر وقت شہود و حضور ہے اور تمام کائنات میں آپ کی حقیقت کا سریان ہے یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شخص شریف کائنات کی ہر چیز ہے۔

امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ "مجاورت" کے دوران ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ شریف کے قریب نماز وتر ادا کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر "حالت" طاری ہو گئی۔ میرے آنسو بہنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی آگ دل میں شعلہ زن ہو گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت مجھے ارشاد فرمایا کیا تو مجھے ہر چیز میں نہیں دیکھ رہا؟ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہی۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے) اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ "حلول، تجزیہ یا جزیئۃ" ہے۔ (حلول ایک چیز کا دوسری چیز میں سرایت کرنا تجزیہ یا جزئیہ یہ کہ ایک چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) مذکورہ حقیقت کو سمجھانے کیلئے ایک مثال دی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک چراغ کی روشنی سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے۔ اس میں آپ دیکھیں کہ اول چراغ (جس سے روشنی لی گئی) نے دوسرے میں اثر کیا ہے۔ پھر دوسرا بھی بالکل پہلے کی طرح

روشن ہوگیا۔ بلکہ دوسرے بعینہ اول ہوگیا۔ پہلا دوسرے چراغ کے فتیلہ میں ظاہر ہوا۔ لیکن یہ نہیں ہوا کہ پہلے چراغ کا فتیلہ دوسرے چراغ میں منتقل ہوگیا۔ یا پہلے چراغ کی روشنی منتقل ہو کر دوسرے میں چلی گئی۔ یہ مثال "اہل وجدان" کے نزدیک مسئلہ سمجھانے کیلئے انتہائی مثال ہے۔ اس سے زیادہ واضح اور مثال بننے کی صلاحیت اگر کسی اور مثال میں ہوتی تو وہ پیش کرتے۔ لہٰذا تمہیں بھی "راز" کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور غلطی سے بچنا چاہئے اور اگر تجھے عرفان حاصل ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کر۔ ورنہ اس کے اہل حضرات کی مراد کو تسلیم کرلے اور ان کو ذوق کا انکار نہ کر کیونکہ یہ لوگ "فرقہ ناجیہ" ہیں۔

مرآۃ الکون: یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ جس قدر اکوان، ان کے احکام و اوصاف ہیں وہ صرف آپ کی حقیقت میں ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ ان کے ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہیں جس طرح شیشہ مخفی ہو جاتا ہے جب اس میں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مجمع البحرین: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ وجوب و امکان دو دریاؤں کا مجمع ہیں۔ یا اس لئے کہ آپ اسمائے الٰہیہ اور حقائق کونیہ کا مرکز ہیں۔ اس لئے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

مادۃ الاولیٰ: یعنی تمام اشیاء کا ھیولیٰ۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ اول مخلوق ہیں جو غیبت اور عدم سے وجود کیلئے متعین کی گئی اور پھر اسی کی تفصیل وہ تمام اشیاء ہیں جو عالم کبیر و صغیر میں ہیں۔ خواہ وہ اشیاء بڑی ہیں یا چھوٹی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے ھیولیٰ ہیں۔ یعنی ایسا مادہ ہیں جو تمام موجودات پر متقدم ہے اور تمام موجودات کا مادۃ ہیں۔ اس مادہ سے کائنات کی کوئی صورت خالی نہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ کا "ھیولیٰ" کے بارے میں نظریہ ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک "ھیولیٰ" وہ جوہر ہے جس سے اجسام کی ترکیب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مادہ سے تمام اشیاء پیدا کیں۔ ایجاد میں کوئی اور سبب اس سے متقدم نہ تھا۔ اور وہ صرف مادہ اولیٰ تھا جو حضرت لاتعین (اللہ تعالیٰ) سے ظہور میں آیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کیلئے سبب بنایا۔

عرش: یعنی وہ عرش جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے: یہ نام آپ کا اس لئے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے تمام اجلالی اور جمالی اسماء کا مظہر ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ آپ پر مستوی ہے جس کا معنی وہی جانتا ہے وہ معنی نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے اور اس لئے بھی کہ ایک قول کے مطابق "عرش" اس عالم کا محیط ہے یا دوسرے قول کے مطابق وہ خود "جملۂ عالم" ہے اور مخلوق اول دراصل "حقیقت محمدیہ" ہے جو "عرش" کے مشابہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ مشابہت احاطہ کے اعتبار سے ہے۔ ایک خبر میں بھی وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا

خَلَقَ اللّٰهُ الْعَرْشَ۔سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''عرش'' پیدا کیا۔

مرکز الدائرۃ: دائرہ سے مراد ''تمام اکوان'' ہیں اور مرکز وہ کیل ہے جس پر وہ دائرہ گھومتا ہے۔ جس طرح چکی کا مرکز درمیان میں موجود کیل ہوتا ہے۔ جو اس کو تھامے رہتا ہے اور اگر وہ سیدھا نہ ہو تو چکی ایک جیسے چکر نہیں لگا سکتی اور اس لئے بھی کہ جب لوگ ان خطوط کی طرف دیکھتے ہیں جو ایک نقطہ سے محیط کی طرف نکلتے ہیں تو وہ نقطہ پرکار کی دو ٹانگوں میں سے ایک کا مرکز ہوتا ہے اور جو دائرہ بنتا ہے وہ پرکار کی دوسری ٹانگ سے بنتا ہے یعنی پرکار کی دو ٹانگیں ہوتی ہیں جو سیاہی اٹھانے میں مشترک ہوتی ہیں لیکن وہ پرکار صرف ایک ٹانگ پر پھرتی ہے جو ایک جگہ پر کھڑی دوسری ٹانگ کے ارد گرد پھرتی ہے اور دوسری ٹانگ ایک ہی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ اس میں نہ کوئی خط بنتا ہے نہ دائرہ۔ لیکن دوسری ٹانگ کو خطوط اور دائرہ بنانے میں مدد کرتی ہے اور اس کی مدد بالکل مساوی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دوسرا خط پہلے خط کے بالکل مساوی بنتا ہے۔ اور تمام اگلے پچھلے خطوط مساوی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دائرہ نقاط اور خطوط کا مجموعہ ہوتا ہے جو بالکل متصل ہوتے ہیں۔ پس مرکزی نقطہ، دائرے کے ہر نقطہ کے مقابل ہوتا ہے اور دائرہ کا ہر ایک نقطہ وہ بعینہٖ باعتبار انفراد اور مقابل کے مرکز کا نقطہ ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مرکز کا نقطہ تمام نقاط دائرہ کا محیط ہوتا ہے لیکن وہ خود دائرہ کے نقاط میں سے نہیں۔ کیونکہ دائرہ کے نقاط گولائی میں اور ماقبل و مابعد کے ساتھ اتصال سے متصف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے مرکزی نقطہ۔ دائرے کے نقاط سے مختلف بھی ہے اب اسی مثال کو سامنے رکھیں۔ ''دائرۃ'' سے مراد اکوان ہیں۔ اور ان کا باہم اتصال مراد ہے۔ اور ''مرکز'' اشارہ ہے سکون امر کی طرف اور وہ ''حقیقت محمدیہ'' ہے جو قضاء و قدر کے تحت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو نافذ کرنا چاہتا ہے اس کی تنفیذ ہے۔

الوصل: چونکہ آپ کی ذات اقدس بعض اشیاء کو بعض کے ساتھ ایسی ملاتی ہے کہ وہ متحد دکھائی دیتی ہیں اور اس لئے کہ آپ کی ذات اقدس ظاہر و باطن کی واصل ہے۔ لہٰذا اس کا یہ نام رکھا گیا۔

الفیض الاول: یہ نام اس لئے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے اپنی بارگاہ سے ظاہر کیا اور پھر ہر چیز کے عین پر آپ کا فیض ڈالا۔ اور ہر چیز کو آپ سے بنایا اس طرح کہ آپ کا فیضان اس پر ہوا۔ حضرات صوفیاء کرام نے یہ نام اس لئے تجویز فرمایا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ تمام اجسام ''اندھیرے گھر'' ہیں۔ جب انہیں حقیقت محمدیہ کے نور نے ڈھانپ لیا۔ تو وہ چمک اٹھے اور روشن ہو گئے ان کی یہ روشنی اور چمک ان انوار کی وجہ سے ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں تھے۔ اور آپ کو یہ انوار بطور فیض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملے تھے۔

الدرۃ البیضاء: چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت الٰہیہ کی تجلی کا محل ہیں اور کسی ایسی شے میں تجلی جو بالکل صاف ہو اور اس میں کسی قسم کا میل نہ ہو بہت واضح اور مضبوط ہوتی ہے۔ خبر شریف میں وارد ہے۔ ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ دَرَّةً بَيْضَاءَ'' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''درۃ بیضاء'' کو پیدا فرمایا۔ یہ حدیث طویل ہے۔

مرآۃ الحضرتین: اس سے مراد حضرت وجوب اور حضرت امکان ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت الوجوب کے ظہور اسماء اور صفات کا مظہر ہیں اور حضرت امکان کی تمام صورتیں اوصاف اور احکام بھی آپ میں ہی ظہور پذیر ہیں۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔

العلم الاول: یہ نام بایں وجہ رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعتبار سے کہ غیب سے اول موجود ہونے والے آپ ہی ہیں۔ یہ باطنی نشاۃ کے اعتبار سے ہے اور آپ ہی ''روح الکل'' ہیں اور ارشاد میں باعتبار نشاۃ ظاہرہ سب سے پہلے تعلیم دینے والا وہ بھی آپ ہیں۔ لہٰذا ملائکہ کا علم الاسماء کلہا آپ نے ہی سکھایا۔ اور آپ نے علم الاسماء خود سکھایا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے پردہ ہٹا دیا۔ تو وہ اس وقت مجموع الاسماء میں موجود ہوگئی۔ اس لئے ''حقیقت محمدیہ'' آدم ظاہرہ اور باطنہ کی صورت کا مجموعہ ہے۔

وَاِنِّيْ وَاِنْ كُنْتُ اِبْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً  فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدٍ بِأَبُوَّتِيْ

میں اگرچہ صورت میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن ان میں میرے حق میں میرے باپ ہونے کی دلیل بھی موجود ہے۔

الامام المبین: یہ نام اس لئے کہ آپ نے موجودات کی تفصیل بیان کی اور موجودات کے اعیان کو ان میں جلوہ گر ہو کر ظاہر کیا جیسا کہ سیاہی حروف اور کلمات کو ظاہر کرتی ہے۔

الروح الکل: یہ اس لئے کہ ''روح'' ریح بمعنی ہوا سے مشتق ہے۔ دونوں میں مناسبت کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح ہوا کی کوئی صورت وشکل نہیں ہوتی جس سے اس کی پہچان ہو سکے صرف اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب اشیاء کو چھو کر گزرتی ہے تو انہیں حرکت دیتی ہے۔ یونہی ''روح'' بھی جب مرتبہ احدیت سے مرتبہ اسماء وصفات کی طرف چلتی ہے تو اسرار وعلوم کی حامل ہو جاتی ہے اور عالم عناصر، عالم صور اور عالم اعیان مفصلہ کی طرف جب اس کا نزول ہوتا ہے تو انہیں ان کی استعداد وقوت کے مطابق حرکت دیتی ہے۔ روح ان میں نفوذ کر جاتی ہے۔ یہ نفوذ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے اس لئے کہ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے جو تمام مخلوق پر قائم ہے اور اس کا قیام آنکھ جھپکنے کی مانند ہے اور

روح ہر وقت اپنی شعاؤں یعنی خود اپنی ذات سے صادر ہونے والے نور میں پھرتی رہتی ہے جیسا کہ سورج سے نکلنے والی شعاع کا معاملہ ہے اور روح سے صادر ہونے والی شعاع سے مراد نفس، عقل اور تمام روحانی قوتیں ہیں اور اس کا نور کلی جو اصل ہے سورج کی ٹکیہ کی طرح ہے یہاں اس سے مراد حق کا وجود ہے جس نے روح الکل کو گھیر رکھا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ روح کے دو چہرے ہیں ایک چہرہ اپنے اصل کی طرف ہے اور وہ "حق" ہے اور دوسرا چہرہ اپنی فرع کی طرف ہے۔ اور وہ "خلق" ہے لہٰذا وہ حق سے امر لیکر قلم عقل سے نفس کی تختی پر تحریر کر دیتی ہے۔ پھر اسے اقوال و اعمال کے اعتبار سے اعضاء پڑھتے ہیں۔ اس کے بارے میں "کلی" اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ یہ تمام صورتوں پر قائم ہے اور ان کو محیط ہے۔ سو اہل اللہ اپنے علم سے دیکھتے ہیں تو انہیں ساری کائنات ارواح مقدسہ اور اسرار مخفی نظر آتی ہے۔

**الوجود الساری:** یہ اس لئے کہ اگر وجود حق کا موجودات میں سرایت کرنا ایسی صورت کے ساتھ جو اسی کی طرف سے ہے یعنی حقیقت محمد یہ تو عالم کا ظہور نہ ہوگا اور نہ ہی کسی موجود کا وجود صحیح ہوتا کیونکہ مناسبت بہت دور کی بات تھی اور ارتباط کا فقدان تھا لہٰذا موجودات کیلئے وجود کی نسبت اسی حقیقت کے واسطہ سے ہوئی۔

**الانسان الکامل:** بایں وجہ کہ ہر انسان کامل باعتبار اپنی ظاہری اور باطنی صورت کے آپ کا مظہر ہے اور آپ کے لوازم کا مظہر ہے۔

**الخزانۃ الجامعۃ:** چونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے علم سے کنایہ ہے جو اس کے اسماء اور حقائق عالم کا ہے۔ لہٰذا ہر وہ جو غیب سے نکلتا ہے۔ اس کا محل یہی خزانہ جامعۃ ہے۔

**الصورۃ الرحمانیہ:** اس لئے کہ حقیقت محمدیہ ہی وہ صورت ظاہرہ بالذات ہے جو اجتماع اول اسمائی سے حاصل ہوئی تو وہ صورت رحمٰن ہوئی اسی لئے کہ اس کا مدلول وہ ہے جو رحمت عامہ ہے اور دوسری کوئی شے ایسی نہیں مگر یہی صورت۔ لہٰذا "رحمٰن" اس صورت وجودیہ کا نام ہوا۔ لیکن بحیثیت ظہور لنفسہ۔ جیسا کہ لفظ "اللہ" اس اعتبار سے کہ یہ مشتق ہے۔ مرتجل ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ یہ (اللہ) نام ہے اس مرتبہ الوھیۃ کا جو حقائق کا جامع ہے۔ اور اس حقیقت محمدیہ کے اسماء کا اسی قدر ذکر صاحب فہم لوگوں کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ ویسے یہ ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اسی لئے خبر میں وارد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتِیْ غَیْرُ رَبِّیْ" میری حقیقت میرے رب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور العارف الکبیر کا قول ہے کہ ہمارے ساتھی سابقہ لوگوں اور بعد میں آنے والوں

تندرست کیا کرتے تھے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اس تحریر میں اور اضافہ کر دیا۔ امیر عبدالقادر جزائری کا کلام یہاں ختم ہوا۔

اس کتاب کا جامع یعنی فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ گوش گزار ہے۔ کہ میں نے اپنی تصنیف ''شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں مذاہب اربعہ کے مشہور ومعروف علماء کرام کی نقول سے ابن تیمیہ کی بعض زلات وہفوات کا تذکرہ کیا اور ان کی تردید کی۔ جو موصوف نے حضور سید الخلق، حبیب الحق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض حالات واوصاف میں کیں۔ اس قدر کھل کر وہاں میں نے رد لکھا کہ اس کے ہوتے ہوئے زیادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ میری یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ اور اکثر اسلامی ممالک میں پہنچ چکی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ان تمام مومنین نے اسے بہت پسند کیا اور قبول کیا جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے ہیں۔ میں نے جب اپنی مذکورہ کتاب تصنیف کی تو مجھے اس مکروہ وشنیع عبارت کا علم نہ تھا۔ جو (ابن تیمیہ کی) امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ یعنی ابن تیمیہ کا کتاب ''الشفاء'' جو قاضی عیاض کی تصنیف ہے کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا ''لَقَدْ تَغَالٰی هٰذَا الْمُغَیْرِبِیُّ'' میرے اس خیر خواہ نے ہی میرے ساتھ دھوکا کیا۔

خدا کی قسم! ابن تیمیہ نے مذکورہ الفاظ کہہ کر نہایت فحش کلام کیا۔ واضح غلط کہا۔ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ معمولی شخصیت نہیں اور ان کے بارے میں ''المغیر لی'' نہیں کہا جا سکتا۔ خاص کر ان کی کتاب ''الشفاء'' کو پڑھ کر کیونکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ مسلمانوں میں اس موضوع پر ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ ان مشاہیر ائمہ میں سے ایک ہیں۔ اور ان جلیل القدر اور اجل علماء میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے اور ان کی یہ کتاب الشفاء اس کو تو امت محمدیہ نے بالاتفاق وبالاجماع قبول کیا ہے۔ ان کے دور سے آج تک علماء اور عوام اس کو مطمع نظر بنائے ہوئے ہیں اس کے ہزاروں لاکھوں نسخہ جات خوبصورت اوراق پر، خوبصورت تحریر سے سونے چاندی کے ساتھ جڑاؤ کئے ہوئے مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہیں۔ اور شائد ہی کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی ہو کیونکہ ہر مسلمان اسے شعائر دین میں سے جانتا ہے۔ ہمیں اس کتاب کے مقام کی کوئی دوسری کتاب دکھائی نہیں دیتی اور ایسی عظیم فضیلت کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتی۔ لیکن قرآن کریم مستثنٰی ہے سو یہ کتاب اس جہت سے ''صحیح بخاری'' کی مانند ہے کہ جس طرح کتب احادیث میں اس کی مثال نہیں اسی طرح حقوق وآداب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ کتاب لاثانی ہے اور یہ سب کچھ اس کتاب کو حاصل اس لئے ہوا کہ

اس کے مولف و مصنف امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ صاحب خلوص شخصیت تھے اور اس کتاب کا موضوع حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات وغیرہ تھے۔

ابن تیمیہ کی مذکورہ فحش غلطی سے زیادہ رسوا کن اس کا یہ زعم ہے کہ قاضی عیاض نے حضور سیدالوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح میں غلو کیا ہے۔ حالانکہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکے جہاں یہ کہا جا سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تجیل جس قدر واجب وضروری ہے۔ قاضی عیاض نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حقیقت کا بیان جس سے آپ قرب خداوندی سے متصف ہیں۔ اس کو کماحقہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے اس کتاب میں بیان کر دیا؟ اور جو شخص میری اس کتاب ''جواھر البحار'' میں ان عبارات ونقول پر مطلع ہوگا جو میں نے مختلف ائمہ، علماء، فقہا، محدثین اور ان اولیائے مقربین کی تحریری ہیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندئ مرتبت ''عین الیقین'' سے دیکھی ہے۔ وہ یقیناً جان لے گا کہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ''الشفاء'' میں تحریر کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندئ قدر و منزلت کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔

میں نے ابھی کچھ پہلے ابن تیمیہ کی ایسی باتیں بھی نقل کیں جو نفع بخش تھیں جن سے نورانیت ٹپکتی تھی۔ یعنی موصوف کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' کے اقتباسات وغیرہ۔ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف پر ان اچھی باتوں کے طفیل رحم فرمائے۔ اور اس کی یہ خطائیں اس کے حسن نیت کی وجہ سے معاف فرمائے۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔ موصوف اپنے ''مجتہد'' ہونے کا مدعی تھا۔ اور اپنے ''اجتہاد'' سے جو اسے صحیح وصواب دکھائی دیتا وہ کہہ دیتا تھا اس کے اظہار سے شرماتا نہ تھا۔ اگر چہ وہ بات تمام مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اکابر ائمہ دین کا بھی احترام تھا۔

جوہر ۴: امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ موقف ایک سودو (۱۰۲) میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ اے محبوب! تم جسے پسند کرتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے (القصص:56)۔ اور دوسری جگہ مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ (الشوریٰ)۔ آپ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقیناً صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ ۔ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں ہیں (النمل:81)

معلوم ہونا چاہئے کہ ان آیات کے درمیان کوئی تعارض (ٹکراؤ) نہیں ہے۔ نفس الامر اور حقیقت میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں صرف سرسری نظر سے ان میں تعارض دکھائی دیتا ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں کو جو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ نہیں پہچانتے اور جسے اس بات کا عرفان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے ہاں کیسے ہیں۔ وہ ان آیات میں استراحت پاتا ہے اور اس قسم کی دیگر آیت سے اسے کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندوں کے ایمان لانے اور ہدایت پانے کے شدید متمنی تھے اور آپ کی یہ خواہش تھی کہ لوگ اپنی نجات کے راستہ کے تابع ہو جائیں جیسا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تمنا کی خبر بھی دی ہے۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (التوبہ:128)۔ جو بات تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے وہ ان پر بہت گراں گزرتی ہے۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ۔ تمہارے واسطے آپ بہت حریص ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شفقت فرماتے ہوئے کہا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ ۔ شاید آپ اپنے آپ کو قتل کر دیں گے اس بات پر کہ لوگ مومن نہیں ہوتے (الشعراء)۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ اگر وہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو افسوس کرتے ہوئے شائد آپ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں (الکہف)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق (موصوف) ہوتے تھے اور اخلاق باری تعالیٰ آپ میں متحقق ہوتے تھے اللہ تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں سے ایمان وہدایت محبوب ہے۔ فرماتا ہے۔ إِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر:7)۔ اگر تم شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ ہرگز ذہن میں نہ لایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت ومحبت اور اللہ تعالیٰ کی چاہت ایک دوسرے کا غیر ہیں۔ بلکہ آپ بھی وہی پسند کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ٹکراتا ہو۔ محبت اور ارادہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ جب ایک عام ولی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دریا کا ایک قطرہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں وہ جب اپنے کمال کی انتہاء تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا ارادہ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک ہو جاتے ہیں پھر وہ ارادہ قدیمہ کا جس سے تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کوئی دوسرا ارادہ نہیں کرتا۔ اگر چہ وہ اسے از روئے شرع یا طبع اچھا نہ لگے۔ یا شرعاً اور طبعاً اس کی ضد کو زیادہ پسند رکھتا ہو۔ اس لئے وہ کسی چیز کو جب "کن" کے ارادے سے "بسم اللہ" کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور یہ صرف اسی لئے ہوتا ہے کہ اس ولی کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے متحد ہو چکا ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ "کامل" کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی

ممکن اس کی قدرت کے سامنے ممتنع نہ ہو۔ (یعنی ممکنات میں سے جو چاہے کر سکے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی قدرت کے سامنے کوئی ممکن، ممتنع نہیں ہوتا۔ امور کے خزانے اس کے حکم میں ہیں اور ان کی چابیاں اس کے دست قدرت میں ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے نازل فرماتا ہے (جب ولی کی یہ حالت ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر آپ کی حالت کیا ہوگی؟ آپ ہی تو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان "برزخ" ہیں۔ آپ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور دوسری طرف سے اس کی مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ بلکہ آپ تو ایک ہی "طرف" ہیں۔ کیونکہ آپ کی ذات کی تقسیم نہیں ہے اور حق بھی یہی ہے اور اسی غیر منقسم حالت پر آپ کی تخلیق ہوئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی طرف سے اس کی پسند اور ارادے میں "بصیرت" پر ہیں اور آپ ہی اپنے رب کی مراد کے نافذ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے بارے میں ہدایت، گمراہی یا کفر و ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کو نافذ کرنے والے من حیث الحقیقۃ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں۔ لہٰذا آپ علم قدیم اور ارادہ ازلیہ کے مظہر ہوئے۔ اس لئے آپ کا ارادہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے علم کے تابع ہوتا ہے اس لئے وہ وہی ارادہ کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور اس کا علم تبدیل نہیں ہوتا متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس کے علم میں تغیر و تبدل جائز ہوتا تو وہ علم نہ کہلاتا اور جب وہ ایک حقیقت ہے تو حقیقت کا تبدیل ہو جانا (انقلاب حقیقت) محال ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی معلومات وہ اس کے اسماء کی صورتیں ہی ہیں اور اسماء کا تغیر و تبدل محال ہے۔ کیونکہ جو بات اس کی ذات کیلئے بطور تنزیہ ثابت ہے وہ اسماء کیلئے بھی ثابت ہے۔ یعنی جب اس کی ذات تغیر و تبدل سے پاک ہے تو اس کے اسماء بھی اس سے پاک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (البقرہ:272) (لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) یہ اثبات ہے۔ اس قول کے ذریعہ اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ شائد کوئی وہم کرے کہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بغیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے اور اس کی قدرت کے بغیر ہو جاتی ہے۔ اس قول کے بعض گمراہ فرقے قائل بھی ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ارادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور وہی پسند فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پسند ہوتی ہے آپ ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ ہر چیز کا تعلق آپ کے ساتھ ہی ہے اگر واسطہ نہ ہوتا تو کام ختم ہو جاتا (یعنی مخلوق نہ ہوتی یا ہوتی تو اسے کچھ نہ ملتا) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ صفات کے مظہر ہیں جس مرتبہ کو فعل اور تاثیر کی صفت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (الانعام:117)۔ وہ ہدایت یافتگان کو خوب جانتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہدایت یافتہ لوگوں کا علم، علم رسول، علم فرشتہ اور علم دلی سے کہیں زیادہ ہے یعنی وہ لوگ جن میں ہدایت کی استعداد و قابلیت ہے اور وہ اس کے حقائق کے طالب ہیں اور ان کی قسمت میں اس کی قبولیت بھی ہے۔ اس لئے کہ علمی حقائق ''شخص'' کی مانند اور ظاہری اعیان ان کا ظل ہیں اور ''شخص'' ہیں جو ٹیڑھ پن یا راستی، لمبائی یا چھوٹا ہونا، رقیق ہونا یا گاڑھا ہونا مثلاً یہ سب اس کے ظل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ضروری بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو جب ان استعدادات پر مطلع فرماتا ہے جو علم میں اعیان ثابتہ ہیں تو اس غیر کو جو بھی علم حاصل ہوا اور جتنا بھی حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہی حاصل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اس حیثیت سے جانتا ہے کہ ان کا تعین نہ تو علم میں ہے اور نہ ہی عین میں۔ لیکن ان کیلئے علم و عین میں تعین کی صلاحیت موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الآیۃ (الشوریٰ) اس سے مراد ''نجات کا راستہ ہے''۔ لہٰذا آیت کریمہ میں ہمارے قول کا اثبات ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کبریٰ آپ کو حاصل ہے۔ اور آپ بیشک اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ہدایت یافتہ کیلئے حصول ہدایت یا تو عقول کے واسطہ سے ہے۔ یا حضرات انبیاء کرام کے واسطہ سے ہے اور یہ دونوں واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی ''نور اصلی'' ہیں اور آپ ہی سے ہر نور ہے اور ہر حقیقت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حقیقت ہیں۔

جوہر ۵: امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ ایک سو اکسٹھ نمبر موقف میں رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ''جب تم عرفات سے چل پڑو تو مشعر حرام کے نزدیک پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو (البقرہ:198)۔ ''مشعر حرام'' سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو آپ کی تعظیم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ لہٰذا آپ ''مشعر'' ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ الآیۃ (الحج:32)۔ جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے وہ دل کا متقی ہے اور مذکورہ آیات میں ''مشعر حرام'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اس لئے بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حقیقت کے اعتبار سے شعور و معرفت کا محل ہیں لہٰذا کسی ولی اور آپ کے بعد آنے والے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کیلئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ جناب محمد مصطفی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے تجاوز کرے یا اسے تبدیل کرے یا اس کے کسی حکم میں تغیر کرے۔ ولی کامل، عظیم المنزلت اور قرب وولایت کے اعلیٰ درجات پر فائز شخصیت کی انتہاء اور حمایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی ان باتوں کی تعلیم دے۔ جن سے عوام جاہل ہیں۔ لہٰذا وہ خبر دے گا کہ یہ حکم جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا حکم ہے اور اس حکم میں نقل کرنے والوں نے غلطی کھائی ہے۔ پس انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور وہ شخصیت یہ بھی بتاتی ہے کہ فلاں حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں سے نہیں ہے۔ اس میں بھی نقل کرنے والوں نے غلطی کھائی ہے اور اسے آپ کی شریعت میں داخل کر دیا ہے۔ اس کے سوا اس شخصیت کا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ سو شریعت محمدیہ کا سلسلہ سالک کی گردن سے جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی واصل باللہ کی گردن اس شریعت سے خالی ہوتی ہے عالم باللہ اور جاہل ہر ایک کی گردن کا طوق ہوتی ہے۔ لہٰذا مومن مشفق کو اپنے دین کے بارے میں ایسے زندیقوں سے بچنا چاہئے اور ایسے ملحدوں سے ہوشیار رہنا چاہئے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عین حقیقت تک پہنچ چکے ہیں اور اب انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت نہیں رہی یا یہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کما حقہ حقیقت تک رسائی تمام مخلوق کیلئے حرام ہے نہ کسی کو معلوم ہو سکی اور نہ کوئی معلوم کر سکے گا۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ (البقرہ: ۱۹۸) اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت کی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیم وتوقیر کے ساتھ یاد کرو۔ اور آپ کے واسطہ بننے کی قدر ومنزلت کو پہچانو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت آپ کے واسطہ سے ہوئی اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی آپ کے وسیلہ سے ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ (الشوریٰ)۔ اور آپ بیشک صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نبی اور ولی کے مددگار ہیں اور اس وقت سے مددگار ہیں جب کائنات کی تخلیق ہوئی اور اس وقت تک معین ہیں جس کی انتہا نہیں۔ عارف ہو گیا وہ جس نے آپ کو پہچانا اور جاہل رہا جو جاہل رہا جب کوئی ولی یوں کہتا ہے "کہ اللہ تعالیٰ نے یوں یوں فرمایا ہے" تو اس کا یہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے واسطہ کے بغیر ناممکن ہے اور اکابر اس سے بے علم نہیں ہیں۔

جوہر ۶: امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ اپنی کتاب کے موقف ۲۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور سید کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات بیان کرنے کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب) ہم نے آپ کو سراج منیر بنا کر مبعوث کیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ روشنی دینا "سراج" کیلئے لازم ہوتا ہے اور جس طرح "منیر" سراج کی صفت کاشفہ بنتا ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ "منیر" کا معنی دوسرے کو روشن کرنا ہو۔ کیونکہ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح وارد ہوا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سراج کے لئے "سراج منیر" ہیں۔ یعنی آپ ہر چراغ کو روشن کرنے یا روشنی دینے والے ہیں اور جس طرح حسی یعنی دکھائی دینے والے چراغ سے جب بہت سے چراغ روشن کئے جائیں تو بلاشک یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک چراغ ان کثیر تعداد میں جلنے والے چراغوں کو متضمن ہے اور وہ اس میں بالقوۃ موجود تھے۔ پھر محسوسات میں آ کر دکھائی دینے لگے اور وہم میں اس سے جدا ہو گئے۔ لہٰذا یہ سب چراغ دراصل اور فی الحقیقت اور علم کے اعتبار سے وہ ہی ہیں اور وہم و حکم کے اعتبار سے یہ اس ایک کا غیر ہیں۔ یونہی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حسی اور معنوی چراغ کو روشن کرنے والی ہے۔ خواہ وہ چراغ نبی ہو یا ولی، فرشتہ ہو یا شمس وقمر و نجوم ہوں۔ مظہر اول وہی حقیقت محمدیہ ہے اور حقیقت کلیہ جامعہ بھی رہی ہے اور تمام روشن چراغ بالقوۃ اس میں موجود ہیں اور وقتاً فوقتاً بالفعل ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی وہی حقیقت محمدیہ تعین خاص کے ساتھ متعین اور تمیز خاص کیساتھ متمیز ہو کر نظر آتی ہے۔ لہٰذا تمام چمکنے والے چراغ تعین و تمیز اعتباری کے پیش نظر اس کا غیر ہیں اور وہ (حقیقت محمدیہ) حقیقت اور عین کے اعتبار سے ان کا عین ہے۔ جیسا کہ ایک ہی شخص مختلف لباس زیب تن کر کے دکھائی دیتا ہو۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حیث الحقیقۃ ہر لباس میں آپ ہی ہیں اور اختلاف لباس اور تعدد لباس کے اعتبار سے اس کا غیر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جو ہر ۷:۲۰۵ موقف میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ بیشک ہم نے آپ کیلئے فتح مبین فرمائی۔ تاکہ آپ کیلئے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا کرے۔ (الفتح)

اس فتح سے مراد "فتح ولایت" ہے نہ کہ فتح رسالت۔ اس لئے کہ "فتح رسالت" کا تعلق ایسے احکام (اوامر و نواہی) کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو خلوق کی مصلحت کیلئے ہوتے ہیں۔ اور مخلوقات کیلئے جو اشیاء ان کے معاد و معاش کیلئے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ان میں غور و فکر سے ہوتا ہے۔ جو زمانہ اور حالات سے تعلق

رکھتی ہیں اور اسباب کا ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہونا اور اشیاء کا ان کی شریعت پر مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تجلی کی اپنی ضد کے ساتھ خدمت ہوئی اور اس کی نقیض کے ساتھ معارضہ کرنا ہے اور امر شرعی کی طرف نظر کرنا ہے۔ امر ارادی کی طرف نظر کرنا نہیں۔ لیکن "فتح ولایت" کا معاملہ یہ نہیں وہ مطلق فتح ہوتی ہے جس کا تعلق صرف اشیاء کی حقیقت، مبادی اور نہایت سے ہوتا ہے۔ اس کے درمیان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس میں اسباب، شروط، موانع، اوضاع شریعہ اور اوضاع حکمیہ ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ (فتح ولایت) امر ارادی کے تحت ایک سکون ہے اور تجلیات کی اس وقت تک مساعد و معاون ہوتی ہے۔ جب تک ان کی دولت ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ نہ معارضہ ہے اور نہ منازعہ اور مناقضہ ہے اور یہ (فتح ولایت) نبوت و رسالت کے علاوہ ایک شئ ہے اور وراثت کاملہ سے الگ چیز ہے۔ جو دعوت الی اللہ کا مقام ہے۔ "لِيَغْفِرَ لَكَ" یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کیلئے آپ کی خاطر اس فتح سے قبل اور اس کے بعد آپ کے گناہ یعنی آپ کی امت کے گناہ معاف کر دے۔ امت کے گناہوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ ہر رسول کی حقیقت اس کی امت کے مجموعی حقائق ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا "رسول" کل ہوتا ہے اور امتی اس کے اشخاص ہوتے ہیں جب ہر رسول کا یہ معاملہ ہے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ کیسا ہوگا جو ان تمام کل (انبیاء کرام) کے کل ہیں۔ اور تمام عناصر کے عنصر، جنس اعلیٰ، جوہر الجواھر، حقیقۃ الحقائق اور روح عالم ہیں اور تمام کائنات کے محرک ہیں۔ کتب احادیث میں وارد ہے۔ إِذَا دَخَلَتُ الشَوْكَةُ فِي رِجْلِ اَحَدِ كُمْ اَجِدُ أَلَمُهَا۔ جب تم میں سے کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مجھے بھی اس کا درد ہوتا ہے۔

"وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ" اور تا کہ اس فتح مبین اور کشف مبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت مکمل فرمائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ کا نفس مطمئن ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی امت دعوت کے بارے میں بہت پریشان رہتے تھے تو امت اجابت کے بارے میں پریشانی کو کون جان سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ۔لوگوں کے مومن نہ ہونے پر شائد آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (الشعراء:3)۔ اور یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ آپ کا دل ان پر افسوس کرتے کرتے کہیں ختم نہ ہو جائے (فاطر:8)۔ یہ آیات کریمہ "امت دعوت" کے بارے میں ہیں۔ "امت اجابت" کے بارے میں ارشاد ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔ تمہیں مشقت میں ڈالنے والی بات ان پر گراں گزرتی ہے اور تم پر بڑے ہی حریص ہیں

(التوبہ:128)۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس فتح مبین کے ساتھ راحت وسکون عطا فرمایا۔ اور آپ کو بتایا کہ آپ کے امتیوں میں سے جو گناہگار ہیں۔ ان کیلئے مغفرت ہے اور مطلوبہ سعادت اور پسندیدہ انجام تک ان کی رسائی ہوگی۔ اور اگر ان میں سے بعض کو ہلکی پھلکی سزا مل جائے تو وہ مغفرت کے خلاف نہیں ہے۔ خاص کر جب اسی گناہ کا دوسری امتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو آپ کی امت کیلئے ان کے مقابلہ میں کچھ بھی سزا نہ دی گئی۔

یہ بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ فتح کا معنیٰ (اس آیت میں) عام ہو اور وسیع تر ہو وہ اس طرح کہ فتح سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت عامہ اور ہر ایک کو شامل رحمت پر مطلع کیا ہو اور یہ اطلاع غضب الٰہی کے نفوذ کے بعد دی گئی ہو۔ کیونکہ تمام بنی آدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں اور حضرات انبیاء کرام آپ کے نائب اور آپ کے خلیفہ ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِمَّ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ حدیث امام حاکم اور بیہقی نے ذکر کی ہے۔ ''مکارم اخلاق'' سے مراد مختلف انبیاء کرام کی شریعتیں ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان شریعتوں کو لانے والے سب سے اول ہیں اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنی روحانیت کے مظاہر یعنی حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ مختلف شریعتیں لوگوں تک پہنچائیں اور آپ ہی سب سے آخر ان کی تکمیل فرمانے والے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپ کی عنصری صورت کا ظہور سب سے آخر میں ہوا۔ پس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی رسول تھے جب حضرت آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اسے ابونعیم نے ''حلیہ'' میں ذکر کیا ہے۔

# تتمّہ

میں اس میں وہ بعض مواقف تحریر کروں گا جو امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ کی ولایت عظمٰی پر دلالت کرتے ہیں آپ ان اعلیٰ درجہ اولیاء کرام میں سے ہیں جو متاخرین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے ان کا زمانہ تو پایا لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں یہاں ان کی یہ بات اس لئے ذکر کر رہا ہوں کیونکہ وہ ولی ہونے میں مشہور نہ ہوئے اور عام لوگ ان کے بارے میں بے خبر تھے۔ اور جس قدر اس کتاب (جواہر البحار) میں میں نے دیگر حضرات کی تحریرات درج کیں ان کے قائلین کی ولایت سے عام لوگ بھی واقف تھے۔ ان (امیر عبدالقادر جزائری) کا زمانہ چونکہ بہت بعد کا ہے اس لئے شہرت نہ پائی۔ دوسری وجہ ان کی ولایت کے ذکر کرنے کی یہ ہے کہ موصوف دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی ولایت کی فضیلت لوگ نہ جان سکے اور ان کے اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہچان سکے۔ اگرچہ لوگوں کا ان سے میل جول کافی تھا کچھ وہ بھی تھے جو ان کی ولایت کے معترف تھے لیکن اس میں اعلیٰ درجہ کے حصول سے ناواقف تھے۔ لوگ انہیں بہت بڑا عالم، متقی اور غنی سمجھتے تھے۔ مال و اسباب کی کثرت کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے ممتاز سخی تھے۔ ان کی نعمتوں سے بہت سے علماء اور غریب لوگ ہر مہینہ اپنا اپنا حصہ پاتے تھے۔ افریقہ کے باشندے جن میں ان کے اپنے رشتہ دار تھے اور دوسرے بھی ہر ماہ وہ بھی مقرر وظیفہ حاصل کرتے تھے۔ شام کے رہنے والوں میں سے ان کے تلامذہ وغیرہ انسے عطیہ جات وصول کرتے تھے۔ شعراء کو انعام دیا جاتا۔ اہل علم وغیرہ محتاجوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ میں یہاں ان کے موقف سے صرف دو موقف ذکر کروں گا جن سے ان کی اعلیٰ قدر و منزلت اور ولایت میں اعلیٰ مرتبہ کا اظہار ہو سکے گا اور اس بات کا بھی پتہ چل جائے گا کہ موصوف اکابر عارفین میں سے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکات سے نفع بخشے۔

موصوف رضی اللہ عنہ نے تراسیویں (۸۳) موقف میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ (الضحیٰ)۔ اپنے رب کی نعمت کا چرچا کیا کرو۔ یہ آیت کریمہ غیبی القاء سے مجھ پر القاء کی گئی اور اتنی مرتبہ القاء کی گئی کہ شمار نہیں کر سکتا اور عام مفسرین نے جو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ذکر فرمایا۔ وہ بالکل ظاہر ہے لیکن جو اس آیت کے بارے میں مجھ پر القاء کیا گیا وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ''نعمت'' سے مراد ''علم اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نعمت'' ہے اور اس علم کا نام ہے جو حضرات رسولان عظام علیہم الصلوۃ والسلام لائے۔ یعنی معاملات اور امور غیبیہ اور بلاشک یہ نعمت

تمام نعمتوں سے عظیم ہے۔ دوسری نعمتوں کو نعمت کہنا اس کے مقابلہ میں مجازاً ہے اور آیت کریمہ میں جو فرمایا گیا کہ "نعمت کا چرچا کرو" اس سے مراد مذکورہ نعمتوں کا پھیلانا، شائع کرنا اور ان کے مستحقین و مستعدین کو ان کے قبول کرنے پر تیار کرنا اور ابھارنا ہے۔ اس لئے کہ ہر علم ہر آدمی کے لائق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی تمام لوگ تمام علوم کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ ہر علم کے مخصوص افراد اہل ہوتے ہیں جن میں اس علم کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اور وہ صاحب ہمت ہوتے ہیں اور انہیں اس علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ یا "نعمت کے چرچا کرنے" سے مراد نعمت کا عام اظہار ہے۔ خواہ اس کا اظہار قول کے ذریعہ کیا جائے یا فعل کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَنْعَمَ عَلٰی عَبْدٍ نَعْمَةً اَحَبَّ اِنْ یُرٰی اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلَیْهِ۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت بخشتا ہے تو وہ یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر بندے پر نظر آئے۔ لہٰذا جب کوئی نعمت ایسی ہو جس کا اظہار فعل سے ہوتا ہو تو اس کا فعل سے اظہار کیا جائے اور اگر قول سے ظاہر ہونے والی نعمت ہو تو اس کا اظہار قول کے ذریعہ کیا جائے اور نعمت کا چرچا کرنا جیسا کہ "حمد عرفی" میں بیان کیا جاتا ہے وہ عام ہے خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا اعضائے جسم سے ادا ہو۔ (یعنی جس طرح عرفاً تعریف تینوں طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اس طرح نعمت کا چرچا بھی تینوں طریقوں سے کیا جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت جو اس نے مجھے بخشی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے مجھے اپنے نفس کی معرفت مرحمت فرمائی اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مجھے القاء کیا یا خطاب سے نوازا وہ قرآن کریم سے ہی ہوتا ہے۔ وہ قرآن عظیم باطل جس کے سامنے اور پیچھے ہرگز نہیں آسکتا اور جو حکیم اور حمید نے اتارا ہے اور قرآن کریم سے مناجات دراصل وراثت محمدیہ کی ہی ایک بشارت ہے۔ اس لئے کہ جو حضرات اس مقام و شان کے مالک ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "جس کو جس نبی کی زبان میں مناجات دی جاتی ہے وہ اسی نبی کا وارث ہوتا ہے جس کی وہ بولی ہوتی ہے اور جسے قرآن کی مناجات (یعنی عربی کی مناجات) دی جاتی ہے۔ وہ تمام انبیاء کرام کا وارث ہوتا ہے اور وہ "محمدی" ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن تمام زبانوں کا متضمن ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام مقامات کا متضمن ہے۔

اللہ رب العزت کی ایک اور نعمت جو مجھے نصیب ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبر کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلام عرض کرنے کے بعد میں مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

آپ کا غلام آپ کے آستانہ پر حاضر ہے۔ یارسول اللہ! آپ کا کتا آپ کی دہلیز پر موجود ہے۔ یارسول اللہ! آپ کی ایک نظر سے میرا کام بن جائے گا اور میں بے پرواہو جاؤں گا۔ یارسول اللہ! آپ کی ایک مہربانی میرے لئے زندگی بھر کیلئے کافی ہو جائے گی۔ جب میں نے یہ عرض کیا تو میں نے سنا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرمارہے ہیں۔ ''أَنْتَ وَلَدِیْ وَ مَقْبُوْلٌ عِنْدِیْ بِھٰذِهٖ السَّجْعَةِ الْمُبَارِکَةِ'' تو میرا بیٹا ہے اور اس مبارک انداز عرض سے تو میرے ہاں مقبول ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے جو مجھے ''اپنا بیٹا'' فرمایا۔ اس سے مراد صلبی بیٹا ہے یا قلبی بیٹا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے امید ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں گے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک سننے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کہی پھر میں نے اسی موقف میں عرض کی اے اللہ! اس سماع کو حقیقت کا جامہ پہنا دے اور مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کا دیدار عطا فرما دے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار (خواہ خواب میں ہی کیوں نہ ہو) وہ آپ ہی کا دیدار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دیدار کو معصوم و محفوظ کر دیا ہے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ رَأٰنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِیْ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کے کلام کی سماعت معصوم و محفوظ نہیں۔ (مطلب یہ کہ خواب میں آپ کا صرف کلام سننا اور آپ کو نہ دیکھنا اس میں یقین نہیں کہ واقعی اور حقیقۃً آپ کا ہی کلام تھا؟)

اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے سامنے بیٹھ گیا اور مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ میں نے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھا کہ اچانک مجھ سے چیخ نکلی اور میں دنیا سے بے خبر ہو گیا اور مسجد شریف میں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر و اذکار اور دعاؤں سے جو آواز سنائی دے رہی تھی۔ مجھے اس کی بھی کوئی خبر نہ رہی۔ بلکہ میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا۔ اس کیفیت میں میں نے کسی کہنے والے سے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ دیکھو ہمارے تہامی آقا و سید تشریف فرما ہیں'' میں نے اس بے خبری کے عالم میں نظر اٹھائی تو میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر پڑ گئی۔ آپ اس وقت روضہ انور سے قدموں کی طرف سے لوہے کی بنی کھڑکی سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ پھر آپ دوسری کھڑکی کی جانب تشریف لے گئے اور جس طرف میں تھا اس طرف سے اسے کھولا۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ چمکتا سرخی مائل چہرہ، بھرا جسم اور مضبوط شخصیت تشریف فرما ہے۔ وہاں یہ فرق تھا کہ اصحاب شمائل نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی رنگت

بیان فرمائی۔اس سے مجھے آپ کے چہرہ اقدس کی رنگت ذرا زیادہ سرخ دکھائی دی۔جب آپ میرے قریب تشریف فرما ہوئے تو میں ہوش وحواس میں آ گیا۔میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی۔اس کے بعد میں پھر ذکر باری تعالیٰ میں مشغول ہو گیا۔دوبارہ مجھ سے پہلے کی طرح چیخ نکلی تو اس کے فوراً بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہوا۔ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (الاحزاب:53) جب تمہیں دعوت کھانے کیلئے بلایا جائے تو اندر آ جایا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو چلے جایا کرو۔جب میرے ہوش وحواس درست ہو گئے تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی۔اور آیت مذکورہ میں غور وفکر کیا۔مجھے اس میں مختلف اقسام کی بشارتیں نظر آئیں۔آیت مذکورہ میں لفظ "اِذَا" تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔اس لئے "اِذَا دُعِیْتُمْ" بمعنیٰ "قَدْ دُعِیْتُمْ" ہے اور "دعیتم" ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ جس میں داعی (دعوت دینے والے) کا ذکر نہیں ہے۔اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی دعوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دونوں کو شامل ہے۔پھر "فادخلوا" صیغہ امر جو دعوت کے بعد مذکور ہوا۔اس میں انتہائی تکریم وتشریف پائی جاتی ہے۔"وَاِذَا طَعِمْتُمْ" اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ "دعوت" کا مقصد "اکرام، انعام اور اطعام" ہے۔اس کے بعد جو فرمایا کہ فارغ ہو کر چلے جایا کرو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اکرام کے بعد چلے جانے کی اجازت ہے اور یہ خبر دینا کہ "دعوت" اکرام کیلئے ہے اور انعام کے حصول کے بعد چلے جانے کی اجازت دے دینا، انتہائی عنایت اور نہایت کرامت ہے۔

اس کے بعد میں ذکر خدا میں متوجہ ہو گیا۔اس مرتبہ پھر مجھ سے چیخ نکلی۔تو مجھ پر یہ آیت القاء ہوئی۔اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ (الحجر) تم اس سلامتی کے ساتھ اور امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ۔ جب میں ہوش میں آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی کہ اس نے دوبارہ مجھے بشارت دی ہے۔

میں پھر ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔اس مرتبہ حالت استغراق میں مجھ پر یہ آیت القاء ہوئی۔وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ۔ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے ان کے رب کے ہاں "قدم صدق" ہے (یونس:2)۔اور مجھے معلوم ہوا کہ "قدم صدق" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔اور آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں اس خوشخبری کو آپ کی امت کی طرف پہنچانے میں واسطہ بن جاؤں۔

پھر میں ذکر کی طرف زیادہ متوجہ ہو گیا۔تو پھر مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (آل عمران:73) فرما دیجئے۔فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔جب میں باہوش ہوا تو میں نے اللہ کی حمد کہی۔اور میں نے جانا

کہ مذکورہ آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ جو یہ نعمت مجھے حاصل ہوئی ہے یہ نہ تو علم کی جزاء ہے اور نہ کسی عمل وصال کا صلہ ہے اور نہ ہی میں اس کا استحقاق رکھتا تھا۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

میں پہلے سے بھی زیادہ ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر بے ہوش ہو گیا تو مجھ پر اس مرتبہ یہ آیت القاء کی گئی۔ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا۔ تاکہ ایماندار ثابت قدم ہو جائیں اور مسلمانوں کیلئے یہ ہدایت اور خوشخبری ہے (النحل) پھر جب میں ہوش میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی ان بشارتوں پر حمد کہی جو اس آیت میں ہیں اور ان اسرار و رموز پر اس کی تعریف کی جن پر یہ آیات مشتمل ہے۔

میں پھر زیادہ توجہ کے ساتھ ذکر خدا میں مشغول ہو گیا پھر بے ہوشی طاری ہو گئی تو مجھ پر اس آیت کا القاء ہوا۔ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ﴿٨١﴾ اللہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا ہے پھر اللہ کی کس آیت کا تم انکار کرو گے (مومن)۔ جب میں دوبارہ ہوش میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی میں نے حمد کہی اور کہا میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے کسی آیت کا انکار کر سکتا ہوں جبکہ یہ ناچیز بندہ اس بات کا معترف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل ہے۔

اس کے بعد میں اٹھ کر اپنے تخلیہ گاہ میں چلا گیا۔ وہاں ایک صاحب طریقت شیخ تشریف لائے۔ مجھ سے کہنے لگے جب تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کسی اکابر میں سے کسی کو واسطہ بنا لیا کرو۔ مثلاً سید عبدالقادر جیلانی محی الدین حاتمی اور امام شاذلی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ میں نے عرض کیا۔ ٹھیک ہے اگر مجھے میرے آقا و مولیٰ اس کی اجازت دے دیں۔ جن کی دہلیز پر میں اس وقت ہوں۔ میں پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا پھر بیہوشی کے عالم میں مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (الاحزاب:6) نبی کریم ﷺ مومنوں کی جان سے بھی زیادہ قریب و عزیز ہیں۔ جب میں ہوش میں آیا تو اللہ کی حمد کہی۔ جب وہی شیخ طریقت میرے پاس دوبارہ آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے آقا و مولیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔ اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ میرے اتنے نزدیک ہیں کہ اتنی نزدیک میری روح بھی نہیں ہے پھر پھر پھر.................!

فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهُ     فَظُنَّ خيراً وَلَا تَسْأَلُ عَنِ الْخَبَرِ

پھر ہوا جو ہوا میں اس کا ذکر نہیں کرتا لہٰذا تجھے اچھا گمان رکھنا چاہیے اور کیا بات ہے؟ اس کی بابت نہ پوچھ۔

سب سے پہلے نور و خیر کی کائنات میں جو فتح مجھے ہوئی وہ یہ کہ ایک واقعہ میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ''مطاف'' میں میری ملاقات ہوئی۔ آپ ایک محفل میں تشریف فرما تھے اور بتوں کے توڑنے کا واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ میں نے آپ کو جب دیکھا تو آپ کی عمر شریف اتنی ہی دکھائی دے رہی تھی جس عمر میں آپ نے بت توڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ (الانبیاء:60) لوگوں نے کہا۔ ہم نے ایک نوجوان کو بتوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے سنا۔ میری آنکھوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ایسا کوئی خوبصورت آج تک نہ دیکھا۔ ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''ان کی خوبصورتی اور ان کا جمال مجھ جیسا ہے'' آپ کا ارشاد گرامی ہے ''رَأَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَ اَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهٖ بِهٖ'' میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا۔ میں ان کی اولاد میں سے ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ میں نے جب یہ فتح دیکھی تو جانا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے وراثت ابراہیمی میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مخلوق میں مجھے چاہنے والے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء)۔ اے اللہ! بعد میں آنے والوں میں میرا سچا چرچا رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی۔ اور آپ کی محبت میں اکثر فرقہ جات اور مذہب و ملت کے ماننے والے متفق ہیں۔ آپ کے سوا دوسرے رسولان عظام میں سے یہ بات کسی کو نہ ملی۔ (انتہیٰ کلامہ رضی اللہ عنہ)۔

میں (علامہ نبہانی) اس امر پر یقین رکھتا ہوں اور تصدیق کرنیکے ساتھ ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ موصوف رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ان اولیاء کرام میں سے ہوئے ہیں جن کی قدر و منزلت بہت بلند ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو یہ سعادت و نعمت عطا فرمائی کہ انہیں اپنے جد امجد سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ ان کی کرامات میں سے اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے۔ میں نے موصوف کے الفاظ میں اسے اپنی کتاب ''جامع کرامات الاولیاء'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے میں نے اس میں ایک ہزار چار سو مشہور و معروف اولیاء کرام کی کرامات جمع کی ہیں، جس میں حضرات صحابہ اور ان کے بعد اب تک آنے والے معروف اولیاء کرام

کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ کرامات ان بزرگوں کی بھی میں نے درج کیں۔ جن کے اسمائے گرامی مجھے نہ مل سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے ان حضرات کا نام ضرور ذکر کر دیا ہے۔ جن کے ذریعہ مجھ تک ان نامعلوم بزرگوں کی کرامات پہنچیں۔ اور وہ لوگ صدق و دیانت کے پیکر تھے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ تیرھویں موقف میں رقمطراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (الکہف) بہت جلد میں تمہیں ان باتوں کی تعبیر بتاؤں گا۔ جن کو دیکھ کر آپ خاموش نہ رہے۔ میں بچپن سے ہی حضرات مصنفین کرام کی کتب کے مطالعہ کا بہت زیادہ شوق رکھتا تھا۔ لیکن ان کے راستہ پر نہ چلتا تھا۔ میں دوران مطالعہ کچھ نامور حضرات کے ایسے کلمات پڑھتا تھا جن کو پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور میرا دم گھٹنے لگتا تھا۔ لیکن میرا ایمان تھا کہ ان کلمات کا مفہوم و مراد درست ہوگا۔ کیونکہ ان حضرات کے آداب کاملہ پر مجھے یقین تھا اور ان کے اخلاق فاضلہ کا میں معترف تھا۔ ان میں سے بطور مثال حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُوْتِيْتُمُ اللَّقَبَ وَ اُوْتِيْنَا مَالَمْ تُؤْتَوْهُ" گروہ پیغمبران! تمہیں بڑے بڑے لقب عطا کیے گئے اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور حضرت ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ خَضْنَا بَحْرًا وَقَفَتِ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ۔ ہم اس دریا میں غوطہ زن ہوئے اور حضرات انبیاء کرام اس کے کنارے پر کھڑے رہے اور جناب شبلی رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو یہ فرمانا۔ اَتَشْهَدُ اِنِّیْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ التِّلْمِيْذُ اَشْهَدُ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں؟ شاگرد نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بیشک محمد رسول اللہ ہیں۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔

اس قسم کے اقوال کے بارے میں تاویل کرنے والے حضرات نے جو کچھ مفہوم بیان کیا۔ میرا دل اس سے مطمئن نہ تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب فرمائی۔ وہاں ایک دن میں تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی حالت عطا فرمائی کہ مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا پھر جب میں پہلی حالت کی طرف پلٹا تو میری زبان پر یہ الفاظ تھے۔ "لَوْ كَانَ مُوْسٰی بْنُ عِمْرَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ" اگر حضرت موسیٰ بن عمران آج زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کیے بغیر چارہ نہ

ہوتا۔ یہ الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی روایت اور حکایت کے طریقہ پر نہیں بلکہ بطور انشاء کہہ رہا تھا۔ (یعنی حضرت موسیٰ کو میں اپنی اتباع کرنے کی بات کر رہا تھا) جب میں نے مذکورہ الفاظ اس انداز سے کہے۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ میری یہ بات اس کیفیت کا ہی بچا کچھا حصہ ہے۔ میں یقیناً اس وقت ''فَنَا فِي الرَّسُوْلِ'' کے مقام میں تھا۔ اور اس وقت میں فلاں ابن فلاں (میر عبدالقادر جزائری) نہ تھا میں بیشک ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھ سے مذکورہ قول صرف بطور حکایت کہنا صحیح ہوتا۔ (بطور انشاء باطل ہوتا) یعنی میں اس قول کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول سمجھ کر اس کی حکایت کرتا۔

یونہی ایک اور دفعہ مجھ سے ایسی بات ہوئی۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخرَ'' میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ (یہ قول ''مقام فنائی الرسول'' میں مجھ سے بطور اپنے کلام کے ظاہر ہوا۔ حالانکہ یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے)۔ اس وقت مجھ پر ان حضرات کے مذکورہ اقوال کی وجہ ظاہر ہوئی۔ مطلب یہ کہ میری مذکورہ دو باتیں صرف ایک نمونہ ہیں۔ اور سمجھانے کی خاطر مثال ہیں۔ یہ بات نہیں کہ میرا حال ان بزرگوں کے حال کے برابر ہے۔ حاشاء وکلا وہ کہاں اور میں کہاں؟ ان کا مقام ومرتبہ اعلیٰ واجل اور ان کا حال کامل ومکمل (اور میں ناقص ونامکمل) مذکورہ اقوال کی طرح ایک قول حضرت الشیخ عبدالکریم الجیلی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ كُلُّ مَنْ اِجْتَمَعَ هُوَ وَ آخَرُ فِي مَقَامٍ مِنَ الْمَقَامَاتِ الْكَمَالِيَةِ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا عَيْنَ الْآخَرِ فِي ذَالِكَ الْمَقَامِ وَ مَنْ عَرَفَ مَاقُلْنَاهُ عَلِمَ مَعْنَى قَوْلِ الْحَلَاجِ وَغَيْرِهٖ۔ انتہیٰ کلام الجیلی رضی اللہ عنہ۔ ہر وہ شخص جو وہ اور دوسرا کسی مقام کمال میں اکٹھے ہوئے اس مقام میں ان دونو ں میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہو جاتا ہے اور جسے ہماری یہ بات سمجھ آ گئی اسے حلاج (منصور وغیرہ کی بات بھی سمجھ آ جائے گی۔

اس مقالہ کے صدور سے قبل میں رمضان المبارک کی تیسری رات حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی طرف متوجہ تھا تو مجھ پر ''حال'' وارد ہو گیا۔ میں نے اسی حال میں رونا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔ ''تمہیں فتح مبارک ہو'' اس واقعہ کے دو رات بعد میں ذکر خدا میں مشغول تھا۔ دوران ذکر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں سو گیا۔ خواب میں مجھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات شریفہ کا دیدار ہوا اور وہ اس طرح تھا کہ آپ کی ذات مقدسہ، میری ذات میں رچ بس گئی تھی۔ حتیٰ کہ ایک ہی ذات

ہو گئی۔ میں اپنی ذات کو دیکھتا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نظر آتی۔ میں ڈر کر مرعوب ہو کر اور خوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وضو کیا اور مسجد نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ سلام عرض کرنے کے بعد پھر تنہائی میں چلا گیا اور ذکر خدا میں مشغول ہو گیا تو اللہ تعالٰی نے مجھے دنیا و مافیہا بلکہ مجھے اپنے آپ سے بے خبر کر دیا، میں جب اس کیفیت سے واپس پہلی حالت میں آیا تو دوران ''فنا'' مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۔ الآیۃ (البقرۃ:۷۱) اب تو نے سچی بات کہی۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ القاء نے اس بات کی تصدیق کر دی جو میں نے دیکھی تھی۔ اس کے ایک دن بعد پھر اللہ تعالٰی نے میرے ہوش و حواس ختم کر دیے۔ جیسا پہلے ہوا کرتا تھا میں نے کسی کہنے والے سے یہ کہتے سنا۔'' دیکھ کہ میں نے کیا کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ میں وہی ہو گیا ہوں اس تجع جناسیہ مبارکہ کے سبب'' میں نے جان لیا کہ یہ قول، سابقہ خواب کی تصدیق ہے۔ والحمد للہ تعالٰی۔ اور اللہ تعالٰی نے مجھے عام حکم دیا ہے کہ میں نعمتوں کا چرچا کروں۔ جس طرح اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قول سے عام حکم دیا۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ) اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکم ہوتا ہے وہ آپ کی امت کو بھی ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی حکم صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو (تو وہ امت کو نہیں ہوتا) لیکن اللہ تعالٰی نے مجھے خاص کر اور کئی مرتبہ اسی آیت کریمہ ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' کے اشارہ سے حکم دیا ہے۔ (لہٰذا مجھے لازماً چرچا کرنا تھا جو میں نے کر دیا) انتہیٰ کلام الامیر

(جناب امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ کا کلام جو میں نے تحریر کرنا پسند کیا، وہ یہاں ختم ہوا۔)

## جواہر حضرۃ الامام الشہاب احمد المقری (ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے)

جوہر ا: امام شہاب احمد مقری رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ''نفح الطیب'' میں امام ابوالولید الباجی الاندلسی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب امام ابوالولید باجی نے ''یوم حدیبیہ'' کے موقع پر ایک دستاویز کی تحریر کے بارے میں لکھا۔ جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ کہ ''مذکورہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھی تھی'' اس پر فقیہ ابوبکر صائغ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور امام ابوالولید باجی کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامی تھے کے بارے میں کتاب کا قول کرنے پر انہوں نے تکفیر بھی کی۔ اور کہا کہ یہ قرآن کریم کو بھی جھٹلانا ہے۔ پھر اس موضوع پر ان لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی۔ جو بات نہ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ امام باجی پر فتنہ پھیلانے کا الزام لگایا گیا۔ انہیں برا کہا گیا اور عام لوگوں کے سامنے ان کی مذکورہ بات کی برائی بیان کی گئی اس دور کے خطیب حضرات نے بھی اسے اپنی تقاریر اور خطابات کا موضوع بنایا اور شاعروں نے بھی اپنے اشعار کے ذریعہ حق ادا کیا۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

بَرِئْتُ مِمَّنْ شَرَى دُنْيَا بِاٰخِرَةٍ     وَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ كَتَبَا

(ترجمہ) جس شخص نے آخرت کے بدلہ دنیا خریدی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست اقدس سے لکھا۔ میں اس سے بری ہوں اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔

امام ابوالولید باجی رضی اللہ عنہ نے ایک رسالہ لکھا۔ جس پر انہوں نے تحریر کیا کہ معجزہ میں ایسی بات قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ آپ کی یہ تحریر پڑھ کر ایک جماعت نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ جو شخص فقط اپنا نام لکھ سکتا ہو عرف میں وہ ''امی'' کی صفت سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ ایسے شخص کو ''کاتب'' نہیں کہا جاتا۔ بہت سے بادشاہ علامتی طور پر اپنا نام لکھتے رہے۔ حالانکہ وہ ''امی'' ہی تھے اور ''امی'' ہی کہلاتے رہے۔ جب کسی کام پر حکم لگایا جاتا ہے تو وہ غالب اور اکثر ہونے کی صورت میں لگتا ہے۔ جو کام نادر ہو وہ حکم کے تحت نہیں ہوتا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيُّوْنَ'' ہم امی امت ہیں۔ یعنی امت کے اکثر اور غالب افراد امی ہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام میں کتابت نادر الوقوع تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعہ:2) اللہ وہ ہے جس نے امی لوگوں میں ان میں سے ہی عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا۔ اھ۔

اس کے بعد امام شہاب احمد موصوف رقمطراز ہیں کہ قاضی ابوالولید باجی رضی اللہ عنہ نے جو مذکورہ بات لکھی یعنی انہوں نے کتابت دستاویز حدیبیہ کی نسبت ظاہری الفاظ کو پیش نظر رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی۔ یہ بعض حضرات کا قول اور موقف ہے اور صواب اسکے خلاف میں ہے۔ قاضی ابوالفضل عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہمیں محمد بن علی شاطبی نے اپنے الفاظ سے روایت کیا کہ مجھے ابوالحسن بن مغفور نے بتایا کہ ابومحمد بن احمد بن الحاج جو جزیرہ شقر کے باشندے تھے۔ ان لوگوں میں سے ہیں جو کافی عرصہ تک امام باجی کی خدمت میں رہے۔ اور ان سے دین سیکھتے رہے۔ وہ امام باجی کے مسلک وموقف کی طرف مائل تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستاویز حدیبیہ خود اپنے دست اقدس سے تحریر فرمائی تھی جیسا کہ اس روایت کے ظاہری الفاظ بیان کر رہے ہیں اور وہ اس پر تعجب کیا کرتے تھے۔ لیکن میں (ابوالحسن بن مغفود) ان کی اس بات کا انکار کیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی۔ جب وہ حسب عادت میری زیارت کرنے آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ میں ہے۔ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوا اس نے اپنے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور دیکھی۔ تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی اور رونگٹے کھڑے ہو گئے پھر اس نے دیکھا کہ قبر پھٹی۔ لمبی ہوئی اور ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ اس سے اس پر عظیم رعب وڈر طاری ہوا۔ اس نے مجھ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو میں نے کہا کہ اس خواب والے شخص کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی صفت وتعریف کرتا ہے جو آپ کی صفت ہے نہیں۔ یا آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرتا ہے جو آپ نے نہیں فرمائی جس کی کوئی اصل نہیں شائد آپ پر افتراء باندھتا ہو۔ اس نے مجھ سے کہا آپ کو خدا کی قسم! مجھے بتایئے کہ آپ نے یہ تعبیر کیسے اور کہاں سے نکالی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہ تعبیر نکالی ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ اِلٰى قَوْلِهٖ وَلَدًا (مریم:90)۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین پھٹ جائے، پہاڑ گر جائیں اس بات سے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا میرے آقا! اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سر کو چوم لیا۔ میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ ایک لمحہ روتا اور دوسرے لمحے مسکراتا۔ پھر مجھے کہا کہ میں خواب والے کا ساتھی ہوں۔ میں نے تمام خواب سنا تھا میں آپ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی تعبیر صحیح ہے۔ صاحب خواب نے بیان کیا کہ جب میں نے اپنے آپ کو ہیبت زدہ حالت میں دیکھا تو میں اس وقت یہ کہہ رہا تھا'' میں کہا کرتا تھا۔ خدا کی قسم! یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا اور معتقد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے دست اقدس سے لکھا۔ تو میں رو پڑتا۔ اور میں پھر کہتا کہ یا رسول اللہ! میں توبہ کرتا ہوں۔ یہ بات میں بار بار کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پہلی حالت پر آ گئی۔ اور ساکن ہو گئی۔ پھر میں خواب سے جاگ اٹھا۔ پھر مجھ سے وہ کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ اس عقیدہ اور موقف پر اس کا انتقال ہوا۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر کیا۔ اس کی حمد کہی کہ اس نے اسے برہان دکھادی۔ اس کا کثیر شکر کر۔ اھ۔

جوہر ۲: امام مقریٰ رضی اللہ عنہ "نفع الطیب" میں جناب محمد بن حزم بن بکر تنوخی اندلسی المعروف ابن مدینی رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ صاحب تقویٰ اور صاحب انقباض ( ) تھے۔ ابن مسرۃ سے حکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ابن مدینی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سکونت رکھتے تھے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار وتبرکات کی بہت تلاش کرتے تھے۔ بعض اہل مدینہ نے آپ کو حضرت ابراہیم (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ہیں) کی والدہ "ماریہ" کے گھر کی نشاندہی کی۔ "ماریہ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی تھیں۔ نشاندہی پر آپ نے اسے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ جو مدینہ منورہ کی مشرقی جانب موجود دو باغوں کے درمیان تھا۔ اس کا طول وعرض برابر تھا۔ درمیان میں ایک دیوار تھی جس میں راستہ بنایا گیا تھا۔ اس کی دیوار پر ایک سخت لکڑی لگائی گئی تھی جو اس کے فرش کی طرف مکان سے باہر سے چڑھتی تھی۔ اس مکان کے اوپر دو کمرے اور ایک بالکونی تھی۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرمیوں میں تشریف رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب ابوعبداللہ کو دیکھا جبکہ وہ دونوں گھروں اور بالکونی میں نماز ادا کر چکے اس کے علاوہ انہوں نے اس مکان کے ہر کونہ اور ہر طرف میں بھی نماز ادا کی۔ انہوں نے دونوں گھروں میں سے ایک کو اپنی بالشت کے ساتھ پیائش کی۔ میں نے اس کے بارے میں ان سے واپس آنے کے بعد پوچھا۔ جبکہ وہ وہاں ہی ایک پہاڑ میں تشریف فرما تھے فرمانے لگے۔ وہ گھر جس میں تم نے مجھے دیکھا تھا اس کی بنیادیں اور اس کا موجود رقبہ بلا کمی بیشی اسی مقدار پر ہے جو بوقت تعمیر طولاً عرضاً تھا۔

جوہر ۳: موصوف رضی اللہ عنہ "نفع الطیب" میں ہی جناب ابن سبعین کے حالات بیان کرتے ہوئے آخر میں جب ان کے شاگرد شیخ ابوالحسن شستری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آیا، تو لکھا۔ "بجایۃ" میں وہاں کا ایک باشندہ ان کے پاس آیا۔ جسے ابوالحسن بن علال کہتے تھے۔ صاحب امانت ودیانت مشہور تھا۔ اس نے آپ کو اہل علم کے ساتھ علمی مذاکرہ کرتے پایا۔ آپ کا علمی گفتگو فرمانا اور افہام وتفہیم علمی

دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اور آپ کے ''شیخ'' ہونے کا معتقد ہو گیا اور آپ کی پیشوائی کو تسلیم کر لیا۔ پھر ارادہ کیا کہ اپنے مال میں سے بیس دینار اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر فقراء میں تقسیم کرے۔ اور ان کیلئے کھانے پینے کی اشیاء خرید لائے۔ جب اپنے ارادے کے مطابق اس نے سب کچھ جمع کر لیا تو اسے تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا تو خریدے گئے سامان میں سے اس نے آدھا تو فقراء میں تقسیم کر دیا۔ دوسرا آدھا اس وقت تک اٹھا رکھا جب تک شیخ موصوف وہاں قیام پذیر ہیں اور جب جانے لگیں گے تو بقیہ نصف بھی دے دوں گا تاکہ ان کا زادِ راہ بن جائے۔ جب رات ہوئی اس نے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ بھی تھے وہ شخص بیان کرتا ہے کہ میں یہ دیکھ کر خوشی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض گزار ہوا۔ یا رسول اللہ! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ اے ابوبکر! اسے دیدو۔ اسی وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک روٹی تقسیم فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس میں سے مجھے نصف عطا کی۔ اس کے بعد اس شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس مبارک خواب سے وہ وجد میں آ گیا پھر اس نے اپنے اہل خانہ کو جگایا اور خود عبادت میں مشغول ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو گھر سے نکل کر شیخ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اپنے ساتھ کچھ کھانا بھی لایا اور وہ آدھے درہم بھی لے کر آیا جو بچا کر رکھے تھے جب شیخ کو یہ اشیاء دیں تو شیخ نے فرمایا۔ اے علی! ذرا نزدیک آؤ، جب وہ نزدیک ہوا فرمایا۔ اے علی! اگر تو مکمل دے دیتا تو تو بھی ان سے پوری روٹی پا لیتا۔ اھ۔

جوہر ۴: ''نفع الطیب'' میں ہی وزیر ابوعبداللہ بن حکیم رندی کے تذکرہ میں موصوف نے لکھا۔ علامہ ابن رشید نے ''ملء العیبۃ'' میں تحریر کیا یہ کہ جب ہم ۶۸۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو میرے ساتھ میرا دوست وزیر عبداللہ بن ابی القاسم بن حکیم بھی تھا۔ اس وقت اس کی آنکھیں دکھی ہوئی تھیں۔ جب ہم ذوالحلیفہ یا اس کے قریب پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور روضہ اطہر کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمارا شوق اور بے قراری بڑھ گئی تھی۔ وزیر بھی اترا۔ اور ان آثار مقدسہ کے پیش نظر پیدل چلنے لگا اور اس علاقہ میں تشریف فرما اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے پیش نظر سواری کی بجائے پیدل چلنے لگا۔ اس نے اچانک محسوس کیا کہ آنکھوں کی تکلیف دور ہو رہی ہے۔ اسی وقت اپنی کیفیت ان الفاظ سے خود کو سنائی۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُبُوعِ حَبِيْبِنَا ۔۔۔ بِيَثْرِبَ أَعْلَامًا أَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا

وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا اِذْ كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا — شَفَيْنَا فَلَا بَأْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا
وَحِيْنَ تَبَدِّیْ لِلْعُيُوْنِ جَمَالُهَا — وَمِنْ بُعْدِهَا عَنَّا اُدِيْلَتْ لَنَا قُرْبًا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً — لِمَنْ حَلَّ فِيْهَا اَنْ نَلَمَّ بِهَا رُكْبًا
نَسِحُّ سِجَالَ الدَّمْعِ فِيْ عَرْصَاتِهَا — وَنَلْثِمُ مِنْ حُبٍّ لِوَاطِئِهٖ التُّرْبَا
وَاِنَّ بَقَائِيْ دُوْنَهٗ لَخَسَارَةٌ — وَلَوْ اَنَّ كَفِّيْ تَمْلَأُ الشَّرْقَ وَالْغَرْبَا
فَيَا عَجَبًا مِمَّنْ يُحِبُّ بِزَعْمِهٖ — يُقِيْمُ مَعَ الدَّعْوٰى وَيَسْتَعْمِلُ الْكُتْبَا
وَزَلَّاتُ مِثْلِيْ لَاتُعَدَّدُ كَثْرَةً — وَ بُعْدِيْ عَنِ الْمُخْتَارِ اَعْظَمُهَا ذَنْبًا

جب ہم نے یثرب (مدینہ منورہ) میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار دیکھے تو انہوں نے ہمارے دلوں میں محبت پیدا کردی اور اس کی مٹی کا جب ہم نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا تو ہمیں شفامل گئی۔ اب ہمیں کسی پریشانی اور درد کا کوئی خوف نہیں رہا۔ اور آنکھوں کے سامنے ان کے جلوے آئے تو باوجود دور دکھائی دینے کے ہمیں قریب نظر آنے لگے۔ ہم اپنی سواریوں سے اتر کر احترام وتعظیم کے پیش نظر پیدل چلنے لگے۔ احترام اس شخصیت کا ہے جو یہاں قیام فرما ہے۔ ان کے میدانوں میں ہم آنکھوں سے آنسوؤں کے مشکیزے بھر بھر کر ڈالیں گے اور اس پاک زمین پر چلنے والی شخصیت کی محبت میں ڈوب کر ہم اس کی مٹی کو چومیں گے اور میرا ان کے بغیر زندہ رہنا سراسر نقصان ہے۔ اگرچہ مشرق و مغرب کو میرے ہاتھ بھر دیں سو اس پر تعجب ہے جو اپنے خیال میں محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور پھر دعویٰ کے ساتھ خود بھی قائم رہتا ہے اور رقعہ جات استعمال کرتا ہے مجھ جیسے کی لغزشیں ان گنت ہیں اور رسول کریم مختار کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی اور دوری ان میں سے سب سے بڑی غلطی ہے۔

جوہر ۵: ادیب ابوجعفر البیری اندلسی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف مذکورہ کتاب میں رقمطراز ہیں۔ ادیب ابوجعفر حضرت ابن جابر کے "بدیعیہ" کے شارح بھی ہیں۔ ان کے نثری کلام میں سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ یہ نمونہ ان کی تحریر سے اس وقت کا ہے جب انہوں نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کا تذکرہ کیا۔

"یہ قصیدہ ایسا ہے جس کا شرف سب پر عیاں ہے، اور اس کی مقبولیت ایسی کہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اسے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام کی موجودگی میں پڑھنے کا شرف پایا۔ اس قصیدہ کو جب معافی کا وسیلہ بنایا تو سزا سے بچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاف کر کے دوست بنالیا۔ اور انہیں انعام میں اپنا حلہ عطا فرمایا اور ان پر

اٹھنے والے ہاتھ کو روک دیا۔ انہیں ان کی اور ان کے اہل وعیال کی مراد عطا کر دی گئی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ان کے خون گرائے جانے کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ ان کی ہرزہ سرائی تھی اس کی بھی معافی مل گئی۔ پس ان کی نیکیوں نے ان کے گناہ مٹا دیئے اور ان کے اچھے کاموں نے ان عیوب کا چہرہ ڈھانپ دیا اگر ان کا مذکورہ قصیدہ نہ ہوتا تو کسی کی مدح اور غزل کہنا ممنوع ہوتا اور جو شعر کہہ کر انعام حاصل کرنا چاہتا اس کی امیدوں پر پانی پھر جاتا۔ لہٰذا ان کا یہ قصیدہ شعراء کے راستہ کیلئے حجت بن گیا اور ان کے امور کی عظمت کا سبب بن گیا۔ اسکندریہ میں مجھے میرے بعض شیوخ نے بتایا۔ انہوں نے اپنی سند بھی ذکر فرمائی۔ کہ ایک عالم دین کا معمول یہ تھا کہ جب تک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ نہ پڑھتے اپنی مجلس کا افتتاح نہ کرتے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہنے لگے۔ میں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی تو عرض کیا تھا۔ یارسول اللہ! کیا حضرت کعب نے قصیدہ آپ کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا؟ فرمایا۔ ہاں میں اسے پسند کرتا ہوں اور ہر اس شخص کو بھی پسند کرتا ہوں جو اس قصیدہ سے محبت رکھتا ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ میں کسی دن بھی اس قصیدہ کی قراءۃ کا ناغہ نہ کروں گا''۔

میں کہتا ہوں کہ جب سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے قصیدہ کہا اس وقت سے اب تک شعراء ان کی روش اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور تبرکا ان کے اقوال کی اقتداء کرتے ہیں جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کئے تھے اور جس انداز سے انہوں نے آپ کی تعریف کہی۔ اسی نہج پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب قاضی محی الدین بن عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ''بانت سعاد'' کے وزن پر قصیدہ کیا تو اس میں یہ اشعار بھی کہے۔

لَقَدْ قَالَ كَعْبٌ فِي النَّبِيِّ قَصِيْدَةً ۔۔۔ وَقُلْنَا عَسٰى فِي مَدْحِهِ نَتَشَارَكُ

فَإِنَّ شَمَلَتْنَا بِالْجَوَائِزِ رَحْمَةٌ ۔۔۔ كَرَحْمَةِ كَعْبٍ فَهُوَ كَعْبٌ مُبَارَكُ

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قصیدہ کہا اور ہم نے کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح میں ہم انکے ساتھی بن جائیں۔ پھر اگر آپ کی رحمت ہمیں بھی انعام واکرام میں شامل کر لے جس طرح آپ نے حضرت کعب پر مہربانی فرمائی تو بہت بڑی بات ہو گی۔

جوہر ۶: صفوان بن ادریس مرسی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے کتاب مذکور میں علامہ نے لکھا ہے۔ کہ جناب صفوان اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں جہیز وغیرہ کی ضروریات کی خاطر مراکش کی طرف سفر

پر نکلے۔ دارالخلافہ کا قصد کیا اور مدحیہ کلام کہا۔ لیکن ناامید رہے۔ پھر انہوں نے اپنے بیکار اور ناقص ارادے میں غور و فکر کیا اور کہنے لگے اگر میں اپنی امیدیں خدا کے سپرد کرتا اور اس کے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا آپ کے اہل بیت کی تعریف کرتا تو لازماً میری امید بر آتی۔ اور میرا عمل بھی قابل تعریف ہوتا یہ کہہ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی کہ میں نے پہلے جو ارادہ کیا تھا کہ امیر لوگوں اور حاکمان وقت کی تعریف کرنے سے میرا مطلب پورا ہوگا اس سے میں توبہ کرتا ہوں انہیں یقین تھا کہ اب میں نے جو ارادہ کیا اس کے سوا میری تمنا پوری ہونے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ لہٰذا اب وہ نئے مقصد کی طرف چل پڑے اور مکمل عزم و اعتماد سے اس طرف متوجہ ہوئے اسی دوران اچانک ان کے بارے میں لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ فلاں نام کے آدمی کو خلیفہ صاحب بلاتے ہیں۔ آپ خلیفہ کے پاس گئے تو اس نے ان سے ان کا مقصد دریافت کیا۔ انہوں نے بڑے اچھے فصاحت بھرے انداز میں اپنا مطلب بیان کیا۔ خلیفہ نے فوراً پورا کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہا کہ انہیں ان کے مقصد سے زیادہ دیا جائے اور خلیفہ نے انہیں بتایا کہ ایسا کرنے کا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ خواب میں آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ چنانچہ صفوان موصوف وہاں سے اپنے مقصد و مطلب سے کہیں زیادہ وصول کر کے باہر نکلے۔ پھر ان کی زندگی اہل بیت رضی اللہ عنہم کی مدح کرتے گزری۔ ۵۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا جب ان کی عمر ابھی چالیس برس بھی نہ ہوئی تھی۔ ان کے والد نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی آپ صاحب فضل تھے اور دین میں ایک ممتاز مقام کے مالک تھے۔ پھر علامہ امام شہاب مقری رضی اللہ عنہ نے جناب صفوان رضی اللہ عنہ کے چند اشعار نقل کیے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

تَحِیَّةُ اللّٰہِ وَ طَیِّبُ السَّلَامِ  عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ خَیْرِ الْاَنَامِ
عَلَی الَّذِی فَتَحَ بَابَ الْھُدَی  وَقَالَ لِلنَّاسِ اُدْخُلُوا بِالسَّلَامِ
بَدْرُ الْھُدٰی بِحُرُ النَّدَی وَالسُّدیٰ  وَمَا عَسَی اَنْ یَّتنَا ھِیَ الْکَلَامُ
تَحِیَّةٌ تَھْزَأُ اَنْفَاسُھَا  بِالمِسْکِ لَا اَرْضٰی بِمِسْکِ الْخِتَامِ
تَخُصُّہٗ مِنِّی وَلَا تَنْسَنِی  عَنْ اَھْلِہِ الصَّیْدُ السُّرَاۃُ الْکِرَامُ
وَ قَدْرُھُمْ اَرْفَعُ لٰکِنَّنِی  لَمْ اَلْفَ اَعْلٰی لَفْظَۃٍ مِنْ کِرَامِ

وَقَالَ اَیْضًا

یَقُوْلُوْنَ لِیْ لَمَّا رَکِبْتُ بَطَالَتِی  رَکُوْبَ فَتًی جَمَّ الْغَوَایَۃِ مُعْتَدِی

اَعِنْدَکَ شَیٌٔ تَرْتَجِی اِنْ تَنَالَهٗ فَقُلْتُ نَعَمْ عِنْدِی شَفَاعَةُ اَحْمَدِی

(ترجمہ) تمام انسانوں سے بہتر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور پاکیزہ سلامتی نازل ہو۔ آپ وہ شخصیت ہیں جن پر ہدایت کا دروازہ کھولا گیا۔ اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں۔ آپ ہدایت کے ماہتاب، سخاوت کے سمندر اور سیادت کے دریا ہیں اور وہ کہ جن کی ذات کے بارے میں گفتگو ختم ہو جاتی ہے آپ پر ایسی رحمتیں نازل ہوں جن کی خوشبو سے ارواح مہک اٹھیں۔ مشک وعنبر پر میں راضی نہیں ہو سکتا۔ خاص کر میری طرف سے آپ کی ذات والا صفات پر تحیت وسلام۔ بہر حال آپ کی ذات پر کما حقہ درود وسلام نہیں بھیج سکتے۔ آپ کے ساتھ آپ کی آل پاک پر بھی سلام ہو۔ جن کی قدر ومنزلت بہت بلند ہے۔ لیکن میں لفظ ''کرام'' سے اعلیٰ لفظ ان کیلئے نہیں پاتا۔ جب میں اپنے خیالات کو سواریوں پر سوار کرتا ہوں تو کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ سر پھرا نوجوان ہے اور پوچھتے ہیں کیا تیرے پاس کوئی ایسی امید ہے جسے پورا ہونے کی تجھے آس ہو؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ میرے حق میں سید الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔

جوہر ۷: ابن خلدون صاحب تاریخ کے بھائی یحییٰ بن خلدون کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے موصوف نے اپنی کتاب ''نفح الطیب'' میں لکھا ہے کہ ان کا ایک ''قصیدہ نبویہ حائیہ'' بھی ہے۔ جس کو میں نے اپنے مجموعہ نبہانیہ میں ذکر کیا ہے۔ سلطان ابوحمو موسیٰ صاحب تلمسان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی شب (بارہ ربیع الاول کی رات) کو بہت بڑی محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ اس دور میں اندلس اور افریقہ کے بادشاہ منعقد کیا کرتے تھے۔ اور ان سے پہلے حضرات بھی اس کا انعقاد کیا کرتے تھے۔ سلطان موصوف کی محفل میلاد کی کیفیت شیخ الشیوخ حافظ سیدی ابوعبداللہ تنسی ثم تلمسانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''راح الارواح'' میں بیان فرمائی ہے۔ اس محفل پاک میں سلطان ابوحمو نے جو شعر پڑھے، اس میں جو دیگر مدحیہ کلام پیش کیا گیا اور اس کے موافق دوسری باتیں انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر فرمائیں۔ فرماتے ہیں۔

• سلطان ابوحمو موسیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کریمہ کی رات کو محفل میلاد کا انعقاد کیا کرتا تھا بھر پور دعوت ہوتی تھی جس میں عام وخاص تمام لوگ حاضر ہوتے تھے۔ بہترین غالیچے اور قالین بچھائے جاتے، سونے سے کڑھائی کئے گئے تکئے لگائے جاتے، بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتیں، جو ستون کی طرح دکھائی دیتیں، دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے، گنبد نما پیالے رکھے

ہوئے نظر آتا تھا۔ ''خزانۃ المجانۃ'' کے سرے پر خوبصورت دروازے تھے جن کی تعداد رات کے گھنٹوں کے برابر تھی۔ اس کی دونوں اطراف میں دو بڑے بڑے دروازے تھے۔ ان تمام دروازوں کے اوپر کامل چاند کی ایک تصویر بنائی گئی تھی جو خط استواء پر چلتا دکھائی دیتا تھا۔ بالکل ایسے جیسے آسمان میں چل رہا ہو۔ ہر گھنٹہ گزرنے پر اس کا مزین دروازہ کھلتا پھر دو بڑے دروازوں سے دو عقاب دکھائی دیتے ہر ایک کے پنجے میں ایک ایک جھانجھ ہوتی جس کا زرد رنگ ہوتا وہ اسے تانبے کی بنی طشت پر پھینکتا جس کے درمیان سوراخ ہوتا اور وہ پیالہ کی طرح گول اور گہری ہوتی اس سوراخ میں سے وہ جھانجھ خزانہ کے اندر چلی جاتی سانپ دو بچوں میں سے ایک کو ڈستا۔ تو اس کا باپ بچے کیلئے چیختا۔ اس وقت موجود گھنٹہ کا دروازہ کھلتا اور ایک بجی سجائی بچی باہر آتی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک رقعہ ہوتا جس پر اس گھنٹہ کا نام مذکور ہوتا اسے اپنے منہ میں تھامے ہوئے ہوتی۔ محفل سماع قائم ہوتی اور مختلف حمد و مدح کہنے والے جناب سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی مدح سرائی میں مشغول ہوتے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں دسترخوان بچھائے جاتے جو گولائی میں چاند کے ہالہ کی مانند اور باغات میں لگے پھولوں کی رنگینی لئے ہوئے ہوتے۔ اس دسترخوان پر طرح طرح کے بہترین کھانے چنے ہوتے۔ جنہیں ہر ایک دل کھانے کی خواہش کرتا۔ آنکھوں کو خوبصورت لگتے۔ ان کے نام سن کر کان لطف اندوز ہوتے اور ان کے قریب اور سامنے ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے یہی تمنا کرتا کہ ابھی ان کو شروع کر دوں۔ اگرچہ شروع کرنے کا وقت دور نہ ہوتا اور بادشاہ اس مجلس سے اول تا آخر موجود رہتا۔ یہ تمام پروگرام اس کی موجودگی اور اس کے سامنے ہوتا اور وہ اس کو توجہ سے سنتا۔ حتیٰ کہ وہاں صبح کی نماز ادا کی جاتی۔ اسی طریقہ اور کیفیت سے سلطان موصوف کے دور میں ہر سال بارہ ربیع الاول شریف کی رات کا پروگرام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کا اعلیٰ علیین میں مقام بنائے۔ اور اس کے اس خوبصورت کام کی جزائے عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

موصوف سلطان کے دور میں جتنی مرتبہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروگرام ہوتا۔ وہ ہر سال کیلئے حضور ﷺ کی میلاد پاک کے موضوع پر ایک قصیدہ منظومہ لکھتا۔ جسے اس سال کی محفل میں سب سے پہلے پڑھا جاتا۔ اس کے بعد دیگر حمدیہ اور نعتیہ کلام پیش کیا جاتا۔ اھ۔

اس کتاب کا جامع یوسف نبہانی عرض کرتا ہے۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس بادشاہ نے مذکورہ تصویری مجسمے کیونکر ایسی محفل پاک میں سجائے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ صراحۃً ایسے مجسموں سے منع کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

## علامہ احمد بن خلکان مورخ مشہور المتوفی ۶۸۱ھ

**جوہر ا:** علامہ موصوف نے ملک معظم مظفر الدین صاحب ''اربل'' کے حالات زندگی قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ملک موصوف جو میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل پاک منعقد کرتا تھا اس کا وصف بیان کرنے اور اس کا احاطہ کرنے سے انسانی ذہن قاصر ہے۔ لیکن ہم اس کی ایک جھلک بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مختلف علاقہ جات کے لوگ ملک موصوف سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ اور اس کا عام چرچا تھا ملک مظفر الدین کے ہاں ہر سال قریبی شہروں سے خلق کثیر جمع ہوتی تھی جن میں بغداد، موصل، جزیرہ، سنجار، نصیبین قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بلاد العجم اور دیگر اطراف کے بھی بہت سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ ان میں حضرات فقہاء صوفیا، واعظ، قراء اور شعراء بھی رونق افروز ہوتے تھے۔ لوگوں کی آمد کا سلسلہ محرم الحرام سے ربیع الاول شریف کی ابتدائی تاریخوں تک لگاتار جاری رہتا تھا اور جب خود ملک مظفر الدین آتا تو لکڑی کے قبہ جات نصب کئے جاتے۔ ہر ایک قبہ میں چار یا پانچ طبقات ہوتے۔ بیس کے قریب قبہ جات تیار کئے جاتے ان میں سے اکثر قبہ جات خود ملک مظفر الدین کیلئے ہوتے اور باقی قبہ جات امراء اور اعیان دولت کیلئے ہوتے۔ سرکاری اہم شخصیات کیلئے ایک ایک قبہ ہوتا۔ جب صفر المظفر مہینہ شروع ہوتا تو ان قبہ جات کو مختلف اعلیٰ اور قابل فخر خوبصورت اشیاء سے مزین کیا جاتا۔ ہر قبہ میں ایک ٹولی گانے والوں کی، ایک ٹولی ارباب خیال کی (جادوگر وغیرہ) ایک ٹولی کھلاڑیوں کی ہوتی۔ اس طرح تمام قبہ جات قلعہ کے دروازہ سے شروع ہو کر اس خانقاہ تک نصب کئے جاتے جو میدان کے قریب ہے۔ ملک مظفر الدین روزانہ نماز عصر کے بعد محل سے نیچے آتا اور ایک ایک قبہ کو اچھی طرح دیکھتا۔ کچھ دیر وہاں گزارتا اور قبہ میں موجود گانے والوں کا گانا سنتا اور جادوگروں کے جادو سے دل بہلاتا اور رات خانقاہ میں گزارتا۔ وہاں محفل سماع قائم ہوتی۔ پھر نماز صبح کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کیلئے نکل جاتا۔ اور ظہر سے قبل قلعہ میں واپس آ جاتا۔ ملک مظفر کا میلاد النبی کی رات آنے تک روزانہ یہی معمول رہتا۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل ایک سال آٹھ ربیع الاول کو اور دوسرے سال بارہ ربیع الاول کو منعقد کرتا۔ کیونکہ ولادت باسعادت کی رات میں اختلاف ہے۔ اس لئے ایسا کرتا۔ (حالانکہ بارہ ربیع الاول پر مشرق و مغرب کا اتفاق ہے) جب میلاد پاک کی تاریخ کو دو دن باقی رہتے تو ملک موصوف کثیر تعداد میں اونٹ، گائے اور بکریاں باہر نکالتا۔ ان کے ساتھ ڈھول، دف اور گانے

بجانے والے بکثرت ہوتے۔حتیٰ کہ یہ سب چلتے چلتے ''میدان'' میں آجاتے۔ پھر ان جانوروں کو ذبح کرتے۔ بڑی بڑی دیگیں چولہوں پر چڑھائی جاتیں۔ رنگ برنگے کھانے تیار کیے جاتے۔

جب میلاد پاک کی رات آتی تو ملک مظفر قلعہ میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد محفل سماع کا افتتاح کرتا۔ افتتاح کرنے کیلئے جب قلعہ سے نیچے اترتا تو اس کے آگے آگے شمعیں روشن ہوتیں۔ ان کثیر تعداد شمعوں میں دو شمع یا چار شمعیں مجھے اس میں شک ہے (یعنی ابن خلکان اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں) موکبیہ ہوتیں۔ ان میں سے ہر ایک شمع ایک خچر پر لادی ہوتی تھی۔ اس کے پیچھے ایک شخص بیٹھا ہوتا جو اسے تھامے ہوئے ہوتا اور اسے خچر کی پیٹھ پر باندھا ہوتا۔ یوں ملک مظفر چلتے چلتے خانقاہ تک آجاتا۔ پھر جب میلاد پاک کی صبح ہوتی بہت سے قیمتی لباس اور قیمتی مال ہاتھوں میں لیکر قلعہ سے باہر آتے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ ایک ایک گھڑی ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنائے ہوئے آتے۔ قلعہ سے اس طرح کی بکثرت اشیاء نیچے لائی جاتیں جن کی گنتی مجھے یاد نہیں پھر ملک مظفر خانقاہ میں آتا اور حکومت کے نامی گرامی لوگ اور رئیس بھی وہاں موجود ہوتے۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کی بھی کثیر تعداد ہوتی۔ واعظین حضرات کیلئے کرسی بچھائی جاتی اور ملک مظفر کیلئے لکڑی کا برج نصب کیا جاتا جس میں اس طرح کھڑکیاں ہوتیں جدھر عوام بیٹھے ہوتے اور واعظین کیلئے کرسی ہوتی۔ اور برج میں دوسری طرف بھی کچھ کھڑکیاں ہوتیں جو میدان کی طرف کھلتیں۔ یہ میدان بہت وسیع جگہ تھی اس میں فوج بھی جمع ہوتی یہ دن ملک مظفر ان میں ہی بسر کرتا کبھی تو وہ فوجیوں کے جمگھٹے کو دیکھتا کبھی عوام اور کبھی واعظین کی طرف نظر کرتا یونہی فوجی پریڈ ہوتی اور پریڈ کے مکمل کرنے پر فوج فارغ ہو جاتی پھر میدان میں دسترخوان بچھائے جاتے۔ فقیروں اور محتاجوں کیلئے دسترخوان ہوتا۔ کھانے کی عام دعوت ہوتی سالن اور روٹی اس قدر زیادہ تعداد میں ہوتی کہ جس کی گنتی مشکل تھی ایک اور بڑا دسترخوان خانقاہ میں بچھایا جاتا جو ان لوگوں کیلئے ہوتا جو کرسی کے نزدیک جمع ہوتے۔ فوجی پریڈ اور واعظین کے وعظ کے دوران اعیان مملکت اور رؤسا میں سے ایک ایک کو بلایا جاتا اور فقہاء، صوفیاء، شعراء وغیرہ کو بھی بلایا جاتا پھر موسم کے مطابق ہر ایک کو پوشاک دی جاتی۔ انعام لیکر واپس اپنی اپنی جگہ آجاتے جب یہ سارا کام مکمل ہو جاتا تو یہ لوگ بھی دسترخوان پر آجاتے کھانا تناول کرتے پھر جن لوگوں کیلئے گھروں پر کھانا پہنچانے کا پروگرام ہوتا ان کے ہاں کھانا بھیجا جاتا عصر یا اس کے بعد تک یہی سلسلہ رواں دواں رہتا پھر ملک مظفر وہ رات یہیں بسر کرتا۔ اس رات کی صبح تک محفل سماع منعقد ہوتی۔ ہر سال اس کا یہی معمول تھا میں نے صورتحال کو مختصر کر کے بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس کی تفصیل کافی لمبی ہے۔ جب اس پروگرام

سے فارغ ہوتے تو ہر انسان واپسی کی تیاری کرتا تاکہ اپنے شہر میں چلا جائے ملک مظفر باہر سے آنے والے لوگوں میں سے ہر ایک کو زادِ راہ دیتا۔ میں نے اپنی کتاب میں حافظ ابوالخطاب بن وحیہ کا حرف عین میں تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اربل" میں یہ تشریف لے گئے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے جب ملک مظفر الدین کا وہاں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام دیکھا۔ تو انہوں نے ایک کتاب اسی موضوع پر تحریر فرمائی جس کا نام "التنویر فی مولا السراج المنیر" رکھا۔ اور ملک مظفر نے انہیں ایک ہزار دینار عطا کئے یہ دینار اس عطیہ کے علاوہ تھے جو ان کے قیام کے دوران وافر مقدار میں ملک نے انہیں دیئے۔

## الامام عارف باللہ الشیخ عبدالغنی النابلسی رضی اللہ عنہ

(ان کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے)

جوہر امام نابلسی رضی اللہ عنہ: ان کا ایک جوہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک پر لکھا گیا ایک مضمون ہے جو مختصر ہے اور ایک ہی جلسہ لطیفہ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے اس کائنات کے تالے جناب سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی چابی سے کھولے ان کی امت کو "وسط امت" بنایا اور عبادات میں تمام امتوں پر فضیلت دی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف ایک ہی اللہ مستحق عبادت ہے جس کا کوئی شریک نہیں ایسا معبود جسے نہ وزیر کی ضرورت اور نہ اس کی نظیر ہے۔ اور ہر جہت و اعتبار سے اس کا کوئی وزیر، مشیر اور نظیر نہیں۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا، ہمارے نبی اور ہمارے حبیب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں۔ جن کے وجود انور کی بدولت اللہ تعالیٰ نے جہالتوں کے اندھیرے کافور کر دیئے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیَہَ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحۡبِہِ الَّذِیۡنَ لَمۡ تَا خُذۡھُمُ الۡاٰخر۔ پس اللہ تعالیٰ کے بے شمار صلوٰۃ وسلام آپ کی ذات عالیہ پر، آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر نازل ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تمام حالات کے اندر کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت لغزش نہ دے سکی۔

پس پاکیزگی اس ذات کیلئے جس نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور بعض کے بعض پر درجات بلند فرمائے۔ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفوت، حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو خلت اور موسیٰ علیہ السلام کو نو آیات بینات عطا کیں۔ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں کو بینائی، کوڑھوں کو شفا، اور مردوں کو زندہ کرنے کے معجزات دیکر مبعوث فرمایا، جس نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبیب و شفیع بنایا۔ اور ساتوں آسمان کی طرف بلندی عطا فرمائی۔ جن پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کو اعمال صالحہ کا در یتیم بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں و برکتیں آپ پر آپ کی آل و اصحاب پر نازل ہوں۔ ایسی برکتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فخر ہوں اور ہمارے لئے دنیا و آخرت میں امانت و ذخیرہ ہوں۔ اس وقت تک جب تک خشکی وتری میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ذکر کرتے ہیں اور اس کی نہی و امر سے جب تک غفلت کرنے والے غفلت برتتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ

عَشْرًا۔ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ صلوۃ بھیجی اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجے گا۔

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نور ثانی میں نور اول ہیں۔ نورٌ علی نورٌ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم اور سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) عطا فرمائے۔ آپ کیلئے "حضور" تام و مکمل کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کو انقسام کے بغیر حقائق کائنات کے اعیان پر تقسیم کیا پھر روحانی اور جسمانی صورتوں میں اس کو پھیلایا گیا۔ لہٰذا شاہد بھی آپ ہی اور مشہود بھی آپ ہی ہوئے۔ قریب و بعید کی حقیقت میں آپ ہی کی جلوہ نمائی ہوئی۔ اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عدم کے اندھیرے سے وجود کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور اس کا یہ ارادہ محض جود و کرم اور اس کے فضل سے تھا۔ یہ ارادہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک قول کے اشارہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیا جس کا ذکر حدیث قدسی میں یوں آیا ہے "میں پوشیدہ خزانہ تھا جو غیر معروف تھا پس میں نے پسند کیا کہ کوئی ہو جو میری معرفت حاصل کرے تو میں نے ایک "خلق" کو پیدا کیا اور ان کے نزدیک میری پہچان ہوگئی پس میرے وسیلہ سے ہی انہوں نے مجھے پہچانا"۔

جناب محمد مصطفی ﷺ حضرت عبداللہ کے صاحبزادے، حسین و جمیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے افضل خلیل ہیں اور اس کے اکمل حبیب ہیں۔ تمام موجودات سے مراد باری تعالیٰ ہونے میں آپ ہی اخص اور اشرف ہیں۔ سو آپ ہی وہ پہلا موجود ہیں جو کن کے خزانہ سے قدرت صمدیہ کے راز سے ظاہر ہوئے اور آپ ہی وہ اشرف "محمود" ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صفت احدیت کی معرفت کی اہلیت ہونے کی بناء پر اپنا محبوب بنایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا۔ اور آپ کے ظہور کو عالمین کیلئے رحمت بنایا۔ اس وقت نہ عرش تھا نہ کرسی تھی، نہ فرشتہ تھا اور نہ کوئی جن و انسان تھا۔ نہ جنت و دوزخ تھی اور نہ دن اور رات تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے آپ کا سر انور بنایا، خوشبو سے آپ کے سانس بنائے۔ شفقت سے آپ کا قلب انور بنایا صبر سے آپ کا پیٹ اور دل بنایا۔ سخاوت سے ہاتھ، ذکاء سے ناک، جمال سے آنکھیں، لذیذ خطاب سے کان اور شرف سے قدم مبارک بنائے، اللہ تعالیٰ کے بے شمار صلوٰۃ وسلام آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر نازل ہوں۔ ایسے صلوۃ وسلام جو آپ کے شرف کی بلندی کو اور بلند کریں اور آپ کے علو کو اور مشرف فرمائیں اور آپ کے خصائص کو عظیم شان عطا کریں۔ آپ کے حالات کو عظمت اور عظمت کو جلال بخشیں اور جلال کو جمال اور جمال کو کمال بخشیں۔

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

وجود کی ''فاتحہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ اور ذریعہ سے ہوئی۔ ''آل عمران'' کی ''بقرہ'' نے آپ کے گھاٹ سے پانی پیا اور نیک عورتوں (النسآء)

نے اپنے لئے آپ کے نور سے شہود کا ''مائدہ'' (دسترخواں) بچھایا اور ''انفال'' والوں نے ''اعراف'' کے ''انعام'' لیکر آپ کا طواف کیا۔ اور توبہ سے ''یونس، ھود اور یوسف'' نے اپنے اوپر پڑھنے والے بوجھل شدائد کے ''رعد'' سے نجات پائی اور ''ابراہیم'' نے ''حجر'' کی تعمیر میں آپ سے سعادت پائی۔ ''نحل'' کو آپ کے وسیلہ سے وحی حاصل ہوئی۔ اور آپ کی عزت کے ''کہف'' میں رات کے وقت کمال نے ''حجر'' کے بغیر ''اسراء'' کیا۔ اور ''مریم'' کے حمل میں آپ ہی جلوہ فرما تھے۔ اسلئے کہ ''انبیاء'' کا ''طٰہٰ'' اور ''مومنین'' کا ''حج'' آپ ہی ہیں۔ ''شعراء'' کا ملین کا ''نور'' اور ''فرقان'' بھی آپ ہی ہیں۔ ''نمل'' نے آپ کے ہاں ''قصص'' کی وجہ سے نجات وامن پایا۔ اور ''عنکبوت'' نے آپ ہی کی غار پر جالا تنا۔ اور ''روم'' نے آپ کے بارے میں یقین کرلیا کہ آپ ہی حکمت کے ''لقمان'' اور ''احزاب'' کا ''سجدہ'' ہیں۔ دلوں نے آپ کی محبت کا ''سباء'' پیا۔ پس آپ دلوں کے ''فاطر'' ہو گئے۔ ملائکہ کی ''صافات'' کے آپ ''یٰسین'' ہیں۔ اور مبارک گروہ کی جماعت کے ''صادؔ'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور کی صفت ''غافر'' الذنب کے راز ہیں۔ جس سے امور کی تفصیل (فصلت) ہوئی۔ اشراف کے درمیان ''شوریٰ'' وہ نفس جو آپ سے ''حاشیہ'' ہے اس کے ''دخان'' کے ''زخرف'' میں ''احقاف'' ہیں۔ آپ ''محمد'' ہیں تجلیات عرفانیہ کے صاحب ''فتح'' اور ''حجرات'' ہیں۔ نفوس انسانیہ کے ''طور'' سے ''ذاریات'' کا ''قاف'' ہیں۔ افلاک کے ''نجم'' املاک کے ''قمر'' ہیں۔ اس ''رحمٰن'' کے نور سے مستمد ہیں جن کے واسطہ سے ''مجادلہ'' میں ''حدید'' کا ''واقعہ'' ہے۔ ''جمعہ'' میں ''منافقین'' کے ساتھ ''صف'' میں ''ممتحنہ'' کا ''حشر'' اور مقاتلہ کے تغابن میں ہیں۔ اور آپ سے ہی ''ملک'' میں ''تحریم'' کی ''طلاق'' اور احسان کے ''الحاقہ'' کا ''نون'' بھی آپ ہی ہیں۔ ''نوح'' اور سالکین ''جن'' کے مقامات ایمانیہ میں آپ ہی ''معارج'' ہیں۔ ''مزمل'' ہیں۔ ''مدثر'' ہیں اور ''قیامۃ'' کی زینت اور فخر ''انسان'' ہیں۔ اہل ''بناء'' اور عرفان کے اخلاق ''مرسلات'' کے مالک ہیں۔ بڑے بڑے اوصاف کے اس لئے ''نازعات'' ہیں جس نے ''تکویر'' اور ''انفطار'' سے ''عبس'' کیا۔ ''بروج'' کے ''انشقاق'' سے ''مطففین'' کیلئے قاطع ہیں۔ داخل شدہ شہر میں ''فجر'' کے ''غاشیہ'' سے حضرت اعلیٰ کے ''طارق'' ہیں ''شمس'' کی ضیاء ''لیل وضحیٰ'' کا نور ہیں۔ ''الم نشرح'' ان پر نازل کی گئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ مبارک رسالت کیلئے خوب کھول دیا۔ ''تین وعلق'' بلکہ ہر مخلوق

کیلئے اپنی ''قدر'' سے افتخار ہیں۔ سرکش نفس کے ''ہمزہ'' کے ''عصر'' میں ''تکاثر'' کے ''قارعۃ'' سے ''عادیات'' نے ''زلزلہ'' کیا۔ عام ''الفیل'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ''کوثر'' وسلسبیل کے ''ماعون'' سے ''قریش'' خوش ہوئے۔ ''ابولہب'' کے خلاف ''نصر'' کے ساتھ ''کافرین'' پر غالب آئے۔ آپ کیلئے ''اخلاص'' کامل ہوا اور ''خلق'' واضح ہوا۔ پس آپ نے ''الناس'' کو ہدایت دی۔ حتیٰ کہ ہر شخص اپنے رب کے قریب ہو گیا۔

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب ''فتوحات مکیہ'' ہیں۔ ''تنزلات مدینہ'' کے وہ محل ہیں کہ ''شیجون المشجون'' جس کی مدح سرا ہے۔ جن کی سخاوت سے ''نزھۃ الفنون'' نے عظمت پائی۔ آپ ہی مولانا روم کی ''مثنوی'' کے تنزل کا مقر ہیں۔ ہمارے اول و آخر کیلئے آپ ہی ''شاہدی و مشہودی'' کے راز ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خود ہم سے زیادہ اور بہتر جاننے والے ہیں۔ ایسے کیوں نہ ہو جبکہ آپ ''شمس المعارف'' ہیں اور ''عوارف العوارف'' کی حقیقت ہیں۔ جن پر ''بدایۃ الھدایۃ'' کی انتہاء ہوتی ہے اور جن کی ارشادات و عہود ''طبقات'' اہل منن و عنایت کی ''میزان'' میں نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ ہی داؤد نبی علیہ السلام کے انسانیت میں باپ ہیں۔ (ابوداؤد) روحانیۃ جبرائیلیہ کے ساتھ آپ ہی ''ابوعیسیٰ'' ہیں۔ (صاحب صحیح ترمذی کی کینت ہے) بحور جسمانیہ آدمیہ کے ''ابن ماجہ'' ہیں۔ ''جامع صغیر'' کے ''جامع کبیر'' ہیں۔ صاحبان تکبیر و تہلیل کیلئے ''مواھب لدنیہ'' ہیں۔ ''شفاء عیاض'' کی سیاہی ہیں۔ آپ کے کرم کا سمندر فیاض ہے۔ آپ لطیف ''الشمائل'' ہیں۔ اواخر و اوائل کے ''جامع'' ہیں آپ کا دین ''ریاض الصالحین'' ہے اور آپ کی شرح ''روض الریاحین'' ہے۔ ظاہر و باطن کے ''مجمع البحرین'' ہیں۔ سورج و چاند کے ''یواقیت و جواہر'' کے ساتھ ملتقی ہیں۔ ''کنز الدقائق، البحر الرائق، تنویر الابصار، عقد البحار، قاموس البلاغۃ والتبیان، صحاح جواھر القرآن، بدیع فنون المعانی والبیان'' بھی آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ ''اسرار'' میں ہر ''مختصر'' کے ''مطول'' آپ ہیں۔ ''صدر الشریعۃ المطہرہ، مشکاۃ الانوار، مغنی اللبیب عن قطر الندی، صاحب الہمم، الکافیہ، الشافیہ من الردی'' آپ ہیں۔

آپ ہی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی دکانیں آپ کے ہاتھوں سے کھولی گئیں اور آپ کی مدد کی ''وفا'' سے شراب کے پیالے احباب پر پھیرے گئے۔ آپ کی ہی ساقی رحیق سے اضمار کی روایت کی گئی۔ اور آپ کے ہی باقی رہنے والے جود کے عبیر (خوشبو) سے اہل فلاح کی

ارواح الگ کی گئی۔

آپ کی چاند ایسی صفات کی روشنی پر محبت کرنے والوں کے دل معلق ہیں۔ اور آپ کی نشانیوں کے حقائق کے باغوں میں مقربین کی آنکھیں تروتازگی پاتی ہیں۔ آپ ہی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ راز پر گواہ بنایا۔ اور آپ کو پوشیدہ غیب پر مطلع فرمایا۔ اور آپ کی نبوت کے راستہ سے وہ راہ نمائی فرمائی۔ آپ کی رسالت کے تحفہ پر دلیل قائم فرمائی۔ وجود کے آسمان میں آپ کی صفات کے سورج کو طلوع فرمایا۔ اور آپ کی مبارک تشریف آوری سے رحمت وسخاوت کے بادلوں سے بارش برسائی۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کے خیموں کی منزلوں سے اس مولود کی آمد پر عجیب وغریب آیات ظاہر فرمائیں۔ سعد وسعود طالع کے وقت لگا تار احسانات عطا کئے۔ اور اپنی مدد کی تلوار سے ہر حاسد ودشمن کو ذبح کر دیا۔ آپ کی دعوت جس زمین پر واقع ہوئی اس نے باغیوں اور منکرین کے سب سے اگلے گھوڑوں کے پاؤں اپنے اندر دھنسا لئے۔

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اس مجلس لطیف میں یہ تعین کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اور شریف نسب پر گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے درخت سے نکالا جس کا اصل اصیل اور اس کی فرع طویل ہے۔ اس کا گاڑنے والا رب جلیل ہے۔ اس کا خادم صاحب امانت جبرئیل ہے۔ اس کے پھلوں میں سے پختہ پھل اسماعیل ہے۔ مکہ مکرمہ میں جسے گاڑا گیا۔ طیبہ میں جسے پانی بلند کیا گیا۔ تہامہ میں اگایا گیا۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب پاک آپ کے والد گرامی جناب عبداللہ سے معد بن عدنان تک مسطور ہے۔ اور اس کے اوپر والے حضرات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا نسب بیان فرماتے۔ تو معد بن عدنان سے اوپر بیان نہ فرماتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن حکیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانۃ بن خزیمہ۔ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان سید العرب فی الناس۔ یہ ایسا نسب صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس سے آگے اللہ تعالیٰ کو علم جو قرآن کریم کا نازل کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا جو اس کی محبت میں ڈوبا ہوئی تھی۔ تو اس نے اپنے غیب کے پردہ سے اسے ظاہر فرمایا۔ ان کے نور کے منتقل ہونے پر بہت سی آیات اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ تمام مخلوقات نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ زمین وآسمان کے گوشوں میں ندا کی گئی۔ اے عرش! وقار کا برقع اوڑھ لے۔

اے کرسی! فخر سے بلند ہو جا۔ اے سدرۃ المنتہیٰ! خوش ہو جا۔ اے جنتی حورو! بناؤ سنوار کر لو۔ اے رضوان! جنتوں کے دروازے کھول دو۔ اے مالک! جہنم کے دروازے بند کر دو۔ کیونکہ اب وقت آ گیا تا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو۔ ان کا جو عیدوں اور موسم کے مالک ہیں۔ جو مندروں، گرجاؤں اور گردواروں کو منہدم کریں گے، اپنی شریعت سے تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کریں گے۔ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اپنے فخر کا جھنڈا گاڑیں گے۔ ان کے مجلت میں کہے گئے حکم سے کعبہ میں سے تمام بت اٹھا کر باہر پھینک دیئے جائیں گے۔ ان کی صبح طلوع ہونے سے ظالم و جابر حکمرانوں کے دل جھک جائیں گے۔ اور جو بھی آپ کی ملت کی اتباع کرے گا وہ یہی کہے گا کہ آپ کا دین وہی حق اور سلامتی کا دین ہے۔ اس وقت فرشتوں نے تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہی۔ اور تکبیر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مخلوق پر برسیں۔ ایمان کی ٹہنیوں میں اس وقت پھیلاؤ آیا۔ تائید و عرفان والوں کی ہمتوں نے اس وقت گفتگو کی۔ ہدایت کے منبر پر توحید کی زبان بولی۔ سخاوت اور کرم کی متفرد چادروں کے برقعے اس زبان نے زیب تن کر رکھے تھے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ الاية۔ اپنے رب کا ذکر کر جب تو بھول جائے اور کہو کہ عنقریب میرا رب مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے گا۔ یہ وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہے یہ لمحے گڑگڑانے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لمحے ہیں اور ساعت اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اشرف الخلق کے ظہور کی ساعت ہے، جسے کوئی حاجت ہو اسے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہئے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو عام عورتوں کی طرح دردزہ نے آلیا۔ اور نور فیاض کی روشنی سے ان کا گھر جگمگا اٹھا۔ انہوں نے اپنے دل سے محسوس کیا کہ کسی پرندے کے پروں کی طرح کسی نے چھوا ہو۔ اس سے ان پر طاری رعب اور تکلیف اور موجود پریشانی ختم ہو گئی۔ پھر انہیں سفید روشن پانی پینے کو بطور تحفہ دیا گیا۔ آپ نے لیکر اسے نوش فرمایا اور عجیب و غریب انوار نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ پھر اس وقت انہوں نے صالح عورتوں کی ایک جماعت کو دیکھا۔ انہوں نے سیدہ آمنہ کو گھر کے کسی فرد اور گھریلو عورتوں کی ضرورت نہ رہنے دی۔ کہنے لگیں۔ اے آمنہ! فکر نہ کرو، مطمئن ہو جاؤ۔ ہم میں سے یہ فرعون کی بیوی آسیہ ہے۔ عمران کی بیٹی مریم ہے۔ اور یہ دیکھو حور العین کھڑی ہیں۔ جب معاملہ نے شدت پکڑی۔ عظیم املاک کا ٹکراؤ ہوا۔ اور زمین و آسمان کے درمیان دیباج (ریشم کا کپڑا) بچھا دیا گیا۔ اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا تھا۔ اسے لوگوں کی نظر سے دور لے جاؤ۔ تا کہ اسے آسمان اور زمینوں کا طواف

کرایا جائے۔ اور نامور فرشتے ان کی زیارت کریں۔ پھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کے کٹورے دیکھے۔ جنہیں ہوا میں لئے کچھ مرد کھڑے تھے۔ پرندوں کا ایک گروہ آپ کی طرف بڑھا۔ حتیٰ کہ آپ کے حجرہ شریفہ پر آ کر رک گیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا تھا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدہ آمنہ کی آنکھوں کے پردے اٹھا دیئے۔ اور انہوں نے اپنا مقصود پالیا۔ اس وقت انہوں نے زمین کے مشرق و مغرب دیکھے۔ اس کے بعد تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا بیت اللہ شریف کی چھت پر تھا۔ پھر ان کے پردوں سے حوریں ظاہر ہوئیں۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی۔ اور سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں عرض کیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ   وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ   کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

آپ سے بڑھ کر حسین میری آنکھوں نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں اور آپ سے بڑھ کر صاحب جمال، عورتوں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے۔ گویا کہ آپ کو جیسا آپ نے چاہا ویسا ہی پیدا کیا گیا۔

جوہر ۲: امام عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے دیوان ابن فارض رضی اللہ عنہ کی شرح کے خطبہ میں لکھا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ ـ والرسول المبین۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ رسول و نبی ہیں جو اپنے نورانی مادے اور روحِ کلیہ سے ہر چیز میں سرائیت کئے ہوئے ہیں اور یہ نظریہ سرایت اہل تحقیق و تصدیق کا ہے۔ پس جو شخص آپ کی ذات سے متحقق اور آپ کی صفات سے متخلق ہے وہ تخلیق میں آپ کی اتباع میں کامل شخص ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الایة۔ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک ایسے عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں۔ مومنین کیلئے نہایت مہربان اور رحم والے ہیں۔ اس مقام بلند و بالا پر فائز لوگو! تمہیں سعادت مبارک ہو۔ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین کے لباس کے ساتھ ظاہر ہوئے اور آپ کی حقیقت انبیاء و مرسلین کرام کی حقیقتوں سے سبقت لے گئی۔ جیسا کہ آپ آخرین کے ساتھ ظہور پذیر

ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' ہیں۔ اسی لئے آپ کے وسیلہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جلنے سے نجات پائی۔ موسیٰ علیہ اسلام ڈوبنے سے بچے۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ تمام انبیاء کرام آپ کی تفصیل جبکہ آپ اپنے اجمال وثیق سے مخصوص ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نازل ہو۔ اور آپ کے تمام ظاہری صحابہ کرام پر بھی نازل ہوں۔ جو آپ کے ساتھ دینی امور میں آپ ہی کے حکم سے قائم رہے۔ جس میں انہوں نے نہ تو ڈھیل کی اور نہ ہی بہانے تراشے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کے سورج ہیں۔ اور آپ کی طریقت کی بجلی کی چمک ہیں۔ آپ کی شریعت کے آسمان کے ستارے ہیں اور آپ کی سیرت وشخصیت کے کمالات کے چاند ہیں۔ کتنے ہی چاند اہل بدر سے روشن ہوئے۔ حدیث پاک کی نص سے جن کیلئے یہ ارشاد ثابت ہے کہ اہل بدر جو چاہیں کریں وہ بخشے ہوئے ہیں۔ یہ خوشخبری ان کیلئے اس لئے تھی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان تقویٰ کی حفاظت کی اور ان حضرات کے کمال میں جو حضرات اتباع کرنے والے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نازل ہو اور جلال و جمال کی تجلیات ان پر برسیں۔ یہ دعاء ان کے ہر حمایتی اور دوست کی ہے۔ اور اس وقت تک ہے جب تک پھولوں کے نافہ سے مشک وعنبر کی خوشبو نکلتی رہے اور نرگس کے پودے سے جب تک باغات معطر ہیں۔ یہاں تک کہ ٹہنیاں وجد میں آجائیں اور ان کے شگوفے اپنے حلہ جات اتار نہ دیں۔

جوہر ۳: حضرت سبط ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے دیوان کے خطبہ کی شرح میں علامہ نابلسی رقمطراز ہیں اور ان کی یہ تحریر جناب ابن الفارض کے نواسے کی تحریر سے بہت مشابہ ہیں جنہوں نے ابن فارض رضی اللہ عنہ کے کلام کو جمع فرمایا۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا کلام یہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اِخْتَصَّ حَبِیْبَهُ الْأَسْنَی - بِمَقَامِ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰی۔

مذکورہ عبارت میں لفظ ''حبیب'' سے مراد ''محبوب'' ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا ہونا یہ (محبت) اس کی ایک صفت قدیمہ ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا محبوب اس کے پاس حاضر ہو اور یہ بھی اس کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کا حلہ محبوب پر نہ رہنے دے۔ اور یہاں ''حلہ'' سے مراد محبوب پر موجود محبوب کا وجود ہے اور تمام اشیاء ازل میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر تھیں اور وہ اپنی ذاتوں کے غیب میں تھیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کیطرف اپنے اندر قائم وصف محبت کی طرف سے ان سے نزول فرمایا۔ تو انہیں

اپنے ہاں حاضر کیا۔ پھر ان کا غیب ان سے دور ہو گیا۔ اور انہیں اللہ نے خبر دی کہ وہ ان سے محبت کرتا ہیں۔ اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔

پس اللہ تعالیٰ کے ان سے محبت کرنے سے ان میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کرنے نے تقدیر میں ان کے اعیان کو ثابت کیا۔ اور اشیاء کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ان کے اعیان کا وجود وتصویر سے موصوف ہونا ہے اور اشیاء کا اللہ تعالیٰ نے محبت کرنا بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا ان اشیاء کی طرف ان کے ساتھ نزول کرنا بھی ہے۔ اور تمام اشیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ لہٰذا محبت اور محبوبیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہے۔ آپ ہی محبّ اور محبوب ہیں۔ اور آپ ہی کل محبّ اور کل محبوب ہیں اور محبّ ہی محبوب ہے لیکن اس اعتبار سے کہ ان اشیاء کی طرف ان کے ساتھ نزول ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ لہٰذا ''محبّ'' فی نفسہ امر سے جاہل ہے اور اس چیز کا دعویدار ہے جو اس کے ہم جنس لوگوں کیلئے نہیں۔ اور ''محبوب'' محقق اور عارف ہے اور فضائل کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ اس لئے جناب ابوالفارض رضی اللہ عنہ نے ''حبیبہ'' کہا۔ اس کی جگہ ''محبہ'' نہیں کہا۔

دوسرا لفظ ''الاسنیٰ'' ہے۔ یہ ''سناء'' مدہ کے ساتھ سے مشتق ہے جس کا معنی بلندی ہے یا پھر ''سنا'' بالقصر سے مشتق ہے جس کا معنی ضیاء اور نور ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو تمام مخلوقات سے مرتفع ہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی تمام کائنات کا وجود اول ہیں اور تمام مخلوقات آپ ہی کا وجود ثانی ہے۔ دونوں میں فرق اعتباری ہے اور وہ بھی حالت ظہور میں محض نور ہیں۔

تیسرا لفظ ''بمقام'' ہے لفظ ''المقام'' دوام اور ثبوت کا تقاضا کرتا ہے اور لفظ ''حال'' پھر جانے اور زوال کو چاہتا ہے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم رسوخ پر ثابت ہیں۔ لہٰذا آپ ''صاحب مقام'' ہیں ''صاحب حال'' نہیں۔

چوتھا لفظ ''قَابَ قَوْسَیْنِ'' ہے۔ ''قاب'' اس جگہ کو کہتے ہیں جو کمان کے دستہ اور ''وتر'' کے داخل ہونے کی جگہ ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمان کے دو ''قاب'' ہوتے ہیں یا ''قاب'' کا معنی ''قدر'' ہے۔

''اَوْ اَدْنٰی'' یعنی اس سے بھی زیادہ قریب۔ اللہ تعالیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد وارد ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ (النجم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ان کا رب ہوا۔ اس لئے کہ آپ محبوب ہیں

اور محبوب ہی مطلوب ہوتا ہے۔" "محبوب" طالب نہیں ہوتا اور یہ فی نفسہ بات کی کمال تحقیق ہے۔ وہ یہ کہ "قریب ہونا" اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور بندے کی طرف سے کچھ بھی (قرب ہونا) نہ تھا۔ "فَتَدَلّٰی" یعنی آپ کی طرف آپ کے رب نے نزول فرمایا۔ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور یہ نزول "مقام شہود" کی طرف ہوا۔ "فَکَانَ" یعنی اللہ کا رب تعالیٰ یا آپ خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے "قاب قوسین" ہوئے۔ یعنی اس قدر قریب ہوئے جتنا قوسین کے قریب "قاب" ہوتا ہے۔ جب دونوں قوس میں ہر ایک کو دوسری کے مقابل رکھا جائے۔ ایسے کہ ان دونوں میں ایک دائرہ نکلے۔ جو دو "وتر" کو چھوتا ہو۔ "قوسین" کی طرف اضافت کرتے وقت لفظ "قاب" کو مفرد ذکر کیا گیا جو دراصل "چار اقواب" ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر قوس کے دو قاب ہوتے ہیں۔ اس لئے مفرد لایا گیا تا کہ "جنس" مراد ہو جائے یا اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ دائرہ محمدیہ کا ہر "قاب" دوسری طرف سے واقع "قاب" کا عین ہے۔ لہٰذا چاروں اطراف دراصل ایک ہی طرف قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" پس یہ چار اطراف ہیں جیسا کہ مبتداء اور خبر کا معاملہ ہے۔ ایک اعتبار سے "خبر" مبتداء کی غیر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے اس کی عین ہوتی ہے۔ جیسا کہ تمہارا قول "زَیْدٌ قَائِمٌ" ہے اس میں قیام کی صفت سے باعتبار معنی زید ہی متصف ہے۔ یونہی یہاں معاملہ ہے وہ اس طرح کہ "نور محمدی" وہی اول مخلوق ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے "اول ما خلق اللّٰه نور نبیک یا جابر ثم خلق اللّٰه منه کل شئ" لہٰذا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "اول" ہوئے اور آپ ہی "آخر" ہیں اس لئے کہ "مادہ" مثلاً لکڑی سے جب کوئی چیز مثلاً کرسی بنائی جاتی ہے تو لکڑی کرسی کا عین ہوتی ہے۔ صرف اس پر ایک مخصوص صورت کی زیادتی ہوتی ہے اور لکڑی اس مخصوص صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور "مادہ" کے اعتبار سے "باطن" ہوتی ہے۔ کیونکہ صورت کے اعتبار کرتے وقت اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

دیوان مذکور کے خطبہ میں ذکر کیے گئے جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قول "وَقَرَنَ اِسْمَهٗ الشَّرِیْفَ بِاَعْظَمِ اَسْمَائِهِ الْحُسْنٰی" کے تحت علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم گرامی اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے اعظم اسم کے ساتھ ملایا) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے "اعظم اسم" لفظ "اللّٰه" ہے۔ اور یہ اکثر حضرات کے قول کے مطابق "اسم اعظم" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ اپنا اسم اعظم شہادتین میں ذکر فرمایا۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں وارد ہے۔ جب انہوں نے آپ سے

''اسلام'' کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ ''اول'' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں .......... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے۔ وہ تو صرف آپ کی طرف کی گئی وحی ہوتی تھی اور آپ کی طرف قرآن کریم کی وحی اور سنت کی بھی وحی کی جاتی تھی جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے نواسے یعنی صاحب خطبۂ دیوان کے آگے ذکر کیے جانے والے کلام کی شرح کرتے ہوئے امام عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔ سبط ابن فارض رضی اللہ عنہ کا کلام درج ذیل ہے۔

''ان کے صاحبزادے یعنی شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے عالم بیداری میں شیخ یعنی اپنے والد ماجد شیخ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور وہ اپنی زندگی میں اپنی پشت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں لیٹے ہوئے آپ فرما رہے تھے۔ ''صدقت یا رسول اللہ'' یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ یہ جملہ آپ نے تین بار کہا۔ اور کہتے وقت آپ کی آواز کافی بلند تھی۔ اور بلندئ آواز کے ساتھ آپ نے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلی اٹھائی ہوئی تھی اور ان دونوں انگلیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو وہی الفاظ (صدقت یا رسول اللہ) ان کی زبان پر تھے۔ تین مرتبہ یہی الفاظ بیداری میں کہے اور خواب کی طرح جاگتے ہوئے بھی اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے آپ کو خواب میں بھی ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ یعنی آپ نے ''صدقت یا رسول اللہ'' تین مرتبہ کہا اور شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا میں نے پھر آپ سے پوچھا کہ آپ نے ''صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کیوں کہا تھا۔ اور انگلیوں سے اشارہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اس پر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے بیٹے! میں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا''۔

یہ بات ہر ذی علم کو معلوم ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا۔ اس نے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دیکھا جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان کو میری شکل وصورت میں

آنے کی ہمت نہیں۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل، بخاری اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ایک دوسری روایت ہے۔ ''مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَاٰی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَزَیَّابِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔ بیشک شیطان میرے لباس میں نہیں آ سکتا۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل، بخاری، اور مسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت یوں آئی ہے۔ ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَ اِنِّیْ فِی الْیُقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ وہ بہت جلد بیداری میں بھی مجھے دیکھے گا اور شیطان میری شکل وصورت میں نہیں آسکتا۔ اس روایت کو بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کو خواب میں زیارت ہونا اس کیلئے اس بات کی خوشخبری ہے کہ وہ بہت جلد آپ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اور بیداری میں جب کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے تو اس وقت بھی شیطان کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت بن سکے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بحالت بیداری ''برزخی روئت'' ہے۔ جو اولیائے عارفین کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ عالم بیداری میں اپنے جسموں سے مجرد ہو جاتے ہیں اور روحانیت کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور شرعی ریاضت اور پسندیدہ بندگی سے ان کی کثافت ''لطافت'' بن جاتی ہے۔ پھر اولیائے عارفین وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو سونے والا نیند میں دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ حضرات ''ارواح برزخیہ'' کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ ایسا ہونا عارف لوگوں کے نزدیک ایک حقیقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکورہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور اس زیارت کو عظیم سمجھا۔ ایسا کہ اس کی وجہ سے کمال ''تقویٰ'' لازم ہو گیا۔ اور ظاہر و باطن میں شریعت پر استقامت کی حالت میسر ہو گئی۔ صرف ظاہری استقامت کافی نہیں جیسا کہ اس راستے سے ناواقف اور اجنبی لوگ خیال کرتے ہیں تو ایسا آدمی ولی اور عارف ہو جاتا ہے اور وہ جاگتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرنا اس مقام کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے لیکن وہ شخص جس کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیدار عطا فرمایا اور وہ ظاہر و باطن میں گناہوں پر اصرار کرتا رہا۔ تو وہ غافل ہے اور پردے میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا دل دنیا میں مشغول ہے اور جہنم کا ایندھن جمع کرنے میں زندگی گزار رہا ہے۔ (اسے بیداری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نہیں ہو سکتا) خواب میں ایسے کا حضور کو دیکھنا اس پر وبال

ہے۔اس کے ساتھ مکر ہے اور انتقام کی ایک صورت ہے۔

''مواہب لدنیہ'' میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاگتے ہوئے زیارت کرنا ممکن ہے۔ یونہی امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے منظومہ کلام ھمزیہ کی شرح میں ذکر کیا ہے۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر ایک مستقل ''رسالہ'' موجود ہے۔جس کا نام ''انارۃ الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک'' ہے۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مجھے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے عمر! تیرا نسب کیا ہے یعنی کس کی طرف تو نسبت رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بنوسعد سے تعلق رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! جو حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے اور جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تو مجھ سے ہے۔یعنی میری اولاد اور میرے نسب سے ہے۔تیرا نسب میرے ساتھ ملتا ہے۔میں نے عرض کیا۔یا رسول اللہ! میں اپنا نسب نامہ باپ دادا سے لیکر بنوسعد تک جانتا ہوں۔میں اس قبیلہ سے ہوں۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں۔یہ الفاظ (جو عربی میں لَا لَا ہیں) آپ نے لمبی آواز کر کے ارشاد فرمائے۔فرمایا۔ بلکہ تو مجھ سے ہے اور تیرا نسب میرے ساتھ ملتا ہے۔یعنی تو خاتون جنت کی اولاد میں سے ہے۔جو حضرت علی المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا ہے۔تین مرتبہ میں نے یہی الفاظ عرض کئے اور ان الفاظ کے کہتے وقت انگلی سے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

اس ''دیوان'' کو جمع کرنے والے فرماتے ہیں میں نے ابن فارض رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے مذکور کو دیکھا۔کہ وہ حالت بیداری میں اپنے قدموں پر کھڑے ہیں اور ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ان کے گھٹنوں تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان کی پشت بھی بالکل سیدھی تھی۔مطلب یہ کہ موصوف کے بازو اس قدر لمبے تھے کہ حالت قیام میں کمر جھکائے بغیر گھٹنوں تک پہنچ جاتے تھے۔شیخ موصوف کے صاحبزادے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی شیخ عمر بن فارض رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھوں کی انگلیاں ان کے گھٹنوں تک لمبی تھیں۔جس طرح میں کھڑا ہوں۔انہوں نے یہ الفاظ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائے۔اور شیخ یا ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ بازوؤں کا گھٹنوں تک کمر جھکائے بغیر پہنچ جانا شرافت کی ایک علامت ہے۔

علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بازوؤں کا گھٹنوں تک لمبا ہونا ''صحت نسب''

کیلئے شرط لازم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نشانی ہوسکتی ہے جیسا کہ موصوف نے فرمایا۔ اخبار (احادیث) میں ایسی بات ملتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک حسی اور معنی دونوں اعتبار سے طویل تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھے تا کہ نفلی نماز ادا فرمائیں۔ میں بھی آپ کی بائیں طرف کھڑا ہوگیا۔ آپ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ اس قدر روایت امام بخاری اور مسلم نے لکھی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کان پکڑا اور مجھے آپ نے اپنے پیچھے سے پھیر کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا ایک اور روایت میں آتا ہے۔ میں پھر واپس پہلی جگہ آ گیا۔ آپ نے دوبارہ اسی طرح کیا۔ میں پھر واپس آ گیا۔ آپ نے تیسری بار اسی طرح کیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے برخوردار! جہاں میں نے تجھے کھڑا کیا تھا وہیں کھڑے رہتے؟ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ اپنی مثال آپ ہیں کسی کو نہ زیب دیتا کہ کھڑا ہونے میں آپ سے برابری کرے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ'' اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطا کرنا اور تفسیر کا علم اسے عطا کرنا۔ واقعہ مذکورہ سے یہ بات بلاشک وشبہ ثابت ہوتی ہے کہ جس کا ہاتھ (بازو) اپنے بائیں طرف کھڑے مقتدی کے سر تک پہنچ جائے۔ یا اس کے کانوں تک پہنچ جائے۔ پھر اسے پکڑ کر اپنے پیچھے سے اپنی دائیں جانب کھینچ کر لے آئے اور قبلہ کی طرف سے منہ بھی نہ پھرنے پائے۔ اس شخصیت سے زیادہ لمبا ہاتھ اور کس کا ہوسکتا ہے؟ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک کے طویل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے نواسہ نے جو اس دیوان کے جامع بھی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیخ عمر موصوف رضی اللہ عنہ کو جو خواب میں ''نسب'' کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ کہ ''تو مجھ سے ہے اور تیرا نسب میرے ساتھ متصل ہے'' اس سے مراد یا تو ''گھریلو نسبت'' ہوسکتی ہے۔ یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونا جو دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونا ہی ہے۔

علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے بظاہر اور متبادر یہی مفہوم نکلتا ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے یہ ثابت نہیں بلکہ ثابت یہی ہے کہ موصوف کا نسب ''بنوسعد'' سے ملتا ہے۔ اس لئے کہ جب شریعت میں نسبت کا ثبوت بینہ (دو گواہ) سے معتبر ہوتا ہے اور

37

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی طبیعتوں، عادتوں اور اغراض ومقاصد میں تبدیلی واختلاف ہو جاتا ہے پھر کوئی شخص اپنے نسب کے بارے میں ''مبینہ'' قائم کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اور کبھی گواہ بھی گواہی دینے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ خواہ ان کو کسی قسم کا خوف گواہی سے روکے یا طمع یا لالچ آڑے آ جائے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی حاکم ''عادل'' ہوتا ہے اور کسی دور میں ''ظالم'' کی حکمرانی ہوتی ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے نسب سے جاہل ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو کسی اور نسب سے جوڑتا پھرے یا نسب کا تو علم ہو لیکن کسی غرض کی وجہ سے وہ دوسرا نسب اختیار کر لیتا ہے لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہی صحیح ہے جو ظاہری حالت کے خلاف دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ شیخ کا مذکورہ خواب احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی کا موجب نہیں بنتا۔

شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے نواسے مزید لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ''نسبت'' کا ذکر فرمایا۔ اس سے مراد شیخ موصوف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ''نسبت محبت'' ہو اور وہ نسبت جو محبت والی ہو، اہل محبت کے نزدیک اس نسبت سے کہیں اشرف واعلیٰ منزلت والی ہوتی ہے، جو باپ دادا کی طرف ہو، جس سے کوئی شخص کسی کی اولاد بنتا ہے۔ یہی ''نسبت محبت'' تھی جس نے حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو ''اہل بیت نبی'' میں داخل کر دیا تھا، عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہما کو اپنی اہل بیت میں داخل فرمایا اس سے مراد ''نبوت محمدیہ'' کے اہل بیت میں داخل فرمانا ہے۔ بلکہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی اہل کون ہے؟ فرمایا۔ ہر مومن یا ہر متقی مومن میری آل ہے۔ روایات میں دونوں لفظ (مومن، متقی مومن) آتے ہیں۔ اور ''آل'' بمعنیٰ ''اہل'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ یہ روایت طبرانی اور حاکم نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔ ایک روایت میں یوں مذکور ہے۔ ''سلمان سابق فارس'' اسے ابن سعد نے حسن سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''سباق'' (آگے بڑھنے والے) چار ہیں۔ میں ''سابق العرب'' ہوں۔ صہیب سابق روم، سلمان سابق فارس اور بلال سابق حبشہ ہیں۔ اسے امام حاکم، طبرانی اور بزاز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور ابن عدی نے حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ''نسبت محبت'' میں ابو طالب بن عبدالمطلب بہت دور رہا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھائی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اسلام لانے کی تمنا کی تھی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے چچا! کلمہ پڑھ لو خواہ میرے کان میں ہی پڑھو۔ میں اس کلمہ پڑھنے کی وجہ سے کل قیامت میں تمہارے حق میں مسلمان ہونے کی دلیل دوں گا۔ ابو طالب نے کہا۔ میں قریش کے بزرگوں کے دین پر ہی رہوں گا۔ بہر حال وہ ''نسبت محبت مذکورہ'' سے مشرف نہ ہوا۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہونے کی نسبت کوئی نفع نہ دے سکی۔ جو اہل کی نسبت میں بہت قریب کی نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ نسبت ''عصبہ'' بناتی ہے اور اس نسبت والا ''ولی'' بھی بنتا ہے۔ ''نسبت محبت'' اس لئے نہ بن سکی۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلیہ نے اس کی موت کفر پر لکھی تھی اور ہدایت ربانیہ اور عنایت رحمانیہ مقدر میں نہ تھی۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے بیزاری کا اعلان کیا۔ جب انہیں آزر کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا کے بارے میں استغفار کی دعا کرنا اس وجہ سے تھا کہ اس نے ان سے وعدہ کیا ہوا تھا پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا (توبہ)۔ آزر نے وعدہ یہ کیا تھا کہ میں اسلام لے آؤں گا اور آپ پر ایمان لے آؤں گا لیکن پھر رک گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں کہا گیا۔ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۞ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ۫ اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ اے اللہ! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ اور تو ہی احکم الحاکمین ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ کیونکہ اس کے کرتوت اچھے نہیں ہیں (ہود: 45)۔ اسی نسبت یعنی ''نسب محبت'' کی طرف ہمارے شیخ یعنی شیخ عمر رضی اللہ عنہ نے ''قصیدہ یائیہ'' میں اشارہ فرمایا۔ جس کا قافیہ ''یاء مثناۃ تحتیہ'' ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَسَبٌ اَقْرَبُ فِيْ شَرْحِ الْهُدٰى بَيْنَنَا مِنْ نَسَبٍ مِنْ اَبَوَیَّ

ہمارے درمیان محبت کا رشتہ اور نسب اس نسب سے زیادہ قریب ہے جو ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ یعنی اس دیوان کے جامع جناب شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے نواسے فرماتے ہیں کہ ''نسب محبت'' کا اعتبار ہے۔ اس بارے میں انہوں نے شیخ عمر رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین واقعہ کی مثال دی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں گویا حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوں اور یوں نظر آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت انبیاء کرام اور اولیاء کی کثیر تعداد موجود ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریف شمس الدین ابی نقیب الاشراف اور قاضی العساکر المنصورۃ جو دمشق میں رمضان پاک کے مہینہ میں ۷۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں۔ میں نے ان موجودین حضرات میں سے صرف ان کی شکل وصورت سے ان کو پہنچانا۔ اور دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ شیخ صبیح حبشی کی نسبت کا آپ کی طرف اثبات کیا جائے۔ میں نے اس مجلس میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاس وہ تحریر تھی جس میں ''نسبت شریفہ محمدیہ'' کی گواہی لکھی تھی اور وہ اس مجلس کے حاضرین کے پاس چکر لگا رہا تھا۔ ان کے خطوط حاصل کر رہا تھا جب چلتے چلتے میرے پاس آیا تو اس نے مجھے وہ تحریر پکڑائی اور کہا لکھو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے شیخ صبیح کو دیکھا تک نہیں اور نہ ہی میں نے ان کا زمانہ پایا اور نہ ہی میں ان کی نسبت کو جانتا ہوں میں نے صرف ان کی اولاد کو دیکھا ہے جو میرے دوست ہیں۔ یہ بات سن کر اس شخص نے زور سے چیخ ماری۔ جس سے مجھ پر رعب اور ہیبت طاری ہوگئی۔ اس نے مجھے پھر کہا۔ لکھو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے میں نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے حکم دیا ہے؟ کہنے لگا۔ لکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیخ صبیح سے باعتبار نسبت کے متصل ہیں۔ شیخ صبیح وہ شخصیت تھے کہ انہیں ہم میں سے کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ شیخ موصوف ایک کامل صالح مرد تھے۔ یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا واقعہ جناب شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ شائد ان دونوں حضرات کے بارے میں نسب خاندانی مراد تھی یا نسبت محبت تھی۔ جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔

شیخ ابن فارض رضی اللہ عنہ کے نواسے جامع دیوان ابن فارض نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے۔ مجھے ان کے بیٹے رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ سے سنا۔ فرمایا کہ مجھ سے ایک مرتبہ نازیبا بات ہوگئی۔ جس کی مجھے سخت گرفت ہوئی۔ اور یہ مواخذہ باطنی تھا۔ میں شدت قبض کی وجہ

سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی بندش میں گرفتار ہوگیا۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ میری روح میرے جسم سے نکل جاتی۔ میں پریشان حالت میں بھاگ نکلا۔ جیسا وہ شخص بھاگتا ہو جس سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہو اور وہ حکومت کو مطلوب ہو۔ میں بھاگتے ہوئے ''مقطم'' پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور وہاں میں نے ان مقامات کا قصد کیا جو میری سیاحت کے دوران میری آرامگاہ تھے۔ میں رو رہا تھا۔ استغاثہ کر رہا تھا اور استغفار میں مشغول تھا لیکن میری پریشانی اور قبض دور نہ ہوئی میں نے وہاں سے مصر شہر کا ارادہ کیا۔ اور وہاں جا کر جامع عمرو بن العاص میں گیا۔ جامع مسجد کے صحن میں ڈرتا ہوا اور گھبرایا ہوا کھڑا ہوگیا اور یہاں پھر میں نے توبہ و استغفار اور رونا شروع کر دیا لیکن پریشانی دور نہ ہوئی پھر مجھ پر حال غالب آ گیا۔ یہ حال اس قدر سخت تھا کہ اس سے پہلے میں نے ایسا حال نہ دیکھا۔ اور میں نے کہا۔

مَنْ ذَا الَّذِی مَا سَاءَ قَطُّ وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰی فَقَط

ایسا کون ہوسکتا ہے جس نے کبھی برائی نہ کی ہو۔ اور ایسا کون ہے جس کی صرف اور صرف نیکیاں ہی ہوں میں نے فوراً آسمان وزمین کے درمیان سے ایک آواز سنی۔ لیکن آواز والا مجھے نظر نہ آیا۔ اس نے کہا۔

مُحَمَّدٌ الْهَادِی الَّذِی عَلَيْهِ جِبرِيْلُ هَبَطَ

یعنی وہ شخصیت جس کے بارے میں تو معین طور پر سمجھنا چاہتا ہے اور اس کے متعلق جاننا چاہتا ہے اور تو نے اس کی یہ صفت بیان کی کہ اس نے عمر بھر کوئی برائی نہیں کی اسکے تمام کے تمام اعمال ''حسنہ'' ہیں۔ پسندیدہ ہیں۔ اس شخصیت کا اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص اس لئے کی گئی حالانکہ بقیہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے معصوم بنا دیا۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع انسان میں پائے جانے والے انبیاء کرام میں سے سب سے آخری پیغمبر ہیں۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ لہٰذا آپ اس مذکورہ وصف سے امت میں معروف ومشہور ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام کی ایسی شہرت نہیں۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ ہی ''فرد کامل'' ہوئے اور آپ ہی ایسے ''ھادی'' ہیں۔ جنہوں نے امت کو ہدایت کی اور انہیں سب سے سیدھے اور مضبوط راستے کی رہنمائی فرمائی۔ وہ راستہ جو حضرت جبرئیل علیہ السلام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ سے لائے تھے۔ اور قرآن کریم نے جس کی نشاندہی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا آپ کے وسیلہ اور سبب سے اپنے سیدھے راستہ کی رشد وہدایت عطا فرمائی۔

اس کے بعد موصوف کے نواسے مزید لکھتے ہیں کہ مجھے شیخ موصوف کے صاحبزادے نے بتایا کہ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ اٹھے اور بہت دیر تک رقص میں مصروف رہے اور وجد عظیم کی حالت میں کافی وقت تک رہے۔ اس دوران آپ کا بہت پسینہ بہا۔ حتیٰ کہ قدموں کے نیچے تک بہہ گیا۔ پھر شیخ رضی اللہ عنہ زمین پر گر گئے۔ اور اضطراب شدید کی کیفیت ہوگئی۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حالت (رقص وتواجد کی حالت) بہت سے فقراء کو پیش آئی ہے۔ جب وہ کسی جگہ حلقہ ذکر میں حاضر ہوتے ہیں یہ حالت اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے اس کیفیت کے دوران اپنی پگڑی اور کچھ دوسرے کپڑے جسم سے اتار دیئے۔ انہیں زمین پر پھینک دیا۔ پھر لکڑی کے ٹکڑے کی طرح اس کے اعضاء اکڑ گئے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ اس قوت کا اثر تھا۔ جو اس شخص پر وارد ہوئی۔ اور اس خشوع وخضوع کا نتیجہ تھا جو اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اس نے اس کا اختیار چھین لیا۔ یہ کیفیت خاص کر شام میں بنی سعد الدین جباوی میں پائی جاتی ہے۔ اور تغلبی فقراء میں بھی یہ پائی جاتی ہے۔ دمشق میں ان تغلبی فقراء میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا اور وجد وکیف کی حالت میں وہ اپنے گھوڑے کو لوگوں پر چڑھا دیتا۔ اس کے پاؤں تلے آنے کے باوجود کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ بعض دفعہ لوگوں کو مختلف امراض سے اس طرح شفا مل جاتی۔ بارہا ایسا ہوا کہ اس شخص نے کسی لنجے (چلنے پھرنے سے معذور) کو ہاتھ لگا دیا تو وہ اسی وقت تندرست لوگوں کی طرح قدموں سے چلنے لگتا۔ دمشق میں یہ بات ہمارے ہاں بہت مشہور ومعروف ہے۔ یہ ایک "شریف حالت" ہے اگرچہ اس حالت کا بہت سے محض نام کے فقیہہ انکار کرتے ہیں۔ جنہیں اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اپنے دور کے نکمے لوگ ہیں۔ یہ اس لئے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان سے دلوں کی قوت سے یہ بات بہت دور ہے اور یہ کیفیت خشوع وخضوع کا ایک اثر ہوتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے قلب کی پناہ چاہتا ہوں جو خشوع نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بعض دفعہ کچھ اسی قسم کے لوگ فقراء پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ یہ لوگ (فقراء) اپنے نفوس پر زیادتی اور اسراف کرتے ہیں۔ تم ایسے معترضین کو دیکھو گے کہ وہ ایسے فقراء کی تلاش میں ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کے فقیر ہوں اور معصوم ہوں ان میں کسی قسم کی کوئی لغزش اور معصیت نہ ہو لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ جس شخص کی بھلائی اس کی برائی پر غالب ہو وہ "کامل" شخص ہے۔ بلکہ حدیث

نبوی میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ والی بات آئی ہے۔ وہ یہ کہ نیکی کا دسواں حصہ جس میں موجود ہوگا وہ نجات یافتہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ شخص جس کی بھلائی اور اس کی برائی پر غالب ہو، یا اس سے آدھی یا چوتھائی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں کوئی شخص ان باتوں میں سے جن کا میں نے تمہیں حکم دیا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہو جائے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا۔ جس میں اگر کسی شخص نے احکامات میں سے دسویں حصہ پر بھی عمل کیا۔ وہ نجات پا جائے گا۔ یہ روایت امام ترمذی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے اور علامہ سیوطی نے جامع الصیغ میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کی نجات کی بشارت سنائی ہے جو شریعت کے دسویں حصہ پر عمل کرتا ہوگا۔ یہ عظیم بشارت ہر اس مومن کیلئے ہے جو آخری وقت تک کفر و شرک سے بچا رہا۔ ہمارے اس زمانہ میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو کفر و شرک سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ اس دور میں حق کے ساتھ باطل کی ملاوٹ بکثرت ہو چکی ہے اور جو لوگ اہل توفیق وعنایت نہیں۔ ان کیلئے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جو معصیت کو طاعت اور طاعت کو معصیت کہتے ہیں۔ جب علماء کا یہ حال ہے تو عام مسلمان کی کیفیت کیا ہوگی؟ ہاں اللہ تعالیٰ جسے بچائے رکھے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک تم میں سے کسی کے دل میں ایمان اس طرح پرانا اور پھٹا ہوا ہو جائیگا جس طرح کپڑا پرانا اور پھٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کو تازگی اور جدت عطا فرمایا کرے۔

بہر حال جب حضرت شیخ عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا جب ان پر مذکورہ کیفیت وارد ہوئی۔ یعنی ان کے مذکورہ صاحبزادے کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد موصوف کی حالت سنبھل گئی۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا سجدہ بجا لایا۔ ان کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کیفیت کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے۔ بیٹا! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر درج ذیل شعر کا ایسا معنیٰ وارد کیا کہ اس جیسا معنیٰ مجھ پر اس سے پہلے وارد نہیں ہوا۔ شعر یہ ہے۔

وَ عَلٰی تَفَنُّنِ وَاصِفِیْهِ بِحُسْنِهٖ     یَفْنِی الزَّمَانُ وَ فِیْهِ مَالَمْ یُوْصَفِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کے اوصاف بیان کرنے والا بیان کرتا رہا اور زمانہ ختم ہو گیا لیکن پھر بھی آپ میں ایسے اوصاف ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکی۔ علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ بیان

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے بعض دوستوں سے اس شعر کے بارے میں گفتگو کی۔ اور ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء میں یہ شعر زیادہ بلیغ ہے یا صاحب بردہ امام بوصیری رضی اللہ عنہ کا درج ذیل شعر زیادہ بلیغ ہے؟

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا　　وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

بیشک آپکی سخاوت کا ایک نمونہ دنیا اور آخرت ہے　　اور آپ کے علوم کا کچھ حصہ لوح وقلم کا علم ہے

میرے دوست نے کہا۔ کہ امام بوصیری صاحب بردہ کا شعر زیادہ بلیغ ہے۔ میں نے کہا کہ صاحب بردہ کے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فنون وصف میں سے ایک فن اور مدح نبوی میں سے ایک حصہ شامل ہے۔ اور یہ فن ومدح ان فنون میں شامل ہے جن کی طرف شیخ عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے۔ اور قیامت تک کے تمام فنون اس شعر میں داخل ہیں میری یہ بات سن کر میرے دوست نے اعتراف کیا کہ واقعی شیخ عمر رضی اللہ عنہ کا شعر زیادہ بلیغ ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس شعر پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

جوہر ۴: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی شرح میں لکھا ہے۔

سَائِقَ الْأَظْعَانِ يَطْوِي الْبِيْدَ طِي　　مُنْعِمًا عُرِجَ عَلَى كُثْبَانِ طَيٍّ

ابن فارض رضی اللہ عنہ نے ''کثبان'' سے مقامات محمدیہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو حاصل ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کثبان کی اضافت ''طی'' کی طرف کی، جو قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اسی قبیلہ سے سخاوت میں مشہور شخصیت حاتم کا تعلق تھا۔ یعنی مجھے یا انہیں ''مقامات محمدیہ'' کی معراج کرائی گئی جو کہیں ختم نہیں ہوتے۔ ان مقامات کا مالک ہر وقت ترقی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا اہل یثرب یعنی اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے وارث حضرات! ''یثرب'' مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''لَا مَقَامَ لَكُمْ'' یعنی تم ایک مقام پر نہیں رکو گے۔ بلکہ تم ترقی میں دائمی آگے بڑھتے رہو گے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیشک میرے دل پر پردہ ڈال دیا گیا اور میں دن رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں ایک اور روایت میں سو مرتبہ استغفار کرنا بھی وارد ہے۔

امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حجاب ''حجاب انوار'' تھا۔ ''حجاب اغیار'' نہ تھا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی ایک مقام کی طرف ترقی فرماتے تو ترقی پانے سے پہلے پچھلے مقام کو آپ حجاب پاتے۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے۔

جوہر ۵: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی درج ذیل قول کی شرح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔

فَاعْهِدُوْا بَطْحَاءَ وَادِی سَلَمٍ فَهُوَ مَابَیْنَ كَدَاءٍ وَ كُدَیً

لفظ ''فاعهدوا'' التعهد من الشئ سے ماخوذ ہے۔ قاموس میں ہے۔ تعهده و تعاهده اس کو گم پایا اور اس سے نیا معاہدہ کیا۔ ''بطحاء'' ایک وسیع جگہ کا نام ہے جس میں بارش کا پانی بہتا ہے۔ اور اس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں اور ''سَلَم'' اس وادی میں اگے ہوئے درخت کا نام ہے جس کی وجہ سے اسے ''وادی سلم'' بھی کہتے ہیں۔ ''بطحاء'' کو وادی سلم سے تعبیر کیا گیا۔ دونوں سے مراد ''عالم ارواح'' ہے۔ جو ''وادی مقدس طویٰ'' ہے اور ہر طبیعی میل کچیل سے پاک ہے اور اس میں ہر چیز موجود ہے اور اس کا بطحاء وہ جگہ ہے جو فیض الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مدد ربانی قبول کرنے کی جگہ ہے۔ اور وہ عالم العقول والالباب ہے۔ اور ابن فارض رضی اللہ عنہ کا قول ''فھو'' سے مراد میرا دل ہے۔ جو مجھ سے کداء اور کدی کے درمیان کھو گیا۔ قاموس میں ہے کہ ''کداء'' بروزن ''سماء'' عرفات کا نام ہے اور مکہ شریف کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اسی پہاڑ سے تشریف لائے تھے اور ''کدی'' بروزن ''سمی'' ہے۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تھے اور ایک دوسرا پہاڑ ہے جو عرفۃ کے قریب ہے۔ شاعر نے اول سے مراد ''نور اول اعلیٰ'' لیا ہے اور وہ نور حق ہے اور ثانی سے مراد ''نور ثانی نچلا'' ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ نور علی نور۔

یَا سَقَی اللّٰهُ عَقِیْقًا بِاللِّوٰی وَرَعٰی ثُمَّ فَرِیْقًا مِنْ لُؤَیٍ

اس شعر میں ''یا'' حرف نداء ہے اور منادی محذوف ہے۔ یعنی یا قوم سقی اللّٰه عقیقا۔ ''عقیق'' وادی کا نام ہے اور ہر وہ نالا جس کو سیلابی پانی نے بنایا ہو۔ مدینہ منورہ میں ایک مقام بھی ہے۔ اسی طرح یمامہ، طائف، تہامہ اور نجد میں ایک موضع کا نام بھی ہے۔ کذا فی القاموس۔ لفظ ''لوی'' بروزن ''اِلٰی'' وہ جگہ جہاں ریت ہو۔ اس سے شاعر نے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام لیا ہے۔ جو فیض ربانی اور مدد صمدانی کا مقام ہے۔ وحی رحمانی کا موضوع ہے اور ''سقاہ اللّٰہ'' سے یہ مفہوم مراد ہے

کہ علوم کی بارش دائمی طور پر آپ کے پاس اترتی رہے۔ اور آپ پر برستی رہے اور شاعر کا قول ''رعیٰ'' بمعنی حفظ ہے۔ لفظ ''ثم'' بفتحہ ثاء ہے۔ یعنی اس جگہ ''فریق'' سے مراد لوگوں کا گروہ ہے۔ معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ عارفین محققین کی جماعت کو اس مقام محمدی میں حفاظت فرمائے۔ اور انہیں تقویٰ کی دولت سے سیراب فرمائے اور شاعر کا قول ''لوی'' یعنی لوئی بن غالب بن فہر مراد ہے۔ لہٰذا یہ حضرات (عارفین محققین) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل بیت میں سے ہوئے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آلِي كُلِّ مُؤْمِنٍ تَقِيٍّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ قیامت تک کا ہر متقی مومن میری آل ہے۔

جوہر ۶: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل اشعار کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

ذَهَبَ الْعُمْرُ ضِيَاعًا وَ انْقَضٰى ۔۔۔ بَاطِلًا اِذْ لَمْ اَفُزْ مِنْكُمْ بِشَيْءٍ

غَيْرُ مَا وَالَيْتُ مِنْ عِقْدِ وَلَا ۔۔۔ عِتْرَةِ الْمَبْعُوْثِ حَقًّا مِنْ قُصَيٍّ

میری عمر ضائع جائے گی اور باطل طریقہ سے گزرے گی جب مجھے آپ سے کوئی چیز پانے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ ہاں اگر کوئی چیز ملی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک کی محبت ہے۔

شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کی ''موالات'' سے مراد اہل بیت نبوت سے محبت ہے۔ اور یہ مراد بطریقہ تشبیہ ہے۔ وہ یوں کہ شاعر اپنے دل سے پختہ عہد باندھتا ہے اور دل پر اس بات کی گرہ لگا دیتا ہے کہ میں اہل بیت نبوت کی مدد کروں گا اور ان سے محبت کروں گا تو معنی یہ ہوگا کہ شاعر لمبی عمر پانے کے باوجود حق تعالیٰ سے کوئی چیز پانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اگرچہ شاعر کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہے۔ معرفت نفس کی وجہ سے اس سے پوچھا گیا۔ کہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' کے مصداق تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہوگی؟ تو جواب دیا۔ ہاں مجھے اس کی معرفت حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کا عرفان ناممکن ہے۔ اس کے بعد شاعر نے جو یہ کہا تھا کہ اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب اس سے ایک بات کی استثناء کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم کی آل بیت سے عقد موالات مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ پھر اس چیز کو شاعر بہت بڑی کامیابی، نجات اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عطا قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت موجزن ہے۔ اور یہ تمام اشیاء سے اشرف واعلیٰ ہے اور اس کو اس آیت کے مضمون کے قبیلہ سے کہا جا سکتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

(البقرہ:265) اگر باغ پر موسلا دھار بارش نہ برسی تو شبنم اور اوس ہی کافی ہے۔

شاعر موصوف رضی اللہ عنہ نے شعر ثانی میں لفظ "عقد" کو لفظ "ولاء" کی طرف مضاف کیا ہے۔ اور پھر "ولاء" کی اضافت "عترۃ" کی طرف کی ہے۔ عترت سے مراد کسی شخص کی نسل، قبیلہ اور خاندان ہوتا ہے اور قریبی رشتہ دار بھی عترت کہلاتے ہیں۔ پھر شاعر نے لفظ "عترت" کو مبعوث کی طرف مضاف کیا۔ یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اور امت کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور "مبعوث" یہاں صفت واقع ہے جس کا موصوف محذوف ہے۔ یعنی عِتْرَةُ النَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ مِنْ قُصَيٍّ۔ "قصی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے ایک جد ہیں۔ یہی مسلک اور راستہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ بھی چلے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جَعَلْتُ وَلَائِي آلَ اَحْمَدَ قُرْبَةً عَلَى رَغْمِ اَهْلِ الْبُعْدِ يُوْرِثُنِي قُرْبًا
وَمَا طَلَبَ الْمُخْتَارُ اَجْرًا عَلَى الْهُدٰى بِتَبْلِيْغِهِ اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک سے محبت کو قربت بنایا۔ اور یہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب عطا فرمائے گی۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کی تبلیغ پر اگر کوئی اجر مانگا ہے تو وہ اپنی قرابت میں محبت مانگی ہے۔

جوہر ۷: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے قصیدہ تائیہ میں ایک شعر فرمایا۔ اس کی تشریح عارف نابلسی کرتے ہیں۔ شعر یہ ہے۔

سَقَا بِالصَّفَا الرَّبِعِيُّ رُبْعًا بِهِ الصَّفَا وَجَادَ بِالْاَجْيَادِ ثَرًى مِنْهُ ثَرْوَتِي

صفا پہاڑی میں میرے دل کو موسم ربیع کی بارش نے سیراب کیا۔ جس سے مجھے صفائی مل گئی۔ اور مقام اجیاد میں موسم بہار نے مجھے سیراب کیا۔ جس سے مجھے غنامل گئی۔ اس شعر کے بارے میں عارف نابلسی فرماتے ہیں کہ

اول الذکر لفظ "صفا" سے مراد صفا پہاڑی ہے جو جبل ابی قبیس کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب واقع ہے۔ اور اس پر حرف باء بمعنی "فی" ہے۔ اصل یوں ہوگا۔ سقی فی الصفا۔ لفظ "الربعی" مرفوع ہے کیونکہ فعل "سقا" کا فاعل ہے۔ ربعی وہ بارش ہے جو موسم ربیع میں برستی ہے اور اس سے مراد علوم الٰہیہ اور علوم لدنیہ ہیں۔ اور لفظ "ربعا" سقی فعل کا مفعول بہ ہے۔ اس سے مراد "منزل" ہے۔ اور یہ عارف محقق کے دل سے کنایہ ہے۔ کیونکہ عارف محقق کا دل محبوب کی منزل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ووسعنی قلب عبدی مومن۔ اللہ تعالیٰ کی منزل مومن بندے کا دل ہے اور اس

منزل کا ''صفا'' میں واقع ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مقام روحانی اور سر انسانی میں واقع ہے۔ جیسا کہ ''مروہ'' مکہ شریف کے شعائر میں سے ہے۔ اور یہ گناہوں سے پاک جسم سے کنایۃ ہے۔ جو ظاہری سر کی طرف منسوب ہے۔ اور انسان کی ایک حقیقت ہے اس کی طرف اشارہ اس سعی سے ہوتا ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان حج وعمرہ کے دوران کی جاتی ہے۔ جس طرح ظاہری حج وعمرہ میں ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مقام احسان میں کئے جانے والے حج روحانی میں صفا اور مروہ (مقام روحانی، سر انسانی اور حقیقت انسانی) کے درمیان سعی ہوتی ہے۔ شاعر کے قول ''بہٖ'' سے مراد ''فیہ'' ہے۔ عبارت یوں ہوگی۔ فیہ الصفا اور یہ لفظ ''صفا'' صفائی کے معنی میں ہے۔ جو گندگی کی ضد ہے۔ یہ صفائی اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اغیار کے اوہام ختم ہو جائیں اور افہام اسرار کے شعلے لپکیں۔ شاعر کا قول ''جادٗ'' کا عطف ''سقی'' پر ہے۔ کہا جاتا ہے جادٗ بمعنی امطر۔ یعنی اس کا معنی بھی برسنا ہے۔ اور اس میں مستتر ضمیر کا مرجع الربعی ہے جو پہلے مصرعہ میں مذکور ہے۔ ''اجیادٗ'' مکہ کی زمین یا اس میں موجود پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور اس سے شاعر کی مراد انسان کامل کا جسم عنصری ہے اور لفظ ''ثریٰ'' جاد کا مفعول ہے اس کا معنی مٹی ہے۔ اور اس سے مراد جسم کامل کی اصل ہے۔ جس سے اسے بنایا گیا ہے اور اس کی تربیت کامل احکام کی گود میں کی گئی اور یہ گود ''حقیقت محمدیہ نورانیہ'' ہے۔ جو تمام کائنات کی اصل (ہیولیٰ) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ اِلَيَّ۔ اور شاعر کے قول ''منہٗ'' میں ضمیر مجرور کا مرجع ''الثریٰ'' ہے۔ یعنی من ذالک الثریٰ ثروتی۔ اور ثروت کا معنی غنا اور امیر ہوتا ہے اور اس سے مراد تجلیات الٰہیہ میں فتح کا حصول ہے۔

مُخَيَّمُ لِذَاتِي وَسُوْقُ مَآرِبِي وَقِبْلَةُ آمَالِي وَ مَوْطِنُ صَبْوَتِي

میری لذتوں کی قیام گاہ اور میرے مقاصد حیات کا بازار اور میرے تمناؤں کا قبلہ اور میرے عشق کا وطن وہی مٹی ہے۔

لفظ ''مخیم'' میم مضمومہ خاء مفتوحہ اور یاء مشددہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔ خَيَّمَ زَيْدٌ بِالْمَكَانِ۔ زید نے فلاں جگہ اقامت اختیار کر لی۔ اور ''لذات'' لذت کی جمع ہے۔ ملائم اشیاء کے ادراک سے پیدا ہونے والی کیفیت کو ''لذت'' کہتے ہیں اور اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ جس طرح نفس سے تعلق رکھنے والی ایسی کیفیت کو ''شہوت'' کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ روحانی لذتیں اسی مٹی میں مقیم ہیں۔ جس مٹی کا تذکرہ گزشتہ شعر میں آیا ہے۔ اس کے بعد شاعر کہتے ہیں۔ ''سُوْقُ مَآرِبِي'' مآرب کا معنی مقاصد اور حاجات ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ میرے مقاصد و

میری حاجات کا لین دین اسی مٹی میں ہوتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تفسیر ہے
إِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمُعْطِي وَ اَنَا الْقَاسِمُ۔ اللہ تعالیٰ دینے والا اور میں بانٹنے والا ہوں۔ سیدی عبدالغنی
نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اس معنیٰ میں قصیدہ نبویہ کے اندر میں نے بھی یہ شعر کہا ہے۔

يَا اَبَا الْقَاسِمِ يَا قَاسِمُ مَا    يَهِبُ اللّٰهُ عَلٰى طُوْلِ الْمُدٰى

یا ابا القاسم صلی اللہ علیک وسلم! اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ کی عطا اور نعمتوں کو بانٹنے والے ہیں۔

پھر جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے کہا۔ قبلۃ آمالی۔ لفظ ''قبلہ'' قاب مکسورہ کے ساتھ بمعنی ''طرف'' اور ''آمال'' امل کی جمع بمعنی امیدیں۔ یعنی میری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی توجہ گاہ۔ میری تمام تمنائیں اور آرزوئیں اسی قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں۔ جو اسی ''مٹی'' کا دوسرا نام ہے۔ شاعر تمنی اور امید رکھتا ہے کہ اس میں داخل ہو کر حضرت الٰہیہ میں پہنچ جائے۔ اور اس میں داخلہ صرف اسی طرف سے ہوسکتا ہے جیسا کہ قطب بکری قدس سرہ نے ابیات نبویہ میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَیُّ امْرَئٍ    اَتَاهُ مِنْ غَيْرِکَ لَايَدْخُلُ

آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تک رسائی کا دروازہ ہیں۔ اور جو بھی اس دروازہ کے علاوہ کسی اور طرف سے آئے گا۔ وہ اندر نہ آسکے گا۔

اس کے بعد ابن الفارض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ موطن صبوتی۔ لفظ ''صبوۃ'' کا اصل معنی جوانی کی غفلت ہے۔ لیکن یہاں اس کا معنی عشق ومحبت کی زیادتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَنْ يَّكْمُلَ اِيْمَانُ اَحَدِ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَاَهْلِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ تم میں سے کسی کا بھی ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے اہل اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:6)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام کائنات معرض وجود میں آئی۔ کیونکہ تمام کائنات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ہے۔ جسے اس بات کا کشف ہو جائے۔ وہ مذکورہ حقیقت کو سمجھ جائے گا۔ اور جسے یہ وجدان حاصل ہو جائے۔ کہ تمام محبت دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی ہے۔ جو تعینات روحانیہ اور جسمانیہ میں ہے۔ اور جو تخیلی اور تمثیلی ہے۔ وہ اس حقیقت کو پا سکے گا۔

جوہر ۸: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ اپنے منظومہ قصیدہ تائیہ صغریٰ میں فرماتے ہیں۔

عَلٰى فَائِتٍ مِنْ جَمْعِ جَمْعٍ تَأَسُّفِیْ      وَوُدٍّ عَلٰى وَادِیْ مُحَسِّرٍ حَسْرَتِیْ

میرا افسوس اس جامعیت کے حاصل نہ ہونے پر ہے جو مقام جمع میں مجھ سے فوت ہوئی۔ اور میری حسرت اس محبت کے فوت ہو جانے پر ہے جو وادی محسر میں مجھ سے فوت ہوئی۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں۔

''علی فائت'' جار مجرور خبر مقدم اور ''تأسفی'' مبتداء مؤخر ہے۔ خبر کو مقدم اہتمام اور حصر کیلئے کیا گیا ہے۔ یعنی میرا افسوس صرف فوت ہونے والی بات پر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ شاعر کا قول ''من جمع'' اس فوت شدہ چیز کا بیان ہے۔ یعنی جو چند لمحوں کیلئے تھا وہ فوت ہو گیا۔ لفظ جمع جو اول الذکر ہے وہ تفریق کی ضد ہے۔ اور وہ (جمع) کثرت کی عین میں وحدت کا شہود ہے۔ اس کی بقاء کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ روحانیت کا جسمانیت پر غلبہ ہو۔ اور ''تفریق'' وحدت کی آنکھ میں کثرت کا شہود ہے۔ اور یہ جسمانیت کے روحانیت پر غلبہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس قول کی اصل اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی قدیم ہے۔ جو عین ازلی ہے۔ بایں وجہ کے وہ قرآن بن کر اترا ''جمع'' ہے۔ اور فرقان بن کر اترا تو ''تفریق'' ہوا۔ اس کے شہود قرآنی کی قدرت صرف حضرات انبیاء کرام کو ہے۔ پس اس کی شہادت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔ کہ وہ قرآن ہے۔ یونہی آپ کے کامل ورثاء نے بھی شہادت دی۔ اور آپ نے اس کے ''فرقان'' ہونے کی بھی گواہی دی۔ جیسا کہ عام مخلوق نے دی۔ اس کی شہادت حضرت آدم، شیث، ادریس، نوح اور ابراہیم علیہم السلام نے صحائف میں دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی گواہی تورات کی صورت میں، عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کیصورت میں دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی قدیم ہے۔ جو اتارا گیا اس کا اختلاف صرف حروف اور اصوات سے ہوا۔ یونہی اس کے وارث یہ انبیاء کرام بھی ہوئے۔ اور اسی طرح ان کی امتوں نے بھی اس کی گواہی دی۔ اور اس امت محمدیہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکوۃ سے گواہی دی۔ جو جامع اور خاتم ہے۔ یونہی انہوں نے ان کے فرقان اور ان کی امتوں کی گواہی دی۔ شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کے شعر میں دوسرا لفظ ''جمع'' ایک جھنڈے کا نام ہے جو مزدلفہ ہے۔ جو عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ اور شاعر کا قول ''ود'' مجرور ہے۔ اس کا عطف ''فائت'' پر ہے۔ اس کا معنی ''محبت'' ہے۔ اور ''وادی محسر'' عین مکسورہ کے ساتھ مزدلفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

جوہر ۹: امام ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے منظومہ تائیہ الصغریٰ میں درج ذیل شعر ہے۔

وَمَا دَارَ هِجْرُ الْبُعْدِ عَنْهَا بِخَاطِرِیْ      لَدَيْهَا بِوَصْلِ الْقُرْبِ فِیْ دَارِ هِجْرَتِیْ

محبوبہ سے دوری میری دل میں نہ کھٹکی۔ میں دار ہجرت یعنی مدینہ منورہ میں اس کے قریب ہوں۔

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

''ذَارَالشَّیُٔ فِی خَاطِرِی'' کا معنی یہ ہے۔ کہ میرے دل میں اس کا خیال تک آیا۔ اور ''ہجر'' ہائے مفتوحہ کے ساتھ بمعنی چھوڑنا یعنی دوری کا چھوڑنا۔ ''عنھا'' کی ضمیر مجرور کا مرجع محبوبہ ہے۔ ''خاطر'' دل کو کہتے ہیں۔ یہ خَطَرَلَهٗ یَخْطُرُ خُطُوْرًا سے ماخوذ ہے جس کا معنی نسیان کے بعد یاد آجانا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ ''لدیھا'' دراصل ''انا لدیھا'' ہے جس کا معنی'' میں محبوبہ کے پاس ہوں'' ہے۔ ''بوصل القرب'' اس میں اضافت الصفۃ الی الموصوف ہے۔ یعنی ایسا وصل جو عین قرب ہے۔ ''فِی دَارِ هِجْرَتِی'' ہائے مکسورہ کے ساتھ۔ اس سے مراد دار ہجرت ہے جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں۔ ''دار ہجرت'' دراصل ''حقیقت نوریہ اصلیہ محمدیہ'' سے کنایۃ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی۔ اور یہ پیدائش اللہ تعالیٰ کے امر سے ہوئی۔ جس سے ساتھ ہر چیز قائم ہے۔ جو شخص اس حقیقت میں داخل ہو گیا۔ وہ اس سے مل گیا۔ پھر وہ متصل واحد بن گیا۔ اور اس کا کلام اس کی زبان سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے ''تائیہ کبریٰ'' میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کہا۔

وَاِنِّی وَاِنْ کُنْتَ ابْنَ آدَمَ صُوْرَةً ۔۔۔ فَلِی فِیْهِ مَعْنَی شَاهِدٍ بِاُبُوَّتِی

میں اگر بظاہر اور صورت کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن ان میں میرے باپ ہونے کا شاہد (دلیل) موجود ہے۔

جوہر ۱۰: امام ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے جب ''تائیہ کبریٰ'' تالیف فرمالیا تو اس کے بعد جو اشعار لکھے۔ ان میں سے پہلے تین اشعار درج ذیل ہیں۔ جو'' دیوان'' میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تشریح عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے مخصوص انداز میں کی۔ پہلا شعر یہ ہے۔

سَلَامٌ عَلٰی تِلْکَ الْمَعَاهِدِ مِنْ فَتًی ۔۔۔ عَلٰی حِفْظِ عَهْدِ الْعَامِرِيَّةِ مَافَتِی

ان وعدوں پر نوجوان کی طرف سے بہت سلام جو عامری محبوبہ کے ساتھ کیے گئے۔

لفظ'' سلام'' کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تا کہ اس کی عظمت بیان ہو۔ ''تلک المعاھد'' میں اسم اشارہ ''تلک'' سے'' حضرات حقیقت محمدیہ'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ''المعاھد'' معھد کی جمع ہے۔ جس پر کسی سے عہد لیا گیا ہو۔ ربوبیت کا عہد ان تمام انسانوں سے لیا گیا۔ جو چیونٹی کی طرح تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق کے دن نکالے گئے۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ ۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الآیۃ۔ اور ''حقیقت آدمیت'' اس حقیقت محمدیہ نوریہ سے بنی۔ جو اللہ تعالیٰ کی اول الخلق ہے۔ شاعر کا قول ''من فتی'' سے مراد خود شاعر کی اپنی ذات ہے۔ ''فتی'' عربی زبان میں نوجوان، سخی، کریم کو کہتے ہیں۔ جو ''فتوۃ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی مکارم اخلاق کی جامع شخصیت ہے۔ یہ جامعیت ''مقام محمدی'' کی میراث میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں'' اور شاعر کا قول ''عَلٰی حِفْظِ عَهْدِ الْعَامِرِيَّةِ'' سے لفظ عامریۃ سے مراد ''محبوبہ'' ہے۔ جو قبیلہ بنی عامر کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ ''محبوبہ حقیقیہ'' سے کنایۃ ہے۔ جس کی طرف سابقہ اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے اور ''مافتی'' بمعنی مازال اور مابرح یعنی وہ اس عہد پر قائم ہے۔

جوہر ۱۱: جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے ''تائیہ کبریٰ'' کہ جس کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی پر جو آپ نے انہیں خواب میں فرمایا تھا کہ اس قصیدہ کا نام ''نظم السلوک'' رکھو۔ یہ نام رکھا۔ اس کے درج ذیل شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَحُزْنِی مَا يَعْقُوْبُ بَثَّ اَقَلَّهٗ     وَ كُلُّ بَلَا اَيُّوْبَ بَعْضُ بَلِيَّتِيْ

میرا غم اس قدر عظیم ہے کہ جو غم حضرت یعقوب علیہ السلام سے منتشر ہوا وہ اس سے مقابلہ میں قلیل ہے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کی تمام آزمائش میری آزمائش کا کچھ حصہ ہے۔

''حزنی ما'' یعنی میرا حزن و غم عظیم ہے۔ حضرت یعقوب نبی علیہ السلام کو جو حزن و پریشانی لاحق ہوئی۔ ''بث'' فعل ماضی ہے اور ''بث الخیر'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی نیکی کا منتشر ہونا اور اس کا بٹنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی حکایت یوں بیان فرمائی۔ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں (یوسف)۔ اور شاعر کا قول ''اقلہ'' فعل بث کا مفعول بہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ''حزن'' ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پریشانی اور غم آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے قوت نبوت سے چھپائی جا سکی۔ یہ قوت کسی دوسرے کیلئے نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ مظہر کونی ہونے میں جناب الٰہی سے تعلق میں مشترک ہیں۔

اور شاعر کا قول ''كُلُّ بَلَا اَيُّوْبَ بَعْضُ بَلِيَّتِيْ'' کا معنی یہ ہے کہ محض آزمائش کے اعتبار سے وہ قلیل ہے یہ اس بنا پر کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے دین میں آزمائشوں کا صدور اسی طرح ہے

جس طرح غیر انبیاء سے معاصی اور کفر کا صدور ممکن ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام سے معاصی اور کفر کا صدور محال ہے۔ کیونکہ ان کی شخصیات معصوم ہوتی ہیں۔ دوسرے معصوم نہیں ہوتے۔

لہٰذا ناظم (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا ہے۔ ''اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَ مُثَلُ'' لوگوں میں سخت ترین آزمائش انبیاء کرام کی آزمائش ہوتی ہے۔ پھر ان کے قریب ان لوگوں کی جو ان کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد میں پیغمبر کی بلا، کو سب سے بڑی بتایا گیا اور شاعر موصوف اپنی آزمائش کو حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش سے بڑا کہہ رہے ہیں؟

دوسرا معنی (مذکور شعر کا) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادتی اور اشدیت باعتبار دکھ ہو۔ یعنی شاعر اپنی آزمائش کو جو بڑا کہہ رہے ہیں وہ درد و تکلیف کے اعتبار سے ہے۔ تیسرا مفہوم یہ بھی نکل سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو خطاب وحی کے ذریعہ جو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ یعنی اوامر و نواہی اور تبلیغ وغیرہ۔ کہیں اس میں تقصیر واقع نہ ہو جائے۔

اور اگر شاعر نے ادعائی طور پر صرف مبالغہ بیان کیا ہو۔ نہ کہ کلام کا ظاہری معنی ان کے پیش نظر ہو۔ جیسا کہ بلغاء کا طریقہ ہوتا ہے تو اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اور یونہی اگر شاعر کی مراد اس سے کہیں اعلیٰ ہے یعنی ''حقیقت محمدیہ'' سے تکلم واقع ہوا ہو جو نور ہے اور اول مخلوق ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرَ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ الحدیث۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ پھر اس سے فلاں فلاں بنائے۔ یہ حدیث مسند عبدالرزاق وغیرہ کی ہے۔ لہٰذا شاعر بھی من جملہ ان میں سے ایک ہیں جو نور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیدا ہوئے پھر جب غیریت شاعر سے ختم ہوگئی جو فناء محبت اور عشق سے ہوتی ہے تو مقام فناء میں شاعر نے ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے مذکورہ کلام کیا اور یہ ''مقام محمدی'' کی میراث پانے کی وجہ سے ہوا۔ جیسا کہ شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کا اس قصیدہ ''نظم السلوک'' وغیرہ میں انداز گفتگو ہے جیسا کہ موصوف کا یہ قول ہے۔

لَقَدْ خُضْتُ بَحْرًا دُوْنَهٗ وَقَفَ الْاُلٰی ... بِسَا حِلِهٖ صَوْنًا لِمَوْضِعِ حُرْمَتِیْ

وَمَنْ فضل ما أسارت شرف معاصری ... ومن كان قبلی فالفُضائل فضلتی

میں اس سمندر میں غوطہ زن ہوا جس کے ساحل پر دوسرے لوگ کھڑے رہے۔ تاکہ وہ میرے حرمت اور احترام کا تحفظ کریں۔ اور میرے پینے کے بعد بچا ہوا ان لوگوں نے پیا جو میرے ہم عصر

ہیں۔اور انہوں نے بھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔لہٰذا تمام کے فضائل میرے بچے ہوئے فضائل ہیں۔ان اشعار کا مضمون دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ''حقیقت محمدیہ'' کے لائق ہیں۔

جوہر ۱۲: ''تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی شرح کرتے ہوئے عارف نابلسی رقمطراز ہیں۔

مَنَحْتُکَ عِلْمًا اِنْ تُرِدْ کَشْفَهٗ فَرِدْ سَبِیْلِی وَاشْرَعْ فِی اتِّبَاعِ شَرِیْعَتِی

میں نے تجھے علم عطا کیا اگر تو اس کا کشف چاہتا ہے تو میرے راستہ میں داخل ہو جا اور میری شریعت کی اتباع میں چل۔

''منحتک ''یعنی میں نے تجھے وہ عطا کر دیا ہے جس کا میں نے تجھ سے تذکرہ کیا تھا۔وہ کیا تھا؟ وہ صورتوں میں تجلی حق کا عظیم مسئلہ تھا۔وہ اللہ تعالیٰ نے جیسے ارادہ فرمایا اس کے مطابق دیدیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صورتوں سے مکمل پاک ہے۔وہ ان کے ذریعہ ان میں حلول کیے بغیر ظاہر ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں اس کا اتحاد ہوتا ہے۔لہٰذا ''ظاہر'' صرف وہی سبحانہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہیں۔''عِلْمًا ''کو عظمت و تعظیم کیلئے نکرہ ذکر فرمایا۔یعنی علم عظیم۔اور شاعر کا قول ''ان ترد'' کا معنی یہ ہے کہ اے سالک! جو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چل رہا ہے۔''کشفہ ''یعنی اس علم کا کشف۔وہ یوں کہ تو اس کا ذوق محسوس کرے گا۔اور اسے کسی مقام پر اتار دے گا کیونکہ تیرا اس علم کو محض سمجھنا جو کشف کے بغیر ہو اور منزلت کے سوا ہو، بے فائدہ اور بیکار ہے۔جیسا کہ کسی اندھے کو اس مکان کا علم ہوتا ہے جس میں وہ رہائش رکھتا ہو۔وہ اس مکان کی تصویر خیالی طریقہ سے اپنے عقل میں رکھتا ہے۔اور اس کی صحیح شکل وصورت اس سے دور ہوتی ہے لہٰذا اس کا اس مکان کے قریب (اندر) ہونا، اس سے دور ہونے کی مانند ہے۔پھر جب اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو جائیں اور وہ اپنی نظروں سے مکان کو دیکھے تو وہ مکان کی شکل وصورت یقیناً اس سے مختلف پائے گا جو اس کے خیالات میں تھی۔اور مکان کی اصل شکل وصورت اس پر منکشف ہو جائے گی۔اور اس کی حقیقت سامنے آجائے گی۔کہ مکان کی ہر چیز کیسی ہے۔پہلے اسے حقیقت کا ''کماھی'' علم اس لئے نہ تھا۔کہ اس کی قوت ادراک اس کے کشف سے کمزور تھی۔پھر جب وہ طاقتور ہوگئی تو اس وقت اس نے وہاں سب کچھ دیکھ لیا۔شاعر کے قول ''فرد'' میں حرف فاء جواب شرط کیلئے ہے اور لفظ ''رد'' وَرَدَ فعل سے امر کا صیغہ ہے۔اس کا معنی پانی وغیرہ پر پہنچنا ہے خواہ اس میں داخل ہو یا نہ ہو۔اور شاعر کا قول ''سبیلی'' کا معنی میرا راستہ وہ جس پر میں چل رہا ہوں۔اور اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔اس میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ سالک کا راستہ ختم نہیں ہوا۔تاکہ وہ رک جائے۔وہ جو اسے نظر آتی ہیں۔وہ تجلیات ہیں اور ان تجلیات کی اعیان میں چھپے راز

ہیں۔ جیسا کہ ناظم قصیدہ جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے ''الکافیہ'' میں فرمایا ہے۔

قَالَ لِیْ کُلُّ حُسْنٍ تَجَلّٰی بِی تَمَلّٰی فَقُلْتُ قَصْدِی وَرَا کَا

اس نے مجھے کہا کہ میرے حسن کی تجلیات سے چاروں طرف بھر گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا میرا ارادہ آگے جانے کا ہے۔

لہٰذا طلب دائمی ہونی چاہئے۔ سیر الی اللہ قائم رہنی چاہئے۔ اور قلب وجگر کے اندر آگے جانے کا عشق لگا تار ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ (النجم)۔ بیشک آپ کے رب کی طرف منتہیٰ ہے۔ یعنی اغیار میں سلوک کے اعتبار سے، عالم اسرار واطوار وادوار میں دخول کے اعتبار سے معاملہ اسی اللہ کی طرف ختم ہوتا ہے اور اس کی طرف سے سالک پر علوم منکشف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ) اور عرض کرو۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما۔ یعنی وہ علم جس کا تعلق تیرے ساتھ ہے اس میں فراوانی اور زیادتی عطا ہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّهٗ لَیُغَانَ عَلٰی قَلْبِیْ وَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ۔ بیشک میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں اور میں یقیناً اللہ تعالیٰ سے رات دن میں سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

عارف کامل حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ''غین'' (بادل) کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے مراد ''انوار کا غین'' ہے۔ اغیار کا غین نہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الدوام ترقی کی جانب گامزن رہتے۔ جب کبھی آپ قلب کے کسی مقام کی طرف ترقی کر کے اس پر تشریف فرما ہوتے تو آپ اس سے پہلے والے مقام کو ''حجاب'' جانتے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار فرماتے۔ اسی طرح آپ کی ترقی نہ ختم ہونے والے مقامات کی طرف جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اس قول میں ارشاد فرمایا۔ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ (الاحزاب:13)۔ ''اہل یثرب'' مدینہ والوں کو کہتے ہیں اور اس سے اشارہ ان لوگوں کی طرف سے جو محمدی وراثت والے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا کہ جس میں ٹھہر جائیں اور وہاں اقامت اختیار کرلیں۔ اور یہ تمکین میں مختلف حالات ہیں پس محمدی وراثت والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت تمام کا مرکز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ﴿۸﴾ (العلق)۔ اور فرمایا۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ (البقرہ:281) اور گزشتہ آیت میں ''منتہیٰ'' کا معنی یہی ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ''سلوک'' تو اس کی دنیا و آخرت میں کوئی انتہا نہیں۔ اس میں لوگ وارد ہوتے ہیں اور اس سے باہر آ جاتے ہیں۔ پھر جاتے ہیں اسی طرح لگا تار آنا جانا رہتا ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کوئی انتہا نہیں۔ اور نہ ہی ازلاً ابداً ان میں تکرار ہے اور شاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''اشرع'' شَرَعَ فی الامر شروعا سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی کسی بات میں غور و خوض کرنا اور داخل ہونا آتا ہے۔ ''فی اتباع'' یعنی میری شریعت کی متابعت۔ ''شریعت'' وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے مشروع و جائز فرمایا۔ اور مذاہب میں سے جو ظاہر اور مستقیم ہو اسے شریعت کہتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ ''شِرْعَةٌ'' ہے۔ کذا فی القاموس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ:48)۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے ایک مستقیم طریقہ بنایا ہے جس پر چل کر ہماری طرف آتے ہو۔ ہر ایک کیلئے الگ راستہ کا مطلب یہ کہ انسانی حالات و احوال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ انسانی احوال کا اختلاف ان کے مسالک و مشارب کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مَشَارِبُنَا شَتّٰى وَ حُسْنُكَ وَاحِدٌ　　وَ كُلٌّ اِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

ہمارے مشارب مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہی ہے اور ہر ایک اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جوہر ۱۳: ''تائیہ کبریٰ'' میں شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَمَنْبَعُ صَدًّا مِنْ شَرَابِ بَقِيْعِهٖ　　لَدَىَّ فَدَعْنِىْ مِنْ سُرَابِ بَقِيْعَتِىْ

اس شراب کا اصل جس کے میٹھے پانی کا منبع اس سے ہے وہ اس جگہ سے نکلتی ہے جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں ہیں۔ وہ میرے پاس ہے۔ لہٰذا تو مجھے تپتی دھوپ میں چٹیل زمین پر نظر آنے والے خیالی دریا (سراب) سے دور رہنے دے۔

شاعر کے قول ''صدا'' صاء مفتوحہ اور دال مشددہ کے ساتھ اصل میں الف ممدودہ سے آتا ہے۔ لیکن یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے مقصورہ پڑھا گیا ہے۔ ''الصحاح'' میں ہے کہ ''صداء'' میٹھے پانی کے کنوئیں کا نام ہے۔ کہاوت کے طور پر کہا جاتا ہے۔ ''ماء ولا کصداء'' پانی تو ہے لیکن میٹھا نہیں۔ ''من شراب'' جار مجرور کا تعلق خبر سے ہے جو محذوف ہے۔ جس کی متبداء ''منبع'' ہے۔ شاعر رضی اللہ عنہ نے ''منبع صداء'' سے ایک میٹھے کنوئیں جس کے میٹھے پانی کو بطور کہاوت بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی

مٹھاس، ٹھنڈک اور تازگی ضرب المثل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے عارف کے دل پر کنایہ مراد لیا ہے وہ یوں کہ عارف ربانی کے دل سے علوم الٰہیہ کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ جس سے ہر اس شخص کو سیرابی حاصل ہوتی ہے جو اس راستہ کا راہی ہوتا ہے۔ لفظ "بقیعہ" کا معنیٰ قاموس میں ایسی جگہ کیا گیا ہے۔ جس میں مختلف درختوں کی جڑیں ہوں۔ "بقیع الغرقد" مدینہ منورہ کے قبرستان کو کہتے ہیں۔ "غرقد" ایک بہت بڑے درخت کا نام تھا۔ یا کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں جب وہ بڑا ہو جائے۔ "بقیع" کا یہ نام اس لئے رکھ گیا کہ جس جگہ یہ قبرستان ہے وہاں اس قسم کے درخت اگتے تھے اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں کئی اور بھی "بقیع" ہیں۔ مثلاً بقیع الزبیر، بقیع الخیل، بقیع الخبجبة، خبجبہ کو خبخبہ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ بھی ایک درخت کا نام ہے۔ قاموس میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ شاعر کے قول "بقیعہ" میں مذکور ضمیر کا مرجع "شراب" ہے۔ یعنی اس شراب کی اصل جس سے میٹھے پانی کا منبع نکلتا ہے وہ اس جگہ اور اس مقام شریف میں ہے جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں ہیں۔ شاعر بقیع الغرقد شریف جو مدینہ منورہ کی مشہور جگہ ہے کہہ کر کنایۃً "حقیقت محمدیہ" مراد لی ہے۔ کیونکہ حقیقت محمدیہ ہی اس شراب کی جگہ ہے۔ جس کا منبع آپ کا قلب انور ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں اور مذکورہ شراب سے مراد وہ روح ہے جو جسم انسانی کے ڈھانچے میں پھونکی گئی۔ پھر شاعر نے اشارہ کیا کہ اس جگہ پر مختلف درختوں کی جڑیں ہیں۔ یعنی تمام انبیاء و مرسلین، اولیاء، صدیقین کے جمیع حقائق کے اصول اسی جگہ سے اگتے ہیں اور اپنے حقائق کی تربیت اور نشوونما اسی سے پاتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے۔ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ خَلَقَ مِنْهُ جَمِيْعَ الْاَشْيَاءِ" سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا پھر تمام اشیاء اس سے پیدا کی گئیں۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق نے اپنے مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْ نِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِكَ النُّوْرَ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَاسَمَاءٌ وَلَاارْضٌ وَلَاشَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَالِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِيْ الْاَرْضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنَ الثَّانِيْ نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِيَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَ تَشَهُّدِهِمْ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کونسی چیز کو پیدا فرمایا؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور خداداد قدرت سے جہاں چاہتا پھرتا رہا۔ اس وقت لوح وقلم، جنت و دوزخ، فرشتہ، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے بنائے گئے پہلے جزء سے آسمان دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت و دوزخ پیدا کئے گئے۔ پھر چوتھے جزء کے چار حصے کئے گئے۔ پھر پہلے جزء سے مومنوں کی آنکھوں کا نور دوسرے سے ان کے دلوں کی نورانیت جو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے تیسرے سے نور جس کی لوگ گواہی دیتے ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیدا کئے۔ الی آخر الحدیث۔

حدیث "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ صحیح ہے۔ اور متعدد اسناد سے یہ روایت بھی آئی ہے۔ "اِنَّ الْمَاءَ لَمْ يُخْلَقْ قَبْلَهٗ شَيْءٌ" بیشک پانی سے پہلے کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی۔ ان دونوں احادیث اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے اول الخلق ہونے میں تعارض اور منافات نظر آتی ہے علامہ موصوف ان منافات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس حدیث (مسند عبدالرزاق والی حدیث) میں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے متعلق "اول الخلق" ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد اولیت حقیقیہ ہے۔ اور جن احادیث میں دوسری اشیاء کا اول الخلق ہونا مذکور ان سے مراد اولیت نسبیہ ہے۔ (یعنی دوسری اشیاء کی بہ نسبت وہ اول ہے۔ لیکن حقیقی اولیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کو ہے) ابن القطان کی حدیث میں ہے۔ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَبِّىْ قَبْلَ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔ میں اپنے رب کے حضور حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار سال پہلے نور تھا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ جَعَلَ ذٰلِكَ النُّوْرَ فِىْ ظَهْرِهٖ فَكَانَ يَلْمَعُ فِىْ جَبِيْنِهٖ فَيَغْلِبُ عَلٰى سَائِرِ نُوْرِهٖ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو وہ نور ان کی پشت میں رکھا گیا۔ پھر وہ نور جب ان کی پیشانی میں چمکتا تھا تو ان کے تمام انوار پر غالب آجاتا تھا۔ اس حدیث کو امام بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''بقیعہ'' یعنی اس شراب کا بقیع۔ ''لدی'' میری پاس ہے۔ اور وہ میری حقیقت ہے کہ جس سے میں انسان کامل ہوں۔ شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنی کتاب ''شرح الوصایا الیوسفیہ'' میں لکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''حقیقت محمدیہ'' کے وارث حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے ہیکل ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے حیات وممات میں ابدی رسول ہیں۔ اس لئے جس نے شیخ کی اطاعت کی۔ اس نے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی ہے۔ کیونکہ شیخ کے ہیکل (ڈھانچے) کی آپ ہی روح ہیں۔ اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو صاحب جمال وجلال بنایا۔ اس طرح معلوم ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور حق کا ''موضع و مقام'' ہیں۔ پھر وہ رسول سے مستغنی ہو گیا۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ پس تیری نظر رسول میں ہوگی۔ پھر رسول غائب ہو جائے گا۔ اب رسول کے غائب ہونے کے بعد ''حق'' باقی رہ جائے گا۔ اور یہ ''نص'' سے ثابت ہے۔ اسی لئے تیری بصیرت سے جب شیخ غائب ہو جائے گا۔ تو صرف ''حق'' باقی رہ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ہی رسول سے متکلم تھا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کے نزدیک حضور اس کی حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ وہ حقیقت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی۔ اس کے اہم واقعات دنیوی اُخروی اور دینی میں اسی کی جلوہ نمائی ہوگی۔

شیخ اکبر قدس سرّہ نے کتاب مذکور میں ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعات (دینی، دنیوی، اخروی) میں حضور، صاحب واقعہ کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی عصمت اور علو مرتبت اسی میں ہے جو اس نے دیکھا ہے۔ کیونکہ بیشک وہ حاضر کے شیشہ سے ہے۔ جسے وہ دیکھتا ہے۔ خود اس کا اپنا آئینہ نہیں کہ جس سے یہ دیکھا گیا ہو۔ اس کی مثل اس نوجوان کا دیکھنا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے دیدار نے ابویزید کے دیدار سے اس کے زعم کے مطابق بے پرواہ کر دیا تھا۔ پھر جب ابویزید حاضر ہوئے اور اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تو جو اس نے دیکھا۔ اس کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پائی۔ اور اسی وقت فوت ہو گیا۔ اب آپ اندازہ کریں کہ کہاں یہ ادراک جو ابویزید کی موجودگی میں حاصل ہوا اور کہاں وہ ادراک جو انفرادی طور پر اسے حاصل ہوا تھا؟ اور یہ بھی دیکھیں کہ کہاں ابویزید اور کہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

ہمیں یہ روایت جناب ابوموسیٰ دیبلی سے ملی کہ ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام دکھا دے۔ ان کو جواب دیا گیا کہ تمہارے اندر اس کی طاقت نہیں ہے۔ یعنی جب نور کے ذریعہ سے تو دیکھتا ہے۔ وہ اس کے ادراک سے قاصر ہے جس کا تو نے سوال کیا ہے۔ باوجود اس کے ''حق'' اس حال میں ان کی ''بصر'' بنا ہوا تھا اور اگر وہ ان کی ''بصر'' بنا نہ ہوتا۔ تو پھر کیا حال ہوتا؟ بہر حال انہوں نے مذکورہ سوال بار بار کیا۔ اور اصرار کیا کہ مجھے ''مقام رسول'' دکھایا جائے۔ ابو یزید خود بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر سوئی کی نوک کی مقدار پردہ اٹھایا گیا۔ لیکن میں اسے بھی برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھ سکا اور میں جل گیا۔ یہ بات حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ''معتاد صورتوں'' میں نہ ہوتو اس کی کسی چیز کا دیدار کرتے وقت کوئی بھی ثابت قدم نہ رہتا۔ لہٰذا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت، ثبات اور عرب کی معرفت میں عالی مرتبت ہونے میں قطعاً شک نہیں رکھتے۔ اس علو ہمت و مرتبت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصحاب کہف کے متعلق جو کچھ دیا گیا اس کے حق میں فرمایا گیا۔ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا (الکہف:18)۔ اگر آپ ان پر مطلع ہوں تو ان سے بھاگ جائیں۔ یعنی اس خوف سے بھاگ اٹھیں کہ کہیں جان نہ نکل جائے۔ وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (الکہف)۔ اور آپ ان کے رعب سے لبریز ہو جائیں۔ یعنی آپ کے دل میں ان کا رعب بھر جائے۔ کیونکہ وہ ایک جماعت ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے ایمان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے ایک خاص حال ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں۔ پس اگر آپ بالجملہ ان پر مطلع ہوتے تو ''امر'' میں خلط ملط پاتے۔ اور ایک مرتبہ دیکھنے میں اختلاف دیکھتے۔ جس سے آپ کو حیرت ہوتی اور ایک نظر دیکھنے میں جو حیرت ہوتی اس سے آپ کو اپنی جان کا خوف ہو جاتا۔ جب جان کا خوف پڑتا تو آپ بھاگنے کی کوشش کرتے اور اس ''امر'' سے آپ کے دل میں ''رعب'' چھا جاتا۔ کیونکہ آپ وہ کچھ دیکھتے جس کے اٹھانے کی آپ کو قدرت نہ ہوتی۔ کیونکہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ حق اور صحیح بنایا ہے اور ایک کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنا آپ کے ضبط میں نہ ہوتا، جس کی وجہ سے آپ حیران ہو جاتے اور رعب سے بھر جاتے۔

تَفَرَّقَتِ الضِّبَابُ عَلَى خِرَاشٍ    فَمَا يَدْرِي خِرَاشٌ مَا يَصِيدُ

بہت سی گوہ مکھی پر آپڑیں۔ پس مکھی نہیں جانتی کہ وہ کس کا شکار کرے۔

شکار کرنے والے میں یہ قوت نہیں کہ تمام کو پکڑ لے اور نہ ہی وہ یہ جانتا ہے کہ ان میں سے ''اولیٰ'' کون ہے تاکہ اس کے شکار کرنے کا قصد کرے اور اس کے سوا دوسروں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عارف محقق شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ''الانسان الکامل'' میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے تمہیں یہ جاننا چاہئے کہ ''انسان کامل'' ایک ایسا ''قطب'' ہوتا ہے جس پر وجود کے افلاک اول سے آخر تک گھومتے ہیں اور وہ جب سے ہے اس وقت سے ابدالآباد تک ایک ہی ہے پھر اس کی پہناوے کے اعتبار سے مختلف اقسام ہیں۔ اس لئے ایک لباس میں ملبوس ہوتے ہوئے جو اس کا نام ہوتا ہے۔ دوسرے لباس میں ملبوس ہوتے وقت وہ نام نہیں ہوتا۔ اس کا اصل نام ''محمد'' ہے۔ اس کی کنیت ''ابوالقاسم'' اس کا وصف ''عبداللہ'' اور اس کا لقب ''شمس الدین'' ہے۔ پھر اس کے دیگر ملبوسات کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں۔ اور اس کیلئے ہر زمانہ میں اس کے لباس کے لائق نام ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات کی۔ اس وقت آپ میرے شیخ شرف الدین اسماعیل جبروتی کی صورت میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ آپ ''نبی اکرم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ ہی میرے شیخ ہیں۔ یہ میرے ان مشاہدات میں سے ہے جو میں نے ۷۹۶ھ میں زبید میں دیکھے۔ اور یہ معنی شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قول ''بقیعہ'' کے زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ اس شعر کے بعد کہے گئے چھ اشعار ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے کہے گئے ہیں جو شاعر رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر تھی۔ تو موصوف رضی اللہ عنہ نے اس کی زبان سے مذکورہ اشعار کہے۔

جوہر ۱۳: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی تشریح میں فرمایا۔

وَ دُوْنَکَ بَحْرٌ خُضْتُهٗ وَقَفَ الْاُلٰی   بِسَا حِلِهٖ صَوْنًا لِمَوْضِعِ حُرْمَتِی

اور تیرے پرے ایک دریا ہے جس میں میں اتر گیا اور اولین اس کے کنارے پر کھڑے رہے۔ ان کا کنارے کھڑے رہنا موضع حرمت کی وجہ سے ہے۔ اس شعر میں لفظ ''الاُلیٰ'' سے مراد السابقون الاولون ہیں۔ علامہ بساطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ ''الاُلیٰ'' اول کا مقلوب ہے۔ جو ''اولیٰ'' کی جمع ہے۔ جیسا کہ اُخریٰ اور آخر ہیں۔ عربوں کا قول ''ذھبت العرب الاول'' اسی سے ہے اور احتمال ہے کہ یہ لفظ اسم موصول ہو۔ جس کا صلہ حذف کر دیا گیا ہو۔ پھر علامہ بساطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ کہ اگر یہ لفظ ''السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کے معنی میں لیا جائے تو اس سے مراد حضرات انبیاء و مرسلین کرام اور ان کے علاوہ ان کے زمانہ کے اولیاء ہوں گے۔ کیونکہ یہ سبھی حضرات اس ''بحر عظیم'' میں داخل نہیں ہوئے۔ جس کا نام جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ انہوں نے آپ کا

زمانہ نہیں پایا۔ اور نہ ہی آپ کی امت میں ان کا شمار ہوتا ہے اور نہ اس حقیقت پر مطلع ہوئے جس پر ناظم (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) مطلع ہوئے۔ اگرچہ ناظم رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہیں۔ وہ حقیقت ''علوم محمدیہ اور حقائق و معارف احمدیہ'' ہے یا پھر ''بحر'' سے مراد بحر توحید ہوگا وہ کہ جس میں اولیاء اور صدیقین داخل ہوئے اور انہوں نے اس کیلئے قرار نہ پایا۔ لیکن حضرات انبیاء و مرسلین کرام اس میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ ان کے علوم، وحی نبوی کے علوم تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اترنے پر موقوف تھے۔ وہ جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا اس کی بارگاہ سے علوم بذریعہ وحی مطلوبہ پیغمبر تک پہنچا دیتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم)۔ وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے۔ وہ صرف وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الزمر)۔ آپ اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی کی گئی۔ اگر بالفرض تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال لازماً ضائع ہو جائیں گے اور تم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں عدم شرک سے مراد توحید ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی گئی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ۔

لہٰذا حضرات انبیاء علیہم السلام ''بحر توحید'' میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اس کے ساحل پر ہی کھڑے رہے اور وحی الٰہی کی متابعت کی وجہ سے ساحل پر ہی ان کا قیام رہا۔ اس لئے کہ انسانی عقول و افکار ان پر کوئی ایسا حکم نہیں لگا سکتے۔ جس کا تعلق ان کے باطن کے ساتھ ہو۔ کیونکہ وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی حاصل کرتے ہیں۔ پس وہ اس بات سے معصوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری چیز ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر داخل ہو سکے۔ حضرات اولیاء کرام کا معاملہ اس طرح نہیں۔ وہ بحر توحید میں الہام ربانی اور فتح الٰہی کی معاونت میں داخل ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی جو باتیں حضرات انبیاء کرام کو حاصل ہوتی ہیں ان کی تلاش و حصول میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ پیغمبروں کے متبع ہوتے ہیں۔ اور علوم پیغمبر میں سے بعض کے حصول کی خاطر بحر توحید میں انہیں داخل ہونا پڑتا ہے۔ لفظ ''خوض'' کا معنی کسی شی میں یکے بعد دیگرے تردد کرنا آتا ہے۔ تاکہ اس تردد سے اس چیز کی معرفت و حقیقت حاصل ہو سکے۔ حضرات اولیاء کرام کو ''بحر توحید'' میں خوض کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی طرف وحی آتی ہے۔ لہٰذا کسی چیز میں غور و

خوض کرنا اور اس چیز کے کنارے پر ٹھہرنا دونوں میں فرق ہے۔ ساحل پر کھڑے ہونے والا کسی چیز کا ادراک تو حاصل کرتا ہے لیکن وہ ادراک جو داخل دریا ہونے سے حاصل ہوتا ہے وہ اور ہے۔ خاص کر جب ہم قرآن کریم میں اس لفظ کے استعمال کو دیکھتے ہیں تو وہاں باطل چیز کے ادراک حاصل کرنے کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ (المدثر)۔ ہم باطل کے پرستاروں کے ساتھ باطل میں گم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا (التوبہ:69) تم بھی باطل میں پڑ گئے جس طرح وہ باطل میں پڑے رہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں باطل تاویلات نکالنے کے درپے ہیں تو ان سے اعراض برتو حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں غور کرنے لگیں (الانعام)۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "خوض" کسی چیز میں "داخل ہونا" ہے۔ پھر اگر یہ خوض خواہش اور نفس کا آئینہ دار ہے تو "باطل" ہے اور اگر فتح الٰہی اور قرآن کریم اور سنت کے معانی میں الہام کی خاطر ہے تو قابل تعریف ہے۔ کیونکہ یہ خوض بالحق ہے بالباطل نہیں۔ اور حضرات اولیاء کرام اور صدیقین کا خوض نفس اور خواہش کے تحت نہیں ہوتا۔ اور حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے ان (نفس و خواہشات) سے ویسے ہی پاک کر دیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا "خوض" ہرگز نہیں ہوسکتا۔

لفظ "الساحل" دریا یا سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں لیکن کنارے کا نام "ساحل" مجازاً ہوگا۔ کیونکہ اس کا "ساحل" خود پانی ہے۔ اس اعتبار سے کنارہ "مسحول" کہلائے گا یا پھر "الساحل" سے مراد "ذو ساحل" ہے۔ (کنارے والا پانی) جب پانی اوپر اٹھتا ہے پھر نیچے چلا جاتا ہے اس مدو جزر کے وقت دریا کے پانی کا زمین سے متصل آخری حصہ کبھی اس حصہ کو ڈبو دیتا ہے اور کبھی وہ سامنے دکھائی دیتا ہے جیسا کہ کسی پھل کا چھلکا اتار دیا جائے۔ بہرحال حضرات انبیاء کرام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو "ساحل" سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ "بحر علم الٰہی" توحید حقیقی کا بحر ہے۔ اور ان انبیاء کرام کا مقام نبوی اس کا ساحل ہے۔ بس ان حضرات کو کسی دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت نہ رہی۔ اور نہ ہی کوئی چیز دھوکا دینے والی باقی رہی۔ بلکہ کل کا کل آداب ربانیہ اور حرمات رحمانیہ ہیں۔ اسی لئے ناظم ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد لفظ "صونا" کہا۔ یہ مفعول لہ ہے۔ یعنی حضرات انبیاء کرام کا ساحل پر ٹھہرنا "صون" کیلئے ہے۔ یعنی جناب الٰہی کے احترام کی حفاظت کی خاطر ہے۔ اس نسخہ میں لفظ "حرمتی" میں حرف یاء متکلم کی ضمیر نہیں ہے۔ لیکن بعض نسخہ جات میں متکلم کی یاء مذکور ہے۔ اس روایت کے اعتبار

سے معنی یہ ہوگا کہ پیغمبروں کا ساحل پر کھڑے رہنا اور بحر توحید میں داخل نہ ہونا میری حرمت کی حفاظت کی بناء پر تھا۔ اب یہ گفتگو بظاہر ابن الفارض کر رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زبان اقدس سے کہی جا رہی ہے۔ اور آپ کی زبان نے "صورت فارضیہ" کا لباس پہنا ہے۔ جو ناظم ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی صورت ہے اور جو حقیقت محمدیہ میں غائب اور فنا ہوگئی ہے۔ اور اعتبار یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس واقعہ میں تشریف فرما تھے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے شعر کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختلف وقائع میں تشریف فرما ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب واقعہ واقعی بلند مقام ومنزلت کا حامل ہے اور اس کی عصمت کی دلیل ہے اور جو کچھ اس نے دیکھا اس کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ والا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ واقعات حاضر کے آئینہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اپنے آئینہ سے نظر نہیں آتے اور ہم نے اس کی مثل شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حدیث نبوی میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَنُوْرَ قُلُوْبِهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں کی نظروں کا نور اور ان کے دلوں کی نورانیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی ہے۔ لہٰذا جب اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے گفتگو کرتے ہیں اور اس وقت وہ اپنی مستعار صورتوں کا لباس اتار پھینکتے ہیں جو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا گیا تھا۔ تو اس وقت ان کے کلام پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی عظیم الشان رسول تشریف لائے۔ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہارے حد درجہ خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور مجسمہ رحمت ہیں۔ (التوبہ:128)

ہم دیکھتے ہیں کہ لکڑی کا بنا ہوا دروازہ اور صندوق اور اسی طرح دیگر اشیاء جو لکڑی سے بنائی گئی ہوں ان میں لکڑی ہی مختلف صورتوں میں ڈھلی ہوتی ہے کہیں دروازہ کی صورت اور کہیں صندوق کی صورت میں نظر آتی ہے اور یہ شکلیں وصورتیں لکڑی کیلئے ایک عارض ہونے والا معاملہ ہے۔ اصل ماہیت اور حقیقت لکڑی کی ہے اور دیکھنے والے کی نظر سے بہت جلد یہ امر عارض زائل اور اوجھل ہوتا ہے۔ اور اس کی بصیرت سے بھی زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ زوال اس وقت ہوگا جب ان کا اعتبار نہ کرے۔ اور اس کے سامنے لکڑی کی ماہیت اور حقیقت ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ تمام مخلوق حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے نور اقدس سے بنائی گئی۔ جیسا کہ یہ بات اس کے اہل حضرات کے ہاں معروف ہے اور احادیث نبویہ سے ثابت و محقق ہے۔ اور اشارات قرآنیہ اس کے اثبات پر شاہد ہیں تو معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زبان فارضی (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) سے گفتگو فرمانے والے ہیں۔ جب ابن الفارض اپنی صورت سے فنا اور حقیقت نوریہ محمدیہ میں بقاء کے درجہ پر فائز تھے۔ وہ حقیقت نوریہ محمدیہ جوان کیلئے مشہود تھی۔ اب ''حقیقت محمدیہ'' کلام کرتے ہوئے گویا ہے کہ ''میں سمندر میں داخل ہوئی اور انبیاء کرام اس کے ساحل پر کھڑے رہے تاکہ اس حضور خاص میں جو میری حرمت اور عظمت ہے اس کی حفاظت وتحفظ ہو'' یہ معانی (مذکورہ کلام ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے) اس مقام ومحل کی شرح کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم پر وارد فرمائے تاکہ اولیاء اور مقربین کرام کے ایسے کلام کو بے معنی یا ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔ یعنی ایسا کلام کہ جس کو سن کر کان اس کلام پر اعتبار نہیں کرتے اور گراں گزرتا ہو۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلام کے معنی ہمیں اور بھی معلوم ہوئے۔ جن کو شیخ عارف کامل تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابی العباس المرسی وشیخہ ابی الحسن'' میں ذکر فرمائے ہیں۔

شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے جناب شیخ ابو یزید رضی اللہ عنہ کے قول ''خُضْتُ بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ'' میں ایسے سمندر میں داخل ہو گیا جس کے کنارے پر انبیاء کرام کھڑے رہے۔ کی تشریح فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے اس قول میں اپنی کمزوری کی شکایت کی ہے اور حضرات انبیاء کرام کے ساتھ الحاق سے عاجزی کا اظہار کیا ہے۔ شیخ موصوف کی مراد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام ''بحر توحید'' میں داخل ہوئے اور اسے عبور کر کے دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور وہاں کھڑے ہو کر دوسرے لوگوں کو وہ ''بحر توحید'' میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں اگر میں بھی کامل ہوتا تو ان انبیاء کرام کی طرح میں بھی ان کے پاس اسی جگہ کھڑا ہوتا جہاں وہ کھڑے تھے۔ شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابو یزید رضی اللہ عنہ کے کلام کی جو یہ تفسیر وتشریح کی ہے یہی تفسیر شیخ ابو یزید کے مقام کے لائق ہے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرات اولیاء کرام نے جو کچھ بھی حضرات انبیاء کرام سے حاصل کیا اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک مشکیزہ شہد سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اس سے ایک چھوٹا سا قطرہ شہد کا ٹپکتا ہے۔ اب جو مشکیزہ میں ہے وہ انبیاء کرام کیلئے ہے۔ اور

جو ٹپکا وہ قطرہ حضرات اولیاء کرام کیلئے ہے۔ حضرات ابو یزید رضی اللہ عنہ شریعت کے مراسم اور احکام کی بہت پاسداری فرماتے تھے۔ یہ بات آپ سے مشہور و معروف ہے اور شریعت کے ادب میں آپ ہر وقت قائم رہے۔ حتیٰ کہ آپ سے ایک حکایت ذکر کی جاتی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک شخص کی ''ولایت'' کی تعریف کی گئی آپ اس کی زیارت کیلئے چل پڑے۔ مسجد میں تشریف لائے اور اس ''ولی'' کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے وہ باہر آیا اور اس نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیا۔ یا ناک و منہ سے نکلنے والی بلغم دیوار پر ڈال دی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور اس سے ملاقات نہ کی۔ فرمایا یہ شخص جو مسجد کے آداب کا خیال نہیں رکھتا۔ آداب شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔ یہ کیسے ممکن کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی حفاظت کرتا ہو؟ (یعنی ولایت کا اہل نہیں)

حضرات اولیاء کرام میں سے بزرگ شخصیات اور صاحبان استقامت سے بعض ایسی باتیں اور بعض ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں۔ جو بظاہر اچھے نہیں ہوتے ہم نے ان افعال و اقوال کا ایسا معنی کیا یا ہمیں ایسا معنی کرنا چاہئے جس سے ان پر شریعت کے آداب کی مخالفت کا الزام نہ آنے پائے۔ ایسا اس لئے کیا گیا یا ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ ہمیں ان حضرت کے بارے میں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ یہ لوگ صاحب استقامت اور حسن طریقت والے ہیں۔ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ ''کسی مسلمان کے ایسے کلام پر برا ہونے کا گمان ہرگز نہ کر جب اس کے معانی بہتر اور اچھے بن سکتے ہوں'' عارف باللہ شیخ جمال الدین محمد ابوالمواہب الشاذلی التونسی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''قوانین حکم الاشراق الی کافۃ الصوفیہ فی جمیع الآفاق'' میں فرماتے ہیں۔ ایک عارف نے کہا ''خُضْتُ بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ'' ''میں ایسے سمندر میں داخل ہو گیا جس کے کناروں پر انبیاء کھڑے رہے'' ہم نے اس کلام کا یہ معنی کیا ہے کہ عارف حضرات ''بحر توحید'' میں پہلے دلیل و برہان کے ساتھ داخل ہوئے اس کے بعد انہوں نے اس کی رویت (اس کا دیدار) شہود اور اعیان سے کی۔ لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ابتداء وہاں سے ہوئی جہاں عارفین کے قدم رک گئے اور انتہاء ہو گئی۔ والسلام۔

جوہر ۱۴: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے لکھا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِشَارَةٌ لِكَفٍّ يَدٍ صُدَّتْ لَهٗ اِذْ تَصَدَّتْ

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ (الانعام:152) آیت کریمہ اس ہاتھ کی طرف اشارہ ہے۔ جو مقام

محمدی کے حصول کیلئے بڑھا اور اسے روک دیا۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و مرسلین سابقین کی ارواح اور ان کے ورثاء عارفین مقربین کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں کو اشارہ ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک نے اپنا روحانی ہاتھ اس مقام محمدی کو حاصل کرنے کیلئے بڑھایا۔ جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مختص ہے۔ تو وہ اسے حاصل نہ کر سکے گا۔ اور نہ ہی اس تک اس کی رسائی ہو سکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیمانہ زندگی بسر فرمائی۔ کیونکہ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب آپ ابھی اپنی والدہ کے شکم اطہر میں جلوہ فرما تھے۔ اس میں اگرچہ اختلاف علماء بھی ہے۔ سہیلی نے ''روض الانف'' نے لکھا ہے۔ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب آپ ابھی دنیا میں تشریف نہ لائے تھے۔ اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آپ اس وقت پنگھوڑے میں تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر اس وقت دو ماہ تھی۔ بعض نے اس سے زیادہ عمر بھی لکھی ہے۔ انتہی۔ یونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بھی آپ کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا پس آپ نے یتیم ہوتے ہوئے تربیت پائی۔ اور قرآنی آیت (وَ لَا تَقْرَبُوْا الایۃ) کا اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ آیت کا یہ حکم ہر یتیم کیلئے بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی آیات کے معانی غیر متناہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾۔ فرما دیجئے۔ اگر تمام پانی اللہ تعالیٰ کے کلمات (کی تقسیم کرنے) کیلئے سیاہی ہو جائے تو پانی (سیاہی) میرے رب کے کلمات (کی تفسیر مکمل ہونے) سے پہلے ختم ہو جائیگا۔ اگرچہ اس جتنا اور بھی سیاہی بنا کر ہم لے آئیں۔ (الکہف)

اور آیت مذکورہ (وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الایۃ) میں ''مال'' سے ''مقامات محمدیہ'' اور ان ''تجلیات الٰہی'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ''حقیقت احمدیہ'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ہم نے جو کہا ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ مال ''اشارہ'' ہے یعنی رمز اور ایماء ہے اس معنیٰ کی اس میں صراحت نہیں ہے اور مذکورہ مفہوم قرآن کریم کے مخفی معانی کی طرف اشارات میں سے ایک اشارہ ہے اور ناظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس سے قبل ان کے شعر کے معانی کی تائید بھی ہے۔ علامہ قیصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کمال توحید ذاتی آپ کے مقام جمع کے ساتھ اور آپ کے کامل متبعین کے ساتھ خاص ہے۔ پھر ناظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ کی زبان سے اس طرف اشارہ کیا کہ آپ کے

کامل متبعین کو اس بات سے روک دیا گیا کہ ''کمال توحید ذاتی'' حاصل کرنے کیلئے ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ اسی منع کو ''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ'' میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اولین حضرات کے ہاتھوں کو ''توحید ذاتی'' میں تصرف کرنے کیلئے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ وہ مال ہے جو صرف اور صرف ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور آپ کی متابعت میں ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے متابعت کا احسن طریقہ اختیار کیا۔ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے درج ذیل قول میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ مِنْھَا لِآدَمَ الْاَسْمَاءُ

آپ کیلئے عالم الغیب کی طرف سے علوم کی ذات ہے۔ اور آدم علیہ السلام کیلئے اس میں سے صرف اسماء کا علم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ '' آدم اور ان کے علاوہ سبھی کل قیامت میں میرے جھنڈے تلے ہوں گے'''' کف'' عربی زبان میں انگلیوں سمیت ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ ہاتھ کو'' کف'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جسم سے ہر تکلیف دینے والے چیز کو دور رکھتا ہے۔ ''مصباح'' میں اس کے متعلق یہی لکھا گیا ہے اور مشاعر رضی اللہ عنہ کا قول'' صدت'' صاد مضمومہ اور دال مشددہ کے ساتھ ماضی مجہول واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ ''مصباح'' میں ہے۔'' صَدُوْتَهٗ عَنْ كَذَا صَدًّا'' باب قتل ہے اور معنی مَنَعْتُهٗ وصَرَّفْتُهٗ یعنی میں نے اسے روک دیا یا پھیر دیا ہے۔ اور قول شاعر'' لہ'' یعنی لمال الیتیم۔ یتیم کے مال سے روک دیا۔'' مال یتیم'' مقام ذات محمدی سے کنایۃ ہے۔ اور جار مجرور (لہ) تصدت کے متعلق ہے جو شعر کا آخری لفظ ہے مقدم اس لئے لایا گیا۔ تاکہ'' حصر'' کا فائدہ دے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے مال سے نہیں روکا گیا۔ اور شاعر کا قول'' اذ'' حرف تعلیل ہے اور یہ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اذجئتنی لا کرمتک۔ جب تو آیا تو میں تیرا احترام و اکرام کروں گا۔ اس جملہ میں'' آنا'' اکرام و احترام کی علت ہے۔ کذا فی المصباح۔ اور شاعر کا قول'' تصدت'' صاد مہملہ اور آخر میں تاء مکسورہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تاء کا یہ کسرہ'' قافیہ'' کی خاطر ہوگی۔ مصباح میں ہے۔ تصدیت للامر جب تو کسی کام کیلئے فارغ اور آزاد ہو جائے۔ یہ اصل میں'' تصددت'' تھا۔ تخفیف کیلئے دال کو تاء میں تبدیل کر کے ادغام کر دیا گیا ہے۔

جوہر ۱۵: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ'' تائیہ کبریٰ'' کے مندرجہ ذیل شعر کی تشریح میں لکھا۔

وَحَزَ بِالْوَلَا مِيرَاثَ اَعْرَفِ عَارِفٍ   هٰذَا هِمَّهٗ اٰثَارَ تَاْثِيْرِ هِمَّهٗ

اور ''ولا'' کے رشتہ سے ''اعرف عارف'' کی میراث پائی۔ اس کی ہمت ہر وقت آگے بڑھنے میں کوشاں ہیں۔

اس شعر میں ''اعرف عارف'' سے مراد ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ ''انا اعلمکم باللّٰہ و اکثرکم منه خشیة'' میں تم میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا اور تم میں اس کا سب سے زیادہ خوف رکھنے والا ہوں۔ اور ''اعرف عارف'' سے مراد حضرات اولیاء کاملین بھی ہو سکتے ہیں۔ جو صاحبان وراثت محمدیہ ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کی نور محمدی سے پیدا کی گئی صورت کا اتصال ''قربت نسبیہ'' کی تکمیل اور ''رحم انسانی'' کا اتصال مہیا کرتا ہے۔ جو ''عصوبت'' کا درجہ پا لیتا ہے لہٰذا ان حضرات کو وراثت کا حصہ ''فرضی حصہ'' کے علاوہ خود بخود ملتا ہے اور اگر کسی کو ''عصبیت'' کا تعلق نہ ہو تو وہ وارث ایک ''مقررہ حصہ'' حاصل کرتا ہے۔ جنہیں علم فرائض (میراث) میں ارباب واصحاب سہام کہتے ہیں۔ جن کے حصہ جات مقرر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ''وراثت محمدیہ'' پانے والے بھی دو قسم کے کاملین ہوئے۔ ایک عصبہ اور دوسرے ذوی الفروض یہ ورثاء ''مقام محمدی'' میں سے اسی طرح مقررہ حصہ پاتے ہیں جس طرح مقررہ حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے پایا۔ لہٰذا ولی جو وارث مقام محمدی ہوگا۔ وہ ''موسوی محمدی'' یا ''عیسوی محمدی'' وغیر ذالک ہوگا۔ اور شعر کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اس ولی کا میلان اور قصد ہمیشہ یہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھے اور اپنی قلبی ہمت کی تاثیر کو اختیار کرے۔ اور ارادہ ربانیہ کو اس طرف متوجہ کرے جس طرف وہ افعال سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے اور ہر چیز میں صدق حال سے فیصلہ کرے۔ پس غیر اللہ کا نہ قصد کرے نہ اس کی طرف میلان رکھے۔ جس کی صفات اس کی صفات کے ظہور سے ظاہر ہوئیں۔ اور اس پر اس نے اپنے اسماء حسنیٰ روشن کئے۔ جو اس کے تمام حالات میں ان کے اسم عینی سے روشنی پاتا ہے۔ پھر اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ اس کی انسانی صفات اس کے رب کی صفات کا سایہ ہیں جو منزہ اور عالی صفات ہیں اور وہ جان جاتا ہے کہ اس کے مختلف عرضی نام اس کے رب کے روشن اسماء حسنیٰ کا ظلال و پرتو ہیں۔ پھر اس کی تقدیری ذات رب کی حقیقت وجودی ذات میں منعدم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ان ظلال سے مستغنی ہو جاتا ہے جو مرادات و معلومات الٰہیہ کے تشخص سے قائم ہوتے ہیں اور یہ استغناء علم باری تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق ہوتا ہے۔ پھر اس پر غیب مطلق (اللہ تعالیٰ) ظاہر ہو جاتا ہے اور حق محقق اس پر آشکارا ہو جاتا ہے اور یہ ظہور اس کے اسماء صفات اور

ذات سب سے بیک وقت ہوتا ہے جو دراصل اسکے رب کی ذات صفات اور اسماء کے ظلال ہیں۔ یعنی ان کے آثار تقدیر یہ ہیں اور عدمیہ امکانیہ تصویرات ہیں۔ پس اس مقام پر پہنچ کر بندہ بالکلیہ مٹ جاتا ہے اور حقیقت اسی طرح تحقق ومحقق ہو جاتی ہے جس طرح وہ اس سے پہلے بارگاہ عالیہ میں تھی۔ اب جاہل لوگ اس حال میں پڑے اللہ تعالیٰ کے بندے سے وہی کچھ دیکھتے ہیں جو اس کے اس حال میں پہنچنے سے پہلے دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ عدم معرفت کی وجہ سے وہ ان سے حجاب میں ہے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ خود ان کے نفوس کیا ہے پھر اس حال میں اللہ کا بندہ اپنی گواہی دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۤئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور قائم بالقسط صاحبان علم نے بھی گواہی دی کہ صرف وہی اللہ معبود برحق ہے، جو غالب حکمتوں والا ہے (آل عمران)۔ یہ ہے وہ مقام جسے "مقام محمدی" اور "میراث احمدی" کہتے ہیں۔

جوہر ۱۶: "تائیہ کبریٰ" میں ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رقمطراز ہیں۔

وَاَنْتَ عَلٰى مَا اَنْتَ عَنِّيْ نَازِحٌ     وَلَيْسَ الثُّرَيَّا لِلثَّرٰى بِقَرِيْبَةٍ

اور اے سالک! تو جس مقام پر بھی ہے، مجھ سے بہت دور ہے۔ اور ثریا (ستارے) زمین کے قریب نہیں ہیں۔

"انت" تو یعنی اے وہ سالک! جو مذکورہ مقام اتحاد تک پہنچنے والا ہے۔ "علی ما انت" یعنی مرتبۂ علم وعمل اور حال میں تیرے کمال کے اظہار کے سبب سے، صفات حق تعالیٰ اور اس کے اسماء حسنیٰ کے ظہور کی غایت سے موصوف ہوتے ہوئے ایسا کہ تو "ربانی" ہو گیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔ اور لیکن ربانی ہو جاؤ۔ یعنی رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاؤ۔ اپنے نفس کی طرف منسوب ہو کر "نفسانی" نہ بنو اور شاعر کا قول "عنی" یہ خبر مقدم ہے۔ اس کی مبتداء "نازح" ہے۔ "نازح" کا معنی بعید ہے۔ یہ نزح سے مشتق ہے۔ بروزن مَنَع اور ضَرَب آتا ہے۔ کذا فی القاموس۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام "حقیقت محمدیہ" کا بعینہ کلام ہے جو تمام ارواح کی روح ہے جیسا کہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔ کان خلقه القرآن۔ آپ کا "خلق" قرآن ہے۔ شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کے درج ذیل اشعار بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

أَنَا الْقُرْآنُ وَالسَّبعُ الْمَثَانِي وَ رُوحُ الْأَرْوَاحِ الْأَوَانِي
فُؤَادِي عِنْدَ مَحْبُوْبِي مُقِيْمٌ يُنَاجِيْهِ وَ عِنْدَ كُمْ لِسَانِي

میں ہی قرآن اور سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) ہوں۔ میں ہی تمام روحوں کی روح ہوں۔ برتنوں کی روح نہیں۔ میرا دل میرے محبوب کے ہاں مقیم ہے۔ اس سے مناجات میں مشغول ہے۔ اور تمہارے پاس میری زبان ہے۔

شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی غرض اس سے یہ ہے کہ ''سالکین'' جس کیفیت میں بھی ہوں اگر چہ وہ اعلیٰ مقامات پر پہنچ چکے ہوں۔ بلند درجات پر فائز ہو چکے ہوں تب بھی کوشش وسعی کرنے سے ''عین محمدیہ'' تک ان کی رسائی ناممکن ہے اور ''حقیقت احمدیہ'' سے تحقق ممکن نہیں۔ اس مقام کی معرفت بھی سمجھ سے بالاتر ہے چہ جائیکہ اس کا حقیقت میں حاصل کرنا ممکن ہو۔ خواہ وہ مرتبہ وجود میں ہو یا مرتبہ ایجاد میں ہو۔ اور شاعر کا قول ''لیس الثریا'' میں لفظ ثریا اصل میں ''ثروی'' تھا۔ کہا جاتا ہے ''اِمْرَأَةٌ ثُرْوِی مُتَمَوِّلَةٌ'' بہت مالدار عورت۔ اور ''ثریا'' اس کا اسم تصغیر ہے۔ ستاروں کے ایک گچھ کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اس میں ستاروں کی کافی تعداد ہونے کے ساتھ جگہ بہت تنگ ہوتی ہے۔ ذَكَرَهُ فِي الْقَامُوْسِ۔ اور قول شاعر ''لِلثَّرٰی'' ثری کا معنی مٹی ہے۔ اور ''بِقَرِيْبَةٍ'' لَيْسَ کی خبر ہے اور اس پر حرف باء تاکید کیلئے ہے۔ کیونکہ مقام صفاتی اور اسمائی اور مقام ذاتی الٰہی کے درمیان فرق ہے جیسا کہ اس کی طرف صاحب ہمزیہ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے ''حقیقت محمدیہ'' کو خطاب کر کے کہا ہے۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالَمِ الْغَيْــــبِ وَ مِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْـــــمَاءُ

عالم الغیب کی طرف سے آپ کو ذات کا علم ملا۔ اور آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم ملا۔

جوہر ۱۷: ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول کی تشریح میں عارف نابلسی فرماتے ہیں۔ جو ان کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کا ایک شعر ہے۔

وَقَدْرِي بِحَيْثُ الْمَرْءُ يَغْبِطُ دُوْنَهُ سُمُوًّا وَلٰكِنْ فَوْقَ قَدْرِكَ غِبْطَتِي

میری قدر و وجاہت مقام الٰہی میں اتنی بلند ہے کہ جو شخص اس سے ادنیٰ درجہ پر کھڑا ہے وہ اس کی بلندی پر حسد کرتا ہے اور لیکن میرا حسد تیری مقدار اور تیرے مقام سے کہیں اوپر ہے۔

درج بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ میری وجاہت اور قدر و منزلت مقام الٰہی میں اس مکان پر ہے جو نہایت عالی ہے۔ جس کے حصول کا ہر وہ شخص حسد کرتا ہے جو اس سے ادنیٰ درجہ پر متمکن ہے۔ اس کا حسد

اس شخص کی بلند و بالا جگہ پر قیام کی فضیلت پر ہے۔ اس کے بعد شاعر کا قول ''ولکن'' یہ ماقبل سے استدراک ہے۔ ''فوق قدرک'' بمعنی تیری مقدار کہ جس میں تو ہے اور تیری رفعت کہ جس کو تو نے حاصل کیا۔ ''غبطتی'' یعنی میرے مقام کے حصول کا حسد اور تمنا جو مجھ سے الگ نہیں ہو سکتا۔ یعنی تو بیشک ان لوگوں میں سے ہے جو میرے مقام کی معرفت ہی نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ اس پر رشک و حسد کریں۔ اور اپنے لئے اس کے حصول کی تمنی کریں۔ کیونکہ ''مقام محمدی'' جامع ہے۔ اور ''میراث احمدی'' منور ہے۔ جسے انبیاء کرام اور اولیاء عظام میں سے اکابر و کامل حضرات ہی پہچان سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کا حسد اور تمنا صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں۔

شاعر کا یہ کلام بھی ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے ہے۔ اور ''حقیقت الٰہیہ'' کے غلبہ کے ظہور کی وجہ سے ''مقام غیریت'' سے الگ اور مجرد ہو کر یہ کلام کہا گیا ہے۔

جوہر ۱۸: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے ایک شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

فَسَمْعِي كَلِيْمِيٌّ وَ قَلْبِي مُنَبَّأٌ بِاَحْمَدِ رُؤْيَا مَقْلَةٌ اَحْمَدِيَّةٌ

میرے کان مجھ سے کلام کرنے والے ہیں۔ اور میرا دل مطلع کیا گیا ہے ایسی رویت یا ایسے خواب پر جو قابل حمد ہے اور وہ احمدی آنکھ سے ہوا۔

''فَسَمْعِي'' یعنی وہ باتیں جو میں قوت روحانیہ امریہ کی مدد سے سنتا ہوں۔ اور میں انسانی جسمانی نشاۃ کے طریقہ سے سنتا ہوں۔ اور قول شاعر ''كَلِيْمِيٌّ'' یاء مشدد و مرفوعہ کے ساتھ جو نسبت کی یاء کہلاتی ہے۔ ترکیب میں یہ ''سمعی'' کی خبر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ بیشک میرے کان مجھ سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس مفہوم کا ماخذ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ قول مبارک ہے جو اس حدیث میں منقول ہے جس میں متقرب بالنوافل کے بارے میں ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ۔ میں اس کے کان ہو جاتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے۔ پس وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں اس کا کلام سنتا ہوں۔ شیخ اکبر قدس اللہ سرہ نے فرمایا۔

يَا مَنْ تُخَاطِبُهُ حَقِيْقَةُ ذَاتِهٖ فِي غَيْرِهٖ لٰكِنَّهٗ لَا يَعْلَمُ
وَهُوَ الْمُخَاطِبُ ذَاتَهٗ فِي ذَاتِهٖ وَهُوَ الْمُكَلِّمُ عَنْهُ وَالْمُتَكَلِّمُ

اے وہ شخص! جس سے اس کی ذات کی حقیقت خطاب کرتی ہے جو اس کے غیر میں ہے لیکن وہ نہیں جانتا اور وہی اپنی ذات میں اپنی ذات سے مخاطب ہے وہی ہے جس کے بارے میں گفتگو کی گئی

اور وہی خود گفتگو کرنے والا بھی ہے۔

مَرَاتُکَ الْاَ کْوَانُ فِیْهَا نَاظِرٌ    مَا اَنْتَ فِیْهِ مُنِیْرٌ اَوْ مُظْلِمٌ

ساری کائنات تیرا آئینہ ہے اس میں دیکھنے والا ہے وہ جس میں تو ہے۔ خواہ وہ روشن ہو یا اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہو۔

لہٰذا شاعر رضی اللہ عنہ کے کلام کا معنی یہ ہوا۔ کہ میرے کان کلیمی یعنی موسوی ہیں۔ جو میری ربانی حقیقت کا کلام سنتے ہیں اور انسانی نشأۃ کے طریقہ سے سنتے ہیں۔ ''قَلْبِیْ مُنَبَّأٌ'' میں لفظ منبأ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ''خبر دیا گیا'' ہے اور یہ نَبَأَہٗ بمعنی اخبرہ سے مشتق ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ یعنی علوم الٰہیہ اور معارف ربانیہ کی اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو خبر دی۔ اور قول شاعر ''بَاَحْمَدِ رُؤْیَا'' یعنی ایسی رویت (دیکھنا) جو بہت زیادہ قابل تعریف ہو یا ایسا رؤیا (خواب) جو قابل تعریف ہو۔ لفظ ''رؤیۃ'' رأیت الشی رؤیۃ کا مصدر ہے''۔ اس کا معنی میں نے اسے سر کی آنکھ سے دیکھا۔ آنکھ کا دیکھنا یہ کہ کسی چیز کا آنکھ معاینہ کرے۔ اور لفظ ''رؤیا'' کا اطلاق خواب میں دیکھنے پر ہوتا ہے۔ اس کا وزن ''فُعْلٰی'' ہے جو الف تانیث کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ کذا فی المصباح۔

امام راغب نے مفردات میں فرمایا۔ ''رؤیا'' وہ ہے جو خواب میں دیکھا جائے اور اس کا وزن فعلی ہے بعض دفعہ ہمزہ کو مخفف کر دیا جاتا ہے اور اسے پھر ''واؤ'' کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مروی ہے۔ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا۔ نبوت کی مبشرات میں سے اب سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ (الفتح:27)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا۔ اسے لوگوں کی آزمائش بنا دیا۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ جن لوگوں کا نظریہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج حالت خواب میں تھا۔ انہوں نے اس آیت میں مذکور لفظ ''رؤیا'' کو دلیل بنایا ہے۔ اور جن لوگوں نے معراج کو جاگتے ہوئے کرنے کا نظریہ رکھا ہے وہ اس ''رؤیا'' کی تفسیر ''رؤیۃ'' (بمعنی سر کی آنکھ سے دیکھنا) سے کرتے ہیں۔

شیخ نجم الدین الغیطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''کِتَابُ الْاِبْتِهَاجِ بِالْاَسْرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ'' میں لکھا ہے۔ جمہور مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اسراء اور معراج دونوں ایک رات میں روح اور جسم کے ساتھ جاگتے ہوئے ہوئے۔ خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس

وہاں سے ساتوں آسمانوں پر پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر جہاں اللہ نے چاہا وہاں آپ جاگتے ہوئے تشریف لے گئے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا۔ حق بھی یہی نظریہ ہے۔ اور اس پر آیت بھی اور اخبار صحیحہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ''اسراء'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے ساتھ اور خواب کی حالت میں تھی۔ یہ مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اس آیت میں لفظ ''رؤیا'' مذکور ہے اور اس کا اطلاق ''خواب میں دیکھنے'' پر ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ کے علاوہ بعض احادیث کا ظاہر معنی بھی امر مذکور پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے۔ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ میں سو رہا تھا۔ جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔ یہ مذہب (خواب میں معراج کرنا) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ فرماتی ہیں۔ مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اِنَّمَا اُسْرِىَ بِرُوْحِهٖ۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر گم نہ پایا۔ آپ کو معراج روحانی طور پر کرائی گئی۔

آیت مذکورہ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ ''رؤیا'' بعض دفعہ خواب میں دیکھنے کی بجائے ''جاگتے ہوئے دیکھنے'' میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'' اس کی تائید کرتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''رؤیا'' آنکھ سے دیکھنا تھا۔ اس لئے کہ خواب میں ایسی باتیں دیکھنا ''آزمائش'' نہیں بنتا۔ اور نہ ہی اس کی کوئی تکذیب کر سکتا ہے۔ اور حدیث پاک ''اَنَا نَائِمٌ الخ'' کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب فرشتہ آپ کے پاس لے جانے کیلئے آیا تو اس وقت آپ آرام فرما رہے تھے۔ پھر فرشتہ نے آپ کو جگایا۔ یہ معنی نہیں کہ آپ لگاتار سوتے رہے اور معراج سوتے میں ہی کرا دیا گیا۔ رہا یہ کہ آپ کا ارشاد ''فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' اس کا معنی یہ ہے کہ میرا دل ملکوت کے عجائب کا مشاہدہ کرنے میں جو مشغول رہا۔ اور عالم الملک میں گیا تو اس حالت میں افاقہ اسے جب ہوا اور میں حالت بشریت میں واپس آیا تو اس وقت میں مسجد حرام میں تھا۔ علاوہ ازیں جس حدیث پاک میں لفظ ''نوم'' مذکور ہے وہ کمزور ہے۔ کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی ''شریک'' میں اضطراب ہے۔ اور اس کا حافظہ بھی کمزور تھا۔ بعض دفعہ حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کر دیتا تھا۔ تقدیم وتاخیر کر دیتا تھا۔

اور جو حدیث ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ

روایت ایسی سند کے ساتھ مروی نہیں جو حجت و دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ بلکہ اس کی سند میں "انقطاع" ہے۔ اور راوی مجہول ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کی بیوی کی حیثیت میں نہ تھیں۔ اور نہ ہی ان کی عمر اس قدر تھی کہ اتنی عمر میں مختلف باتوں کو ضبط (یاد) رکھا جا سکے۔ اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ "اسراء" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے ایک سال بعد ہوا۔ تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ جب آپ نے یہ واقعہ دیکھا اور پایا ہی نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ واقعہ بعد میں کسی نے بتایا ہوگا۔ لہٰذا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ جبکہ حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کی خبر اس کے خلاف موجود ہے۔

ایک جماعت جن میں حضرت ابو شامہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں کا مذہب ہے کہ "اسراء اور معراج" ایک سے زائد مرتبہ ہوئے۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل اخذ کی جسے بزاز وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ اس روایت میں واقعہ معراج اس سے مختلف ہے جو مذکور ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا واقعہ خواب میں ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ وہ معراج جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اور ہر آسمان والے کا یہ سوال کرنا کہ کیا آپ اس کی طرف بھیجے گئے ہیں؟ اور پانچ نمازوں کا فرض کیا جانا وغیرہ ذالک۔ یہ ایک سے زائد مرتبہ ہو۔ ان باتوں کا جاگتے ہوئے بار بار ہونا کچھ عجیب سا نظر آتا ہے۔ اور اگر خواب پر محمول کیا جائے تو اس پر اعتراض نہیں آتا۔ لہٰذا بعض روایات کو دوسری بعض کی طرف لوٹانا متعین ہے۔ اور بعض کو بعض پر ترجیح دینا لازم ہے۔ وہ یوں کہ یہ (اسراء اور معراج) واقعہ خواب میں ہوا۔ پھر اسی کے مطابق جاگتے ہوئے بھی ہوا۔

ایک اور جماعت جن میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کا موقف یہ ہے کہ "اسراء" دو مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ سوتے ہوئے اور دوسری مرتبہ جاگتے ہوئے۔ اسی پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں جزم فرمایا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "اسراء" خواب میں ہوا۔ وہ جاگتے ہوئے ہونے والے "اسراء" کا پیش خامہ تھا اور اسے آسان کرنے کی خاطر تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی ابتداء "سچے خوابوں" سے ہوئی۔ تا کہ بعد میں پیش آنے والا "امر نبوت" آسان ہو جائے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا کام اور ذمہ داری تھی جس کو برداشت کرنے سے انسانی قوتیں کمزور ہوتی ہیں۔ یونہی "اسراء" کا معاملہ بذریعہ خواب آپ پر آسان کر دیا گیا۔ پھر جاگتے ہوئے اسی طرح یہ

واقعہ ہوا جس طرح خواب میں دکھایا گیا۔ کیونکہ اس کی دہشت بھی بہت عظیم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آسانی، مہربانی اور نرمی فرمائی۔

شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''مقلۃ'' مضاف الیہ ہے اور ''مقلۃ'' آنکھ کا وہ حصہ جہاں آنکھ کی سپیدی، سیاہی اور دائرہ جمع ہوتے ہیں۔ اس کی جمع مقل بروزن صُرَ د ' ہے۔ کذا فی القاموس۔ اور شاعر کا قول ''احمدیہ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی ''احمد'' کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج رب ذوالجلال کا دیدار کیا ہے۔

علامہ نجم الدین الغیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام وسلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا شب معراج حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا اپنے سر کی آنکھوں سے دیدار کیا یا نہیں؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب انور سے دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مشہور ہے۔ حضرت اُبی سے بھی ایسی روایت آئی ہے بہت سے محدثین اور متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب کا یہی مذہب ہے کعب احبار، امام زہری اور ان کے ساتھی معمر وغیرہ حضرات کا بھی یہی موقف ہے۔

جناب حسن سے روایت ہے۔ وہ قسم اٹھایا کرتے تھے کہ جناب امام محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا یہی موقف ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اکثر علماء کا راجح موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ جس کی سند صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''رایت ربی عزوجل'' میں نے اللہ عزوجل کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سند صحیحہ کے ساتھ طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے۔ نَظَرَ مُحَمَّدٌ اِلٰی رَبِّهٖ مَرَّتَیْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَ مَرَّةً بِفُؤَادِهٖ۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے رب کا دو مرتبہ دیدار کیا ایک مرتبہ اپنی آنکھ اور دوسری مرتبہ اپنے دل سے۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ خلاصہ اور حاصل کلام یہ ہے۔ ان حضرات کے قول کے درمیان تطبیق وتوفیق ممکن ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اسراء اور معراج حالت بیداری میں ہوا۔

اوران کے قول کے درمیان جواس کے خواب میں ہونے کے قائل ہیں اوران حضرات کا قول جوحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب کو دیکھنا خواب میں یا حالت بیداری میں کہتے ہیں۔ یا وہ جو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج آپ نے جبرئیل کو دیکھا یا اپنے رب کی آیات (نشانیاں) دیکھیں۔

توفیق یوں ہوسکتی ہے کہ "بیداری اور نیند" جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے وہ اور جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔ دونوں درحقیقت مختلف ہیں۔ یونہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی "بیداری اور نیند" بقیہ انسانوں سے مختلف ہیں۔ کیونکہ آنکھ کا ادراک دراصل دل کے ادراک کے تابع ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اور حضرات انبیاء کرام کے درمیان مشترک ہے اور حضرات انبیاء کرام کے دل نہیں سوتے۔ اگر چہ ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سوتے تھے تو نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور حضرات انبیاء کرام کے خواب "وحی" ہوتے ہیں ان کی طرف خواب میں بھی اسی طرح وحی آتی ہے جس طرح حالت بیداری میں آتی ہے۔ لہٰذا حضرات انبیاء کرام کے خواب ہمارے جاگنے کی طرح ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی نیند کی حالت ہماری طرح بظاہر آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی کے قصہ میں سو گئے تھے اور آپ کو نہ صبح دکھائی دی اور نہ دھوپ کیونکہ ان چیزوں کا ادراک آنکھ سے ہوتا ہے اور آپ کی آنکھیں بظاہر بند تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے واقعہ کو "خواب" کہا۔ اور فرمایا۔ "رُؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ" اور یہ بات ہماری بہ نسبت "بیداری" ہے۔ اور یہ خواب ہمارے خوابوں کی طرح نہیں۔ اور یہ سونا ہمارے سونے کی طرح نہیں۔ اسی اسراء اور معراج کے بارے میں دوسری مرتبہ خبر جو آئی ہے وہ یہ کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا۔ اور وہ "رویت" ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔) "رؤیا" نہیں۔ (یعنی خواب نہیں) اس لئے کہ وہ بیداری تھی جس طرح ہماری بیداری ہوتی ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ "میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس گم نہ پایا" اس روایت کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم شریف متعدد ہو گیا ہو۔ جیسا کہ ابدال کے جسم متعدد ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء کرام کے اجسام کا متعدد ہونا ثابت ہے۔ جب اولیاء کرام کے اجسام میں تعدد ثابت ہے تو حضرات انبیاء کرام کے اجسام کا متعدد ہونا کیسے ناممکن ہوگا۔

رہا یہ اختلاف کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار وہ "ذات الٰہیہ" کا دیدار تھا یا کائنات کی صورتوں میں اسماء اور صفات متجلیہ کا دیدار تھا۔ جو مظہر کی رویت ہے نہ کہ ظاہریت کی۔ تو جس نے رویت باری تعالیٰ کا انکار

کیا اس کی مراد دیدار ذات سے انکار کرنا ہے جو اسماء اور صفات سے مجرد ہو۔ اور جس نے دیدار کا اثبات کیا اس کی مراد اسماء وصفات کی تجلیات کے مظاہر کا دیدار ہے۔ اس مظہر کا نام جبرئیل کہیں یا آیات اللہ یعنی اس کے وجود کی نشانیاں کہیں۔ بات فی نفسہ ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

جوہر ۱۹: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ "تائیہ کبریٰ" کے درج ذیل شعر کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ رُوْحِی لِلَا رْوَاحِ رُوْحٌ وَ كُلَّمَا　　　تَرٰی حُسْنًا فِي الْكَوْنِ مِنْ فَيْضِ طِيْنَتِيْ

اور میری روح تمام ارواح کی روح ہے اور تو جب بھی کائنات کی کوئی حسین چیز دیکھے گا تو اس کا حسن میری اصل سے ہے۔

یہ کلام "مقام محمدی" میں سے ہے اور "حقیقت محمدیہ" کی زبان سے کہا گیا ہے کیونکہ شاعر رضی اللہ عنہ نسب اصلی نوری کی وجہ سے اس کے احوال کے عصبی وارث ہیں۔ کیونکہ تمام کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ تو جب شاعر رضی اللہ عنہ کی نشاۃ "حقیقت اولیہ" کی نشاۃ میں گھل مل گئی اور غیریت کی صورتوں کے نشانات مٹ گئے تو "حقیقت محمدیہ" نے خیالی ماہیت کی زبان سے گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ:128)۔ تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل قیامت میں "امتی امتی" کہیں گے جبکہ دیگر انبیاء کرام "نفسی نفسی" پکاریں گے۔ آیت مذکورہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول سابق اس خفی راز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "رُوْحِی لِلَارْوَاحِ رُوْحٌ" یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تمام ارواح کی اصل ہے۔ وہی "قلم اعلیٰ" ہے اور آپ کا نفس "نفس النفوس" ہے۔ جو "لوح محفوظ" ہے۔

اس کی مانند شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کا شرح وصایا یوسفیہ میں قول مذکور ہے۔ فرماتے ہیں۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثائے روحانی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے هیاکل (ڈھانچے) ہیں۔ لہٰذا آپ ابدی رسول ہیں۔ خواہ حالت حیات میں ہوں یا حالت وصال میں۔ پس جس نے شیخ کی اطاعت کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی۔ کیونکہ آپ اس کے ڈھانچے کی روح ہیں۔ اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالیت کا مظہر ہیں

اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے ظہور کا مقام ہوں گے۔ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''کلما تریٰ'' اس سالک کو خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور لفظ ''حسنا'' تریٰ کا مفعول بہ ہے یعنی تو خوبصورت چیز دیکھے گا اور ہر چیز جو تکوین میں دائرہ میں داخل ہے وہ اس اعتبار سے نظر کو بھاتی ہے کہ اس کا صدور اس کے خالق سے ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ (السجدہ:7)۔ وہ اللہ جس نے ہر چیز کو اس کی خوبصورت بناوٹ بخشی اور حدیث پاک میں وارد ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ الْحُسْنَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے خوبصورتی لکھ دی ہے۔ رہا کسی چیز کا قبیح ہونا تو اس کی یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ محض اس چیز کو دیکھا جائے۔ (خالق کی طرف خیال نہ جائے) تو فی نفسہ کسی چیز میں قباحت ہو سکتی ہے یا پھر قباحت کسی دوسری چیز کو دیکھ کر ہوگی۔ یعنی دوسری کی بہ نسبت خوبصورت نہیں فی نفسہ خوبصورت ہوگی۔

اہل سنت کے نزدیک اشیاء میں ''قبح'' حکم شرعی ہے جس طرح ''حسن'' بھی حکم شرعی ہے ہر چیز میں اصل یہی ''حسن'' ہے۔ اسی لئے اشیاء میں اصل کے اعتبار سے ''اباحت'' ہے کیونکہ اشیاء میں باعتبار اصل ''حسن ہے''۔ اور ''تحریم'' بعد میں کسی چیز پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے آجانے سے چیز میں ''قباحت'' آجاتی ہے۔ لیکن یہ ''قباحت'' بھی محض اس چیز کی ذات کے پیش نظر ہوتی ہے اور اگر اس کے خالق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر کسی چیز میں ''قباحت'' نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا (البقرہ:29)۔ وہ اللہ جس نے تمہارے فائدے اٹھانے اور نفع کیلئے زمین اور اس کی تمام اشیاء پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء پیدائش کے اعتبار سے ایسی ہیں کہ ان کو استعمال میں لا کر نفع اٹھانا جائز ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نصوص قطعیہ اور ظنیہ سے جسے حرام کر دیا وہ حرام ہو گئی۔

حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''طینتی'' مضاف الیہ۔ یہ لفظ ''طین'' سے ماخوذ ہے۔ ''طین'' پانی میں گوندھی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر سے کنایہ ہے۔ تو جس طرح تمام ارواح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح سے بنائی گئیں۔ پھر انہیں ان کے اجسام میں پھونکا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی روح ہیں جو سب سے پہلی ''مخلوق'' ہے۔ آپ کی روح کی اللہ تعالیٰ کی اضافت (روح اللہ) شرافت و کرامت کی اضافت ہے۔ جس طرح ناقۃ اللہ، ارض اللہ، بیت اللہ اور عبداللہ وغیرہ میں اضافت تشریفی ہے۔ یونہی کائنات میں تمام حسین وجمیل اجساد و اجسام یعنی جن میں حسن ان کے خالق کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا

ہے۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے فیض سے ہیں۔ جو چاروں طبیعتوں حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کا منشاء ہے۔ یہ چاروں طبیعتیں چار عناصر سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس چاروں طبیعتوں کا منشاء ہے اسی طرح چاروں عناصر کا بھی وہی منشاء ہے۔ جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ملتا ہے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ۔ میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے مابین تھے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب نہ آدم تھے نہ پانی اور مٹی اور نبی وہی ہوتا ہے جس کے روح کے ساتھ جسم بھی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تمام ارواح کی اصل اور آپ کا جسد اقدس تمام اجساد کا اصل ہے۔

مندرجہ بالا حقیقت کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جس میں ''انتقال نور'' کا ذکر ہے یعنی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور رکھا گیا۔ پھر وہاں سے منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہیں۔ پھر وہاں سے آپ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ نور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک اور جُسد اطہر کا مادہ تھا۔ ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ایک رحم سے دوسرے رحم میں آتا رہا۔ یہ تمام پشتیں اور رحم ''طیب وطاہر'' تھے۔ حتیٰ کہ عالم دنیا میں اس نے ظہور فرمایا۔ اس کی آمد پر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور ستاروں نے جھک کر سلام عرض کیا۔ اور حی وقیوم کے نور سے زمین چمک اٹھی۔ پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوالارواح اور ابوالاجساد ہیں۔ واللہ لطیف بالعباد۔

جوہر ۲۰: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَذَرْلِیَ مَا قَبْلَ الظُّهُوْرِ عَرَفْتُهٗ  خُصُوْصًا وَبِیْ لَمْ تَدْرِ فِی الذَّرِّ رِفْقَتِیْ

پس میرے لئے تو تسلیم کرلے کہ جو کچھ میرے ظہور سے قبل تھا وہ سب کچھ میرے علم میں ہے۔ یہ خاص مجھے عنایت ہوئی۔ حالت یہ تھی کہ عالم ارواح میں میرے ساتھیوں کو بھی پتہ نہ چلا۔ یہ کلام بھی ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے کیا گیا ہے۔ جو اس کے احوال میں سے ایک حال ہے جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ لہٰذا شاعر رضی اللہ عنہ کے قول ''فَذَر'' میں حرف فا ماقبل کی تفریع کیلئے ہے۔ یعنی جب تو نے معلوم کرلیا کہ میری روح ''روح الارواح'' ہے اور میرا جسم ''جسد الاجساد'' ہے تو پھر تو چھوڑ دے۔

یعنی تسلیم کر لے یقین کر لے۔ اور جھٹلانے اور شک میں پڑنے سے رک جا۔ اور شاعر کا قول "لی" جار مجرور "ذر" کے متعلق ہے اور لفظ "ما" سے مراد وہ حالت جو ظہور سے قبل یعنی میرے دنیا میں میرے مخصوص جسم اور مخصوص روح کے ساتھ ظاہر ہونے سے قبل ہے اور شاعر "عرفتہ" موصول کا صلہ ہے۔ اور ضمیر کا مرجع حرف ما جو موصولہ ہے، وہ ہے۔ اور عرفتہ کا معنی یہ ہے کہ تمام وہ اشیاء جو میرے نوری مادہ سے ہیں یا ہوں گی ان کے تحقق کو تو نے جان لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا أَنْظُرُ إِلٰى كَفِّيْ هٰذَا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا۔ پس میں اس کی طرف اور قیامت تک اس میں ہونے والی تمام مخلوق کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے اس ہاتھ کو دیکھتا ہوں۔ اس روایت کو طبرانی نے ذکر کیا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے۔ فَعَلِمْتُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔ پس اولین و آخرین کو میں نے جان لیا۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "خصوصا" مصدر ہے کہتے ہیں۔ خَصَّهُ بِالشَّيْءِ خَصًّا وَّ خُصُوْصًا وَ خُصُوْصِيَّةً۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذٰلِكَ خُصُوْصًا دُوْنَ غَيْرِيْ مِنْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز خاص طور پر مجھے عطا فرمایا۔ میرے سوا کسی اور کو نہیں ملا۔ اور قول شاعر "وَبِیْ" میں واؤ حالیہ ہے اور جار مجرور "تدری" کے متعلق ہے اور قولہ "لم تدر" یعنی لَمْ تَعْلَمْ بِمَعْنٰى لَمْ تَعْلَمْ بِیْ ہے۔ اور لفظ "فِي الذَّرِّ" یعنی فی "فِيْ عَالَمِ الذَّرِّ" سے مراد وہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ الآیہ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اولاد آدم سے ان کی پشتوں سے آنے والی تمام اولاد سے وعدہ لیا اور انہیں خود ان کی ذاتوں پر گواہ بنایا۔ پوچھا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا۔ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (الاعراف:172)۔ لفظ "ذرّ" دراصل چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کو کہتے ہیں۔ جو کہ ایک سو اگر ہوں تو ان کا وزن بمشکل جو کے ایک دانہ کے برابر ہوگا۔ اس کا واحد "ذرۃ" ہے۔ كَمَا فِي الْقَامُوْسِ۔ اور شاعر کا قول "رِفْقَتِيْ" تَدْرِیْ فعل کا فاعل ہے۔ رفقۃ بروزن ثمامۃ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جن کے ساتھ خود شریک ہوں۔ اس کی جمع "رفاق" بروزن کتاب اور "ارفاق" بروزن اصحاب آتی ہے۔ "رفقۃ" اسم جمع ہے اور اس کی جمع "رفق"، صرد، عنب اور حبال کے وزن پر آتی ہے۔ كَمَا فِي الْقَامُوْسِ۔

شاعر رضی اللہ عنہ نے "رفقۃ" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم جنس لئے ہیں جو آدمی

ہیں۔ اور انسانی آدمی صورت میں ہیں۔ اور وہ چھوٹا ہونے میں چیونٹیوں کی طرح ہیں۔ آپ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ان تمام نے ایک ہی مادہ اور ایک ہی مٹی سے آدم علیہ السلام کی پشت میں نشوونما پائی۔ اور یہ سب اس طینت محمدیہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ خود شاعر رضی اللہ عنہ نے "حقیقت محمدیہ" کی زبان سے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَاِنِّی وَاِنْ کُنْتُ اِبْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً فَلِی فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُبُوَّتِی

اور بیشک میں اگرچہ صورت کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں لیکن اس میں میرے لئے ایک شہادت ایسی بھی ہے جو میرے باپ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ معنی وہی "طینت محمدیہ" ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کی بنائی گئی شکل وصورت جسے قدرت کے قلم نے بنایا وہ لفظ "محمدؐ" کی شکل وصورت پر بنائی گئی ہے۔ آدمی کا سر حرف میم (م) کی طرح گول ہے۔ دونوں بازو حرف "حا" کی طرح ہیں۔ پیٹ دوسری میم کی طرح اور دونوں پاؤں "دال" کی طرح ہیں۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ کسی کافر کو جہنم کی آگ میں اس صورت پر باقی رکھ کر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حروف کی تعظیم واکرام کی وجہ سے ہے۔ بلکہ اس کافر کی صورت تبدیل کر دی جائے گی۔ اور اس کی شکل قبیح اور ڈراؤنی بنادی جائے گی۔ اور اس کا جسم لمبا چوڑا کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ انسانی شکل لفظ "محمدؐ" کے حروف کی طرح بنائی گئی۔ اس سے مراد "خط کوفی قدیم" ہے۔ یعنی رسم الخط کوفی قدیم میں اگر لفظ "محمدؐ" لکھا جائے۔ تو اس کی شکل وصورت انسان کی شکل وصورت کی طرح ہوگی۔

جوہر ۲۱: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا۔

فَلَا عَالَمَ اِلَّا بِفَضْلِی عَالِمٌ وَلَا نَاطِقَ فِی الْکَوْنِ اِلَّا بِمِدْحَتِی

کائنات کی ہر چیز میرے فضل سے ہی جاننے والی بنی ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز میری تعریف کرتی ہے۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "فَلَا عَالَمَ" مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ قاموس میں اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ تمام مخلوق یا آسمان کے نیچے کی ہر چیز "صحاح" میں اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ مخلوق۔ اس کی جمع عوالم ہے اور "عالمون" سے مخلوقات کی اقسام مراد ہیں۔ اور شاعر کا قول "الا بفضلی عالم" میں لفظ "عالم" لام مکسورہ کے ساتھ ہے۔ یعنی علم سے متصف میرے فضل کے سبب ہے اور "فضل" نقص کی

ضد ہے اور ''فضیلت'' فضل میں اعلیٰ درجہ کو کہتے ہیں۔ کما فی القاموس۔ اور وہ ''مقام محمدی'' کا فضل ہے۔ جو ہر فضل کا معاون وممد ہے۔ جو عالم علوی اور عالم سفلی میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام عالم آپ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے آثار میں سے ہے۔ شاعر کا قول ''لا ناطق'' یعنی کائنات میں جو بھی کلام کرنے والا ہے۔ ''مَدْحَتِي'' بمعنی مدح وثناء۔ یعنی کائنات کی تمام اشیاء میری ثناء وتعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس لئے کہ اس مقام محمدی کا مالک آسمان وزمین میں ''محمود'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿١٠٧﴾ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام کائنات کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب تمام کائنات پر، تمام جہانوں پر رحم فرمایا۔ اور ہر ناطق چیز پر مہربانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حم سجدہ:21)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ''بولی'' عطا فرمائی۔ اور ہر ناطق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس رحمت کے سبب جو سب کو شامل ہے۔ زبان حال اور زبان قال سے تعریف کر رہا ہے۔ اور وہ ''مجسمہ رحمت'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

جوہر ۲۲: ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر جو ابھی گزرے شعر کے بعد ہے۔ کی تشریح کرتے ہوئے عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ولا غَرَّ وَاَنْ سُدْتُ الْاَلِي سَبَقُوْا وَقد تَمَسَّكْتُ مِنْ طٰهٰ بِاَوْثَقِ عُرْوَةٍ

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ میں گزشتہ اہل توحید کا سردار ہو گیا۔ جبکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔

''ولاغر'' صحاح میں ہے۔ الغَرُّ وَالْعُجْبُ وَغَرَوْتُ۔ بمعنی میں نے تعجب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ لاغر۔ جس کے معنی لیس بعجب ہے۔ یعنی کوئی عجیب نہیں۔ اور شاعر کا قول ''اِنْ سَدْتُ'' یہ سَادَقَوْمَهٗ يَسُوْدُهُمْ فَهُوَسَيِّدُهُمْ سے ماخوذ ہے۔ اور ''سید'' عربی لغت میں ایسے صاحب جلالت کو کہتے ہیں جو لوگوں کا سردار ہو۔ اور شاعر کا قول ''الالی'' سدت فعل کا مفعول بہ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو زمانہ ماضی میں مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں۔ ان سے مراد اہل جمع وتوحید ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور قول شاعر ''وقد'' میں واؤ حالیہ ہے اور جملہ ''تمسکت الاخر'' محل نصب میں ہے۔ کیونکہ یہ ''سدت'' فعل کے فاعل ''تاء'' حال واقع ہو رہا ہے۔ صحاح میں ہے۔ اَمْسَكْتُ بِالشَّئِي وَ تَمَسَّكْتُ بِهٖ وَاسْتَمْسَكْتُ بِهٖ وَامْتَسَكْتُ بِهٖ ان تمام کا معنی میں نے اس چیز کو مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اور شاعر کا قول ''طٰهٰ'' یعنی طٰہٰ کے دین یا طٰہٰ کی حقیقت جو کہ اس کا نور ہے اور جس سے ہر چیز پیدا کی گئی ہے جیسا

کہ حدیث میں وارد ہے اور "طٰہٰ" ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ طٰہٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ﴿۲﴾ (طٰہٰ)۔ (اے طٰہٰ! ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے)۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ اور "قرآن" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا نازل شدہ علم ہے جو ہر شئی کی صورت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْیَمَ (النساء:171)۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القاء کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ (مریم:34)۔ یہ عیسیٰ ابن مریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ – قَوْلُهُ الْحَقُّ۔ بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہ السلام کی مثل ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا (آل عمران)۔ وہ اللہ کا قول حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اسی طرح مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر اسے کن کہا تو وہ بن گئی۔ لہٰذا اس کا قول اس کا کلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ بیشک اس کا امر جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کن کہتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے (یٰسین)۔ اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ پر نازل فرمایا۔ وہ طٰہٰ جو اصلی نورانی مادہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نور سے بلا واسطہ پیدا کیا گیا۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ۔ نور پر نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے (النور:35)۔ یعنی اس کا نور جو "نور محمدی" ہے۔ اور وہی "واسطہ عظمیٰ" ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾ (البقرہ)۔ اور شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "باوثق" یعنی بہت زیادہ مضبوط۔ قاموس میں ہے۔ "العروہ" ڈول اور لوٹے کا مضبوطی سے پکڑا ہوا حصہ۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ مضبوط رسی سے کسی چیز کو اپنے لئے تھام رکھنا (البقرہ:256)۔ "مضبوط رسی سے تھامنا" سے مراد "تمسک بالحق" ہے۔ یعنی کتاب وسنت کو تھامنا اور یہاں شعر میں مراد "حقیقت محمدیہ جامعہ" ہے۔

جوہر ۲۳: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں لکھا ہے۔

عَلَیْهَا مَجَازِیٌّ سَلَامِی وَاِنَّمَا حَقِیْقَتُهٗ مِنِّی اِلَیَّ تَحِیَّتِی

"حقیقت محمدیہ" پر میرا اسلام مجازی ہے۔ میری طرف سے سلام کی حقیقت تو یہ ہے کہ میرا اسلام

میری طرف ہے۔

''علیھا''یعنی طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس کو میں نے مضبوطی سے تھاما۔یعنی حقیقت محمدیہ عروۃ الوثقیٰ ہے۔اور شاعر کا قول''مجازی'' یا،مشددہ اور نسبت والی ہے اور''مجاز'' خلاف حقیقت کو کہتے ہیں۔قولہ''سلامی''یعنی میرا سلام اس حقیقت پر ہو۔سلامتی کا یہاں معنی یہ ہے کہ میری نظر اس کے سوا کسی اور کو دیکھنے سے امن میں رہے۔اس کا غیر ہے ہی نہیں۔کیونکہ کائنات کی ہر چیز کی حقیقت اسی کی حقیقت سے ہے۔پھر شاعر رضی اللہ عنہ نے کہا۔''اِنَّمَا حَقِیْقَتُہٗ مِنِّیْ ''یعنی میری طرف سے سلام کی حقیقت،درحقیقت میری طرف ہی ہے۔لہٰذا جب میں اس پر سلام بھیجتا ہوں تو درحقیقت میں اپنی ذات پر ہی سلام بھیجتا ہوں۔کیونکہ میری ظاہری اور باطنی دونوں عارضی صورتیں''مادہ نوریہ محمدیہ'' میں فنا ہیں۔بیشک جس نے مٹی جمع کی۔وہ حق تعالیٰ کی طرح ہوا۔جب اس کا ارادہ اس کے علم کی تقدیر پر متوجہ ہوا جو علم الٰہی ازلی میں متعین ہے اور اپنے عدم اصلی سے اپنے او پر وجود کے نور سے کے ظہور کی طرف نکلا۔جو ذات الٰہی سے ہے۔پھر اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی توجہ اس معین تقدیر پر ہوتی ہے۔حتیٰ کہ وہ''حقیقت محمدیہ''بن گئی۔پس متعین تقدیر اس میں فانی اور گھل مل جانے والی ہے۔کیونکہ وہ عدم اصلی ہے اور امر الٰہی وہ وجود حق محض ہے۔پس جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور یعنی امر اللہ الوجود الحق اس تقدیر متعین پر متوجہ ہوتا ہے اور اس کے زوال اور گھل مل جانے پر توجہ کرتا ہے۔حتیٰ کہ وہ اپنے عدم اصلی کی طرف لوٹ آتا ہے۔جو اللہ کا نور ہے۔لہٰذا نور صرف اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔پس وہ''نور علیٰ نور''ہے۔لہٰذا وہ مذکورہ اعتبارات کی بنا پر دو نور ہوئے۔حالانکہ وہ ایک ہی نور ہے۔اور وہ''معیت الٰہیہ''ہے۔اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ۔جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے(التوبہ:40)۔فرمایا۔وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ(الحدید:4)۔تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔پھر اس مٹی سے صانع نے بہت سے برتن بنائے جن کی شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں۔حتیٰ کہ اس مٹی میں سے کچھ بھی باقی نہ بچا۔پھر جب کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ وہ مٹی کہاں ہے؟ تو اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ ان تمام برتنوں میں غائب ہوگئی ہے۔حالانکہ وہ غائب نہیں۔کیونکہ تمام برتن محض صورت وشکل میں دکھائی دے رہے ہیں جو فانی اور ختم ہو جانے والے ہیں۔یونہی تقدیر متعین جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے تمام مخلوقات پیدا کیں۔یعنی تمام مخلوقات کی صورتیں اور شکلیں بنائیں اور ہر ایک کا ایک اندازہ رکھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا (الفرقان)۔اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا خوب خوب اندازہ رکھا۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تنبیہ فرمائی۔ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ الآیۃ (التوبہ:128)۔ یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا (الاحزاب)۔اے نبی محترم! ہم نے آپ کو حاضر ناظر بنا کر بھیجا۔لہٰذا ہم نے جو ذکر جسے یہ سمجھ آ گیا اسے ''حقیقت محمدیہ'' کا عرفان حاصل ہو گیا۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہی حقیقت محمدیہ کائنات کی مختلف صورتوں اور امکانی شکلوں میں جلوہ نما ہے۔پس جس شخص کی باطنی اور ظاہری صورت کا اضمحلال حاصل ہو گیا۔اس کی آنکھیں حقیقت محمدیہ کی آنکھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جو ''حقیقت ربانیہ'' میں مضمحل اور فانی ہے۔علی الوجہ الاکمل ہے۔اور یہ مقام سالکین کی نہایت اور واصلین کی غایت ہے۔

جوہر ۲۴: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں فرمایا۔

وَاَطۡيَبُ مَا فِيۡهَا وَجَدۡتُ بِمُبۡتَدَا     غُرَامِي وَ قَدۡ أَبۡدَى بِهَا كُلُّ نُدۡرَةٍ

اور ''حقیقت محمدیہ'' میں جو ہے اس کی لذت میں نے عشق ومحبت کی ابتدا میں پالی۔ حالت یہ تھی کہ ہر عجیب بات اسی سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھی۔ ''اطیب'' قاموس میں ہے۔ طَابَ يَطِيۡبُ بمعنی اس نے لذت پائی اور طہارت پائی۔ اسی سے ''اَطۡيَبُ'' اسم تفضیل ہے۔یعنی بہت زیادہ لذیذ اور پاک ہے۔ ''مافیھا'' یعنی جو حقیقت محمدیہ میں ہے۔جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ سالک کی بصیرت کا ابتدائی مرحلہ ''غیب مطلق'' کے حضور کا ہوتا ہے جو حقیقی وجود حق ہے۔جس کا نہ ادراک ہوسکتا ہے اور نہ ہی جس کو ترک کیا جاسکتا ہے تو سالک کا دل اس کے حقیقی جمال میں اٹک جاتا ہے۔جو حسی، معنوی اور خیالی صورتوں سے پاک ہے۔ پھر سالک لطائف کا مشاہدہ کرتا ہے۔اس کے عظیم احسانات اور اس کے قابل قدر عطیہ جات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پس ان پر وہ عاشق ہو جاتا ہے اور اس کی روح اس کی معرفت سے لذت پاتی ہے۔اور اس کے کمال نزاہت اور کائنات کے تمام مواد، اور حدود سے الگ و متجرد ہونے کی معرفت سے اس کی روح کو سرور ہوتا ہے۔ اور اس کے حسی اور خیالی پابندیوں سے آزاد ہونے کی وجہ سے اسے لطف حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس انکشاف سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہی حق ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز باطل ہے اور وہی نور محض حقیقی ہے۔اور اس کے علاوہ ہر چیز محض اندھیرا ہے۔اور وہی مطلق اور محض وجود ہے۔حتیٰ کہ ''اطلاق'' کی

بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس کے ماسوا ہر چیز عدم خالص ہے۔ پھر اسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت معدوم ہے۔ اور یہ کہ وہ (سالک) فانی اور مضمحل ہے۔ پھر اس کی زبان بولتی ہے اور جو اسے عشق و محبت کی دولت ملی ہوتی ہے۔ اس میں ڈوب کر غزل کہتا ہے۔ آنکھوں، رخسار، گردن، قد و قامت، چہرہ مہرہ کی خوبصورتی وغیرہ کی تعریف و تمثیل میں زبان غزل سرا ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کی غزلیات کہتا ہے اس کے معانی و اسرار اس پر کھلتے ہیں۔ اور لطیف اشارات، نظر و فکر کے طریقہ کے بغیر اس پر آشکارا ہوتے ہیں۔ پھر وہ پہلے سے موجود فن شعر کو بروئے کار لا کر فصیح و بدیع اشعار کہتا ہے جن میں علوم ادبیہ، صناعت شعریہ اپنے اوج پر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس سے رقت آمیز اشعار معرض وجود میں آتے ہیں۔ ایسے سالک کے کلام کو "شعر" نہیں بلکہ "علم الٰہی" کا نام دیا جائے گا اگرچہ اس کے کلام میں پرندوں اور پھولوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی شعر کو سنتا ہے تو وہ اپنے حالات کے مطابق اس کے مفہوم کو حاصل کرتا ہے یا کوئی سریلی آواز سے گانے والا گاتا ہے تو وہ اس کے کلام سے لطیف اشارات پاتا ہے یا کوئی دف یا مزامیر کے ذریعہ سنتا ہے تو اس پر وجد و حال طاری ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس سالک کے عرفان اور میدان میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا عشق الٰہی اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ عاشق سالک اپنے آپ کو فنا اور معدوم کر لیتا ہے۔ اس کا فنا اور عدم "وجود حق کے علم" میں ہوتا ہے۔ اب اس درجہ پر پہنچ کر اس سے کلام کا معاملہ منقطع ہو جاتا ہے اب اس سے "اتحاد" کی صراحت ظاہر ہوتی ہے جہاں نہ کوئی روح اور نہ کوئی جسم کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کبھی وہ سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے۔ کبھی حاضر اور کبھی غائب، کبھی افاقہ میں اور کبھی سہو کی حالت ہوتی ہے۔ یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سالک "اتحاد حقیقی" کے مقام میں راسخ اور پختہ نہیں ہو جاتا۔ اس کی پختگی اس طرح ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس اور اپنی ذات کو نہ پائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی نہ پائے۔ صرف اور صرف وہی ہی رہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد سالک پر "انوار محمدیہ" جگمگائیں گے۔ اور "حقیقت احمدیہ" کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ حالت دراصل اس مواظبت اور لگاتار عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ جو سالک ابتدائی حالات میں احکام شریعت پر کرتا رہا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا رہا اور آداب مصطفویہ پر کاربند رہا۔ اب وہ بعینہٖ حالات کا مشاہدہ کرے گا۔ لیکن "حقیقت محمدیہ" کے احوال سے باہر نہیں نکلے گا۔ اور اللہ ذوالجلال کی تجلی میں لوٹ آئے گا۔ وصال و اتصال کی حقیقت کی تحقیق میں وہ تمام افعال سے اول ہے۔ اب سالک کا کلام اس طرف

اشارہ کرے گا جو اسے "حقیقت محمدیہ" دکھائی دی۔ اور اس کی شریف خصلتیں اس کے کلام میں جھلکتی نظر آئیں گے۔ اس کی غزل اور تشبیب اس کے مٹھاس پائے گی۔ اب شوق وعشق کا شکوہ محبت کی طرف سے جانب محبوب ہوگا۔ اور اس کا عشق "حقیقت محمدیہ" میں پلٹ آئے گا۔ جو "حقیقت الٰہیہ" کے ساتھ علی وجہ الاکید محقق ہے۔ اس کا اتحاد اب اس کی طرف رجوع کرے گا۔ اور اس کا اختیار اس پر آن پڑے گا۔ اب اس کے سوا کسی اور کا وجود نہ پائے گا۔ صرف اسی کی خیر و بھلائی کی معرفت ہوگی۔ اب سالک کے نزدیک معروف اول اور معروف ثانی میں کوئی فرق نہ رہے گا بلکہ حقیقت کو "واحد" پائے گا۔ جو عجیب وغریب معانی سے مختلف لطائف میں جلوہ نما ہے۔ اسی لئے شاعر رضی اللہ عنہ نے "اطیب الخ" کہا ہے۔ یعنی میں نے اپنے ابتدائی عشق میں جو اس کے اندر ہے وہ بہت زیادہ پاک اور لذیذ پا لیا۔ یہاں انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ "غرامی بھا" اس حقیقت کے عشق کی وجہ سے۔ کیونکہ تمام کا تمام عشق اسی حقیقت سے، اسی کے ساتھ اور اسی کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مراد کی تجلیات کی صورتیں ناقص اور کامل دونوں طرح کی ہوتی ہیں۔ جاہل اور عالم بھی ہوتی ہیں۔ مشیت الٰہیہ کا جیسا تعلق ہوا ویسی ہی بن گئیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا۔ معلومات سے اس کا تعلق ہونے کے بعد ان کی مختلف صورتیں معرض وجود میں آئیں۔

اور شاعر کا قول "وقد" یہ واؤ حالیہ ہے۔ اور جملہ محلا منصوب ہے۔ "غرامی" اس کا ذوالحال ہے۔ اور قول شاعر "بھا" یعنی "حقیقت محمدیہ" کے سبب سے یا اس کی استعانت اور مدد سے۔ استعانت اس طرح کہ تجلی کا ظہور اس کے ساتھ اور اس کیلئے ہے جو شاعر پر ابتدائی عشق میں تھا۔ جبکہ ابھی اسے معلوم نہ تھا کہ یہ واقعی "حقیقت محمدیہ" ہے۔ جو تجلیات الٰہیہ میں مختلف اطوار میں تبدیل ہوتی نظر آتی ہے۔ جب آگاہی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی چیز تھی جس پر میں ابتدا و انتہا میں عاشق ہوا تھا۔ بلکہ وہ اس کی تجلیات کی اقسام میں اس کا خیال کارفرما تھا۔ شاعر کا قول "کل ندرۃ" یہ ابدی کا مفعول بہ ہے۔ اور "ندرۃ" مضاف الیہ ہے۔ اور اس سے مراد یہاں نادر اور عجیب چیز ہے۔

جوہر ۲۵: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔

ظُهُوْرِی وَقَدْ اَخْفَيْتُ حَالِي مُنْشِدًا  بِهَا طَرَبًا وَالْحَالُ غَيْرُ خَفِيَّةٍ

میری ولائت لوگوں پر ظاہر ہوگئی۔ حالانکہ میں نے کوشش کی کہ اپنی خفت کو چھپانے کی اور اپنے حال کو مخفی رکھنے کیلئے شعروں کا سہارا لوں لیکن پھر بھی حالت پوشیدہ نہ رہی۔

''ظهوری ''یعنی ولائت اور قرب الٰہی میں میری شہرت اور لوگوں کے درمیان صدق معاملہ میں مشہوری۔ یہ (ظہوری) خبر ہے اور اس کا مبتداء پچھلے شعر میں لفظ ''اطیب'' ہے۔ اور ''وقد'' میں واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ یائے متکلم سے حال واقع ہو رہا ہے۔ جو ''ظہوری'' میں یاء ہے۔ عامل اس میں مصدر ہے۔ ''اَخْفَیْتُ حَالِیْ ''یعنی میں نے لوگوں سے اپنا حال پوشیدہ رکھا۔ اور میں نے اپنی کوئی بات بھی ان پر ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ باتیں محب اور محبوب کے درمیان ''راز'' ہیں، اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں چھپایا جائے۔ اور پردے میں رکھا جائے۔ ''منشدا ''اخفیت کے فاعل سے حال ہے۔ اسم فاعل ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ''اَنْشَدَ الشِعْرَ'' اس نے شعر پڑھا۔ کذا فی القاموس۔ انشاد شعر یعنی شعر پڑھنا عام ہے۔ خواہ اپنا شعر پڑھا جائے یا کسی دوسرے کا۔ قولہ ''بِھَا'' یعنی حقیقت محمدیہ جو محبوبہ ہے اس کے سبب سے۔ یا اس کی استعانت سے۔ اس حقیقت سے کہ وہ بعینہا ''حقیقت ربانیہ'' ہے۔ جو تقدیر معین سے اپنی تجلی سے منزہ ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور شاعر کا قول ''طربا'' یعنی طرب کے طریقہ پر یہ تمیز ہے۔ اس لئے کہ انشاد کی نسبت اس کی طرف ہے۔ صحاح میں ہے۔ ''طرب'' خفت کو کہتے ہیں جو انسان کو سخت غم یا خوشی کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ میں اشعار پڑھ کر اپنی خفت کو ظاہر کروں گا۔ وہ اشعار غزلیہ جو عنقریب میں کہوں گا۔ اور اس تشبیب کے ذریعہ خفت کو ظاہر کروں گا۔ جو اگلے اشعار میں محبوب کے حسن و جمال، محبوبہ کی خوبصورتی، آہ و فریاد، شکوہ شکایت، دوری کا غم، جدائی کا صدمہ، محبوب کا منہ موڑنا، وصال کی تمنیٰ، قرب کی خواہش، اظہار محبت و عشق وغیرہ کی صورت میں ہوں گے۔ جس طرح مرد و زن آپس میں خوش گپیاں لگاتے ہیں۔ جیسا کہ محجوب لوگوں کا عشق اور آزمائش میں پڑے لوگوں کی حالت ہوتی ہے۔ میں اپنے حالات کو اس لئے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ کہ میرے حالات اعلیٰ ہیں۔ اور مجھے اپنے معاملہ پر غیرت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ غافل اور حق سے منہ موڑنے والے لوگوں پر اپنے حالات ظاہر کروں۔ اور ان لوگوں پر بھی جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ باطل چیزوں سے دل لگائے بیٹھے ہیں۔ اس لئے تاکہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا انکار نہ کر بیٹھے، جو میرے ظاہر یا باطن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑتی ہیں۔ میں ان کے اس انکار اور اعتراض سے ان کی حفاظت کرنے والا ہوں۔ لیکن اس کوشش بسیار کے باوجود میری حالت ان پر مکمل طور پر ظاہر ہوگئی۔ اور میں ان سے چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور شاعر کا قول ''والحال'' یعنی میرا حال جو مذکورہ ہوا۔ ''غَیْرُ خَفِیَّۃٍ'' یعنی ظاہر ہے۔ یعنی اسے پوشیدہ رکھنے کا جو میرا ارادہ تھا اس میں مجھے کامیابی نہ مل سکی۔ جیسا کہ صاحب الموشح العامی کہتے ہیں۔

غَطُّوهَا النَّدَامِی قَالَتْ عَیْنُ الشَّمْسِ مَا تُتَغَطّٰی

ندامتوں نے اسے چھپانے کی کوشش کی۔ سورج کی ٹکیہ نے کہا۔ وہ نہیں چھپ سکیں گی۔

وہ اشعار جو حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے اپنے حال کو مخفی رکھنے کیلئے کہے۔ تاکہ وہ اپنے محبوب کی تجلیات کا انکار کرنے والوں سے انکار کی حفاظت کر سکیں۔ وہ باون بیت ہیں۔ شارح قیصری اور بساطی نے اکیاون بتائے ہیں۔ شارح اول ابوسعید فرغانی جو قیصری کے استاد اور صدر قونوی کے شاگرد ہیں۔ صدر قونوی، شیخ اکبر کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اشعار سولہ ہیں۔ ابھی ایک ایک کر کے وہ اشعار تم پڑھو گے۔ انتہیٰ کلام العارف النابلسی رضی اللہ عنہ۔

میں اب وہ باون اشعار درج کر رہا ہوں۔ جن کی طرف ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے پچھلے شعر میں اشارہ کیا ہے۔ اور ذکر فرمایا۔ کہ انہوں نے ان اشعار کے ذریعے اپنے حالات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اشعار "ابلغ الغرامیات" ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

بَدَتْ فَرَأَیْتُ الْحَزْمَ فِی نَقْضِ تَوْبَتِی ۔۔۔ وَقَامَ بِهَا عِنْدَالنُّهٰی عُذْرُ مِحْنَتِی

فَمِنْهَا أَمَانِیٌّ مَنْ ضَنَا جَسَدِی بِهَا ۔۔۔ اَمَانِیُّ آمَالٍ سَخَتْ ثُمَّ شَحَّتِ

وَ فِیْهَا تَلَافِی الجِسْمِ بِالسُّقمِ صِحَّةٌ ۔۔۔ لَهٗ وَ تَلَافُ النفْسِ نَفْسُ الْفُتُوَّةِ

وَ مَوْتِی بِهَا وَجْدًا حَیَاةٌ هَنِیئَةٌ ۔۔۔ وَاِنْ لَمْ اَمُتْ فِی الْحُبِّ عِشْتُ بِغُصَّتِی

فَیَا مُهْجَتِی ذُوْبِی جَوًی وَ صَبَابَةً ۔۔۔ وَیَا لَوْعَتِی کُوْ نِیْ کَذَاکَ مَذِیْبَتِی

وَیَا نَارَ حَشَائِی اَقِیْمِی مِنَ الْجَوٰی ۔۔۔ حَنَا یَا ضُلُوْعِی فَهِیَ غَیْرُ قَوِیْمَةٍ

وَیَا حُسْنَ صَبْرِی فِی رِضَا مَنْ أُحِبُّهَا ۔۔۔ تَجَمَّلْ وَکُنْ لِلدَّهْرِ بِی غَیْرَ مُشْمِتِ

وَیَا جَلَدِی فِی جَنْبِ طَاعَةِ حُبِّهَا ۔۔۔ تَحَمَّلْ عَدَاکَ الْکَلُّ کُلَّ عَظِیْمَةٍ

وَیَا جَسَدِی الْمُضْنٰی تَسَلَّ عَنِ الشِّفَا ۔۔۔ وَیَا کَبِدِی مَنْ لِی بِاَنْ تَتَفَتَّتِی

وَیَا سُقْمِی لَا تَبْقِ لِی رَمْقًا فَقَدْ ۔۔۔ اَبَیْتُ لِبُقْیَا الْعِزِّ ذِلَّ الْبَقِیَّةِ

وَیَا صِحَّتِی مَاکَانَ مِنْ صُحْبَتِی انْقَضِی ۔۔۔ وَوَصْلُکِ فِی الْاَحْیَاءِ مَیْتًا کَهِجْرَةٍ

وَیَا کُلَّ مَا أَبْقَی الضَّنٰی مِنِّی ارْتَحِلْ ۔۔۔ فَمَا لَکَ مَأْوًی فِی عِظَامٍ رَمِیْمَةٍ

وَیَا مَاعَسٰی مِنِّی أُنَادِی تَوَهُّمًا ۔۔۔ بِیَاءِ النِّدَا أُوْنِسْتُ مِنْکَ بِوَحْشَةٍ

وَ کُلُّ الَّذِی تَرْضَاهُ وَالْمَوْتُ دُوْنَهٗ ۔۔۔ بِهٖ أَنَا رَاضٍ وَالصَّبَابَةُ أَرْضَتِ

وَ نَفْسِی لَمْ تَجْزَعْ بِاِ تْلَافِهَا أَسًی ۔۔۔ وَلَوْ جَزِعَتِ کَانَتْ بِغَیْرِی تَأَسَّتِ

| | |
|---|---|
| وَ فِیْ کُلِّ حَيٍّ کُلُّ حَيِّق کَمَيِّتٍ | بِهَا عِنْدَهُ قَتْلَ الْهَوٰی خَيْرُ مَيْتَةٍ |
| تَجَمَّعَتِ الْاَهْوَاءُ فِيْهَا فَمَا تَرٰے | هَا غَيْرَ صَبٍّ لَا يَرٰی غَيْرَ صَبْوَةٍ |
| اِذَا سَفَرَتْ فِی يَوْمِ عِيْدٍ تَزَاحَمَتْ | عَلٰی حُسْنِهَا اَبْصَارُ کُلِّ قَبِيْلَةٍ |
| فَأَرْوَا حُهُمْ تَصْبُوْ لِمَعْنٰی جَمَالِهَا | وَأَحْدَا قُهُمْ مِنْ حُسْنِهَا فِی حَدِيْقَةٍ |
| وَعِنْدِی عِيْدِی کُلَّ يَوْمٍ اَرٰی بِهٖ | جَمَالَ مُحَيَاهَا بِعَيْنٍ قَرِيْرَةٍ |
| وَ کُلِّ اللَّيَالِی لَيْلَةُ الْقَدْرِ اِنْ دَنَتْ | کَمَا کُلُّ اَيَّامِ اللِّقَا يَوْمُ جُمُعَةٍ |
| وَسَعْيِی لَهَا حَجٌّ بِهٖ کُلُّ وَقَفَةٍ | عَلٰی بَابِهَا قَدْ عَادَلَتْ کُلَّ وَقْفَةٍ |
| وَاَیُّ بِلَادِ اللّٰهِ حَلَّتْ بِهَا فَمَا | اَرَاهَا وَفِی عَيْنِیْ حَلَّتْ غَيْرَ مَكَّةَ |
| وَاَیُّ مَكَانٍ ضَمَّهَا حَرَمٌ كَذَا | اَرٰی کُلَّ دَارٍ اَوْطَنَتْ دَارَ هِجْرَةٍ |
| وَمَا سَكَنَتْهُ فَهُوَ بَيْتٌ مُقَدَّسٌ | قُرَّةُ عَيْنِی فِيْهِ اَحْشَایَ قَرَّتِ |
| وَمَسْجِدَیَ الْاَقْصٰی مَسَاحِبُ بُرْدِهَا | وَ طِيْبَتِی ثَرٰی اَرْضٍ عَلَيْهَا تَمَشَّتِ |
| مَوَاطِنُ اَفْرَاحِی وَ مَرْبٰی مَآرِبِی | وَ اَطْوَارُ اَوْ طَارِی وَمَأْ مِنْ خِيْفَتِی |
| مُغَانٌ بِهَا لَمْ يَدْخَلِ الدَّهْرُ بَيْنَنَا | وَلَا كَادُنَا سَرَقَ الزَّمَانُ بِفُرْقَةٍ |
| وَلَا سَعَتِ الْاَيَّامُ فِی شَتِّ شَمْلِنَا | وَلَا حَكَمَتْ فِيْنَا اللَّيَالِی بَجَفْوَةٍ |
| وَلَا صَبَّحَتْنَا النَّائِبَاتُ بِنَبْوَةٍ | وَلَا حَدَّثَتْنَا الْحَادِثَاتُ بِنَكْبَةٍ |
| وَلَا شَنَعَ الْوَاشِیْ بِصَدٍّ وَ جَفْوَةٍ | وَلَا اَرْجِفُ اللَّا حِی بِبَيْنٍ وَّسَلْوَةٍ |
| وَلَا اسْتَيْقَظَتْ عَيْنُ الرَّقِيْبِ وَلَمْ تَزَلْ | عَلَیَّ لَهَا فِیْ الْحُبِّ عَيْنِی رَقِيْبَتِیْ |
| وَلَا اِخْتَصَّ وَقْتٌ دُوْنَ وَقْتٍ بِطِيْبَةٍ | بِهَا کُلُّ اَوْقَاتِی مَوَاسِمُ لَذَّتِیْ |
| نَهَارِی اَصِيْلٌ كُلُّهُ اَنْ تَنَسَّمَتْ | نَوَائِلُهُ مِنْهَا بِرَدِّ تَحِيَّتِی |
| وَ لَيْلِی فِيْهَا كُلُّهُ سَحَرٌ اِذَا | سَرٰی لِیَ مِنْهَا فِيْهِ عَرْفُ نُسَيْمَة |
| وَاِنْ طَرَقَتْ لَيْلًا فَشَهْرِیَ كُلُّهُ | بِهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اِبْتِهَاجًا بِزُوْرَةٍ |
| وَاِنْ قَرُبَتْ دَارِی فَعَامِیَ كُلُّهُ | رَبِيْعُ اِعْتِدَالٍ فِی رِيَاضٍ اُرَيْضَةٍ |
| وَاِنْ رَضِيَتْ عَنِّی فَعُمْرِی كُلُّهُ | زَمَانُ الصِّبَا طِيْبًا وَ عَصْرُ الشَّبِيْبَةِ |
| لَئِنْ جَمَعَتْ شَمْلَ الْمَحَاسِنِ صُوْرَةٌ | شَهِدْتُ بِهَا کُلَّ الْمَعَانِی الدَّقِيْقَة |
| فَقَدْ جَمَعَتْ أَحْشَایَ کُلَّ صَبَابَةٍ | بِهَا وَجَوِیْ يُنْبِيْکَ عَنْ کُلِّ صَبْوَةٍ |

وَلِمَ لَا أُبَاهِي كُلَّ مَنْ يَدَّعِي الْهَوٰى بِهَا وَأَنَا هِيَ فِي افْتِخَارِي بِحَظْوَتِي
وَقَدْ نِلْتُ مِنْهَا فَوْقَ مَا كُنْتُ رَاجِيًا وَمَا لَمْ أَكُنْ أَمَّلْتُ مِنْ قُرْبِ قُرْبَتِي
وَأَرْغَمَ أَنْفَ الْبَيْنِ لُطْفُ اِشْتِمَالِهَا عَلَيَّ بِمَا يُرْبِي عَلٰى كُلِّ مُنْيَةٍ
بِهَا مِثْلَ مَا أَمْسَيْتُ أَصْبَحْتُ مُغْرَمًا وَمَا أَصْبَحَتْ فِيهِ مِنَ الْحُسْنِ أَمْسَتِ
فَلَوْ مَنَحَتْ كُلَّ الْوَرٰى بَعْضَ حُسْنِهَا خَلَا يُوسُفَ مَا فَاتَهُمْ بِمَزِيَّةٍ
صَرَفْتُ لَهَا كُلِّي عَلٰى يَدِ حُسْنِهَا فَضَا عَفَ لِي إِحْسَانُهَا كُلَّ وُصْلَةٍ
يُشَاهِدُ مِنِّي حُسْنَهَا كُلُّ ذَرَّةٍ بِهَا كُلُّ طَرْفٍ جَالَ فِي كُلِّ طَرْفَةٍ
وَيُثْنِي عَلَيْهَا فِي كُلِّ لَطِيفَةٍ بِكُلِّ لِسَانٍ طَالَ فِي كُلِّ لَفْظَةٍ
وَأَنْشَقُ رَيَّاهَا بِكُلِّ رَقِيقَةٍ بِهَا كُلُّ أَنْفٍ نَاشِقٍ كُلَّ هَبَّةٍ
وَيَسْمَعُ مِنِّي لَفْظَهَا كُلُّ بِضْعَةٍ بِهَا كُلُّ سَمْعٍ سَامِعٍ مُتَنَصِّتِ
وَيَلْثَمُ مِنِّي كُلُّ جُزْءٍ لِثَامَهَا بِكُلِّ فَمٍ فِي لَثْمِهِ كُلُّ قُبْلَةٍ
فَلَوْ بَسَطَتْ جِسْمِي رَأَتْ كُلَّ جَوْهَرٍ بِهِ كُلُّ قَلْبٍ فِيهِ كُلُّ مَحَبَّةٍ

جب ''حقیقت محمدیہ'' مجھ پر ظاہر ہوئی تو میں نے اپنی توبہ توڑنے کا ارادہ کرلیا۔اور اس کی وجہ سے عقلمندوں کے نزدیک میری محنت کا بہانہ بن گیا۔اسی سے مجھے امیدیں ہیں جس کی وجہ سے میرا جسم کمزور ہو گیا۔ایسی امیدیں جو سخت اور نہایت دشوار ہیں۔اور اسی میں عشق کی بیماری کی وجہ سے جسم کا ضائع ہو جانا ''صحت'' ہے۔اور جان چلی جانا تو اصل بہادری ہے۔اور اس کی وجہ سے میری موت واقع ہونا ایک مبارک زندگی ہے۔اور اگر میں عشق میں جان نہ دوں تو میں غصہ سے زندگی بسر کروں گا۔ پس اے میرے عقل! محبت اور عشق میں پگھل جا اور اے عشق کی سوزش! تو بھی اسی طرح پگھل جا۔ اور اے میری انتڑیوں کی آگ! محبت کی جلن سے میری پسلیوں کو سیدھا کر دے کہ وہ ٹیڑھی ہیں۔اے میرے حسن صبر! میں جس سے پیار کرتا ہوں اس کی رضا میں بن ٹھن جا اور زمانے میں میرے لئے گالی نہ بننا۔اے میری کھال! محبوبہ کی محبت کے پہلو میں اپنے تمام دشمنوں کی عداوت کو مکمل بہادری کے ساتھ برداشت کر۔اے میرے کمزور جسم! شفا کا اظہار کر۔اور اے میرے جگر! کون ہے جو مجھے شفاء دے۔اے میری کمزوری! مجھ میں زندگی کی رمق بھی باقی نہ چھوڑ کیونکہ میں نے ذلت سے زندہ رہنے سے تھوڑی سی بقیہ عزت منظور کرلی ہے۔اے میری صحت! میرا تیرا جو ساتھ تھا وہ ختم ہو گیا اور زندگی میں تیرا وصل ''مرنا'' ہے جیسا کہ ہجرت۔اور اے باقی ماندہ عشق! مجھ سے کوچ کر جا کیونکہ بوسیدہ ہڈیوں

میں اب تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔اے وہ کہ جسے میں ''یا'' ندائیہ سے از روئے وہم پکارتا تھا اب مجھے تجھ سے وحشت آنے لگی ہے۔اور جو کچھ تم پسند کرتے ہو خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اس سے راضی ہوں اور میرا عشق بھی راضی ہے۔اے میرے نفس! اس (محبوبہ) کے ضائع ہونے سے رونا دھونا چھوڑ دے۔ اور اگر تو نے افسوس کرنے کیلئے چیخ و پکار کی۔تو گویا تو نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا۔ہر قبیلہ میں ہر زندہ انسان ''مردہ'' کی مانند ہے۔اس کے نزدیک محبت کا قتل بہترین موت ہے۔اس کی خواہشات کا اژدھام ہے تجھے اس میں عشق کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔اے محبوبہ! جب تو عید کے دن باہر نکلتی ہے۔تو ہر قبیلہ کی نظریں تجھ پر ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ان کی روحیں محبوبہ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہیں۔ اور ان کی آنکھیں اس کے جمال کو دیکھنے کی وجہ سے یوں لگتی ہیں جیسے باغ میں ہوں۔اور میرے نزدیک میرے مسلک میں جس دن بھی میں اس کی زیارت کروں وہی دن عید ہے میری آنکھیں اس سے ٹھنڈک پاتی ہیں۔اور اگر وہ میرے قریب آجائے تو میری ہر رات ''لیلۃ القدر'' ہے جیسا کہ اس سے ملاقات کا ہر دن میرے لئے ''جمعۃ المبارک'' ہے۔اور اس کیلئے میرا دوڑ دھوپ کرنا ''حج'' ہے۔ اور اس کے دروازے پر ٹھہرنا میرا ''وقوف عرفہ'' ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے جس میں بھی وہ جلوہ فرما ہو اور مجھے اس کا دیدار نصیب ہو تو میں ہر اس شہر کو ''مکہ'' ہی سمجھوں گا۔اور جو مکان بھی اسے اپنے ہاں جگہ دے گا۔میں اس جگہ کو دار ہجرت (مدینہ منورہ) جانوں گا۔اور جہاں اس کی سکونت ہوئی وہ ''بیت المقدس'' ہے۔اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرا ضمیر مطمئن ہے۔میری مسجد اقصیٰ، محبوبہ کی چادر گھسٹنے کی جگہ ہے۔اور زمین کا وہ حصہ میرے لئے ''طیبہ'' ہے جس پر وہ چلتی رہی۔میری خوشیاں کا مسکن بھی وہی اور میرے مقاصد کے حصول کی جگہ بھی وہی، میری پریشانیوں کا علاج بھی وہی اور میرے خوف کی حفاظت گاہ بھی وہی۔میری منزل بھی وہی! زمانہ ہمارے درمیان خلل انداز نہ ہوگا۔ اور نہ ہی یہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ ہمارے درمیان جدائی ڈال سکے۔اور نہ ہی دنوں میں یہ ہمت کہ وہ ہمارے ارادہ بکھیر دیں۔اور نہ راتوں میں طاقت کہ وہ ظلم کرسکیں۔پریشانیاں ہمارا پیچھا نہیں کرسکتیں، اور حادثات ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔اور نہ ہی چغلخور چغلخوری سے کوئی رکاوٹ کھڑی کرسکتا ہے۔ اور نہ ہی ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھنے والا ہمارے درمیان جدائی ڈالنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔رقیب کی آنکھیں کھل نہیں سکتیں اور اس کی محبت میں میری آنکھیں ہر وقت میری رقیب ہیں۔میرا معاملہ یہ نہیں کہ ایک وقت اس سے ملاقات ہو اور دوسرے وقت جدائی۔بلکہ ہر وقت میرے لئے ملاقات کا وقت ہے۔اور میرا دل اس سے ہر وقت لذت حاصل کرتا ہے۔میرا دن سارے کا سارا اصیل ہوتا ہے جب

میرے دن کی ابتداء میرے سلام کا اس کے جواب دینے سے ہو۔ اور میری رات اس کی محبت میں ''سَحَر'' ہوتی ہے جب اس میں اس کی طرف سے بادنسیم کا جھونکا آتا ہے۔ اور اگر وہ چھپتے چھپاتے رات کو آ جائے۔ تو وہ مہینہ اس رات کی وجہ سے ''لیلۃ القدر'' ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی خوشی اور زیارت سے مشرف ہو جاتا ہوں۔ اور اگر میرا گھر اس کے قریب ہو جائے تو میرا سارا سال ''ربیع'' بن جاتا ہے۔ اور وسیع و عریض باغ میں پھولوں کی کیاری کھل اٹھتی ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ تو میری ساری عمر، عشق و محبت کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔ اور اگر لمحہ بھر کیلئے اس کے حسین و جمیل شمائل کی صورت دیکھنا نصیب ہو جائے تو ہر دقیق معنی میرے سامنے کھل جاتا ہے۔ میری انتڑیوں نے سارا عشق سمیٹ لیا ہے اور میرا روں روں اس کے عشق کے گیت گاتا ہے۔ اور میں ہر اس شخص پر کیوں فخر نہ جتاؤں۔ جو اس کی محبت کا دعویدار ہے۔ حالانکہ میں اس کی محبت کا فراواں حصہ رکھتا ہوں۔ اور میں نے اس سے اپنی امید و تمنا سے بڑھ کر پایا اور میرا اتنا قریب ہو جانا اس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس کے شامل لطف نے ''جدائی'' پر خاک ڈال دی۔ کیونکہ اس نے میری ہر خواہش کو پالا ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے جس طرح رات عشق میں بسر کی۔ اسی طرح میری صبح بھی عشق میں ہی ہوئی۔ اور جس طرح صبح کی اسی طرح رات بسر کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا تمام مخلوق اگر اس کے کچھ حسن و جمال سے حصہ پائے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ میں نے اپنا سب کچھ اس کے خوبصورت ہاتھ پر وار دیا۔ پس ہر ملاقات کے وقت اس کے احسانات مجھ پر دوگنے ہوتے رہے۔ ہر ذرہ اس کے حسن کا مجھ سے نظارہ کرتا رہا اور ہر طرف اسی کا بول بولا ہے۔ میرا ہر لطیفہ اس کی تعریف کرتا ہے اور ہر لفظ میں جو زبان ہے وہ اس کی مدح سرا ہے۔ اس کی تر و تازگی سے ہر رقیق چیز دو ٹکڑے ہو گئی اور ہر دانہ اسی کا نام لیتا ہے۔ جسم کا ہر ایک حصہ مجھ سے اس کی محبت کے الفاظ سنتا ہے۔ اور ہر سننے والا اس کی باتوں کے سننے کیلئے خاموش ہے۔ میرے جسم کا روں روں اس کو چومتا ہے ہر ایک کے منہ پر اس کا ایک بوسہ ہے۔ اگر میں اپنے جسم کو پھیلاؤں تو ایک ایک جوہر کے دل میں مکمل محبت موجزن ہو گی۔

# عارف باللہ الشیخ محمد المغربی المدفون فی اللاذقیۃ

## (جن کا ۱۲۴۰ھ میں انتقال ہوا)

آپ امام العارفین اور اولیاء محققین میں سے بزرگ ترین شخصیت تھے۔ اور باعمل علماء کرام کے سرکردہ تھے۔ طیب و طاہر سادات میں سے تھے۔ آپ کا تعلق بنو ناصر سے تھا۔ یہ افریقی ممالک میں ایک شریف قبیلہ کے طور پر متعارف و مشہور ہے۔ ''لاذقیہ'' میں نہ ان کی بیوی تھی اور نہ ہی کوئی اولاد۔ ان کی اسی لاذقیہ شہر میں ایک جامع مسجد ہے۔ جو پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی ادائیگی کیلئے تعمیر کی گئی۔ اسی مسجد کی ایک طرف ان کا حجرہ تھا۔ جس میں آج ان کی قبر ہے۔ اس مسجد اور بزرگ کے نام بہت سے اوقاف ہیں۔ جن کی آمدنی جامع مسجد اور ان کے مزار پر خرچ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کی قبر شریف کے پاس ایک جماعت ہر وقت قرآن پڑھتی نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی جامع مسجد اور ان کے مزار پر ہر قسم کی عبادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان کی زندگی میں کچھ کرامات و خارق عادت بکثرت ہوئے۔ میں نے ان میں سے بہت کچھ اہل لاذقیہ سے سنا۔ جب میں اس شہر میں محکمہ عدل و انصاف کا سربراہ تھا۔ میں اس شہر میں پانچ سال تک رہا۔ کیونکہ میں صفر المظفر ۱۳۰۰ھ میں وہاں گیا۔ اور ذی القعدہ ۱۳۰۵ھ میں وہاں سے واپس آیا۔ وہاں سے واپسی پر میں قدس شریف میں بطور رئیس المحکمہ فرائض انجام دینے لگا۔ وہاں میں سال سے کم عرصہ رہا۔ اس کے بعد بیروت میں مجھے محکمہ حقوق کا رئیس بنا کر بھیجا گیا۔ اور آج تک اسی ذمہ داری کو نبھا رہا ہوں۔ آج ۲۵ ۱۳۱۰ھ اور ذی القعدہ کا نصف مہینہ ہو گیا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

جب میں لاذقیہ میں مقیم تھا۔ تو اس پانچ سالہ دور میں مجھے اس عظیم و کبیر ولی اللہ سیدی شیخ محمد المغربی رضی اللہ عنہ کے فضل کو جاننے پہچاننے کا موقع ملا۔ میں نے اپنی کتاب ''جامع کرامات اولیاء'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی ایسی کرامات کا تذکرہ کیا ہے جن سے ان کے اعلیٰ مرتبہ اور بلند مقام پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اہل لاذقیہ میں مشہور ہے کہ موصوف ''قطب'' تھے۔ ایسے حضرات نے مجھے ان کی بہت سی کرامات بتائیں۔ جنہیں ان کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور ان کے درس میں شامل ہوتے رہے۔ اور ان کے علم و ولایت سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ ان حضرات نے مجھے یہ بھی بتایا۔ کہ موصوف جب اپنا درس شروع فرمایا کرتے جو لاذقیہ کی نئی اور بڑی جامع میں ہوا کرتا تھا۔ تو یوں کہتے۔ ''بَعْدَ الْبَسْمَلَةِ وَالْحَمْدَلَةِ كَلَامُنَا الْآنَ عَلٰى كَذَا'' بسم اللہ اور الحمدللہ کے بعد اب

ہماری گفتگو یہ ہے۔ پھر آپ اپنی یادداشت سے بہت سی باتیں لکھواتے۔ جو مختلف اقسام کے دینی فوائد سے بھرپور ہوتیں۔ اہل لاذقیہ ان کی تشریف آوری سے قبل انتہائی جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ دینی امور کا انہیں بالکل علم نہ تھا۔ کیونکہ ان میں ایک بھی عالم دین نہ تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ شہر ''نصیریہ'' شہروں کے قریب تھا۔ ان سے ان کا کافی میل جول تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک بڑے بڑے شہر ایسے ہی تھے۔ جب شیخ موصوف رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو اس شہر میں انہوں نے دین کو تجدید بخشی۔ اس بارے میں انہی کے ایک بہت بڑے شاگرد جو لاذقیہ کے باشندے تھے جن کا نام علامہ محقق شیخ ''صالح الطویل'' تھا۔ جو باعمل عالم تھے۔ نے ان کی بہت مدد کی۔ وہاں کے لوگوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ والی مصر ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا جب شامی شہروں میں آیا۔ یہ ۱۲۴۵ھ کی بات ہے۔ اور سیدی محمد مغربی رضی اللہ عنہ کی جامع مسجد کی طرف گیا۔ جو اس شہر کے اونچی جگہ پر تعمیر تھی۔ جس کا محل وقوع انتہائی خوبصورت تھا۔ مسجد کی تعمیر اور شیخ موصوف کے مزار کی عمارت دیکھ کر حیران ہو گیا کسی شخص نے اسے شیخ مذکور کی کرامات میں سے کچھ بتائیں۔ تو ابراہیم پاشا نے کہا۔ اس سے بڑی اس بزرگ کی اور کرامت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک پردیسی مسافر غریب ہوتے ہوئے اس شہر میں مقبول عام ہوا۔ اور ان کیلئے اتنی خوبصورت جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ کہ جس کی مثل بڑے بڑے امیروں اور حکمرانوں سے نہیں بن سکتی۔

سیدی شیخ محمد مغربی رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کی ایک عظیم کتاب ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کے موضوع پر انہوں نے تحریر فرمائی۔ میلاد شریف کی محفلوں میں وہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ کتاب ''میلاد نبوی'' کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے افضل، اکمل اور زیادہ بلاغت والی ہے۔ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اس میں محدثین کی روایات اور محققین صوفیاء کے سرداروں کی عبارات جمع فرمائیں۔ آپ خود بھی بڑے محقق اور صوفی تھے۔ اس لئے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت شیخ موصوف رضی اللہ عنہ حضور سیدنا محمد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کے اعلیٰ مرتبہ اور قدر ومنزلت سے زیادہ شناسا تھے۔ ان کی مذکورہ تصنیف یوں شروع ہوتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ - اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَا اَنۡ هَدَانَا اللّٰهُ - اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ بِنِعۡمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ - اَللّٰهُمَّ لَا سَهۡلَ اِلَّا مَا جَعَلۡتَهٗ سَهۡلًا - وَاَنۡتَ تَجۡعَلُ الۡحُزۡنَ اِذَا شِئۡتَ سَهۡلًا - سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ - وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الۡاَتَمَّانِ الۡاَكۡمَلَانِ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ – وَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَجْمَعِيْنَ – وَ عَنِ التَّابِعِيْنَ – وَ تَابِعِ التَّابِعِيْنَ – وَعَنِ الْاَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الْعَامِلِيْنَ – وَالْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ – وَ مُقَلِّدِيْهِمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ – اَمَّا بَعْدُ – اَيُّهَا النَّاسُ – اِنَّ اَحْسَنَ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْىُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ – وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ – وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ اَىْ صَاحِبُهَا – وَكَلَامُنَا اَلْاٰنَ عَلٰى قَوْلِ رَبِّنَا جَلَّ جَلَالُهُ وَ عَزَّ جَمَالُهُ – وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔الآخر۔

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی۔اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنی نعمتوں سے صالحات کی تکمیل فرمائی۔اے اللہ! آسان وہی جسے تو آسان کردے۔اور تو ہی جب چاہے تو پریشانی، آسانی میں تبدیل کردے۔تو ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ہمیں صرف اتنا ہی علم ہے جس قدر تو نے ہمیں سکھایا۔بیشک تو ہی علیم وحکیم ہے۔اور کامل ومکمل صلوۃ وسلام ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء ومرسلین پر نازل ہوں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب سے اللہ راضی رہے۔اور تابعین اور ان کے تابعین اور اولیاء امت، علماء ربانیین عاملین، ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین پر احسان کے ساتھ تا قیامت رحمتیں وبرکتیں نازل ہوں۔آمین۔

امابعد۔لوگو! سب سے بہتر کلام ''کلام اللہ'' ہے۔اور سب سے بہتر ''ہدیہ'' ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہدیہ ہے۔اور تمام امور میں سے زیادہ برے وہ دین میں نکالے گئے کام ہیں جن کی کوئی اصل نہ ہو اور ہر ایسا کام ''بدعت'' ہے۔اور ہر بدعت ''گمراہی'' ہے۔اور ہر گمراہی یعنی گمراہ جہنمی ہے۔اب ہماری گفتگو اللہ تعالیٰ کے قول وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ پر ہوتی ہے۔

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات اور اے کائنات! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطالع رحمانیہ کے عرش اور مشارق ربانیہ کے آسمان ہیں۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجائب نورانیہ کے غوث اور غرائب روحانیہ کے قطب ہیں۔لطائف صمدانیہ کے فلک، رقائق روحانیہ کے شمس اور کثائف جسمانیہ کے چاند بھی آپ ہی ہیں۔اسرار وانوار

جبروتیہ کی زمین، حقائق ودقائق ورقائق ملکوتیہ کے سمندر، محاسن رسولیہ کے سدرۃ المنتہیٰ، عجائب نبویہ کے سورج، غرائب انسانیہ کے فلک، اسرار جبروت کے دولہا، ملک وملکوت کے انوار کے سلطان، عزت وعظمت وکبریا، والوھیۃ کی ذات کے مظہر، ذات جلال وکمال وربوبیت کے چمکنے کی جگہ، ذات جلال کے اسرار کے عرش انوار ذات جمال کی کرسی، ارواح ذات کمال کی روح بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

آپ ہی کبیر ومتعال باری تعالیٰ کا وہ قلم ہیں کہ جس سے اس نے عالم خلق وامر کے ہر ذرہ کو لکھا۔ آپ ہی اسرار معقولات کے سر، انور ومحسوسات کے نور، جمیع موجودات کے شمس، رب العالمین کی نعمت، اکرم الاکرمین کا عطیہ، ارحم الراحمین کا ہدیہ، جمیع عالمین کا نور، برزخ المومنین کے اسرار کا سر، قیامت میں متقین کے انوار کا نور، میزان العارفین کی ارواح کے روح، فرشتوں، پیغمبروں کے حوضوں کی نہروں کے سمندر، صراط مقربین کے اسرار کا سر، رب العالمین کی انوار جنات کا سورج، ارحم الراحمین کی رحمت کا ٹیلہ، رب العالمین کی عظیم نعمت کہ جن کے قلب انور پر قرآن نازل کیا گیا۔ اور وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ کے خطاب متین کے مخاطب آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر بھی اس وقت تک صلوۃ وسلام نازل فرمائے جب تک اس کی ذات احدیت، واحدیت اور رحمانیت کا دوام ہے۔ اور اتنی تعداد میں صلوۃ وسلام نازل فرمائے جو اس کی ذات ربوبیت، مالکیت اور الوہیت کے احاطہ میں ہے۔ ایسی صلوۃ کہ جس کے وسیلہ اور برکت سے اے اللہ! تو ہمیں معاف فرما دے۔ ہمارے والدین، مشائخ، احباب، عشیرت اور ان تمام کو جن کے ہم پر احسانات ہیں۔ صاحب وقت، جمیع اقطاب، جمیع اہل دیوان، جمیع اولیاء خواہ وہ زندہ ہیں یا انتقال کر گئے جن کا اس علاقہ سے تعلق ہے، اس کے علماء، عوام، ہمارے دینی بھائیوں پر جو یہ حاضر ہیں اور جو غائب ہیں، ان کے والدین، اقارب اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمائے۔

جب اس ''کتاب مسطور'' کے سورج، اس ''رق منشور'' میں اس ''بیت المعمور'' میں طلوع ہوئے۔ تو اس ''بحر مسجور'' کے چشمے محبین وعارفین کی زمینوں پر پھوٹ پڑے۔ جو ''عالین ومقربین'' کے آسمانوں سے تھے۔ پھر اس ''سلطان امین'' کے شہروں پر اس ''فتح مبین'' کی فوجوں نے یلغار کر دی۔ تو زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی۔ اور ''کتاب'' رکھ دی گئی اور انبیاء کرام کو لایا گیا۔ تو ''سلطان اسرار'' کے منادی نے انوار کے فلک الافلاک میں ندا دی، عجائبات کے سمندروں میں آواز دی، غرائب کے ساحلوں پر ڈھنڈورا پیٹا، کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں جو رب کائنات ہوں۔ اور میں

نے آپ کو یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سو پاکیزگی اللہ تعالیٰ کی جس نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت بخشی، اور انہیں تمام اسماء وصفات کا مظہر بنایا۔ اور تمام موجودات میں چمکنے والا نور بنایا۔ اور کائنات کے ہر ذرہ میں محفوظ رکھا۔ جن کیلئے سبب سے اندھوں کی آنکھیں روشن کر دیں، بہروں کے کان سننے والے بنا دیئے، دلوں کے پردے دور کر دیئے، اور قرب کے لمعات (شعلے) ان کے وسیلہ سے لوگوں پر انڈیل دیئے۔ ریب وشک کے اندھیرے ان کی وجہ سے زائل کر دیئے اور مومنین کے دل ان کے وسیلہ سے روشن کر دیئے۔ اور آپ کے ذریعہ مقربین کی راہ دکھائی۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَاتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ صَلَاةً تَدُوْمُ بِدَوَامِ ذَاتِ اللّٰهِ وَ اَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ۔

صاحب الشفاء قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے روایت ذکر کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو زمین کی سیاحت پر مامور کیا ہوا ہے۔ ان کی عبادت یہ قرار دی ہے کہ وہ ہر اس گھر والوں کی حفاظت کریں جس میں "اسم محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہو۔ ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے جس کے راوی حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان نے متواتر سو سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیئے۔ پھر مر گیا۔ لوگوں نے اس کی لاش اٹھائی اور جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے وہاں جا کر پھینک آئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے وہاں سے اٹھایا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا باری تعالیٰ! تمام بنی اسرائیل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس نے متواتر سو سال تیری نافرمانی ہی کی۔ (کوئی اچھا کام نہیں کیا) ایسے آدمی کا جنازہ اور دفن کیا جانا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ بات ٹھیک ہے مگر ایک اس کی ادا ایسی بھی تھی۔ جو لوگوں سے پوشیدہ تھی وہ یہ کہ جب بھی وہ تورات کھولتا۔ اور اسم "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی نظر پڑتی۔ تو اسے چوم لیتا اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیتا۔ میں نے اس کو اس بات کا اجر یہ دیا ہے کہ اس کی مغفرت کر دی ہے۔ اور ستر حوریں اس کی زوجیت میں دے دی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم القدر ہونے، شریف الامرا اور اپنے رب کے قرب میں صاحب جلالت ہونے پر بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔ ایسے اعلیٰ اشارات، عظیم علامات موجود ہیں۔ جنہیں بلیغ عبارات سے ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت کریمہ یہ بھی ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقینا

تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا انتہائی گراں گزرتا ہے تمہارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں مومنین کیلئے مجسمہ رحمت اور مہربانی ہیں (التوبہ)۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے چکوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائیں جو تمہارے ہاں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق کرنے والے ہوں تو تمہیں لازماً ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنا ہوگی۔ پوچھا۔ کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اور تم نے اس پر مجھ سے پختہ عہد باندھا؟ سب نے عرض کیا۔ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ پھر تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران)

ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت کریمہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں، جن کا ''سِر'' تمام اسماء اور تمام صفات میں جاری وساری ہے۔ اور اس طرف بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ جو تمام مخلوقات کی طرف بھیجے گئے۔ اور جو ان میں سے ہی یا ان میں سے اعلیٰ اور نفیس ترین شخصیات میں سے جلوہ فرما ہوئے۔ ان کی ارواح اور ان کی اشباح میں سے تشریف لائے۔ اس آیت میں تمام علوی اور سفلی مخلوقات ہے۔ اور اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوقات کا پریشانی میں پڑنا، شقاوت میں پڑنا اور اللہ تعالیٰ سے دوری میں پڑنا نہایت دشوار گزرتا ہے۔ اور یہ بھی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کا سعادت میں اور قرب الی اللہ میں پڑنا اس کے بہت زیادہ متمنی ہیں۔ اور مومنوں پر انتہائی مہربان ہونا اور کفار کیلئے بہت شدید اور غصہ والا ہونا بھی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری آیت کریمہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں سے یہ عہد وپیمان لیا۔ یہ عہد وپیمان ''عالم روحانی'' میں ہوا۔ اور ''عالم جسمانی'' میں بھی معرض وجود میں آیا۔ عہد وپیمان یہ تھا کہ اگر تم میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نصیب ہو۔ تو وہ آپ پر ضرور ایمان لائے گا۔ ان کی اتباع کرے گا اور ان کی اللہ کے راستہ میں مدد کرے گا۔ یہ عہد انبیاء کرام کی امتوں سے بھی لیا گیا۔ اور اس عہد وپیمان پر ہر نبی اور امت قائم رہی۔ اس شرط کا ہر دور میں

اعتبار کیا گیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ جب نسیم صبح چلی، خوشبوئیں بکھیریں، روشنیاں چمکیں، شمس ربوبیت "عرش رحمانی" سے طلوع ہوا، اس کی روشنی مالکیت کی زمینوں پر پڑی، احدیت کے سمندر واحدیت کے ساحلوں پر جوش دکھانے لگے، تو الوہیت کی چوٹیوں پر بارگاہ رب العزت کے مؤذن نے اذان دی۔ ایسی اذان جو عظمت، کبریائی اور ابدی عزت کی زبان سے تھی۔ اس اعلان واذان سے تقدیسات الٰہیہ کی زمینوں میں ہریالی اور نشوونما کی کیفیت آئی، پھر ہر رحمانی عجیبہ، ربانی غریبہ، نورانی لطیفہ، روحانی رقیقہ اور جسمانی کثیفہ سے پودے پھوٹے۔ پس ابدی سعادت کی روحیں بلندی پر پہنچیں، وہ روحیں جو عارفین، مقربین، محبین اور محبوبین کی تھیں۔ وہ بلندی جو منازل عالیہ، مشہور شہروں، باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کیلئے تھی۔ یہاں تک کہ وہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ (الرحمٰن) سے متصف ذات باری تعالیٰ کے صحن میں جا اترے۔ پس وہ جہاں تھے وہاں نہ پہلے تھے اور نہ ہوں گے بہرحال جہاں بھی تھے وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قرآن کی تلاوت سماعت کی۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ (التوبہ)۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی خوشخبری دیتا ہے۔ پھر "سلطان جبروت" نے ملک وملکوت کے آسمانوں میں بلند آواز سے کہا۔ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ - وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ (الانبیاء)

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ شیشہ ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعز جمالہ اپنی تمام شہادت وخلق میں اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی "امام المبین" ہیں۔ اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العالمین کے تمام نفحات میں ایسی روح عظیم ہیں جو ہر ایک نفحہ میں جاری وساری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حضرات جبروتیہ کے آسمانوں پر مشرق سے طلوع ہونے والا سورج ہیں۔ اور "نسمات ملکوتیہ" کے کمالات کے مغرب میں غروب ہونے والا منور راز ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ سر ہیں جس سے اسرار ذات پھوٹتے ہیں اور آپ ہی وہ نور ہیں جس سے انوار صفات پھٹتے ہیں۔ آپ ہی وہ نور ہیں جس میں تجلیات کے وعدہ جات رکھے گئے۔ آپ ہی وہ سر ہیں جس میں تجلیات کی بجلیاں کوندتی ہیں۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بارش برسانے والا آسمان (بادل) ہیں جو حضرات جبروت کے انوار کی بارش برساتا ہے۔ آپ ہی وہ زمین ہیں جو ملک وملکوت کے راز اگاتی ہے۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عرش ہیں جس پر رحمٰن مستوی

ہے۔آپ ہی وہ کرسی ہیں جن میں دیوان قائم کئے گئے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ روشن راز ہیں جو حق و جبروت کے جہانوں کے عرش سے چمکتا ہے۔آپ ہی وہ روح ہیں جو ملک وملکوت کے جہانوں کے رازوں کی جامع ہے۔آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ قطب ہیں جو حضرات کے ستاروں کے سورج کے جامع ہیں۔اور آپ ہی وہ فرد واحد ہیں جن کے جوہر روح کی طرف تمام اشارات کا اشارہ ہوتا ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ عالی فرد ہیں جو اپنی ذات سے انوار و ظلمات کے جہانوں پر منور ہیں۔آپ ہی وہ عرش محیط ہیں جس کی حقیقت کی تعبیر کیلئے مختلف قسم کی عبارات ہیں۔ آپ ہی روحانی آسمانوں سے اور دور چمکنے والے ماہتاب ہیں۔آپ ہی وہ روشن صبح ہیں جو ہر قسم کی خوشیاں، مسرتیں اور فرحتیں لیکر طلوع ہوتی ہے۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام حقائق، دقائق، رقائق اور ارواح میں جاری وساری روح ہیں۔اور آپ ہی تمام کثائف، عقول، نفوس اور اشباح میں سرایت ہونے والا راز ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا نور بلند ستارے میں ظاہر ہے۔اور انمول موتی میں آپ ہی کا سر پوشیدہ ہے۔اور "نفحات رحمٰن" جس سے جوش میں آتی ہیں آپ ہی وہ سمندر ہیں۔کائنات کے ستارے جس قطب کے گرد گھومتے ہیں وہ قطب آپ ہی ہیں۔عرش ربوبیت اور آسمان مخلوقیت بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق و جبروت کے جہانوں کے عرش سے چمکنے والا نور ہیں۔اور ملک وملکوت کی کائنات کے سورج کا روشن راز بھی آپ ہی ہیں۔تمام انوار کو فیض کے ذریعہ روشن کرنے والا سورج آپ ہی ہیں۔اور تمام اسرار کا احاطہ کرنے والی آپ ہی کی ذات ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اس میں سے دیکھی۔ پس اپنے اسم "قیوم" کے نور سے اسے پیدا کیا۔پھر تمام کائنات اس سے پیدا کی۔پس کائنات میں آپ ہی کو اس نے اپنا محل نظر بنایا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی منزلت و بلندی کے اعتبار سے تمام موجودات میں سے اشرف ہیں۔اور مکان و رفعت کے اعتبار سے آپ ہی سب سے زیادہ "مکرم" ہیں۔اللہ تعالیٰ کی محبت میں موجودات میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہیں۔اور اس کی معرفت میں کوئی بھی آپ سے بلند نہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں کوئی بھی دوسرا آپ سے بڑھ کر زیادہ قریب نہیں۔کیونکہ سید المقربین اور افضل العالمین آپ ہی ہیں۔موجودات کی چکی آپ کے گرد گھومتی ہے۔آپ ہی تمام مخلوق کے قطب ہیں۔ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مخصوص وجہ کیلئے تخلیق فرمایا۔اور ایک مخصوص رتبہ میں پیدا کیا۔جو صرف اور صرف آپ میں ملحوظ اور

11B

محفوظ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ارواح، اسرار اور انوار کے معشوق ہیں۔آسمانوں، زمینوں، جنت اور دوزخ کے محبوب بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ روح ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے قرب و جبروت کی عظیم دولت رکھی۔اور ملک وملکوت میں جس کی عظیم حمد وثناء ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تمام کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں چمکنے والا نور ہیں۔اور خدائی روشنیوں میں چمکتا راز بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ سمندر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جس کے قطرات سے تمام مخلوق کو جمع کیا۔اور آپ ہی وہ بارش ہیں جس کے قطروں سے تمام موجودات کو اکٹھا کیا۔شمس وقمر، افلاک ونجوم کا نور بھی آپ ہی ہیں۔زمان ومکان اور ابصار وعیون کا راز بھی آپ ہی ہیں۔جوہر دیا قوت اور دیگر پتھروں کا نور بھی آپ ہی ہیں۔پھولوں، درختوں اور نباتات کا راز بھی آپ ہی ہیں۔لطائف، رقائق اور ارواح کے راز کو اٹھانے والا نور، ہر کثیف چیز، تمام نفوس اور اشباح میں روشن راز بھی آپ ہی ہیں۔عرش وکرسی اور لوح وقلم کا احاطہ کرنے والا نور، آسمانوں، زمین، جنت، دوزخ اور تمام کائنات کو گھیرنے والی روشنی بھی آپ ہی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرشتوں، جنات، انسانوں، حیوانات، عناصر، جمادات، نباتات اور دیگر تمام کائنات میں اپنے چہرہ مقدسہ کے اعتبار سے ظاہر ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ذات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں جو چیز پیدا فرمائی یا فرمائے گا وہ آپ کے چہرۂ انور کے نور کے گرد گھومتی ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور کی مٹھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور قدیم سے بھری۔پھر اسے فرمایا۔ کُوْنِیْ مُحَمَّدًا فَکَانَتْ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن جا۔تو وہ بن گئی۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ ۔۔۔ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ
دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصارٰى فِي نَبِيِّهِمْ ۔۔۔ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں جو اپنے حسن وجمال وخوبیوں میں شریک نہیں رکھتے۔ آپ میں حسن کا جوہر نا قابل تقسیم ہے۔عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے جس بات کا دعویٰ کیا۔ (کہ وہ اللہ یا اس کے بیٹے ہیں) یہ کہنا چھوڑ دے۔اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں جو چاہے کہتا رہو سنتا رہو۔

مولد شریف کا ابتدائی تیسرا حصہ یہاں مکمل ہوا

اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے

حصہ دوم: ''جبروت'' میں جب اس عزت، عظمت اور کبریاء کے سورج طلوع ہوئے۔اور ''ملک و

ملکوت'' میں اس احدیت کے سمندروں نے اسرار وانوار کا پانی بہایا۔ اور ''لاھوت'' میں ان عجائبات و غرائب کی بلبلوں نے زبان غیب سے نغمہ سرائی کی۔ تو ''ناصوت'' میں ان حقائق ورقائق کے عرش سے پروردگار جل وعلا کی نسیم بہاری چلی۔ پھر حلیم ومنان کے ایک منادی نے فضل واحسان کے مینار پر کھڑے ہوکر مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے آسمان میں یہ ندا کی۔ کہ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ — وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات!

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور ہیں۔ جن میں اللہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے دونوں غیب وشہادت کا ظہور فرمایا۔ سو اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس حال پر وہ تمام مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے انسلاخ سے قبل تھا۔ اور قبل اس کے اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ، قضا وقدر کا اظہار فرماتا۔ اس کی طرف اشارہ وہ روایت کرتی ہے۔ جس کو حضرت امام علی بن حسین عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نُوْراً بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنے رب کے سامنے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے ''نور'' تھا۔ اور یہ روایت بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ جسے سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سَأَلَ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَام فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ کَمْ عَمَرْتَ مِنَ السِّنِیْنَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَسْتُ اَعْلَمُ غَیْرَ اَنَّہٗ فِی الْحِجَابِ الرَّابِعِ نَجْمٌ یَطْلُعُ فِیْ کُلِّ سَبْعِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مرةً رَاَیْتُہٗ اِثْنَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَا جِبْرِیْلُ وَ عِزَّةِ رَبِّیْ اَنَا ذَالِکَ الْکَوْکَبُ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا۔ اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ عرض کیا۔ میں نہیں جانتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ہے جو ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا ہے۔ میں اسے بہتر مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرئیل! مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہ ستارا ہوں۔ ایک اور روایت بھی اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مذکور ہے۔ قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ دوسری روایت میں ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ۔ تیسری میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحَ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ''قلم''

پیدا کیا۔ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ "عقل" ہے۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے روح کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ پس قلم، عقل اور روح اس عالم بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح مبارک کے مختلف چہرے ہیں۔ اور آپ کے "نور" کے مختلف اعتبارات ہیں۔ اور عالم عالی میں آپ کے مختلف اسماء ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور ہیں جو تمام ارواح میں اتارا گیا۔ اور آپ ہی جمیع اشباح کے دلوں کا سر باطنی ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع موجودات کا خلاصہ، جمیع مخلوقات کا "اصل" ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے رب نے ان حضرات عالیات اور تقدسیات ازلیات میں بتا دیا تھا۔ کہ آپ کی نبوت سب سے پہلے ہے۔ اور عظیم الشان رسالت کی خوش خبری سنا دی تھی۔

پھر جب "جبروت" کے بادشاہ نے "ملک وملکوت" کے امام کو "لاھوت" میں اپنے سورج کے اظہار اور "ناسوت" میں اس کی ضیاء پاشی کا حکم دیا۔ تو "رقائق روحانیہ" کے دریا "کثائف جسمانیہ" کی زمین پر بہہ پڑے۔ تو "حضرات جمال" کے منادی نے جلال کی چوٹیوں کے مینار پر کھڑے ہو کر ندا کی۔ کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ہر عیب ونقص وکمزوری سے پاک ہوں۔ میں ہی عرش عظیم اور کرسی دیوان کا مالک ہوں، میں ایک تنہا اور دوسرے سے پاک ہوں۔ میں اکیلا ہی مالک ہوں۔ رحیم ورحمٰن ہوں، عزیز وجبار، کبیر متعالی، حی وقیوم ہوں اور کل یوم ہو فی شان میری صفت ہے۔

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ رب کائنات نے یہ ارادہ فرمایا۔ کہ کوئی ایسا ہونا چاہئے جو میری صفت ربوبیت کا متعلق ہو۔ جس کی میں تربیت کروں۔ تو اس نے آپ سے تمام موجودات کی اصل ظاہر فرمائی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام عالمین کیلئے اصل ممد ظاہر کیا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اصل سے خود اپنی ذات کی طرف ارواح اور انوار کے تمام جہانوں میں نظر کی۔ اور اسی طرح ظلمات واشباح کے جہانوں کی طرف بھی دیکھا۔ تو ہمارے آقا ومولیٰ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اپنی نبوت ورسالت سیادت وعظمت اور قربت پروردگار کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ ابھی حضرت آدم علیہ السلام اور کائنات کی کوئی دوسری چیز پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ کوئی عارف ومحبوب اور نہ کوئی مقرب ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اسرار وانوار کا محبوب بنا دیا۔ تمام کائنات اور اغیار کا معشوق بنا دیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم

گرامی اپنے عظیم اسماء وصفات کے ساتھ ملا دیا۔ اور آپ کا نام پاک اس کائنات کی ہر چیز پر تحریر فرما دیا۔ خواہ وہ از قبیلہ ذات ہو یا صورت ورنگ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عرش ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے۔ اور آپ ہی وہ کرسی ہیں جس میں تمام دیوان نصب ہیں۔ آپ ہی وہ قلم ہیں جس سے رحمٰن اس کائنات کے ہر ذرہ پر ماکان وما یکون لکھتا ہے۔ اس لئے کہ تمام ارواح آپ سے سوالی ہیں۔ تمام اشباح آپ سے مدد طلب کرتے ہیں اور یہ سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہزاروں برس پہلے ہوا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمت کے مظہر، جلال کے مرکز، اور ذات باری تعالیٰ کے مخصوص ہیں۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کا مظہر اعلیٰ اور روشن محل ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتدار الٰہی کے مظہر، امر ونہی کے نفوذ کے محل ہیں اور رقائق خلقیہ کے ظاہر کرنے میں آپ ہی توجہ اول ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی مخلوقات میں امر الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ قضا وتقدیر کی فصل اور تدوین وتسطیر کے آپ ہی محل ہیں۔ آپ ہی سدرۃ المنتہیٰ ہیں۔ جس کے نیچے ہی تمام کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور اس کی طرف جو اس قدس عالی اور تنزیہ غالی میں ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اشارہ کرتے ہیں جب شب معراج آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایک مقام آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے۔ لیکن جبرئیل وہیں رک گئے۔ آپ نے جبرئیل کو کہا۔ جبرئیل! آگے بڑھو۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا۔ کیونکہ اگلا مقام "مقام خصوصی" ہے۔ اس لئے کہ وہ الوہیت کے چمکنے کی جگہ ہے۔ ربوبیت کے جلال کا مقام ہے۔ خصوصیت کا مظہر اور مخلوقیت کا مغرب ہے۔ ایسا اعلیٰ واشرف مقام ہے کہ موجودات ومخلوقات میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر جا سکتا ہے تو وہ جو "صاحب محمدیۃ کبریٰ" ہو، اور "شفاعت کبریٰ" کا مالک ہو۔ دنیا و آخرت کا سردار ہو۔ اور وہ صرف اور صرف ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ عبودیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ مکانات رحمانیہ میں اعلیٰ مکان کے مکین ہیں۔ ان تقدسیات امالیہ اور تنزلیات ابدیہ میں تمام فرشتے اور تمام پیغمبر پرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ عالیہ اور عظمت صمدانیہ سے آپ کی طرف وہ لطیفہ ذاتیہ وحی کیا۔ جو علوم الٰہیہ اور غیوب صمدانیہ کا تھا۔ جس نے کبریائی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ عظمت کی ازار پہن رکھی تھی۔ احدیت و وحدیت اور رحمانیت و ربوبیت کا تاج پہن رکھا تھا۔ جلال کا نقاب ڈالا ہوا تھا۔ لباس کمال میں ملبوس رہا تھا۔ حجاب عزت سے چھپا ہوا تھا۔ عجائب رحمانیہ سے روشن تھا۔ غرائب ربانیہ سے مزین تھا۔ وہ کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے

اپنے قدیم کلام، عظیم خبر، متین خطاب اور کتاب مبین میں اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا۔
وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ہی ایمان کو۔ اور لیکن ہم نے اس کو نور بنایا۔ اپنے بندوں میں سے جسے ہم چاہتے ہیں راستہ دکھاتے ہیں۔ اور آپ بھی یقیناً صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں (الشوریٰ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم روح ہیں جو رب العالمین کے دربار عالیہ میں موجود اور قائم ہے۔ حضرات الٰہیہ اور عظمات صمدانیہ میں تصرف کرنے کی اجازت آپ کو دی گئی ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جلال کا عظیم مرکز اور ان کے ظہور کا کامل مظہر ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے اللہ رب العزت نے تمام انبیاء و مرسلین کو ظاہر فرمایا ملائکہ و مقربین و عالین کہ جن کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا جیسا کہ اسرافیل، میکائیل، جبرائیل عزرائیل اور ان سے اوپر والے فرشتے جیسا کہ کرسی کے نیچے کھڑے فرشتے، امام مبین کے نیچے موجود فرشتے ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض سے ظاہر فرمایا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ''سر مکنون، حرز مصون، عزیز المرام اور عظیم المقام'' ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ راز ہیں جس کا صراحۃً بیان کرنا درست نہیں۔ اور کتابت و تلویح سے ان کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ''قطب'' ہیں۔ جن کے اردگرد جمال کے افلاک گھومتے ہیں۔ آپ ہی وہ سورج ہیں جن سے کمال کے چاند روشنی پاتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حبیب اعظم ہیں۔ جن کے اوصاف نہایت عمدہ اور جن کی صفات نہایت پاکیزہ ہیں۔ جمال جن کو دہشت زدہ اور جلال جن کو کپکپا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ آپ حکمت کے فلک الافلاک ہیں، رحمتوں کے دریاؤں کا دریا ہیں، عصمت کی تائید سے مؤید ہیں۔

اللہ تعالیٰ رب قدیر نے جب اپنے اسماء و صفات کے ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ مخلوق اس کی ذات کی معرفت حاصل کرے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے یہ متمیز مظاہر ظاہر فرمائے جنہیں موجودات ذاتیہ کہتے ہیں جو مراتب الٰہیہ میں روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات کی طرف اپنا قدیم کلام دیکر بھیجا۔ اپنی عظیم خبر دے کر ارسال فرمایا۔ اپنے عظیم خطاب سے نوازا، اپنی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ''ادراک'' سے بلند و بالا ہے۔ شریک سے پاک ہے، تو اس سے عزت ربانیہ کی

بلندی ظاہر ہوئی۔ اور اس کے ساتھ مرتبہ ربانیہ کا حق پہچانا گیا۔ جس کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام، اپنی عظیم خبر اور اپنے متین خطاب میں اشارہ فرمایا۔ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور تمام زمین قیامت کے دن اسی کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمانوں کو وہ اپنے دائیں ہاتھ سے سمیٹنے والا ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور اس سے بلند ہے جو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (الزمر)

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موجودات میں جمال کے سورج ہیں، مخلوقات میں تمام کمال کو (اپنے اندر) جمع کرنے والے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نقطہ ہیں جس پر اسماء، صفات اور جلال کا محیط گھومتا ہے۔ اور آپ ہی وہ قبضہ ہیں جس پر اول و آخر اور اوسط کے محیط چکر لگاتے ہیں۔

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ     وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عَظَمٍ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ     حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

آپ کی ذات مقدسہ عالیہ کی طرف جو شرف اور جیسی بزرگی منسوب کرنا چاہے اور آپ کی قدر و منزلت کی طرف جس طرح کی اور جیسی عظمت کی بھی نسبت کرنا چاہے کرلے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کی کوئی حد نہیں۔ جس کو کوئی اپنی گفتگو میں کامل طور پر بیان کر سکے۔

جب ان ''لطائف صمدانیہ'' کی ہوائیں چلیں، ان ''عجائب رحمانیہ'' کی خوشبوئیں مہکیں، ان ''غرائب ربانیہ'' کے لمحات چمکے، ان ''حقائق نورانیہ'' کے لشکر نے حملہ کیا، ان ''رقائق روحانیہ'' کے دریا بہے اور اس ''کائنات جسمانیہ'' کے پردے زائل ہوئے تو اس ''حضرات الٰہیہ'' کے ایک منادی نے ان ''کواکب شانیہ'' کی منازل میں اس ''وحدت سبحانیہ'' کے کلام کے ساتھ ان ''مظاہر ربانیہ'' کی زبان سے اسے مخاطب کر کے یہ ندا کی۔ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔

سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت ذکر کی ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اپنی مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ ارشاد فرمایا۔ وہ ''عما'' میں تھا۔ جس کے نیچے اور اوپر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا

کیا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ''سفید یاقوت'' میں تھا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ ''کنز یہ مخفیہ'' میں تھا۔ دلیل اس کی یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس ''عما'' وہ کہ جس کے اوپر نیچے ہوا ہے سفید یاقوت اور کنز یہ مخفیہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل تھی۔ تمام مخلوقات ناپید تھی۔ وہ تھا۔ کوئی چیز اسکے ساتھ نہ تھی۔ جیسا کہ وہ اب بھی اس طرح ہے جس طرح پہلے تھا۔ جب اللہ رب العزت نے اس کائنات کو ظاہر فرمانا چاہا تو اس ''سفید یاقوت'' کی طرف نظر کمال سے دیکھا تو وہ پگھل گیا۔ اور پانی ہو گیا۔ پھر اس کی طرف ''نظر عظمت'' سے دیکھا تو وہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ جس طرح سمندری لہریں ٹھاٹھیں مارتی ہیں۔ پھر بعض کے بعض کے ساتھ ٹکرانے سے اس کی کثافت اوپر آ گئی۔ جس طرح سمندر سے جھاگ اوپر آ جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جھاگ سے زمین کے سات طبقات بنائے۔ اور ہر زمین میں اس کی جنس کے مطابق آبادی بنائی۔ پھر اس پانی کے لطائف اوپر چڑھ گئے۔ جس طرح سمندروں سے بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔ تو اس کو پھاڑ کر سات آسمان بنائے۔ اور ہر آسمان پر اس کی جنس کی مانند فرشتے پیدا کئے۔ پھر اس پانی کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اردگرد موجود سات سمندر بنا دیا۔ جب ان قہاری کڑک کے کھڑاک بلند ہوئے اور ان زواجر جباریہ کے عظمات جوش میں آئے۔ اور ان کڑکتی بجلیوں کی کڑک اٹھی اور ان ''سبحانی زلزلوں'' کی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی تو اس بلند و عالی بارگاہ کے سورج طلوع ہو گئے۔ اور ان ''جبروتی انوار'' کے دریا بہہ نکلے۔ اور ان ''ملکوتی افلاک'' کے سیارے چمکے تو رحمن کے منادی نے مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنَ کی فضا میں ندا کی۔ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ - وَمَا اَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔

## حصہ دوم ختم ہوا

### حصہ سوم: اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات!

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ''نورانی لطیفہ'' ہیں۔ جس سے علی الدوام اللہ تعالیٰ ظہور فرماتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ''روحانی رقیقہ'' ہیں۔ جس کے واسطہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ شب و روز کے گزرنے پر تجلی فرماتا ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ''نور عجیب'' اور ''سر غریب'' ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بارگاہ ربوبیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ کی طرف نظر فرمائی۔ جو روحی صورت تھی۔ تو وہ یوں ہو گئی گویا دو ٹکڑے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نصف اول سے جو اس کے دائیں طرف تھا اس سے جنت

بنائی۔ اور اسے مومنین کیلئے سعادت کا گھر قرار دیا۔ اور دوسرے نصف سے جو بائیں طرف کے مقابل تھا۔ اس سے جہنم بنائی۔ اور اسے کافروں کیلئے شقاوت کا گھر بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور تمام کائنات ظاہر فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "قلم" کو پیدا کیا۔ تو حکم دیا۔ اے قلم! لکھ۔ قلم نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا۔ نوح (علیہ السلام) کی امت لکھو۔ اور لکھو کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔ اور جس نے اس کی نافرمانی کی اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔ اور امت ابراہیم میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں اور جس نے نافرمانی کی اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ امت موسیٰ میں سے بھی جس نے اس کی اطاعت کی وہ جنتی اور نافرمان جہنمی ہے۔ عیسیٰ کی امت کے فرمانبردار بھی جنتی اور نافرمان جہنمی ہیں۔ قلم نے یہ سب کچھ جب لکھ دیا۔ تو پھر وہ رک گیا۔ اور لکھنا بند کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی بارگاہ عالیہ، عظمت صمدانیہ سے الوہیت کے مظہر اور ربوبیت کی تجلی گاہ میں اس پر تجلی فرمائی۔ اور قلم کو خطاب عزت سے مخاطب کیا۔ اور عظمت کی زبان سے حکم دیا۔ کہ لکھ۔ یہ سن کر قلم کانپ گیا۔ تھرتھرا گیا اور اللہ کبیر و قہار کی ہیبت سے پھٹ گیا۔ اور عظیم و جبار کی جلالت سے چر گیا۔ عرض کیا۔ پروردگار! کیا لکھوں؟ حکم ہوا۔ لکھو۔ "اُمَّةُ مُحَمَّدٍ اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت۔ گنہگار امت اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار "حضرات عالیہ" سے حضرات عالیہ، نفحات رحمانیہ، نسمات ربانیہ اور تجلیات روحانیہ کی طرف گردش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ کو آپ کی روحانی رقیقت اور جسمانی طینت میں دیکھے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ وہ مٹی لائے جو زمین کا دل ہے۔ اب جبرئیل علیہ السلام فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ نیچے اترے۔ اور آپ کی قبر انور کی جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی بھری۔ اسے تسنیم کے پانی سے گوندھا، پھر جنت کی نہروں میں اسے ڈبویا۔ حتیٰ کہ وہ مٹی "سفید موتی" بن گئی۔ پھر فرشتے اسے عرش، کرسی، لوح، قلم، آسمان، زمین اور تمام سمندروں دریاؤں پر لئے چکر لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام فرشتوں اور ساری کائنات و مخلوقات نے آپ کو پہچان لیا۔ جبکہ آپ ابھی بھی طینت میں تھے اور یہ آدم علیہ السلام کی طینت میں ان کی پہچان سے بہت پہلے ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار عالیہ لگاتار آپ کی جسمانی طینت میں چمکتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا۔ اور بجنے والی

مٹی میں ان کی صورت بنائی۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد پیدا کی جو اس وقت چیونٹی کی طرح تھی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھا۔ ان میں سے جو اہل سعادت تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کے دائیں جانب رکھا۔ اور اہل شقاوت کو ان کے بائیں طرف رکھا۔ پھر آدم علیہ السلام میں روح پھونکی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں طرف جسم پر اپنی قدرت کا ہاتھ پھیرا، تو اس میں سے ایک ذریت، جو سفید چیونٹی کی طرح تھی۔ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ یعنی یہ جو عمل بھی کریں گے بالآخر یہ جنتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت کی بائیں جانب دست قدرت پھیرا۔ اور سیاہ چیونٹیوں کی طرح ذریت نکالی۔ انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ یہ جہنمی ہیں۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ یعنی جو بھی عمل کریں گے بالآخر جہنمی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنے سامنے جمع کر کے پوچھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (الاعراف:172)۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ یعنی میں تمہارا رب ہوں۔ تمہارا خالق ہوں، تمہارا بنانے والا اور تمہارا مصور ہوں۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی کائنات کا مالک اور پالنے والا ہوں، میں ہی تمہیں پیدا کرنے اور پھر مارنے والا ہوں۔ میں ہی وجود عطا کرنے والا اور وجود کے بعد معدوم کرنے والا ہوں۔ عزت و ذلت، خوشی و غم، حرکت و سکون، سعادت و شقاوت، فنا و بقا سب میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ میں ہی اللہ واحد رب العالمین ہوں۔ عطا کرنے والا، روکنے والا، نفع و ضرر پہنچانے والا، ملانے اور کاٹنے والا، اکٹھا اور الگ کرنے والا بھی میں ہی ہوں۔ بلندی عطا کرنے والا، نیچے گرانے والا، رفعت دینے والا میں ہی رب العالمین ہوں۔ تمام صفات کا موصوف، تمام اسماء کا مسمی، تمام مخلوقات کا خالق اور تمام مفعولات کا فاعل بھی میں واحد معبود رب العالمین ہوں۔ میں ہی تمام موجودات کا راز، تمام مخلوقات کی حقیقت، تمام کائنات کا نور۔ تمام آسمانوں اور زمینوں کا قیوم ہوں۔ میں ہی موجود، قدیم، باقی ہوں۔ میں ہی تمام کائنات سے الگ ہوں۔ میں ہر ایک سے مستغنی ہوں۔ تمام میرے محتاج ہیں۔ افعال، اسماء اور صفات میں میں "واحد" ہوں۔ مراتب، مقامات اور ذات میں واحد ہوں۔ اسرار، انوار اور نفحات میں واحد ہوں۔ ارواح، اشباح اور نسمات میں واحد ہوں۔ امثال اعراض اور تجلیات میں واحد ہوں۔ دنیا، آخرت اور لحات میں واحد ہوں۔ حی، علیم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم میری ہی صفات ہیں۔ واحد، احد، فرد، صمد اور لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ میری ہی شان ہے۔ یہ تمام مخلوقات میری ملک، میری غلام ہے۔ میں ان میں جو چاہوں تصرف کروں۔ یہ تمام موجودات میرے ملابس، مظاہر، مغارب،

مشارق، مفاتیح اور مغالیق ہیں۔ یہ ساری کائنات میری علامت، میری معلومات، میری مقدورات، میری مرادات، میری مسموعات، میری مبصرات اور میرے کلمات ہے۔ ان میں میرے ساتھ نہ کوئی نبی ومرسل، نہ کوئی فرشتہ، نہ کوئی جن وانس، نہ کوئی حیوان ونباتات، نہ کوئی جمادات، نہ روح، نہ جسم اور نہ عرض الغرض کوئی بھی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس خطاب (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) کے جواب میں سب نے عرض کیا۔ تو ہی ہمارا رب، ہمارا راز، ہماری حقیقت، ہمارا نور، ہمارا قیوم ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی رب العالمین ہے۔ دینے والا، روکنے والا، نفع ونقصان کا مالک، پیدا کرنے والا مارنے والا، وجود دینے والا پھر معدوم کرنے والا، عزت وذلت دینے والا، خوشی وغم عطا کرنے والا، حرکت وسکون، سعادت وشقاوت اور فناو بقا عطا کرنے والا تو ہی واحد معبود رب العالمین ہے۔ وصل وقطع، افتراق واجتماع، بلندی وپستی، عزت وذلت بھی تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہیں، تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی موصوف بجمیع الصفات، تو ہی تمام اسماء کا مسمّٰی، تو ہی تمام مخلوقات کا خالق اور تو ہی تمام مفعولات کا فاعل ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تمام موجودات کا راز، تمام مخلوقات کی حقیقت، تمام کائنات کا نور اور تمام آسمانوں زمینوں کا قیوم تو ہی ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی تمام کائنات سے الگ ہے۔ تو ہی ہر ماسوا سے مستغنی ہے۔ تیرا ہی ہر ایک محتاج ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی افعال واسماء اور صفات میں واحد، مراتب ومقامات اور ذات میں واحد، اسرار ولمحات اور انوار میں واحد، ارواح، اشباح اور نسمات میں واحد، امثال واعراض اور تجلیات میں واحد، دنیا وآخرت اور لمحات میں واحد ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے تو ہی حی، قیوم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی واحد، احد، فرد، صمد اور لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص) کی شان کا مالک ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔

یہ تمام مخلوقات تیری ملک، تیری غلام ہے۔ تو اس میں جیسے چاہے تصرف کر، یہ تمام موجودات تیرے ملابس، مظاہر، مغارب، مشارق، مفاتح اور مغالیق ہیں۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ یہ تمام کائنات تیری علامات، تیری مقدورات، تیری مرادات، تیری مسموعات، تیری مبصرات اور تیرے کلمات ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ ان میں تیرے ساتھ کوئی نبی، مرسل، مقرب فرشتہ، انسان، جن، حیوان، نباتات، جمادات، روح، جسم اور عرض شریک نہیں ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا عہد و میثاق لیا کہ جب وہ دنیا میں اتریں گے اور تکلیف کے مقام (احکام شرعیہ کے پابند) پر پہنچیں گے اور ان میں کتابیں نازل ہوں گی۔ رسول بھیجے جائیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ پورا کریں گے۔ اس پر ایمان لائیں گے۔ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے اور ان تمام باتوں کی بھی تصدیق کریں گے۔ جو حضرات انبیاء کرام ان کی طرف اللہ تعالیٰ سے لائیں گے۔ پھر ان ذریات کو آدم علیہ السلام کی پشت میں دوبارہ رکھ دیا گیا۔ جب آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان کی اولاد بھی یہیں پیدا ہوئی تو ان میں سے اہل سعادت یعنی وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں کی تصدیق کی اور پیغمبر کی تعلیمات کو مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے محض اپنے فضل سے جنت میں ہمیشہ رہنا مقرر کر دیا۔ اور اہل شقاوت یعنی وہ جن کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ اس کے رسولوں اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا۔ تو ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے عدل سے جہنم میں ہمیشہ رہنا مقرر کر دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کی پیشانی میں جگمگا رہا تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں جانب کی پسلی سے حضرت حوا پیدا کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو فرشتوں نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور کہا۔ اے آدم! رک جاؤ۔ پہلے ان کا حق مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا حق مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا۔ حق مہر یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر بیس مرتبہ درود پڑھو۔ ایک روایت میں دس مرتبہ آیا ہے۔ اس دوران کہ آدم علیہ السلام جنت میں سیر فرما رہے تھے کہ آپ نے اچانک عرش کے پردوں میں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو دیکھا اور آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا دیکھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ پوچھا اے پروردگار! یہ کون ہیں جن کا نام تیرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ فرمایا۔ یہ تیری اولاد میں سے ایک نبی ہیں۔ جن کا آسمان میں نام ''احمد'' اور زمینوں میں ''محمد'' ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ عرش و کرسی اور لوح و قلم پیدا کرتا۔ زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور دنیا و آخرت کوئی چیز بھی نہ بناتا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار ''حضرات عالیہ'' سے محبات رحمانیہ، نسمات ربانیہ اور تجلیات روحانیہ کی طرف جگمگاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاک پشتوں کے محلات اور پاکیزہ ارحام کے بروج میں دیکھے۔ تو اس نے حضرت آدم وحوا کو بلند و بالا جنت، سلامتی کے مقامات اور ابدی نعمتوں سے اس دنیا کی طرف بھیجا۔ جو فانی، حقیر اور بے وفا ہے۔ یہاں آنے کے بعد آپ کے ہاں حضرت حوا کے بطن سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ایک وقت یعنی ایک حمل سے جڑواں بچے ہوتے رہے جن میں ایک مذکر اور ایک مؤنث ہوتا۔ مگر جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ اکیلے پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا ان کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت آدم نے انہیں وصیت فرمائی کہ اس نور (محمد) کو صرف ایسی عورت کے سپرد کرنا جو ''پاکیزہ'' ہو۔ پھر یہی نصیحت چلتی رہی۔ حتیٰ کہ پہنچتے پہنچتے حضرت عبدالمطلب تک آ گئی۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نسب شریف کو جاہلیت کے افعال اور قباحتوں سے پاک رکھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الاولین والآخرین ہیں۔ افضل العالمین ہیں۔ آپ کا نسب شریف یہ ہے۔ ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن کعب بن لوی ابن غالب بن فہر بن مالک بن نضر۔ یہاں تک قریش کی انتہا ہوتی ہے۔ یا فہر تک۔ اس کے بعد نسب شریف یہ ہے۔ نضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف بالاتفاق ہے۔ اس سے آگے نسب شریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جن کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پاکیزہ پشتوں کے باغات سے ان طیب ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا کے بہترین دن میں دیکھے اور انسانی اطوار میں اکمل طور میں دیکھے۔ تو جس دن آپ کا حمل ٹھہرا اس دن آسمانوں زمینوں میں ندا ہوئی۔ وہ نور جس سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ آج رات سیدہ آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہو گیا ہے اور لوگوں کے پاس بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے رضوان جنت کو حکم دیا کہ جنت کے دروازے کھول دو۔ اس رات قریش کے ہر جانور نے زبان حال سے کہا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب حمل کی صورت میں جلوہ گر ہو گئے۔ رب کعبہ کی قسم! وہ دنیا کے امام، اس کے باسیوں کے سراج ہیں اور اس وقت تمام دنیا میں جہاں کہیں کسی کی بادشاہت تھی۔ ہر بادشاہ کا تخت شاہی اوندھا ہو گیا اور بادشاہ گونگا ہو گیا۔ اس دن کسی کو بولنے کی جرأت نہ رہی۔ مشرق کے وحشی جانور مغرب کے وحشی جانوروں کو خوش خبری دینے چل پڑے۔ اسی طرح دریاؤں اور سمندروں کی مخلوق نے ایک دوسرے کو بشارت دی۔ فارس کی وہ آگ بجھ گئی جس کی اہل

ایران عبادت کیا کرتے تھے۔ اور دو ہزار سال سے متواتر جل رہی تھی۔ بحیرہ طبریا خشک ہو گیا۔ جس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ اس جگہ "ساوہ" نامی شہر آباد ہوا۔ کسریٰ کے ایوان میں جنبش آئی۔ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور ان شیاطین کو دور نیچے پھینک دیا گیا ان پر ستاروں کے تیر برسائے گئے جو "مقام سمع" تک جایا کرتے تھے۔ اب "ابلیس ملعون" آسمانی خبروں سے محروم ہو گیا۔ اس پر وہ بہت رویا جیسے اس وقت رویا تھا جب اس پر لعنت کی گئی تھی اور اس وقت جب اسے جنت سے نکالا گیا تھا۔ اور اس وقت بھی رویا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس وقت بھی جب آپ کو مبعوث کیا گیا اور اس وقت بھی رویا تھا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا لگا تار اس دوران عجیب وغریب باتیں دیکھتی رہیں۔ جو آپ کے عظیم ظہور کی دلیل تھیں۔ حتیٰ کہ حمل کے شب وروز مکمل ہو گئے۔ پھر اس نور سے پوری کائنات مشرف ہونے پر آئی تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوئی جو بوقت ولادت عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس کا کسی اور کو علم نہ تھا۔ اس وقت سیدہ آمنہ نے ایک آواز سنی جس سے کچھ ڈریں۔ دیکھا کہ گویا ایک سفید رنگ کا پرندہ ہے اس نے آپ کے دل کو چھوا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک سفید رنگ کی چیز نظر آئی۔ جس میں دودھ تھا۔ آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ آپ نے اسے نوش فرمالیا۔ پھر کچھ عورتیں نظر آئیں۔ جو درازی قد میں کھجور کی طرح تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں۔ انہیں دیکھ کر آپ تعجب میں پڑ گئیں۔ پھر ان عورتوں نے آپ سے کہا ہمارا نام آسیہ اور مریم ہے اور یہ ہمارے ساتھ "حور العین" ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ہوا میں کھڑے چند مرد دیکھے۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے تھے۔ ان سے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبو والے عرق کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر آپ نے پرندوں کا ایک غول دیکھا۔ جو آپ کی طرف بڑھا۔ اور آپ کے حجرہ کو ڈھانپ لیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ پھر اچانک ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان خلا میں بچھایا پھیلایا گیا تھا۔ اسی وقت ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ خُذُوْهُ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ۔ اسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دو۔ اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے زمین کے مشرقی اور مغربی حصہ دیکھے۔ آپ کو تین جھنڈے دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی پشت پر گڑا ہوا تھا۔ اب آپ کو دردزہ نے آن لیا۔ اور مشکل وقت آ گیا۔ آپ گویا کہ ان عورتوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں۔ ان کی تعداد بہت تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ عورتیں اسی گھر کی رہنے

والی ہیں۔ پس اس وقت نور اول محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، اصحاب، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری ذات، تیری صفات، تیری محامد، تیرے اسماء، تیری نسمات اور تیری تجلیات کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری حضرت، تیری رحمت، تیری نعمت، تیرے فضل، تیرے کرم اور تیرے احسان کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب رحمۃ العالمین ﷺ آپ کی آل، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے وجود، تیرے علم، تیری حیات، تیرے کلام، تیری قدرت، تیرے ارادے، تیرے سمع اور تیرے بصر کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے بایں وجہ سوال کرتے ہیں۔ کہ تو ہی وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو احد وصمد ہے۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ تیری شان ہے۔ تیری ذات، تیرے اسماء، تیری صفات، تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا واسطہ دیتے ہیں اور تیرے اسم اعظم، تیرے اسم "اللہ" رحمٰن اور تیرے اس روح کا واسطہ جس سے تمام کائنات میں تو نے روح پھونکی، تیری جبروت، ملک، ملکوت کا واسطہ اور تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ، مقربین، صدیقین، شہداء صالحین اور خاص کر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی ذات، آپ کی روح اور آپ کی شریعت، آپ کی تجھ میں محبت ان سب کا واسطہ دیتے ہیں کہ تو ہمارے آقا و مولیٰ پر، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور آپ کی اہل بیت پر ایسا درود بھیج جو تیری حکومت کے بقاء تک باقی رہے اور ایسا صلوٰۃ وسلام بھیج کہ جس کے سبب تو ہماری مغفرت فرما دے۔ ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے احباب، ہمارے خاندان کی

والی ہیں۔ پس اس وقت نور اول محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَاتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، اصحاب، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری ذات، تیری صفات، تیری نفحات، تیرے اسماء، تیری نسمات اور تیری تجلیات کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری حضرت، تیری رحمت، تیری نعمت، تیرے فضل، تیرے کرم اور تیرے احسان کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب رحمۃ العالمین ﷺ آپ کی آل، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے وجود، تیرے علم، تیری حیات، تیرے کلام، تیری قدرت، تیرے ارادے، تیرے سمع اور تیرے بصر کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے بایں وجہ سوال کرتے ہیں۔ کہ تو ہی وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو احد وصمد ہے۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ تیری شان ہے۔ تیری ذات، تیرے اسماء، تیری صفات، تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا واسطہ دیتے ہیں اور تیرے اسم اعظم، تیرے اسم "اللہ" رحمٰن اور تیرے اس روح کا واسطہ جس سے تمام کائنات میں تو نے روح پھونکی، تیری جبروت، ملک، ملکوت کا واسطہ اور تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ، مقربین، صدیقین، شہداء صالحین اور خاص کر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی ذات، آپ کی روح اور آپ کی شریعت، آپ کی تجھ میں محبت ان سب کا واسطہ دیتے ہیں کہ تو ہمارے آقا و مولیٰ پر، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور آپ کی اہل بیت پر ایسا درود بھیج جو تیری حکومت کے بقاء تک باقی رہے اور ایسا صلوٰۃ وسلام بھیج کہ جس کے سبب تو ہماری مغفرت فرما دے۔ ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے احباب، ہمارے خاندان کی

مغفرت فرمادے اوران تمام حضرات کی بھی جنہوں نے ہم پر کسی قسم کا احسان کیا۔ صاحب وقت، جمیع اقطاب، جمیع اہل دیوان، جمیع اولیاء خواہ وہ زندہ ہوں یا انتقال فرما چکے ہوں۔ اس شہر کے اولیاء اس کے علماء، اس کے عوام اور ہمارے حاضرین وغائبین، بھائی دوست، ان کے والدین، ان کے اقرباء اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادے۔ آمین۔

اے اللہ! ہماری عاقبت اس طرح اچھی فرمادے جس طرح تو نے متقین کی عاقبت احسن کردی اور ہمارے دنوں میں سے بہترین دن، بابرکت دن اور سعادتوں بھرا دن وہ دن کردے جس دن تیرا دیدار عطا ہو۔

اے اللہ! اپنی ملاقات سے ہمیں فرحت بخش، اپنی قضا پر صبر کرنے والوں میں ہمیں بھی شامل فرما دے۔ اپنی حدود کی حفاظت کرنے والوں میں ہمیں بھی داخل فرمادے۔

اے اللہ! تو اپنے سوا ہر ایک سے چھوڑا کر اپنا بنالے اور یہ غنا ہمیں عطا فرما۔ دنیا و آخرت میں ہمارا تو ولی، نصیر اور انیس بن جا۔

اے اللہ! نہ ہمیں ذلیل ورسوا کرنا۔ نہ دشمنوں کا آلہ کار بنانا۔ اے اللہ! دنیا کو ہمارا اہم کام اور مقصد نہ بنانا۔ اور نہ ہی اسے ہمارا ''مبلغ علم'' بنانا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسے حاکم مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔ یاارحم الراحمین۔

اے اللہ! ہمیں اپنی عفو کی چادر میں لپیٹ لے۔ اپنی مغفرت کی چادر اوڑھادے۔ اپنی عزت کی چادر دنیا اور آخرت میں ہمیں پہنادے۔

اے اللہ! اپنی ابدی زندگی سے ہمیں زندہ رکھ۔ اور ہماری طرف وہ نظر فرما جو تو اپنے اولیاء کی طرف فرماتا ہے اور ہمیں اپنی صفات اور اسماء کا حق دار بنا۔

اے اللہ! تو ہمیں اپنی ذات، اپنی محبت، اپنی معرفت، اپنا مشاہدہ عطا فرما۔ اور یہ عطا دنیا وآخرت میں دائما عطا ہو۔

اے اللہ! ہمیں اپنی وحدت کے سمندر، محبت کے دریا اور اپنی معرفت کے پانیوں میں ڈبودے۔ اور ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھنا۔ تاکہ ہم تیرے سوا کسی اور کے نہ ہوں۔

اے اللہ! ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی ہمت بخش۔ ہمیں باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! ہمیں اپنے متقین کی کتاب (دفتر) میں شامل فرمالے اور ہمیں اپنے عارف، محب،

محبوب اور مقرب ولیوں میں شامل فرمالے۔

اے اللہ ہمیں تو اپنے اوپر ہی جمع فرمانا۔ اپنی طرف ہی ہدایت بخشنا۔ اپنے سوا کسی اور کی آزمائش میں نہ ڈالنا۔ کسی دوسرے کا محتاج نہ کرنا اور ایک لحہ کیلئے بھی ہمیں ہمارے نفسوں کے سپرد نہ کرنا۔ اپنی عظیم رضامندی دنیا و آخرت میں ہم پر نازل فرمانا۔ یا ارحم الراحمین یا اکرم الاکرمین۔

اے اللہ! ہمارے لئے کام آسان فرمادے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں کو چین بھی نصیب کردے۔ ہمارے بدن کو آرام عطا فرمانا۔ دین و دنیا میں ہمیں سلامتی اور عافیت عطا فرما۔

اے اللہ! ہمارے رزق میں وسعت کردے۔ ہمارے اخلاق کو اچھا بنادے۔ ہمیں قدموں میں مضبوطی، دشمنوں اور اپنے نفسوں پر ہماری مدد فرما۔ اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما۔

اے اللہ! ہمیں ہمارے والدین، حاضر و غائب بھائی، ان کے والدین، ان کے اقارب اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمادے۔

اے اللہ! تمام اولیاء کرام کی مغفرت فرما۔ ان کے درجات، انوار میں اضافہ فرما۔ انہیں اور زیادہ اپنا قرب عطا فرما۔ تمام علماء کی مغفرت فرما۔ ان کے درجات، انوار اور اپنے قرب میں زیادتی بخش۔ ہمیں ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے خاندان، اس شہر کے تمام باشندوں اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

(شیخ محمد مغربی رضی اللہ عنہ کی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی تحریر یہاں مکمل ہوگئی)

## جواہر الامام الکبیر الشہیر الشہاب احمد بن حجر الہیتمی رضی اللہ عنہ

(ان کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے)

امام احمد بن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر لکھی ایک کتاب ہے۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کی بہ نسبت "جامع اور صحیح ترین" کتاب ہے۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کیلئے جس نے کائنات کو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے شرف بخشا۔ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین، جمیع ملائکہ خاص کر کروبیین ومقربین کی سعادت کو مکمل فرمایا۔ جن میں اس نے تمام ظاہری و باطنی کمالات جمع فرما دیئے جنہیں کل کا امام بنایا۔ جنہیں تمام پر فضیلت دی اور جو دنیا وآخرت میں سب کے مددگار ہیں۔ جن پر شریعت مطہرہ کا اختتام فرمایا۔ جو واضح، روشن تر اور تبدیل وتحریف سے محفوظ ہے۔ اور اس وقت تک محفوظ ہے جب تک اسرافیل علیہ السلام صور نہیں پھونکتے (یعنی قیامت تک) پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تمام شریعتوں میں بہتر اور متوسط ہے۔ جیسا کہ آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) تمام نازل شدہ کتابوں کی جامع ہے اور ان سے ان گنت تفصیلی اور اجمالی کمالات کی وجہ سے فوقیت رکھتی ہے۔ ایسا کیونکر نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے عطا فرمانے پر احسان فرمایا اور آپ کی طرف اس کا پہنچنا وجہ فضل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کتاب مجید کی تعریف میں اور اس کی بعض شرح کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:38)۔ ہم نے کوئی چیز اس کتاب میں (ذکر کرنے سے) نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقریباً ساٹھ ہزار معجزات بلکہ اس سے زیادہ پر یہ مشتمل ہے جیسا کہ اس بات کو وہ شخص جانتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے علوم ومسالک پر مطلع فرمایا ہو۔ یہ کتاب اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے مختلف طریقوں پر بھی مشتمل ہے آپ کے کمال اور قدر ومنزلت کی بلندی اور عظیم الشان معاملہ پر سینکڑوں آیات گواہ ہیں۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن مدحیہ اور کمالات سے بھرپور الفاظ سے خطاب فرمایا۔ وہ بھی واضح ہے۔ آپ کی امت کو آپ کے مقامات وخصوصیات سے بھی اس کتاب نے مطلع فرمایا۔ علاوہ ازیں بہت سی ایسی دیگر مباحث ذکر فرمائیں۔ جن کی حقیقت تک رسائی ناممکن ہے اور وہاں تک

مخلوقات میں سے کسی کی رسائی محال ہے۔کوئی بھی کامل شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق و کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایسے ہی اعلیٰ خطابات میں سے ایک خطاب یہ بھی ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۴۸﴾ اے نبی محترم! ہم نے آپ کو حاضر ناظر، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا اور مومنوں کو آپ اس بات کی اچھی خبر دے دیں کہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے اور تمہیں کافروں اور منافقوں کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے۔ اور ان کی تکلیف کو بھول جایئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی کافی ہے (الاحزاب)۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز و اکرام عطا فرمایا کہ آپ کو تمام پیغمبروں کا گواہ بنایا۔ اس بات کا گواہ کہ انہوں نے اپنی اپنی امت کو وہ تمام احکام پہنچا دیئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں پہنچانے کیلئے دیئے تھے اور یہ اس لئے کہ تمام پیغمبر آپ کے ہی متبع اور خلیفہ ہیں۔ جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے چکوں پھر تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں گے تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے؟ پوچھا۔ کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور اس پر میرے ساتھ پختہ عہد کیا؟ سب نے عرض کیا۔ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ پھر گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ ایک گواہ ہوں۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے یہ "مقام اعظم" ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قول "فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِیْنَ" پر ختم فرما دیا تا کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے اور یہ کہ آپ متبوع اور سارے نبی آپ کے تابع ہیں۔ مقصود بالذات آپ اور دیگر انبیاء کرام آپ کے لاحق ہیں۔ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور حسی اس کائنات میں سب سے بعد میں رکھا گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ان کے مستدرک ہو جائیں اور ان کے

فوت شدہ کمالات کے مکمل کرنے والے بنیں۔ ان تمام کے مجموعی فضائل وزیادات کے جامع ہوں جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ پس آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کریں (الانعام 90)۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام میں سے ہر ایک کو جو کمالات، معجزات، ہدایات اور خصوصیات عطا ہوئیں وہ سب ان سے زیادہ مقدار میں آپ کو عطا کی گئیں۔ اور آخرین کی فضیلت کے برابر یا اس سے کہیں زیادہ فضیلت آپ کو عطا فرمائی۔ تا کہ آپ کا جلال واضح ہو اور اس سے ان لوگوں کے دل جلیں۔ جو آپ کے دشمن اور بدخواہ ہیں اور اگر یہ تمام اوصاف وخصوصیات و معجزات نہ بھی ہوتے صرف وہی کمالات وخوارق عادت ہوتے جو آپ کے حمل کے دوران ظاہر ہوئے اس سے کچھ قبل رونما ہوئے اور ولادت باسعادت کے وقت دیکھنے میں آئے اور آپ کی رضاعت کے زمانہ میں لوگوں نے دیکھے اور آپ کی تربیت کی زندگی میں منظر عام پر آئے تو یہی کافی تھے۔ جیسا کہ میں نے ان کمالات ومعجزات کو اپنی تصنیف میں جمع کر دیا ہے۔ جس کا نام میں نے ''اَلنِّعْمَةُ الْكُبْرٰى عَلَى الْعَالَمِ - بِمَوْلِدِ سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں میں نے ان کمالات وخوارق عادت واقعات کو جمع کیا جن کی اسانید کو سنن واحادیث کے ان آئمہ نے نقل کیا ہے جو حفظ واتقان سے موصوف ہیں۔ جلالت وبرہان سے قدیم وجدید حضرات میں متصف ہیں۔ ایسی روایات جو من گھڑت ہونے سے سالم ہیں ملحدین اور مفترین کے الحاد وافتراء سے محفوظ ہیں۔ یہ روایات یا یہ کتاب ان کتابوں کی طرح نہیں۔ جو لوگوں میں مروج ہیں اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی گئی ہیں اور ان میں بہت سی روایات من گھڑت ہیں۔ گھڑے ہوئے جھوٹ ہیں لیکن میری اس کتاب میں طوالت اور بسط ہونے کی وجہ سے اس کا ایک ہی مجلس میں پڑھا جانا مشکل تھا۔ اس لئے میں نے اس کو مختصر کیا اور روایات کی اسناد کو میں نے حذف کر دیا اور میں نے اس سند پر اکتفا کیا۔ جس کا کوئی متابع یا مددگار موجود ہو۔ یہ اس ارادے سے کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدح خوانوں کیلئے آسانی ہو جائے اور اس ارادہ سے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامات، کمالات اور خوبیاں معلوم ہو جائیں۔ جس کی وجہ سے ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ میں نے اپنی کتاب کا افتتاح ایک ایسی آیت مبارکہ سے کیا ہے جو مقصود کے مناسب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولود شریف پر دلالت کرتی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایسے عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور رحم دل ہیں (التوبہ)۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین وآخرین کے سردار، ملائکہ مقربین کے آقا، تمام مخلوقات کے مولیٰ اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل، قیامت کے دن شفاعت عظمیٰ سے مخصوص ہیں۔ تمام کائنات کی طرف آپ کی رسالت عامہ منصوص ہے۔ جس میں انس وجن سابقین ولاحقین فرشتے بھی شامل ہیں۔ لواء الحمد کے مالک، حوض کوثر کے تقسیم کرنے والے اور مقام محمود پر متمکن آپ ہی ہیں۔ وہ مقام محمود جس میں آپ تشریف فرما ہوں گے اور اولین وآخرین آپ کی حمد کہیں گے۔ اس دن آپ کی جاہ ومنزلت کے انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین محتاج ہوں گے۔ معجزات باہرہ کے مالک، کرامات ظاہرہ وباطنہ اور حجت قویمہ مستقیمہ اور ان گنت فضائل اور بے شمار خصائص وشمائل کے مالک بھی آپ ہی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں۔

فَبَالِغْ وَاَكْثِرْ لَنْ تُحِيْطَ بِوَصْفِهٖ وَ اَيْنَ الثُّرَيَّا مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِ

تو جس قدر چاہے مبالغہ کرلے اور آپ کے اوصاف کو بکثرت بیان کرلیکن پھر بھی تو آپ کے وصف کا احاطہ ہرگز نہ کرسکے گا۔ پکڑنے والے ہاتھ سے خواہ وہ کتنا ہی لمبا اور آگے کیوں نہ بڑھ جائے ''ثریا'' تک اس کی رسائی ہرگز نہیں ہوسکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وہ ذات مبارکہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محبت اور خلت سے مصطفیٰ بنایا اور وہ قرب عطا فرمایا جو احاطہ، جہت اور منزلت سے پاک ہے اور معراج کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا۔ اور اس کے عجائبات پر آپ ہی کو مطلع فرمایا اور فضائل وکمالات سے آپ کو برگزیدہ فرمایا۔ بیت المقدس میں حضرات انبیاء کرام کی آتے اور جاتے وقت امامت سے نوازا۔ تاکہ یہ بتایا جائے کہ آپ ہی ''سید الکل'' ہیں۔ آپ ہی تمام کے ابتداءً وانتہاءً مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی شہادت جو انبیاء کرام کے حق میں ہوگی سے ممتاز فرمایا اور انبیاء کرام کی امتوں کے لئے آپ کی امت یہ گواہی دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اے اللہ تیرے احکام ان تک پہنچا دیئے تھے اور اس بات سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا گیا کہ لواء الحمد، وسیلہ، بشارت، ڈرسنانا، ہدایت، امامت اور عالمین کیلئے رحمت آپ ہی ہیں۔ اور یہ بھی کہ آپ کو آپ کا پروردگار اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ آپ بارگاہ پروردگار میں عرض کریں گے۔ اے اللہ! میں اس

وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کے امتیوں کو جہنم سے نکال کر متقی اور نیک لوگوں کے سرداروں کے ساتھ ملا دیگا۔ آپ کو تمام نعمت سے مخصوص فرمایا۔ تمام اقسام کی امداد آپ کے سپرد فرمائی۔ شرح صدر، رفع ذکر سے آپ کو ممتاز کیا۔ چنانچہ جب اور جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہیں آپ کا بھی ذکر موجود ہے۔ مدد کی عزت اور ایک ماہ کے سفر کے برابر دور لوگوں پر آپ کا رعب فرشتوں کے ذریعہ آپ کی تائید، آپ اور آپ کی امت پر سکینہ کا نزول، آپ کے سوال ودعوت کی قبولیت خاص کردہ سوال جو آپ نے اپنی امت کیلئے اس وقت کیلئے اٹھا رکھا ہے جب ان کیلئے اور کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی ان تمام خصوصیات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص آپ کی حیات کی قسم اٹھائی۔ آپ کیلئے ڈوبا سورج لوٹا دیا۔ آپ کیلئے اعیان (مختلف اشیاء) کی حقیقت تبدیل کردی۔ ہر قسم کے آلام اور بیماریوں سے تندرست کرنے والے بنایا۔ مغیبات پر مطلع فرمایا۔ حتیٰ کہ غیب کی وہ باتیں بتادیں جو آپ کی امت میں قیامت تک رونما ہونے والی تھیں۔ اور آپ کی ذات مقدسہ پر علی الدوام اللہ سبحانہ وتعالیٰ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ اور اس کے ان گنت فرشتے اور آپ کی امت بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتی ہے۔ آپ کے امتی کا ہر مکان اور آپ کے دور کی ہر ساعت صلوٰۃ وسلام سے منور ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ کا وسیلہ لیا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ بلکہ آپ کی اہل بیت، آپ کے خلفاء، آپ کی آل، آپ کے اصحاب اور ان کے تابعین ان میں سے کسی کا بھی وسیلہ پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے وسیلہ پکڑنے والے کی دعا قبول فرمائی۔ اور یہ قبولیت کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی۔ ان مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اور بھی ان گنت خصائص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص فرمایا۔ جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا جن کی انتہا نہیں۔ ان کا استیعاب اور احاطہ ناممکن ہے۔ یہ سب خصائص، سارے کمالات اور یہ تمام بزرگیاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا، مولیٰ، ہمارے ماویٰ وملجاء، ہمارے ھادی، ہمارے مددگار، ہمیں مکمل کرنے والے اور ہمارے ناصح جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کئے۔ جن کا نسب شریف یہ ہے۔

ابو القاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر قریش کی یہاں انتہا ہوتی ہے اور بہت سے حضرات نے کہا کہ قریش کی انتہا ''فہر'' پر ہوتی ہے۔ آگے نسب شریف یہ ہے۔

نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف پر اجماع واتفاق ہے۔اس سے آگے نسب شریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔ لہٰذا ان میں غور وخوض مناسب نہیں کیونکہ اس بارے میں ایک حدیث وارد ہے جسے صاحب مسند فردوس نے ذکر کیا ہے اور ''اصح'' یہ ہے کہ یہ (حدیث نہیں بلکہ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن آپ کا قول ہوتے ہوئے بھی اس کا حکم ''مرفوع'' کا حکم ہے۔ یعنی حدیث مرفوع ہوگئی۔اس لئے کہ اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی وہ یہ ہے۔اِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا بَلَغَ فِي النَّسَبِ اِلٰى عَدْنَانَ اَمْسَكَ وَ قَالَ كَذِبَ النَّسَّابُوْنَ قَالَ تَعَالٰى ''وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذَالِكَ كَثِيْرًا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان کرتے کرتے ''عدنان'' تک پہنچتے تو اس کے بعد آگے بتانے سے خاموش ہو جاتے۔ اور فرماتے نسب بیان کرنے والے جھوٹ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے درمیان بہت قرن (صدیاں) ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس (عدنان) سے اگلے حضرات کا علم عطا کرنا چاہتا تو ضرور عطا کر دیتا۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ازلیت سابقہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سبق نبوت'' سے مشرف فرمایا۔ یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کے ایجاد سے متعلق ہوا تو اس نے ''حقیقت محمدیہ'' کو ''محض نور'' سے ظاہر فرمایا اور یہ اس کے بعد موجود ہونے والی تمام کائنات سے پہلے ہوا۔ پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' سے تمام عالم بنائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ''سبق نبوت'' سے آگاہ کیا۔اور آپ کو آپ کی ''عظیم رسالت'' کی خوش خبری سنائی۔یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود نہ تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام ارواح کے چشمے پھوٹے۔پس ملأ اعلیٰ میں تمام عالمین کا ''اصل ممد'' ظاہر ہوا۔

جناب کعب احبار کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ایسی مٹی لائیں جو تمام زمین کا قلب (دل) ہو۔ پس جبرئیل امین فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف اترے اور جہاں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے۔اس جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔ اصل میں اس مٹی کا محل اور جگہ وہ تھی جہاں کعبہ شریف موجود ہے۔ لیکن جب طوفان نوح آیا تو وہاں سے یہ مٹی مدینہ منورہ آ گئی۔اس مٹھی بھر مٹی کو ''تسنیم'' کے پانی سے گوندھا گیا۔ پھر اسے جنت کی نہروں میں ڈبو دیا گیا۔ حتی

کہ ایک سفید موتی کی طرح ہوگئی۔ پھر اس کو لیکر عرش و کرسی کے گرد فرشتوں نے طواف کیا۔ آسمانوں اور زمینوں کے چکر لگائے۔ دریاؤں اور سمندروں کے گرد چکر لگائے۔ پس فرشتوں نے اور تمام مخلوقات نے ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا۔ یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور پہچان سے بہت پہلے ہوئی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے عرش کے پردوں میں ''نور محمدی'' دیکھا اور آپ کا اسم گرامی ان پردوں پر لکھا دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ تو آپ نے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا یہ نبی تمہاری اولاد میں سے ہیں۔ ان کا آسمانوں میں نام ''احمد'' اور زمین میں ''محمد'' ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ ہی میں آسمان، زمین پیدا کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے آپ کو وسیلہ بنا کر سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔ تو ان کو معاف کر دیا گیا اور جب حضرت آدم علیہ السلام ''مٹی'' تھے تو ان سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ کیا گیا۔ اور نبوت عطا کی گئی۔ پھر تمام انبیاء سے قبل آپ سے عہد لیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم کی مٹی میں واپس رکھ دیا گیا۔ پھر آدم علیہ السلام جو ابھی مٹی تھے۔ اس میں روح پھونکی گئی۔ پھر ان سے ان کی اولاد نکالی گئی۔ تا کہ ان سے ''میثاق'' لیا جائے۔ پس ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مخلوق میں سے ''مقصود'' ہیں۔ ان کے عقد کا واسطہ بھی آپ ہی ہیں اور رسولوں کے رسول بھی آپ ہی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں گے لہٰذا آپ کی رسالت قیامت تک تمام مخلوق کیلئے عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن تمام پیغمبر آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ان کی پیشانی میں چمکا۔ پھر آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ آدم علیہ السلام نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو فرشتوں نے اسے روک دیا اور کہا کہ اس وقت اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھیں۔ ایک روایت میں تین مرتبہ اور دوسری روایت میں بیس مرتبہ مذکور ہے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتارنے سے اللہ تعالیٰ کا صرف یہ ارادہ ہوتا کہ زمین پر وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موجود دیکھنا چاہتا ہے۔ جن کے ظہور کا وقت اس آخری اور بہترین امت میں ہوا تو اتنا ہی کافی تھا۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت حوا کے بطن سے چالیس بچے پیدا

ہوئے۔ ہر مرتبہ دو بچے ہوتے جن میں ایک مذکر اور دوسرا مونث ہوتا۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ ان کی اکیلے پیدائش یہ بتانے کیلئے تھی کہ یہی اپنے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت وعلم کے وارث ہیں۔ اسی لئے ''نور محمدی'' ان کی طرف منتقل ہوا۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وہی وصیت کی جو حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں کی تھی وہ یہ کہ اس نور کو صرف انہی عورتوں میں رکھنا جو پاکیزہ ہوں۔ پھر یہی وصیت لگا تار آگے چلتی رہی حتی کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کا دور آ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف کو جاہلیت کی قباحتوں سے پاک رکھا اور جاہلیت کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ یہ ''نور محمدی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کی پیشانی پر خوب چمکا۔ اس کی برکت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جب ''اصحاب فیل'' نے مکہ شریف پر حملہ کرنے اور اسے برباد کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل کا وقت قریب آن پہنچا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر ابابیل پرندے بھیجے جو سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ ان پرندوں نے مکہ شریف پہنچنے سے قبل ہی ان کو ہلاک کر دیا۔ صرف ایک ان میں سے باقی بچا تا کہ وہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی کرامت اور ارہاص کے بارے میں بتائے۔

پھر یہی ''نور'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی پیشانی میں رکھا۔ آپ کے والد گرامی وہ ''ذبیح'' ہیں جن کے ذبح کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ''فدیہ'' قبول فرمایا۔ ہوا یوں کہ ان کے والد جناب عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کیلئے ان کو ذبح کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں زمزم کے کنویں کا راستہ بتایا کیونکہ وہ بے نشان ہو گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ''نور محمدی'' کی برکت سے انہیں ذبح سے بچالیا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد جناب عبداللہ کی طرف بذریعہ الہام یہ پیغام پہنچایا کہ ان کی قربانی کے بدلہ میں وہ ایک سو اونٹ ذبح کریں جب ان کا فدیہ ادا کر دیا گیا تو ایک عورت نے ان کا وہ نور دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو ان کی زوجیت کیلئے پیش کیا اور وہ سو اونٹ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ جو آپ کے فدیہ میں ذبح کئے گئے تھے۔ جناب عبداللہ نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ اس بارے میں اپنے والد سے مشورہ کریں گے۔ اس کے بعد آپ کے والد محترم آپ کو ساتھ لیکر وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جو اس وقت بنو زہرۃ قبیلہ کے سردار اور سب سے زیادہ شریف شخصیت تھے۔ اس نے اسی وقت اپنی بیٹی آمنہ کی شادی جناب عبداللہ سے کر دی۔ جو قریش میں افضل ترین عورت تھیں۔ شادی کے بعد ہم بستری

ہوئی۔تو فوری طور پر سیدہ آمنہ "سیدالخلق" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاملہ ہوگئیں۔اس وقت وہ "نور عظیم" جناب عبداللہ سے جدا ہوگیا۔اس کے بعد حضرت عبداللہ نے پہلے پیشکش کرنے والی عورت کی طرف پیغام بھیجا لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ نور جس کو میں اپنی گود میں منتقل کرنے کی امید لگائی بیٹھی تھی۔اب وہ تم سے الگ ہوگیا ہے اس لئے میں اب تمہاری پیشکش قبول نہیں کرتی۔

جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے رحم میں جلوہ فرما ہوئے وہ جمعہ کی رات تھی۔ رجب المرجب کا مہینہ تھا۔اس رات آسمانوں اور زمینوں میں یہ ندا کی گئی۔اِنَّ النُّوْرَ الْمَكْنُوْنَ الَّذِیْ مِنْهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَقِرُّ اللَّيْلَةَ فِیْ بَطْنِ آمِنَةَ وَ يَخْرُجُ لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَ نَذِيْرًا۔جس مخفی نور سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنائے گئے وہ نور آج رات آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہوگیا اور لوگوں کیلئے بشیر ونذیر بن کر تشریف لائے گا۔جنت کے دربان "رضوان" کو حکم دیا گیا کہ وہ "فردوس" کا دروازہ کھول دے۔اس رات ہر چار پائے نے قریش سے کلام کرتے ہوئے بتایا کہ آج کی رات وہ مبارک رات ہے جس میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہو چکے ہیں۔رب کعبہ کی قسم! آپ دنیا کے امام اور اہل دنیا کے چراغ ہیں۔دنیا کے ہر ایک موجود بادشاہ کا تخت اس رات کی صبح کو الٹا پڑا ہوا دیکھا گیا۔اور ہر بادشاہ اس دن گونگا ہوگیا۔جس کی وجہ سے کوئی بات نہ کر سکا۔مشرق کے وحشی جانور مغرب کے وحشی جانوروں کی طرف خوش خبری دینے کیلئے دوڑے۔اسی طرح دریاؤں اور سمندروں میں رہنے والی مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی مبارک دی۔آپ کی والدہ ماجدہ نے نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا۔"أَشَعُرْتِ اَنَّکِ حَمَلْتِ بِسَيِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَنَبِيِّهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس امت کے آقا و سردار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے شکم میں جلوہ فرما چکے ہیں؟ آپ کی والدہ نے بار ہا دیکھا کہ ان (والدہ) سے ایک نور ظاہر ہوا جس کیلئے مشرق و مغرب چمک اٹھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکم آمنہ رضی اللہ عنہا میں تشریف رکھے چھ ماہ گزر گئے۔تو سیدہ آمنہ کے پاس خواب میں ایک آنے والا آیا۔اس نے انہیں اپنے پاؤں سے معمولی سی ٹھوکر لگا کر بتایا کہ تم سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہو اور ان کا اسم گرامی تم نے "محمد" رکھنا ہے۔اور ان کے بارے میں کسی کو مطلع نہیں کرنا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا بہت بوجھ محسوس کیا لیکن روایات مشہورہ میں ہے کہ دوران حمل سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

کو آپ کا کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جن میں بوجھ محسوس ہونے کی بات ہے اس سے مراد حمل کے ابتدائی ایام میں ایسا ہوتا ہے اور جن میں نفی ہے ان سے مراد حمل کے آخری دنوں میں ہے تاکہ عام حمل اور حاملہ عورت کی دوران حمل عادت کے خلاف اسے قرار دیا جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام امور خارق عادت (خلاف عادت) تھے۔ اس طرح ایک روایت میں آیا ہے حضور کی ولادت باسعادت حضرت آمنہ کے ہاں پیدا ہونے والا پہلا واقعہ تھا۔ بعض میں ہے کہ پہلا واقعہ نہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی پیدائش سے قبل آمنہ نے کسی بچے کو جنم نہیں دیا تھا۔ ان دونوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ جس میں پہلے بھی بچہ جننے کی بات ہے اس سے مراد نا تمام بچہ پیدا ہوتا ہوگا اور جن میں نفی ہے ان سے مراد مکمل بچے کی ولادت ہے۔

ایک روایت میں ہے جو مشہور ترین روایت ہے کہ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا انتقال آپ کے حمل کے دوران ہی ہو گیا تھا۔ یہی اکابر حضرات کا موقف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ نو ماہ سے زیادہ والدہ کے شکم میں رہے لیکن اس کے خلاف (یعنی پورے نو ماہ رہنا) زیادہ صحیح ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے دوران حمل ایسی بہت سی باتیں دیکھیں۔ جو آپ کی اعلیٰ قدر و منزلت پر دلالت کرتی تھیں۔ ایسی باتیں اور ایسی کرامات کا ذکر اخبار متواترہ سے ملتا ہے۔ عجیب و غریب نشانیاں دیکھیں۔ یہ سلسلہ مدت حمل مکمل ہونے تک جاری رہا۔ اور اس نور پاک سے موجودات کے چمک حاصل کرنے تک رہا۔ پھر وہی کیفیت آن پہنچی جو ولادت کے وقت عورتوں پر ہوا کرتی ہے۔ اس تکلیف کا کسی کو علم نہ تھا۔ اس وقت سیدہ آمنہ نے ایک ڈرانے والی آواز سنی۔ پھر کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سفید رنگ کے پرندے نے اپنے پروں کو آپ کے دل پر پھیرا۔ پس آپ کا خوف جاتا رہا۔ پھر دیکھا تو ایک سفید رنگ کا برتن نظر آیا جس میں دودھ تھا۔ آپ کو پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ آپ نے وہ نوش فرما لیا۔ پھر سیدہ آمنہ نے کھجور کی مانند لمبی پتلی دراز قد عورتیں دیکھیں۔ انہیں دیکھ کر بہت متعجب ہوئیں۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ ہمارا نام آسیہ اور مریم ہے اور یہ ہمارے ساتھ "حور العین" ہیں۔ پھر درد بڑھ گیا اور آپ نے دوبارہ وہی ڈراؤنی آواز سنی۔ دیکھا تو ایک سفید رنگ کا ریشم زمین و آسمان کے درمیان بچھایا گیا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ اسے لوگوں کی نظروں سے چھپا لو۔ سیدہ آمنہ نے ہوا میں کچھ مرد کھڑے دیکھے۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے ہیں۔ ان سے قطرے ٹپک رہے ہیں جو مشک و عنبر سے زیادہ خوشبوناک ہیں۔ آپ نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو آپ کی طرف بڑھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے حجرہ کو ڈھانپ لیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ اس وقت سیدہ

آمنہ نے زمین کا چپہ چپہ دیکھا انہیں تین جھنڈے دکھائی دیئے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا تھا۔ آپ کو درد زہ ہوا تکلیف سخت تھی۔ اس وقت آپ گویا ان عورتوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں۔ ان کی کافی تعداد تھی گویا وہ گھر کی عورتیں تھیں۔ اب سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت رات کے وقت ہوئی لیکن ایک روایت کے مطابق دن کو ہوئی۔ ان دونوں روایات میں مخالفت نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ولادت باسعادت صبح کے فوراً بعد ہوئی ہو۔ (لہٰذا رات بھی من وجہ تھی اور صبح بھی) آپ ان کمالات سے موصوف پیدا ہوئے جو آپ کے عظیم کمال کے لائق تھے اور اعلیٰ سیادت کیلئے ضروری تھے۔ ان اوصاف میں سے چند یہ ہیں۔ آپ کی ولادت کے ساتھ نہ کوئی خون نکلا اور نہ ہی کسی اور قسم کی گندگی آپ کے ساتھ باہر آئی۔ بوقت ولادت ایک نور دیکھنے میں آیا جس نے کمرے اور مکان کو منور کر دیا تھا۔ ستارے جھک کر قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہاں موجود لوگوں نے سمجھا کہ شاید ان پر ستارے گر پڑیں گے۔ آپ کی دایہ نے کسی کہنے والے سے سنا۔ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ پھر ایک نور بلند ہوا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان تمام جگہ روشن ہو گئی۔ اور آپ جب دنیا میں تشریف لائے تو دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کے بل تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی نظر پاک آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ زمین پر تھے اور سر انور آسمان کی طرف بلند تھا۔ جب آپ اپنی والدہ سے الگ ہوئے تو آپ کی والدہ سے ایک نور نکلا۔ ایک روایت کے مطابق ''شعلہ'' نکلا۔ جس سے مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہو گئی۔ خاص کر شام اور اس کے محلات چمک اٹھے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسہ وہاں تشریف لے جائیں گے۔ اور ''اسراء'' اسی طرف ہو گا۔ پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف تشریف لے جائیں گے اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ شام آپ کا ''دارالملک'' ہو گا۔ جیسا کہ ایک اثر میں وارد ہے اور یہ کہ شام وہ علاقہ ہے جس کی طرف حضرات انبیاء کرام ہجرت فرمائیں گے۔ اور یہ کہ ہر پیغمبر یا تو اس کا رہنے والا ہو گا یا اس کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ یہی حشر و نشر کی زمین ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا خَيْرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ يُجْتَبٰى اِلَيْهَا خَيْرَتُهٗ مِنْ عِبَادِهٖ۔ ملک شام کو ضرور جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین سے بہترین حصہ ہیں۔ اس کے لئے اس کے بندوں میں سے

بہترین بندے چنے جائیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر ٹکا دیئے۔ پھر مٹی کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر انور بلند کیا۔ مٹی کا مٹھی بھرنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ہی زمین کے مالک و بادشاہ ہیں اور آپ اس کی مٹی کو دشمنان خدا پر پھینکیں گے۔ جس سے وہ شکست کھا جائیں گے پھر غزوہ بدر اور حنین میں ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کی مٹھی بھری اسے دشمن کی طرف پھینکا۔ تو ان میں سے ہر ایک تک وہ پہنچی۔ (ان کی آنکھوں میں جا پڑی) جس سے وہ ذلیل ہو کر شکست کھا کر بھاگ گئے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے مٹی کی مٹھی بھری اور سجدہ کرنے جھک گئے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ کو بوقت ولادت عام پیدا ہونے والے بچوں کی طرح پتھر کی ہانڈی کے نیچے رکھا گیا۔ جو اس دور کی عادت تھی۔ تو آپ کی وجہ سے وہ پتھر کی ہانڈی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فوراً آنکھ کھولی اور آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ اپنا انگوٹھا چوستے تھے۔ تو اس سے دودھ نکلتا تھا۔ سفید بادل آسمان سے نازل ہوا۔ جو آپ کو آپ کی والدہ کی نظروں سے تھوڑے وقت کیلئے دور لے گیا۔ پھر آپ کی والدہ نے کسی کہنے والے کی آواز سنی۔ جو کہہ رہا تھا۔ طُوْفُوْا بِمُحَمَّدٍ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا وَاَدْخِلُوْهُ فِي الْبِحَارِ كُلِّهَا لِيَعْرِفَهُ جَمِيْعُ مَنْ بِهَا بِاِسْمِهِ وَ نَعْتِهِ وَ صِفَتِهِ وَ يَعْرِفُوْا بَرَكَتَهُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین کے مشرق و مغرب میں لیکر پھرو اور انہیں دریاؤں سمندروں میں لے کر جاؤ تا کہ وہاں کی مخلوق آپ کے اسم، نعت اور صفت سے واقف ہو جائیں اور آپ کی برکت کا انہیں عرفان ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سفید بادل آپ سے ہٹ گیا۔ اس وقت آپ اون کے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ آپ کے جسم اطہر کے نیچے سبز رنگ کا ریشمی کپڑا تھا۔ اور آپ نے اپنے دست اقدس میں سفید موتی کی بنی تین کنجیاں پکڑ رکھی تھیں۔ اس وقت کسی کہنے والے نے کہا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدد، ذکر اور نبوت کی کنجیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت آمنہ نے اس کے بعد پہلے سے بڑا ایک اور بادل دیکھا جس میں سے انہیں گھوڑے کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ مردوں کی گفتگو بھی سنائی دے رہی تھی۔ حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ ان کی بے ہوشی کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائب کر دیا گیا اور اس مرتبہ آپ پہلی مرتبہ کی بہ نسبت زیادہ دیر تک غائب رہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو یہ

کہہ رہا تھا۔ طُوْفُوْا بِمُحَمَّدٍ جَمِیْعَ الْاَرْضِیْنَ وَ عَلَی النَّبِیّیْنَ وَالْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالْمَلَائِکَۃِ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام زمینوں، پیغمبروں، جن وانس اور فرشتوں پر پھراؤ۔ پھر بادل ہٹ گیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبز رنگ کے ریشم پر ہیں جو مضبوطی سے آپ پر لپیٹا گیا ہے۔

اس سے میٹھا پانی نکل رہا ہے اور ایک کہنے والا یہ کہہ رہا ہے۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ زمین کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو آپ کے قبضہ میں اپنی خوشی سے نہ آئی ہو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ الْقَادِرِ عَلٰی مَایُرِیْدُ۔ اس کے بعد آپ کو تین فرشتوں نے ڈھانپ لیا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ تھا۔ دوسرے نے زمرد کا تھال اٹھا رکھا تھا اور تیسرے کے پاس سفید ریشم تھا۔ اس نے اسے بچھایا جس سے ایسی انگوٹھی نکلی جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر آپ کو اس پیالہ کے پانی سے سات مرتبہ غسل دیا گیا۔ پھر آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان اس انگوٹھی سے مہر لگائی گئی اور ریشم میں لپیٹ کر فرشتہ نے اٹھا لیا اور اپنے پروں میں کچھ دیر کیلئے چھپایا پھر واپس رکھ دیا۔ اس روایت اور ایک اور روایت میں کوئی تعارض نہیں جس میں یہ آیا ہے کہ آپ مہر لگے پیدا ہوئے تھے۔ اور نہ ہی اس روایت سے تعارض ہے جس میں آیا ہے کہ آپ کو مہر اس وقت لگائی گئی تھی جب آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اور آپ اس وقت حضرت حلیمہ کے ہاں تھے۔ اس لئے کہ کئی مرتبہ مہر لگانے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ کیونکہ بار بار مہر لگانے سے آپ کی تعظیم، توقیر اور کرامت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ جس قدر بھی زیادہ ہو قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

یہودی اور عیسائی علماء کی ایک جماعت نے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل شب ولادت کی خبر دی اور ان تمام نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بنی اسرائیل کے ملک کا خاتمہ ہو جائے گا ان میں سے بعض آپ پر ایمان بھی لائے۔ ولادت باسعادت کی رات کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ جس سے زیادہ مضبوط اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اس میں دراڑیں پڑ گئیں اور اس کے چودہ کنگرے (چھوٹے چھوٹے مینار) گر پڑے۔ جو اس طرف اشارہ تھا کہ کسریٰ کے حکمرانوں میں سے چودہ آئیں گے۔ پھر تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان میں سے آخری حکمران نے حکومت کی اور پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس رات ایران کی آگ بجھ گئی۔ جس کی اہل ایران عبادت کیا کرتے تھے اور اس سے قبل دو ہزار سال تک وہ نہ بجھی تھی۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی آگ زیادہ ہوتی رہی۔ دن رات متواتر جلتی تھی۔ اس رات کسی ایرانی سے بہت کوشش کرنے کے باوجود اس کا معمولی سا

حصہ بھی نہ جل سکا۔ بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا جس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ شب ولادت اس میں قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ اس کی جگہ ایک شہر بعد میں تعمیر کیا گیا جسے "ساوہ" کہتے ہیں۔ اس رات ان شیاطین کو دور پھینک دیا گیا جو آسمان پر جا کر باتیں چرایا کرتے تھے۔ ان پر شہاب برسائے گئے پھر دوبارہ ان کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکی۔ جس کی وجہ سے ابلیس لعین آسمانی خبروں سے محروم ہو گیا اور وہ اس پر بہت رویا۔ جیسا اس وقت رویا تھا جب اس پر لعنت کی گئی تھی اور جب اسے جنت سے نکالا گیا تھا۔ ان اوقات کے علاوہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی اور جب آپ پر سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ تب وہ خوب رویا تھا۔

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور کٹی ہوئی ناف کی حالت میں پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھنے کے اسباب میں سے جو آپ کے دادا عبدالمطلب نے رکھا ایک سبب یہ بھی ہے جس کی یوں روایت کی گئی ہے کہ جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ گویا سونے کی زنجیر ان کی پشت سے نکالی گئی ہے جس کی ایک طرف آسمان میں اور دوسری زمین پر تھی۔ اور ایک طرف مشرق اور ایک مغرب میں تھی۔ وہ پھر سکڑ گئی۔ اور ایک درخت کی مانند ہو گئی۔ جس کے ہر پتہ پر "نور" تھا اور پھر دیکھا کہ تمام مشرق و مغرب والے اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس خواب کی انہیں یہ تعبیر بتائی گئی کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی اتباع مشرق و مغرب والے سبھی کریں گے۔ اور زمین و آسمان والے اس کی "حمد و نعت" کہیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کون سے مہینہ میں ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ تاریخ کیا تھی؟ اس بارے میں چند اقوال موجود ہیں۔ لیکن اس بات پر تمام متفق ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت کا دن "پیر" ہے۔ اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کا مہینہ "ربیع الاول" ہے۔ اور تاریخ کے بارے میں بھی مشہور قول یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تھی۔ اور بہت سے متقدمین آئمہ اور حفاظ کا کہنا ہے کہ تاریخ آٹھ تھی۔ اور جائے پیدائش کے بارے میں درست اور صحیح یہ ہے کہ آپ مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ کسی اور مقام کو آپ کی پیدائش گاہ قرار دینا جائز نہیں۔ اور مکہ شریف میں آپ کی ولادت باسعادت جس جگہ ہوئی۔ اسے "سوق اللیل" کہا جاتا تھا۔ اب وہاں مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ جسے رشید کی والدہ خیزران نے وقف کر دیا تھا۔ (لیکن اب صرف اپنے آپ اور اپنی ہاں میں ہاں ملانے والوں کو مسلمان سمجھنے والے "سعودیوں" نے اس جگہ

"لائبریری" بنائی ہوئی ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے دودھ پلانے والی عورت کا نام "ثویبہ" ہے جو آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی۔ اس سے اسے اس وقت آزاد کر دیا تھا جس وقت اس نے آ کر یہ خوشخبری دی تھی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس خوشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی ہر سوموار کی رات اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ یہ صلہ اسے اس بات کا دیا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی ایک اور چچا ابوطالب کا عذاب بہت ہلکا کر دیا گیا ہے کیونکہ اس نے آپ کی بچپن میں تربیت کی تھی۔ اس تربیت کا یہ صلہ دیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ ابولہب نے اپنی لونڈی "ثویبہ" کو خوش خبری دینے پر آزاد نہیں کیا تھا بلکہ ان کی آزادی ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔ اس صورت میں ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے حکم سے "ثویبہ" نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا جس کا صلہ اسے "تخفیف عذاب" کی صورت میں دیا گیا۔

ان کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ بعد میں جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کیلئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ یونہی ان کے خاوند "سعدی" اور ان کی بیٹی "شیماء" کی آمد کے وقت بھی آپ چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ "شیماء" نے اپنی والدہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں کافی ہاتھ بٹایا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنی قوم کی عورتوں کے ساتھ مکہ کی طرف آئیں۔ اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ اسے مکہ سے کسی امیر کا بچہ دودھ پلانے کیلئے مل جائے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم ہونے کی وجہ سے قبول کرنے پر کوئی عورت تیار نہ ہوئی۔ صرف حضرت حلیمہ نے آپ کو دودھ پلانے کی حامی بھری۔ وہ بھی پہلے چھوڑ کر کوئی اور بچہ تلاش کرنے لگی تھیں۔ لیکن اور کوئی نہ ملا تو آپ کے در اقدس پر آ گئیں۔ آپ کو دیکھا کہ آپ سفید رنگ کے اون کے کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں۔ جس سے مشک کی سی خوشبو آ رہی ہے۔ اور آپ کے نیچے سبز رنگ کا ریشم بچھا ہوا ہے۔ آپ اپنی پشت کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ اور ڈھانپے ہوئے ہیں۔ آپ کو جگانے سے ذرا ہیبت محسوس کی۔ پھر حلیمہ نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر رکھا۔ آپ اس پر ہنس پڑے۔ آنکھیں کھولیں جن سے نور نکلا۔ حتیٰ کہ وہ نور آسمانوں کے اندر چلا گیا۔ سیدہ حلیمہ نے آپ کو چوما اور اپنا دایاں دودھ پینے کیلئے پیش کیا آپ نے اس سے پیا۔ پھر آپ کو

بائیں جانب کا دودھ پلانے کیلئے بائیں طرف کیا تو آپ نے دودھ پینے سے انکار کر دیا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف الہام کیا۔ کہ "عدل" کا تقاضا یہی ہے کہ آپ صرف دائیں جانب کا دودھ پئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ کے ساتھ ایک اور بچہ بھی ہے جو دودھ پینے میں آپ کا ساتھی ہے۔ اور وہ حضرت حلیمہ کا اپنا بیٹا تھا۔ تو آپ نے بایاں دودھ اپنے بھائی کیلئے چھوڑ دیا اس وقت حضرت حلیمہ اور ان کی اونٹنی کو بہت پیاس لگی ہوئی تھی اور بہت کمزور تھی اور کمزوری کی وجہ سے حضرت حلیمہ کے ہاں دودھ بھی تھوڑا تھا۔ لیکن جونہی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لیا اور اپنا دودھ آپ کو پیش کیا تو اس قدر وافر مقدار میں دودھ آ گیا۔ جسے آپ نے اور آپ کے بھائی نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ ادھر ان کی اونٹنی کو دوہا گیا تو اس رات اس نے اتنا دودھ دیا جس سے تمام اہل خانہ خوب سیر ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت حلیمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو بلایا اور رخصت مانگی۔ سیدہ آمنہ نے آپ کو الوداع کہا۔ حضرت حلیمہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئیں اور آپ حضرت حلیمہ کے سامنے تھے حلیمہ کیا دیکھتی ہیں کہ اونٹنی نے کعبہ کی جانب تین مرتبہ جھک کر سجدہ کیا۔ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ جب حضرت حلیمہ اپنی قوم کے ساتھ مکہ سے باہر نکلیں تو ان کی اونٹنی سب سے آگے آگے چلنے لگی۔ حالانکہ اس سے قبل اس کی حالت یہ تھی کہ بیٹھتی تو اٹھ نہ سکتی تھی۔ عورتوں نے کہا یہ اونٹنی وہ نہیں جو تمہارے پاس پہلے تھی۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا اور پہچانا کہ یہ تو بالکل وہی پہلے والی اونٹنی ہے تو کہنے لگیں اس کی واقعی شان ہے۔ خود حضرت حلیمہ سنتی تھیں کہ اونٹنی یہ کہہ رہی ہے۔ یقیناً میری شان ہے، میری عظیم شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد زندگی بخشی کاش تم جانتیں کہ میرے اوپر کون تشریف فرما ہیں۔ وہ ہیں جو تمام پیغمبروں سے بہتر اور اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ جب یہ عورتیں اپنی اپنی منزلوں پر پہنچیں تو ان دنوں زمین خشک ہو چکی تھی۔ (کیونکہ کافی عرصہ سے بارش نہ ہوئی تھی) لیکن اس کے باوجود حضرت حلیمہ کی بکریاں جب چر کر واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے۔ اور دوسروں کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا حالانکہ سبھی ایک ہی جگہ چرتیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدہ حلیمہ کے پاس دو سال گزرے تو وہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لائیں۔ اور کافی دن یہیں قیام کیا۔ پھر جب واپس ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ساتھ لے آئیں۔ اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاں دو ماہ قیام کیا۔ ایک مرتبہ آپ اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں بکریاں چرا رہے تھے۔ اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا

ہوا گھر آیا اور والدین سے کہنے لگا۔ میرے قریشی بھائی کو بچالو۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ دونوں نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ دو آدمی آئے تھے۔ جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے مجھے زمین پر لٹالیا۔ پھر میرا پیٹ (سینہ) پھاڑا۔ یہ سن کو دونوں ڈرے۔ اور فوراً آپ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لے آئے۔ سیدہ آمنہ نے ان سے پوچھا کیا ہوا اتنی جلدی واپس کر رہے ہو حالانکہ تم دونوں اس کو اپنے ہاں رکھنے پر بہت اصرار کرتے تھے؟ جب آپ کی والدہ نے اصل بات بتانے پر اصرار کیا تو حضرت حلیمہ اور ان کے خاوند نے بتایا کہ فلاں فلاں بات ہوئی ہے سن کر آپ کی والدہ بولیں کیا تم ان کے بارے میں شیطان سے ڈرتے ہو؟ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں۔ شیطان کو ان پر قطعاً دسترس نہیں۔ میرے اس بیٹے کی شان عظیم ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اقدس اس وقت بھی چاک کیا گیا جب آپ کی عمر دس سال تھی۔ پھر بعثت مبارکہ کے وقت اور پھر معراج شریف کے وقت سینہ مبارک شق کیا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر دور یعنی بچپن، بلوغ اور بعثت واسراء کا دور ہر اعتبار سے مکمل اور آپ کے ساتھ مخصوص ہو جائے اور جو آپ کی شایان شان ہے اس کے مطابق ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دور کے بعد ملنے والے کمالات کیلئے تیار ہو جائیں۔ وہ کمالات جن کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا یہ (چند مرتبہ سینہ شریف کا شق کیا جانا) اس بات کے منافی نہیں کہ آپ تو شروع سے ہی ظاہری اور باطنی حالات میں کامل و مکمل بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت حلیمہ کے ہاں تشریف فرما تھے تو اس دوران آپ جب بکریوں کی طرف تشریف لے جاتے تو بادل آپ پر سایہ کرتے تھے۔ جب آپ ٹھہرتے تو بادل بھی رک جاتا اور جب چلتے تو بادل بھی ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ آپ جب بچپن میں پنگھوڑے میں تھے تو چاند سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ اور اپنی انگلی سے جب اس کی طرف اشارہ کرتے تو جدھر انگلی اٹھتی ادھر ہی چاند پلٹ جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس (چاند) سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے روکتا تھا۔ اور میں اس کی آواز سنتا تھا جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولادت باسعادت کی ابتدائی دنوں میں گفتگو فرمائی۔ آپ کا پنگھوڑا فرشتوں کے ہلانے سے حرکت کرتا تھا۔ سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب پہلی مرتبہ میں نے آپ کا

دودھ چھڑایا تو آپ نے یہ الفاظ کہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَ اَصِيْلًا۔ جب آپ کی عمر شریف چار برس ہوئی۔ بعض نے زیادہ کہی ہے۔ تو آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے واپس مکہ آ رہی تھیں۔ مدینہ منورہ اس لئے تشریف لے گئی تھیں تا کہ آپ کے داداجناب عبدالمطلب کے ماموں سے ملاقات ہو جائے۔ جو بنو نجار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ راستہ میں جب ان کا انتقال ہوا۔ تو وہیں ''فرع'' کے نزدیک ایک گاؤں ''ابواء'' میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے ''ام ایمن'' واپس لائیں۔ جو آپ کی دائی، دودھ پلانے والی ماں اور تربیت کرنے والی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ''ام ایمن'' آپ کے والد کی میراث تھیں یا آپ کی والدہ کی میراث تھیں۔ یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ھبہ کی تھیں۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ ''حجون'' میں مدفون ہوئیں۔ اس کی بہت سی روایات گواہی دیتی ہیں۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پاک آٹھ سال ہوئی اس سے کم وبیش بھی کہی گئی ہے۔ تو آپ کے دادا عبدالمطلب ایک سو بیس سال یا ایک سو چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انہیں ''حجون'' میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا اور آپ کے والد عبداللہ کے جڑواں بھائی ابو طالب نے کی جس کی جناب عبدالمطلب انہیں وصیت کر گئے تھے۔ جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب آپ ''بصریٰ'' پہنچے۔ تو آپ کو ''بحیرا'' راہب نے پہچان لیا۔ اس نے لوگوں کو آپ کی صفات، آپ کی نبوت کی صفات، رسالت اور ختم نبوت کے بارے میں بتایا۔ نبوت کی مہر آپ کے کندھوں کے درمیان تھی۔ وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ پھر اس نے آپ کے چچا ابو طالب کو قسم دلائی کہ وہ آپ کو واپس لے جائے کیونکہ آپ کے بارے میں اسے یہود سے خطرہ تھا۔ جب سات یہودی آپ کو شہید کرنے کیلئے آگے بڑھے تو ''بحیرا'' ان کے سامنے رکاوٹ بن گیا۔ یہودیوں نے اسے بتایا کہ ہمارے ساتھی دوسرے یہودی ہر راستہ میں گھات لگائے بیٹھے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینہ میں تشریف لائیں گے۔

''بحیرا'' نے جو کرامات دیکھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ایک سفید رنگ کا بادل آپ پر سایہ فگن رہتا اور یہ کہ جب آپ ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے تو اس کی ٹہنیوں نے جھک کر آداب بجالایا۔ پھر جب حضور ﷺ کی عمر شریف بیس برس کی ہوئی تو آپ دوسری مرتبہ شام کی طرف تجارت کی غرض سے تشریف لائے اس وقت آپ کے ساتھ ابوبکر بھی تھے۔ بحیرہ کو انہوں نے پوچھا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ کہنے لگا۔ بخدا آپ نبی ہیں۔ جب پچیس برس کی عمر ہوئی۔ آپ پھر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ حضرت خدیجہ کیلئے سامان تجارت خریدنے تشریف لائے تھے۔ اور آپ کے ساتھ اس مرتبہ حضرت خدیجہ کا غلام ''میسرہ'' بھی تھا۔ اس نے دو فرشتوں کو دیکھا جو آپ کو سورج کی دھوپ سے بچانے کیلئے سایہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے بھی اس بات کا آپ کی واپسی پر نظارہ کیا۔ اس سفر سے واپس آ جانے کے تقریباً تین ماہ بعد آپ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوگئی۔ حضرت خدیجہ کی اس وقت عمر چالیس سال تھی۔ انہوں نے آپ سے شادی کی خود پیشکش کی تھی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس برس کی ہوئی۔ تو قریش نے کعبہ کی تعمیر جدید کی۔ آپ ہی کی وہ شخصیت تھی جس نے حجر اسود کو دوبارہ اس کی جگہ رکھا۔ پھر جب آپ چالیس برس کے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بَارَکَ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ تَابِعِيْهِمْ اَفْضَلَ صَلٰوةٍ وَ سَلَامٍ وَ اَفْضَلَ بَرْکَةٍ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِ اللّٰهِ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِ اللّٰهِ اَبَدَ الْآبِدِيْنَ وَ دَهْرًا الدَّاهِرِيْنَ – وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

# علامہ شریف سید احمد بن عبدالغنی بن عمر عابدین دمشقی

## متوفی ۱۳۰۷ھ ان کے چچا امام علامہ خاتمۃ المحققین سید محمد عابد صاحب حاشیہ درمختار متوفی ۱۲۵۲ھ اور آپ علامہ سید ابوالخیر آفندی عابدین کے والد ہیں جو شام میں حنفی علماء میں سرکردہ تھے۔

جو ہرا: سید احمد عابدین مذکور رضی اللہ عنہ نے علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کی میلاد النبی پر لکھی گئی کتاب جو انہوں نے اپنی ہی تصنیف مسمّی ''نعمۃ الکبرٰی'' کے خلاصہ کے طور پر لکھا۔ کی شرح کی ہے۔ علامہ ابن حجر مذکور کی کتاب کا تذکرہ ان کے خطبہ میں درج ہے۔ علامہ موصوف کی مذکورہ مختصر کتاب کی بعض علماء نے شروحات لکھیں۔ جن میں سے ایک علامہ شیخ محمد داؤدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ لیکن ان شروحات میں سے زیادہ بسط وزیادہ نفع والی شرح وہ ہے جسے سید احمد عابدین مذکور نے لکھا۔ جس کا نام ''نثر الدرر علی مولد ابن احجر'' ہے۔ جو چونتیس دستوں پر مشتمل ہے۔ ہر دستہ میں درمیانہ درجہ کے دس اوراق ہیں۔ اس میں موصوف نے ایسے فوائد لکھے جن سے دل باغ باغ ہو جاتا۔ اور طبیعت کھل اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں (علامہ نبہانی) اب ذیل میں اس کی ایسی باتیں تحریر کر رہا ہوں۔ جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ وہ باتیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات سے متعلق ہیں۔ ان میں سے چند فوائد وہ ہیں۔ جو علامہ سید احمد عابدین نے اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

وَقَدْ اَحْبَبْتُ اَنْ اَذْکُرَ مُقَدِّمَۃً فِی بَیَانِ اَوَّلِ مَنْ اَحْدَثَ قِرَاۃَ الْمَوْلِدِ الشَّرِیْفِ وَ بَیَانِ مَا تَشْتَمِلُ عَلَیْہِ وَ غَیْرِ ذَالِکَ فَاَقُوْلُ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَ بِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّحْقِیْقِ۔ مقدمہ میں نے پسند کیا کہ اس بارے میں ایک مقدمہ لکھوں اور اس میں یہ بیان کروں کہ مولد شریف کا پڑھنا سب سے پہلے کس نے شروع کیا۔ اور یہ بھی بیان کروں کہ یہ کن باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وغیر ذالک۔ اللہ تعالیٰ کی ہی توفیق اور اس کے قبضہ قدرت میں تحقیق کی باگ ڈور ہے۔

مقدمہ: — معلوم ہونا چاہئے کہ جس مہینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس میں مولد شریف کا عمل ''بدعت حسنہ'' ہی کی ایک قسم ہے اور اس کو جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا اس کا نام ملک مظفر صاحب اربل ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ملک مظفر

موصوف ربیع الاول میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل منعقد کیا کرتا تھا۔ محفل عظیم الشان ہوتی تھی۔ موصوف بھرے جسم والا، بہادر، پہلوان، عاقل اور عادل تھا۔ طویل عرصہ تک حکومت کی۔ بالآخر ۶۳۰ھ میں فرنگیوں کے محاصرہ میں ''عکا'' نامی شہر میں انتقال کیا۔ سیرت اور طبیعت کا عمدہ تھا۔ سبط ابن جوزی نے ''مرأۃ الزمان'' میں لکھا ہے کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے واقعات بیان کئے۔ جو ملک مظفر کی منعقد کردہ محافل میلاد میں سے بعض میں بذات خود موجود تھا۔ بیان کیا کہ میں نے ایک محفل میلاد میں پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر شمار کئے۔ دس ہزار مرغ پکائے گئے۔ ایک لاکھ پیالے اور تیس ہزار حلوے کے تھال تھے۔ محفل میلاد میں ملک مظفر کے ہاں مشہور علماء اور صوفیاء تشریف لاتے۔ موصوف انہیں خلعتیں عطا کرتا اور انعامات دیتا۔ محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔ جیسا کہ علامہ شیخ محمد شامی کی سیرت میں مذکور ہے۔ علامہ موصوف امام سیوطی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ کی شرح میں بھی ہے۔ جسے علامہ زرقانی نے تحریر کیا ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی حنفی کی تصنیف ''روح السیر'' میں ہے۔ کہ ابن دحیہ نے ۶۰۴ھ میں ملک مظفر کیلئے مولود شریف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''التنویر بمولد النبی البشیر'' رکھا۔ اس تصنیف پر ملک مظفر نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ اھ۔

علامہ ابن حجر الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ الکبریٰ'' میں لکھا ہے۔ کہ یہ شمس ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''مولد کبیر'' ہے۔ مصر اور شام کے لوگوں پر اس کتاب کی گراں قدر خدمات ہیں۔ اس کے مصنف نے ''برقوق'' میں سلطان مصر ۷۸۵ھ اور اس کے امراء کی طرف سے منعقد کی گئی ''قلعہ مصر'' میں محفل میلاد النبی میں شرکت کی۔ اور کھانا وافر مقدار میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ قرآن کریم کی تلاوت، فقراء، قراء اور نعت خوانوں کو احسانات سے نوازنا ان کو دیکھ کر انہیں حیرانی ہوئی۔ اور اس پر مزید یہ کہ سلطان موصوف نے دس ہزار مثقال سونا اس محفل پر خرچ کیا۔

دوسرے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ظاہر ابوسعید جمق کے دور میں محفل میلاد پر اس سے زیادہ اخراجات اٹھتے تھے۔ اندلس اور ہندوستان کے حکمرانوں سے بھی ایسی روایات ملتی ہیں جو ان اخراجات کے قریب یا ان سے کچھ زیادہ خرچ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ امام ابوشامہ جو امام نووی کے شیخ ہیں۔ انہوں نے ملک مظفر کا میلاد النبی کی محفل پر بکثرت خرچ کرنے پر اس کی بہت تعریف کی۔ ایسے عظیم المراتب امام کی اس اچھے کام کی جو ولادت سعادت کی رات ہوتا تھا۔ تعریف کرنا اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ مولد النبی ﷺ کا عمل ''بدعت حسنہ'' ہے۔ خاص کر امام ابوشامہ نے اعلیٰ درجہ

کی یہ تعریف اپنی کتاب جس کا نام انہوں نے ''البواعث علی انکار البدع والحوادث'' رکھا میں ذکر کی ہے۔ اس عمل کی فضیلت اس وقت ہوگی جب یہ مفاسد (ناجائز کاموں) سے خالی ہو۔ امام ابوشامہ رضی اللہ عنہ کی عبارت یہ ہے۔

وَمِنْ اَحْسَنِ مَا ابْتَدَعَ فِیْ زَمَانِنَا مَا یُفْعَلُ کُلُّ عَامٍ فِی الْیَوْمِ الْمُوَافِقِ لِیَوْمِ مَوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَ فِعْلِ الْخَیْرَاتِ وَ اِظْهَارِ الْفَرَحِ وَ السُّرُوْرِ فَاِنَّ ذَالِکَ مَعَ مَافِیْهِ مِنَ الْاِحْسَانِ اِلَی الْفُقَرَاءِ مُشْعِرٌ بِمَحَبَّتِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ تَعْظِیْمُهٗ فِیْ قَلْبِ فَاعِلِ ذَالِکِ وَ شُکْرُ اللّٰهِ عَلٰی مَا مَنَّ بِهٖ مِنْ اِیْجَادِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ فِیْهِ اِغَاظَةٌ لِلْکَفَرَةِ وَالْمُنَافِقِیْنَ۔اھ۔

ہمارے دور کے نئے اور خوبصورت (ازروئے شریعت) کاموں میں سے ایک وہ کام ہے جو ہر سال اس دن کیا جاتا ہے جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ (یعنی بارہ ربیع الاول) وہ کام کیا ہے۔ صدقات دینا، نیکیاں کرنا اور فرحت وسرور کا اظہار۔ ان میں جہاں ایک طرف فقراء پر احسان کرنا ہے تو دوسری طرف یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت بھی ہیں اور ان کاموں کو کرنے والے کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم دکھائی دیتی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا اس نعمت پر شکرادا کرنا بھی پایا جاتا ہے جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما کر ہم پر کی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں کفار ومنافقین کو غصہ دلانا بھی ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ یہی (یعنی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد بدعت حسنہ اور مذکور فوائد پر مشتمل ہے) ابوالطیب السبتی نزیل قوص کے ہاں ''مختار'' ہے۔ جو مالکی مذہب کے جلیل القدر عالم ہیں۔ اھ۔ حافظ ابوالخیر شمس الدین بن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وہ ابولہب جس کی مذمت کیلئے قرآن کریم کی آیات اتریں۔ اسے جہنم کی آگ میں اپنی انگلی کے پورے سے پینے کیلئے پانی دیا جاتا ہے اور ہر پیر کی رات اس کا عذاب ہلکا کردیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس بات پر خوش ہوکر آزاد کردیا تھا کہ اس نے آکر ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی تو اس کے مقابلہ میں اس مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقعہ پر خوش ہوتا ہے اور اپنی بساط وہمت کے مطابق خرچ کرتا ہے بخدا! اس کی جزاء اللہ کریم سے یہی ہے کہ وہ اسے اپنے فضل عمیم سے ''جنت النعیم'' میں داخل فرمائے۔

الحمدللہ! ہر دور میں مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا ضرور رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن نہایت اہتمام وشان سے مناتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس بابرکت عمل میں انہوں نے وسعت دے کر صرف بارہ ربیع الاول پر ہی موقوف نہ کیا بلکہ سال بھر ایسی محافل کا انعقاد واہتمام کرتے ہیں اور یہ سب کچھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اچھے اچھے کھانے پکائے اور کھلائے جاتے ہیں۔ اس کی راتوں میں صدقات وخیرات کئے جاتے ہیں۔ اس کے ذریعہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ خاص کر ''دولت عثمانیہ'' کے حکمران اور اس کے صاحب ہمت امراء (اللہ اس حکومت کو ہر آفت و پریشانی سے محفوظ رکھے) تو یہ بھی انتظام کرتے ہیں کہ ان محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا قصہ بیان کیا جائے۔ (یا لکھا ہوا پڑھا جائے) اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عام برکتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔

عمدۃ المحققین علامہ نور الدین علی حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انسان العیون فی سیرۃ الامین المأمون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں اور حضرت علامہ برھان ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح السیر'' میں ہم جو چند باتیں پچھلے اوراق میں تحریر کر آئے ہیں۔ ان جیسی تحریر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا واقعہ ذکر کرتے وقت حاضرین وسامعین کا کھڑا ہو جانا اس کے استحسان پر گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''امام محقق جناب ابو زرعہ عراقی رضی اللہ عنہ سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا یہ مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس بارے میں کوئی ثبوت ہے؟ اور کیا یہ فعل ایسے حضرات سے منقول ہے جو لائق اقتداء وتقلید ہوں؟

موصوف رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ ولیمہ کا انعقاد اور کھانا کھلانا ہر وقت ''مستحب'' ہے پھر جب ان باتوں کے ساتھ اس ماہ مبارک میں نور نبوت کے ظہور کی وجہ سے فرحت و سرور بھی شامل ہو جائے تو اس کے استحباب میں کیسے فرق آئے گا؟ ہم سلف صالحین سے اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے اور اس عمل کے ''بدعت'' ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ''مکروہ'' ہے۔ اس لئے کہ بہت سی بدعات ایسی ہیں جو مستحب بلکہ واجب ہیں۔ اھ۔

لہٰذا یہ (محفل میلاد النبی کا انعقاد) ''بدعت حسنہ'' ہے۔ امام سیوطی نے فرمایا۔ اور یہی ''مدخل'' میں ابن الحاج کے کلام کا مقتضیٰ ہے۔ انہوں نے اس بارے میں جو مذمت کی ہے وہ ان کاموں کی ہے جو ان محافل میں ''غیر شرعی'' کئے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اس گفتگو سے پہلے صراحۃً لکھا

ہے کہ اس مبارک مہینہ میں خاص کر نیک کام اور صدقات وخیرات کی کثرت کرنی چاہئے اور ان کے علاوہ دوسری ایسی باتیں جو ثواب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ بکثرت ہونی چاہئیں اور ایسا ''میلاد'' واقعی مستحسن ہے۔ اھ۔

''مواہب لدینہ'' میں ہے۔ ابن حاج نے مدخل میں اس بات پر طویل تنقید اور انکار کیا جو لوگوں نے ''میلاد النبی'' کی محافل میں بدعات اھواء اور حرام آلات سے گانا شروع کر دیا ہے۔ اھ۔ سید احمد عابدین نے مذکورہ باتیں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔'' میں کہتا ہوں کہ اسی قبیلہ (مکروہات وبدعات) سے وہ باتیں بھی ہیں جو عوام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے سٹیج پر میلاد النبی کا قصہ پڑھنا اور وہ بھی گانے بجانے اور لہو ولعب کے طور پر پڑھنا اور پھر سر عام ایسا کرنا اور اس سے زیادہ قبیح یہ ہے کہ جس شخص نے ایسے میلاد کے انعقاد کی نذر مانی ہو۔ (جو لہو ولعب اور گانے بجانے کے محرکات پر مشتمل ہو) ایسے شخص کی نذر کو پورا کرنے کا فتویٰ دینا تاکہ وہ اس فتویٰ کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائے۔ جیسا کہ اس بات کو میرے آقا اور میرے چچا سید محمد عابدین نے کتاب الصوم کے آخر میں حاشیہ پر لکھا ہے''۔

فقیر محمد یوسف نبہانی (رحمۃ اللہ علیہ) عرض کرتا ہے کہ میں نے سید محمد عابدین موصوف کے مذکورہ حاشیہ کو دیکھا جو باب الاعتکاف سے قبل ہے۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔

''اَمَّالَوْ نَذَرَ زَیْتًا لِا یْقَادِ قِنْدِیْلٍ فَوْقَ ضَرِیْحِ الشَّیْخِ اَوْفِی الْمَنَارَۃِ کَمَا یَفْعَلُ النِّسَآءُ مِنْ نَذْرِ الزَّیْتِ لِسَیِّدِیْ عَبْدِالْقَادِرِ وَ یُوْقَدُ فِی الْمَنَارَۃِ جِھَۃَ الْمَشْرِقِ فَھُوَ بَاطِلٌ وَ اَقْبَحُ مِنْہُ النَّذْرُ بِقِرَاءَ ۃِ الْمَوْلِدِ فِی الْمَنَابِرِ مَعَ اِشْتِمَالِہٖ عَلَی الْغِنَاءِ وَ اللَّعْبِ وَ اِیْھَابِ ثَوَابِ ذَالِکَ اِلٰی حَضْرَۃِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ''

اگر کوئی تیل کی نذر مانتا ہے کہ وہ فلاں شیخ کی قبر پر چراغ میں ڈال کر اسے جلائے گا یا مینارہ پر چراغ روشن کرے گا جیسا کہ عورتیں سیدی عبدالقادر غوث پاک رضی اللہ عنہ کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اسے مشرق کی طرف موجود مینار پر جلایا جاتا ہے۔ یہ باطل ہے اور اس سے زیادہ قباحت اس نذر میں ہے کہ کوئی شخص نذر مانے کہ میں کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر مولود پڑھوں گا جب کہ وہ محفل میلاد گانے بجانے اور لہو ولعب پر مشتمل ہو اور پھر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ''ہبہ'' کرنا (اور بھی برا ہے)

''روح السیر'' میں برہان ابراہیم حلبی حنفی نے فعل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق

مشاہیر علماء کرام کے اقوال کے مطابق اس کا مستحسن ہونا تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''اگر محفل میلاد کے سبب سے کوئی منکر کام حاصل ہوتا ہو جیسا کہ عورتوں کا اجتماع ان کا گانے بجانے سے آواز بلند کرنا وغیرہ یہ تمام ادیان میں حرام ہے۔ اس لئے کہ عورتوں کا محض آواز بلند کرنا بھی ''پردہ'' ہے۔ چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ گانا بجانا بھی شامل ہو جائے۔ اھ۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''عمل میلاد'' بدعت ہے۔ لیکن اس میں خوبیاں بھی اور ان کی ضد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے خوبیوں کے حصول کا قصد کیا اور ان کی ضد سے اجتناب چاہا تو اس کیلئے یہ ''بدعت حسنہ'' ہو جائے گی۔ اور جس نے ایسا نہ چاہا اس کیلئے ''حسنہ'' نہ بنے گی۔ امام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا۔ ''میرے لئے اس (محفل میلاد) کی تخریج ایک اصل ثابت سے ظاہر ہوئی۔ وہ اصل وہ ہے جو بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدَ الْیَھُوْدَ یَصُوْمُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَسَأَلَھُمْ فَقَالُوْ اھُوَ یَوْمٌ اَغْرَقَ اللّٰہُ فِیْہِ فِرْعَوْنَ وَ نَجّٰی مُوْسٰی وَ نَحْنُ نَصُوْمُہٗ شُکْرًا۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دسویں محرم کا روزہ رکھتے دیکھا۔ ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی۔ ہم اس دن کا روزہ شکرانے کے طور پر رکھتے ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی معین دن میں احسان فرمانے پر عملی طور پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ پھر فرماتے ہیں حضور سرور کائنات نبی رحمت ﷺ کی تشریف آوری سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ (لہٰذا اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنا جائز ہے) اور شکر مختلف عبادات سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سجود، روزہ، صدقہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ۔ اس دلیل کو ان سے پہلے حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں کچھ الفاظ اس سے زیادہ کہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارسال فرما کر اپنی نعمت مکمل فرما دی۔ جو دارین کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ پس اس دن کا روزہ رکھنا بہت اچھا ہے جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کی تجدید ہوتی ہو اور ایسا کرنا در اصل نعمت کا شکر سے مقابلہ کرنا ہے۔ (یعنی ہر نعمت کے مقابل کوئی نہ کوئی شکر ہونا چاہئے اور روزہ رکھنا بھی شکر کی ہی ایک قسم ہے) اس کی مثال عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ڈوبنے سے نجات دی۔ اسی

دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم نے فرعون اور اس کے سپاہیوں سے نجات پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کو بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ پس اس دن کا حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے روزہ رکھا اور یہ روزہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے تھا۔ اس دن کا روزہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انبیاء کرام کی متابعت کرتے ہوئے رکھا۔ اور یہودیوں کو فرمایا۔ نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسیٰ مِنْكُمْ۔ موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ ہم حقدار ہیں۔ اور آپ نے اس دن کا حکم بھی دیا کہ روزہ رکھا کرو۔

برہان حلبی نے ''روح السیر'' میں امام حافظ ابن حجر سے ان کا یہ قول نقل کیا۔ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک کے عمل سے خیر کا ارادہ کرتے ہیں اور اظہار فرحت وسرور ان کا مقصود ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں ان کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ اس طریقہ سے اہل خیر وصلاح اور فقراء ومساکین کو جمع ہونے کا موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ پھر انہیں کھانا کھلاتے ہیں اور ان کو صدقات وخیرات سے نوازتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ پس اگر اس سے زیادہ کا ارادہ کریں۔ تو ایسے حضرات کو حکم دیتے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا کرتے ہیں اور اس کے متعلق اشعار کہتے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اپنانے پر ابھارتے ہیں۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب کو نیک کام کرنے اور بدعات ومنکرات سے روکنے کی طرف حرکت دیتی ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کے اسباب میں سے مضبوط ترین سبب یہ ہے کہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح خوبصورت سریلی آواز سے سنے۔ جب خوش الحانی سے مدح حبیب کہی جارہی ہو اور پھر اس کے سننے والے بھی ایسے ہوں جو اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہوں تو پھر اس سے سامع میں شکر ومحبت کے جذبات امڈ آتے ہیں۔

اس کے بعد سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ حضور صاحب المعجزات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کی ولادت باسعادت کا واقعہ سننے کیلئے لوگوں کا جمع ہونا ''اعظم قربات'' میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس میں نیک کام، درود وسلام، دعائیں وغیرہ بکثرت ہوتی ہیں اور یہ سب باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور آپ کی محبت آپ کے وصل اور قرب کا ذریعہ ہے۔ بڑے بڑے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد اس سال امن کا ضامن ہوتا ہے اور مقاصد ومطالب کے جلد حصول کی خوش خبری ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے پھر ان سے امام حلبی نے اپنی ''سیرت'' میں نقل فرمایا۔ اسی طرح مؤلف یعنی ابن حجر ہیتمی نے اور علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بہت بڑے خطرے میں گھر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے صرف اس بات پر نجات عطا فرمادی میرے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کے انعقاد کا خیال گزرا تھا۔

لہٰذا ہر اس شخص کو چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں صادق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے مہینہ میں خوشی کا اظہار کرے اور اس ماہ میں محفل میلاد منعقد کرے جس میں ایسے آثار وایسی روایات صحیحہ پڑھی سنائی جائیں جو ولادت باسعادت کے موضوع پر ہیں۔ ایسا کرنے والے کیلئے ممکن ہے کہ وہ بہت جلد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ان حضرات میں شامل کردیا جائے۔ جو سابقین اور بہترین لوگ ہوئے۔ اس لئے کہ جس شخص کے جسم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رچ بس جاتی ہے۔ وہ کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ کل قیامت کو جو لوگ بھی مرتبہ شفاعت پائیں گے۔ انہیں یہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے ہی ملے گا۔ جب نیک لوگ جو شفاعت کریں گے انہیں یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی بنا پر ملا۔ اور ان کی شفاعت سے اغیار بخشے جائیں گے۔ تو کم از کم یہ بات ضرور ہوگی کہ محفل میلاد کا انعقاد اوروں کیلئے نہ سہی صرف اس محفل کو منعقد کرنے والے کیلئے سبب شفاعت بن جائے گا۔ اگرچہ اس کی محبت کی مرتبہ و مقام ان حضرات کی محبت کے برابر نہیں جو دوسروں کیلئے شفاعت کریں گے اور ایسا شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ'' (آدمی کل قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی) کے مصداق تو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہر مسلمان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرمائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت باسعادت کے مہینہ میں راتوں کو محفل میلاد منعقد کرتا ہے۔ اسے ''عید'' کی طرح مناتا ہے۔ اس سے اگر یہی فائدہ ہو کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہوتی ہے۔ تو یہی فائدہ کافی ہوتا۔ صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کوئی چھپی بات نہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ، وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَ السَّلَام۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ شرح کے مقدمہ میں جو لکھا وہ مختصر طور پر بیان ہوگیا۔

جوہر ۲: علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کی کتاب مذکور کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین نے مصنف کے درج ذیل قول کی تشریح میں لکھا۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَ ھٰذَا الْعَالَمَ بِمَوْلَدِ

سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) تمام تعریفیں اس اللہ پاک کیلئے جس نے اس کائنات کو اولاد آدم کے آقا و سردار جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا شرف بخشا۔
اہل ایمان کا آپ کی وجہ سے شرف ظاہر ہے اور اس میں کوئی اختلاف و نزاع نہیں ہے۔ رہا اہل کفر کیلئے آپ کا وجہ شرف ہونا تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی بدولت وجود بخشا۔ یونہی جمادات کیلئے بھی آپ کا شرف اسی اعتبار سے ہے اور اگر صرف ایسے عذاب سے بچنا ہی ہوتا جس سے ان (کفار و جمادات) کا نام ونشان باقی نہ رہتا تو بھی آپ کا شرف کافی تھا اور یہ بھی وجہ شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجا ہے یعنی تمام مخلوق کیلئے آپ رحمت ہیں۔
فاضل مفسر جناب اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "روح البیان" میں فرمایا۔ "حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دیکر مبعوث کیا گیا وہ دارین کی سعادت کا سبب ہے۔ اور ان کی دونوں جہانوں میں مصلحتوں کا منشاء ہے اور جو بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراض کرے گا اور تکبر کرے گا۔ تو وہ بیشک اپنی طرف سے مصیبت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ پھر اس پر رحم نہیں کیا جائے گا"۔
اگر تم پوچھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "رحمۃ للعالمین" کیونکر ہیں جب کہ آپ کو تلوار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا اور غیر مسلموں کے اموال آپ کیلئے مباح قرار دیئے گئے؟ میں کہوں گا کہ یہ بات ان لوگوں کیلئے ہے جو آپ کی تعلیمات کو پشت پر ڈالتے ہیں۔ استکبار کرتے ہیں۔ اور جن کو کسی قسم کا وعظ اور ارشاد نفع نہیں دیتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کیلئے بھی "رحمت" ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپ کی وجہ سے ان کی عقوبت و سزا مؤخر کر دی گئی اور جڑ سے ختم ہونے سے آپ کی رحمت سے بچ گئے۔ علاوہ ازیں زمین میں دھنسنے اور شکلیں بگڑنے سے بھی آپ کی رحمت کے صدقہ بچ گئے۔
اے صاحب عقل وفہم! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا تھا۔ پھر عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک تمام مخلوق آپ کے بعض نور سے پیدا کی گئی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود وشہود کی طرف تشریف لانا ہر موجود کیلئے "رحمت" ہے۔ اور آپ ہی ہر موجود کے وجود کا سبب ہیں اور تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی "رحمت" ہیں۔ لہٰذا آپ "رحمت کافیہ" اور "نعمت وافیہ" ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ارواح کے چشمے پھوٹے۔ پھر

اس کے بعد عالم اجساد واشباح میں جو پیدا ہوا سو پیدا ہوا۔ اگر آپ کی ذات مقدسہ کی تخلیق نہ ہوتی تو نہ افلاک بنائے جاتے اور نہ ہی املاک کا وجود ہوتا۔ جو شخصیت اس مرتبہ اور منصب کی ہو وہ یقیناً عالمین کیلئے ''رحمت'' ہوتی ہے اور بلاشک تمام کائنات ان کے سبب مشرف ہوتی ہے لیکن اس کائنات میں سے وہ جو آپ کی فرمانبرداری وایمان سے بہرہ ور ہوئے وہ ''شرافت'' پر باقی رہے۔ اور جنہوں نے کفر وطغیان کیا۔ اس نے ''شرافت'' کو چھوڑ دیا۔ یا اس سے شرافت دور ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ الحدیث۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور کیسے نہ ہو جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

جوہر ۳: علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کے قول '' وَكَمُلَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُعُوْدُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ جَمِيْعِ الْمَلَائِكَةِ لَا سِيَّمَا الْكَرُوْبِيِّيْنَ وَالْمُقَرَّبِيْنَ'' کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

تنبیہ: مصنف (ابن حجر ہیتمی) رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے صراحتہً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق ''سید الخلق'' ہیں اور آپ علی وجہ العموم سب سے ''افضل'' ہیں۔ خواہ علوی مخلوق ہو یا سفلی اور خواہ بشر ہوں یا جن وملک، خواہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی عادات واعلیٰ اخلاق اور صفات کمال میں سب مخلوق سے افضل ہیں۔ جیسا کہ اس پر تمام اہل سنت نے اجماع فرمایا۔ پھر آپ کے بعد فضل والے حضرات انبیاء کرام ہیں۔ ان کے بعد فرشتے ہیں۔ یہی تحقیق اہل سنت کی ہے جس پر یہ قول شاہد ہے۔ خَوَاصُّ الْبَشَرِ وَ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ اَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَهُمُ الرُّسُلُ مِنْهُمْ وَخَوَاصُّ الْمَلَائِكَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ وَهُمُ الْاَتْقِيَاءُ وَ عَوَامُّ الْبَشَرِ وَ هُمُ الْاَتْقِيَاءُ اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ (كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِيْ مَحَلِّهٖ) حضرات انبیاء کرام ان فرشتوں سے افضل ہیں جو پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور یہ فرشتے عام متقی انسانوں سے افضل ہیں۔ اور عام متقی انسان دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔

جوہر ۴: علامہ ابن حجر کے قول '' وَجُمِعَ فِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَائِرُ الْكَمَالَاتِ الْبَاطِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ وَجَعَلَهٗ اِمَامَ الْكُلِّ اَلْمُفَضَّلَ عَلَيْهِمْ وَ الْمُمِدَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ'' (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام ظاہری وباطنی کمالات جمع کر دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام الکل بنایا۔ دنیا وآخرت میں آپ ہی ان سب پر افضل بنائے گئے اور آپ ہی ان سب کے مدد

کرنے والے بنائے گئے) کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کیلئے "کامل عبودیت" کی صفت سے متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تکمیل سے آپ ہی "کامل الاوصاف" ہیں اور آپ ہی ہر کمال سے متصف، تمام فضائل سے مزین اور علوم واعمال کی بہترین خصلتوں کے مالک ہیں۔ اخلاق واحوال میں جو کمال و حسن ہوسکتا ہے وہ بدرجہ اتم آپ میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال کے معدن اور فضل و افضال کے عنصر ہیں اور آپ ہی حقائق ازلیہ کے مورد ومصدر ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائق کے ورود کا محل ہے۔ اور پھر مخلوق کی طرف ان حقائق کے صدور کا محل بھی آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ مفردات کے جوامع کے جامع، ان کے منبر، خطیب اور ان کے سید السادات بھی آپ ہی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کا بیت المعمور ہیں۔ جو اس نے آپ پر نازل فرمایا اور آپ نے اسے محفوظ کرلیا۔ وہ جو کسی دوسرے کی طاقت میں نہ تھا اور نہ ہی آپ سے پہلے کسی پر وہ نازل کیا گیا۔ جب تم مذکورہ بات سمجھ لو گے تو تمہیں حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کا کلام "ممکنات میں سے آپ سے بڑھ کر زیادہ انوکھا اور کوئی نہیں" اہل تدقیق کے نزدیک تحقیق کی بلند چوٹیوں پر دکھائی دے گا۔ کیونکہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو وہ "خیر خلق اللہ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا اور اس کی طرف کوئی راستہ نہیں کیونکہ کوئی مخلوق" مظہر تام، علی، اعلیٰ اور بلند کمالات کی جامع شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عجیب وانوکھی تصور میں نہیں آ سکتی۔ آپ بارگاہ الٰہی کے وارث اور اس سے بلاواسطہ فیض یافتہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا نہیں پس اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطہ کے بغیر کوئی فیض نہیں لے سکتا۔ بارگاہ الٰہی سے کسی کامل کو جو کچھ ملتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور آپ کے ہاتھوں سے ہی ملتا ہے۔ سیدی محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی عمدہ نعت کہی۔ جس میں وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہیں۔ آپ کے یہ شعر علم لدنی کے آئینہ دار ہیں۔ عمدہ شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَعْظَمُ كَائِنٍ — وَاَنْتَ لِكُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلُ
عَلَيْكَ مَدَارُ الْخَلْقِ اِذْ اَنْتَ قُطْبُهٗ — وَاَنْتَ مَنَارُ الْحَقِّ تَعْلُوْ وَ تَعْدِلُ
فُؤَادُكَ بَيْتُ اللّٰهِ دَارُ عُلُوْمِهٖ — وَ بَابٌ عَلَيْهِ مِنْهُ الْحَقُّ يَدْخُلُ
يَنَابِيْعُ عِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُ تَفَجَّرَتْ — فَفِيْ كُلِّ حَيٍّ مِنْهُ لِلّٰهِ مَنْهَلُ
مُنِحْتَ بِفَيْضِ الْفَضْلِ كُلُّ مُفَضَّلٍ — فَكُلٌّ لَهٗ فَضْلٌ بِهٖ مِنْكَ يَفْضُلُ

نَظَمْتَ نَثَارَ الْاَنْبِيَاءِ فَتَاجُهُمْ لَدَيْکَ بِاَنْوَاعِ الْکَمَالِ مُکَلَّلُ
فَيَا مُدَّةُ الْاَمْدَادِ نُقْطَةُ خَطِّهِ وَيَا ذِرْوَةُ الْاِطْلَاقِ اِذْ يَتَسَلْسِلُ
مُحَالٌ يَحُوْلُ الْقَلْبِ عَنْکَ وَ اِنَّنِي وَ حَقِّکَ لَا اَسْلُوْ وَلَا اَتَحَوَّلُ
عَلَيْکَ صَلَاةُ اللّٰهِ مِنْهُ تَوَاصَلَتْ صَلَاةُ اِتِّصَالِ عَنْکَ لَا نَنْتَصِلُ

یارسول اللہ! ﷺ آپ تمام کائنات میں سے عظیم تر شخصیت ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوق کیلئے حق لیکر تشریف لائے۔ مخلوقات کا دارو مدار آپ ہی ہیں۔ اس لئے کہ آپ دائرہ مخلوق کے قطب ہیں۔ اور آپ ہی حق کا مینار ہیں جو بہت بلند اور میانہ ہے۔ آپ کا قلب انور اللہ تعالیٰ کا گھر اور اس کے علوم کا مرکز ہے اور اس کے دروازہ سے ہی حق کی طرف داخلہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں۔ لہٰذا ہر زندہ چیز میں اسی سے اللہ کی محبت کی سیرابی ملتی ہے۔ اللہ فضل عظیم کے مالک کے کامل فیض سے آپ بہرہ ور ہیں۔ پھر دنیا میں جو بھی صاحب فضل ہے وہ آپ کا ہی منگتا ہے۔ آپ نے تمام انبیاء کرام کو ایک ہی لڑی میں پرویا۔ اور ان کا تاج جو ہر قسم کی زینت و زیبائش سے آراستہ آپ کے پاس ہے۔

اے وہ ذات! جس کے خط کا نقطہ تمام سیاہیوں کا قطرہ ہے۔ اور جب بہنے والا (پانی) بہتا ہے تو آپ اس کی علی الاطلاق چوٹی ہیں (جس تک پانی کی رسائی نہیں ہوسکتی) آپ سے دل کا کسی اور طرف پلٹ جانا محال ہے اور آپ کے حق کی قسم! نہ تو میں غم محبت سے آرام میں ہوں اور نہ ہی آپ کا در چھوڑ کر کہیں اور جانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لگا تار آپ پر صلوٰۃ وسلام ایسے جو اتصال کا ذریعہ بنیں نہ کہ جدائی کا سبب ہوں۔

جوہر ۵: سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر کی تصنیف میں لکھی گئی آیت ذیل کی تشریح میں فرمایا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اے غیب کی خبریں دینے والے! ہم نے آپ کو حاظر ناظر، خوش خبری دینے والا، ڈر سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ (الاحزاب)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضیاء پاش (روشنی عطا فرمانے والے) ہیں۔ جہالت کے اندھیروں سے نکلنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے روشنی طلب کی جاتی ہے اور آپ کے نور سے

"نور بصیرت" حاصل کیا جاتا ہے۔ جس کے حصول کے بعد حق و باطل عقائد میں امتیاز، معاملات میں حلال وحرام کی پہچان اور ریاضات میں اچھے برے اخلاق سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت، طریقت اور حقیقت کے حقیقی مراتب اور عالی درجات کے داعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر افضل درود اور اکمل تحیات نازل ہوں۔

"شفاء" میں اور اس کی شرح جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کی کمال رعایت کے تحقق اور عین عنایت کے تعلق کے بعد آپ کے مرتبہ و منزلت کی ایسی اقسام ذکر فرمائیں۔ جو آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی ہیں جو دوسرے انبیاء کرام کے مقابلہ میں آپ کیلئے ذکر فرمائیں۔ اور آپ کیلئے مدح وثنا اور ذکر حسن کے تمام اوصاف اس آیت میں جمع فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کی طرف پیغام رسالت کے پہنچانے کا خود گواہ بنایا۔ اور یہ آپ کے خصائص میں سے ایک ہے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کو اس پیغمبر کی امت تک پیغام الٰہی پہنچانے کا گواہ نہیں بنایا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اپنے پیغمبروں کی تبلیغ کا انکار کریں گی۔ جب اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام ان تک پہنچایا تھا؟ تو اس کے جواب میں پیغمبران عظام عرض کریں گے۔ ہاں باری تعالیٰ ہم نے تیرا پیغام ان تک پہنچایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے دلیل و گواہ کا مطالبہ کرے گا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے تو اس وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ان کے حق میں گواہی دیں گے۔ ہماری گواہی سن کر وہ امتیں ہم سے پوچھیں گی تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ تو ہم ان کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہوا جو اس نے اپنی کتاب میں بتایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفائی اور تزکیہ فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں عادل و بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر اس بات کے گواہ بن جاؤ۔ کہ ان کے پاس آنے والے پیغمبروں نے ان تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔ (البقرۃ:143)

جوہر ۶: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا

B

اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ ۔اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس (شریعت اور دین) ہے۔تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی لازماً مدد کرو گے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور اس پر میرے ساتھ پختہ عہد کیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔فرمایا پس گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔(آل عمران)

اس آیت کریمہ کے ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ مقام ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ارشاد فرما کر "فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ "ختم کر دیا۔ تا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم شرف اور اعلیٰ مرتبہ بتائے۔اور یہ کہ تمام انبیاء کرام تابع اور آپ سب کے متبوع ہیں اور مقصود بالذات صرف آپ ہی ہیں۔اور تمام پیغمبر آپ کے ساتھ ملنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جتنے بھی حضرات انبیاء کرام مبعوث فرمائے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری حیات ظاہری میں وہ تشریف لے آئیں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور ہر پیغمبر یہی عہد اپنی امت سے لیتا رہا۔

"شفاء" میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول مذکور قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسی طرح کا قول جناب سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر میں منقول ہے۔جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وافضلیت مذکور ہے اور یہ کئی وجوہات سے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ (الاحزاب:7)۔اے یاد کرو جب ہم نے انبیاء کرام سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے الی آخرہ۔"شفاء" کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔آیت کریمہ (وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ) میں پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو عام کر کے ذکر فرمایا جس میں ہر پیغمبر شامل ہے پھر اس کے بعد چند انبیاء کرام کا الگ ذکر فرمایا۔یہ "تَخۡصِيۡصٌ بَعۡدَ التَّعۡمِيۡمِ" ہے۔اور ایسا کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عام پیغمبروں کی بہ نسبت ان چند پیغمبروں کا فضل زیادہ اور ان کا شرف اعلیٰ ہے۔کیونکہ

رسولوں میں سے یہ حضرات ''اولوالعزم'' ہیں اور مشہور ''ارباب الشرائع'' ہیں۔ ان الگ ذکر کئے جانے والوں میں سب سے پہلے ذکر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوا۔ اس کی وجہ آپ کی تعظیم و تکریم ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ''عالم ارواح'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سب سے مقدم ہے۔ جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ ''کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔ اھ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ الآیۃ (النساء:163)۔ بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح ہم نے نوح وغیرہ کی طرف کی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فضل عظیم'' کے حامل ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے آپ کا ذکر پہلے کیا ہے جب کہ یوں کہنا ممکن تھا۔ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ عَلٰی نَحْوِهٖ۔ جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف وحی کی اسی کی مانند ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ذکر اس لئے کیا گیا کہ آپ فضل وشان میں سب سے مقدم ہیں اس لئے نہیں کہ آپ کا زمانہ بعثت سب سے مقدم تھا۔ آیت کریمہ میں حرف ''واؤ'' اگر چہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن عرب ایسا کرتے ہیں کہ جو مقدم ہوا سے لفظوں میں پہلے اور جو مؤخر ہوا سے لفظوں میں مؤخر ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر سنی تو آپ رو پڑے۔ اور روتے ہوئے انہوں نے یہ کہا۔ بِأَبِی اَنْتَ وَ اُمِّی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِکَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ بَعَثَکَ اٰخِرَ الْاَنْبِیَآءِ وَقَدَّمَکَ فِی الذِّکْرِ فَقَالَ تَعَالٰی وَ اِذْاَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْکَ وَ مِنْ نُوْحٍ الآیۃ – بِأَبِی وَ أَنْتَ وَ اُمِّی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِکَ عِنْدَهٗ اَنَّ اَهْلَ النَّارِ یَوَدُّوْنَ اَنْ یَّکُوْنُوْ اَطَاعُوْکَ وَهُمْ بَیْنَ اَطْبَاقِهَا یُعَذَّبُوْنَ یَقُوْلُوْنَ یَا لَیْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَاالرَّسُوْلَ الایۃ۔

یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ اس نے آپ کو تمام انبیاء کرام کے بعد مبعوث فرمایا اور ذکر کرتے وقت آپ کا ذکر سب سے پہلے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ الایۃ۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ اعلیٰ درجہ کی فضیلت والے

ہیں کل قیامت میں جہنمی اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ کاش انہوں نے آپ کی اطاعت کی ہوتی۔ حالانکہ وہ اس وقت آگ میں جل رہے ہوں گے کہیں گے۔ ہمارے لئے افسوس! کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''شفاء'' کی شرح میں لکھتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِیَاءِ فِی الْخَلْقِ'' میں خلق میں تمام پیغمبروں میں سے اول ہوں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک پیغمبروں کی ارواح سے پہلے پیدا کی گئی۔ یا جب آدم علیہ السلام کی اولاد کو چیونٹیوں کی صورت میں لایا گیا۔ تو آپ ان سے ''اول'' ہیں۔ یا جب اللہ تعالیٰ نے لوح میں تقدیر لکھی۔ تو آپ کی تقدیر کی کتاب ''اول'' تھی۔ یا فرشتوں کیلئے ظہور میں آپ ''اول'' ہیں۔ اور بعثت میں سب سے بعد۔ یہ اس لئے کہ آپ ''خاتم النبیین'' ہیں۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں آپ کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے ذکر سے پہلے کیا گیا۔ جو تمام انبیاء کرام میں سے ''اولوالعزم'' ہیں۔ جب ان سے مقدم ہوئے تو غیر اولو العزم حضرات سے بدرجہ اتم اول ہوئے۔

اور یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کا ان اوصاف شریفہ عالیہ سے متصف ہونا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ سے آپ کو عطا ہوئے۔ یہ اتصاف اس وقت بھی آپ کو حاصل تھا۔ یعنی جب آپ نبی تھے۔ (اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے قبل تھا) اور اس وقت بھی جب میثاق لیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۷: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''وَاِنَّمَا تَاَخَّرَ ظُهُوْرُهُ الْحِسِّی صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِی هٰذَا الْعَالَمِ عَنْ جَمِيْعِهِمْ اَیُ الْاَنْبِيَاءِ لِيَكُوْنَ مُسْتَدْرِكًا عَلَيْهِمْ وَ مُتَمِّمَا مَافَا تَهُمْ مِنَ الْكَمَالَاتِ وَ جَامِعًا لِجَمِيْعِ فَضَائِلِهِمْ وَ زِيَادَاتٍ'' حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم محسوسات (اس دنیا) میں تمام انبیاء کرام سے بعد میں اس لئے ظہور ہوا (حالانکہ آپ کا ''نور'' اول خلق ہے اور آپ آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے) تاکہ تمام انبیاء کرام کو جو کمالات نہیں ملے تھے آپ ان کی تکمیل و استدراک فرمائیں۔ اور تاکہ آپ ان کے دیئے گئے تمام کمالات فضائل اور ان کے علاوہ جو انہیں نہیں دیئے گئے ان سب کے جامع ہوں اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

مواہب لدنیہ وغیرہ میں جو اس موضوع پر لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ حضور سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں کے نبی اوران تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔اس کے باوجود کہ حضرات انبیاء کرام اپنی اپنی نبوت پر بھی باقی تھے۔اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے کل قیامت میں تمام پیغمبر تشریف فرما ہوں گے اور دنیا میں بھی معراج شریف کی رات ایسا ہی ہوا۔آپ نے ان تمام کا امام بن کر نماز پڑھائی اور اگر حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام میں سے کسی پیغمبر کے دور میں آپ اپنے جسم اطہر کے ساتھ تشریف لاتے۔تو ان پیغمبروں اور ان کی امتوں کیلئے آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا۔اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام سے عہد لیا تھا۔اس موضوع کے بارے میں مکمل گفتگو ''مواہب لدنیہ'' نوع ثانی کے چھٹے مقصد میں مرقوم ہے۔

عارف باللہ سیدی محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ نے ''فتوحات'' کے دسویں باب میں ''مواہب لدنیہ'' کے مذکورہ کلام کی تفصیل کے بعد ارشاد فرمایا۔اسی لئے تمام انسانوں کی طرف جس شخصیت کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔وہ صرف اور صرف آپ ہیں۔لہٰذا آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے بادشاہ اور سردار ہیں۔آپ کے علاوہ ہر رسول کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔اس لئے کسی رسول کی رسالت آپ کے سوا ''رسالت عامہ'' نہیں ہے۔پس حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانہ تک بلکہ تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی ہے۔کل قیامت کے دن بھی آپ تمام پیغمبروں سے مقدم ہوں گے۔اور آپ کی سیادت حدیث صحیح میں بطور نص آئی ہے۔پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت ہر پیغمبر کی روحانیت کے ساتھ موجود ہے اوران کی طرف امداد آپ کی روح مبارک سے ہی آتی ہے۔جس کے ذریعہ یہ حضرات شریعتوں کا اظہار اور اپنے اپنے دور میں علوم کا فیضان بحیثیت رسول دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔اور جو لوگ شریعتوں کی تشریح کا اظہار کرتے ہیں۔جیسا کہ حضرت علی اور معاذ وغیرہ رضی اللہ عنہم یہ اپنے اپنے دور میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔یا جیسا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام ہیں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں۔آپ آخری زمانہ میں اپنے ظہور کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ جات فرمائیں گے۔لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عالم محسوسات'' میں پہلے تشریف نہیں لائے۔تو اس بنا پر ہر شریعت اس رسول و پیغمبر کی طرف منسوب کی گئی جنہیں وہ دیکر بھیجا گیا۔حالانکہ درحقیقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی شریعت تھی۔اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بعینہٖ تشریف فرما نہ تھے۔جس طرح آج آپ

کی شریعت جاری و ساری ہے۔ حالانکہ آپ بعینہٖ اس وقت عالم محسوسات میں تشریف فرما نہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اس وقت بھی آپ ''عالم حس'' میں موجود نہیں ہوں گے۔

رہا یہ مسئلہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی شریعت کو خود ہی منسوخ کر دیا، کیونکہ پہلی شریعتیں بھی دراصل آپ کی شریعت تھی) تو اس بارے میں صورت حال یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کا منسوخ ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شریعتیں آپ کی شریعت نہ تھیں اور آپ کی شریعت سے وہ نکل گئیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی شریعت ظاہرہ جو آپ لیکر تشریف لائے تھے۔ جو قرآن و سنت کے رنگ میں ہمارے پاس موجود ہے۔ میں ''نسخ'' کا گواہ بنایا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی بعض آیات دوسری بعض آیات سے منسوخ ہوئیں جسے تمام امت بالاتفاق تسلیم کرتی ہے اسی طرح سنت مبارکہ میں بھی ''نسخ'' کا وجود سب کو مسلم ہے۔ اس کے باوجود ہم سب کا اتفاق و اجماع ہے کہ وہ احکام و آیات جو منسوخ ہو چکے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی شریعت کا ہی حصہ ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ متاخر شریعت نے متقدم شریعت کو منسوخ کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم اور سنت مبارکہ میں موجود ''نسخ'' ہمارے لئے اس بات کی تنبیہ ہے کہ آپ کی شریعت کا سابقہ تمام شریعتوں کا ناسخ ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سابقہ شریعتیں آپ کی شریعت نہ تھیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول فرمانا اس حال میں کہ آپ اپنی شریعت کے علاوہ دوسری شریعت کے مطابق فیصلہ جات اور حکومت کریں گے۔ اپنے دور کی وہ شریعت جو حضرت عیسیٰ لیکر آئے اس کے مطابق فیصلہ جات نہیں کریں گے بلکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت یعنی ''شریعت محمدی'' کے ساتھ حکومت کریں گے۔ ایسا اس لئے کہ اس طرح یہ بات پختہ ہو جائے کہ آج کے دن کسی پیغمبر کے حکم کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بات عیاں ہو جائے کہ وجود اسی شریعت کا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنایا اور اس میں وہ بات بھی داخل ہے جو اہل کتاب میں سے اہل ذمہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور وہ اس وقت جب تک وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرتے رہیں گے اس لئے کہ حکم شرع کی کئی حالتیں ہوتی ہیں ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بادشاہ اور تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور جو پہلے ہو چکے وہ بھی آپ کی ملک میں تھے۔ اور آپ کی اتباع کرتے رہے اور جو ان میں مالک دکھائی دیتے ہیں وہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کے فضائل کے جامع بھی ہیں اور اس سے زیادہ فضیلت بھی آپ کو میسر ہے۔

جوہر ۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت کریمہ لکھی۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ وہ (حضرات انبیاء کرام) ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (الانعام:90)۔ پس آپ ان کی اقتداء کریں اس کے ساتھ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء سابقین میں جس قدر کمالات، ہدایت، معجزات اور خصوصیات تھیں۔ وہ حضور ﷺ کی ذات میں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ اس آیت کریمہ اور مذکورہ قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حضرات انبیاء سابقین کی ''ہدیٰ'' سے مراد (جس کی اقتداء کرنے کا حضور کو حکم دیا گیا) ان کے اپنے اپنے الگ تمام کمالات ہیں۔ اور وہ احکام اصلیہ ہیں۔ جن پر سب کا اتفاق ہے۔ مثلاً توحید، اصول الدین، اس سے مراد ان کو دی گئی الگ الگ شریعت کی فروعات نہیں کیونکہ منسوخ ہو جانے کے بعد وہ ''ہدیٰ'' نہیں رہیں۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ مذکورہ بات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ حالانکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجھے حضرت یونس بن متی سے افضل کہے'' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی کے بارے میں روایت ہے۔ جس نے کہا تھا۔ اس خدا کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ اس پر ایک انصاری نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا تو یہ کہتا ہے۔ حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں؟ پھر جب یہ بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا ''انبیاء کے مابین ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو'' ایک اور روایت میں آتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دو''

اس سوال کا جواب جیسا کہ عارف باللہ سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فتوحات کے دسویں باب میں تحریر فرمایا۔ یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت نہیں دے رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل بنایا اور فضیلت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ یہ بات ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں ہی یہ وارد ہے۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ جب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کا ذکر فرمایا یہ صحیح ہے۔ دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ ''فَبِهُدٰىهُمُ'' فرمایا ہے۔ پس ان کی ''ہدیٰ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہی ہے۔ یعنی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس شریعت کو لازم

پکڑو۔ جس کو آپ کے نائبین نے ظاہر کیا۔ جو اقامت دین تھی۔ اس میں تم افتراق نہ کرو۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ ''فَبِهُدٰهُم اقتده'' یعنی ان پیغمبروں کی اقتداء کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ان کی ''ہدیٰ'' کی اقتداء کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ''وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ'' میں ایک ہی شریعت ہونے پر تنبیہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول ''اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ'' حضرت ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو۔ میں ''ملت ابراہیم'' بھی ''دین'' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دین یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ تم ذرا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کو غور سے دیکھو۔ ''لَوْ كَانَ مُوْسیٰ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ'' اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

اس ارشاد میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتباع کی اپنی طرف اضافت کی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اتباع الدین'' کا حکم دیا۔ اور انبیاء کرام کی ''ہدیٰ'' کی اتباع واقتداء کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا کہ پیغمبروں کی اتباع کرو۔ اس لئے کہ جب ''امام اعظم'' موجود ہو تو اس کے نائبین میں سے کسی نائب کا کوئی حکم باقی نہیں رہتا۔ صرف اور صرف اسی کا حکم باقی رہتا ہے۔ پھر جب نائب کا حکم اس کی تحریرات سمیت غائب ہو گیا تو وہی (امام اعظم) غیب وشہادت میں حاکم ہو گا۔ اھ۔

مذکورہ احادیث کی علماء کرام نے مختلف تاویلات کی ہیں اور مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ اگر تم ان کو جاننا چاہتے ہو۔ تو ''شفاء'' اور اس کی شروحات کا مطالعہ کرلو۔ ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ تفضیل سے جو منع وارد ہوئی اس سے مراد ''حق نبوت ورسالت'' ہے۔ (یعنی نبوت ورسالت کے حق میں کسی پیغمبر کے درمیان فرق نہ کرو کہ فلاں زیادہ حقدار تھا۔ فلاں کم) اس منع سے مراد خود پیغمبروں اور مرسلین کی شخصیات نہیں۔ (یعنی پیغمبر ایک دوسرے سے افضل ہو سکتے ہیں) سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدہ کی شرح میں بعد اس کے کہ انہوں نے جو کچھ شفاء میں کہا لکھا۔ ان دلائل میں سے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کے مابین نفس نبوت اور حقیقت نبوت میں کوئی تفاضل اور تفریق نہیں ایک دلیل یہ ہے کہ ایسا کہنا ممنوع ہے کہ فلاں نبی کا نبوت میں سے کم حصہ ہے اور فلاں کا زیادہ ہے۔ اسی قسم کی دیگر عبارات موجود ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ ''نبوت'' کو ہم ایسی صفت نہیں کہہ سکتے۔ جو ''تشکیک'' کے قبیلہ سے ہو۔ اور بلاشک اس قسم کی بات کا امتناع اور ایسا کہنے سے باز

رہنا دین کی معلومات ضروریہ میں سے ہے۔ سلف صالحین اور خلف کا یہی موقف چلا آرہا ہے۔ تو اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ ''حقیقت نبویہ'' کلی متواطی ہے جس کے تمام افراد مساوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں ایسے شخص کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے جو اس کے مقتضی کا مخالف ہے کیونکہ اس کا فساد بالکل واضح ہے۔ اھ۔

یہ بات عنقریب آنے والی بات کی تائید کرتی ہے یعنی اس بات کی کہ ''نبوت'' ایسی صفت ہے جو محنت وکسب سے نہیں حاصل ہوتی۔ اور علامہ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر کے دوران ''نبوت'' کا ذکر کیا رسالت کا نہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق ہے۔ (یعنی نفس رسالت اور حقیقت رسالت میں تفاضل وتفریق کا ذکر نہ کرنے کا اشارہ کیا ہے کہ ان میں تفاضل ہونا ممکن ہے)۔ فتامله۔

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فرماتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام ''نُبُوَّتٌ مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ'' میں ایک ہی حد ومقام پر ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک ہی چیز ہے جس میں کوئی تفاضل اور فرق نہیں۔ اگر تفاضل اور فرق ہے تو وہ احوال، خصوصیات، کرامات، مرتبہ جات اور الطاف میں ہے۔ رہی ''نفس نبوت'' تو اس میں کوئی تفاضل نہیں۔ تفاضل ان باتوں میں ہے جو نبوت کے علاوہ ہیں۔ اور اس سے زائد ہیں۔ اسی لئے ان میں سے بعض ''رسول'' ہیں۔ بعض ''اولوالعزم'' ہیں۔ بعض کو بلند مکان پر اٹھایا، بعض کو بچپن میں ''حکم'' عطا فرمایا۔ بعض کو ''زبور'' دی بعض کو بینات'' عطا کیں۔ بعض جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند فرمائے۔ اھ۔ بعض سے مراد (یعنی جن بعض کو بلند درجات عطا فرمائے) ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام ماسوا پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ فضیلت کئی وجوہ سے ہے اور بلند وبالا مراتب کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ آپ کی دعوت عرب وعجم، انس وجن اور ملائکہ سب کیلئے عام ہے۔ آپ کے معجزات قیامت تک باقی ہیں۔ ان میں سے عظیم ترین معجزہ قرآن کریم ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی غیر محدود امور ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کو فضیلت دی گئی۔

حضرات علماء کرام اور خود علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے آیت مذکور کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''افضل الانبیاء'' ہونے پر دلیل وحجت بنایا ہے۔ اس طرح کہ کمال خصلتیں اور شرف کی صفات حضرات انبیاء کرام میں بٹی ہوئی تھیں۔ مثلاً حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام ایسے پیغمبر تھے جو نعمت پر شکر کرنے والے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں اور مصیبتوں پر شکر کرنے والوں میں سے

تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان دونوں کمالات کے جامع تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات قاہرہ والے پیغمبر تھے۔ حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام ''اصحاب زہد'' تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ''صاحب الصدق'' تھے۔ یعنی ہر ایک پیغمبر میں ایک نہ ایک معین صفت اور کمال غالب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام جمیل خصلتیں جو سب پیغمبروں میں تھیں وہ سب کی سب اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع فرمادیں۔ اس لئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ انبیاء سابقین کی ہدیٰ کی اقتداء کریں تو اس کو حاصل کرنے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۹: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول اکرم تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے مہربان اور رحم دل ہیں (التوبہ:)۔ اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین نے لکھا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ یعنی خدا کی قسم! یقیناً تمہارے پاس اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ ''قسم'' کا معنیٰ ''لام تاکید'' اور اس کے ساتھ ''قد'' سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حروف کلام کی تحقیق پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ''جاء'' میں اشارہ ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ کسی دور دراز جگہ پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں پر واجب تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تاکہ آپ سے علم دین سیکھیں۔ اور یقین کی معرفت حاصل کریں۔ پس (ہمارے جانے کی بجائے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے پاس تشریف لانا دراصل اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور اس کا ہم پر فضل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بہت بڑی مہربانی ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین استقبال کریں۔ آپ کے حکم کی اطاعت کریں۔ اور اسے صدق دل سے قبول کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لفظ ''رسول'' ذکر فرمایا۔ اس پر ''تنوین'' عظمت کیلئے ہے۔ یعنی عظیم الشان رسول اور ایسی برہان جو ابدی ہے۔ وہ تشریف فرما ہوئے۔ اور قول باری تعالیٰ ''من انفسکم'' سے مراد تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی آپ تمہاری طرح آدمی ہیں۔ فرشتوں وغیرہ کی جنس سے نہیں ہیں۔ یہ اس لئے تاکہ تم آپ سے نفرت نہ کرنے لگو اور دور نہ بھاگو۔ اور آپ کی

متابعت سے انکار نہ کر دو۔ اور یہ کہنا شروع نہ کر دو کہ ہمیں ان کی متابعت کی ہمت نہیں۔ کیونکہ آپ ہماری جنس میں سے نہیں ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف:110) کہہ دیجئے میں بظاہر تمہاری طرح ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر احسان فرمایا۔ جب ان میں ان میں سے ہی عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا (آل عمران:164)۔

اس آیت میں ''مومنین'' کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کے ایمان دار کیلئے ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری جنس میں سے ہیں۔ اس لئے کہ فرشتہ اور جن ہم جنس نہ ہونے اور حواس خمسہ سے ادراک حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ایسی مخلوق نہیں کہ جن سے انسان نفع حاصل کر سکے۔ لہٰذا ایک ایسے ہم جنس واسطہ کی ضرورت پڑی۔ جس کی دو جہتیں ہوں۔ ایک تجرد کی جہت تاکہ اللہ تعالیٰ وتقدس کی طرف سے حصول فیض ہو سکے۔ اور دوسری تعلق کی جہت کہ جس کی وجہ سے بندوں تک فیض پہنچانے کی قدرت ہو۔ یہی واسطہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطافت میں کامل ہونے کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ جنات بھی آپ سے مستفیض ہوں۔ کیونکہ جنات کے جسم ''لطیف'' ہوتے ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی وہی دعوت دی جو انسانوں کو دی تھی۔

آیت مذکورہ کے لفظ ''اَنْفُسِكُمْ'' کی ضمیر میں احتمال ہے کہ اس کے مخاطب بالخصوص عرب ہوں۔ (آدمی کی جنس نہ ہو یعنی عام خطاب نہ ہو) اس احتمال کے پیش نظر معنی یہ ہوگا۔ خدا کی قسم اے عرب! تمہارے پاس تمہاری طرح عربی بولنے والے رسول تشریف لائے۔ ان کی لغت تمہاری لغت کی مانند ہی ہے اور ایسا ہونا باہمی الفت ومحبت کے بہت قریب ہے اور بے گانگی سے بہت دور ہے اور حجت ودلیل کے فہم میں بہت زیادہ موثر اور تیز ہے۔ اس لئے کہ ''ارشاد'' تبھی حاصل ہوتا ہے جب زبان کی معرفت ہو۔ جن حضرات نے یہ معنی پسند کیا ہے انہوں نے اپنے اس احتمال کیلئے ''حریص علیکم'' کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل بنائی ہے کہ ''اَنْفُسِكُمْ'' کی ضمیر سے متبادر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ (اس سے مخاطب عرب ہیں) پھر اللہ تعالیٰ کے قول ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ'' میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم ہدیہ اور تحفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہدیہ اور تحفہ سے منہ وہی موڑتے ہیں جو کافر اور منافق ہوں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ ''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ'' لفظ عزیز کا معنی غالب اور شدید ہے اور کلمہ

''ما'' مصدریہ ہے۔ ''عَنِتّ'' کا معنی کسی دشوار و مشکل کام میں پڑنا ہے اور سب سے ناگوار کام جہنم میں جانا ہے۔ یہ جملہ جس میں مبتداء موخر اور خبر مقدم ہے۔ لفظ رسول کی صفت ہے۔ معنی یہ بنے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت ناگوار اور شاق گزرتا ہے۔ تمہارا مشقت میں پڑنا۔ یعنی ایمان کے چھوڑنے کی وجہ سے جو تکلیف اور دکھ درد تمہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ بہت شاق ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے بارے میں یہ صفت رکھتے ہیں کہ کہیں تمہاری عاقبت بری نہ ہو اور کہیں تم عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ اور آپ کا ایسا ہونا اسی مجانست (ہم جنس ہونا) کا نتیجہ ہے۔ جو ''اَنْفُسِكُمْ'' میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ایمان قبول کرنے، تمہارے احوال کی اصلاح اور تمہاری طرف بھلائی کا پہنچانا اس کے بہت آرزومند ہیں۔ کسی چیز کی شدید طلب کہ جس میں انتہائی کوشش بھی ہو اسے ''حرص'' کہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی ہدایت کی شدید حرص رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ نے مخلوق خدا کو الگ الگ اور جماعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان کے گھروں میں تشریف لے گئے ان کے میلوں میں ان کے اجتماعات میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اس کیلئے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ کی ''حرص'' یہ تھی کہ بندوں کی اصلاح ہو جائے۔ اور یہ ''حرص'' اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضامندی کے حصول کیلئے تھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ آپ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور مجسمہ رحمت ہیں۔ تفسیر ''روح البیان'' میں بحوالہ ''تاویلات نجمیہ'' مذکورہ قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ (الحدید) فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا۔ اس انداز کلام میں ایک لطیف و شریف نکتہ ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ''مخلوق'' ہیں۔ تو آپ کی رحمت و رأفت بھی مخلوق ہی ہوگی۔ لہٰذا وہ صرف مومنوں کیلئے مخصوص ہوئی۔ کیونکہ مخلوق ہونا ایک قسم کی کمزوری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب خالق ہے (مخلوق نہیں) تو اس کی رأفت و رحمت قدیم ہوگی۔ لہٰذا وہ خالقیت کی مضبوطی کی بناء پر عام لوگوں کیلئے ہوئی۔ جیسا کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے (الاعراف:156)۔ پس جس شخص کو رأفت و رحمت خالقیت نے اپنے دامن میں لے لیا۔ وہ رأفت و رحمت نبویہ کے قابل بھی ہوگا۔ کیونکہ یہ (نبوی رحمت و رأفت) رحمت و رأفت

خالقیت کے نتائج میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب آپ ان کیلئے نرم ہیں (آل عمران:159)۔

اس کے بعد قول باری تعالیٰ ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ پس اگر وہ منہ موڑ لیں تو فرما دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پر میں نے توکل کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے (التوبہ:129)۔ بعض اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو اس لئے پیدا کیا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کا اظہار ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ قریب ہے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر پہنچائے (الاسراء:79)۔ یہ مقام عرش کے نیچے ہے۔ عارف ابو یزید رضی اللہ عنہ نے کہا اور ان کے بعد عارف محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے اس کو ثابت و حق کہا کہ اگر عرش اور اس کے تمام متعلقات و مشتملات کو سو کروڑ مرتبہ دو گنا کر کے عارف باللہ کے دل کے ایک کونہ میں رکھا جائے تو عارف کو اس کا احساس تک نہیں ہوگا۔ (یعنی محسوس نہ ہوگا کہ میرے دل میں کوئی چیز ہے) اور عارف کا دل حادث اشیاء کو کیسے محسوس کرے گا جب کہ اس میں "قدیم" کی وسعت ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ "وَلٰكِنْ وَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنْ" لیکن میرے مومن بندوں کا دل میری وسعت رکھتا ہے۔ "عارف" ہی انسان حقیقی ہے۔ جو ذات باری تعالیٰ سے منعکس ہے۔ اور جو حق جل وعلا کے وجود کے مشاہدہ کی دائمی لذت حاصل کرنے والا ہے اور اسے عَلَى الدَّوَامِ اللّٰه جل جلاله کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور یہ عبد خالص ان یکتا بندوں میں سے ہوتا ہے جو دائرہ کمال کے نقطہ نظر سے بنائے گئے ہوتے ہیں جو جہالت و ضلالت کے اندھیروں کو پھاڑنے والے ہوتے ہیں اور اسرار افلاک کے قطب کی حقیقت کے شمس ہوتے ہیں۔ جو انوار کے آسمانوں میں چمکتا ہے جب ایک عارف کا یہ مقام ہے تو کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں ہو سکتے؟ حالانکہ آپ دائرہ فردانیہ کے مرکز، تجلیات رحمانیہ کے مظہر اور حقیقت انسانیہ کا عین ہے۔ اور آپ سے ہی انسانی و روحانی کائنات کا وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک پیدا فرمائی جیسا کہ "روح البیان" میں بعض علماء و عارفین کا قول نقل کیا گیا ہے اس روح کو پیدا کرنے کے بعد اس کی ایک روحانی صورت بنائی۔ وہ صورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صورت جیسی تھی جو اس دنیا میں آپ کی تھی۔ اس روحانی صورت کا سر برکت سے، دونوں آنکھیں حیاء سے، دونوں کان عبرت سے، زبان ذکر سے، دونوں ہونٹ تسبیح سے، چہرہ رضا سے، سینہ اخلاص سے، قلب

رحمت سے، دل شفقت سے، دونوں ہاتھ سخاوت سے، بال جنت کے نباتات سے اور تھوک جنت کے شہد سے بنائے گئے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ایک کنویں جس کا نام ''بئر رومہ'' ہے۔ جس کا پانی سخت کڑوا کسیلا تھا۔ اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ میٹھا لذیذ ہو گیا۔ انتہیٰ کلامہ۔

جوہر ۱۰: علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالْخَلَائِقِ اَجْمَعِيْنَ وَ حَبِيْبُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین، مقرب فرشتوں اور تمام مخلوقات کے سردار اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ موصوف رقمطراز ہیں۔ وہ حضرات جن پر اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں نازل ہوئیں ان تمام میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین شخصیت ہیں۔ آپ کے اوصاف دائرہ امکان سے باہر ہیں کیونکہ عبارت ان کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کی وہ ذات مقدسہ ہے جو ان حضرات سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے جو ہر وقت ایسے مقامات میں اور آگے ترقی کر رہے ہیں جن کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان مقامات کو وہی جانے جو ان پر آگے بڑھ رہا ہے۔ اور یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے خاصہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات انبیاء کرام کی وہ مہر ہیں جو ہر قسم کے فضائل، خیرات اور مناقب کے جامع ہیں۔ جو الگ الگ تمام انبیاء کرام میں پائے جاتے ہیں۔ آپ جامع فضائل و کمالات کیوں نہ ہوں جب کہ تمام پیغمبر علیہم السلام آپ کی تفصیل کی صورتیں ہیں۔ آپ کے خلفاء ہیں۔ اور آپ کی تعینات کے مظاہر ہیں۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جو آپ کے نور میں غوطہ زن نہ ہو آپ کے سمندر سے پانی حاصل کرنے والا نہ ہو۔ ہر ایک نبی اپنے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ہر قسم کی خیر و برکت خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر وہ آپ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور آپ کی طلعت سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور تمام موجودات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی پیدا کی گئیں۔ جیسا کہ بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اصل الوجود'' ہیں۔ اور موجود ہونے کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب موجود ہیں۔ اور تمام ارواح کی روح ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی روح اعظم، آدم اکبر، صاحب کلمۂ جامعہ اور رسالت محیطہ کے تاجدار ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے نام پر جمع کرنے والے ہیں۔ اور آپ ہی خیرات کے تمام دائروں کے جامع ہیں۔ رسالات، نبوات، حقائق عیانیہ، اسرار توحید ربانیہ کے جامع بھی آپ ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۱۱: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "صاحب المعجزات" لکھا۔ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ حضرت علامہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "قصیدہ تائیہ" کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَاُقْسِمُ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ جَمِيْعَهَا     مَدَادِیْ وَاَقْلَامِیْ لَهَا كُلُّ غَوْطَةٍ
لَمَا جِئْتُ بِالْمِعْشَارِ مِنْ آيَاتِكَ الَّتِیْ     تَزِيْدُ عَلٰی عَدِّ النُّجُوْمِ الْمُنِيْرَةِ

میں قسم اٹھاتا ہوں کہ اگر تمام دریا وسمندر میری سیاہی ہوتے اور ہر درخت میرا قلم ہوتا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بھر نشانیاں لکھتا تو ان کا دسواں حصہ بھی لکھ نہ پاتا کیونکہ آپ کی آیات و صفات ان چمکتے ستاروں سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں "سید المداح" علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب شعر کہا ہے۔

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِكَ الْعِجْزُ عَنْ وَصْفِكَ اِذْلَا يَحُدُّهُ الْاِحْصَاءُ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے وصف کو بیان کرنے سے ہر ایک عاجز ہے۔ اس لئے کہ گننے والے ان کی گنتی کر ہی نہیں سکتے۔ اس شعر میں علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کے احاطہ کرنے سے ہر ایک عاجز ہے اس کو آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ کہا ہے۔ یعنی آپ کے وہ مخصوص اوصاف کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ آپ کا اختصاص فرمایا۔ خواہ وہ اخلاق کریمہ ہوں یا فضائل جسیمہ یا اوصاف جو اقصٰی درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں۔ ان میں سے کسی ایک تک کسی کیلئے رسائی ناممکن ہے۔ لہٰذا ان کی کوئی حد نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحہ قرب کے مراتب میں ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ یہ ترقی زندگی میں بھی تھی اور بعد از انتقال بھی جاری ہے۔ موقف میں اور جنت میں بھی مالانہایۃ تک جاری رہے گی۔ جس کا اختتام اور رکنا ناممکن ہے۔

فَبَالِغْ وَ اَكْثِرْ لَنْ تُحِيْطَ بِوَصْفِهٖ     وَ اَيْنَ الثُّرَيَّا مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِ

کے تحت علامہ سید احمد عابدین لکھتے ہیں۔

جیسا کہ عارف سراج عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو خواب دیکھنے والے نے پوچھا۔ کہ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "نظم صریح" کے ذریعہ تعریف کیوں نہیں کرتے۔ تو جواب ارشاد فرمایا۔

اَرٰی كُلَّ مَدْحٍ فِی النَّبِیِّ مُقَصِّرًا وَاِنْ بَالَغَ الْمُثْنِی عَلَیْهِ وَ اَكْثَرَا

اِذَا اللّٰهُ اَثْنٰی بِالَّذِی هُوَ اَهْلُهٗ عَلَیْهِ فَمَا مِقْدَارُ مَا تَمْدَحُ الْوَرٰی

میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہر مدح و تعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔ خواہ حمد و ثناء کرنے والا کسی قدر مبالغہ کرے یا کثرت سے حمد و ثنا کرے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی وہ تعریف کرتا ہے جس کے آپ مستحق ہیں۔ تو اس کے سامنے اس تعریف کی کیا حیثیت جو مخلوق کرتی ہے۔

لہٰذا اگر اولین و آخرین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب و خصائص کے شمار کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کریں تو بھی تمام کے تمام اس کی انتہا تک پہنچنے سے عاجز رہیں گے۔ جو تعریف آپ کے خالق و مالک رب ذوالجلال نے آپ کے ''مواہب احمدیہ، اخلاق محمدیہ اور صفات مصطفویہ'' کی کی ہے اور اگر اس کی مثال دی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کی گنتی کرنے والا کیا ہے تو یہ دی جاسکتی ہے کہ ایک انسان اپنا ہاتھ اوپر کو اٹھاتا ہے اور اسے لمبا کرتا ہے تاکہ ''ثریا'' کو ہاتھ سے پکڑ لے۔ لیکن کہاں ہاتھ اور کہاں ثریا ستارے؟ اسی لئے کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔ جیسا کہ شمائل کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ''اَلْخَلْقُ مَا عَرَفُو اللّٰهَ تَعَالٰی وَ مَا عَرَفُوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' مخلوق نے نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور نہ ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا۔ اھ۔

جوہر ۱۲: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ''وَخَصَّهٗ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی یُعْطِیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَتّٰی یَرْضٰی فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ لَا اَرْضٰی وَاَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ'' اس قول کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ قمطراز ہیں۔

''شفاء'' میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا کوئی امتی جہنم کی آگ میں جائے۔ ''شفاء'' کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور ''مواہب'' کی شرح میں علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''دیلمی'' میں مسند فردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں۔ جب آیت ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ (الضحیٰ) نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اب میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب میرا ایک امتی بھی آگ میں ہوگا۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت ذکر کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ '' سے بڑھ کر زیادہ امید دلانے والی

آیت کوئی نہیں۔اور رسول کریم ﷺ اس سے راضی نہیں ہوں گے۔کہ آپ کا ایک امتی بھی آگ میں داخل ہو۔ یہ روایت لفظاً موقوف ہے۔لیکن حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ رائے کو ایسی بات میں دخل نہیں ہوتا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دلجی'' نے کہا۔اگر یہ روایت (کسی امتی کے جہنم میں جانے سے آپ راضی نہ ہوں گے) صحیح ہے تو پھر اس سے ایک اور روایت کا معنی مشکل ہو جائے گا۔وہ یہ کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض نافرمانوں کو جہنم میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے'' (یعنی ایک روایت جہنم میں کسی امتی کا داخلہ آپ کی عدم رضا پر دلالت کرتی ہے اور دوسری روایت میں آپ ہی اجازت دے رہے ہیں جو جہنم میں داخلے پر رضامندی کی علامت ہے۔اب اس مشکل کا کیا جواب ہوگا؟) پھر انہوں نے لکھا کہ شفاء کی شرح میں علامہ شہاب خفاجی اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں ایک اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرے اس پر راضی رہنا اور اس کے ارادہ کو تسلیم کرنا (تسلیم ورضا) سالکین کیلئے یا سالکین کا عظیم مقام ہے۔لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ مقام کیونکر نہ ہوگا۔اسی لئے صاحب مواہب لدنیہ نے ایک بات لکھی ہے جس سے بعض جاہل فریب کھا گئے۔وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا یا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا کوئی امتی جہنم میں شیطان کے دھوکہ دینے سے جائے۔ابن قیم نے بھی یہی بات (اعتراض) اتباع کرتے ہوئے کہی۔(اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہونا اور تسلیم کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جہنم میں رکھتا ہے یا ڈالتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر رضامندی وتسلیم کا اظہار کرنا چاہئے نہ کہ آپ یہ کہیں کہ میں تو راضی نہیں ہوں کیونکہ یہ کہنا تو آپ کے مقام رضا وتسلیم کے خلاف ہے) علامہ شریف صفوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں اور ان کی اتباع کرتے ہوئے شہاب خفاجی نے اپنی شرح میں اس اعتراض کا رد لکھا۔اور لکھا کہ اس قسم کی بات کرنا بہت بڑی جرأت اور بے ادبی ہے۔اگر کچھ کہنا چاہئے تو مذکورہ حدیث کی بہتری توجیہہ کر دی جائے۔کیونکہ اس کے مضمون کی روایات کئی طرق واسانید سے وارد ہیں۔اگرچہ ان میں ضعف ہے۔(لیکن متعدد طریق سے روایت ہونا ضعف کو ختم کر دیتا ہے) اور سوال مذکور کا اگر یہ جواب دیا جائے تو بعید نہ ہوگا کہ گنہگاروں اور نافرمانوں کو جو عذاب ہوگا وہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ ہوگا۔جب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوگا تو لازماً اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی

خوش نہ ہوں گے۔ حتی کہ لکھا کہ کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ شبہات کے وہم سے روایات کو باطل کہتا اور کرتا پھرے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی امتی کے جہنم میں داخل ہونے پر راضی نہ ہوں گے اس سے مراد اس طرح داخل ہونا ہے کہ داخلہ کے بعد اس کو سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے بلکہ اسے عذاب خفیف سا ہوگا۔ لہٰذا عذاب اسی طرح کا ہوگا جس طرح کوئی رعب وداب سے آداب سکھانے کیلئے سختی کرتا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اِنَّمَا حَرُّ جَهَنَّمَ عَلٰى اُمَّتِي كَحَرِّ الْحَمَامِ" جہنم کی گرمی میری امت کیلئے اس طرح کی ہوگی جس طرح حمام کی گرمی ہوتی ہے۔ یہ روایت ثقہ راویوں کی سند سے امام طبرانی نے ذکر کی۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دارقطنی نے "افراد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔

اِنَّ حَظَّ اُمَّتِي مِنَ النَّارِ طُوْلُ بَلَائِهَا تَحْتَ التُّرَابِ۔

جوہر ۱۳: "وَخَصَّهٗ بِاِتْمَامِ النِّعْمَةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ" ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"اتمام نعمت" یعنی دین کی بلندی اور نبوت کے ساتھ حکومت کو ملا دینا اور ان دونوں نعمتوں کے علاوہ تمام دینی ودنیوی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ" وہ اللہ آپ پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا۔ کہا گیا ہے کہ "اتمام نعمت" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سید الاولین والآخرین ہونا ہے۔ "فتح مکہ" اور اس پر مرتب والی دشمنوں پر کامیابیوں کو بھی "اتمام نعمت" کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عالم کون و فساد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم ثبوت وصلاح کی طرف منتقل کرنا "اتمام نعمت" ہے۔ اس لئے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو دیئے۔ انہوں نے اس سے یہ سمجھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال اب قریب ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے "روح البیان" میں حضرت ابن عطاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سورۃ فتح میں مختلف نعمتیں جمع فرما دیں ایک فتح مبین ہے یہ اجابت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ دوسری نعمت "مغفرت" ہے۔ جو محبت کی نشانیوں میں سے ہے۔ تیسری نعمت "اتمام نعمت" ہے۔ یہ اختصاص کی نشانیوں میں سے ہے۔ چوتھی

''ہدایت'' ہے۔ جو تحقق بالحق کی علامت ہے۔ پانچویں ''نصر'' ہے۔ یہ ولایت کی نشانی ہے۔ پس ''مغفرت'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذنوب سے بری کرتی ہے۔ اور ''اتمام نعمت'' درجہ تک پہنچاتی ہے۔ اور ''ہدایت'' مشاہدہ کی دعوت ہے۔ اور ''نصرت'' حق سے کل کو دیکھتا ہے۔

جوہر ۱۴: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''وَخَصَّهُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ'' کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''شرح صدر'' کا معنی سینہ کو کشادہ کرنا ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ ''عالم الغیب والشہادۃ'' کو اپنے دونوں ملکہ یعنی استفادہ وافادہ کے درمیان اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ملکات روحانیہ کے اقتباس سے آپ کے علائق جسمانیہ کے ملابس اسے روکتے نہیں اور آپ کا جو تعلق مخلوق کی مصلحتوں کے ساتھ ہے وہ پروردگار کے شؤن میں استغراق سے آپ کو آڑے نہیں آتا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مخلوق سے پردے میں نہیں۔ اور مخلوق کے ساتھ ہونے سے اللہ تعالیٰ سے دور نہیں ہیں۔ بلکہ آپ جمع وتفریق اور حاضر وغائب کے درمیان ''جامع'' ہیں۔

الم نشرح کی تفسیر میں ''تاویلات نجمیہ'' میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ ''نور نبوت'' سے کشادہ ہے۔ اور جن وانس کی دعوت کی وجہ سے جو پریشانیاں ہوسکتی ہیں ان کے برداشت کی قوت ہے آپ کے سر کا سینہ رسالت کی ضیاء سے کشادہ ہے۔ کفار ومنافقین کی طرف سے تکالیف اور مصائب کو برداشت کرتا ہے اور آپ کے نور کا سینہ ولایت کی شعاعوں سے کشادہ ہے۔ اور علوم لدنیہ، حکمت الٰہیہ، معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ کے تحقق سے وسیع ہے۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرح صدر ''صوری'' یعنی سینہ پاک کا شق کیا جانا تو یہ کئی مرتبہ ہوا۔

جوہر ۱۵: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''وَخَصَّهُ بِاِقْسَامِهِ تَعَالٰى بِحَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ'' اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ لوگ اپنے نشہ میں حیران و پریشان پھرتے ہیں (الحجر:72)۔ ''شفاء'' میں ہے کہ تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدت حیات کی قسم اٹھائی ہے اور اس کا معنی یہ ہے۔ بَقَاءُكَ يَا مُحَمَّدُ۔ آپ کی بقا کی قسم! کہا

گیا ہے کہ اس کا معنی آپ کی زندگی اور آپ کی حیات کی قسم ہے۔ بہر حال ان معانی میں سے ہر ایک معنی ''نہایت تعظیم'' اور انتہائی بزرگ و تشریف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا، جو کچھ بنایا اور جسے عدم سے وجود بخشا ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مکرم و معزز ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی حیات کی قسم اٹھائی ہو۔ جناب ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''حیات'' کے علاوہ کسی اور کی حیات کی قسم نہیں اٹھائی۔ کیونکہ تمام مخلوقات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہیں۔ روح البیان میں بحوالہ تاویلات نجمیہ مذکور ہے۔ یہ مرتبہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کائنات میں کسی دوسرے نے نہ پایا۔ ازل سے ابد تک کسی کو یہ اعزاز نہ ملا۔ وہ مرتبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فی نفسہ فانی اور بزرگ بہ باقی حیات کی قسم اٹھائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''اِنَّکَ مَیِّتٌ'' یعنی آپ اپنے آپ سے میت ہیں۔ اور ہماری نسبت سے ''زندہ'' ہیں اور آپ ﷺ ہی اس ''مقام محمود'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔

جوہر ۱۵: علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''وَخَصَّهُ بِدَوَامِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى وَ مِنْ جَمِيعِ الْمَلَائِكَةِ الَّتِي لَا يُحْصٰى كَثْرَتُهُمْ اِلَّا هُوَ تَعَالٰى وَ مِنْ اُمَّتِهِ فِي سَائِرِ الْاَمْكِنَةِ وَالْاَزْمِنَةِ''۔ کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ''صلوٰۃ و سلام'' کے بارے میں نازل فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (الاحزاب:56) یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ آیت مذکورہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ ایسی کوئی آیت کسی اور کیلئے موجود نہیں اگر چہ اصل ''صلوٰۃ'' حضرات ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کیلئے موجود ہے جیسا کہ ''حدیث التشہد'' سے اس کا علم ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ میں مسلمانوں کیلئے ''بلاغ'' ہے۔ یعنی یہ کہا جا رہا ہے کہ مومنو! تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی اقتداء کرتے ہوئے علی الدوام صلوٰۃ و سلام بھیجنا چاہئے۔ اس طریقہ میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف و تکریم ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کی ''تشریف'' سے کہیں اعلیٰ و اتم ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف فرشتوں کے ساتھ خاص

تھی۔ اس لئے کہ یہ قطعاً ناجائز نہیں کہ اس تشریف آدم (سجدہ کرنے) میں فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہو لیکن اس کے مقابلہ میں "صلوٰۃ" بھیجنے سے جو تشریف وتکریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اس میں فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "صلوٰۃ" بھیجتا ہے۔ اور فرشتے بھی اس (صلوٰۃ بھیجنے) میں شامل ہیں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا "تادیبا" تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جو "صلوٰۃ" کا حکم دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کیلئے تھا۔ (لہٰذا اس اعتبار سے بھی "صلوٰۃ" میں زیادہ "تشریف" ہے) اور یہ بھی کہ سجدہ صرف ایک بار ہوا اور ختم ہو گیا اور صلوٰۃ وسلام قیامت تک علی الدوام جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کی پیشانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک تھا۔ جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الاذکار" میں حضرت ابن علان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک فائدہ تحریر کیا ہے۔ وہ یہ کہ "آیت صلوٰۃ" میں حرف "اِنّ" اور جملہ اسمیہ سے صلوٰۃ کو مؤکد کیا گیا اور یہ بتا کر اور تاکید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "صلوٰۃ" بھیجتے ہیں۔ پھر لفظ سلام کی تاکید مصدر (تسلیما) سے کی گئی۔ کیونکہ یہاں تاکید کیلئے مصدر کے علاوہ اور کوئی اس کے قائم مقام نہ تھا (جس سے تاکید کی جاتی)

"روح البیان" میں جناب اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں منبر پر "مہدی" کو یہ کہتے سنا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَ نَبِيَّهٗ بِاَمْرٍ بَدَاَفِيْهِ بِنَفْسِهٖ وَثَنّٰى بِمَلَائِكَتِهٖ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ الاية اٰثَرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ الرُّسُلِ وَ اخْتَصَّكُمْ بِهَا مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ فَقَابَلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوں اکرام فرمایا کہ "صلوٰۃ" کی آیت میں سب سے پہلے اس نے خود اپنی ذات سے ابتدا کی اور اپنے ساتھ اپنے فرشتوں کو دوسرے درجہ پر ذکر کیا۔ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الاية۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمایا اور اے امت! تمہیں تمام دوسری امتوں کے مقابلہ میں مختص کیا کہ تم صلوٰۃ وسلام بھیجو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کو قبول کرو۔

اللہ رب العزت نے آیت صلوٰۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کے معاملہ میں خود اپنے سے ابتداء فرمائی تاکہ اس طرح آپ کے شرف ومنزلت کا اظہار ہو جائے اور امت کو ترغیب دلائی جائے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ وہ مستغنی ہے۔ جب وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وبلہ وسلم پر "صلوٰۃ"

بھیجتا ہے تو امت کو آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی محتاجی ہے اور اس طریقہ عجیبہ سے فرشتوں اور مومنوں کی ''صلوٰۃ'' کی تقویت بھی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' بہر حال ''حق'' ہے۔ اور اس کے علاوہ فرشتوں ومومنوں وغیرہ کی ''صلوٰۃ'' ایک رسم ہے۔ اور رسم میں اس وقت تقویت آ جاتی ہے جب حق کے ساتھ اس کا تعلق اور سنگت ہو جاتی ہے اور اس انداز بلیغانہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے انوار جمال وجلال کے ''مجلی تام'' ہیں۔ ''نعوت کمال'' کے مظہر ہیں۔ آپ کے واسطہ سے جود وعطا کا فیض سب کو ملا۔ آپ کی وساطت سے تمام کو وجود ملا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد اپنے قدس کے فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر فرمایا کیونکہ تخلیق میں فرشتے پہلے ہیں اور علیین کے رہنے والے ''صورت'' میں خوف زدہ ہیں۔ جیسا کہ بنی آدم ''قضایا'' کے اترنے سے خائف رہتے ہیں۔ اور ''اہل علیین'' اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کرنے والے ہیں کہ کہیں ابلیس اور ہاروت وماروت کا سا واقعہ ان سے سرزد نہ ہو جائے۔ لہٰذا انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجنے کی محتاجی ہے۔ تاکہ صلوٰۃ کے ذریعہ ان کو ''دل جمعی'' حاصل ہو جائے۔ اور محنتوں بلاؤں سے صلوٰۃ وسلام کی برکات سے حفاظت میسر آئے۔ اور اس لئے بھی تاکہ مومنوں کی صلوٰۃ کیلئے رواج حاصل ہو جائے۔ جس کا سبب یہ کہ مومنوں کی صلوٰۃ بھی فرشتوں کی ''صلوٰۃ'' کے موافق ہو جائے۔ جیسا کہ ''آمین'' کے بارے میں وارد ہے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گی وہ مقبول ہوئی۔

فرشتوں کو صلوٰۃ میں اس میں ذکر کیا گیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو فرشتوں نے ان کی پیشانی میں ''نور محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھا۔ تو اسی وقت انہوں نے آپ پر صلوٰۃ بھیجی۔ پھر جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کائنات میں جسم اقدس کے ساتھ لایا گیا تو فرشتوں سے کہا گیا یہ وہی شخصیت ہیں جن پر تم ''صلوٰۃ'' بھیجا کرتے تھے۔ جب یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ''نور'' تھے۔ اب جب کہ وہ نور اس دنیا میں بالفعل موجود ہوا تو تم ان پر صلوٰۃ بھیجو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پھر فرشتوں کا ذکر کرنے کے بعد تیسرے درجہ پر ''مومنین'' کا ذکر فرمایا۔ یعنی تمام انسانوں اور جنات میں سے صرف ''ایمان والوں'' کو حکم دیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔ اس کی کئی حکمتیں ہیں۔

۱: ہر مومن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا محتاج ہے۔ تاکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور ابوت کے بعض حقوق ادا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کیلئے بمنزلہ

''باپ'' ہیں۔ اور آپ نے امت کی تعلیم، تربیت اور ارشاد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور بندوں پر شفقت کے لوازمات میں انتہا تک آپ پہنچے۔ اور استاد و معلم کی تعریف اس کے ہر شاگرد پر لازم ہوتی ہے۔ اور باپ کا شکر ہر بچہ پر واجب ہوتا ہے۔

۲: ''صلوات'' میں اس بات پر شکر کرنا ہے کہ آپ ﷺ افضل الرسل اور خیر الانام ہیں۔

۳: اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کیلئے شفاعت کرنے کی پابندی بھی دکھائی دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ ''صلوٰۃ وسلام'' آپ کی شفاعت کی قیمت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب امتیوں (مومنوں) نے آج دنیا میں اس (شفاعت) کی قیمت ادا کردی۔ تو امید کی جاسکتی ہے کہ کل قیامت کے دن اس قیمت سے لیا گیا مال (شفاعت) انہیں ضرور ملے گا اور مومنوں نے جس قدر (کم یا زیادہ) آپ پر صلوۃ وسلام بھیجا ہوگا اسی قدر ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جان پہچان ہو گی۔ قیامت کے دن ''صلوۃ وسلام'' بھیجنے والے مومن کی علامت یہ ہوگی کہ اس کی زبان سفید ہوگی۔ تارک صلوۃ کی زبان سیاہ ہوگی۔ ان دونوں علامتوں سے اس دن امت کی پہچان ہوگی۔ (کہ صلوۃ و سلام پڑھنے والے کون ہیں اور دوسرے کون؟)

۴: صلوٰۃ وسلام میں ''قربات'' کی زیادتی ہے۔ یہ اس طرح کہ جب کوئی بندہ مومن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب میں ترقی ہوتی ہے۔ جس سے امت کا مرتبہ بھی بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ تابع کا مرتبہ متبوع کے مرتبہ کے تابع ہوتا ہے۔

۵: اس میں ''اثبات محبت'' ہے جو جس سے محبت کرتا ہے اور رکھتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر صلوۃ وسلام پڑھنا ''افضل العبادات'' ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اور اپنے فرشتوں کو اس کا ''متولی'' بنایا ہے۔ پھر مومنوں کو حکم دیا۔ باقی تمام عبادات ایسی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے باقی عبادات بجا لانے کا ہمیں حکم دیا ہے لیکن خود وہ بجا نہیں لاتا۔ انتہی۔

۶: اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''فضل'' واضح فرمایا ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کے فرشتے ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجتے ہیں۔ یونہی آپ کی امت ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے آپ پر صلوۃ و سلام پڑھتی رہی اور پڑھتی رہے گی۔ کوئی جگہ کوئی وقت صلوۃ وسلام سے خالی نہیں۔ یعنی جو مومن ''صلوۃ وسلام'' بھیجتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے آپ کیلئے یہ طلب کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے آقا و

مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف آپ کی رفعت کو اور زیادہ فرمادے۔ بندوں کی طرف سے ''اصل صلوۃ'' نہیں۔ اس لئے کہ ''اصل صلوۃ'' تو آپ کو اپنے رب سے ہی حاصل ہو رہی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اھ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ اَبَدًا سَرْمَدًا

جوہر ۱۶: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''اِعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی شَرَّفَ نَبِیَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِسَبْقِ نُبُوَّتِهٖ فِیْ سَابِقِ اَزْلِیَّتِهٖ وَ ذَالِکَ اَنَّهٗ تَعَالٰی لَمَّا تَعَلَّقَتْ اَرَادَتُهٗ بِاِیْجَادِ الْخَلْقِ اَبْرَزَ الْحَقِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّهِ مِنْ مِحْضِ النُّوْرِ قَبْلَ وُجُوْدِ مَا هُوَ کَائِنٌ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ بَعْدُ ثُمَّ سَلَخَ مِنْهَا الْعَوَالِمَ کُلَّهَا ثُمَّ اَعْلَمَهٗ تَعَالٰی بِسَبْقِ نُبُوَّتِهٖ وَ بَشَرَهٗ بِعَظِیْمِ رِسَالَتِهٖ کُلُّ ذَالِکَ وَ آدَمُ لَمْ یُوْجَدْ ثُمَّ اِنْبَجَسَتْ مِنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُیُوْنُ الْاَرْوَاحِ فَظَهَرَ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی اَصْلًا مُمِدٌّ لِلْعَوَالِمِ کُلِّهَا اھ'' تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازلیت سابقہ میں سبق نبوت سے مشرف فرمایا یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ مخلوق بنائے تو اس نے محض نور سے ''حقیقت محمدیہ'' ظاہر کی جب کہ اس کے بعد پیدا ہونے والی تمام مخلوق کا وجود تک نہ تھا۔ پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' سے تمام جہان بنائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ''سبق نبوت'' کے بارے میں بتایا اور آپ کو رسالت عظمیٰ کی بشارت دی یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام موجود نہ تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارواح کے چشمے پھوٹے تو ملاءِ اعلیٰ میں تمام جہانوں کا اصل اور ممد ظاہر ہوا۔ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''حقیقت محمدیہ'' دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے جو صفت اول کے ساتھ موصوف ہے۔ ''لطائف کاشی'' میں ہے۔ ''حقیقت محمدیہ'' جس کو حقائق شاملہ کی حقیقت کا نام دیا جاتا ہے اور حقائق ساریہ بھی کہتے ہیں۔ ''حقیقت محمدیہ'' ان میں اس طرح سرائیت کئے ہوئے ہے جس طرح ''کل'' اپنے جزئیات میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔ ''حقیقت محمدیہ'' ہی حقائق کی صورت ہے اس لئے کہ خلق وسطیہ، برزخیہ اور عدلیہ میں اس کا اس طرح ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا۔ اول ما خلق اللّٰہ نوری۔ یعنی اس کی اصل لغوی وضع پر اسے بنایا۔ اس اعتبار کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''نور الانوار'' اور ''ابوالارواح'' کہا گیا ہے۔ پھر حضور ﷺ تمام کاملین کے آخر میں تشریف لائے۔ اس لئے کہ آپ

کے بعد آپ کی مثل پیدا نہیں ہوگا۔ اھ

لہٰذا ''حقیقت محمدیہ'' محض نور سے وجود میں آنے والی ''اول موجود'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور صمدی سے وجود میں آنے والی۔ یہ حقیقت ایسی تھی کہ جس نے ربوبیت کے تمام لباس پہنے ہوئے تھے۔ تمام اوصاف رحمانیہ پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے درمیان واسطہ تھی۔ تمام جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی نائب ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایک حجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ملا اعلیٰ'' میں تمام جہانوں کیلئے ''اصل مدد'' ظاہر ہوئے۔ اور وہ روشن ترین منظر ہے۔ اور ان کیلئے میٹھے پانی کا گھاٹ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''جنس عالی'' ہیں۔ تمام اجناس اس کے تحت ہیں۔ اور تمام موجودات اور انسانوں کا ''بڑا باپ'' ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مروی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب اسریٰ حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تو حضرت آدم نے آپ کو کہا۔ ''مَرْحَبًا بِابْنِ صُوْرَتِي وَ اَبِي مَعْنَایَ'' خوش آمدید! میرے صورتاً بیٹے اور معنیً وحقیت میرے باپ۔ عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قُلْتُ بِاَبِیْ وَاُمِّی اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَا جَابِرُ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرِ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ الحدیث۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے اس بارے میں ارشاد فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے بیشک تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (یہ حدیث کافی لمبی ہے)۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے مولا ابن حجر کی شرح کرتے ہوئے اپنے شیخ جناب ابن عقیلہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ''جب اللہ تعالیٰ غیر معروف خزانہ تھا۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو اس نے اپنے چہرہ اقدس سے ایک نور موجود کیا۔ جس کا نام ''نبی عظیم'' اور ''نور محمدی'' اور ''سر اوحدی'' رکھا۔ اس سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔ اھ

سید احمد عابدین فرماتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوبکر کلالی کردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ نور دو ہیں۔ ایک ''نور حق'' ہے جو غیب مطلق ہے اور یہی نور قدیم ہے۔ جو کیفیت اور مماثلت سے منزہ ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے

اشارہ کیا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ (النور:35)۔ دوسرا نور اس محدث کائنات کا نور ہے۔ اور وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''نور'' ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ الآیۃ (النور:35)۔ یعنی ''نور محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ''مشکوٰۃ'' ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے اول اپنے نور سے جس کو پیدا کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ پھر اس سے ہر شے بنائی۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے...... حتیٰ کہ موصوف نے لکھا کہ اس سے ثابت ہوا کہ تمام اشیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ لیکن یہ تمامیت باعتبار حقیقت کے ہے۔ اور ''صورت'' کے اعتبار سے ہر شئی آپ کا غیر ہے۔ اس لئے تمام چھوٹی بڑی مخلوق عدم سے موجود ہے۔ کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے۔ اور پھر اس کا وجود ہر لحہ تجلی سے نیا ہوتا ہے۔ یہ تجلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ''نور اعظم'' ھبہ کیا۔ پھر آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال فرمایا۔ لہٰذا کوئی شئی وجود میں نہ آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے واسطہ سے آئی۔ پھر اس ''نور اعظم'' سے جو کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی تھی، تمام انبیاء کرام اور مرسلین علیہم السلام کے انوار الگ کئے گئے۔ تمام فرشتوں، اولیاء کرام اور مومنین کے انوار اس سے علیحدہ کئے گئے۔ پھر اس ''نور اعظم'' سے تمام ارواح پیدا کی گئیں۔ اور ان سب سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عہد و میثاق لیا گیا۔ اور تکالیف شرعیہ کا وعدہ لیا گیا۔ پس یہ ہے وہ ''لطیف عالم'' جس کا ایک حصہ فرشتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ''عالم کثیف'' یعنی آسمان زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے پیدا کیا۔ اھ

شیخ موصوف نے پھر لکھا کہ عارف اکبر رضی اللہ عنہ (محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے بارھویں باب میں لکھا ہے۔ اور مؤلف یعنی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں بھی لکھا ہے۔ ''جب اسم باطن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں زمانہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے وجود کی باری آئی۔ اور ارتباط روح کا وقت آیا۔ تو زمانہ کا حکم ''اسم ظاہر'' کی طرف منتقل ہوا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم اور روح دونوں کے ساتھ کامل طور پر ظاہر ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ باعتبار زمانہ متاخر ہیں۔ لیکن سر کا خزانہ آپ ہی ہیں۔ لہٰذا کوئی امر آپ کے بغیر انعقاد پذیر نہیں ہوتا۔ اور کوئی چیز آپ کے علاوہ منتقل نہیں ہوتی۔ اھ۔

اس (مذکورہ قول) کو جن حضرات کی نسبت کیا گیا۔ مواھب لدنیہ میں ان کے اسماء گرامی یہ بیان کیے گئے ہیں۔ عارف ربانی حضرت عبداللہ بن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''بہجۃ النفوس'' میں

لکھا ہے۔ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "الوفاء" میں امام ابو الربیع بن سبع رضی اللہ عنہ" شفاء الصدور" میں اور علامہ شہاب خفاجی رضی اللہ عنہ نے "شرح الشفاء" میں تحریر کیا ہے۔

جوہر ۱۷: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "وَقَالَ كَعْبُ الْاَحْبَارُ لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّخْلُقَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِالطِّيْنَةِ الَّتِيْ قَلْبُ الْاَرْضِ فَهَبَطَ فِيْ مَلَائِكَةِ الْفِرْدَوْسِ وَمَلَائِكَةِ الرَّفِيْعِ الْاَعْلٰى فَقَبَضَهَا مِنْ مَحَلِّ قَبْرِهِ الْمُكَرَّمُ" حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا، تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ زمین کے دل کی مٹی لائیں۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ فردوس اور دوسرے مقام رفعت والے فرشتوں کو لیکر زمین کی طرف آئے اور جہاں آپ کی قبر انور ہے اس جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔

اس قول کی تشریح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی مٹی دراصل یہ کعبہ مشرفہ کی جگہ کی مٹی تھی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں طوفان آیا تھا تو اس نے یہاں کی مٹی کو بہا کر وہاں پہنچا دیا۔ جہاں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے۔ مواہب لدنیہ، اس کی شرح اور روح البیان میں لکھا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اُئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۔ دونوں میری بات مانو چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کیا۔ ہم فرمانبردار بن کر قبول کرتے ہیں۔ زمین سے یہ جواب جس جگہ نے دیا وہ جگہ وہ تھی جہاں خانہ کعبہ ہے۔ اور آسمان سے جواب خانہ کعبہ کے بالکل مقابل یعنی "بیت المعمور" نے دیا تھا۔ ان دونوں جگہوں کے جواب دینے میں بقیہ تمام مقامات نے ان کی موافقت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام زمین کے مقابلہ میں "محترم" کر دیا۔ حتیٰ کہ اسلام کا کعبہ اور لوگوں کا قبلہ بنا دیا گیا۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین میں سے صرف حرم کی زمین نے جواب دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی کی اصل زمین کی ناف یعنی" مکہ مکرمہ" ہے۔ صاحب عوارف المعارف علامہ سہروردی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین میں سے اگر کسی جگہ نے جواب دیا تو وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "اصل" تھی۔ اور کعبہ مکرمۃ سے تمام زمین بچھائی گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روح و جسم کے اعتبار سے تمام کائنات کی اصل ہیں۔ اور کائنات آپ کی تابع ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "امی" اس لئے کہا گیا کہ مکہ مکرمہ "ام القریٰ"

ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل مخلوق کی ام (اصل) ہے۔

اگر دریافت کیا جائے۔ کہ صحیح حدیث پاک میں وارد ہے "تُرْبَةُ كُلِّ شَخْصٍ مِنْ مَدْفَنِهٖ" ہر شخص کی مٹی وہاں سے لی جاتی ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہوتا ہے۔اس حدیث صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "مدفن" مکہ مکرمہ میں ہوتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی وہاں سے اٹھائی گئی تھی؟

اس سوال کا جواب صاحب عوارف المعارف امام سہروردی رضی اللہ عنہ نے یوں دیا ہے۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ پانی جب جوش میں آیا۔اور اس پر موجیں ابھریں۔تو موجود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "عنصر شریف" اور "زبد لطیف" اور "جوہر منیف" ایک طرف پھینک دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "عنصر پاک" اس جگہ آ گیا۔ جو مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی جگہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں اور وصال شریف مدینہ منورہ میں ہوا۔اھ۔

"روح البیان" میں بحوالہ "تاریخ مکہ" لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنصر مبارک اپنی جگہ چمکتا رہا حتیٰ کہ طوفان نوح آیا۔ پس موجوں نے طوفان کے دوران اسے اس جگہ ڈال دیا جہاں اب آپ کی قبر انور ہے۔اس کی وجہ حکمت الٰہیہ اور غیرت ربانیہ ہے۔ جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔ اھ۔اسی لئے تمام علماء امت کا اتفاق ہے۔ کہ مشہد اعظم، مرقد اکرم اور قبر اطہر تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ حتیٰ کہ عرش و جنت سے بھی افضل ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے جس پر آپ نے قسم بھی اٹھائی۔ فرمایا۔ لَا اَعْرِفُ اَكْبَرَ فَضْلٍ لِاَبِیْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِنْ اَنَّهُمَا خُلِقَا مِنْ طِیْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِقُرْبِ قَبْرَیْهِمَا مِنْ حَضْرَةِ الرَّوْضَةِ الْمُقَدَّسَةِ الْمُفَضَّلَةِ عَلَى الْاَكْوَانِ بِاَسْرِهَا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا فضل اس سے بڑا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں حضرات کی تخلیق اسی مٹی سے ہوئی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی۔ اس لئے کہ ان دونوں کی قبریں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضہ مقدسہ سے متصل ہیں۔ وہ روضہ پاک جو تمام کائنات سے افضل ہے۔

صاحب عوارف المعارف امام علامہ سہروردی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی۔ اس سے پہلے ابلیس اپنے قدموں سے زمین کو روند چکا تھا۔ جس سے زمین کا کچھ حصہ اس کے قدموں کے درمیان رہا۔ اور بعض حصہ اس کے قدموں تلے آ گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جس قدر ''نفس امارہ'' پیدا کئے۔ وہ اس زمین کے حصہ سے پیدا کئے گئے جس پر ابلیس کے قدم پڑے تھے۔ جس سے ''نفوس امارہ'' شرارتوں اور برائیوں کا مرکز بن گئے۔ اور جس حصہ زمین پر ابلیس کے قدم نہ لگے۔ اس سے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کی مٹی لی گئی۔ اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہو آلہ وسلم کی ''طینت مبارکہ'' اس جگہ سے اٹھائی گئی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی اس وقت نظر تھی جب حضرت عزرائیل علیہ السلام اس جگہ کی مٹی اٹھا رہے تھے جہاں ابلیس کے قدم نہیں لگے تھے۔ اس لئے نفس امارہ کی جہالت کا ذرہ بھی اس میں نہ تھا۔ بلکہ جہالت مکمل طور پر اس سے الگ کر دی گئی تھی۔ اس جگہ وافر مقدار میں علم رکھ دیا گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''علم وہدٰی'' کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اور آپ کے قلب انور سے یہ (علم وہدٰی) دوسرے شریف النفس لوگوں تک منتقل ہوا۔ اور آپ کے ''نفس قدسیہ مطمئنہ'' سے دیگر ''نفوس مطمئنہ'' نے حصہ پایا۔ جس سے ان نفوس کی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''نفس پاک'' سے مناسبت ہو گئی۔ یعنی طہارت اصلیہ جو اصل مٹی میں تھی وہ ان حضرات میں بھی بقدر حصہ منتقل ہوئی۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس کو اس بات سے جس قدر زیادہ قرب ومناسبت ہوگی۔ وہ اسی قدر قبول، تسلیم اور کمال ذاتی میں زیادہ حصہ پائے گا۔ پھر بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ''طہارت ذاتیہ'' میں بہت قریب کی مناسبت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث لدنی سے انہیں وافر حصہ بھی ملا ہے۔ لیکن وہ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ازروئے مسکن وازروئے مدفن کوسوں دور رہتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کی یہ دوری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ''معنوی قرب'' کے منافی نہیں۔ اور نہ ہی یہ دوری اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ایسے لوگوں کو آپ سے کوئی ''معنوی قرب'' نہیں اس لئے ان حضرات کا زمین کے دور دراز حصوں پر رہنا اور مدفن ہونا اسی طرح ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا مکہ میں ہوئے۔ اور آپ کا روضہ شریف مدینہ منورہ میں ہے۔ اس میں اعتبار مصلحت کا ہوتا ہے۔ اھ

بعض حضرات نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انفرادی طور پر مکہ مکرمہ سے دور ایک جگہ (مدفن ہونا حالانکہ پیدا مکہ میں ہوئے) اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کے اظہار میں زیادتی ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ متبوع ہیں تابع نہیں۔ اس لئے کہ اگر آپ مکہ مکرمہ میں ہی مدفون ہوتے تو آپ کی زیارت کا قصد کرنے والا آپ کی زیارت کا قصد بالتبع کرتا۔ کیونکہ اصل قصد کعبہ کی زیارت ہوتا۔ یا حج وعمرہ کی سعادت پیش نظر ہوتی۔ جب اصل توجہ اس بات کی طرف ہوتی

تو آپ اس ارادے کے اعتبار سے ''تابع'' ہوتے۔اور'' تابع ہونا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ کے لائق نہ تھا۔لہٰذا اس کا تقاضا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مخصوص جگہ میں انفرادی طور پر جلوہ فرما ہوں۔جو کعبہ سے دور ہوحتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد کرنے والا صرف آپ کی زیارت کا قصد کر کے جاتا۔کسی اور مقصد کے تابع نہ ہوتا۔اور اس لئے تاکہ لوگ اس بات میں ممتاز ہو جائیں۔کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''زیارت'' کیلئے خوب تیاری اور مکمل ارادہ کر کے صرف اور صرف زیارت کرنے جاتے ہیں۔ان کا ''شد رحال'' صرف زیارت محبوب رب ذوالجلال کیلئے ہے۔(حج وعمرہ کیلئے نہیں)۔

جوہر ۱۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔''وَلَمَّا كَانَ آدَمُ نَبِيًّا اُسْتُخْرِجَ مِنْهُ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَ نَبِيٌّ – وَ فِي حَدِيْثِ اَحْمَدَ اِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَ اَنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَه'' جب حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔تو ان سے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالا گیا اور نبی بنا دیا گیا۔امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث لکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''خاتم النبیین'' لکھا ہوا تھا۔جبکہ آدم اپنی مٹی میں تھے۔

اس مضمون کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء کی شرح میں لکھا۔کہ درج بالا حدیث میں متعدد روایات ملتی ہے۔جو صحیح ہیں۔

۱- اِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاَنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنِه۔

اسے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

۲- مَتٰى اُسْتُنْبِئْتَ؟ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ – وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

عرض کیا گیا۔آپ کو نبوت سے کب سرفراز کیا گیا؟ فرمایا۔اس وقت جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

۳- وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

''منجدل'' کا معنی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

ان احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کا معنی یہ نہیں۔کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔اس لئے کہ اس معنی میں صرف آپ کی خصوصیت نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ

کے علم میں تو تمام نبیوں کی نبوت تھی) کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو اس وصف سے متصف و موصوف نہ کیا اور یہ اتصاف عالم ارواح میں تھا۔ یہ اختصاص اس لئے تھا۔ تاکہ "ملا اعلیٰ" کو اس کی خبر دے دی جائے۔ یعنی ملا اعلیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی صفت نبوت سے موصوف ہونا مشہور و معلوم ہو جائے۔ جب "نبوت" آپ کی روح پاک کی صفت قرار پائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال کے بعد بھی نبی ورسول ہیں۔ رہا یہ کہ اب (وصال کے بعد) احکام و وحی آپ سے منقطع ہو چکی ہے۔ اس کے انقطاع کے بعد "نبوت و رسالت" کا وصف کیا معنی رکھتا ہے؟ تو اس انقطاع سے اس وصف میں اس لئے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو پھیلانے تشریف لائے تھے۔ وہ مکمل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس کا انکار "جہالت" ہے۔ ہمارے اس نکتہ کو یاد رکھنا۔ نہایت نفیس اور قیمتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی یہی مراد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ نُوْرِی قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِاَرْبَعَةَ اَلْفِ عَامٍ۔ اللہ تعالیٰ نے میرا نور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ اس کی روایت ابن القطان کی ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ یُسَبِّحُ ذَالِکَ النُّوْرُ وَ تُسَبِّحُ الْمَلَائِکَةُ بِتَسْبِیْحِ۔ "نور محمدی" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسبیح کرتا تھا۔ اور اس کی تسبیح سن کر اسی طرح کی تسبیح فرشتے کرتے تھے۔ یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "فرشتوں" کیلئے بھی رسول تھے۔ جیسا کہ آپ دوسروں کیلئے مرسل تھے۔ پس یہ بات اس کی صراحت کرتی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام وغیرہ کی نبوت سے بہت پہلے "وجود عینی" میں ظاہر تھی۔ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی نبی کو نہ جانتے تھے۔ (یعنی کسے نبوت سے سرفراز فرمایا جائے گا) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ "نبی مطلق" صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ دیگر انبیاء کرام آپ کے خلفاء ہیں۔ اور تمام شریعتیں آپ کی شریعت ہی ہیں۔ جو ہر نبی کی زبان سے اس دور کے لوگوں کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتی رہی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ابو الانبیاء" بھی ہیں۔ اور "آخر الانبیاء" بھی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر نسخ کا قلم نہیں چل سکتا۔ (یعنی منسوخ نہیں ہو سکتی)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے باعتبار "روح" کے اول ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور جسم کے اعتبار سے بھی اول ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے جسم کا مادہ تمام مخلوق کے مواد سے پہلے پیدا کیا گیا۔ اس کی دلیل حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ وہ حدیث ہے

جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے'' میں جو'' درمیان ہونے'' کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر مراد یہ ہے کہ دونوں طرفیں (روح اور جسم) موجود نہ تھیں۔ یعنی نہ روح آدم تھی اور نہ جسم آدم۔ جیسا کہ اس کی تصریح ایک اور روایت میں ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''لَا اٰدَمَ وَلَا مَاءَ وَلَا طِيْنَ''۔ نہ آدم تھے نہ پانی مٹی۔ اس لئے کہ جب تم کہتے ہو۔ ''مَسْكَنِي بَيْنَ الْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ'' میری رہائش بصرہ اور کوفہ کے درمیان ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم ان دونوں (بصرہ و کوفہ) شہروں میں نہیں رہتا۔ ''بين الماء والطين'' کا معنی یہ نہیں کہ اس وقت آدم علیہ السلام محض مٹی نہ تھے۔ اور نہ ہی محض پانی تھے۔ (جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نبی بنے۔ جب آدم علیہ السلام صرف مٹی اور پانی نہ تھے۔ بلکہ مٹی اور پانی سے آگے گزر کر آپ کا جسم بنا۔ پھر اس میں روح پڑی پھر کہیں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقت کے وجود کا تقرر جو اس وقت تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے منافی نہیں۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی۔ آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے (الشوریٰ:52)؟ (مطلب یہ کہ اگر آپ حضرت آدم سے بہت پہلے نبی تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول کا مفہوم اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ نبی کو تو اپنے ایمان اور اپنی کتاب کا علم ہوتا ہے)۔ اس کے بارے میں علامہ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قصد السبیل'' میں ذکر کیا۔ اور ان کی تحقیق کو علامہ محمد داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے مولد ابن حجر کی شرح میں نقل کیا۔ وہ یہ کہ آیت ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب کو جاننے کی جو نفی کی گئی۔ اس کا زمانہ کون سا تھا؟ اس بارے میں یہ احتمال ہے کہ یہ زمانہ وہ ہو جو عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی آنے سے قبل تھا۔ جو کئی سالوں پر مشتمل تھا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کو جب نبوت سے متصف کیا گیا۔ اور جب آپ کے بارے میں میثاق لیا گیا۔ اس سے چودہ ہزار سال پہلے کی بات ہو۔ اس احتمال کے پیش نظر آیت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا۔ یونہی ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے اس وقت روح بھیجی۔ جب آپ پر ہم نے نبوت کا احسان کیا۔ اور آدم علیہ السلام اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اس وحی سے قبل آپ ان چودہ ہزار سال سے پہلے یہ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔

یہ اس معنی پر بعض احادیث کا ظاہری مفہوم بھی دلالت کرتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث کہ آپ ﷺ کی نبوت آدم علیہ السلام کے جسم کی تخلیق کے بعد آپ کو عطا ہوئی تھی۔

شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے شیخ علامہ عارف قشاشی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ''لوح وقلم'' کی پیدائش سے پہلے تھی۔ اوران کے بعد پیدا ہونے والی اشیاء سے بھی لازماً پہلے تھی۔ آپ کے اس موقف سے مراد شاید یہ ہوگی کہ اس سے وہ متقدم زمانہ مراد ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مقام قرب'' میں تشریف فرما تھے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر آیت مذکورہ (مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ الایۃ) میں کتاب وایمان کے علم کی جو آپ سے نفی کی گئی۔ اس سے مراد وہ زمانہ ہو جو اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے قبل تھا۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت مبارکہ اور دنیا میں چالیس سال کی زندگی ہونے کے بعد سلسلہ وحی شروع ہونے سے قبل کے زمانہ میں ''کتاب ایمان'' کو نہ جانتے تھے)۔ تو پھر یہ کہا جائے گا۔ کہ آیت مذکورہ میں ''یاد آنے کی نفی'' ہے۔ یعنی جو میثاق ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے ہوا یہ یاد نہ رہا تھا۔ اس بات کی نفی نہ ہوگی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''وحی'' کی آمد سے قبل 'توحید کا علم ضروری'' نہ تھا۔ ''توحید کا علم ضروری'' اگر اس کی پیغمبر سے نفی کی جائے۔ تو اس سے ایسی بات لازم آئے گی۔ جو پیغمبر کے منصب کے لائق نہیں ہوتی۔ رہی پہلی بات (یعنی ایمان کا علم نہ ہونا) تو اس بارے میں یہ کہا جائے گا۔ کہ ''ایمان'' کسے کہتے ہیں؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ''ایمان'' مخبر کی ان باتوں میں تصدیق کرنے کا نام ہے۔ جن کی وہ خبر دیتا ہے۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو جب ان سے میثاق لیا گیا تو اس بات کی ضرور خبر دی تھی۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور پیغمبروں کی تصدیق کی بھی خبر دی۔ تمام پیغمبروں نے اقرار کیا۔ یعنی ایمان لائے اور تصدیق کی۔ لہٰذا ''ایمان'' متحقق ہو گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ'' لہٰذا اگر میثاق کا واقعہ یاد ہوتا۔ اور یہ بھی یاد ہوتا کہ کیسے ہوا اور کب ہوا اور یہ ''یاد'' عالم اشباح میں وحی سے قبل ہوتی۔ تو آپ ''ایمان'' کو جاننے والے ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کر دی۔ کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ ''ایمان'' کیا ہے۔ پس میثاق کا واقعہ اور اس کا کب اور کیسے ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد داشت میں قبل وحی متحقق نہ تھا۔ حالانکہ توحید کا علم ضروری متحقق تھا۔ اور یہ تحقق لگاتار آپ کے اول ظہور سے لیکر رسول مبعوث ہونے تک ہمیشہ ہمیشہ رہا۔ اس میں نہ تو ''جہل'' خلل انداز ہوا۔ اور نہ ''شک'' نے راستہ پایا۔ نہ ''شبہ'' عارض ہو سکا۔ نہ مختصر مدت کیلئے اور نہ کثیر عرصہ کیلئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا

B

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل وحی علم ضروری سے ''موحد'' ہونے اور کتاب وایمان کے قبل وحی نہ جاننے کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالفعل نبی ہونے اور آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کے درمیان ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل وحی کتاب وایمان کے نہ جاننے میں کوئی منافات نہیں۔ اگر قبل وحی سے مراد عالم ارواح سے ہے تو بات بالکل ظاہر ہے۔ اور اگر مراد اس سے وحی سے قبل ہے جو عالم اشباح (اس دنیا) میں آپ پر اتری۔ تو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ اگر دلالت کرتی ہے تو اس بات پر کہ آپ کو واقعہ میثاق کی ''یاد'' نہ تھی۔ اور یہ یاد نہ رہا تھا کہ یہ واقعہ کب اور کیسے ہوا۔ برابر ہے کہ ''میثاق نبوت'' ہو یا ''میثاق توحید'' ہو۔ پس جیسا کہ وقوع التوحید کی یاد نہ ہونا توحید کے علم ضروری کے منافی نہیں۔ اسی طرح میثاق نبوت کے واقعہ کا یاد نہ رہنا اس کے منافی نہیں۔ کہ آپ کو ان باتوں کا علم ضروری ہو جو آپ کی طرف وحی ہوئیں۔ ایسی باتیں جن کے مطابق آپ لوگوں کی طرف رسول بنائے جانے سے پہلے عبادت کرتے رہے۔ اس موضوع کو شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب وضاحت سے لکھا۔ اس مقام کی اس نہج پر تحقیق میں موصوف کو اولیت ہے۔ انتہیٰ۔

جوہر ۱۹: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''فَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنَ الْخَلْقِ وَ وَاسِطَةُ عِقْدِهِمْ'' ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی خلق سے مقصود ہیں۔ اور مخلوق کی موتیوں کو پرونے والے دھاگہ سے واسطہ ہیں...... اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے اعظم، نفیس ترین اور اعلیٰ ہیں۔ اس لئے کہ ''عقد'' موتیوں کا بنا ہار ہوتا ہے۔ یعنی جن کو مخلوق میں سیادت حاصل ہے۔ وہ بمنزلہ ''ہار'' ہیں۔ جو موتیوں سے بنایا گیا ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہار کا ''واسطہ'' یعنی بے مثل موتی ہیں۔ جس کی اپنے حسن میں کوئی شبیہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز سے قبل ''نبوت'' کا ہار پہنایا گیا۔ اور آپ نے ارواح کی تخلیق کے وقت تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اور انوار کی ابتداء کے وقت آپ نے کائنات کو اللہ کی دعوت دی۔ جیسا کہ آپ نے سب سے آخر تشریف لا کر آخری زمانہ میں اپنے جسم اقدس کی تخلیق کے وقت سب مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الآية (آل عمران:81) — لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ تک۔ تمام پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ لہٰذا آپ ''ابوالارواح'' اور تمام روحوں کی اصل ہیں۔ جس

طرح حضرت آدم علیہ السلام ''ابوالاجساد'' ہیں۔ اور تمام اجسام کے سبب ہیں۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا۝ۙ۱ ۔ برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے پر فرقان اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کیلئے ڈرسنانے والا ہو جائے (الفرقان)۔ آیت کریمہ میں ''عالمین'' سے مراد تمام مخلوق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مخلوق کو ڈر سنایا۔ اور تمام آپ پر اولیت وآخریت میں ایمان لائے۔ اور آپ کا نور ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اور انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''رسالت عامہ'' کی ہی تقریر (پختگی) کی۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کی تائید عارف سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت تمام مخلوق کی طرف کیونکر نہ ہو جب کہ آپ ان تمام رسولوں کے رسول ہیں۔ جنہوں نے مخلوق خدا کو خدا کی طرف بلایا۔ اور جو ان احکام کی تبلیغ میں آپ کے نائب تھے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور شریعت عطا کئے۔ شیخ ابوعثمان فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابتداء سے انتہاء تک اس ''حقیقت محمدیہ'' کے سوا اور کوئی حقیقی داعی نہیں۔ جو تمام انبیاء کی اصل ہے اور تمام پیغمبر اس ''حقیقت احمدیہ'' کے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور اس کی تفاصیل ہیں۔ لہٰذا ان انبیاء کرام کی دعوت ان کی جزئیت کے اعتبار سے اپنے کل کی خلافت کے طور پر ہوئی۔ یعنی جس طرح کل کے بعض اجزاء اگر کوئی کام کرتے ہیں۔ تو وہ اس کل کا کام ہی ہوتا ہے۔ جو نائب ہونے کی حیثیت سے کسی جزء نے کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ''کل'' کی اپنے تمام اجزاء کو دعوت ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ ''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' ہم نے آپ کو تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا۔ اور تمام انبیاء ومرسلین کرام، ان کی تمام امتیں اور جمیع متقدمین ومتاخرین ''كَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' میں شامل ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اصل داعی'' ہیں۔ اور جمیع انبیاء ومرسلین خلق کو خالق کی طرف آپ کی نیابت کی وجہ سے بلاتے ہیں۔ لہٰذا وہ دعوت الی اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ سب آپ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ پس آپ کی رسالت تمام مخلوق، انبیاء کرام اور ان کی امتوں کیلئے ہوئی۔ جو آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک ہوئی پا ہیں یا ہوں گی۔ اس وقت وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں داخل ہو جائیں گے۔ ''اُرْسِلْتُ اِلَی النَّاسِ كَآفَّةً'' میں تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے کل قیامت کے دن تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ''قصیدہ بردہ'' میں

فرماتے ہیں۔

وَ کُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا    فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِمْ
فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا    یُظْھِرْنَ اَنْوَارَ ھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

اور وہ تمام آیات ومعجزات جو حضرات انبیاء کرام لائے وہ آپ کے نور کے صدقہ میں ان کو ملیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فضل'' کے سورج ہیں۔ اور تمام پیغمبر اس کے ستارے ہیں۔ جو اندھیرے میں لوگوں کو روشنی دکھاتے ہیں۔

یعنی ہر وہ معجزہ جو کسی رسول وپیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے واسطہ سے ظاہر ہوا۔ اس لئے ان حضرات نے آپ کے نور سے ہی اقتباس کیا تھا۔ پس آپ فضل کے سورج ہیں۔ اور تمام پیغمبر اس کے ستارے ہیں۔ اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے ڈوب جاتے ہیں۔ غرضیکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنا اپنا دین (شریعت) اس وقت تک مروج کیا۔ اس وقت تک اس کی تبلیغ کی۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ظاہر نہ ہوا۔ پھر جب آپ کا دین اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ تو ان کے ادیان (شریعتیں) منسوخ کر دیں۔ لہٰذا آپ ''اصل'' ہوئے۔ اور تمام پیغمبر آپ کے نائب بنے۔ اسی لئے ''شب اسراء'' آپ نے ان کی امامت فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی لئے جب تشریف لائیں گے تو صرف اور صرف آپ کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ جات اور حکومت کریں گے۔ اپنی شریعت کے مطابق نہیں۔

جوہر ۲۰: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''فَحِیْنَئِذٍ وَلَدَتْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ'' اس کے تحت سید احمد عابدین لکھتے ہیں۔

تنبیہ: مسلمانوں کی عادت چلی آ رہی ہے کہ جب وعظ وتقریر کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر گفتگو کرتے کرتے آپ کے ''پیدا ہونے'' کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ تو حاضرین اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ''کھڑا ہونا'' بدعت ہے۔ لیکن ''حسنہ'' ہے۔ اس لئے کہ اس قیام سے فرحت واسرار اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار ہے۔ بلکہ یہ قیام اس مومن کیلئے ''مستحب'' ہے۔ جس پر آپ کی محبت واجلال غالب ہو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک کے ذکر کرتے وقت ''قیام کرنا'' عالم امت اور دین وتقویٰ میں پیشوائے امت امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ ان کی اتباع کرتے ہوئے اور ان کے دور کے مشائخ عظام نے بھی ''قیام'' کیا۔ شامی اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے

ہیں۔ اتفاق ہوا کہ ایک نعت خواں نے حسان زمانہ، محب صادق جناب ابوزکریا یحییٰ صرصری رحمۃ اللہ علیہ کے مدح مصطفیٰ میں لکھے قصیدہ کے درج ذیل اشعار پڑھے۔

قَلِيْلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفٰى الْخَطُّ بِالذَّهَبِ　　عَلٰى فِضَّةٍ مِنْ خَطِّ اَحْسَنَ مِنْ كُتُبِ

وَاِنْ تَنْهَضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سِمَاعِهٖ　　قِيَامًا صُفُوْفًا اَوْ جِثِيًّا عَلَى الرُّكَبِ

اَمَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا لَهٗ كَتَبَ اِسْمَهٗ　　عَلٰى عَرْشِهٖ يَا رُتْبَةً سَمَتِ الرُّتَبَ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کیلئے سونے کا خط (لکھائی) ہو۔ اور کاغذ چاندی کا۔ اور کتابت سب سے بہترین ہو۔ تب بھی بہت تھوڑا ہے۔ اور بزرگ وشریف لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سنتے وقت صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں یا گھٹنوں کے بل جھک جائیں۔ تب بھی معمولی ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کیلئے آپ کا اسم گرامی اپنے عرش پر رقم فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا عظیم مرتبہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں سارے مراتب کم ہیں۔

اس وقت شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس کا اختتامی وقت تھا۔ قاضی صاحبان اور نامی گرامی علماء مشائخ موجود تھے۔ جب نعت خواں نے "وَاِنْ تَنْهَضَ الْاَشْرَافُ" پڑھا۔ تو شیخ موصوف اسی وقت کھڑے ہو گئے۔ ان پر "حال" طاری ہو گیا۔ اور علامہ صرصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول (شعر) کے مضمون پر عمل کرنے کیلئے آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تمام مجلس کھڑی ہو گئی۔ اور لوگوں کو ایک بہترین ساعت دیکھنی نصیب ہوئی۔ اور اس سے تمام حاضرین نے روحانی لطف اٹھایا۔ یہ بات موصوف کے صاحبزادے شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب شعرانی نے "طبقات کبریٰ" ان کے حالات زندگی لکھتے ہوئے تحریر کی ہے۔ اھ

"انسان العیون" میں مذکورہ بات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "وَيَكْفِي مِثْلُ ذَالِكَ فِي الْاِقْتِدَاءِ" ایسی عظیم شخصیت کا مذکورہ عمل اقتداء کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ (یعنی سید احمد عابدین رحمۃ اللہ) کہ اس قیام تعظیمی پر علماء اعلام اور مشائخ کرام ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی خاطر ہوتا ہے۔ آپ تمام پیغمبروں کے خاتم ہیں۔ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَتَمُّ السَّلَامِ۔

جوہر ۲۱: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "وَاِنَّهٗ لَمَّا فَصَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ اُمِّهٖ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاسِيَّمَا الشَّامَ وَ قُصُوْرَهَا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی والدہ کے شکم اطہر سے باہر تشریف لائے تو اس وقت آپ کی والدہ

سے ایک نور نکلا۔ جس نے مشرق ومغرب کو روشن کر دیا۔ خاص کر شام اور اس کے محلات کو۔ اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے جسم سے نکلتا ہوا ایک نور دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن اقدس میں جلوہ فرما ہوئے۔ اس کی روشنی سے حضرت امنہ نے سرزمین شام میں بصرہ کے محلات دیکھے۔ اور ہم یہ بھی لکھ آئے ہیں۔ کہ ''نور کا ظاہر'' یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ اس کے تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت اور آپ کے دین کے ظہور کی بشارت ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے احمد، بزار، طبرانی اور حاکم نے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّی عَبْدُاللّٰہِ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُخْبِرُکُمْ عَنْ ذَالِکَ اِنِّیْ دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَ بَشَارَۃُ عِیْسٰی وَ رُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ وَ کَذَالِکَ اُمَّھَاتُ النَّبِیِّیْنَ یَرِیْنَ۔ میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھا جب حضرت آدم اپنی مٹی میں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اور میں تمہیں اس بارے میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعاء اور حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیکھا خواب ہوں۔ یونہی تمام پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھتی ہیں۔ یعنی اس قسم کا خواب دیکھتی ہیں۔ جیسا میری والدہ نے دیکھا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے۔ جن میں آپ امت کے مقابلہ میں مخصوص ہیں۔ حضرات انبیاء کرام اس خاصہ میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی ماؤں کا نور دیکھنا اس سے مراد مطلقاً نور دیکھنا ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک سے ایسا نور نکلا۔ جس سے اس نے شام کے محلات دیکھ لئے۔ اس کے بعد مذکور محدثین کرام نے لکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے کیا دیکھا۔ ''وَاَنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَاَتْ حِیْنَ وَ ضَعَتْہُ نُوْرًا اَضَاءَ تْ لَہٗ قُصُوْرُ الشَّامِ'' بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد کے وقت ایک نور دیکھا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (یعنی دکھائی دینے لگے) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ صَحَّحَہُ ابْنَ حَبَّانُ وَالْحَاکِمُ۔ اس روایت کی تصحیح ابن حبان اور حاکم نے کی۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور آپ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں۔ لَقَدْ رَاَیْتُ اَیْ رُؤْیَۃَ عَیْنَ بَصَرِیَّۃِ یَقْظَۃَ لَیْلَۃَ وَضَعْتَہٗ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نُوْرًا اَضَاءَ تْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ حَتّٰى رَاَيْتُهَا۔ میں نے یقیناً دیکھا۔ یعنی سر کی آنکھوں سے حالت بیداری میں اور اس رات دیکھا جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے تولد دیا۔ ایک عظیم الشان نور کہ جس سے شام کے محلات چمک اٹھے۔ حتیٰ کہ میں نے ان کو دیکھ لیا...... حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ "اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَتْ اُمِّيْ حِيْنَ وَ ضَعَتْنِيْ اَنَّهٗ سَطَعَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَ تْ مِنْهُ قُصُوْرُ بُصْرٰى" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری ولادت کے وقت میری والدہ نے اپنے سے ایک نور نکلتا ہوا دیکھا۔ جس سے بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔ ایک روایت یوں آئی ہے۔ "اَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا وَ ضَعْتُهٗ خَرَجَ مَعَهٗ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهٗ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَاَضَاءَ تْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ وَاَسْوَاقُهَا حَتّٰى رَاَيْتُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى" سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا۔ اس سے مشرق و مغرب کے درمیان تمام اشیاء روشن ہو گئیں۔ اس سے شام کے محلات اور بازار بھی روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ میں نے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ حَتّٰى اَضَاءَ لَهٗ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ حتیٰ کہ ہر وہ چیز روشن ہو گئی جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اور "قصور الشام" سے ظاہر ہے۔ کہ اس سے مراد تمام اقالیم ہیں۔ صرف بصریٰ مراد نہیں۔ اور بعض روایات میں جہاں صرف "بصریٰ" پر اکتفا کیا گیا۔ تو اس سے شائد یہ مراد ہو۔ کہ "نور" کی مکمل روشنی "بصریٰ" پر پڑی۔ اسی وجہ سے سیدہ آمنہ فرماتی ہیں۔ "حتیٰ کہ میں نے بصرہ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں" یا یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ سیدہ آمنہ نے ایک مرتبہ بالخصوص نور کو بصرہ تک پہنچتے دیکھا۔ دوسری مرتبہ اس سے آگے گزرتے دیکھا۔ "بصریٰ" ایک مشہور شہر ہے۔ جو دمشق کی زیر نگرانی ہے۔ اور شام کے راستہ میں آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ "نور" کا دیکھنا ایک سے زائد مرتبہ ہوا۔ جو نور سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دینے سے پہلے دیکھا۔ وہ خواب میں تھا۔ اور جو بوقت ولادت دیکھا۔ وہ جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے تھا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔

"مواہب لدنیہ" میں بحوالہ لطائف حافظ عبدالرحمٰن ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اس نور حسی کا جو آنکھوں سے دیکھا گیا بوقت ولادت سرکار دو عالم نکلنا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور لیکر تشریف لائے ہیں۔ یعنی وہ احکام و معارف ساتھ لائے ہیں۔ جن کی بدولت اہل زمین ہدایت حاصل کریں گے۔ اور زمین سے شرک کا اندھیرا چھٹ جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا۔ قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ تحقیق تمہارے پاس "نور" آ گیا۔ یعنی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔

جوہر ۲۲: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ "فَلِذَالِکَ سَمَّاہُ مُحَمَّدًا" اسی لئے آپ کا اسم گرامی "محمد" رکھا گیا۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس اسم گرامی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلت میں بہت سی احادیث اور اخبار مشہورہ آئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں اس شخص کو جہنم کی آگ میں عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے اسم گرامی پر ہوگا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور اسم گرامی "احمد ومحمد" کے مطابق ہوگا۔

۲- کوئی سا بھی دسترخوان بچھایا جائے۔ وہ اس وقت مکمل ہوگا جب اس پر کوئی "محمد واحمد" نام والا کھانے کیلئے بیٹھے گا۔

۳- دو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ جن میں سے ایک کا نام "محمد" اور دوسرے کا "احمد" ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم عطا فرمائے گا۔ دونوں عرض کریں گے۔ باری تعالیٰ! ہمیں جنت کا مستحق کیونکر اور کس وجہ سے قرار دیا گیا۔ حالانکہ ہم نے ایسے اعمال نہیں کئے جن کی جزاء اور بدلہ جنت ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا۔ تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم اٹھا رکھی ہے۔ کہ کسی ایسے شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا۔ جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔

لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے۔ کہ "محمد" نام رکھنے کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں آئی۔ اور جس قدر اس بارے میں روایات ملتی ہیں۔ وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ بعض حفاظ حدیث نے فرمایا۔ کہ اصح یعنی صحیح کے قریب یہ حدیث ہے۔ "مَنْ وُلِدَ لَہٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاہُ مُحَمَّدًا"۔

۴- حُبًّا بِیْ وَ تَبَرُّکًا بِاِسْمِیْ کَانَ ھُوَ وَ مَوْلُوْدُہٗ فِی الْجَنَّۃِ۔ جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس نے اس کا نام "محمد" رکھا۔ اور یہ نام اس نے میری محبت اور میرے نام سے حصول برکت کی خاطر رکھا۔ تو وہ خود اور اس کا بچہ جنتی ہیں۔ کَمَا فِیْ سِیْرَۃِ الْحَلَبِی اِنْسَانُ الْعُیُوْن۔

میرے محترم چچا جان سیدی محمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ "درمختار" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ "رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَفَعَہٗ قَالَ السَّیُوْطِی ھٰذَا اَمْثَلُ حَدِیْثٍ وَرَدَ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ

وَاَسْنَادُہٗ حَسَنٌ ''اھ۔ مذکورہ روایت (مَنْ وُلِدَلَہٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاہُ مُحَمَّدًا الآخر) ابن عساکر نے ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس موضوع پر پائی جانے والی احادیث میں یہ حدیث زیادہ معتبر ہے۔ اس کی اسناد حسن ہیں۔

۵- شفاء میں ہے۔ جناب سرتج بن یونس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ عِبَادَتُھُمُ الْمُحَافَظَۃُ عَلٰی کُلِّ دَارٍ فِیْھَا اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ اِکْرَامًا لِھٰذَا الْاِسْمِ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتے زمین پر سیاحت کیلئے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جن کی عبادت یہ ہے کہ وہ اس گھر کی حفاظت کرتے ہیں جس میں کوئی شخص احمد یا محمد نام کا رہتا ہو۔ یہ صرف اس نام کے اکرام و احترام کیلئے ہے۔

۶- حضرت جعفر بن محمد اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ نَادٰی مُنَادٍ اَلَالِیَقُمْ مَنْ اِسْمُہٗ مُحَمَّدٌ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّۃَ لِکَرَامَۃِ اِسْمِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا۔ سنو! جس کا نام ''محمد'' ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کی کرامت کی وجہ سے ہو گا۔

علامہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ ایسی بات نہیں جو محض قیاس سے کہی جا سکتی ہو۔ لہٰذا یہ حدیث ہے۔ اور اس کا حکم ''مرفوع حدیث'' کا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی احادیث سے اس نام والا عملی طور پر سست بلکہ بے عمل ہو جائے گا۔ تو اس قول کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ اھ۔

۷- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُنَادِیْ مُنَادٍ فِی الْمَوْقِفِ اَلَالِیَقُمْ مَنْ کَانَ اِسْمُہٗ مُحَمَّدًا فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّۃَ بکرامتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ''موقف'' میں ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ سنو! وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا نام ''محمد'' ہے۔ اور وہ جنت میں چلا جائے۔ یہ میری کرامت کی وجہ سے ہو گا۔

۸- یَقُوْلُ اللّٰہُ لَہٗ عَبْدِیْ اَلَمْ تَسْتَحْیِیْ مِنِّیْ اِذْ عَصَیْتَنِیْ وَ اِسْمُکَ مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَسْتَحْیِیْ اَنْ اُعَذِّبَکَ وَاِسْمُکَ اِسْمُ حَبِیْبِیْ اِذْھَبُوْا بِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ۔ اللہ تعالیٰ اسم ''محمد'' کو کہے گا۔ جب تو میری نافرمانی کرتا تھا۔ تو تجھے شرم نہیں آتی تھی۔ حالانکہ تیرا نام ''محمد'' تھا۔ میں تجھے عذاب دینے سے شرماتا ہوں۔ کیونکہ تیرا نام میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہے۔ فرشتو! اسے جنت کی طرف لے جاؤ۔

صاحب بردہ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَاِنَّ لِي ذِمَّةً مِنْهُ بِتَسْمِيَتِي مُحَمَّدًا وَهُوَ اَوْفَى الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ ذمہ داری عطا کر دی گئی ہے۔ کہ جس کا نام میرے نام ''محمد'' پر ہو گا۔ وہ میری ذمہ داری میں ہے۔ اور وہ ذمہ داریوں میں تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والا ہے۔

۹- جناب ابن القاسم نے اپنی ''سماع'' میں اور ابن وھب نے اپنی ''جامع'' میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے لکھا۔ قَالَ سَمِعْتُ اَهْلَ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ مَا مِنْ بَيْتٍ فِيْهِ اِسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا نَمَا اَىْ زَادَ ذَالِكَ الْبَيْتُ بِكَثْرَةِ الْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ فِيْهِ وَ زَادَتِ الْبَرَكَةُ فِيْهِ وَ رُزِقُوْا وَ رُزِقَ جِيْرَانُهُمْ اَىْ زَادَ اللّٰهُ رِزْقَهُمْ بِبَرَكَةِ ذَالِكَ الْاِسْمِ۔ میں نے اہل مکہ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں ''محمد'' نام کا کوئی شخص ہوگا۔ وہ پھلے پھولے گا۔ یعنی اس گھر میں کثرت اولاد اور کثرت اہل ہوں گے۔ اس میں زیادہ برکت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اس گھر والوں اور ان کے پڑوسیوں کو اس نام کی برکت سے روزی عطا فرمائے گا۔ ایک نسخہ میں یہ لفظ موجود ہیں۔ ''الا وقد وقوا'' وہ سب گھر والے ہر بیماری اور برائی سے اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوں گے۔

۱۰- وَعَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ عَلٰى مَارَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ مِنْ حَدِيْثِ عُثْمَانَ الْعَمْرِى مَرْفُوْعًا وَ ذَكَرَ السَّيُوْطِى سَنَدَهُ مَا ضَرَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ فِي بَيْتِهٖ مُحَمَّدٌ وَّ مُحَمَّدَانِ وَثَلَاثَةٌ اَىْ وَاَكْثَرُ وَ يُمَيِّزُ بَيْنَهُمْ بِلَقَبٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ اس روایت کو ابن سعد نے عثمان عمری سے مرفوعاً ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے اس کی سند ذکر کی ہے۔ فرمایا۔ جس کے گھر میں ''محمد'' نام کا ایک، دو یا تین آدمی ہوں۔ یعنی زیادہ ہوں۔ اور ان کے درمیان لقب سے امتیاز کرے۔ ایسا کرنے میں کوئی ضرر نہیں۔

۱۱- مسند حارث بن ابی اسامۃ میں روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ كَانَ لَهٗ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ وَلَمْ يُسَمِّ اَحَدَهُمْ بِمُحَمَّدٍ فَقَدْ جَهِلَ۔ جس کے ہاں تین بیٹے ہوئے۔ اور اس نے ان میں سے ایک کا نام بھی ''محمد'' نہ رکھا۔ اس نے یقیناً جہالت کی۔

۱۲- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي مَشْوَرَةٍ وَ مَعَهُمْ رَجُلٌ اِسْمُهٗ مُحَمَّدٌ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِي مَشْوَرَتِهِمْ اِلَّا لَمْ يُبَارَكْ لَهُمْ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ ابْنُ عِتَابٍ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کچھ لوگ جب مشورہ کیلئے جمع ہوتے ہیں اور ان کا ایک ساتھی ''محمد'' نام کا ہوتا

ہے اسے وہ مشورہ میں شریک نہیں کرتے۔ تو ان کیلئے برکت نہیں ہوگی۔

۱۳- ''روح البیان'' میں ہے۔ مِمَّنْ كَانَ لَهُ ذُوْبَطْنٍ فَاَجْمَعَ اَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا رَزَقَهُ اللّٰهُ غُلَامًا۔ جس شخص کی بیوی حاملہ ہو۔ اور دوران حمل اس بات پر ان کا اتفاق ہو جائے۔ کہ نومولود کا نام ''محمد'' ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو ''لڑکا'' عطا کرے گا۔

۱۴- جس شخص کا ہر بچہ پیدا ہوتے ہی فوت ہو جاتا ہو۔ یا قبل از وقت گر جاتا ہو۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر لے۔ کہ اب جو بچہ تو عطا کرے گا۔ میں اس کا نام ''محمد'' رکھوں گا۔ تو وہ زندہ رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اسم ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی برکت یہ بھی ہے کہ جس کھانے پر اسم ''محمد'' والا بیٹھا ہو گا۔ یونہی مشورہ کرنے والوں میں اگر ایسا آدمی بیٹھا ہوگا۔ تو اس کھانے اور مشورہ وغیرہ میں برکت ہو گی۔ اور اس نام والے اور اس اسم کی تعظیم کرنی چاہئے۔ اھ

میرے چچا محترم محمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

روى مسلم و ابو داؤد والترمذى وغيرهم عن ابن عمر مرفوعاً اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَبْدُاللّٰهِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن سے عبداللہ مطلقاً افضل ہے۔ اور ان دونوں کے بعد محمد پھر احمد پھر ابراہیم افضل ہیں۔ ابن عابدین موصوف درمختار کے حاشیہ پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ان دونوں ناموں یعنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ ان جیسے دوسرے نام بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ عبدالرحیم اور عبدالمالک وغیرہ۔ ان دونوں ناموں کے افضل ہونے کی وجہ اس پر معمول ہے۔ کہ یہ نام رکھنے والا ''عبودیت'' کی نیت و ارادہ کر کے رکھے۔ اس لئے کہ کفار و مشرکین عبدشمس اور عبدالدار وغیرہ نام رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے منافی نہیں۔ کہ اسم ''محمد و احمد'' اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہی نام منتخب فرمایا۔ جو اسے سب سے زیادہ پسند تھا۔ هٰذَا هُوَالصَّوَابُ۔ اور اس کا حمل علی الاطلاق جائز نہیں۔ اھ۔

درمختار میں ہے۔ جس کا نام ''محمد'' ہے۔ وہ اگر ''ابوالقاسم'' کنیت رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو'' یہ منسوخ ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی تھی۔ اھ۔ اس بارے میں کل گفتگو چچا محترم کے حاشیہ میں ''بحث التسمیہ'' کے اندر موجود ہے۔ جو کتاب الحظر والاباحۃ کی فصل البیع پر لکھا گیا۔

جوہر ۲۳: علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''وَالْاَشْهَرُ اَنَّهٗ وُلِدَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ'' مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ربیع الاول'' میں پیدا ہوئے۔ اس قول مشہور کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر اتفاق و اجماع نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ فَقَالَ فِي الصَّفْوَةِ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وُلِدَ بِمَكَّةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ۔اھ۔ ''صفوۃ'' میں انہوں نے لکھا۔ کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں پیر کے دن ماہ ربیع الاول میں ''عام الفیل'' کو پیدا ہوئے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ الکبرٰی'' میں لکھا ہے۔ جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی گئی ان کی بڑی کتاب ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ''اتفاق'' نقل کیا۔ اس سے مراد ''اکثر علماء کا اتفاق'' ہے اھ۔ اگر یہ نہ کہا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ آپ ''صفر'' میں پیدا ہوئے۔ ''ربیع الآخر'' میں کہا گیا ہے۔ یہ دونوں قول مغلطائی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور بعض نے ''رجب'' بھی کہا ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور ''رمضان'' بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس کو بھی بطور حکایت مغلطائی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں۔ اور یہ قول اس قول کے موافق ہے۔ جس میں کہا گیا کہ آپ کی والدہ ''ایام تشریق'' میں حاملہ ہوئیں۔ (یعنی ذوالحجہ میں حمل ٹھہرا اور نو ماہ بعد رمضان میں ولادت ہوئی) اور جس نے یہ کہا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء (دس محرم) کو ہوئی۔ یہ قول نہایت غریب ہے۔ اس سے آپ کی ولادت کا مہینہ ''محرم'' بنتا ہے۔ مغلطائی نے اس کی حکایت کی۔ لہٰذا ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت کے بارے میں چھ اقوال ہیں۔

ولادت کے مہینہ کی طرح اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کہ مہینہ کا کون سا دن تھا جب آپ کی ولادت ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ دن پیر تھا۔ لیکن کونسا پیر یہ معین نہیں۔ یعنی ''ربیع الاول'' مہینہ میں سوموار کے دن آپ کی پیدائش ہوئی۔ اور سوموار کس تاریخ کا ہے اس کا تعین نہیں۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ''سوموار'' معین ہے۔ لیکن ان کا اختلاف ہے کہ وہ پیر کا دن ربیع الاول مہینہ کی دو راتیں گزرنے کے بعد والا تھا۔ اس اعتبار سے آپ کی ولادت دو ربیع الاول بروز پیر بنتی ہے۔ اور یہی قول مغلطائی نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا گیا کہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ والا پیر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دسویں تاریخ والا پیر تھا۔ اسے مغلطائی اور دمیاطی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے۔ اور بیان کیا گیا کہ بارہ

ربیع الاول والا پیر تھا۔ بعض نے سترہ اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے ربیع الاول ختم ہونے سے آٹھ دن پہلے والا پیر کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخری دو قول غیر صحیح ہیں۔ اور جن لوگوں کے یہ دو قول نقل کئے گئے۔ وہ مکمل طور پر غیر صحیح ہیں۔ لہٰذا دن کی تعیین کے متعلق سات اقوال سامنے آتے ہیں۔

ان میں سے مشہور ترین قول بارہ ربیع الاول ہے۔ اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ''ابن کثیرؒ'' نے کہا۔ جمہور سے یہی قول مشہور ہے۔ اور قدیم وجدید اہل مکۃ اسی پر متفق چلے آرہے ہیں۔ وہ اسی تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ ابن جوزی اور ابن جزاء نے اس میں تھوڑا سا مبالغہ کرتے ہوئے لکھا۔ کہ اس تاریخ پر اجماع ہے۔ یعنی اکثر کا اجماع و اتفاق ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یا اس اجماع سے مراد ''اجماع فعلی'' ہوسکتا ہے اس لئے سلف و خلف سب اس پر متفق دکھائی دیتے ہیں۔ کہ وہ ''محفل میلاد'' بارہ ربیع الاول کو ہی منعقد کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور بارہ ربیع الاول کی رات کو ہی ''عمل مولد'' کرتے آرہے ہیں۔ اور اس تاریخ کو ''میلادالنبی'' کی تاریخ کہتے چلے آرہے ہیں۔ تمام شہروں میں یہی معمول ہے حتیٰ کہ حرم مکہ میں بھی یہی معمول ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت ہے۔

بہت سے ائمہ حفاظ متقدمین وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت کی تاریخ آٹھ ربیع الاول ہے۔ علامہ قطب الدین عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہی (آٹھ تاریخ) قول ان حضرات کا مختار ہے جن کی مجھے معلومات ہیں۔ حافظ حمیدی نے اسے اختیار کیا۔ اور ان کے شیخ ابن حزم نے بھی اسے پسند کیا۔ قضاعی نے ''عیون المعارف'' میں اہل زیج (چاند سورج وغیرہ کا حساب لگانے والے) کا اجماع نقل کیا ہے۔ اسے زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا وہ نسب کے بڑے ماہر تھے۔ اور عرب کی تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے یہ علم اپنے والد ''جبیرؓ'' سے سیکھا تھا۔ اھ۔ لیکن قول اول (بارہ ربیع الاول) ہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ اور جس پر سلف آرہے ہیں۔ یہی صحیح ہے۔ اور بعد کے وہ علماء جن پر اعتماد کیا گیا ہے وہ بھی یہی قول کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی قول پر اعتماد کرنا چاہئے۔

بروایات صحیحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ''ربیع الاول'' میں ہوئی۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ جبکہ ''اشہر الحرم'' باقی مہینوں سے افضل ہیں۔ لیکن ان میں آپ کی ولادت نہ ہوئی۔ اور نہ ہی ''سید الشہور'' یعنی رمضان شریف میں ہوئی۔ اس سے اس وہم کو دور کرنا تھا۔ کہ کوئی یہ سمجھ بیٹھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرافت و کرامت ''زمانہ'' سے ملی ہے۔ (آپ بذاتہ مشرف و مکرم نہ تھے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ بذاتہ مشرف و مکرم تھے۔ اور آپ سے زمانہ نے شرافت و بزرگی پائی۔ جیسا

کہ مختلف ''مکانات ؛جگہوں'' کو آپ کی وجہ سے شرف ملا۔ آپ کی ولادت ایسے مہینہ میں ہوئی جسے کوئی شرف نہ تھا۔ تا کہ اس غیر مشرف ماہ کو آپ مشرف کر دیں۔ یہی حکمت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمعہ کی شب پیدا نہ کیا گیا۔ اور نہ ہی جمعہ کے دن آپ کا تولد ہوا۔ بلکہ پیر کی رات اور پیر کا دن تھا۔ تا کہ پہلے سے اس کے غیر مشرف ہونے کے باوجود آپ کی نسبت سے مشرف ہو جائے۔ اور مدینہ منورہ میں دفن ہونے میں بھی یہی حکمت تھی۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کی پہلے ہی فضیلت تھی۔ وہاں دفن ہونے کی صورت میں ایک تو مدینہ منورہ کو اعزاز نہ ملتا۔ اور دوسرا یہ سمجھا جاتا کہ مکہ کی وجہ سے آپ کو شرف ملا ہے۔ یہ باتیں ''نعمۃ الکبریٰ'' میں اور مواھب لدنیہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

''مواھب لدنیہ'' میں ہے۔ اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مذکورہ مہینوں میں سے کسی ایک میں پیدا ہوتے۔ تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ آپ کی شرافت اس مہینہ سے ملی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت با سعادت ان مہینوں کے سوا دوسرے مہینہ میں کی۔ تا کہ اس مہینہ کی بزرگی اور کرامت آپ کی بزرگی اور کرامت کی وجہ سے ہو جائے۔ جیسا کہ اگر آپ وصال شریف کے بعد مکہ مکرمہ میں مدفون ہوتے تو آپ کی زیارت کا قصد کرنے والا ''قصد زیارت'' بالتبع کرتا۔ اصل قصد مسجد حرام کی زیارت ہوتا۔ مکہ مکرمہ کی زیارت ہوتا یا حج کرنے یا عمرہ کرنے کا قصد ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرام گاہ ایسا شہر اور ایسی جگہ بنائی۔ جو متبرک مقامات کے علاوہ تھی۔ تا کہ اس مخصوص جگہ کی طرف آنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد ''مستقل'' رکھتا ہو۔ اور تا کہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے وقت صرف آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے آتے۔ جس سے مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی طرف ''شد رحال'' ممتاز ہو جاتے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیر کے دن ولادت ہونا اس میں حکمت یہ تھی کہ اس دن تمام درخت پیدا کئے گئے اور ان سے انسانوں کو خوراک وغیرہ ملتی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود پاک اس دن اس وجہ سے ہوا۔ اھ۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا وقت قمری منزلوں میں سے غضر منزل کے طلوع کا وقت تھا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اور موسم ربیع کا تھا۔ یہ موسم باقوال مختلفہ شباط، اذار یا نیسان میں تھا۔ ان اقوال کی علامہ شامی نے حکایت کی۔ اور کسی شاعر نے شعر میں یوں کہا ہے۔

يَقُوْلُ لَنَا لِسَانُ الْحَالِ مِنْهُ وَقَوْلُ الْحَقِّ يَعْذُبُ لِلسَّمِيْعِ
فَوَجْهِي وَالزَّمَانُ وَ شَهْرُ وَ ضِعِي رَبِيْعٌ فِي رَبِيْعٍ فِي رَبِيْعٍ

ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے زبان حال یہ بیان کرتی ہے اور حق تعالیٰ کی بات

سننے والے کو بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا میری شخصیت میری آمد کا زمانہ اور میری ولادت کا مہینہ ایسے ہیں جیسے ربیع میں ربیع پھر وہ ربیع ایک اور ربیع میں ہو۔

سیدی استاذ مصطفیٰ البکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "ربیع" دو ہیں۔ ایک کا نام "ربیع الشہور" اور دوسری کا "ربیع الازمنۃ" ہے۔ مہینوں کی ربیع (ربیع الشہور) دو مہینے ہیں۔ اور زمانوں کی ربیع (ربیع الازمنہ) بھی دو ہیں۔ پہلی وہ جس میں پودوں اور درختوں وغیرہ پر بور آتا ہے۔ اور پھلوں کے شگوفے بنتے ہیں۔ اور دوسری وہ جس میں پھل پک کر تیار ہوتے ہیں۔ انتہی۔ علامہ مرحوم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیع الاول میں ولادت باسعادت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا۔ کہ اس مہینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آپ کی "شریعت" ربیع کے زمانہ کی مثل ہے۔ اس لئے کہ "ربیع" سال کے چاروں موسموں سے معتدل موسم ہوتا ہے۔ اور اس موسم کے رات دن گرمی اور سردی کے درمیان معتدل حالت کے ہوتے ہیں۔ اس میں چلنے والی ہوا خشکی اور تری کے درمیان درمیان ہوتی ہے۔ اور اس دور میں سورج نہ تو سید ھا سر پر ہوتا ہے اور نہ ہی بہت زیادہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور چاند ان راتوں کے ابتدائے حصہ میں ہوتا ہے۔ جو راتیں "چاندنی راتیں" کہلاتی ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور اخلاق کے اعتبار سے تمام انسانوں میں سے معتدل شخصیت ہیں۔ اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے۔ اور اس ماہ میں آپ کی ولادت باسعادت اس طرف بھی صاف صاف اشارہ کرتی ہے۔ جسے لفظ ربیع کے معانی میں غور کرنے والا بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں آپ کی امت کیلئے ایک نیک فال کی آپ کی طرف سے بشارت ہے۔ موسم ربیع میں زمین اپنے اندر موجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پھٹ کر ظاہر کر دیتی ہے۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیع میں ولادت آپ کے "عظیم القدر" ہونے کا اشارہ کرتی ہے۔ آپ کا عالمین کیلئے رحمت ہونا، مومنوں کیلئے بشارت ہونا بھی اس ماہ کا اشارہ ہے۔ اور دنیا و آخرت میں خطرناک اور مہلک باتوں سے امتیوں کی حمایت اس پر موجود ہے اور کافروں کیلئے بھی عذاب کی تاخیر کی وجہ سے "حمایت" ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ط۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جبکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں (الانفال:33)۔ پس برکتیں واقع ہوئیں۔ رزق کے دھارے بہہ گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کرنا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ حضرت علامہ ابوعبدالرحمٰن الصقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہر آدمی

کیلئے آپ ﷺ کے اسم گرامی میں حصہ ہے۔اس مضمون کوانہوں نے ''سیرۃ الشامی'' میں بیان کیا ہے۔
اس سے قبل ہم آپ کے اسم گرامی کے محبوب فضائل، محمود و مرغوب شمائل میں سے کچھ لکھ چکے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو اس کے فرشتوں، انبیاء و مرسلین عظام کے پسندیدہ ہیں۔اور تمام اہل زمین کیلئے مرغوب و محبوب ہیں۔اگر چہ بعض ان کے منکر بھی ہیں۔اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اسمائے گرامیہ ایسی صفات سے مشتق ہیں جو آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔اور جو آپ کی مدح اور کمال کو لازم کرتی ہیں۔اور آپ کے اسم گرامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرف میم آپ کے خاتم ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس طرح کہ اس حرف کا مخرج تمام حروف کے مخارج کا آخر ہے۔اور اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی بعثت مبارکہ چالیس برس کی عمر شریف میں ہوگی۔
آپ کے اوصاف و کمالات کی تسبیح میں یہ موتی بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماؤں کی صورت میں عطا کئے۔جنہوں نے آپ کی تربیت سے اعلیٰ مقام پایا۔آپ کی والدہ محترمہ کے اسم گرامی ''آمنہ'' میں ''امن'' آپ کی دایہ ''الشفاء'' میں ''شفاء'' بچپن میں دیکھ بھال کرنے والی ''برکۃ'' میں ''برکت ونماء'' دودھ پلانے والی ''ثوبیہ'' میں ''ثواب'' اور ''حلیمہ سعدیہ'' میں ''حلم و سعد'' اسی کی جھلک ہیں۔علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انسان العیون'' میں لکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ''طلوع مشتری'' میں ہوئی۔اور مشتری ایک سعید ستارہ ہے۔لہٰذا آپ کی ولادت باسعادت ''سعد اکبر'' اور ربیع الاول کے ''نجم انور'' کے موجود ہونے کے وقت ہوئی۔اسی لئے ایک شاعر نے کہا۔

لِهٰذَا الشَّهرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضلٌ     وَ مُنْقَبَةٌ تَفُوقُ عَلَى الشُّهُوْرِ
رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فِيْ رَبِيعٍ     وَ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

''ربیع الاول'' مہینہ کا اسلام میں بہت بڑا فضل ہے۔اور اس کی فضیلت تمام بقیہ مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے۔
یہ مہینہ ایک ربیع میں دوسری ربیع اور دوسری میں تیسری ربیع ہے۔اور ایک نور سے اوپر دوسرا نور اور اس کے اوپر تیسرا نور ہے۔
پس اے مبارک مہینے! تیرے شرف و اعزاز پہ قربان! اس کی راتوں کے احترام و حرمت پر جانثار جو تسبیح میں پروئے گئے موتیوں کی طرح ہیں۔اور قربان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر کہ ایسا چہرہ کسی پیدا ہونے والا کا روشن نہ ہوا نہ ہوگا۔پاکیزگی اس ذات باری تعالیٰ کی جس نے آپ کی

ولادت باسعادت کو دلوں کیلئے "بہار" بنایا۔ اور جس نے آپ کے حسن و جمال کو آنکھوں کیلئے ان دیکھا حسن و جمال دیکھنا نصیب کیا۔

يَا مَوْلِدَ الْمُخْتَارِ اَنَّ رَبِيْعَنَا بِکَ رَاحَةُ الْاَرْوَاحِ وَالْاَجْسَادِ
يَا مَوْلِدًا فَاقَ الْمَوَالِدَ کُلَّهَا شَرَفًا وَسَادَ بِسَيِّدِ الْاَسْيَادِ
لَازَالَ نُوْرُکَ فِي الْبَرِيَّةِ سَاطِعًا يَعْتَادُ فِي ذَا الشَّهْرِ کَا لْاَعْيَادِ
فِيْ کُلِّ عَامٍ لِلْقُلُوْبِ مَسَرَّةٌ بِسَمَاعِ مَا نَرْوِيْهِ فِي الْمِيْلَادِ
فَلِذَاکَ يَشْتَاقُ الْمُحِبُّ وَ يَشْتَهِيْ شَوْقٌ اِلَيْهِ حُضُوْرَ ذَا الْمِيْعَادِ

اے نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت کے مہینے ربیع الاول! تیرے ہی سبب سے روحوں کو راحت اور جسموں کا چین موسم بہار سے ہمیں ملتا ہے۔ اے ولادت باسعادت! جو تمام ولادتوں سے اعلیٰ شرف رکھتی ہے۔ اور تمام سرداروں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے تمام ولادتوں کی سردار ہوگئی۔ ہمیشہ تیرا نور کائنات میں چمکتا پھیلتا رہے گا۔ اور اس مہینہ کو لوگ عیدوں کی طرح ایک عید جانیں گے۔ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماہ مبارک میں آپ کی ولادت کی روایات سن کر ہمارے دل مسرت حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ سے محبت رکھنے والا یہی پسند کرتا ہے۔ اور اس کا شوق یہی تقاضا کرتا ہے کہ ایسی مجالس و محافل میں بھرپور شوق سے شرکت کرے۔

اس لئے ہر اس شخص کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سچا ہے اس خوش کن مہینہ سے خوشی حاصل کرنا چاہئے۔ اس میں ایسی محفلیں منعقد کرے جن میں آپ کی میلاد پاک کے صحیح واقعات و روایات پڑھی سنی جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے۔ اور اس ذات پر صلوۃ وسلام کی برکت سے اسے جنت میں داخلہ مل جائے جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زمانہ اور رات دن نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرافت پائی جس طرح مختلف جگہوں میں آپ کی نسبت سے شرافت آئی۔ یعنی زمان و مکان کو آپ نے شرف بخشا۔ حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں۔ جیسا کہ "روح البیان" کے حوالہ سے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اور جیسا کہ "تنقیح الحامدیہ" میں بھی مذکور ہے۔ جو میرے چچا سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خلاصۃ الوفا" سے نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا۔ ان سے پہلے علامہ ابوالولید باجی وغیرہ نے لکھا۔ کہ اس

B

بات پر اجماع ہے۔ کہ زمین کا وہ حصہ جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر لگا ہوا ہے وہ ''کعبہ'' سے بھی افضل ہے۔ جیسا کہ ابن عساکر نے ''تحفہ وغیرہ'' میں تحریر کیا ہے۔ بلکہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ ابن عقیل حنبلی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ زمین کا مذکورہ حصہ ''عرش معلیٰ'' سے بھی افضل ہے۔ علامہ تاج فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ تمام آسمانوں سے بھی وہ حصہ زمین افضل ہے۔ بلکہ فرمایا۔ ظاہر اور متعین ہے۔ کہ تمام زمین کی آسمان پر فضیلت ہے۔ اس لئے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ بعض نے اکثر علماء کا یہ مذہب نقل کیا ہے۔ کہ ''زمین'' آسمان سے اس لئے افضل ہے کہ اس سے حضرات انبیاء کرام کی تخلیق ہوئی ہے۔ لیکن زمین کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ (یہ حصہ آسمان سے افضل ہے۔) اھ۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''مواہب لدنیہ'' میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے یا دریافت کرے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات (بارہ ربیع الاول کی رات) افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ آپ ﷺ کی پیدائش کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہے۔ اس کی افضلیت تین وجوہ کی بناء پر ہے۔

۱- آپ کی ولادت مبارکہ کی رات وہ رات ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور مبارک ہوا۔ اور ''لیلۃ القدر'' آپ کو عطا کی گئی رات ہے۔ لہٰذا وہ رات جس کو آپ کے ظہور کا شرف ملا وہ اس رات سے زیادہ مشرف ہوگی جس کو شرف اس رات میں تشریف لانے والی شخصیت کے عطا سے ملا۔ اور اس میں کوئی نزاع نہیں۔ لہٰذا ولادت باسعادت کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہوئی۔

۲- ''لیلۃ القدر'' کی شرافت اس بناء پر اگر ہے کہ اس میں فرشتے اترتے ہیں۔ تو شب ولادت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ لہٰذا جس بات نے ''لیلۃ القدر'' کو شرف بخشا اس سے کہیں زیادہ اشرف واکرم وہ ہے جس نے ''شب ولادت'' کو اعزاز عطا کیا۔ یعنی اصح اور پسندیدہ ترین اہل سنت کا قول یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس لئے ''شب ولادت'' افضل ہوئی۔

۳- ''لیلۃ القدر'' اللہ تعالیٰ نے ''امت محمدیہ'' کو نعمت بخشی۔ اس امت پر مہربانی فرمائی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور (صرف امت کیلئے نہیں بلکہ) تمام کائنات کیلئے نعمت ہے۔ لہٰذا ''شب ولادت'' کا نفع عام اور ''لیلۃ القدر'' کا خاص ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ''شب ولادت'' افضل ہے۔ (انتہیٰ)۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شہاب ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعاقب کیا ہے۔ (یعنی اس پر گرفت کی) لکھتے ہیں۔ کہ ان کے قول میں ایسا احتمال واستدلال ہے جو ان کے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اگر یہ ارادہ ہے۔ کہ ''شب ولادت'' جو بارہ ربیع الاول عام الفیل میں تھی۔ وہ اور اس کی مثل ہر سال تا قیامت ۱۲ ربیع الاول کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہیں۔ تو مذکورہ دلائل مطلوبہ نتائج نہیں دیں گے۔ جیسا کہ بالکل واضح ہے اور اگر یہ ارادہ ہو کہ وہ معین ومخصوص رات ہے۔ (ہر سال آنے والی ۱۲ ربیع الاول کی رات نہیں) تو ''لیلۃ القدر'' اس رات کے دور میں موجود ہی نہ تھی۔ کیونکہ ''لیلۃ القدر'' کے فضائل جو احادیث مشہورہ میں وارد ہیں۔ وہ ان راتوں کے مقابلہ میں ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے کئی سالوں بعد شروع ہوئیں۔ ان دونوں راتوں کا کسی ایک زمانہ میں اجماع ہوا ہی نہیں۔ تاکہ ان کے درمیان تفضیل وعدم تفضیل کی بات کی جائے۔ اور وہ مخصوص رات جس میں آپ دنیا میں جلوہ فرما ہوئے وہ کبھی کی گزر چکی۔ اور یہ (لیلۃ القدر) قیامت تک باقی ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے اس کی افضلیت صراحۃ اور نصا بیان فرمائی ہے۔ اور آپ نے اپنی ولادت کی رات یا اس جیسی دوسری راتوں کی بطور نص افضلیت بیان نہیں فرمائی۔ یا اس لمحہ اور ساعت کی افضلیت جس میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وہ جیسا کہ آتا ہے کہ جمعہ کے دن اجابت کی ساعت سے افضل ہے۔ اس کی بھی کوئی نص موجود نہیں۔ لہٰذا ہمیں اسی پر اقتصار واکتفاء کرنا چاہئے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ ہمیں اپنے نفوس قاصرہ سے کوئی نئی بات نہیں نکالنی چاہئے۔ جو ایسی باتوں کے ادراک سے کوتاہ ہیں۔ اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ ایسی باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موقوف رکھنا چاہئے۔ علاوہ ازیں اگر ہم تسلیم کر لیں۔ کہ ''شب ولادت'' ہی افضل ہے۔ تو اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ اس لئے کہ زمانوں میں سے کسی مخصوص زمانہ کی فضیلت اس میں کئے گئے عمل کی فضیلت سے ہوتی ہے۔ رہا ایسا زمانہ جس میں کوئی قابل قدر اور بافضیلت کام نہ ہوا ہو اس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ (علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہاں ختم ہوتا ہے) اس کلام میں وجاہت ہے۔

پھر اگر ہم وہی کہیں اور تسلیم کر لیں جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یعنی صاحب مواھب لدنیہ نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی ولادت باسعادت ''دن'' میں ہوئی۔ تو پھر اس صورت میں اس دن کی افضلیت ہوگی یا اس دن کی جب آپ کی بعثت مبارکہ ہوئی؟ اس کا قریب الفہم جواب یہ ہوگا۔ جو ہمارے شیخ علی شبراملسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ کہ ولادت باسعادت کا دن افضل ہے۔ اس لئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے عالمین پر آپ کی ذات بھیج کر احسان فرمایا۔ اور آپ کی بعثت کا دارومدار

آپ کے تشریف لانے پر ہے۔ پس ''وجود'' اصل اور ''بعثت'' اس پر وارد ہونے والی چیز ہے۔ اور یہ بات اس کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ ولادت باسعادت کا دن اصل ہونے کی وجہ سے افضل ہو۔ (اِلٰی هُنَا كَلَامُ الزُّرْقَانِی)

''مواهب لدنیہ'' میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب جمعہ کے دن میں ایک ایسی مخصوص ساعت رکھی گئی۔ جس میں کوئی بھی مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کی بھلائی مانگتا ہے۔ اور اس کا سوال اس مخصوص ساعت کے موافق ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طلب پوری کر دیتا ہے۔ اس ساعت مخصوصہ کی وجہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا اس دن پیدا ہونا ہے۔ یعنی آپ کی پیدائش چونکہ اس دن ہوئی۔ لہٰذا اس میں اجابت کی مخصوص ساعت رکھی گئی۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ ساعت جس میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وہ ایسی نہیں؟ 1ھ۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی تعقب کیا ہے۔ جیسا گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بات کے بعد لکھا۔ میں کہتا ہوں۔ لیکن علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' سے جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی میلاد النبی پر لکھی گئی بڑی اہم کتاب ہے، نقل کیا ہے۔ کہ قواعد کے اعتبار سے جو بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور دلائل کی تحقیق سے جو بات سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ کہ ولادت باسعادت والی رات کو اس حیثیت سے ایسا شرف حاصل ہے۔ جو ''لیلۃ القدر'' سے بھی اعلیٰ ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ بعض دفعہ تفضیل کسی کی ذات وشخصیت کو پیش نظر رکھ کر ہوتی ہے۔ کسی عمل صالح کے اعتبار سے نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کی جلد کی عزت وشرافت وغیرہ صرف اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ ''قرآن'' معزز واشرف ہے۔ اس لئے نہیں کہ ''جلد'' عمدہ ہے یا خوبصورت چمڑے وغیرہ کی بنائی گئی ہے۔ تو اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وشخصیت کا مشرف ومعزز ہونا مسلم ہے۔ لہٰذا ولادت باسعادت کی رات آپ کی شرافت وعزت کی وجہ سے ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہوگی۔ بہرحال وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کائنات میں تشریف لانا اس مناسبت سے ولادت باسعادت کی رات میں کسی محفل میلاد کے اندر شرکت کرتا ہے۔ اور رات بھر ذکر خدا و مصطفیٰ میں مصروف ومشغول رہتا ہے۔ تو ایسے شخص کیلئے اس میں کوئی نئی بات نہیں کہ اسے اس کی برکت سے ان گنت فضل وکرم ہو۔ اور ایسے درجات پا جائے جو بیشمار ہوں۔ 1ھ۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب شمس بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ اس امت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات کو "عید" نہیں بنایا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کی رات کو "عید" بنایا ہے۔ ایسا اس لئے ہوا کہ "عید" کا معاملہ شریعت کے سپرد ہے۔ یعنی جس دن یا رات کو شریعت "عید" قرار دے دے وہ "عید" ہے ورنہ نہیں۔ ہم امت محمدیہ کیلئے شریعت نے دو دنوں (عیدالفطر، عیدالاضحیٰ) کو "عید" قرار دیا ہے۔ اس لئے "عیدین" یہی دو دن ہیں۔ یا اس لئے آپ کی ولادت باسعادت کے دن کو "عید" قرار نہیں دیا گیا کہ آپ کا وصال شریف بھی اسی تاریخ کو ہوا۔ دونوں کا تعلق ایک ہی دن کے ساتھ ہو گیا۔ تو خوشی، تعزیت کے ساتھ مل گئی۔ لہٰذا وصال کی وجہ سے اس دن کو "عید" یعنی صرف خوشی کا دن نہیں منایا گیا۔ مجھے یہ بات اچھی نظر آئی ہے۔ اھ

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کی اس منقولہ عبارت کو بھی ذہن میں رکھئے۔ اور شفاء کی شرح میں علامہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے "الہدی النبوی" کے حوالہ سے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا۔ کیا لیلۃ الاسراء افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ جواب دیا۔ جو شخص "معراج کی رات" کو افضل کہتا ہے۔ اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ یہ رات اور اس جیسی دیگر راتیں تمام سال کی راتوں سے افضل ہیں تو اس کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ خاص کر معراج کی رات افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رات وہ کچھ حاصل ہوا جو دوسری راتوں میں آپ کو نہ ملا۔ اور نہ ہی آپ کے سوا کسی اور کو اس رات حاصل ہوا۔ تو پھر یہ کہنا "صحیح" ہو گا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات جو انعامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے وہ قرآن کریم کے اترنے سے افضل ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اس بات کا محتاج ہے کہ ان امور کے حقائق کا علم ہونا چاہئے جو معراج کی رات آپ کو عطا ہوئے۔ اھ۔

میرے چچا محترم سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ذوالحجہ کے دس دن، رمضان شریف کے دس دنوں سے افضل ہیں۔ اور رمضان شریف کی آخری راتیں اس کی ابتدائی راتوں سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ آخری راتوں میں افضل رات "لیلۃ القدر" قربانی کی رات سے افضل ہے۔ اور قربانی کی رات جمعہ کی رات سے افضل ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے۔ یہ "جوھرۃ" کی عبارت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں قربانی کی رات کو "لیلۃ القدر" سے افضل کہا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ اِنَّهَا اَیْ لَیْلَةَ النَّحرِ اَفْضَلُ لِیَالِی السَّنَةِ۔ قربانی کی رات سال بھر کی تمام راتوں

سے افضل ہے۔ اور لکھا ہے۔ جمعہ کا دن، جمعہ کی رات سے افضل ہے۔ اس لئے کہ دن کی فضیلت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے۔ اور نماز جمعہ دن کے ساتھ خاص ہے۔ ''الدر'' میں ہے۔ اگر عرفات کا وقوف جمعہ کے دن ہو۔ تو یہ ستر ایسے حجوں سے افضل ہے جن میں وقوف جمعہ کے دن نہ ہو۔ اور اس دن ہر شخص کو بلاواسطہ بخش دیا جاتا ہے۔ اھ۔ ''احیاء العلوم'' میں ہے۔ بعض سلف فرماتے ہیں۔ جب وقوف عرفہ اتفاق سے جمعہ کے دن آ جائے تو تمام اہل عرفات بخش دیئے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام دنوں میں یہ دن افضل ہو جائے گا۔ اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حجۃ الوداع'' ادا فرمایا تھا۔ آپ عرفات میں حالت وقوف میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الایۃ (المائدہ:3)۔ ''احیاء العلوم'' میں یہ بھی مذکور ہے۔ جسے غسل کی بحث میں امام غزالی نے ذکر فرمایا۔ بیشک عرفہ کا دن (نویں ذی الحجہ) سال کے تمام دنوں سے فاضل ہے۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شافعی حضرات سے یہ نقل کیا ہے کہ تمام راتوں سے افضل واشرف رات وہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد لیلۃ القدر پھر شب معراج، پھر عرفات کی رات پھر جمعہ کی رات پھر شعبان کی پندرہویں رات پھر عید کی رات۔ اھ۔

شفاء کی شرح میں علامہ شہاب لکھتے ہیں۔ پیر کا دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسا ہے جیسا جمعہ کا دن حضرت آدم علیہ السلام کیلئے تھا۔ کیونکہ اس دن انہیں پیدا کیا گیا۔ اسی دن حضرت آدم زمین کی طرف اترے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اور اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ 1ھ۔ اللہ تعالیٰ نے پیر کے دن جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن ہے، انسانوں کو زائد عبادات کا مکلف نہ بنایا۔ جو جمعہ کے دن بنایا گیا۔ جس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ مثلاً جمعہ کی نماز اور جمعہ کا خطبہ وغیرہ۔ ایسا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کیلئے کیا۔ یعنی آپ کی آمد کے دن آپ کی امت پر تکلیف شرعی میں کمی کر دی گئی۔ کیونکہ آپ کا وجود کائنات کیلئے رحمت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ اس رحمت کی وجہ سے پیر کے دن زائد عبادات کی تکلیف نہ دی گئی۔

جوہر ۲۴: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''اَلصَّوَابُ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وُلِدَ بِمَكَّةَ وَلَا يَجُوْزُ اِعْتِقَادُ غَيْرِهٖ'' صحیح اور درست یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پیدا ہونے کا اعتقاد رکھنا ناجائز ہے۔ اس قول کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ہر مسلمان ولی پر واجب ہے۔ کہ جب اس کے بچے اچھائی برائی میں امتیاز کرنے کی عمر تک پہنچیں تو انہیں یہ بتائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار شریف ہے۔ جیسا کہ سیرۃ الحلبی ''انسان العیون'' میں بعض شافعی المسلک فقہاء کے حوالہ سے لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر ''نعمۃ کبریٰ'' میں لکھتے ہیں۔ یہ بات سب سے پہلی وہ بات ہے جو ماں باپ وغیرہ پر اپنی اولاد کو سکھانی واجب ہے۔ وہ انہیں سکھائیں بتائیں جب ان کی عمر سات سال کی ہو جائے۔ اور اچھا برا جاننے لگیں۔ بلکہ بعض حضرات کا کلام بطور نص ہے۔ کہ اس کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریشی ہونے سے انکار کرنا ہے۔ اور صرف یہی دو باتیں یعنی مکہ میں پیدائش اور مدینہ میں وصال انہی پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ظاہرہ متواترہ بھی بتائے جائیں۔ جن میں آپ دیگر انبیاء کرام سے ممتاز ہیں۔ اگرچہ یہ تعلیم کسی وجہ سے بھی ہو۔ لہٰذا والدین وغیرہ پر واجب ہے کہ اولاد کو بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول تھے۔ آپ قریش خاندان سے تھے۔ آپ کے والد اور والدہ کا نام بتایا جائے۔ آپ کی بعثت کی عمر بتائی جائے۔ آپ کے دفن کا واقعہ بتایا جائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی تخلیق کی صفات یعنی خوبصورتی وغیرہ بیان کی جائے۔ تا کہ بچوں کو زیادہ پہچان ہو جائے۔ اور ایسی باتوں سے ان کے ذہن بچے رہیں جو آپ کے اوصاف واخلاق کی ضد ہیں۔

علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل الخیرات'' کی شرح میں لکھا ہے۔ یہ اوصاف جو یہاں ذکر کئے گئے ہیں۔ وہ ہیں جو ''صاحب دلائل الخیرات'' نے کہے ہیں یعنی۔ اَلنَّبِیُّ الْعَرَبِیُّ الْقَرَشِیُّ الْزَمْزَمِیُّ الْمَکِّیُّ التِّھَامِی۔ یہ ایسی صفات ہیں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائے جانے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اس لئے یہ ان تمام اوصاف میں سے چند ہیں۔ جو آپ کی شخصیت کو متعارف کراتے ہیں۔ اور آپ کی ذات کے ساتھ متعین ہیں۔ لہٰذا جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی نہ تھے۔ قریشی نہ تھے تو وہ کافر ہے۔ جیسا کہ اگر یہ کہے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن کا روضہ پاک مدینہ میں نہیں۔ نہ ہی آپ نے مدینہ میں انتقال فرمایا۔ اس لئے کہ یہ سب باتیں دراصل حضور ﷺ کا ہی انکار بنتی ہیں۔ اھ۔

شفاء میں مزید لکھا ہے۔ کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو کہے کہ ''کالے'' تھے۔ یا یہ کہے کہ آپ داڑھی اگنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ شفاء کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ مذکورہ قول (یعنی کافر ہو گیا) کو اس کے ساتھ مقید کرنا چاہئے۔ کہ ایسی باتیں کہنے والا ان باتوں کے

کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقارت کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اگر یہی باتیں (ارادۂ حقارت کی بجائے) اس لئے کسی نے کہیں۔ کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و اخلاق عالیہ سے جہالت تھی۔ تو بے علمی اور جہالت کی بناء پر ایسے کہنے والے کی تکفیر برمحل نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ علم ہونا کہ آپ کی رنگت سفیدی مائل تھی۔ قطعی نہیں۔ اور نہ ہی اس بات کو دین کی ضرورت میں شمار کیا جاسکتا ہے تا کہ اس کا علم ضروری ہے۔ اور رنگت کا سیاہ ہونا نبوت کے منافی بھی نہیں۔ کیونکہ ایک قول ہے۔ کہ حضرت لقمان علیہ السلام میں (نبوت اور سیاہ رنگ ہونا) دونوں باتیں جمع تھیں۔

اور یہ قول ''آپ کی داڑھی آنے سے پہلے انتقال کر گئے'' نفس الامر میں جھوٹ ہے۔ (اور جھوٹ بولنے سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی) لیکن اس قول سے تکفیر تب ہوگی جب یہ قول بارادۂ استخفاف اور استہزاء کرے۔ یا آپ کی نبوت کی تکذیب کے ارادہ سے کہے۔ اور صاحب شفاء کا قول کہ جو شخص آپ کو قریشی نہ کہے۔ وہ کافر ہے۔ اس میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریشی ہونا، اس کا علم ضروریات دینیہ میں سے نہیں لہٰذا اس کے قائل کو زیادہ سے زیادہ جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اور آپ کے خاندان کے نام سے جاہل کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس نے یہ کہہ کر آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور یہ قول کہ ''آپ مکہ میں پیدا اور مدینہ میں فوت نہیں ہوئے'' اس میں بھی یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ جہالت کی بناء پر کہا گیا ہو۔ اور یہ بھی کہ تکذیب کی نیت ہو۔ خلاصہ یہ کہ ان اقوال مذکورہ سے تکفیر اس وقت کی جائے گی جب کہنے والا آپ کی نبوت کی نفی کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف شفاء کا قول اشارہ کرتا ہے۔ لِاَنَّ وَصْفَهُ بِغَيْرِ صِفَاتِهِ الْمَعْلُوْمَةِ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ نَفى لَهٗ اَىْ لِوُجُوْدِهٖ وَ تَكْذِيْبٌ بِهٖ اَىْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الآخر۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے اوصاف عالیہ جو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے وصف سے آپ کو متصف کرنا دراصل آپ کے وجود کی نفی اور آپ کی تکذیب ہے۔ مزید لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بعض صفات کی لاعلمی آدمی کو ایمان سے نہیں نکالتی۔ جیسا کہ یہ اکثر اور مشہور علماء کا مسلک ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات سے جہالت کس طرح ایمان سے نکال دے گی؟ خاص کر ایسی صفات کہ جن سے احکام شرعیہ کا تعلق بھی نہ ہو؟ اھ۔

''روح البیان'' میں ہے۔ مختار یہ ہے کہ اسلام میں اس بات کی شرط نہیں لگائی گئی۔ کہ مسلمان وہی ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی معرفت ہوگئی۔ آپ کے والد و دادا کے ناموں کا

علم ہوگا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی معرفت ہی کافی ہے۔ جیسا کہ علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے "ہدایۃ المریدین" میں لکھا۔ اھ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "نطفۃ" سے پیدا نہیں ہوئے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور آدم علیہما السلام۔ تو اس کے بارے میں علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں۔ جن کے بارے میں علماء نے نص فرمائی۔ کہ ان باتوں کا قائل اور مدعی کافر ہے۔ 1ھ۔

حاصل کلام یہ کہ جس چیز کا پڑھنا پڑھانا، سیکھنا سکھانا، علی صفۃ الکمال لازم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی توحید، اور یہ کہ وہ بندے کی ہر بات سنتا ہے، اور ہر جگہ ہر وقت بندوں کے ساتھ ہے یہ باتیں ہیں۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت کہ آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ اللہ کے نبی ہیں تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ قیامت تک کیلئے رسول ہیں۔ ایسے انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی شریعت عطا کی جو ان، تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ جو آپ سے پہلے تھیں۔ آپ عربی ہیں، ہاشمی ہیں، مکہ میں پیدا ہوئے، اسی میں مبعوث کئے گئے۔ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، مدینہ میں ہی وصال فرمایا۔ وہیں دفن کئے گئے۔ آپ واجب الاطاعت ہیں۔ آپ کی محبت لازم ہے، غار ثور میں تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ آپ سے ان گنت معجزات ظاہر ہوئے۔ آپ نے بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپ نے کئی لشکروں کی قیادت فرمائی۔ اور تادم وصال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ہو گیا۔ ان تمام باتوں کی معرفت اور تعلیم و تعلم لازم ہے۔

جوہر ۲۵: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ "وَالْاَشْهَرُ اَنَّ مَحَلَّ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْمَكَانُ الْمَعْرُوْفُ بِسُوْقِ اللَّيْلِ" "مشہور قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اس معروف مکان میں ہوئی۔ جو" سوق اللیل" میں واقع ہے۔ اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یہ مکان شعب بنو ہاشم کے آخر میں ہے۔ جسے بعد میں محمد بن یوسف ثقفی نے تعمیر کیا تھا۔ جو مشہور ظالم حجاج بن یوسف کا بھائی تھا۔ اور "مدکدک" نامی گلی میں ہے۔ محمد بن یوسف ثقفی سے پہلے یہ گھر عقیل بن ابی طالب کے پاس تھا۔ بخاری شریف کی شرح کتاب الحج میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ گھر ہاشم بن عبد مناف کے پاس تھا۔ پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب کے قبضہ میں آ گیا۔ انہوں نے اسے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا جو حصہ تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گیا۔

یہ گھر مکمل طور پر طالب اور عقیل کے زیر تصرف تھا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اپنے باپ ابو طالب کی طرف سے اس کے وارث تھے۔ یا تو اس لئے کہ یہ دونوں اسلام نہیں لائے۔ یا اس اعتبار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت اس گھر پر اپنا حق ترک کر دیا تھا۔ ''طالب'' غزوۂ بدر میں کہیں گم ہو گیا۔ پھر عقیل نے یہ تمام گھر فروخت کیا تھا (انتہی) ابن الاثیر لکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حصہ عقیل کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہ گھر عقیل کے قبضہ میں رہا۔ حتیٰ کہ عقیل فوت ہو گیا۔ تو اس کے بعد اس کے بیٹے نے محمد بن یوسف کے ہاتھ جو حجاج کا بھائی تھا فروخت کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقیل نے یہ گھر ہجرت کے بعد فروخت کیا تھا۔ کیونکہ قریش نے مہاجرین کے گھر اسی وقت فروخت کئے تھے۔ اور یہ جیسا کہ داؤدی وغیرہ نے لکھا۔ کہ ہجرت کرنے والے ہر مومن کے قریبی رشتہ دار کافر نے ان کے گھر بیچ دیئے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے جو اسلام لے آئے ان کے دور جاہلیت کے تصرفات کو جائز قرار دے دیا تھا۔ تا کہ ''تالیف قلب'' ہو۔

''تاریخ خمیس'' میں ہے۔ محمد بن یوسف نے یہ مکان جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اپنے اس گھر میں شامل کر لیا۔ جس کو ''البیضاء'' کہا جاتا تھا۔ اور آپ کی ولادت باسعادت والا مکان اب اس بڑے گھر میں ''مسجد'' بنا دیا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مسجد حرام کے بعد مکہ مکرمہ میں یہ جگہ تمام دوسری جگہوں سے افضل ہے، جسے اب اہل مکہ ''مسجد مولد النبی'' کہتے ہیں۔ ہر سال اہل مکہ ولادت باسعادت کی رات (یعنی بارہ ربیع الاول کی رات) وہاں جاتے ہیں۔ اور اہل مکہ وہاں ایسی عظیم الشان محفل کا انعقاد کرتے ہیں۔ جو ان کی عیدین پر نہیں ہوتا۔ اسے ''دار خدیجہ'' اور ''مولد فاطمہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے شہرت اس لئے ہوئی۔ کہ ان کو اپنی دوسری ہمشیرگان پر شرف و برتری حاصل تھی۔ ورنہ یہی گھر سیدہ فاطمہ کی دوسری بہنوں کی پیدائش کی جگہ بھی ہے۔ جو سیدہ خدیجہ کے گھر پیدا ہوئیں۔ اس کو ہارون رشید کی ماں، مہدی کی لونڈی خیزران نے وقف کر دیا تھا۔ جب یہ حج کرنے جاتی۔ تو اکیلی اس مکان میں ٹھہرتی۔ اور اسے اس نے مسجد بنا دیا تا کہ اس میں نماز ادا کیا کرے۔

''روض الریاحین'' کی اتباع کرتے ہوئے ''نور'' میں لکھا ہے۔ کہ وہ گھر جو محمد بن یوسف کا تھا۔ اس کو ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے مسجد میں تبدیل کیا تھا۔ جب وہ حج کرنے آئی تھی۔ اور وہ ''صفاء'' کے قریب ہے۔ ''انسان العیون'' میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زبیدہ نے اسی مسجد کی تعمیر جدید کی ہو۔ جس کو خیزران نے تعمیر کرایا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک مسجد دونوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اور خیزران

نے ''دارارقم'' کو بھی مسجد بنوا دیا تھا۔ اور یہ بھی ''صفاء'' کے قریب ہے۔ شائد بعض راویوں پر معاملہ گھل مل گیا ہو۔ کیونکہ دونوں مسجدیں ''صفا'' کے قریب ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''شعب بن ہاشم'' میں پیدا ہوئے تھے۔ اور تحقیق یہ قول موجود ہے۔ کہ اس قول کی پہلے قول کے ساتھ مخالفت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت جس مکان میں ہوئی۔ وہ شعب بنی ہاشم میں سے ہو۔ پھر میں نے اس کی تصریح بھی دیکھی۔ اور یہ قول اس قول کے منافی نہیں جو پہلے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کی ولادت کا مکان شعب ابی طالب میں تھا۔ کیونکہ شعب ابی طالب بھی تو من جملہ شعب بنی ہاشم میں ہے۔ اور ''حجون'' کے قریب ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ابو طالب بقیہ بنو ہاشم سے الگ اس ''شعب'' میں رہتا ہو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں لکھا ہے۔ پھر اسلامی حکمران اور خلفاء ہمیشہ سے اس کی تعمیر جدید اور خوبصورتی میں دلچسپی لیتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس مکان کے پیچھے دو بڑے بڑے تالاب تھے۔ جن سے حاجی صاحبان پانی پیا کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ غیر آباد ہو گئے۔ لیکن اب بھی ان کی جگہ ظاہر نظر آتی ہے۔ اس مقام پر ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی جگہ ''ردم بنی جمح'' بتائی گئی ہے۔ اس جگہ کا نام یہ اس لئے پڑا۔ کہ ''بنو جمح'' نے جب بنو محارب بن فہر سے لڑائی لڑی تھی۔ تو اس جگہ ان کے مقتولین کی لاشیں اکٹھی کی گئی تھیں۔ یہ ''ردم'' وہ نہیں جسے اب ''مدعیٰ'' کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھی۔

جوہر ۲۶: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''فَكُلُّهُنَّ اَیُ الْمَرَاضِعُ اَعْرَضْنَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ طِفْلٌ لِيُتْمِهٖ'' تمام دودھ پلانے کیلئے آنے والی عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔ جبکہ آپ بچے تھے۔ اس اعراض کی وجہ آپ کا یتیم ہونا تھا ......اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے ہیں۔

''یتیم'' اسے کہتے ہیں جس کا باپ زندہ نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان پر احسانات کئے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کا سایہ سر سے اس لئے اٹھالیا تھا۔ تا کہ کسی انسان کے دل میں یہ بات نہ آنے پائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عزت، شرف اور غلبہ پایا وہ ان کے والد کی جلالت کی وجہ سے تھا۔ یا اپنے والد کی جائیداد کے وارث تھے۔ یا اس قسم کی دوسری باتیں۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ یہاں ایک خوبصورت فائدہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا۔ کہ بعض واعظ

حضرات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس ومحافل میں جس میں عام وخاص سبھی لوگ شریک ہوتے تھے۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ان محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے دوران بعض ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تعظیم میں خلل اندازی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ سننے والوں میں آپ کے بارے میں ترس آجاتا ہے۔ ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور حزن وملال ان کے چہروں پر ٹپکتا ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت قابل رحم بن جاتی ہے۔ اور تعظیم کا پہلو ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ واعظ کہتے ہیں۔ دودھ پلانے والی عورتوں نے آپ کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا۔ نہایت غریبی تھی۔ صرف حلیمہ کو ترس آیا۔ تو اس نے گود میں لے لیا۔ آپ پھر حلیمہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسی قسم کی باتیں کر کے پھر یہ شعر (یا اس جیسے دوسرے اشعار اپنی زبان میں) پڑھتے ہیں۔

يَا غَنَا مَهُ سَارَالْحَبِيْبُ اِلَى الْمَرْعٰى     فَيَا حَبَّذَا رَاعٍ فُؤَادِى لَهُ مَرْعٰى

اے خوش نصیب بکریو! اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں چراگاہ میں لے گئے۔ اے بکریوں کو چرانے والے خوش قسمت! میرا دل آپ کیلئے چراگاہ ہے۔ اسی طرح ایک مصرعہ یہ بھی ہے۔ ''فَمَا اَحْسَنَ الْاَغْنَامِ وَهُوَ يَسُوْقُهَا'' جب آپ بکریوں کو آگے دھکیل رہے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت ان بکریوں کی قسمت کس قدر اچھی ہوگی۔ اسی طرح کے بہت سے اشعار اور بہت سی باتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ ایسے واعظین کے بارے میں کیا خیال ہے؟

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا۔ ''سمجھدار شخص کو چاہئے کہ خبر میں سے ایسی بات نکال دے جس سے ''مخبر عنہ'' میں نقص کا وہم پڑتا ہو۔ یعنی ایسی بات نہ کہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی نقص وکمزوری کا وہم پڑتا ہو۔ ایسا کرنے سے اسے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ واجب ہے'' اس جواب کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں) صرف تعلیم میں بولنے چاہیں۔ یعنی کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کی تعلیم دی جارہی ہو تو دوران تعلیم ایسی بات آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بعض مالکی حضرات نے بطور نص کہا۔ کہ جو شخص مجلسوں اور محفلوں میں یہ کہتا ہو۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''یتیم'' تھے۔ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک ایسے ہی عالم نے کہا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو طالب کے ایک یتیم تھے'' اس پر اندلس کے ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا۔ کہ یہ شخص قتل کے لائق ہے۔ جب یہ معاملہ

"ناصر اللقانی" کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس نے کہا۔ اس استاد و مفتی صاحب کا خون امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تقلید کی وجہ سے محفوظ کرو۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی خِلَافِ الْعُلَمَاءِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں...... یونہی یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "فقیر" تھے۔ اس لئے کہ پہاڑوں نے آپ کو سونا بن کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے انہیں منہ نہ لگایا۔ جیسا کہ اس کی طرف علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے "قصیدہ بردہ" میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ عَنْ نَفْسِهٖ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمَمٍ

بلند پہاڑوں نے سونا بن کر آپ کے قلب انور کو لبھانے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے انہیں دکھا دیا۔ کہ بلند مرتبہ والا کون ہے؟۔

لہٰذا جائز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "غریب، فقیر اور مسکین کہا جائے۔ بلکہ آپ کا ذکر ایسے اسماء سے کرنا چاہئے۔ جن میں تعظیم و توقیر بھری ہو۔ سادات حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے اور آپ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر کی جائے۔ لیکن اگر توبہ کر لیتا ہے تو توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اگر توبہ کی اور پھر ایسے شخص پر بہتری کی علامات دیکھنے میں آئیں۔ تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر توبہ نہیں کرتا۔ تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ میرے چچا محترم سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں تحریر کیا ہے۔

جوہر ۷۴: سیدی احمد بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ ان برکات کے بعد لکھا۔ جو سیدہ حلیمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوئیں۔ جب سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاں لائیں۔ تو اس وقت وہ علاقہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا۔ آپ کی آمد سے کھیت لہلہانے لگے۔ حضرت حلیمہ کے مواشی کی تعداد بڑھ گئی۔ خوب نشو و نما ہوا۔ اور آپ کی وجہ سے حضرت حلیمہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ شہرت پائی اور ہر وقت خیر و سعادت میں گزرتا۔ اور آپ کی برکت سے سیدہ حلیمہ کے دن پھر گئے۔

لَقَدْ بَلَغَتْ بِالْهَاشِمِيِّ حَلِيْمَةٌ مَقَامًا عَلَا فِيْ ذُرْوَةِ الْعِزِّ وَالْمَجْدِ
وَ زَادَتْ مَوَاشِيْهَا وَاَخْصَبَ رَبْعُهَا وَقَدْ عَمَّ هٰذَا السَّعْدُ كُلَّ بَنِيْ سَعْدٍ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہ عزت و بزرگی کے بلند مقام پر فائز ہو گئیں۔ ان کے مواشی کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ان کی زمین سرسبز ہو گئی۔ اور یہ سعادت صرف حضرت

حلیمہ تک محدود نہ رہی، بلکہ تمام بنو سعد نے اس سے سعادت پائی۔

یہ اس لئے کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنے گھر داخل ہوئی۔ تو بنی سعد کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رہنے والوں نے مشک و عنبر کی خوشبو نہ سونگھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی۔ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی جسمانی اذیت اور تکلیف پہنچتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس پکڑ کر تکلیف والی جگہ پر رکھتا۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم سے آرام آجاتا۔ یونہی اگر بکری یا اونٹ کو تکلیف ہوتی۔ تو آپ کے دست اقدس تکلیف کی جگہ رکھنے سے اسے آرام آجاتا۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی بہت سی صفات ہیں جو جمیل ہیں۔ ان صفات جمیلہ کی گنتی نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کے دست اقدس سے ظاہر ہونے والے معجزات بھی لاتعداد ہیں۔ حضرات اولیاء کرام کو بھی اور نہ ماننے والوں کو بھی ان کا علم ہے۔ ان معجزات میں سے چند یہ ہیں۔

۱- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ام معبد" کی بکری پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ جبکہ اس کے نزدیک کوئی "نر" نہ آیا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ اس کے تھنوں میں دودھ بھر آیا۔ آپ نے برتن منگوایا۔ اس کا دودھ دوھ کر لوگوں کی ایک جماعت کو پلایا۔ جس سے تمام سیر ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ نے خود دودھ نوش فرمایا۔ پھر دوسری مرتبہ اسے دوھیا اور "ام معبد" کے برتنوں میں بھر کر وہیں چھوڑ دیا۔

۲- دست اقدس کی برکت سے کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

۳- آپ کے ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان سے کئی مواقع پر پانی پھوٹا۔ جسے بہت سے لوگوں نے دیکھا۔

۴- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے بھرے ایک لوٹے سے وضو فرمایا۔ لوگ آئے اور پیاس کی شکایت کی۔ تو آپ نے لوٹے میں اپنا دست اقدس رکھا۔ فوراً آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے پھوٹ پڑے۔ تمام حاضرین نے اس سے وضوء کیا۔ تقریباً پندرہ سو آدمی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے۔ تو بھی وہ پانی ہمارے لئے کافی ہوتا۔ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے آنکھوں کی آزمائش میں ڈالا۔ میں نے پانی کے چشمے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پھوٹتے دیکھے۔

۵- بہت سے بیماروں کو آپ کے دست اقدس کی برکت سے شفا ملی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ واپس اپنی جگہ میں لوٹائی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات ہیں۔ جن کو ذکر کریں تو طوالت آ جائے گی۔

فرمایا کہ ہمیں روایت ملی۔ جس کی اجازت عام وخاص ہے۔ یہ روایت ہمارے بعض مشائخ کرام سے ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی ہتھیلی کی برکت یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی دکھی ہو وہ اپنے دکھ درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر درج ذیل اشعار پڑھے گا۔ تو آرام پائے گا۔

اَمْرَرْتُ كَفًّا سَبَّحَتْ فِيْهَا الْحَصَا وَ رَوَتِ الْجَيْشُ بِمَاءٍ طَاهِرٍ

عَلٰى مَعَاشِي وَ مَعَادِي وَ عَلٰى ذُرِيَّتِي وَ بَاطِنِي وَ ظَاهِرِي

میں وہ ہاتھ پھیر رہا ہوں جس میں کنکریوں نے تسبیح کہی تھی۔ اور بہت بڑے لشکر نے پاک پانی سے اپنے آپ کو سیراب کیا۔

میں اپنی معاش، معادی، اپنی اولاد اور اپنے ظاہر و باطن پر اس ہاتھ کو پھیرتا ہوں۔

یہ دونوں اشعار ابن وردی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ان اشعار کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ صبح و شام "حفظ" کیلئے ان دونوں کو پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جوہر ۲۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ وَكَانَ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْوَاضِعَ لِلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فِي مَحَلِّهٖ بِيَدِهِ الشَّرِيْفَةِ اَيْ عِنْدَ بِنَاءِ قُرَيْشٍ الْكَعْبَةَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اپنے دست اقدس سے حجر اسود کو اس کی پہلی جگہ پر رکھا۔ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر جدید کی تھی۔ اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ کعبہ مکرمہ کی کئی بار تعمیر جدید کی گئی۔ آثار و روایات کا ماحصل یہ ہے کہ اس کی دس مرتبہ تعمیر ہوئی۔ فتح، ارشاد، سبل اور شفاء الغرام میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ میں نے ایک مخطوطہ (دستی تحریر) دیکھی۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ "سلطان مراد" نے بھی کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ شیخ محمد بن علان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف جس میں کعبہ کی تعمیر کی تاریخ لکھی گئی ہے، وہ خود بھی "سلطان مراد" کی تعمیر کے وقت موجود تھے۔ اور انہوں نے اس موقعہ پر جو دیکھا اس کو قلمبند کیا۔ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ بہت زیادہ سیلاب آیا۔ جس سے بیت اللہ کی شامی دیوار گر گئی۔ اور مشرقی دیوار کا بھی بیت اللہ کا دروازہ تک کا حصہ گر گیا۔ اور مغربی دیوار کا بھی تہائی حصہ گر گیا اور یہ حادثہ شعبان کی بیس تاریخ بروز جمعرات پیش آیا۔ سن ہجری ایک ہزار انتالیس ۱۰۳۹ھ تھا۔ اس واقعہ سے پہلے کئی سالوں سے بیت اللہ کی شامی دیوار

میں دراڑ پڑی ہوئی تھی۔ یہ دراڑ سلطان مراد کے والد سلطان احمد کے زمانہ میں زیادہ ہوگئی۔ معاملہ سلطان کے پاس پیش کیا گیا۔ اور دیوار کی تعمیر کی ضرورت پڑی۔ تو قسطنطنیہ کے علماء کے درمیان بحث چل نکلی۔ کہ کیا اس کا منہدم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بالآخر انہوں نے رائے دی۔ کہ یہ جائز نہیں۔ اس وقت سلطان احمد نے بیت اللہ شریف کو مضبوط کرنے کیلئے ایک لوہے کی پٹی تیار کی۔ جس پر تقریباً اسی ہزار دینار خرچ ہوئے، اس پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا۔ مکہ شریف میں یہ پٹی ۱۰۲۰ھ میں حج کے موسم میں پہنچی۔ جس سے بیت اللہ کی دیواروں کو مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔ اور یہ پٹی اس وقت تک رہی جب اس کی مذکورہ سیلاب سے دیواریں گر گئیں۔ پھر اس پٹی پر لگا سونا اتار کر تولا گیا تو اس کا وزن دس ہزار درہم ہوا۔ جو سو رطل کے برابر ہوتا ہے۔ اور چاندی کا وزن کیا گیا تو ایک سو چون رطل برابر نکلا۔ یہ تعداد اس پٹی پر لگے سونے چاندی تینوں اطراف کی ہے۔ اس میں ''رکن یمانی'' پٹی کا حصہ شامل نہیں۔ ''رکن یمانی'' کے حصہ پر لگی پٹی میں سونے چاندی کا وزن شیخ موصوف کو معلوم نہ ہوسکا۔ پھر شریف مکہ نے حکم دیا کہ کعبہ کے منہدم حصہ کو لکڑیوں کے ذریعہ ڈھانپ دیا جائے۔ اور سبز رنگ میں ایک کپڑے کو رنگ کر کعبہ کا وہ کپڑا پہنا دیا گیا۔ سلطان مراد نے اس کی تعمیر جدید کا حکم دیا۔ اپنی طرف سے ایک نائب بھیجا۔ جس کے ساتھ کشتی میں تعمیراتی سامان اور آلات بھی تھے۔ یہ نائب مکہ شریف میں ایک ہزار چالیس ہجری چھبیس ربیع الثانی کو پہنچا۔ اور تعمیر کی ابتداء چار جمادی الآخر بروز منگل شروع کی۔ پھر انجینئروں اور حکومت کے سرکردہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہوا۔ کہ دو دیواروں کا بقیہ حصہ اور رکن یمانی کی مکمل دیوار بھی گرادی جائے۔ تو اس فیصلہ کے بعد تمام دیواریں گرادی گئیں۔ صرف ''حجر اسود'' اور اس کے اردگرد کے پتھر رہنے دیئے گئے۔ تمام دیواروں کی بنیادیں مضبوط تھیں۔ اور بالکل صحیح سالم تھیں۔ لہٰذا انہی بنیادوں پر دیواروں کو چنا گیا۔ کعبہ شریف کی پہلے سے موجود بنیادوں پر جو تعمیراتی ردے چنے گئے۔ (یعنی تعمیر ہوئی) ان میں سلطان مراد کی تعمیر کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی گنتی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پچیس ہجری میں تعمیر تک کی گئی ہے۔

اس کے بعد سلطان مراد کے حکم سے تعمیر کرنے والے انجینئر نے بتایا کہ جو پتھر ''حجر اسود'' کے نیچے تھا۔ وہ کعبہ کی دیوار سے ذرا باہر نکلا ہوا تھا۔ میں نے لوہے کی ایک سلاخ لی۔ تاکہ اس کے اردگرد لگا کر چاندی اس سے الگ کروں۔ میں نے اس کے درمیان رکھ کر اسے کھرچا۔ اچانک ''حجر اسود'' کا ایک چھلکا اس کے نچلے حصہ سے ٹوٹ کر الگ ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ نیچے گر جاتا۔ یہ دیکھ کر حاضرین ڈر گئے۔ اور سب نے یہ رائے دی کہ اسے نکالا نہ جائے۔ لہٰذا ''حجر اسود'' پر ایک اور پتھر اس کی جگہ پر رکھ

4

دیا گیا۔ جو اس کے دائیں اور بائیں حصہ کے ساتھ متصل تھا۔ اسی پر کام کا دارومدار تھا۔ اور ''حجر اسود'' کے نیچے والے پتھر کو اس کے قبلہ کی طرف اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ شیخ موصوف بیان کرتے ہیں۔ کہ ''حجر اسود'' سے نچلے حصہ سے جو چھلکا ٹوٹا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا جس طرح کا سفید رنگ کا پتھر'' مقام ابراہیم'' کا ہے۔ تعمیراتی کام ۱۰۴۰ھ میں ستائیسویں رمضان المبارک بروز بدھ عصر سے قبل مکمل ہوا۔ اسے علامہ شیخ احمد بن محمد اسدی شافعی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انتخاب اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام'' میں لکھا ہے۔ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن عسلان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو جو میں نے دیکھا۔ وہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے علامہ شیخ فقیہ النفس حسن شر نبلالی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ دیکھا۔ جو اس مذکورہ تعمیر کے بارے میں لکھا گیا۔ انہوں نے اس کا نام ''اِسْعَادُ آلِ عُثْمَانَ الْكِرَامِ بِبِنَاءِ بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ'' رکھا۔

**جوہر ۲۹:** علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''ثُمَّ لَمَّا بَلَغَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اَرْسَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ'' پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال فرمایا...... اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت مطلقہ، تامہ، عامۃ عطا فرما کر بھیجا۔ ایسی عام رحمت جو تمام عالمین کی جامع اور محیط ہے۔ ذوی العقول، غیر ذوی العقول، عالم ارواح، عالم اجسام سب کیلئے آپ کی رحمت عام اور سب کو شامل ہے۔ وہ جو ''رحمۃ للعالمین'' ہوتا ہے اس کیلئے لازم ہوتا ہے کہ وہ تمام عالمین سے افضل بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قول ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' میں ضمیر خطاب صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔ اور اس کا اشارہ ان تمام حضرات کیلئے ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں۔ جو آپ کے مشرب پر قائم ہیں۔ اور تا قیامت ایسے حضرات مراد ہیں۔ اس اعتبار سے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے مظہر ہیں۔ گویا آپ کی عالمینی رحمت ان حضرات سے ظاہر ہوتی رہے گی۔

بعض اکابر نے فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کیلئے رحمت اس لئے ہیں کہ آپ ''خلق عظیم'' سے متصف ہیں۔ اور ہر مرتبہ اور محل میں آپ کی جلوہ نمائی ہے۔ جیسا کہ ملک، ملکوت، طبیعت، نفس، روح اور سر وغیرہ میں...... سورۃ النجم کی تفسیر کرتے ہوئے ''تاویلات نجمیہ'' میں زیر آیت کریمہ ''وَرَحْمَةً مِّنَّا'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ہے۔ لکھا ہے۔ کہ اس قول اور حضور صلی اللہ

علیہ آلہ وسلم کے بارے میں " وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ "(الانبیاء:) کے درمیان عظیم فرق ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رحمت کو " مِنَّا " سے مقید کیا گیا ہے۔ جو تبعیض کا معنی دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کیلئے رحمت تھے جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی لائی گئی شریعت کی اتباع کی۔ اور اس وقت تک رحمت رہے جب تک ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نہ ہوئی تھی پھر ان کی رحمت ان کی امت سے منقطع ہوگئی کیونکہ ان کا دین منسوخ ہوگیا اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالمین کیلئے رحمت ہونا " مطلق " ذکر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت، عالمین سے ہمیشہ متصل رہے گی۔ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ دنیا میں اس طرح کہ آپ کا دین منسوخ نہ ہوگا۔ اور آخرت میں یوں کہ تمام مخلوق آپ کی شفاعت کی محتاج ہوگی۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی محتاج ہوں گے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا۔ کہ تمام پیغمبر کی بعثت کے ذکر سے پہلے " عقوبت " کا ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک ہم اس کے پاس کسی رسول کو نہ بھیجیں (الاسراء)۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و رسالت کے ذکر سے پہلے " رحمت " کا ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ہم نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ نبوت کا اختتام اور اخیر رحمت پر کیا جائے نہ کہ عقوبت پر۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔ میری رحمت میرے غصہ پر سبقت رکھتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام سے آخری امت بنایا۔ پس وجود کی ابتداء رحمت، اس کا آخر رحمت اور اس کا خاتمہ رحمت پہ رکھا۔ اھ۔

معلوم ہونا چاہئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے کا ہوا۔ تو اس نے " حقیقت محمدیہ " کو اپنی احدیت کی بارگاہ سے ظاہر فرمایا۔ تو امکان کی میم سے اسے ممتاز کیا۔ اسے عالمین کیلئے رحمت بنایا۔ نوع انسانی بلکہ تمام عالمین کو اس سے شرف بخشا۔ پھر اس " حقیقت محمدیہ " سے ارواح کے چشمے پھوٹے۔ پھر اس کے بعد عالم اجساد و اشباح میں جو بنا، سو بنا۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ " اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ فَيْضِ نُوْرِيْ " میں اللہ تعالیٰ سے ہوں اور تمام مؤمن میرے نور کے فیض سے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے ترتب کی غایت جمیلہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ لَوْ لَاكَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اتنا ہی شرف و فضل کافی

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو بنایا اور ان میں حضرات انبیاء و مرسلین کرام بھیجے تا کہ وہ آپ کے ظہور کا عالم الملک والشہادۃ میں مقدمہ بنیں۔ لہٰذا تمام پیغمبروں کی ارواح اور اجسام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح اور جسد اطہر کے تابع ہیں۔ اسی سے انہیں کمال ملا۔ اور اسی سے ان کی سعادت مکمل ہوئی۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ بھی رحمت ہے۔ اور آپ کا وصال بھی رحمت۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔ حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ قَالُوْا هٰذَا خَيْرُ نَا فِي حَيَاتِکَ فَمَا خَيْرُ نَا فِي مَمَاتِکَ قَالَ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ كُلَّ عَشِيَّةِ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَمَا كَانَ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَا كَانَ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُتُ اللّٰهَ لَكُمْ۔ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا۔ آپ کی زندگی میں تو ہماری خیر ہے ہی۔ لیکن آپ کے وصال میں ہماری خیر کیا ہے؟ ارشاد فرمایا، تم سب امتیوں کے اعمال پیر اور جمعرات کے پچھلے وقت مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (پیش کیا جایا کریں گے) پھر جو عمل اچھا ہوا۔ اس کو دیکھ کر میں اللہ کی حمد و شکر کروں گا۔ اور جو برا ہوا اس کے بارے میں تمہارے لئے میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہاں ختم ہوتا ہے۔

## الامام العلامہ شمس الدین محمد بن یوسف دمشقی صالحی نزیل برقوفیہ صحراء مصر-متوفی ۹۴۲ھ سیرت شامیہ کے مصنف اور علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد

جوہرا: آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جواہرات میں سے ایک انمول موتی آپ کی واقعہ معراج پر لکھی کتاب ہے۔ جس کا انہوں نے نام رکھا ہے۔ "اَلْآيَاتُ الْعَظِيْمَةُ الْبَاهِرَةُ فِي مِعْرَاجِ سَيِّدِ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" میں نے معراج شریف کے موضوع پر اس سے زیادہ جامع اور نفع بخش کتاب نہیں دیکھی۔ اور ان کے بعد آنے والے حضرات مثلاً غیطی اور اجہوری وغیرھما رحمۃ اللہ علیہما نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا۔ انہوں نے اکثر فوائد موصوف کی مذکورہ کتاب سے ہی اخذ کئے ہیں۔ میں اس طویل کتاب کا اختصار پیش کر رہا ہوں۔ جس میں موصوف کے ذکر کردہ فوائد ضرور شامل ہوں گے۔ لیکن معراج شریف کے بارے غیر ضروری باتیں حذف ہوں گی۔ میں اس بارے میں احسن واقرب راستہ یعنی اعتدال کو اپناؤں گا۔ میں نے اس مختصر کا نام "اَلْمِنْهَاجُ السَّامِي مُخْتَصَرُ الْمِعْرَاجِ الشَّامِي" رکھا ہے۔ میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ حرف بحرف نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ دَائِمًا – اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ رَفَعَ سَيِّدَ خَلْقِهٖ اِلٰى اَعْلٰى مَقَامَاتِ السَّعَادَةِ – وَ اَسْرٰى بِهٖ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى مَعْدَنِ الْاَنْبِيَاءِ الْاَجِلَّةِ الْقَادَةِ – فَقَدَّمَهٗ جِبْرِيْلُ فَصَلّٰى بِهِمْ فِيْ دَارِهِمْ وَ مَحَلِّهِمْ لِيُعْلَمَ اَنَّهُ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ وَ صَاحِبُ الْفَضْلِ وَالسِّيَادَةِ – ثُمَّ رَقِيَ السَّبْعَ الطِّبَاقَ وَ ظَهَرَ لِمُسْتَوٰى سَمِعَ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ بِمَا قَدَّرَهُ الْحَقُّ وَاَرَادَهٗ – وَرَاٰى مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوْتِ وَ عَظَائِمِ الْجَبَرُوْتِ مَا شَرَحَ اللّٰهُ بِهٖ صَدْرًا هُوَ ثَبَّتَ فُؤَادَهٗ – وَ تَجَلّٰى لَهٗ وَ خَاطَبَهٗ بِمَاشَاءَ وَاَعْطَاهُ سُئُوْلَهٗ وَجَعَلَ قُرَّةَ عَيْنِهٖ فِي الْعِبَادَةِ – ثُمَّ اَرْسَلَهٗ اِلَى الْاَرْضِ بِخِلَعِ التَّشْرِيْفِ وَالتَّكْرِيْمِ لِيُبَلِّغَ عَنْهُ الْمُكَلَّفِيْنَ مُرَادَهٗ – وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ – وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ حَبِيْبُهُ الَّذِىْ رَحِمَ بِمَبْعَثِهٖ عِبَادَهٗ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ

اَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ جَبَلْتَهُمْ لِلْخَيْرِ مِنْقَادَهُ – اَمَّابَعْدُ۔

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی تصنیف ''سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرت خیر العباد'' کی تکمیل سے فراغت بخشی۔ جسے میں نے تین سو سے زائد کتب سے منتخب کیا تھا۔ اور جس میں نہایت عجیب وغریب فوائد جمع تھے۔ اور جس کے ابواب ایک ہزار چھ سو سے زیادہ تھے۔ اللہ ہی صواب کی توفیق بخشنے والا ہے۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اس کتاب سے ''معراج شریف'' کا واقعہ الگ کروں۔ اور اس واقعہ کے بارے میں حضرات علماء کرام نے جو خوبصورت فوائد لکھے وہ بھی درج کروں۔ اور ان کے نفیس نکتے زیادہ کروں۔ اس ارادے کی تکمیل کرتے ہوئے میں نے اپنے کلام کی تلخیص سترہ ابواب پر کی۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔

باب ۱: سورۂ اسراء کی ابتدائی آیت کے بعض فوائد۔
باب ۲: سورۂ النجم کی ابتدائی آیات کے بعض فوائد۔
باب ۳: شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب کا دیدار کرنا اور اس کے بارے میں حضرات علماء کرام کا اختلاف۔
باب ۴: واقعہ معراج کس وقت اور کس جگہ ہوا۔
باب ۵: اسراء کی کیفیت اور اس بات کا بیان کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا یا صرف ایک بار۔
باب ۶: اسراء اور معراج کے محال ہونے کے قائل اہل زیغ کے شبہات کا جواب۔
بات ۷: شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کا بیان۔
باب ۸: نبوت کی مہر اور یہ کب لگائی گئی۔
باب ۹: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بعض فضائل۔
باب ۱۰: براق کے بارے میں گفتگو۔
باب ۱۱: بیت المقدس کے بعض فضائل کا بیان۔
باب ۱۲: شب اسراء حضرات انبیاء کرام کو دیکھنا۔
باب ۱۳: جن صحابہ کرام نے واقعہ معراج کو بیان کیا۔ ان کے بارے میں گفتگو۔
باب ۱۴: قصۂ معراج کا پس منظر۔
باب ۱۵: واقعۂ معراج کے بعض فوائد اور اس کے متعلق وارد مشکل الفاظ کی شرح۔
باب ۱۶: اس واقعہ کے متعلق احادیث کی تخریج۔

باب ۱۷: ایسی احادیث کے بارے میں تنبیہ، جو واقعہ معراج کے متعلق ایسے لوگوں نے گھڑیں۔ جن کا کوئی مقام نہیں۔ اور علم حدیث سے بے خبر لوگوں نے انہیں بیان کرنا شروع کر دیا۔ تا کہ ایسی من گھڑت روایات سے اجتناب کیا جائے۔

اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ میں نے اس کتاب میں پہلے تو کوئی من گھڑت حدیث بیان نہیں کی۔ اور جہاں کسی وجہ سے ذکر کرنا پڑی۔ تو اس کے ساتھ ہی میں نے بتا دیا کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھنا۔ کہ جہاں میں لفظ ''قاضی'' لکھوں گا۔ اس سے میری مراد حافظ شیخ السنۃ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی ہوں گے۔ اور جہاں لفظ ''حافظ'' تحریر ہوگا۔ اس سے مراد شیخ الاسلام قدوۃ الحافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر ہوں گے۔ اور جہاں لفظ ''شیخ'' لکھوں گا اس سے مراد شیخ الاسلام خاتمۃ الحفاظ ابوالفضل جلال الدین ابن ابی بکر السیوطی ہوں گے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَجَعَلَ مَقَرَّهُمْ دَارَ السَّلَامِ۔

جوہر ۲: علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے باب اول میں سورۂ اسراء کی پہلی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا۔

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کہ آیت ''سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا'' (الاسراء:۱) میں لفظ ''عبد'' سے مراد ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ شیخ الاسلام جناب زکریا انصاری رضی اللہ عنہ ''فتح الرحمٰن'' میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اپنا عبد'' کہا ہے۔ اپنا نبی یا حبیب نہیں کہا۔ تا کہ آپ کی امت کہیں بھٹک نہ جائے۔ (یعنی اتنا عظیم معجزہ دیکھ کر کہیں خدا کے ساتھ نہ ملا دیں) یا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کی صفت ''عبودیت'' جو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے۔ یہ مقام تمام مقامات سے اشرف ہے۔ (لہٰذا اشرف ترین مقام کی صفت سے آپ کا ذکر کیا گیا) استاذ ابوعلی دقاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عبودیت سے زیادہ اشرف اور کامل صفت مومن کیلئے کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اعلیٰ مقامات وارفع مکافات پر اسی صفت کو ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (الاسراء:1) - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:1) - تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان:1) - فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (النجم)۔ شیخ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وصف اپنے قول ''سیدا وحصورا'' میں سید ذکر فرمایا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

''اپنا عبد'' کہا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ کا مقام ومرتبہ بلند ہے؟اس کا جواب وہی ہے جو استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے۔یعنی ''عبودیت'' مومن کیلئے سب سے مکمل اور اعلیٰ صفت ہے۔امام استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

يَا قَوْمِ قَلْبِي عِنْدَ زَهْرَاءَ يَعْرِفُهُ السَّامِعُ وَالرَّائِي

لَا تَدْعُنِي إِلَّا بِيَا عَبْدَهَا فَإِنَّهُ أَشْرَفُ أَسْمَائِي

لوگو!میرا دل اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔اسے سننے والا اور دیکھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔مجھے اگر بلانا ہے تو صرف ''اس کا بندہ'' کہہ کر پکارو۔کیونکہ میرے تمام ناموں سے زیادہ ''اشرف'' یہی نام ہے۔

علامہ طوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ الٰہیۃ ،سیادت اور ربوبیت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہیں۔کسی اور میں حقیقۃً یہ نہیں پائی جاتیں۔اور ''عبودیت'' اللہ تعالیٰ کے سوا کیلئے حقیقت ہے۔لہٰذا جو شخص ''مقام عبودیت'' میں ہوگا۔وہ درحقیقت اپنے حقیقی رتبہ ومقام میں ہوگا۔اور ہر چیز کا جو حقیقی رتبہ ومقام ہوتا ہے۔وہی اس کیلئے اشرف واعلیٰ مقام ہوتا ہے۔کیونکہ حقیقت سے گزر کر صرف مجاز باقی رہ جاتا ہے۔اور حق کے بعد صرف گمراہی ہوتی ہے۔

علامہ برہان نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔بیان کیا جاتا ہے۔کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجات عالیہ اور مراتب رفیعہ پر شب معراج میں تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی ''يَا مُحَمَّدُ بِمَ أَشْرَفُكَ؟'' اے محبوب!کس وجہ سے تمہیں یہ شرف ملا ہے؟ عرض کی۔باری تعالیٰ!اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی عبودیت کی تیرے طرف نسبت کی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ الآیۃ۔حضرات علماء کرام کے عبد اور عبودیت میں بہت سے اقوال ہیں۔الفاظ مختلف ہیں لیکن ان کے معانی ملتے جلتے ہیں۔ہر ایک نے اپنی زبان حال سے گفتگو کی ہے۔اور اپنے مقام کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔جناب ابوحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''عبد'' وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم رکھنے والا ہو۔نشاط کی حد پر اس کا سید ہونا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے امر کا محل بنایا ہوتا ہے۔ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''عبد'' وہ ہے جس کی کوئی ملکیت نہ ہو۔

علامہ جریری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔''عبد'' کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے اوصاف و اخلاق سے متصف ومتخلق ہوتا ہے۔

جناب رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''عبد'' اس وقت عبودیت سے متحقق ہوتا ہے جب وہ اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور اپنی قوت وطاقت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اور اسے اس کا علم ہو جاتا ہے۔ کہ تمام اسی اللہ کیلئے اور اسی کے سبب سے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تیرے اندر صفت ''عبودیت'' اس وقت حاصل ہوگی۔ جب تو اپنے نفس کیلئے کسی قسم کی ملکیت نہیں دیکھے گا۔ اور تو جان لے گا کہ تو کسی چیز کا مالک نہیں۔ نہ اپنے نفع کا اور نہ اپنے نقصان کا۔

وَكُنْتُ قَدِيْمًا اَطْلُبُ الْوَصْلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا اَتَانِي الْعِلْمُ وَ ارْتَفَعَ الْجَهْلُ
تَيَقَّنْتُ اَنَّ الْعَبْدَ لَا طَلَبَ لَهُ فَاِنْ قَرُبُوْا فَضْلٌ وَاِنْ اَبْعَدُوْا عَدْلُ
وَاِنْ اَظْهَرُوا لَمْ يَظْهَرُوا غَيْرَ وَصْفِهِمْ وَاِنْ سَتَرُوْا فَالسِتْرُ مِنْ اَجَلِهِمْ يَحْلُوْ

میں بہت عرصہ سے ان کا وصل طلب کرتا رہا۔ جب مجھے علم ہو گیا اور جہالت ختم ہو گئی تو مجھے یقین آ گیا کہ ''عبد'' کیلئے طلب بالکل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر وہ قریب آ جائیں تو ان کا فضل ہے اور اگر دور رہیں تو عدل کہلائے گا۔ اور اگر وہ اپنا آپ ظاہر کریں تو اپنے وصف کے سوا کچھ بھی ظاہر نہ کریں گے۔ اور اگر پردہ میں رہتے ہیں تو پردہ ان کی خاطر بہت پسند معلوم ہوتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''بعبدہ'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ ''اسراء'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پاک سے تھا۔ کیونکہ لفظ ''عبد'' جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ (العلق) کیا تم نے وہ شخص دیکھا جو ''عبد'' کو روکتا تھا جب وہ نماز ادا کرتا تھا۔ اور فرمایا۔ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (الجن:۱۹) اور بات یہ ہے کہ جب اللہ کا ''عبد'' کھڑا اس کی عبادت کرتا ہے۔ (ان دونوں آیات میں ''عبد'' کا اطلاق جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہوا ہے)۔

لَيْلًا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''لَيْلًا'' اسراء کا ظرف ہے۔ اور تاکید کیلئے ہے۔ یعنی لفظ ''اسراء'' کا معنی چونکہ رات کو سفر کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ''رات'' کا مفہوم اسراء کے لفظ میں موجود تھا۔ پھر ''لَيْلًا'' الگ ذکر کیا۔ جس سے ''رات'' کے مفہوم کی تاکید ہو گئی۔ امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہا ہے۔

اَوْلَاکَ رُؤْيَتَهٗ فِيْ لَيْلَةٍ فُضِّلَتْ لَيَا لِي الْقَدْرِ فِيْهَا الرَّبُّ رَضَا كَا

اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی رات میں مشرف فرمایا۔ جو ''ليلة

القدر'' سے افضل ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کیا۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علامہ موصوف کے نزدیک ''شب معراج'' لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ ''الاصطفاء'' میں موصوف فرماتے ہیں۔ شائد اس میں حکمت یہ ہو کہ اس رات (شب معراج) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا جو ہر چیز سے افضل ہے۔ اسی لئے اعمال میں سے کسی عمل کا مطلقاً اسے ثواب نہیں بنایا۔ بلکہ اس کو عطا فرما کر اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اپنے بندوں پر محض اپنے فضل کا احسان فرمائے گا۔

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ جناب ابوشاقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''حرام'' حلال کی ضد ہے۔ اور مسجد حرام کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ محرم کو ایسی کئی باتیں منع ہو جاتی ہیں۔ جو غیر محرم کیلئے جائز ہوتی ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ حدود حرم میں بعض کام حرام ہو جاتے ہیں۔ جو حرم سے باہر دوسرے علاقہ میں جائز ہوتے ہیں۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حاوی'' کے باب الجزیہ میں لکھا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ''مسجد الحرام'' فرمایا۔ اس سے مراد ''حرم'' ہے۔ صرف ایک جگہ ایسی ہے جس میں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہے۔ وہ یہ آیت ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (البقرہ:149)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''مسجد حرام'' کا لفظ درحقیقت ''کعبہ'' کیلئے ہے فقط۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ (آل عمران)۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے۔ جب آپ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ سب سے پہلی مسجد کون سی ہے جو زمین میں تیار کی گئی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''مسجد حرام'' پھر اس لفظ کو بعد میں ''کعبہ شریف'' کے علاوہ اس مسجد کو کہا جانے لگا۔ جو کعبہ کے اردگرد ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِكَذَا وَ كَذَا۔ یعنی مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ یہ استعمال ''تغلیب مجازی'' کے قبیلہ سے ہے۔ یعنی مجازی معنی کو حقیقی معنی پر غلبہ دے دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الاسراء:1) میں بھی ''مسجد حرام'' سے مراد فقط کعبہ نہیں۔ بلکہ مکہ شریف ہے۔ یہ معنی اس قول کو پیش نظر رکھ کر کرنا پڑے گا۔ جس میں مذکور ہے۔ کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما تھے۔ اسی طرح ''مسجد حرام'' بول کر مراد مکہ شریف کے مضافات بھی لئے گئے۔ اور اس سے مراد ''حرم'' بھی لیا گیا جو مکہ کے اردگرد مخصوص

علاقہ ہے۔جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (البقرہ:196)۔ یہ سب معانی مجازی معنی کو وسعت دے کر لئے جانے کے قبیلہ سے ہیں۔ اگر یہ نہ کہا جائے۔تو ''مسجد حرام'' کے لفظ میں باعتبار وضع اشتراک لازم آئے گا۔یعنی مذکورہ مختلف معانی میں سے ہر ایک معنی اس کا حقیقی معنی ہو۔اس (اشتراک) سے بہتر ہے کہ مجاز مراد لیا جائے۔اور اشتراک کا قول کیا بھی کیسے جاسکتا ہے۔کیونکہ اس لفظ کو جب علی الاطلاق بولا جاتا ہے۔تو متبادر الی الفہم کعبہ ہی ہوتا ہے۔یا کعبہ کے ساتھ اس سے متصل مسجد کی طرف ذہن جاتا ہے۔لیکن اس لفظ کو بول کر ذہن میں مکہ شہر مطلقاً نہیں آتا۔ہاں اگر کوئی قرینہ اور دلیل ہوتو مراد مکہ بھی ہوسکتا ہے۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔علامہ برہان نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔تمام کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔اس کا نام ''اقصیٰ'' اس لئے رکھا گیا۔کہ مسجد حرام اور اس کے درمیان بہت مسافت ہے۔(اقصیٰ کا معنی بہت دور) علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔کہ ''اقصیٰ'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے آگے کوئی مسجد نہیں۔حضرت ابن الفقیہ کہتے ہیں کہ ''مسجد اقصیٰ'' حضرت انبیاء کرام یعنی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے لیکر بعد میں آنے والے تمام پیغمبروں کا معدن رہی ہے۔ اسی لئے تمام پیغمبروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر یہاں جمع کیا گیا۔اور آپ نے ان کے گھر ان کی امامت کرائی۔تاکہ اس بات کی دلیل ہوجائے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی رئیس مقدم اور امام اعظم ہیں۔

جناب ابوشامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔''مسجد اقصیٰ'' بیت المقدس ہے۔جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔یہ ہمیشہ سے مکرم ومحترم مقام رہا۔یہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے۔جن کی طرف شرعاً شدرحال کی اجازت ہے۔یعنی شارع علیہ السلام کی طرف سے زیارت اور تعظیم کے ارادے سے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے سفر کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہ مسجد اہل مکہ کیلئے زمین پر موجود مساجد میں سے سب سے دور ہے۔جس کی زیارت کرنا عظمت ہے یا بوجہ تعظیم وعظمت جس کی زیارت کی جاتی ہے۔حضرت ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء پہلے مسجد اقصیٰ میں تشریف لئے گئے۔پھر اس سے آگے گئے اس میں حکمت یہ تھی۔کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے سیدھا اوپر آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا۔تو دشمنوں کو منہ کھولنے کا موقع مل جاتا۔اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔اس لئے آپ کو پہلے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔تاکہ معاندین پر حجت ہوسکے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کہ

مجھے رات بیت المقدس میں لے جایا گیا۔ پھر آسمانوں پر۔ تو دشمنوں نے بیت المقدس کی بعض اشیاء کے متعلق سوالات کئے۔ جو انہوں نے بار ہا دیکھی تھیں۔ اور انہیں بخوبی یہ علم بھی تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پہلے ان اشیاء کو دیکھا تک نہیں تھا۔ جب آپ نے ان کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ تو آپ کے صدق کی تحقیق ہوگئی۔ کہ آپ واقعی رات مکہ شریف میں مسجد اقصیٰ گئے ہیں۔ اور جب مسجد اقصیٰ جانا صحیح ثابت ہوگیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی سفر کی تصدیق بھی لازم ہوگئی۔ 1ھ۔

پہلے مسجد اقصیٰ پھر اس سے آگے معراج میں یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ اس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوپر کو سفر فرمانا بالکل سیدھا ہو۔ یعنی اس میں دائیں باہر کسی سمت نہ جانا پڑے۔ اس کی دلیل حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ ''آسمان کا دروازہ جسے ''فرشتوں کے اوپر جانے کا راستہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ ''بیت المقدس'' کے بالکل اوپر سیدھ میں واقع ہے۔ اور وہ دروازہ زمین سے قریب ترین مسافت پر ہے۔ یعنی صرف اٹھارہ میل دوری پر ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس روایت میں ''نظر'' ہے...... یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ اس طرح دونوں قبلہ جات کو جمع کرنے والے ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ''بیت المقدس'' اکثر و غالب انبیاء کرام کی ہجرت گاہ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی طرف سفر فرمانے کا موقعہ مل جائے۔ تا کہ آپ مختلف فضائل کے جامع ہو جائیں۔

یہ بھی حکمت بیان کی جاتی ہے۔ کہ ''بیت المقدس'' وہ جگہ ہے جہاں ''محشر'' ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ اس جگہ پر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم لگ جائیں۔ تا کہ قیامت کا دن آپ کی امت کیلئے آسان و نرم ہو جائے۔ اور یہ آسانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم ہائے مبارکہ کی وجہ سے ہو۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ''مسجد اقصیٰ'' وہ جگہ ہے۔ جہاں حضرات انبیاء کرام کی ارواح مبارکہ جمع ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ ان تمام حضرات کی ارواح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمائے۔

یہ بھی حکمت بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسی اور معنوی تقدیس حاصل ہو جائے۔

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو کہ کوئی پاکیزہ اور فضیلت والی جگہ ایسی نہ رہے جس کو آپ کے قدموں کے چومنے کی سعادت نہ ملے۔ للہذا

بیت المقدس کی تقدیس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ادا کرنے کی وجہ سے مکمل کر دیا جائے۔ جب آپ کی اس مسجد میں امامت فرمانے کی وجہ سے تقدیس مکمل ہوگئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ الاخر۔ تم تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عزم سفر نہ کرو۔ ایک مسجد حرام کیونکہ یہ آپ کی ولادت باسعادت اور تشریف آوری کی جگہ ہے۔ آپ کی نبوت کا مقام ہے۔ دوسری مسجد مدینہ کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی جگہ ہے۔ تیسری مسجد اقصیٰ کہ یہ آپ کی اسراء اور معراج کی جگہ ہے۔

اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ۔ اس سے مراد ''دنیوی برکت'' ہے۔ جیسا کہ جاری نہریں اور پھلدار درختوں کا وہاں ہونا۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد ''دینی برکت'' ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی آرام گاہ، ان کی عبادت گاہ اور وحی و فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہے۔ ''حَوْلَهٗ'' اس لئے فرمایا۔ تا کہ اس کی برکت عام اور شامل ہو جائے۔ ماحول سے مراد وہ زمین ہے جو مسجد اقصیٰ کے چاروں طرف واقع ہے۔ یعنی شام کی زمین اور اس کے قریب دوسری زمین۔ اور ''حولہ'' اس لئے بھی فرمایا۔ تا کہ جب پڑھنے والا یہ جان لے گا کہ ''مسجد اقصیٰ'' کے متصل اور ملحق علاقہ جب برکت والا ہے تو خود ''مسجد اقصیٰ'' بطریقہ اولیٰ مبارک ہو گی۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ دینی اور دنیوی دونوں اقسام کی برکتیں مراد ہیں۔

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ ان آیات ونشانات سے مراد وہ ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج دیکھیں۔ یعنی وہ عجیب وانوکھی نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو واقعہ معراج میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابوشامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''مِنْ'' اس جگہ بعض کے معنی میں ہے۔ یعنی ہماری بعض نشانیاں۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تعظیم کی بناء پر ایسا کہا گیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نشانیاں اس رات دیکھیں۔ وہ اگرچہ عظیم و جلیل تھیں۔ لیکن جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جملہ آیات کی طرف کریں گے۔ تو وہ ان کا بعض ہی ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے عجائبات کا ایک حصہ ہی ہوں گی۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اصح یہ ہے کہ ''انہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس ضمیر کو ''عبد'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے۔ تو بعید نہ ہوگا۔ جیسا کہ جناب

ابوالبقاء رضی اللہ عنہ نے بعض حضرات سے اس کی روایت کی ہے۔ فرمایا۔ بیشک وہ عبد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے کلام کو سننے والا اور ہماری ذات کو دیکھنے والا ہے۔ رہا یہ کہ ''انہ'' کے بعد اور ''السمیع'' سے پہلے ''ھو'' ضمیر درمیان میں کیوں لائی گئی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی وہ شخصیت ہے۔ جو اس کرامت و شرف کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے۔ شائد ضمیر فصل کو لانے میں یہ راز بھی ہو۔ کہ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ ایک مطلوب کی طرف اشارہ اور دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العزت کا دیدار کیا اور اس کا کلام سنا۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس میں دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی یہ دو صفتیں بیان فرمائیں۔ اگر یہ دونوں صفات اس کی صفات ذاتیہ لازمہ سے ہیں۔ اور ہر احوال میں وہ ان سے موصوف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کے اندھیرے میں آپ کی حفاظت فرمائی۔ آپ کی دعا سنی اور آپ کے سوال کو قبول فرمایا۔

جوہر ۳: باب دوم میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کے بارے میں کچھ گفتگو فرمائی۔ ایک آیت یہ بھی ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ (النجم)۔ پھر وہ قریب ہوا پس اور قریب ہوا۔ اس میں کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے اور یہی مشہور بھی ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے۔ یعنی جب حضرت جبرئیل نے اپنے بازو افق اعلیٰ میں پھیلائے۔ پھر اس کے بعد اس صورت میں آ گئے جس میں ان کے اترنے کا معمول تھا۔ اور اس صورت میں متشکل ہو کر حضور کے قریب ہوئے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب افق اعلیٰ پر مستوی ہو گئے۔ جو زمین سے بہت دور ہے۔ پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گئے۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کی عظمت جو بھی تھی، دیکھی تو آپ نے اس کو ہولناک پایا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسانی صورت میں متشکل کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ گئے۔ اور وحی کی۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ لفظ دنو اور تدلی دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اس میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (النجم:9) کا معنی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور یہ (دو کمانوں یا اس سے کم فاصلہ)

عرب استعمال کرتے ہیں۔ ان کی عادت تھی۔ کہ ان میں سے دو امیر یا بڑے آدمی جب صلح کرتے۔ اور ایک دوسرے سے جھگڑا ختم کرنے کا عہد کرتے۔ تو دونوں اپنی اپنی کمان نکالتے۔ پھر ہر ایک اپنی کمان کے سرے دوسرے کی کمان کے سروں سے جوڑ دیتا۔ اور اگر عام آدمی صلح کرتے۔ تو ایک اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں رکھتا۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ کو خریدار کی طرح کھینچتے۔ اسی لئے اس کو ''مبایعت'' کا بھی نام دیا گیا ہے۔

جوہر ۴: تیسرے باب میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کو زیر بحث لایا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ راجح یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جس آیت میں ''ادراک'' کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔ اس کا آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس سے مراد ''احاطہ'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب آیت مذکورہ احاطہ کی نفی میں بطور نص وارد ہے۔ تو اس سے بغیر احاطہ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہوگی۔ یعنی ایسا دیکھنا جس سے کوئی گوشہ اوجھل نہ رہے۔ یہ رویت کسی آنکھ کے بس میں نہیں۔ اور اس کے علاوہ دیکھنا اس کی نفی نہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ضرور لیکن بالا حاطہ نہیں۔

جوہر ۵: چوتھے باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کے زمان ومکان کے بارے میں کلام کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ واقعہ اسراء کا مکان ''حجر'' ہے اور اس کا وقت ہجرت سے ایک سال پہلے اور بعثت کے بعد کا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔ ابن حزم نے اس میں ذرا مبالغہ سے کام لیکر اسے ''اجماع'' کہا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے واقعہ معراج ہوا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس مہینہ میں ہوا؟۔ علامہ ابن اثیر اور ایک جماعت نے اس پر جزم کیا کہ یہ واقعہ ربیع الاول کی ستائیسویں شب کو ہوا۔ امام نووی نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہی لکھا ہے۔ اسنوی نے ''مہمات'' میں، اذرعی نے ''وسیط'' میں، زرکشی نے ''خادم'' میں اور دمیری نے ''حیاۃ الحیوان'' میں اسے نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی کتب میں اسے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ واقعہ معراج ''رجب'' میں ہوا۔ امام نووی نے ''روضۃ'' میں امام رافعی کی اتباع کرتے ہوئے اس پر جزم کیا ہے۔ تیسرا قول ''رمضان'' میں ہے۔ چوتھا ''شوال'' بھی آیا ہے۔ ابن عطیہ نے اس بارے میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا۔ تحقیق یہ ہے کہ واقعہ معراج صحیفہ کے پھاڑنے یا پھٹنے کے بعد ہوا۔ اھ۔ ''بیعت عقبہ'' سے پہلے ہوا۔ ابن دحیہ نے لکھا۔ ممکن ہے کہ

اس دن کا تعین اس طرح کیا جائے کہ معراج کی رات گزرنے پر جب صبح ہوئی۔ وہ پیر کا دن ہو۔ اس کے بعد انہوں نے حساب کے مقدمات سے دلیل ذکر کی۔ جو ہجرت کی تاریخ سے شروع کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن دحیہ نے استنباط کیا اور کوشش کی کہ یہ ثابت کیا جائے۔ کہ جب آپ کی پیدائش، بعثت، ہجرت اور وصال شریف بھی اہم باتیں پیر کے دن ہوئیں۔ تو نبوت کے ان مختلف اہم واقعات یعنی آپ کا وجود، نبوت، معراج، ہجرت اور وفات کا جب تعلق پیر کے دن کے ساتھ ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیر کا دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اسی طرح ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں "جمعہ" تھا۔ اسی دن حضرت آدم پیدا ہوئے۔ اسی میں زمین پر تشریف لائے۔ اسی دن اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اسی دن انتقال فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود اور دینی اطوار کا تعلق ایک مخصوص دن کے ساتھ تھا۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ دونوں نے فرمایا۔ "وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ فِيْهِ بُعِثَ وَ فِيْهِ عُرِجَ اِلَى السَّمَاءِ وَ فِيْهِ مَاتَ" حضور سرور کائنات ﷺ کی پیر کے دن ولادت ہوئی۔ اسی دن مبعوث ہوئے، اسی دن آسمانوں کی طرف بلند لے جائے گئے اور اسی دن وصال فرمایا۔ "عُرِجَ اِلَى السَّمَاءِ" سے مراد رات ہے۔ اس لئے معراج شریف بالاتفاق رات کے وقت ہوئی۔

جوہر ٦: باب پنجم میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراء کی کیفیت اور اس کے تکرار وعدم تکرار پر گفتگو کی۔ لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ "اسراء" کے صحیح ہونے میں کوئی خلاف نہیں۔ اس لئے کہ یہ علی سبیل الاجمال قرآن کریم کی "نص" سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل اور اس میں دیکھے گئے عجائبات کی شرح احادیث کثیرہ میں وارد ہے۔ جو کتب احادیث میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کی روایات صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اس بارے میں ہے کہ اسراء کی کیفیت کیا تھی۔ پس علماء کرام کے اس بارے میں چند اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین قول جو اکثریت کا موقف ہے یہ ہے کہ یہ واقعہ روح اور جسم دونوں کے ایک ساتھ حالت بیداری میں ہوا۔ خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے ابتداء ہوئی۔ بیت المقدس پھر آسمانوں کی طرف پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں تک اللہ رب العلی نے چاہا آپ کو لے گیا۔ قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے فرمایا۔ یہی حق ہے۔ اور اس پر آیت کی نص دلالت کرتی ہے۔ اور آسمانوں تک جانے کی روایات صحیح اور مستفاض ہیں۔ آیات اور اس بارے میں وارد احادیث کے

ظاہر سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ ہی اس بارے میں جو الفاظ آئے ذہن کو ان کے متبادر حقیقی مفہوم سے ہٹا کر تاویل کی طرف لے جانے کی ضرورت ہے۔ ہاں جہاں ظاہری مفہوم اور الفاظ کا حقیقی معنی محال ہو۔ وہاں تاویل کی جا سکتی ہے۔ لیکن ''اسراء'' میں جب اسے جسم و روح کے ساتھ اور حالت بیداری میں ہونا کہا جائے تو اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے تاویل کی طرف جانا پڑے۔ اس لئے کہ اگر یہ واقعہ خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِرُوْحِ عَبْدِهٖ'' پاک ہے وہ جو اپنے بندے کے روح کو لے گیا۔ لفظ ''عبدہ'' نہ فرماتا۔ اور لفظ ''عبد'' کا حقیقی معنی روح مع جسم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۰﴾ (النجم)۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عجائبات ملکوت میں سے جن کو دیکھنے کا حکم دیا گیا آپ نے ان کو دیکھنے سے عدول نہ کیا۔ اور نہ ہی ان سے تجاوز کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے جسم اطہر کے ساتھ جاگتے ہوئے یہ واقعہ سرانجام دیا۔ اس لئے کہ آیت مذکورہ میں ''بصر'' کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ''بصر'' آنکھ کو کہتے ہیں۔ اور آنکھ سے دیکھنا حالت بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی شہادت یہ آیت دے رہی ہے۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی آیات دیکھیں۔ اور اگر واقعہ معراج خواب میں ہوتا۔ تو اس میں نہ کوئی آیت ہوتی اور نہ ہی خارق عادت معجزہ ہوتا۔ جس کی صداقت کی ضرورت پڑتی۔ اگرچہ حضرات انبیاء کرام کے خواب بھی ایک قسم کی ''وحی'' ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ خواب میں معراج کرنا کوئی بہت بڑا کام نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس میں وہ معجزہ ہو سکتا یہ جو جاگتے ہوئے سرانجام دینے سے ہوتا ہے۔ اور اگر خواب میں ہی ہوتا۔ تو کافر اسے کوئی اہمیت نہ سمجھتے۔ اور نہ ہی اسے بعید از فہم قرار دیتے۔ نہ ہی اس کی تکذیب کرتے۔ اور نہ ہی اسلام میں کمزور لوگ ارتداد کا شکار ہوتے۔ نہ ہی لوگوں کا اس میں امتحان ہوتا۔ چونکہ عادت کے اعتبار سے اتنی دور کی مسافت بہت سے مختصر وقت میں جاگتے ہوئے کرنا یہ بعید از فہم تھا۔ اگر خواب کا معاملہ ہوتا۔ تو اس قدر کم وقت میں اس سے بھی دور کی مسافت طے کی جا سکتی ہے۔ اسے کافر کوئی اہم بات نہ جانتے۔ اس لئے کفار کا اسے بعید از فہم سمجھنا، اس کی تکذیب کرنا، اس سے ضعیف الاعتقاد لوگوں کا مرتد ہو جانا اور آزمائش میں پڑنا صرف اسی وجہ سے ہوا۔ کہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ معراج کو بیان کرنا آپ کے جسم کے ساتھ ہوا اور حالت بیداری میں ہوا۔

امام بخاری نے ''باب اسراء'' میں اپنی صحیح میں اور حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60) ہم نے آپ کو جو رؤیا دکھائی وہ صرف اس لئے دکھائی کہ لوگوں کیلئے آزمائش ہو۔ میں ''رؤیا'' سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب اسراء دیکھا۔ اس میں حضرت سعید بن منصور نے یہ لفظ زیادہ ذکر کئے۔ یہ رؤیا خواب دیکھنا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آنکھ کا رؤیا اس لئے کہا کہ قلب کے رؤیا سے احتراز ہو جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''قلب کا دیکھنا'' بھی ثابت فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪۔ دل نے جو دیکھا وہ جھوٹ نہیں کہا۔ اور قرآن کریم میں ہی آنکھ کا رؤیا بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ⑰ (النجم)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شب اسراء کے رؤیا کے بارے میں جو فرمایا کہ یہ آنکھ سے دیکھنا تھا۔ اسی پر جناب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جزم فرمایا۔ اور یہی صحیح ہے۔

جوہر ۷: چھٹے باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض گمراہوں کے شبہات کا جواب لکھا۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ''معراج'' محال ہے۔ لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسراء کے واقعہ کا کوئی ایک بھی مسلمان مخالف نہیں۔ اس میں اگر کسی نے طعن کیا ہے تو وہ گمراہ لوگ ہیں۔ جن کے شبہات باطلہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ امام رازی وغیرہ حضرات نے ان کی تردید میں خوب لکھا ہے۔ میں بھی ان کے شبہات لکھتا ہوں۔ اور پھر ان کا رد بھی تحریر کرتا ہوں۔

شبہات۔ اہل زیغ وضلال کہتے ہیں۔ حرکت کا تیز ہونے کے باوجود اس حد تک پہنچنا غیر معقول ہے۔ اگر کوئی متحرک آسمانوں کی طرف چڑھ جائے۔ تو افلاک کا خرق (یعنی ان میں کوئی دراڑ پڑ جانا کہ جس سے متحرک گزر کر آگے جائے) کا ہونا واجب ہوگا۔ اور افلاک کا خرق محال ہے۔ اور ثقیل چیز کا آسمانوں پر چڑھ جانا بھی غیر معقول ہے۔ ان باتوں کے مدنظر رکھ کر اگر معراج کا واقعہ صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ معجزہ تمام معجزات سے بڑا ہوتا۔ اور لازم تھا کہ اتنے بڑے معجزہ کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جاتا۔ حتیٰ کہ لوگ اسے دیکھ کر استدلال کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی دعوائے نبوت میں سچے ہیں۔ اور اگر ایسا عظیم معجزہ ایسے وقت میں ہو۔ جس میں کوئی بھی دیکھ نہ رہا ہو۔ اور نہ کوئی موجود ہو تو پھر یہ عبث ہوگا۔ اور صاحب حکمت کیلئے غیر مناسب ہوگا۔؟

جواب شبہ اولیٰ: (چونکہ عبارت بالا میں چار شبہات ہیں۔ اس لئے علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ان

کے چار جوابات دیں گے۔) تیز حرکت کا اس حد تک پہنچنا فی نفسہٖ ممکن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس کے امکان وصحت پر یہ بات دلالت کرتی ہے۔ کہ "فلک اعظم" رات کے ابتدائی حصہ سے آخری رات تک جو چکر لگاتا ہے۔ وہ تقریباً پورے چکر کا نصف ہوتا ہے۔ اور علم ہندسہ میں ثابت ہے کہ قطر کی نصف دائروں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسی ایک کی نسبت تہتر کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر فرض کرلیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف سے فلک اعظم کے اوپر تک جو بلندی پر تشریف لے گئے۔ تو آپ نے نصف قطر کی مقدار حرکت کی۔ پھر جب اس نصف قطر کو طے کرنے میں نصف چکر کے برابر وقت صرف ہوا تو نصف قطر کی مقدار حصول حرکت بطریقہ اولیٰ ہوا۔ لہٰذا یہ دلیل قاطع ہے کہ مکہ شریف سے مافوق العرش تک بلندی پر جانا اور وہ بھی رات کے تہائی حصہ میں ایسا کام ہے جو فی نفسہٖ ممکن ہے۔ جب ایک تہائی رات میں ایسا ممکن ہوا۔ تو پوری رات میں اتنی مسافت طے کرنا بطریقہ اولیٰ ممکن ہوئی۔

علاوہ ازیں علم ہندسہ میں یہ بھی ثابت ہے کہ سورج کا قرص (گول دائرہ) زمین کی گولائی سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ پھر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اتنا بڑا سورج ایک مختصر سے وقت میں طلوع ہو جاتا ہے۔ (تقریباً پانچ منٹ میں) جس سے معلوم ہوا کہ کسی متحرک کی حرکت تیزی سے اس کے برابر پہنچ سکتی ہے۔ یہ بات فی نفسہٖ ممکن ہے۔ اگر گفتگو ایسے شخص کے ساتھ ہوتی۔ جو علم ہندسہ سے ناواقف ہوتا۔ تو ہم اسے یوں کہتے کہ تو روزانہ سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھتا ہے جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک دن میں اتنی طویل مسافت طے کر جاتے ہیں جو کئی سالوں میں طے کرنا طاقت سے باہر ہے۔ جب یہ چیزیں روزانہ اتنا لمبا سفر کرتی ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ شریف سے عرش معلّٰی سے اوپر تک سفر کرنا کیونکر ممکن نہیں۔

اور یہ بھی کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام (کے تخت) کو ہوائیں مختصر وقت میں کہیں سے کہیں دور جگہ لے جایا کرتی تھیں۔ جس کیلئے وقت بہت کم صرف ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ" ان کا صبح کا سفر ایک مہینہ سفر کی مسافت کے برابر اور ان کا پچھلے پہر کا چلنا اس قدر مسافت والا تھا۔ اور ہماری حس بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ کہ ہوا جب تیز چلے تو مختصر سے وقت میں ایک جگہ سے بہت دور دوسری جگہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اس شخص نے جس کو "علم من الکتاب" تھا۔ اس نے بلقیس کی کرسی (تخت) اقصیٰ یمن سے اٹھا کر سرزمین شام پر لائی۔ اور اس میں وقت صرف اتنا لگا کہ آنکھ بھی جھپکنے نہ پائی تھی۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ تمام جسم اپنی تمام ماہیت میں ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب اس قسم کی تیز حرکت بعض

اجسام کو حاصل ہے تو اس کے حصول کو دیگر اجسام کیلئے تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ پس یہ ممکن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں اس قدر تیز حرکت پیدا فرما دے۔ جس سے آپ ایک مختصر سے وقت میں مکہ سے عرش اعلیٰ سے اوپر تک آ جاسکیں۔

جواب شبہ ثانیہ: یعنی افلاک کا خرق۔ یہ بھی محال نہیں ہے۔ خرق افلاک کو محال کہنے والوں نے اپنے اسی نظریہ کی بناء پر جنت و دوزخ کا انکار کیا ہے۔ علامہ شیخ سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ معراج شریف کے واقعہ کے بارے میں محال ہونے کا دعویٰ کرنا ''باطل'' ہے۔ اس لئے کہ یہ دعویٰ فلاسفہ کے اس قانون پر کیا گیا ہے۔ کہ آسمانوں میں خرق والتیام محال ہے۔ حالانکہ اہل حق کے نزدیک آسمانوں کا خرق والتیام واقع ہے۔ (خرق والتیام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز آسمان سے اوپر جائے گی۔ تو لازماً آسمان میں سے گزر کر جائے گی۔ اور گزرنے کیلئے کوئی سوراخ یا دراڑ وغیرہ پڑے گی۔ جب چیز گزر گئی۔ تو سوراخ بند ہو جائے گا۔) اور جسم خواہ علوی ہو یا سفلی۔ ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ اور سبھی ایسے جوہر سے مرکب ہوتے ہیں جو سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس لئے جو بات کسی ایک جسم کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ وہ دوسرے کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ کیونکہ تماثل کیلئے ایسا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اب جبکہ اجسام سفلیہ (یعنی زمین اور اس پر موجود مختلف اجسام) میں خرق و التیام ممکن ہے۔ تو اجسام علوی میں بھی جسم ہونے کے اعتبار سے خرق والتیام ممکن ماننا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ لہٰذا وہ آسمانوں کے خرق والتیام پر بھی قادر ہے۔ اور اس بارے میں آیات و احادیث بھی موجود ہیں۔ اس لئے معجزۂ معراج کی تصدیق کرنا واجب ہے۔

جواب شبہ ثالثہ: جس طرح کسی کثیف اور بھاری جسم کا (تمہارے خیال کے مطابق) اوپر چڑھنا بعید از عقل ہے۔ اسی طرح کسی لطیف روحانی جسم کا عرش اعلیٰ سے مرکز کائنات کی طرف نیچے آنا بھی بعید از عقل ہے۔ لہٰذا اگر رات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کے ممتنع ہونے کا قول کرتے ہو۔ اور اسے قبول کرنے سے گریز کرتے ہو تو پھر جبریل علیہ السلام کا ایک لمحہ میں عرش معلیٰ سے مکہ مکرمہ میں آنا بھی ممتنع ماننا پڑے گا۔ اور ثبوت معراج کا قول، اصل نبوت کے جواز کو تسلیم کرنے کی ایک فرع ہے۔ لہٰذا جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ اس قدر حرکت کا حصول ممتنع ہے۔ اسے حضرت جبرئیل کی حرکت نزول کو بھی لازماً ممتنع ماننا پڑے گا۔ جب یہ باطل ہے۔ تو پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ جو واقعہ معراج کے بارے میں کہتے ہو وہ بھی باطل ہے۔

جواب شبہ رابعہ: رات میں واقعہ معراج کے ہونے میں بہت سے فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ ''ایمان

بالغیب'' میں زیادتی اور پختگی آ جائے۔ یعنی مومنوں کا جب بہت سی باتوں پر ایمان بالغیب ہے۔ وہ دیکھی نہیں۔ پھر بھی ان کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان ان دیکھی باتوں میں ایک اور بات کا اضافہ ہونے کی وجہ سے ایمان بالغیب میں اضافہ ہو جائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جن لوگوں کی طبیعت فتنہ پرور ہے۔ جو اسلام وایمان کی باتوں سے فتنہ وآزمائش کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی آزمائش میں اضافہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے جو آپ کو رؤیا دکھائی وہ اس لئے دکھائی تا کہ لوگوں کیلئے امتحان وآزمائش ہو جائے۔ تیسرا فائدہ یہ کہ رات کا وقت'' خلوت واختصاص'' کا وقت ہوتا ہے۔ اور بادشاہ کے پاس دن کے وقت بیٹھنے والوں اور رات کے وقت بیٹھنے والوں میں بہر حال واضح فرق ہوتا ہے۔

اَللَّيْلُ لِيْ وَلِاَحْبَابِيْ اُنَادِمُهُمْ قَدِ اصْطَفَيْتُهُمْ كَيْ يَسْمَعُوْا وَ يَعُوْا

رات میرے لئے اور میرے دوستوں کیلئے ہے۔ میں انہیں اپنے قریب کرتا ہوں۔ بیشک میں نے ایسے لوگوں کو منتخب کر لیا تا کہ وہ سنیں اور اسے محفوظ رکھیں۔

اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی علامات بھی بتائیں جن سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے بیت المقدس کے اوصاف بیان فرمائے۔ اور اس قافلہ کی بابت بتایا۔ جس کے قریب سے آپ گزرے۔ اور بتایا کہ وہ قافلہ فلاں وقت تمہارے پاس آ جائے گا۔ پھر ایسے ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا۔ اس کے باوجود مخالفوں نے اسے'' کھلا جادو'' کہا۔ لہٰذا اس میں کوئی فرق نہ پڑتا کہ اگر یہ واقعہ دن کے وقت ہوتا۔ تب بھی ان بدنصیبوں نے یہی کہنا تھا۔ خواہ انہیں کوئی ایسا آدمی بتاتا جس کی خبر پر انہیں یقین ہوتا۔ یا کوئی اور بتاتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آنکھوں سے چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ لیکن پھر بھی تسلیم کرنے کی بجائے'' هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ'' ہی کہا تھا۔

جوہر ۸: علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں باب میں'' شق صدر'' پر گفتگو کرتے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (انشراح)۔ کیا ہم نے آپ کیلئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع نہیں کر دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مناجات اور خلق خدا کی دعوت کی اس میں وسعت وگنجائش آ گئی۔ یا ہم نے اس میں جو کچھ بطور امانت رکھا ہے۔ اس کیلئے اس میں وسعت نہیں کر دی؟ اور ہم نے اس سے جہالت کی تنگی کو دور نہیں کر دیا۔ یا ہم نے القائے وحی کا معاملہ آپ پر آسان نہیں کر دیا جبکہ پہلے یہ آپ

پرشاق گزرتا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ آیت مذکورہ میں ''انشراحِ صدر'' سے اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے بچپن کے دور میں آئے۔ یا میثاق لئے جانے کے دن کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب انور نکالا۔ اسے دھویا اور اس میں ایمان وعلم بھر دیا۔ اور ہوسکتا ہے کہ جو پہلے بیان ہو چکا اس جیسے کسی معاملہ کی طرف اشارہ ہو۔ (انتہی کلام البیضاوی)۔

علامہ بیضاوی نے جو''اخذ میثاق'' کا ذکر فرمایا۔ اس سے مراد آپ کی بعثت مبارکہ کا دن ہے اور وہ دن ہے جس دن آپ کو نبوت عطا کی گئی۔ اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارکہ کا شق چار مرتبہ ہوا۔ جس کی کچھ تفصیل انہوں نے یوں بیان کی۔

اولیٰ: اس وقت شق صدر مبارک ہوا جب آپ چھوٹی عمر کے تھے۔ اور بنو سعد قبیلہ میں رہائش پذیر تھے۔ امام بیہقی نے ابراہیم بن طہمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے قول: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے مجھے حضرت قتادہ عن انس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ شَقَّ بَطْنَهُ مِنْ عِنْدِ صَدْرِهٖ اِلٰی اَسْفَلَ بَطْنِهٖ وَ اسْتَخْرَجَ مِنْهُ قَلْبًا اِلٰی آخِرِهٖ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بطن مبارک سینہ کی طرف سے لیکر نیچے تک پھاڑا گیا اور اس سے آپ کا قلب انور نکالا گیا...... امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے۔ آپ اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبرئیل نے آپ کو پکڑا۔ اور بیہوش کر دیا۔ پھر آپ کے قلب انور کے اوپر سے جسم کو پھاڑ کر اندر سے دل نکالا۔ پھر دل کو چیرا۔ پس اس سے جما ہوا تھوڑا سا خون نکالا۔ اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ پھر اسے ایک تھال میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا۔ جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد اسے سی دیا اور واپس اس کی جگہ رکھ دیا۔ دوسرے بچوں نے جب یہ دیکھا۔ تو دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے۔ اور آپ کا رنگ مرجھایا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں آپ کے سینہ مبارکہ کے سیئے جانے کے نشانات آپ کے سینہ پر دیکھا کرتا تھا...... امام احمد، دارمی، حاکم نے روایت کی۔ جس کی طبرانی اور بیہقی وابو نعیم نے تصحیح کی۔ روایت حضرت ابن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ بنی سعد بن بکر قبیلہ کی ایک عورت میری تربیت کیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں اور اس کا بیٹا چند بکریوں کے بچوں کے ساتھ باہر گئے۔ جو اس عورت کے تھے۔ ہم نے کھانے پینے کیلئے کچھ بھی ساتھ نہ لیا۔ میں نے اپنے رضاعی بھائی سے کہا۔ جاؤ اور گھر سے جا کر امی جان سے کھانے پینے کا سامان لے آؤ۔ چنانچہ میرا بھائی گھر کی طرف چل پڑا۔ اور میں بکریوں کے پاس ہی کھڑا رہا۔ اچانک دو پرندے میری طرف بڑھے جیسا کہ وہ دو گدھ ہوں۔ ایک نے دوسرے پرندے سے پوچھا۔ کیا یہ بچہ وہی ہے؟ اس نے کہا ہاں وہی ہے۔ دونوں آگے بڑھے۔ مجھے پکڑا اور پشت کے بل لٹا دیا۔ میرا پیٹ پھاڑا۔ پھر انہوں نے میرا دل نکالا۔ اسے چیرا اور اس سے دو لوتھڑے سیاہ رنگ کے نکالے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ مجھے ٹھنڈا پانی دو۔ پانی لایا گیا۔ تو دونوں نے میرے پیٹ کے اندر کا حصہ اس سے دھویا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔ ٹھنڈا پانی مجھے پکڑاؤ۔ پھر اس پانی سے انہوں نے میرا دل دھویا۔ پھر ایک نے دوسرے کو کہا۔ مجھے چھری پکڑاؤ۔ چنانچہ اس نے چھری لیکر میرے دل میں لکیر ڈالی۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔ اسے بند کرو۔ بند کر کے اس پر خاتم نبوت کی مہر لگائی گئی۔ اس سے آگے تک حدیث ذکر کی۔

ثانیہ: دوسری مرتبہ آپ کا جب سینہ مقدسہ چاک کیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے "زوائد المسند" میں ایسی سند سے روایت ذکر کی ہے۔ جس کے رجال (راوی) ثقہ ہیں۔ اور ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر اور "مختارۃ" میں ضیاء نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔ کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! نبوت کے معاملات میں سے سب سے اول بات کیا تھی جس سے اس کی ابتداء ہوئی؟ ارشاد فرمایا۔ میں دس سال کا تھا۔ اور صحراء میں تھا۔ کہ اچانک دو مرد سر پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ کیا یہ وہی ہے؟ پھر دونوں میری طرف بڑھے۔ ان کے چہرے ایسے تھے کہ میں نے کسی مخلوق کے ایسے چہرے نہ دیکھے۔ اور ان سے ایسی خوشبوئیں مہکیں کہ میں نے ہرگز کبھی ایسی خوشبو نہ محسوس کی۔ ان کے کپڑے ایسے کہ کسی کو ایسے کپڑے پہنے میں نے نہیں دیکھا۔ چلتے چلتے میرے قریب آ گئے۔ حتیٰ کہ ہر ایک نے میرا ایک ایک بازو پکڑ لیا۔ لیکن مجھے ان کے پکڑنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اسے لٹا دو۔ پس دونوں نے مجھے آرام سے لٹا دیا۔ یعنی نہ ان میں سے کوئی جھکا اور نہ ان کے کپڑوں میں ڈھیلا پن پیدا ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھے پشت کے درمیانہ حصہ پر لٹا دیا۔ پھر میرا پیٹ چیرا۔ یہ لفظ بھی آئے ہیں۔ ایک نے

ساتھی سے کہا۔ اس کا سینہ چیرو۔ تو ان میں سے ایک نے میرا سینہ پھاڑا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ نہ کوئی خون نکلا۔ نہ کسی قسم کا درد ہوا۔ ان میں سے ایک سونے کے تھال میں پانی لئے کھڑا تھا۔ دوسرا میرے پیٹ کو اندر سے دھو رہا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ اس کا سینہ چیرو۔ اس کے ساتھ ہی میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میرا سینہ چرا ہوا تھا۔ مجھے کوئی درد نہ ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ اس کا دل چیرو۔ اس نے میرا دل چیر دیا۔ کہنے لگا۔ اب اس سے کینہ اور حسد باہر نکال پھینکو۔ تو اس نے جمے ہوئے خون کی مانند ایک چیز نکالی اور پھینک دی۔ پھر اس نے کہا۔ اب اس میں رأفت و رحمت بھر دو۔ پس اس نے ایک پیالہ کی مانند کوئی چیز اس میں ڈالی۔ پھر ایک مہر نکالی۔ جس سے اس پر نشان لگا دیا۔ پھر میرے انگوٹھے پر چٹکی بھری اور کہا۔ اٹھ جا۔ سلامتی میں رہو۔ پھر میں ایسا ہو گیا۔ کہ ضعیف دیکھ کر مجھے ترس آ جاتا۔ اور بڑے کو دیکھ کر میرا دل نرم ہو جاتا۔

ثالثہ: تیسری مرتبہ ''شق صدر'' بعثت مبارکہ کے وقت ہوا۔

ابو داؤد، طیالسی اور حارث ابن ابی اسامۃ نے اپنی اپنی مسند میں، بیہقی اور ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کی نذر مانی۔ جو ایک مہینہ کا تھا۔ اتفاق سے اس نذر کے پورا کرنے کا موقعہ رمضان میں ملا۔ پس آپ ایک رات باہر تشریف لائے۔ تو آپ نے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ'' کی آواز سنی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ کسی جن کی اچانک آواز ہوگی۔ میں جلدی جلدی واپس آ گیا۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ کے پاس آ گیا۔ وہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ آپ کو کیا ہوا؟ میں نے واقعہ بتایا۔ کہنے لگیں۔ خوشخبری ہو۔ السلام کے الفاظ ''خیر'' بتاتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں پھر باہر نکلا۔ تو اچانک جبرئیل سامنے آ گئے۔ ان کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں تھا۔ میں دیکھ کر ڈر گیا۔ تو جلدی سے واپس آ گیا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ میرے اور دروازے کے درمیان جبرئیل کھڑے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ میں ان سے مانوس ہو گیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا۔ اور چلے گئے۔ میں وعدہ کے مطابق آ گیا۔ لیکن کافی انتظار کے بعد جب دیکھا کہ جبرئیل نہیں آ رہے۔ تو میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ تو اس ارادے کے فوراً بعد میں نے دیکھا کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں موجود ہیں۔ انہوں نے آسمان کے کنارے بھی ڈھانپ رکھے تھے۔ یعنی آسمان کے چاروں طرف تک پھیلے ہوئے تھے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نیچے زمین پر آ گئے۔ اور میکائیل آسمان و زمین کے درمیان ہی موجود رہے۔ حضرت جبرئیل نے مجھے خبر دی۔ پھر انہوں نے مجھے پشت

کے بل زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے دل کے اوپر سے میرا جسم چیرا۔ پھر دل نکالا اور اس میں سے جو اللہ نے چاہا نکالا۔ پھر دل کو ایک تھال میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد اسے اپنی جگہ جسم میں رکھ دیا۔ پھر اسے سی دیا۔ اس کے بعد برتن کی طرح مجھے اوندھا کیا۔ پھر میری پشت پر مہر لگا دی۔ حتیٰ کہ میں نے مہر کو محسوس کیا۔ اس کے بعد بقیہ حدیث ذکر کی۔

**رابعہ: چوتھی مرتبہ "شب اسراء" میں آپ کا سینہ مبارکہ شق کیا گیا۔**

امام مسلم اور برقانی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں ایک مرتبہ اہل خانہ میں تھا۔ کہ کوئی آنے والا آیا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ زمزم کی طرف لے گیا۔ پھر میرا سینہ پھاڑا گیا۔ پھر میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا۔ جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ ان دونوں کو میرے سینہ میں ڈال دیا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنا سینہ مبارکہ دکھایا۔ پھر مجھے ایک فرشتہ لیکر آسمان دنیا کی طرف چڑھا۔ اس کے بعد بقیہ معراج کی حدیث ذکر کی۔

امام احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا۔ کہ معراج کی رات میرے ساتھ کیا ہوا۔ فرمایا۔ میں حطیم میں تھا۔ یا بعض دفعہ حطیم کی بجائے آپ نے "حجر" فرمایا۔ وہاں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک کوئی آیا۔ اور اپنے ساتھی سے جو تین میں سے درمیان میں تھا کچھ کہا۔ وہ میرے قریب آ گیا۔ اور اس نے حلق سے نیچے کے حصہ سے بالوں تک کا حصہ چیرا۔ اس میں سے میرا دل نکالا۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایمان و حکمت سے بھرا سونے کا تھال لایا گیا۔ میرے دل کو دھویا گیا پھر اسے بھرا گیا اور واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر ایک چار پایہ لایا گیا۔ جو گدھے کے قد سے ذرا بڑا اور خچر سے ذرا چھوٹا تھا۔ الحدیث۔ اسے امام بخاری نے بطریق شریک عن انس رضی اللہ عنہ روایت کیا۔

**جوہر ۹:** حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں باب میں "شق" صدر کے متعلق کچھ احادیث ذکر کیں۔ جن میں کسی خاص زمانے کا ذکر نہیں۔ لکھتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ نبی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ آپ واقعی نبی ہیں؟ فرمانے لگے۔ اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے۔ میں اس وقت مکہ شریف کی وادیوں میں سے ایک وادی میں تھا۔ ان میں سے ایک تو زمین پر اتر آیا۔ اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان موجود رہا۔

ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ یہ وہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔ اسے ایک مرد کے ساتھ تولو۔ جب مجھے اور اس مرد کو تولا گیا تو میں وزنی نکلا۔ پھر اس نے کہا دس مردوں کے ساتھ تولو۔ میں ان سے بھی وزنی نکلا۔ پھر سو سے تولنے کو کہا۔ میں ان سے بھی وزنی نکلا۔ پھر ہزار سے تولنے کو کہا۔ میں ہزار سے بھاری نکلا۔ اس کے بعد ترازو کو خالی کرالیا۔ اور ایک نے دوسرے سے کہا اگر تو انہیں ان کی پوری امت کے ساتھ وزن کرے گا تب بھی یہی وزنی ہوں گے۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اس کا پیٹ چیرو۔ اس نے میرا پیٹ چیر دیا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔ اس کے پیٹ کو اس طرح دھوؤ جس طرح برتن دھوئے جاتے ہیں۔ اور اس کے دل کو بھی نرمی سے دھوؤ۔ پھر سکینہ (چھری) منگوائی جو ایک چوڑی سفید پٹی کی طرح تھی۔ وہ میرے دل میں داخل کی گئی۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اس کے پیٹ پر لکیر لگاؤ۔ اور سی دو۔ چنانچہ اس نے میرا پیٹ سی دیا۔ اس کے بعد میرے دونوں کندھوں کے درمیان مہر لگائی۔ پھر وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ گویا اب میں اس کیفیت و حالت کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اسے دارمی، بزار، رویانی، ابن عساکر نے اور ضیاء نے مختارۃ کے اندر ذکر کیا ہے۔

جناب ابونعیم نے یونس بن میسرہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فرشتہ میرے پاس سونے کا ایک تھال لیکر آیا۔ پھر میرا پیٹ چیرا، پھر میرے پیٹ کے اندر سے دل نکالا، اسے دھویا، پھر اس پر نشان لگادیا، پھر کہا، بڑا بارعب دل ہے۔ اس میں دو آنکھیں دیکھنے والی ہیں۔ دو کان سننے والے ہیں، اور تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سب سے بعد میں آنے والا اور سب سے پہلے تیرا قلب سلیم، تیری زبان صادق، تیرا نفس مطمئنہ، تیرا خلق مضبوط اور سخی ہے۔

دارمی اور ابن عساکر نے ابن غنم سے روایت کی ہے۔ ابن غنم کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اور آکر آپ کا پیٹ چاک کیا۔ پھر جبرئیل نے کہا۔ مضبوط دل ہے۔ اس میں دو سننے والے کان اور دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ محمد رسول اللہ ہیں۔ سب سے آخر آنے والے اور سب سے پہلے اٹھنے والے ہیں۔ تمہارا خلق مضبوط ہے۔ تمہاری زبان صادق اور تمہارا نفس مطمئنہ ہے۔

''مغمز الشیطان'' سے مراد شیطان کا چٹکی بھرنا ہے۔ جو ہر پیدا ہونے کو وہ بھرتا ہے۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے والدہ اس سے محفوظ رہے۔ اس لئے کہ حضرت مریم کی والدہ ''حنہ'' کی دعا کی تھی۔ إِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ (آل عمران)۔ علامہ سہیلی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور سے شیطان کا حصہ نکال باہر کر دیا گیا تھا۔ اور اس کی جگہ ایمان و حکمت بھر دیئے گئے تھے۔ اور یہ حضرت جبرئیل روح القدس کے دھونے کے بعد ہوا...... حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بہترین خصلتوں اور تمام فضیلتوں کے جامع تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۱۰: حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں باب میں چند اہم تنبیہات ذکر فرمائیں۔ جن کا تعلق ''شق صدر'' سے ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

پہلی تنبیہ: علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تقریب'' کی شرح کے ابتداء میں لکھا ہے۔ شب اسراء کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کے واقعہ کی صحت سے ابن حزم اور قاضی عیاض نے انکار کیا ہے۔ اور ان دونوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ''شریک'' کی تخلیط ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں ''شریک'' کے طریقہ کے علاوہ دوسری سند سے ثابت ہے۔ اور امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''المفہم'' میں فرماتے ہیں۔ شب اسراء میں ''شق صدر'' کے انکار کی طرف کوئی توجہ نہیں کرنا چاہیے۔ اسے کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ اس لئے کہ اس کے اثبات کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ بعض نے ''شب اسراء'' میں ''شق صدر'' کے واقعہ کا انکار کیا ہے۔ لیکن اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس کے اثبات میں بہت سی روایات وارد ہیں۔

دوسری تنبیہ: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''المفہم'' اور علامہ توریشتی نے ''شرح المصابیح'' میں اور علامہ طیبی نے ''شرح المشکوٰۃ'' میں اور حافظ ابن حجر اور علامہ السیوطی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر کیا ہے۔ کہ جو روایات ''شق صدر'' اور دل کے نکالے جانے وغیرہ کے متعلق وارد ہیں۔ وہ ایسی ہیں کہ ان کا تسلیم کیا جانا واجب و لازم ہے۔ نہ کہ ان کے حقیقی مفہوم سے کسی دوسری طرف رخ کریں۔ اس لئے کہ قدرت باری میں اس کی صلاحیت موجود ہے۔ ان باتوں میں سے کوئی بھی چیز محال نہیں ہے۔ اور اس کی حدیث صحیح بھی تائید کرتی ہے۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس پر سلائی کے نشانات بارہا دیکھے۔

علامہ حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وقت کے جاہلوں نے جو یہ کہا۔ کہ ''شق صدر'' درست نہیں۔ اس کے ظاہری مفہوم کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس (شق صدر) سے مراد معنوی شق لیتے ہیں۔ اور جو حضرات اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ان پر ''قلب حقائق'' کا الزام تھوپتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا

جہل صریح اور خطاءِ قبیح ہے۔ جوانہیں اس لئے ملی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے رسوائی اور ذلت مقدر میں رکھی تھی۔ اور اس لئے بھی کہ ان کا جھکاؤ علوم فلسفیہ کی طرف تھا۔ اور احادیث وسنت کے دقائق سے بہت دور تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اور ایسوں سے بچائے رکھے۔ آمین۔

تیسری تنبیہ: علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ شق کیا جانا اور اس پر آپ کا صبر کرنا اس قبیلے سے ہے۔ جس سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کو گزرنا پڑا۔ انہوں نے بھی چھری کے نیچے حلق رکھ دیا۔ اور صبر کیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ اس سے زیادہ مشکل اور اعلیٰ ہے۔ اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعات عارضی تھے۔ اور آپ کے حقیقی۔ اور یوں بھی کہ شق صدر ایک سے زائد مرتبہ ہوا۔ اور ذبح کا واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا۔ اور اس اعتبار سے بھی کہ اول مرتبہ جب شق صدر کا واقعہ ہوا۔ تو آپ اپنے گھر والوں سے دور تھے۔ اور زمانہ بچپن کا تھا۔

چوتھی تنبیہ: شیخ الاسلام ابوالحسن السبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو چاک کر کے جو سیاہ رنگ کا جما ہوا خون نکالا گیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ نیز فرشتے نے جو اس وقت کہا تھا۔ ''یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شیطان کا حصہ تھا'' اس کا کیا مفہوم ہے؟ موصوف نے جواب دیا۔ جما ہوا خون اللہ تعالیٰ ہر انسان میں پیدا کرتا ہے جس میں شیطان کے القاء کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں سے وہ بالکل نکال دیا گیا۔ جس کی وجہ سے شیطان کو القاء کیلئے کوئی جگہ دستیاب نہ ہو سکی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔ حدیث پاک کا یہ معنی ہے۔ رہا وہ جس کی فرشتہ نے نفی کی۔ وہ انسانی جبلت وفطرت کی ایک چیز ہے۔ پس اس چیز کو دور کر دیا گیا۔ جس میں یہ قابلیت تھی۔ وہ چیز ایسی تھی کہ اس کے حصول سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان کا القاء دل میں پھینکا گیا ہے۔ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ سے پھر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ میں اس صلاحیت کی یہ چیز پیدا ہی کیوں کی تھی؟ اور یہ ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا ہی نہ فرماتا؟ فرمایا۔ چونکہ یہ بھی انسانی اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔ پیدا اس لئے کیا تاکہ انسانی تخلیق کی تکمیل ہو جائے۔ اور جو عضو ضروری تھا۔ اسے بنایا جائے۔ پھر اسے وہاں سے ختم کر دینا اور نکال باہر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی کرامت اور اعزاز تھا۔

کچھ دوسرے حضرات نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو اس عضو کے بغیر پیدا فرماتا۔ تو انسانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کی اطلاع نہ ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ہاتھوں اس بات کو ظاہر فرمایا۔ تاکہ لوگوں کو آپ کے کمال باطن کی تحقیق ہو جائے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے سامنے مکمل ظاہر ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

**پانچویں تنبیہ:** شیخ ابو محمد بن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارکہ کو چیر کر اس سے قلب انور نکال کر اس میں ایمان وحکمت ڈالی گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بغیر ''شق'' کے بھی ڈال سکتا تھا۔ لیکن ایسا اس لئے ہوا۔ تاکہ یقین کی قوت میں زیادتی ہو جائے۔ اس طرح کہ جب آپ نے ''شق صدر'' ہوتے دیکھا اور اس کے دیکھنے کے باوجود آپ کی طبیعت میں کوئی اثر نہ ہوا۔ تو اس طرح آپ کو ایسی بے خوفی عطا ہوئی۔ اور ایسی چیزوں سے خوف جاتا رہا۔ جن سے عادۃً لوگ ڈرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ شجاع اور طاقتور تھے۔ یہ شجاعت گفتگو کے اعتبار سے بھی تھی اور حالت جسمانی کے اعتبار سے بھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ صفت بیان فرمائی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم)

**چھٹی تنبیہ:** حافظ فرماتے ہیں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ''شق صدر'' اور قلب انور کا دھویا جانا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ یا آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ علامہ طبری نے تابوت بنی اسرائیل کے تحت لکھا ہے۔ کہ اس تابوت میں ایک تھال بھی تھا۔ جس میں انبیاء کرام کے قلوب دھوئے جاتے رہے۔ علامہ کا یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دیگر انبیاء کرام بھی ''شق'' میں شریک تھے۔ لیکن علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شق صدر'' کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص کیا ہے۔

**ساتویں تنبیہ:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''شق صدر'' کے ایک سے زائد مرتبہ ہونے کی حکمت کیا تھی؟ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پہلا، دوسرا اور تیسرا شق صدر بیان کر کے ان کی حکمت یوں بیان کی۔ پہلی مرتبہ آپ کے بچپن کے دور میں ہوا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشو ونما کامل ترین حالات میں ہو۔ اور شیطان سے بالکل محفوظ رہیں۔ پھر جب بعثت کے وقت شق صدر ہوا۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے اکرام وتعظیم میں اضافہ ہو جائے۔ تاکہ جو احکامات اور القاء ربانیہ آپ کی طرف ہونے تھے۔ وہ مضبوط قلب کے ہوتے ہوئے تطہیر کے کامل ترین حالات میں ہوں۔ پھر تیسری مرتبہ معراج کے وقت ہوا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے کی تیاری ہو جائے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ سے سوال کیا گیا۔ کہ دوسری مرتبہ "شق صدر" میں کیا حکمت تھی؟ باوجود یکہ اس کو "کتاب التوحید" میں پورے یقین کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ لیکن احتمال ہے کہ یہ کہا جائے۔ جب عمر کے آٹھویں سال میں آدمی صاحب امتیاز ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے اچھے برے، نفع ونقصان وغیرہ کا امتیاز آنے لگتا ہے۔ تو اس عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "شق صدر" کیا گیا تاکہ آپ پر کوئی ایسی چیز مخفی نہ رہے۔ جو ایک مرد کیلئے عیب ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس دوسری مرتبہ "شق صدر" میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس کے ذریعہ تیسری مرتبہ کی تکمیل کو مکمل کیا جائے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں ایک اچھے کام کو تین مرتبہ کرنا اس کی تکمیل ہے۔ (جیسا کہ وضوء میں ہر عضو کا دھونا) اس طرح تین مرتبہ شق صدر مکمل کرنا تھا۔ جس کیلئے دوسری مرتبہ ہونا تکمیل کا ایک حصہ بنتا ہے۔

ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور مقدس ومطہر ہوتے ہوئے پھر دھویا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جو خیر و بھلائی اس میں ڈالی جانی تھی۔ اس کے قابل ہو جائے۔ پہلی مرتبہ دھویا گیا۔ جب آپ کی عمر بچپن کی تھی۔ اور اس نے جما ہوا خون نکالا گیا۔ تاکہ معراج شریف کے واقعہ میں جو کچھ عطا کیا جانا تھا۔ اور دل میں ڈالنا تھا۔ اس کی تیاری ہو جائے۔ کیونکہ اس کی بڑی عظمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت کئی مقامات میں رکھی ہے۔ جیسا کہ نماز کیلئے وضوء کا مسئلہ ہے۔ جس شخص کا پہلا سے ہی وضو ہو۔ وہ دوبارہ وضو کرتا ہے۔ تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس عظیم کام کی تیاری ہے۔ اور اس سے مناجات کرنے کیلئے ہے۔ اسی لئے وضوء صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر عضو وضو کو تین تین مرتبہ دھویا جاتا ہے۔ حالانکہ فرضیت طہارت صرف ایک مرتبہ دھونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن اقدس کے دھونے کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے یہ دلوں کا تقویٰ ہے (الحج:32)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کا دھویا جانا اسی قبیلہ سے تھا۔ اور اس میں آپ کی امت کیلئے عملی طور پر اشارہ تھا۔ کہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے۔ جیسا کہ قول کے ذریعہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت نے بطور نص شعائر اللہ کی تعظیم کے بارے میں کہا۔

علامہ برہان نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حرم شریف کے اندر جب "غسل" کو اچھا کہا گیا۔ تو تم اس غسل کے بارے میں کیا کہو گے جو بارگاہ قدسیہ میں ہوگا؟ جب حرم شریف "عالم ملک" سے ہے۔

یعنی کائنات ظاہریہ سے ہے۔اس کیلئے عالم معاملات میں ظاہری جسم کا غسل کیا گیا۔اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عالم ملکوت'' میں تشریف لے گئے۔ جو کائنات باطنیہ ہے۔تو وہاں غسل بھی حقیقات میں باطنی ہوگا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلندیوں پر لے جایا گیا۔تا کہ آپ پر صلوۃ وسلام بھیجا جائے۔اور آسمانی فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجیں۔اور ''صلوۃ'' کی شان ''طہور وطہارت'' چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری وباطنی طور پر پاک فرمادیا۔

اگر تم پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''نور'' بنایا جو حضرات انبیاء کرام سے منتقل ہوتا رہا۔اور ''نور'' میں ایسی صفائی ہوتی ہے۔ جسے مزید پاک کرنے کی حسی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر جب ایک مرتبہ پاک کر دیا گیا تو دوبارہ پاک کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کی طہارت ''باطنی تطہیر'' کیلئے ناکافی تھی۔اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نبوت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی ایسی چیز تھی۔ جو طہارت کی محتاج تھی۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشریت کے میل سے منزہ ہیں؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی مرتبہ آپ کے قلب انور کو غسل دیا جانا ''علم یقین'' کیلئے دوسری مرتبہ ''عین الیقین'' اور تیسری مرتبہ ''حق الیقین'' کیلئے تھا۔

آٹھویں تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شق صدر اور قلب انور کا چیرا جانا تکلیف کے بغیر ہوا۔اسی پر امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جزم کیا ہے۔فرماتے ہیں۔ فَشَقَّهُ وَمَا شَقَّ عَلَيْهِ۔ فرشتے نے قلب انور چاک کیا۔اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

نویں تنبیہ: یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا ''شق صدر'' کسی آلہ سے ہوا یا بغیر آلہ کے ہوا؟ اس سوال کا کسی نے جواب نہیں لکھا۔اور نہ ہی مجھے کسی ایسے مصنف وعالم کے بارے میں پتہ چلا۔ کہ اس کے متعلق انہوں نے کچھ لکھا یا کہا ہو۔کتب کثیرہ کی میں نے چھان بین کی۔لیکن اس موضوع پر کچھ نہ ملا۔اگر لفظ ''شق'' کے ظاہر کو دیکھا جائے۔تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی آلہ کی مدد سے ایسا کیا گیا۔اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں انہوں نے فرشتہ کا قول نقل کیا ہے۔ خُطَّ بَطْنَهٗ فَخَاطَهٗ۔ان کے پیٹ کو سی دو۔تو اس نے سی دیا۔اور حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے مروی لفظ میں ''مخصہ فخاصہ'' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ''كَانُوا يَرَوْنَ اَثَرَ الْمَخِيطِ فِيْ صَدْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سینہ مبارک پر سلائی (ٹانکوں) کے نشانات دیکھتے تھے۔یہ روایات بھی بتاتی ہیں۔ کہ شق صدر کسی آلہ سے کیا گیا۔

دسویں تنبیہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''وَاُتِيتُ بِالسَّكِينَةِ كَأَنَّهَا بَرْهُوهَةٌ فَوُضِعَتْ فِي صَدْرِي'' میرے پاس ایک چھری لائی گئی۔ جو ''برھوھۃ'' کی طرح تھی۔ پھر وہ میرے سینہ میں رکھی گئی۔ ابن انباری کہتے ہیں۔ ''اَلْبَرْهُوهَةُ السَّكِينَةُ'' وہ ہوتی ہے جس کا سرا ٹیڑھا ہو۔ جسے عام لوگ ''منجل'' کہتے ہیں۔ اردو میں ''درانتی'' کہتے ہیں۔

خطابی کہتے ہیں۔ مجھے ایک روایت ملی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''اِنَّهُ شَقَّ عَنْ قَلْبِهِ قَالَ فَدَعَا بِسَكِينَةٍ كَأَنَّهَا دِرْهَمَةٌ بَيْضَاءُ'' فرشتے نے میرے دل کے اوپر سے چیرا۔ پھر اس نے چھری منگوائی۔ جیسا کہ سفید درہم ہوتا ہے۔ اس روایت سے مجھے خیال آیا کہ ''برھوھۃ'' سے مراد سفید رنگ کی صاف لوہے کی بنی چھری ہے۔ جس کی سپیدی اور صفائی کو عورتوں کے ''برھوھۃ'' یعنی کنگن یا پازیب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ابن دحیہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں صواب یہ ہے کہ لفظ سکینہ کو کاف کی تخفیف سے پڑھا جائے۔ اس لئے کہ ''شق بطن'' کے بعد کہا گیا۔ کہ میرے پاس ایک سکینہ لائی گئی۔ جو سفید اور صاف تھی۔ پھر وہ میرے سینہ میں رکھی گئی۔ (اگر سکینہ کاف مشددہ کے ساتھ بمعنی چھری ہوئی تو پیٹ پھاڑنے سے پہلے یہ لائی جاتی۔ اور اس سے پیٹ چاک کیا جاتا۔ بعد میں لائی جانے والی چھری نہیں بلکہ ''سکینہ'' ہے) سکینہ بروزن فعیلۃ ہے۔ اور یہ لفظ قرآن کریم میں ''سکون'' کے معنی میں آتا ہے۔

گیارھویں تنبیہ: ''تھال'' کا خاص کر ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ عرف میں غسل کرنے کیلئے اکثر یہی برتن استعمال ہوتا تھا۔

بارھویں تنبیہ: تھال کو سونے سے بنا بتایا گیا۔ اس کے بارے میں علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے کی اس مقام پر اس معنی کے ساتھ بہت مطابقت ہے جس کا قصد کیا گیا اور اگر لفظ ''ذھب'' کو دیکھا جائے تو اس کی ''ذھاب'' یعنی کہیں جانا کے ساتھ مطابقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر طرح کی ناپاکی دور کر کے خوب طہارت کر دی جائے۔ اور اگر ''ذھب'' کے معنی کو دیکھا جائے اور اس کے اوصاف کی طرف نظر کی جائے۔ تو تم اسے بہت ستھری اور صاف چیز پاؤ گے۔

تیرھویں تنبیہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ سونا اور چاندی استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ اس لئے کہ خبر مذکورہ میں جس فعل کو ذکر کیا گیا وہ فرشتوں کا فعل ہے۔ اور انہوں نے سونے کا تھال استعمال کیا اور یہ لازم نہیں کہ جو حکم ان کیلئے ہو وہ ہمارے لئے بھی ہو اور

اس لئے بھی مذکورہ وہم درست نہیں۔ کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے چاندی کو حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ انتہیٰ اس لئے کہ مذکورہ حرمت مدینہ منورہ میں فرمائی۔ اور واقعہ معراج مکہ شریف سے تعلق رکھتا ہے۔

چودہویں تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو زمزم کے پانی سے دھونے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ تمام پانیوں سے افضل ''زمزم'' کا پانی ہے۔ امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر جزم کیا ہے۔ ابن جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ کے قلب پاک کو جنت کے پانی سے اس لئے نہیں دھویا گیا کہ جنت کا پانی ہونا زمزم میں بھی جمع ہے۔ یعنی یہ بھی جنتی پانی ہے۔ کیونکہ اس کی اصل جنت ہے۔ پھر اس پانی کا زمین میں استقرار ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس (زمزم) پانی سے دھلوا کر گویا یہ ارادہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ''زمین'' میں باقی رہے۔ دیگر علماء بیان فرماتے ہیں کہ زمزم کا پانی اصل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اسی سے انہوں نے تربیت پائی۔ اور اسی نے ان کا قلب وجسم پلا۔ اور حضرت اسماعیل اس پانی اور اس شہر (مکہ) کے آقا بن گئے۔ مالک بن گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا کہ ان کا صادق ومصدوق فرزند بھی ایسا ہی ہو۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے انتقال کے بعد اس کا حق صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ فتح مکہ کے دن جب اس کی ولائت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ نے ''سقایۃ'' کا معاملہ حضرت عباس اور ان کے بیٹوں کے سپرد کیا۔ بیت اللہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کا معاملہ عثمان بن شیبہ اور عقبہ کے پاس پھر ان کی اولاد کے پاس تا قیامت سپرد کر دیا۔

پندرہویں تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کو برف اور اولوں کے پانی سے دھونے کی حکمت یہ تھی۔ کہ جس طرح ان دونوں میں صفائی اور مٹی کے اجزاء کی آمیزش نہ ہونے کی وجہ سے خالص ہونا، پایا جاتا ہے۔ خاص کر مٹی کے اجزاء کی آمیزش کہ جن سے پانی گدلا ہو جاتا ہے۔ اور نجاست کے ذرات بھی ان میں شامل ہوتے ہیں۔ برف اور اولے ان سے صاف ہوتے ہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کیلئے ''صاف'' ہے۔ اور آپ کی شریعت مطہرہ اور روشن دین کا وقت آ گیا ہے۔ اور سینہ مبارکہ کے ٹھنڈا ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو دشمنوں کے خلاف کامیابی کیلئے کھول دیا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کا قلب انور اپنی امت کی مغفرت کے بارے میں ٹھنڈا رہے۔ مطمئن رہے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ کا قلب انور برف سے اس لئے دھویا گیا تا کہ اس سے یقین کی ٹھنڈک کی طرف اشارہ ہو۔ جو آپ کے قلب انور کو حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر اور قرأۃ کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَ بِالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ۔ اے اللہ! میری خطائیں برف اور اولوں سے دھو ڈال۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو ایسے پانی سے دھویا جائے۔ جو جنت سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے سونے کے تھال میں لایا گیا۔ جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ تا کہ آپ کا قلب انور جنت کی خوشبو سے معطر ہو۔ اس کی حلاوت پائے۔ جس کی وجہ سے دنیا میں وہ سب سے زیادہ ''زہد'' سے متصف ہو۔ اور لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دینے میں ''حریص'' ہو۔ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے دشمن آپ پر طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ سے انسانی طبیعت یعنی ''دل تنگی'' دور فرما دے۔ اور دشمنوں کے برے الفاظ سے آپ کی طبیعت نالاں نہ ہو۔ لہٰذا آپ کے قلب انور کو برف سے دھویا گیا۔ تا کہ قلب انور میں وسعت آ جائے اور تنگی دور ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (الحجر)۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان لوگوں کی باتوں سے تنگ پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کے قلب انور کو ایک سے زیادہ بار دھویا گیا۔ تا کہ اس میں ایسی پختگی اور وسعت آ جائے۔ کہ آپ کو تکلیف پہنچائی جائے، سر انور کو زخمی کیا جائے، دانتوں کو توڑا جائے جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا تو ان تمام تکلیف دہ باتوں کے جواب میں ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ'' ہی آپ کی زبان اقدس پر ہو۔

سولہویں تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ کے ''بطن'' کو دھویا گیا۔ اس مقام پر اس بطن کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے مراد ''اندر چھپی چیز'' ہے اور وہ ''دل'' ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں صرف ''قلب'' کا ذکر ہے۔ ''بطن'' کا ذکر نہیں۔ اور احتمال ہے کہ دونوں روایات اپنے ظاہر پر ہوں۔ ظاہر پہ رکھتے ہوں دونوں کے درمیان اتفاق بھی ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ''بطن'' کے دھوئے جانے کی خبر دی ہو۔ اور ''قلب'' کے ذکر کرنے کے درپے نہ ہوئے ہوں۔ اور بعض دفعہ آپ نے دل کے دھوئے جانے کا تذکرہ کیا۔ اور ''بطن'' کا ذکر نہ کیا ہو۔ اور ''غسل'' دونوں کا ہوا ہو تا کہ ''محل'' کی نظافت وصفائی بطور مبالغہ ہو جائے۔

سترھویں تنبیہ: علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سوال کیا جائے کہ ''ایمان وحکمت'' سونے کے تھال میں کیسے رکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایمان وحکمت ''عرض'' ہیں۔ (یعنی ان کا اپنا مستقل وجود

نہیں بلکہ کسی کے ذریعہ یہ موجود ہیں) اور تمام اعراض اپنے ''محل'' کے بغیر قائم نہیں ہوتیں۔ وہ چیز جن کے ساتھ ان کا اتصاف ہوتا ہے۔ اس کے سہارے قائم ہوتی ہیں۔ تو تھال میں ''ان'' کا سہارا اور محل کوئی نہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ اعراض کا ''انتقال'' نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''انتقال'' اجسام کی صفت ہے۔ اعراض کی نہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان وحکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں منتقل ہوئے۔ جب ان کا وجود اور جسم ہی نہیں تو کونسی چیز آپ کے قلب انور میں ڈالی گئی؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے۔ کہ تھال میں جو کچھ تھا اسے ایمان وحکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ نے وہ دودھ پینے کو دیا۔ جو آپ نے پی کر بچایا تھا۔ جب حضرت عمر نے وہ پیا۔ تو اسے ''علم'' سے تعبیر کیا گیا۔ لہٰذا تاویل اور معنی یہ ہوگا۔ کہ آپ کے قلب انور میں ایمان و حکمت ڈالے گئے۔ اور ہوسکتا ہے کہ تھال میں برف اور اولے رکھے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حدیث اول میں مذکور ہے۔ پھر دوسری مرتبہ اس کو اسے تعبیر کیا گیا ہو۔ جو اس سے نتیجہ نکلنا تھا اور پہلی مرتبہ اس کی وہ صورت بیان کی گئی ہو جو آپ نے دیکھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی مرتبہ شق صدر کے وقت بچپن میں تھے۔ جب آپ نے تھال میں برف دیکھی۔ جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ تو آپ نے اس کو ''برف'' ہی سمجھا۔ حتیٰ کہ اس کی تاویل اور حقیقت بعد میں معلوم ہوئی اور دوسری مرتبہ جب ''شق صدر'' ہوا۔ تو آپ ''نبی'' تھے۔ جب اس وقت آپ نے سونے کا تھال دیکھا جو برف اور اولوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی اس کی تاویل اور حقیقت جان لی۔ اور آپ نے یہ اعتقاد کر لیا کہ یہ ''ایمان وحکمت'' ہیں۔ لہٰذا دونوں احادیث میں الفاظ اپنے اپنے مقام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتقاد کے مطابق ہیں۔ انتہیٰ۔

امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ حدیث مذکور کا معنی یہ ہے کہ تھال میں جو چیز رکھی گئی۔ وہ ایسی ہے کہ اس سے ایمان وحکمت کے کمال میں زیادتی حاصل ہوگی۔ اور جو کچھ تھال سے رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ''حقیقت'' پر مبنی ہو۔ اور معانی واعراض کا ''جسم بن جانا'' جائز وممکن ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ سورۂ بقرہ کل قیامت کے دن اس طرح آئے گی جیسا کہ سایہ (چھتری) ہے۔ اور ''موت'' مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ یونہی ''اعمال'' کو تولا جائے گا۔ یہ چیزیں اور اسی طرح کی دوسری اشیاء باوجودیکہ معانی اور اعراض ہیں۔ جسم میں ڈھالی گئیں۔ یہ ''احوال غیب'' ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ مصابیح کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ ''تمثیل'' کے قبیلہ سے ہو۔ اس لئے کہ معانی کی ''تمثیل'' بکثرت واقع ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے

جنت ونار کو دیوار میں دکھایا گیا۔ ایسا کرنے میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی معنی اور حالت کو "محسوس" کے ساتھ تشبیہ دیکر یا "محسوس" چیز کی شکل میں ڈھال کر پیش کرنے سے وہ بات ذہن میں زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ "تھال میں جو چیز رکھی گئی تھی وہ ایسی ہے کہ اس سے ایمان وحکمت کے کمال میں زیادتی حاصل ہوتی ہے" اس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ مضبوط ایمان سے پہلے ہی متصف تھے۔ اسی مضبوطی کو اور کامل کیا گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے آپ ایمان وحکمت سے خالی تھے۔ اور شق صدر کے بعد یہ دونوں چیزیں آپ کو دی گئیں۔

اٹھارہویں تنبیہ: جس میں ایمان وحکمت ڈالے گئے۔ وہ بطن تھا یا صدر؟ ایک روایت میں "بطن" اور دوسری میں "قلب" ہے۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھرے گئے اور اکٹھے بھرے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روایت میں "بطن" کے بھرنے اور دوسری میں "قلب" کا ذکر فرمایا۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ مراد صرف "قلب" ہو۔ لیکن "بطن" کو ذکر کیا گیا۔ یہ وسعت کیلئے ہوا۔ اس لئے کہ عرب ایسا کرتے ہیں کہ کسی چیز کا نام بتاتے وقت بعض دفعہ اس کے قریب والی چیز کا نام بتا دیتے ہیں۔ یا اس ظرف ومحل کا نام بتا دیتے ہیں۔ جس کے اندر وہ چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اسلام کیلئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے (الانعام: 125)۔ اس آیت میں "صدر" یعنی سینہ سے مراد "قلب" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نام ذکر کیا سینہ کا اور مراد دل ہے۔ کیونکہ دل سینہ کے اندر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان وحکمت بھرے دل میں گئے۔ لیکن بعض دفعہ دل کی بجائے "بطن" کا لفظ ذکر ہوا۔

انیسویں تنبیہ: یہ "حکمت" کیا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں بھری گئی؟ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ اس سے مراد علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہو۔ جس کے ساتھ بصیرت کا نفاذ، نفس کی تہذیب اور اس پر عمل کرنے کیلئے حق کی تحقیق اور اس کی ضد سے رکنا بھی تھا۔ اور "حکیم" وہ ہوتا ہے۔ جو ان مذکورہ اشیاء کو اپنے اندر جمع کر لے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ (حکمت کی تعریف) وہ تعریف ہے جو ہمیں بہت سے اقوال کے خلاصہ کے طور پر ملی۔

حکمت کا اطلاق بعض دفعہ "قرآن" پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی پہلے معنی میں مذکور تمام باتوں پر مشتمل ہے۔ "نبوت" کو بھی حکمت کہا گیا ہے۔ صرف "علم" کو بھی حکمت کہا گیا۔ صرف "معرفت" کو بھی یہ نام دیا گیا ہے۔ وغیر ذالک۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس بارے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا "حکمت" ہے۔ یا کتاب اللہ کے فہم کا نام "حکمت" ہے۔ اگر

دوسرے معنی کو دیکھیں۔تو ''حکمت'' ایمان کے بغیر اور ایمان کے ساتھ دونوں صورتوں میں پائی جاسکتی ہے۔اور پہلے معنی کے اعتبار سے ''ایمان وحکمت'' دونوں لازم ملزوم ہیں۔اس لئے کہ ''حکمت'' ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

**بیسویں تنبیہ:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے جو کہا۔''اس کا وزن کر'' اس (وزن) سے مراد اعتباری وزن ہے۔(یعنی حقیقۃً تولنا اور وزن کرنا نہیں) لہٰذا وزن زیادہ ہو جانے سے مراد ''فضل'' ہوگا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فضل وکمال'' میں سب سے اور سب پر بھاری ہیں۔دونوں فرشتوں کے ایسے کرنے کا فائدہ یہ ہے۔کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بارے میں جان لیں۔تاکہ دوسروں کو اس کی خبر دے سکیں۔اور دوسرا سن کر اس پر اعتقاد بھی رکھے۔کیونکہ یہ بات امور اعتقادیہ میں سے ہے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔میں نے شیخ الاسلام برہان الدین بن ابی شرف رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں اس وقت پوچھا۔جب مجھے اس کا وہ مطلب معلوم نہ تھا۔جو ابھی میں بیان کر چکا ہوں۔تو موصوف نے مجھے اس کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھا۔''یہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ''معانی'' کو اللہ تعالیٰ ''ذوات'' بنادے۔یا معانی کو اللہ تعالیٰ نے ذوات بنادیا تھا۔پس اس وقت ایک فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میزان کے ایک پلڑے میں ڈال اور دوسرے پلڑے میں آپ کی امت کے ہزار آدمیوں کو ڈال۔فرشتہ نے ایسے کر دیا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاری نکلے۔فرشتہ کو خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ہزار میں سے کچھ کم ہوں۔بہر حال جب دونوں فرشتوں نے آپ کا بھاری ہونا پہچان لیا۔اور اس کا معنی کہ اگر تمام معانی جوامت کے ہیں۔وہ سب ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں آپ ﷺ ہوں۔تو تمام امت پر آپ بھاری ہوں گے۔بھی جان لیا۔تو دونوں فرشتے کہنے لگے۔اگر آپ کی تمام امت کا آپ کے ساتھ وزن کیا جائے تب بھی آپ بھاری نکلیں گے۔کیونکہ ''خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ'' کے فضائل و کمالات اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو فضیلتیں عطا فرمائیں۔ان میں کسی دوسرے کا آپ کے مساوی ہونا ''محال'' ہے۔''انتہیٰ۔

**جوہر ۱۱:** آٹھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''خاتم نبوت'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزار اور ابو یعلی نے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ جبرئیل نے میکائیل کو حکم دیا کہ زمزم پانی سے بھرا تھال مجھے دو۔ تا کہ میں اس سے ان (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دل پاک کروں۔ اور ان کا سینہ چاک کروں۔ پھر جبرئیل نے آپ کا بطن اقدس چاک کیا۔ اسے تین مرتبہ دھویا۔ حضرت میکائیل تین مرتبہ زمزم کے پانی سے بھرا تھال لاتے رہے۔ پھر جبرئیل نے آپ کا سینہ کھولا۔ اور اس میں جو ''اذیت'' تھی، نکال باہر کر دی۔ اس کی جگہ اس میں حلم، علم، ایمان، یقین اور اسلام بھر دیا۔ اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ''خاتم نبوت'' سے مہر لگا دی۔ پھر ایک گھوڑا آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ کو اس پر سوار کیا گیا۔ اس کے بعد معراج کی بقیہ حدیث ذکر کی۔

اول قول: ''خاتم النبوت'' میں اختلاف کیا گیا۔ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی شکل ''زر الحجلۃ'' کی سی تھی۔ بخاری و مسلم نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور کے پیچھے کھڑا تھا۔ پس میں نے آپ کی ''مہر نبوت'' کو دیکھا۔ جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی۔ وہ ''زر الحجلۃ'' کی مانند تھی۔ ''زر'' سے مراد گانٹھ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حجلۃ'' ایک معروف پرندہ ہے۔ اور ''زر'' اس کا انڈا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ وہ ''مٹھی'' کی طرح تھی۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن سرجین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی، جو بائیں کندھے کی ہڈی کے زیادہ قریب تھی۔ اس کی شکل ''جمع'' تھی۔ (یعنی ''مٹھی'' کی طرح تھی) اس پر تل تھے۔

تیسرا قول: یہ کہ وہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی۔ جو کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔ ابوالحسن ضحاک نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی جو کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔

چوتھا قول: بالوں کا ایک گچھا تھا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ، ابو یعلی اور طبرانی نے حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قریب ہو۔ اور میری پشت کو ملو۔ میں قریب ہوا اور آپ کی پشت انور کو ملا۔ اور

میں نے اپنی انگلیاں آپ کی ''مہر نبوت'' پر رکھیں۔ان (عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا۔ وہ کیسی تھی؟ فرمانے لگے۔کندھے کے قریب بالوں کا ایک گچھا سا تھا۔ابو سعید نیشاپوری نے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کالے بالوں کا گچھا تھا۔

**پانچواں قول:** غدود کی طرح تھی۔امام احمد، ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان غدود جیسی ایک چیز دیکھی۔

**چھٹا قول:** گوشت جو ابھرا ہوا ہوتا ہے۔امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔فرماتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان جو مہر تھی۔وہ گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔جو ابھرا ہوا تھا۔امام بخاری نے اپنی تاریخ اور بیہقی نے لکھا ہے۔''لَحْمَةٌ نَاتِئَةٌ'' اور امام احمد نے ''لَحْمٌ نَاشِزٌ بَيْنَ كَتِفَيْهِ'' لکھا ہے۔ان دونوں الفاظ کا معنی بھی ''ابھرا ہوا گوشت'' ہی ہے۔

**ساتواں قول:** ''بُنْدَقَه'' کی طرح تھی۔بندقہ کا معنی بندوق کی گولی ہے یا ایک درخت کے پھل کا نام ہے۔ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسحاق بن ابراہیم قاضی سمرقندی کے طریق کے مطابق روایت لکھی ہے۔کہ ہمیں ابن جریج نے عطاء اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' آپ کی پشت پر تھی۔جو ''بندقہ'' کی مثل تھی۔گوشت کی بنی تھی۔جس میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا۔حافظ ہیثمی نے ''موارد الظمان الی زیادۃ ابن حبان'' میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے۔کہ بعض راویوں کے ہاں بات خلط ملط ہوگئی۔انہوں نے ''ختم نبوت'' اور اس مہر کو ایک ہی سمجھا۔جس سے آپ کسی تحریر پر مہر لگایا کرتے تھے۔

**آٹھواں قول:** سیب کی شکل کی تھی۔امام ترمذی نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت آپ کے کندھے کی نرم ہڈی سے نیچے تھی۔جس کی شکل ''سیب'' جیسی تھی۔

**نواں قول:** جیسا سنگھی لگانے کا آلہ ہو۔امام احمد اور بیہقی نے جناب تنوخی رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔جو ہرقل کے ایلچی تھے۔حدیث طویل ہے۔فرماتے ہیں۔میں نے اچانک آپ کی مہر نبوت دیکھی جو کندھے کی نرم ہڈی کی جگہ تھی۔اور ''سنگھی'' کی طرح تھی۔

**دسواں قول:** سیاہ رنگ کے تل کی طرح جس میں پیلا پن بھی ہو۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

مروی ہے۔فرماتی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' ایسے سیاہ تل کی طرح تھی جو پیلے رنگ کی طرف مائل تھا۔اس کے اردگرد گھنے بال تھے۔گویا وہ گھوڑے کی کلغی تھی۔اسے ابوبکر بن ابی خیثمہ نے صبیح بن عبداللہ فرغانی کی سند سے یوں ذکر کیا۔حدثنا عبدالعزیز بن عبدالصمد۔لیکن یہ غیر ثابت ہے۔

گیارھواں قول: ہرے رنگ کا تل تھا۔جو گوشت میں تھوڑا سا گندھا ہوا تھا۔اسے ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں بعض شیوخ سے ذکر کیا۔یہ بھی غیر ثابت ہے۔

بارھواں قول: بکری کے گھٹنے کی مانند۔طبرانی اور معرفۃ میں ابونعیم نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔فرماتے ہیں کہ آپ کی مہر نبوت آپ کے بائیں کندھے کی طرف تھی۔جیسا کہ ''بکری کا کھر'' ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مہر نبوت'' دکھانی پسند نہ فرماتے تھے۔لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

تیرھواں قول: کبوتری کے انڈے کی مانند۔حکیم ترمذی اور ابونعیم نے روایت کی۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔جس کے باطن میں ''اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ'' لکھا ہوا تھا۔اور اس کے اوپر والے حصہ پر ''تَوَجَّهْ حَیْثُ شِئْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ'' لکھا ہوا تھا۔یعنی جدھر چاہو جاؤ تمہاری مدد ہوگی۔ ''مورد'' میں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔

چودھواں قول: ایک چمکتے خزانہ کی مانند تھی۔اسے عایذ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

پندرھواں قول: تین اکٹھے بال تھے۔اسے ابوعبداللہ بن محمد سلامہ القضاعی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

سولھواں قول: کبوتر کے غدود کی طرح ایک غدود تھی۔اسے ابن ابی عاصم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

سترھواں قول: چھوٹا سا تل تھا جس کا رنگ سیاہی مائل تھا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی روایت کی گئی ہے۔

اٹھارھواں قول: کسی ایسی چیز کی مانند جس سے مہر لگائی جاتی ہے۔ابن ابی شیبہ نے عمر بن اخطب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں۔میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور پر ''مہر نبوت'' دیکھی۔انہوں نے بیان کیا کہ جیسا کہ یہ ناخن ہے۔گویا اس سے مہر لگائی جاتی ہے۔

انیسواں قول: چاند کے دائرے کی مانند- ابوالدحداح احمد بن اسماعیل دمشقی نے اپنی حدیث کی جزء اول میں اسے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان چاند کے دائرے کی مانند "مہر نبوت" تھی۔ جس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور دوسری میں جو نیچے تھی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا ہوا تھا۔ "مورد" میں ہے۔ کہ یہ روایت باطل بین البطلان ہے۔

بیسواں قول: شترمرغ کے انڈے کی مانند۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں۔ میں نے "مہر نبوت" آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھی۔ جو شترمرغ کے انڈے کی مانند تھی۔ اس کے جسد کے مشابہ تھی۔ حافظ ابوالحسن ہیثمی رضی اللہ عنہ "موردالظمآن" میں لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت میں یہ حدیث صحیح میں ان الفاظ سے ذکر کی گئی ہے۔ "مثل بیضۃ الحمامۃ" کبوتری کے انڈے کی مانند۔ اور یہی "صواب" ہے۔ اور ابن حبان کی روایت بعض راویوں سے غلط ہے۔

علماء کرام کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کہ "مہر نبوت" آپ کے جسم اقدس میں کس جگہ تھی؟ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کے بائیں کندھے کے کنارے پتلی ہڈی کے نزدیک تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دائیں کندھے کے کولہے کے قریب تھی۔ علماء نے فرمایا۔ کہ یہ روایات باعتبار معنی قریب قریب ہیں۔ اور ان میں کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ بلکہ ہر راوی نے جو دیکھا۔ اس کے مطابق تشبیہ دی۔ کوئی ایک کہتا ہے کہ "زرالحجلۃ" کی طرح تھی۔ "حجلۃ" ایک معروف اور سپید رنگ کا پرندہ ہے۔ یعنی اس کے انڈے کی طرح۔ یا رسی کی گرہ کی مانند تھی۔ دوسرے راوی کبوتری کے انڈے جیسی بتاتے ہیں۔ تیسرے سیب کی مانند، چوتھے ابھرے ہوئے گوشت کا ٹکڑا، پانچویں گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا، چھٹے سنکھی کی مانند، ساتویں بکری کے گھٹنے جیسی بتاتے ہیں۔ ان تمام کا الفاظ مقصود تقریباً ملتا جلتا ہے۔ وہ یہ کہ "مہر نبوت" گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ اور جن حضرات نے اسے بالوں کا ایک مجموعہ کہا۔ تو اس لئے کہا کہ "مہر نبوت" کے اردگرد بال تھے اور بہت گھنے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں بھی آیا ہے۔

علامہ ابوالعباس قرطبی "مفہم" میں لکھتے ہیں۔ احادیث ثابتہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ "ختم نبوت" ایک ایسی چیز تھی۔ جو ابھری ہوئی تھی اور اس کا رنگ سرخ تھا۔ اور بائیں کندھے کے قریب تھی۔ جب وہ کم ہو جاتی تو کبوتری کے انڈے کی مقدار اور جب بڑھ جاتی تو ہاتھ کی مٹھی کے برابر ہو جاتی۔ اسی کی مانند "قاضی" رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اور زیادہ یہ بھی لکھا کہ جس روایت میں "مٹھی" کی

طرح آیا ہے۔ یہ روایت بظاہر مخالف دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اس کی ایسی تاویل کی جائے گی۔ جو روایات کثیرہ کے موافق ہو۔ اور معنی یہ ہوگا کہ ''مہر نبوت'' کی شکل ''مٹھی'' کی طرح تھی۔ لیکن مقدار میں مٹھی برابر نہ تھی بلکہ کبوتری کے انڈے جتنی تھی۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ''مہر نبوت'' کے بائیں کندھے کی پتلی ہڈی یا کولہو کے قریب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے ہر وسوسہ سے محفوظ تھے۔ اور ابن آدم کو جب وسوسہ ڈالتا ہے۔ تو اس کیلئے اس جگہ سے ہی وسوسہ ڈالتا ہے اور فرمایا کہ دائیں جانب ''مہر نبوت'' ہونے میں یہ بھی اعتبار ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور جب ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ تو اس پر مہر لگا دی گئی۔ جس طرح مشک وعنبر سے بھرے برتن پر مہر لگائی جاتی ہے۔ اور موتیوں سے بھرے برتن پر مہر لگائی جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کے تمام اجزاء ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع فرما کر ان پر اپنی مہر لگا دی۔ تا کہ کسی دشمن کی ان کی طرف رسائی نہ ہو سکے۔ کیونکہ مہر لگی چیز محفوظ و مامون ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایسی ہی تدبیر کی ہے۔ جب ہم میں سے کوئی شخص کوئی ایسی چیز پاتا ہے۔ جس پر مہر لگی ہو تو اس کا شک دور ہو جاتا ہے۔ اور آدمیوں کے درمیان جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں مہر لگائی تا کہ اس سے آپ کا قلب مطمئن ہو جائے۔ اور اس میں نور ڈال دیا اور دل کی قوت اس قدر بڑھی۔ کہ ''مہر نبوت'' کی صورت میں انڈے کی مقدار اور کندھوں کے درمیان اس کا اظہار ہوا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مذکورہ روایات کا تقاضا ہے کہ ''مہر نبوت'' بوقت ولادت نہ تھی۔ یہ ''شق صدر'' کے وقت لگائی گئی۔ جب سیدہ حلیمہ کے ہاں رہتے ہوئے آپ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اور اس میں ان لوگوں کا تعقب کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''مہر نبوت'' آپ کے جسم اطہر پر ولادت کے ساتھ ہی تھی۔ اور یہ قول ''فتح'' میں یوں منقول ہے۔ ''قیل ولد به وقیل حین وضع'' بیان کیا گیا ہے کہ مہر نبوت پیدائشی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولادت کے وقت لگائی گئی۔ مغلطائی نے ابن عائذ سے نقل کیا ہے۔ کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ جو بات ''مہر نبوت'' کے بارے میں پہلے بیان ہو چکی ہے زیادہ ثابت ہے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ''غرر'' میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ یعنی ''مہر نبوت'' اس وقت لگائی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ حلیمہ کے پاس تھے۔ اور احادیث کا مقتضی یہ ہے کہ ''شق صدر'' تین مرتبہ ہوا۔ اول اس وقت جب آپ ''بنو سعد'' میں اپنی

رضاعی والدہ حلیمہ کے پاس تھے۔دوسری مرتبہ بعثت مبارکہ کے وقت اور تیسری مرتبہ اسراء یعنی معراج کے وقت۔اور لکھا۔کہ میں کسی ایسی حدیث کو نہیں جانتا۔جس میں ''شق صدر'' کا آپ کی بیس سال کی عمر میں ہونا مروی ہے۔اور اس میں ''مہر نبوت'' لگائے جانے کا ذکر ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ برہان حلبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔کیا ''مہر نبوت'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے یا ہر نبی کو یہ مہر لگائی جاتی رہی؟ جواب میں فرمایا اس بارے میں میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں۔لیکن جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ''مہر نبوت'' حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔اس کی چند وجوہات ہیں۔

اول: اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''خاتم النبیین'' ہیں۔اور یہ بات کسی دوسرے پیغمبر میں نہیں۔

دوم: یہ کہ نبوت کا دروازہ آپ پر بند کر دیا گیا۔لہٰذا آپ کے بعد کسی کیلئے نہیں کھولا جائیگا۔حاکم نے وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی پیغمبر بھیجے۔ان کی نبوت کی نشانی ان کے دائیں ہاتھ پر لگائی۔مگر ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' آپ کے کندھوں کے درمیان تھی۔اھ۔اس روایت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور پر ''مہر نبوت'' ہونا صرف آپ کا خاصہ ہے۔کسی پیغمبر کی ایسی جگہ مہر نبوت نہیں تھی۔اور اسی پر شیخ حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انموذج اللبیب'' میں جزم کیا ہے۔جیسا کہ اس کے صحیح نسخہ جات میں یہ بات موجود ہے۔اگرچہ بعض نسخہ جات میں اس کے خلاف بھی مذکور ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ''مہر نبوت'' بوقت وصال اٹھالی گئی تھی۔اس سے آپ کے وصال کا علم ہوا۔
علامہ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ ''الاصطفاء'' میں لکھتے ہیں۔اگر کہا جائے کہ نبوت و رسالت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی درحقیقت باقی ہیں۔جیسا کہ مؤمن کیلئے اس کے انتقال کے بعد وصف ایمان باقی رہتا ہے۔اس لئے کہ رسالت و نبوت اور ایمان سے جو چیز متصف ہوتی ہے وہ ''روح'' ہے۔اور روح پر موت نہیں آتی۔وہ بدن کے مرنے سے نہیں مرتی۔جیسا کہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔تو پھر ''مہر نبوت'' کو کیوں اٹھالیا گیا۔جو نبوت و رسالت کی علامت تھی؟ میں کہوں گا کہ ''مہر نبوت'' کے لگانے میں حکمت تھی۔وہ یہ کہ آپ کی مکمل طور پر حفاظت کی علامت ہو۔اور شیطان سے معصوم ہونے کی نشانی ہو۔تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔تو اب ''امن'' بھی مکمل ہو گیا۔لہٰذا اب ''مہر نبوت'' کو جسم میں باقی رکھنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔

اورعلامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے جوذکرفرمایا کہ نبوت ورسالت باقی رہتی ہے۔اگرچہ انبیاء کرام کا انتقال ہی ہوجائے۔تو یہ مذہب ابوالحسن اشعری اوران کے عام ساتھیوں کا ہے۔اس لئے نہیں کہ یہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔بلکہ اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام ان حضرات کے نزدیک اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔جیسا کہ اس کی تائید میں روایات کثیرہ وارد ہیں۔

فائدہ: حافظ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''غریب'' میں روایت کیا ہے۔اورابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بھی اسے ذکر کیا۔وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔تو میں نے ''مہر نبوت'' کو منہ میں ڈال لیا۔جس کی وجہ سے میرے منہ سے ہر وقت مشک کی خوشبو آتی تھی۔

جوہر ۱۲: حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نویں باب'' میں حضرت جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام کے بعض فضائل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ۳۵ جگہ ذکر کیا ہے۔بعض میں صراحۃً اوربعض جگہ اشارۃً ذکر ہے۔اوران کا نام (جبرئیل) تین جگہ ذکر ہے۔سورۂ بقرہ میں دوجگہ۔ ۱ — مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ (البقرہ:97) — ۲ — مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ (البقرہ:98)۔اورتیسری جگہ سورۃ ''التحریم'' میں۔وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ (التحریم:4)۔چار مقامات پر جمع کے صیغہ سے ان کی تعظیم واکرام کے اعتبار سے ذکر کیا گیا۔۱-۲-۳- سورۃ آل عمران میں۔فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آل عمران:39)۔اس جگہ ملائکہ سے مراد اکیلے جبرئیل ہیں۔جس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ ہے۔فَنَادَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ قَآئِمٌ — وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ (آل عمران:42) — اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ (آل عمران:45)۔اورچوتھا سورۂ ''نحل'' میں ہے۔تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ (القدر:4)۔ یعنی جبریل اورروح الوحی لفظ ''روح'' سے آٹھ جگہ ان کو ذکر کیا گیا۔جن میں بعض جگہ علی الاطلاق روح اوربعض جگہ ''قدس'' اور''طہارت'' کی طرف مضاف ہے۔اوربعض جگہ صفت ''امانت'' کے ساتھ متصف ذکر ہوا۔ ۱ — تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج:4)۔یعنی فرشتے اور جبرئیل علیہ السلام۔ ۲ — تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا (القدر: 4) — ۳ — فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (مریم: 17) — ۴ — اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ: 87) — ۵ — وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ:253) — ۶ — اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (المائدہ:110) — ۷ — نَزَّلَهٗ

[illegible] نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ
قربت [illegible] فرشتوں [illegible] کا ذکر کیا گیا۔ جو یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت،
[illegible] امانت۔ یہ سورۂ تکویر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر)۔
ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''العظمۃ'' میں روایت لکھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب حضرت جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر دور ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب وھب رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ یہ چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سب سے پہلے ان کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہ ''مدبرات'' ہیں۔ (مختلف ذمہ داریاں نبھانے والے) ابوالشیخ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ''امین'' ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام لوگوں کے اعمال نامے وصول کرتے ہیں۔ جو اوپر لے جائے جاتے ہیں۔ اور اسرافیل علیہ السلام دربان اور نگران کے مانند ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ جو تابعین میں سے ایک امام ہوئے۔ کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا فرشتہ ''اکرم'' ہے؟ فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ پس حضرت جبرئیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے تو کہا۔ حضرت جبرئیل، میکائیل اور ملک الموت ''اکرم'' ہیں جبرئیل علیہ السلام کے ذمہ لڑائیوں کا کام ہے۔ اور پیغمبروں کے پاس آنا جانا ہے۔ میکائیل علیہ السلام بارش کے ہر قطرہ کے مالک ہیں۔ جو زمین پر گرتا ہے۔ ہر پتہ پر ان کی ذمہ داری ہے۔ جو گرتا ہے۔ ملک الموت ہر بندے کا روح قبض کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں۔ جناب اسرافیل اللہ اور ان فرشتوں کے درمیان ''امین'' ہیں۔

جوہر ۱۳: دسویں باب میں حافظ شامی علیہ الرحمۃ ''براق'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
''براق'' کا رنگ سفید تھا۔ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ''براق'' کو بایں وجہ بنایا گیا۔ تاکہ آپ کا اختصاص بیان ہو۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ ''براق'' اس کے زیر تصرف کر دیا گیا ہو۔ دوسرے چار پائے آپ کے علاوہ

رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ (النحل:102) - ۸-نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۙ عَلٰى قَلۡبِكَ (الشعراء:۱۹۴)۔ایک جگہ سات صفات کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ جو یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت، قربت، مکانت، فرشتوں کا ان کی اطاعت کرنا اور امانت۔ یہ سورۃ تکویر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ؕ (التکویر)۔

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''العظمۃ'' میں روایت لکھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب حضرت جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر دور ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب وہب رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ یہ چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سب سے پہلے ان کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہ ''مدبرات'' ہیں۔ (مختلف ذمہ داریاں نبھانے والے) ابوالشیخ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ''امین'' ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام لوگوں کے اعمال نامے وصول کرتے ہیں۔ جو اوپر لے جائے جاتے ہیں۔ اور اسرافیل علیہ السلام دربان اور نگران کے مانند ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ جو تابعین میں سے ایک امام ہوئے۔ کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا فرشتہ ''اکرم'' ہے؟ فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ پس حضرت جبرئیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے تو کہا۔ حضرت جبرئیل، میکائیل اور ملک الموت ''اکرم'' ہیں جبرئیل علیہ السلام کے ذمہ لڑائیوں کا کام ہے۔ اور پیغمبروں کے پاس آنا جانا ہے۔ میکائیل علیہ السلام بارش کے ہر قطرہ کے مالک ہیں۔ جو زمین پر گرتا ہے۔ ہر پتہ پر ان کی ذمہ داری ہے۔ جو گرتا ہے۔ ملک الموت ہر بندے کا روح قبض کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں۔ جناب اسرافیل اللہ اور ان فرشتوں کے درمیان ''امین'' ہیں۔

جوہر ۱۴۳: دسویں باب میں حافظ شامی علیہ الرحمۃ ''براق'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''براق'' کا رنگ سفید تھا۔ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ''براق'' کو بایں وجہ بنایا گیا۔ تاکہ آپ کا اختصاص بیان ہو۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ ''براق'' اس کے زیر تصرف کر دیا گیا ہو۔ دوسرے چارپائے آپ کے علاوہ

دیگر حضرات کے زیر تصرف رہے ہیں۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کہ وہ آپ کو بغیر براق اوپر لے جاتا۔ لیکن اس کے باوجود براق بھیجا۔ تاکہ آپ کیلئے بشارت ہو۔ اور آپ کی تشریف ہو۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بنفسہ یعنی براق کے بغیر اوپر لے جاتا۔ تو آپ کا جانا پیدل ہوتا۔ (پیدل لے جانے اور سواری پر بٹھا کر لے جانے میں جو فرق ہے وہ بخوبی واضح ہے)

جناب ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ "خرق عادت" تأنیس یعنی مانوس کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا۔ کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق کے بغیر بلندی پر لے جاتا۔ لیکن اس کے بجائے سوار کر کے بلوایا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ سوار ہونا اور جس پر سواری کی جائے اس کی صفت کرنا ایسے عظیم مقام میں مانوس کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے جیسا کہ یہ بات عادت کا ایک حصہ ہے۔ شائد براق پر سوار کرا کر معراج کرانا "کرامت عرفیہ" کا اظہار تھا۔ کیونکہ جب کوئی بڑا بادشاہ اپنے کسی دوست، کسی مخصوص شخص اور کسی اہم شخصیت کو اپنے ہاں بلاتا ہے۔ تو اس کی طرف بہترین سواری بھی روانہ کرتا ہے۔ اور وفد کی شکل میں اسے دربار میں لایا جاتا ہے۔ "براق" کی شکل گھوڑے کی مانند نہ تھی۔ خچر سے ملتی جلتی تھی۔ اور اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصد تھا کہ یہ سواری امن کی سواری ہے۔ جنگ وجدال کی نہیں۔ یا اس سے مقصد عجیب معجزہ کا اظہار تھا۔ وہ یہ کہ چار پایوں میں سے جو زیادہ تیز دوڑنے والا چار پایہ (خچر) ہے۔ اس کی شکل کا ایک حیوان آپ کی سواری بنایا جائے۔ جس کی رفتار "معجزہ" ہو۔

اگر سوال کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غزوات میں خچر پر بھی سوار ہوئے تھے۔ جبکہ تم کہہ چکے ہو کہ "خچر" امن کی سواری ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ ایسا آپ کی نبوت کی تحقیق کیلئے کیا گیا۔ تاکہ جن مقامات میں نیزوں کو بوچھاڑ ہوتی ہو۔ تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہو اور دشمنوں کے سینوں میں بھالے داخل کئے جا رہے ہوں۔ ان مقامات میں آپ ایسی سواری پہ سوار ہو کر تشریف لائے جو ایسے مقامات کیلئے نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت و شجاعت میں لاثانی بنایا تھا تو اس کا اظہار ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ ورنہ خچر ایک ایسی سواری ہے۔ جو عادۃً امن وسکون کے وقت کی سواری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک لڑائی اور جنگ اس طرح تھی جس طرح دوسروں کیلئے "سلامتی" کا وقت ہوتا ہے۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ کا دل نہایت قوی اور آپ کی شخصیت انتہائی شجاع تھی۔ اور آپ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ واقعہ اسراء فرشتوں کے پروں پر سوار کر کے کیوں نہ کرایا گیا؟ یا ہوا کو حکم

دیا جاتا کہ وہ آپ کو اڑا کر لے آتی۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو اڑا کر لے جایا کرتی تھی؟ یا کسی سواری اور سہارے کے بغیر آپ اپنے قدموں سے چل کر تشریف لے جاتے یا اور آپ کی رفتار کیلئے زمان و مکان کی طنابیں کھینچ لی جاتیں؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ معراج شریف کا واقعہ اس لئے تھا کہ آپ کو ایسی آیات و علامات پر مطلع کیا جاتا۔ جو "خرق عادت" تھیں۔ اور وہ باتیں دکھائی جاتیں۔ جو عجیب و غریب تھیں۔ اس لئے اگر فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر آپ تشریف لے جاتے۔ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر جاتے تو اس قدر مسافت طے کر جانے میں کوئی تعجب نہ ہوتا۔ بخلاف اس کے کہ آپ ایک حیوان پر سوار ہو کر اتنی طویل مسافت مختصر سے وقت میں طے کرتے تعجب اس پر ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم جو فرشتوں سے کروائی گئی۔ وہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے جو فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر ہوتی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی۔ میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی۔ اور یہ دونوں تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براق پر سوار ہونا اور فرشتوں کا آپ کو سوار کر کے خادمانہ طور پر ساتھ ہونا "شرف و کرامت" میں کامل و اتم طریقہ ہے۔

بعض آثار میں وارد ہے کہ "براق" مذکر و مونث کے جھگڑے سے دور تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے ایسے الفاظ سے خطاب کیا جو مونث کیلئے بولے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب "براق" پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا۔ تو اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ کی سواری منظور نہ تھی اس کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ "براق" عرصہ دراز سے بیکار چلا آ رہا تھا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس پر حضرات انبیاء کرام سواری فرماتے رہے (لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک اس پر کوئی سوار نہ ہوا اس لئے مچھرنے لگا) اس بات کی تائید ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے واقعہ اسراء میں ذکر کی ہے۔ وہ یہ کہ براق نے مچھرنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرات انبیاء کرام سواری فرمایا کرتے تھے۔ اب کافی عرصہ سے اس پر کوئی سوار نہ ہوا تھا کیونکہ زمانہ فترت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک کا زمانہ) میں اس پر سواری نہیں کی گئی تھی۔

ابن دحیہ اور ابن منیر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ کہ براق کا مچھرنا اس بنا پر تھا کہ اسے اس بات پر

انتہائی خوشی تھی۔ کہ آج مجھ پر اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوں گے۔ وہ خوشی کے مارے اچھل کود رہا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے جو یہ کہا تھا کہ کیا تو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوار ہونے پر اچھل کود رہا ہے؟ یہ اس لئے کہا تھا۔ تا کہ وہ بول کر بتائے کہ میں کیوں اچھل کود رہا ہوں۔ وہ زبان حال سے بول اٹھا۔ کہ میرے اچھلنے کودنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ میں تو آپ کے مقام ومرتبہ اور اپنی خوش قسمتی پر ایسا کر رہا ہوں۔ اسی لئے جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میری بات سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس کا پسینہ میں شرابور ہونا زبان حال سے اس کی کیفیت بیان کر رہا تھا۔ اسی وقت براق نے چپ سادھ لی۔ اور جبرئیل علیہ السلام کی جھڑک سے شرمندہ ہو گیا۔ براق کا ایسا کرنا اس پہاڑ سے ملتا جلتا قصہ ہے۔ جس نے ہلنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے اسے ارشاد فرمایا۔ ساکن ہو جا۔ تجھے معلوم نہیں کہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کھڑے ہیں۔ پہاڑ کا حرکت کرنا گستاخی یا بے ادبی کیلئے نہ تھا بلکہ خوشی اور مسرت کے جذبات کا اظہار تھا۔

شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ "براق" کا اچھلنا کودنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے تھا تو کوئی بعید نہ ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب براق پر سوار ہوئے تو کیا جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ اسی براق پر سوار ہوئے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اور جو حضرات اس کے اثبات کا قول کرتے ہیں۔ وہ اس بارے میں مختلف ہیں۔ کہ جبرئیل آگے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس "براق" لایا گیا۔ آپ اور جبرئیل اس کی پشت پر بیت المقدس آنے تک سوار رہے۔ ابن حبان نے انہی سے روایت کی ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق پر سوار کیا۔ اور اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے سوار ہو گئے۔ اور براق دونوں کو لے کر چل پڑا۔ حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور آپ کو اپنے آگے بٹھا لیا۔ رواہ الطبرانی۔ حدیث ابن مسعود میں ہے۔ جسے انہوں نے مرفوع کیا۔ کہ حضور فرماتے ہیں میرے پاس براق لایا گیا پھر میں جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے اسی براق پر بیٹھ گیا۔

اور صحیح یہ ہے کہ "براق" حضرات انبیاء کرام کی سواری کیلئے بنایا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے قبل اس پر پیغمبر سوار ہوا کرتے تھے۔ اسے امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملاقات کرنے آیا کرتے تھے۔ حدیث ابی سعید میں ہے۔ مجھ سے پہلے اس پر حضرات انبیاء کرام سواری کیا کرتے تھے۔ اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ براق کے باندھنے میں یہ بات تھی کہ ہر کام میں احتیاط پر عمل کیا جائے۔ اور اسباب کو بروئے کار لایا جائے۔ اور ایسا کرنا ''توکل'' کے خلاف نہیں۔ جب اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس (براق کو باندھنا) سے یہ فقہی مسئلہ حاصل ہوتا ہے کہ احتیاط ضرور کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ توکل بھی لازماً ہونا چاہئے۔ اور تقدیر پر ایمان بھی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت وهب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لَا یَمْنَعُ الْحَزْمُ مِنْ تَوَقِّی الْمَهَالِکِ۔ جناب وهب فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں سے ستر کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے۔ اور اس کی مثال وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (براق کو باندھ کر) کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قضا وقدر پر ایمان ہوتے ہوئے اور اس پر بھی کہ لوح محفوظ میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس کے باوجود آپ دوران سفر زادراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور غزوات میں ہتھیار لے کر شریک ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ غزوۂ احد میں آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اسی طرح آپ نے مسجد اقصیٰ پہنچ کر ''براق'' کو باندھ دیا تھا۔ وغیر ذالک۔

جوہر ۱۴: گیارہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بیت المقدس'' کے بعض فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا۔

''بیت المقدس'' کی ایک فضیلت وہ ہے جسے امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتیں مانگیں۔ جو اللہ نے انہیں عطا کر دیں۔ ایک یہ سوال کیا کہ ان کا فیصلہ اور حکم اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے ساتھ متحد ہو جائے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہونا ہو میں بھی وہی کہوں۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ ایسی حکومت مجھے مل جائے جو میرے بعد کسی کیلئے نہ ہو۔ اللہ نے یہ بھی قبول کر لیا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ جو شخص بھی گھر سے صرف یہ ارادہ کر کے نکلے۔ کہ میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا کر اسے یوں پاک کر دے۔ کہ جیسا وہ آج ہی اپنی والدہ کے گھر پیدا ہوا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سوال بھی منظور و مقبول کر لیا ہوگا......
اس کے بعد حافظ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی فضائل ذکر کیے۔

جوہر ۱۵: بارہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر گفتگو کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام سے ملاقات کی...... فرماتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام پیغمبروں کی کس طرح امامت فرمائی؟ آپ نے انہیں کیسے پہچانا۔ پھر انہیں جب آسمانوں پر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اگر آپ نے پہلے ہی پہچان لیا تھا اور اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے کی کیا وجہ تھی؟

جواب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں پیغمبروں کے ساتھ جمع ہوئے۔ اور آپ نے انسانی شکل وصورت میں ان کی امامت فرمائی۔ اس وقت ان انبیاء کرام کے وجود بھی وہ تھے جس سے وہ دنیا میں زندگی بسر کر کے آئے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ملکوت علوی" میں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں اس حالت میں نہ پایا۔ جس میں مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور اس شکل وصورت میں نہ پایا۔ جو بیت المقدس کی زمین پر ان کی تھی۔ اس وقت وہ "صفات روحانیہ" میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکل وصورت ایسی بنائی جو "ملکوت علوی" کے لائق و مناسب تھی۔ اس میں ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم اور دوسری قدرت الٰہیہ کی تعظیم بھی تھی۔ اس طرح کہ آپ نے اسی لمحہ ان حضرات کو زمین پر دیکھا۔ پھر اسی ساعت آسمان میں انہیں اپنی اپنی منزل اور اپنے اپنے مقام پر بھی دیکھا۔ اسی لئے ان کے بارے میں آپ نے جبرئیل امین سے جو دریافت کیا۔ وہ تعجب کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس بات کے اثبات کیلئے تھا کہ یہ حضرات وہی نظر آتے ہیں جو بیت المقدس میں مجھے ملے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ جس ذات باری تعالیٰ نے انہیں ایک لحظہ میں یہاں پہنچا دیا۔ وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ بیت المقدس میں ملنے والے پیغمبروں کو اسی لمحے آسمانوں پر ان کے اپنے مقام پر پہنچا دے۔ بلکہ اس سے بھی سرعت کے ساتھ انہیں لے آئے۔

ایک اشکال یہاں یہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرات انبیاء کرام جب اپنی اپنی قبور میں اپنے اجسام کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ تو بیت المقدس میں کیسے نظر آ گئے؟ اس کا جواب یہ دیا جائے گا۔ کہ ان کی ارواح مبارکہ کو اجسام کی شکل وصورت عطا کر دی گئی۔ یعنی ان کے اجسام مبارکہ تو ان کی اپنی اپنی قبر میں موجود

1B

رہے۔صرف روحیں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئیں۔اور روحوں کو جسم کی شکل وصورت میں متشکل کر دیا گیا تھا۔ یا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے ان کے اجسام مبارکہ کچھ وقت کیلئے قبور سے مسجد اقصیٰ منتقل کر دیئے گئے تھے۔تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف وتکریم ہو جائے۔اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔جسے جناب عبدالرحمٰن بن ہاشم رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کیا۔"وَبُعِثَ لَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ" آپ کی خاطر حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبور سے مسجد اقصیٰ بھیجا گیا۔حضرت ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرات انبیاء کرام کو دیکھا۔اس میں کئی احتمال ہیں۔

اول: حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک پیغمبر کو اس کی قبر میں دیکھا ہو۔جو زمین میں واقع ہے۔اور یہ دیکھنا اس طریقہ سے ہو کہ جس جگہ آپ نے ان کے دیکھنے کی خبر دی (یعنی بیت المقدس) آپ وہاں تشریف فرما ہوں۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی نظر مبارک اور بصیرت میں ایسی قوت بھر دی ہو کہ مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہو کر آپ تمام پیغمبروں کو ان کی زمین میں موجود قبروں میں دیکھ رہے ہوں۔اس وجہ اور احتمال کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فِيْ عَرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ۔میں جنت ودوزخ کو اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھ رہا ہوں۔تو آپ نے مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہو کر فرمایا ہو۔کہ میں پیغمبروں کو دیکھ رہا ہوں۔جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے گھر کی کھڑکی سے چاند دیکھا ہے۔

دوم: ہوسکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی مثالی صورتیں آپ کو دکھائی گئی ہوں۔اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ایسا ممکن ہے۔

سوم: آپ ﷺ نے ان کی ارواح دیکھی ہوں۔جو اس وقت ان کی صورتوں میں تھیں۔

چہارم: اللہ تعالیٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوپر لے جانے کا ارادہ فرمایا تو اس نے حضرات انبیاء کرام کو ان کی قبور سے بلند کر دیا۔اور جس جگہ بلندی پر آپ تھے۔اتنی بلندی پر حضرات انبیاء کرام کو بھی بلند کر دیا گیا۔تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام وتعظیم ہو۔حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حضرات کو دیکھنے سے انس ومحبت وغیرہ حاصل ہو۔جس کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں۔اور اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اظہار فرمایا ہو۔جس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔اور نہ ہی وہ کسی سے عاجز ہے۔ان وجوہات میں سے ہر ایک کا احتمال کیا جاسکتا ہے۔اور ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں۔کیونکہ قدرت باری تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کی

صلاحیت رکھتی ہے۔

جوہر ۱۶: تیرھویں باب میں موصوف نے ان صحابہ کرام کا ذکر کیا۔ جن سے واقعہ معراج واسراء منقول ومروی ہے۔ یعنی جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔

۱۔حضرت ابی بن کعب، ۲۔حضرت اسامہ بن زید، ۳۔حضرت انس بن مالک، ۴۔حضرت بریدہ، ۵۔حضرت بلال بن حمامۃ، ۶۔حضرت بلال بن سعد، ۷۔حضرت جابر بن عبداللہ، ۸۔حضرت حذیفہ بن یمان، ۹۔حضرت سمرۃ بن جندب، ۱۰۔حضرت سہل بن سعد، ۱۱۔حضرت شداد بن اوس، ۱۲۔حضرت صہیب بن سنان، ۱۳۔حضرت عبداللہ بن عباس، ۱۴۔حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب، ۱۵۔حضرت عبداللہ بن عمرو، ۱۶۔حضرت عبداللہ بن زبیر، ۱۷۔حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، ۱۸۔حضرت عبداللہ بن اسعد بن زرارۃ، ۱۹۔حضرت عبداللہ بن مسعود، ۲۰۔حضرت عبدالرحمٰن بن عابس، ۲۱۔حضرت عباس بن عبدالمطلب، ۲۲۔حضرت عثمان بن عفان، ۲۳۔حضرت علی بن ابی طالب، ۲۴۔حضرت عمر بن خطاب، ۲۵۔حضرت مالک بن صعصعہ، ۲۶۔حضرت ابوبکر صدیق، ۲۷۔حضرت ابوالحمراء، ۲۸۔حضرت ابوایوب انصاری، ۲۹۔حضرت ابوالدرداء، ۳۰۔حضرت ابو ذرغفاری، ۳۱۔حضرت ابوسعید خدری، ۳۲۔حضرت ابوسفیان بن حرب، ۳۳۔حضرت ابوسلمۃ، ۳۴۔حضرت ابوسلمی راعی، ۳۵۔حضرت ابولیلیٰ انصاری، ۳۶۔سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق، ۳۷۔سیدہ عائشہ صدیقہ، ۳۸۔سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ، ۳۹۔سیدہ ام سلمۃ ام المومنین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

جوہر ۱۷: چودھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ معراج واسراء کے واقعہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم پر اور مجھ پر بھی رحم فرمائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا گزشتہ باب (جوہر ۱۵) میں ذکر کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کی روایت کردہ حدیث میں بعض باتیں ایسی ہیں۔ جو دوسرے صحابی کی روایت میں نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اور پھر ان تمام حضرات کی احادیث سے ایسی باتیں جمع کیں۔ جن سے واقعہ معراج کی ترتیب بن جائے۔ اور ایک مکمل طریقہ سے اسے بیان کر دیا جائے تاکہ اس سے سامعین وقارئین حضرات کو لطف آئے۔ اور تمام حالات میں اس کا نفع عام رہے۔ لہٰذا میں کہتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت اللہ شریف میں حجر (حطیم) میں تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام تشریف لائے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی تھا۔ ان میں سے پہلے نے پوچھا۔ ان میں سے وہ کون ہے؟ درمیان موجود فرشتے نے کہا۔ وہ وہی ہے جو ان میں سے بہتر ہے۔ پھر رات ہوگئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فرشتوں کو دوسری رات تک دوبارہ نہ دیکھا۔ جب دوسری رات آئی تو پہلا فرشتہ کہنے لگا۔ وہ وہی ہے؟ درمیانے نے جواب دیا۔ ہاں وہی ہے۔ تیسرا بولا۔ قوم کے سردار کو پکڑلو۔ جو درمیانہ قد رکھتا ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو اٹھالیا۔ اور زمزم پر لے آئے۔ یہاں آپ کو انہوں نے پشت کے بل لٹا دیا۔ پھر ان میں سے جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اپنی تولیت میں لے لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ میرے گھر کی چھت پھٹی۔ جبرئیل نیچے تشریف لائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے گلے کی ہڈی سے پیٹ کے نیچے تک کا سامنے سے شق کیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے حضرت میکائیل کو کہا۔ زمزم سے بھرا ایک تھال یا کٹورا لے آؤ۔ تاکہ میں ان کا دل اچھی طرح پاک کروں۔ اور ان کا سینہ چاک کروں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب انور نکالا۔ اور اسے تین مرتبہ دھویا۔ اور اس میں جو اذیت والی چیز تھی نکال باہر کردی۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے تین مرتبہ زمزم کے پانی سے بھرے کٹورے دیئے۔ پھر اس کے بعد ایک تھال لائے جو سونے کا بنا اور ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اسے آپ کے قلب انور میں انڈیلا گیا۔ اور اسے علم، حلم، یقین اور اسلام سے بھر دیا گیا۔ پھر اسے بند کر کے اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' لگائی گئی۔ پھر براق لایا گیا۔ جس پر کاٹھی رکھی ہوئی اور اسے لگام دی گئی تھی۔ ''براق'' سفید رنگ کا چارپایہ جو گھوڑے سے ذرا لمبا اور خچر سے ذرا چھوٹا تھا۔ وہ اپنا کھر وہاں رکھتا جہاں اس کی نظر پڑتی۔ اس کے دونوں کان کبھی کھڑے ہوتے کبھی بیٹھ جاتے۔ حتیٰ کہ جب وہ کسی پہاڑ کو عبور کرنے کا ارادہ کرتا۔ تو اس کی پچھلی دونوں ٹانگیں لمبی ہو جاتیں۔ اور جب اترتا تو اگلی دونوں لمبی ہو جاتیں۔ اس کے دو پر تھے۔ جو اس کی رانوں میں تھے۔ ان دونوں سے وہ اپنے پاؤں کھرچتا تھا۔

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ ایک سند ضعیف کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ ''براق کے انسانوں کی طرح رخسار تھے۔ اور گھوڑے کی طرح گردن تھی۔ اور اونٹ کی مانند ٹانگیں تھیں، اور گائے کی طرح کھر اور دم تھی۔'' جب آپ براق پر سوار ہونے لگے تو اس نے

سوار ہونے کو مشکل بنا دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ براق نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اس نے اپنے کان کھڑے کر لئے۔ ایک روایت میں ہے۔ اس نے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے کانوں سے پکڑ کر کہا۔ ٹھہر جا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو؟ ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کی پشت پر رکھا۔ اور فرمایا۔ اے براق! تمہیں شرم نہیں آتی؟ خدا کی قسم! تجھ پر اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ یا کوئی مخلوق ان سے بڑھ کر سوار نہ ہوئی ہوگی۔ یہ سن کر براق شرما گیا۔ حتیٰ کہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اور بالکل سکون سے کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے اور براق سے فرمایا مجھ سے پہلے تم پر حضرات انبیاء کرام سوار ہوتے رہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "انبیاء سابقین بھی "براق" پر سوار ہوتے رہے"

حضرت سعید بن مسیّب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ یہ "براق" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سواری تھی۔ جس پر سوار ہو کر آپ "بیت الحرام" کی زیارت کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لیکر چل پڑے۔ ایک روایت میں ہے۔ میں، حضرت جبرئیل کے ساتھ چل پڑا۔ علامہ ابو سعید نیشاپوری "شرف" میں لکھتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق کے رکاب تھامے ہوئے تھے۔ اور اس کی لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں ہے۔ حضرت جبرئیل آپ کی دائیں طرف اور میکائیل بائیں طرف تھے۔ اب یہ حضرات چل دیئے۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور! سواری سے نیچے تشریف لائیے۔ اور اس جگہ نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے ایسے ہی کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ جانتے ہیں جس جگہ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ وہ کون سی جگہ تھی؟ فرمایا۔ نہیں۔ جبرئیل نے بتایا۔ کہ اسے "طیبہ" کہتے ہیں۔ اور یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ پھر براق آپ کو لئے اس تیزی سے چل پڑا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں جا کر اس کا قدم پڑتا تھا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ حضور! یہاں بھی اتر کر نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے اتر کر نماز ادا فرمائی۔ پھر سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کو جانتے ہیں یہ کونسی ہے؟ فرمایا۔ نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا۔ یہ جگہ مدین کا وہ مقام ہے۔ جہاں "شجر موسیٰ" تھا۔ پھر سوار ہو کر آپ چل دیئے۔ جبرئیل نے پھر عرض کیا۔ کہ یہاں بھی اتر کر نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے اتر کر نماز

ادا فرمائی اور پھر سوار ہو گئے۔ جبرئیل نے پھر پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کو جانتے ہیں۔ جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی؟ فرمایا۔نہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ "طور سیناء" تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ پھر آپ چلتے چلتے ایسی زمین پر تشریف لے گئے۔ جہاں محلات دکھائی دیئے۔ حضرت جبرئیل نے اتر کر نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے نماز ادا کی۔ پھر جب سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں؟ فرمایا۔نہیں۔عرض کیا۔ یہ "بیت اللحم" تھا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ آپ براق پر سوار تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔ کہ اچانک آپ کو ایک طاقتور شرارتی جن دکھائی دیا۔ آپ جب اس کی طرف دیکھتے تو اس سے آگ کا ایک شعلہ نکلتا دکھائی دیتا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ کیا میں آپ کو چند کلمات ایسے نہ بتاؤں کہ جب آپ ان کو پڑھیں تو اس کے شعلہ جات بجھ جائیں اور یہ منہ کے بل گر جائے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور بتاؤ۔ جبرئیل نے کہا۔ وہ یہ ہیں۔ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ اَلَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بِرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَ مِنْ شَرِّمَا ذَرَأَ فِي الْاَرْضِ وَ مِنْ شَرِّمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔ میں اللہ تعالیٰ کریم کی ذات سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور اس کی ان مکمل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جن سے کوئی نیک یا برا تجاوز نہیں کر سکتا۔ ایسی شرارتوں سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو آسمانوں سے اترتی ہیں اور ان شرارتوں سے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں اور ان شرارتوں سے جو زمین میں دبی ہیں اور ان سے جو زمین سے نکلتی ہیں اور شب و روز کے فتنوں سے اور رات دن کی ناگہانی آفات سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہاں رات دن میں اچھے کاموں سے پناہ نہیں چاہتا۔ اے رحمٰن! جب آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ منہ کے بل گر پڑا۔ اس کے شعلہ جات بجھ گئے۔ پھر آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک قوم پر گزر ہوا۔ جو ایک دن کھیتی باڑی کرتی تھی اور دوسرے دن اس کے تیار ہو جانے پر اسے کاٹ لیتی تھی۔ جب فصل کاٹ لیتی تو اس کی جگہ نئی فصل تیار ہو جاتی۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے حضرات ہیں۔ ان کی نیکیاں اس قدر بڑھا دی جاتی ہیں کہ سات سو تک پہنچ جاتی ہیں اور انہوں نے جو کچھ بھی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا۔ وہ ان کی آخرت کیلئے ذخیرہ بنا دیا گیا ہے۔

پھر آپ نے ایک خوشبو محسوس کی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کیسی خوشبو ہے؟ عرض کی۔ یہ فرعون کو

کنگھی کرنے والی عورت اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے۔ یہ وہ عورت تھی۔ کہ ایک دفعہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ اچانک کنگھی گر گئی تو کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو فرعون کا خالق ہے۔ فرعون کی بیٹی نے اس سے پوچھا۔ کیا میرے باپ کے علاوہ کوئی اور تیرا رب ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں۔ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس عورت کے دو بیٹے اور خاوند تھا۔ فرعون نے ان کی طرف ایلچی بھیجا۔ جس نے جا کر اس عورت اور اس کے خاوند کو ان کے دین سے پھسلانے کی کوشش کی۔ کہنے لگا۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ دونوں بولے تیرا ہم پر احسان ہوگا کہ تو ہمیں قتل کر دے۔ اور ایک ہی گھر میں ہماری لاشیں ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عورت کہنے لگی مجھے تم سے ایک حاجت ہے۔ پوچھا۔ وہ کیا؟ کہنے لگی یہ کہ میری ہڈیاں میرے بچوں کی ہڈیوں کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے سب کو اکٹھا دفن کیا جائے۔ کہنے لگا۔ یہ تمہارا مطالبہ اس وجہ سے منظور ہے کہ تمہاری خدمت کا کچھ ہم پر حق بنتا ہے۔ اس نے پھر ایک تانبے کی بنی دیگ میں پانی ڈالا! اسے خوب گرم کیا۔ پھر حکم دیا کہ اس عورت اور اس کے بچوں کو اس میں ڈال دیا جائے۔ پس ایک ایک کر کے انہیں ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ جب چھوٹے بچے کی باری آئی جو ابھی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ تو وہ بچہ بول اٹھا۔ کہنے لگا۔ امی جان! گر جاؤ۔ تم حق پر ہو۔ پیچھے نہ رہنا۔ اسے اور اس کے بچوں کو اس میں ڈال کر شہید کر دیا گیا تھا۔ چار بچوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔ ایک یہ بچہ۔ دوسرا حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا۔ تیسرا صاحب جریج اور چوتھا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے قریب سے گزرے۔ دیکھا کہ ان کے سروں کو کوٹا جا رہا ہے۔ جب سر مکمل طور پر پس جاتے تو ان کی جگہ نئے سر آ جاتے ہیں۔ ایک لمحہ کیلئے بھی یہ کیفیت ختم نہیں ہوتی۔ آپ نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر نماز ادا کرنے سے بوجھ محسوس کرتے تھے۔

پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ ان کے سامنے اور ان کے پیچھے کھیتی تھی۔ اس میں وہ اس طرح چرتے تھے جس طرح اونٹ بکریاں چرتی ہیں۔ اس کھیت میں سے وہ تھوہر وغیرہ بدبودار اشیاء کھاتے تھے۔ جہنم کے تپے ہوئے پتھر ان کی خوراک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوۃ ادا نہیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا۔

ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سامنے ہانڈیوں میں گوشت پکا ہوا ہے۔ اور

دوسری طرف خبیث کچا گوشت پڑا ہوا ہے۔ حلال اور پکا گوشت چھوڑ کر خبیث اور کچا گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ لوگ آپ کے وہ امتی ہیں جن کے نکاح میں حلال طیب عورتیں تھیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ خبیث عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ صبح تک وہیں رہتے ان مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ جن کے خاوند موجود تھے۔ لیکن ان حلال وطیب مردوں کو چھوڑ کر رات بھر خبیث لوگوں کے ساتھ رہتیں۔

چلتے چلتے آپ کو زمین پر پڑی ایک لکڑی دکھائی دی۔ اس کے پاس سے جو شخص بھی گزرتا اس کے کپڑے اس میں الجھ جاتے۔ اور پھٹ جاتے۔ آپ نے پوچھا جبرئیل! یہ کیسی لکڑی ہے؟ عرض کیا۔ یہ آپ کے ان امتیوں کی مثال ہے۔ جو مختلف راستوں میں بیٹھتے۔ اور گزرنے والوں کو لوٹتے۔ یعنی ڈاکوؤں کی مثال ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ (الاعراف:86)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص دیکھا۔ جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ اور پتھر کھاتا جاتا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ جبرئیل! یہ کون ہے۔ عرض کیا۔ یہ سود خور ہے۔ پھر ایک اور شخص کے قریب سے آپ کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ اس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا ہے۔ جس کو اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں۔ اس کے باوجود اس میں اور لکڑیاں ڈالتا جا رہا ہے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوتی تھیں۔ جن کے ادا کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اور اس کے باوجود انہیں اور امانتیں دینے کو کہتا۔ پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اپنی زبانوں اور ہونٹوں کو لوہے کی قینچیوں کے ساتھ کاٹ رہی تھی۔ جب ان کی زبانیں اور ہونٹ کٹ جاتے تو پھر اسی طرح بن جاتے۔ لگا تار یہی کر رہی تھی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت کے خطیب اور فتنہ پرور مقرر ہیں۔ لوگوں کو وعظ کرتے تھے۔ لیکن خود بے عمل تھے۔

آپ کا ایک اور قوم سے گزر ہوا۔ جن کے ناخن تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مونہوں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ ہیں۔ جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی چغلخور) اور ان کی عزت سے کھیلا کرتے تھے۔ آپ اس چھوٹے سے سوراخ پر تشریف لائے۔ جس سے بہت بڑا بیل نکل رہا تھا۔ بیل نے ارادہ کیا کہ وہ واپس وہاں چلا جائے جہاں سے نکلا تھا۔ لیکن اس کے بس میں نہ تھا۔ پوچھا۔ جبرئیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔ یہ وہ شخص ہے جو بڑی بات کرتا تھا۔ پھر اس پر افسوس وندامت کیا کرتا تھا۔ لیکن منہ سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں

کر سکتا تھا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک وادی سے گزرے۔جس سے نہایت عمدہ خوشبو آئی اور ٹھنڈی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس ہوئے۔آپ نے ایک آواز سنی۔پوچھا۔اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟عرض کیا۔یہ جنت کی آواز تھی۔کہہ رہی تھی۔اے میرے رب! مجھے وہ عطا فرمادے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔میرے پیالے، ریشم، استبرق، سندس، عبقری، لوئو، مرجان، سونا، چاندی، تھال، کٹورے، شہد، پانی، دودھ، شراب بہت ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر مسلمان مرد و عورت، ہر مومن مرد و عورت اور جو بھی مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔اور کسی کو میرا مقابل نہ ٹھہرایا۔اور جو مجھ سے ڈرتا رہا۔وہ امن میں ہے۔اور مجھ سے مانگتا ہے۔میں اسے عطا کرتا ہوں۔اور جو مجھے قرض دیتا ہے۔میں اس کی جزا دیتا ہوں۔اور جو مجھ پر توکل کرتا ہے۔میں اس کیلئے کافی ہوتا ہوں۔بیشک میں ہی معبود ہوں۔میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔پس اللہ ہی بہترین خالق برکتوں والا ہے۔جنت نے عرض کیا۔اے اللہ! میں راضی ہوں۔

آپ ایک اور وادی سے گزرے۔جہاں سے آپ کو ڈراؤنی سی آواز سنائی دی۔اور بدبو محسوس ہوئی۔پوچھا۔جبرئیل! یہ کیا ہے؟عرض کیا۔یہ جہنم کی آواز ہے۔جو یہ کہہ رہا ہے۔اے اللہ! مجھے وہ دیدے۔جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔میرے طوق، زنجیریں، ہتھکڑیاں، آگ، گرم پانی، پیپ اور عذاب بہت ہو چکے ہیں۔اور میری گہرائی بہت دور تک جا چکی ہے۔میری حرارت اپنے عروج پر ہے۔لہٰذا مجھے وہ عطا کر دے جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔اللہ تعالیٰ اسے کہتا ہے۔تیرے لئے ہر مشرک مرد و عورت اور کافر و خبیث مرد و زن، ہر متکبر ہے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کو اس کی اصلی شکل میں دیکھا۔جو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ کہ خواب میں دیکھتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا۔یارسول اللہ! آپ نے اسے کس حال میں دیکھا۔فرمایا۔اس کا رنگ سرخ ڈراؤنا تھا۔اور ایک آنکھ موجود تھی۔وہ چمکتے موتی کی طرح دمک رہی تھی۔اس کی پلکیں گویا درخت کی ٹہنیاں تھیں۔اور اس کی شکل عبدالعزیٰ بن قطن سے ملتی جلتی تھی۔

اس کے بعد آپ نے ایک سفید رنگ کا ستون دیکھا۔گویا وہ موتی ہے۔اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔پوچھا۔تم نے یہ کیا اٹھا رکھا ہے؟ کہنے لگے۔اسلام کا ستون اٹھا رکھا ہے۔ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے اٹھا کر شام میں رکھ دیں۔آپ تشریف لے جارہے تھے۔کہ آپ کی دائیں جانب سے کسی نے آپ کو بلایا۔کہا۔یَا مُحَمَّدُ اُنْظُرْ نِیْ اَسْأَلُکَ۔اے رسول خدا! میری طرف دیکھئے میں سائل

ہوں۔آپ نے اس کوکوئی جواب نہ دیا۔پوچھا۔جبرئیل!یہ کیا تھا؟عرض کیا۔یہ بلانے والا یہودیت کی دعوت دینے والا تھا۔اگر آپ اس کو جواب دیتے اور اس کی دعوت قبول کر لیتے۔تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔

اس دوران کہ آپ تشریف لے جا رہے تھے۔اچانک ایک شخص نے آپ کو آپ کی بائیں طرف سے آواز دیں۔اے رسول خدا!میری طرف دیکھئے میں ایک سائل ہوں۔آپ نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔اس کے بارے میں پوچھا۔یہ کون ہے۔جبرئیل نے عرض کیا۔یہ عیسائی مبلغ تھا۔اگر آپ اس کی دعوت قبول کر لیتے۔تو آپ کی امت ''عیسائی'' ہو جاتی۔

چلتے چلتے آپ کا ایک عورت کے قریب سے گزر ہوا۔جس نے اپنے بازوؤں سے کپڑا اٹھا رکھا تھا۔اور اس نے ہر طرح کی زیب وزینت کر رکھی تھی۔جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔وہ کہنے لگی۔اے رسول خدا!میری بات بھی سنیئے میں ایک سوالی ہوں۔آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔پوچھا۔جبرئیل!یہ کون تھی۔عرض کیا۔یہ دنیا تھی۔اگر آپ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کر لیتی۔چلتے چلتے آپ ایک چیز کے پاس پہنچے۔جو آپ کو اپنی طرف بلا رہی تھی۔اور وہ راستہ سے ہٹ کر اپنی طرف دعوت دے رہی تھی۔کہہ رہی تھی۔رسول خدا!میرے پاس جلدی آیئے۔حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔یا رسول اللہ جلدی آگے چلئے۔پوچھا۔یہ کون ہے؟عرض کیا۔دشمن خدا ''ابلیس'' ہے۔چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں۔

آپ آگے چلتے گئے۔تو اچانک ایک بڑھیا راستے کے ایک طرف کھڑی دکھائی دی۔کہنے لگی۔اے محمد!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)میری طرف توجہ کیجئے۔میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔آپ نے کوئی توجہ نہ کی۔پھر آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔یہ کون تھی؟عرض کیا۔یہ اس طرف اشارہ تھا کہ دنیا کی عمر اب اس بڑھیا کی عمر کی طرح اخیر کو پہنچ چکی ہے۔پھر چلتے چلتے آپ کی ملاقات اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سے ہوئی۔انہوں نے آپ کو ان الفاظ سے سلام کیا۔السلام علیک یا اخر السلام علیک یا حاشر۔جبرئیل نے عرض کیا۔آپ بھی ان کے سلام کا جواب دیجئے۔آپ نے یکے بعد دیگرے تین حضرات کے سلام کا جواب دیا۔پھر آخر میں آپ نے پوچھا۔جبرئیل یہ کون تھے؟عرض کیا۔یہ حضرت ابراہیم،موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ کے قریب سے گزرے تو وہ ''کثیب احمر'' کے نزدیک کھڑے اپنی قبر میں نماز ادا فرما رہے تھے۔لمبے قد کے آدم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔اور وہ بلند آواز سے کہنے لگے۔''اکرمته و فضلته'' آپ کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔

آپ نے بھی ان کو جواب دیا۔ حضرت موسیٰ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ تیرے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا۔ یہ جناب محمد مصطفیٰ ہیں۔ حضرت موسیٰ بولے۔ خوش آمدید۔ اے پیغمبر اکرم! آپ وہ عربی نبی ہیں۔ جنہوں نے اپنی امت کو نصیحت کی۔ ان کیلئے برکت کی دعا کی۔ اور حضرت موسیٰ نے کہا۔ آپ اپنی امت کیلئے آسانی کا سوال کرنا۔ پھر چل پڑے۔ تو آپ نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون تھے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے۔ آپ نے پوچھا کون سخت آواز سے ان کے ساتھ بات کر رہا تھا؟ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے اپنے رب کی طرف اپنی آواز کو بلند کیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تیزی طبع کو خوب جانتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے قریب سے گزرے۔ اس کے پھل ایسے جیسے چراغ ہوں۔ اس کے نیچے ایک بوڑھا اپنے بچوں سمیت بیٹھا تھا۔ پھر آپ نے کچھ چراغ اور روشنیاں دیکھیں۔ اس بوڑھے نے جبرئیل سے پوچھا۔ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ آپ کے بیٹے جناب احمد مجتبیٰ ہیں۔ کہنے لگے۔ اے نبی عربی امی! خوش آمدید۔ آپ نے اپنے رب کی رسالت پہنچا دی۔ اپنی امت کو نصیحت کر دی۔ اے محترم نبی! آج رات آپ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ اور آپ کی امت سب سے آخری امت ہے۔ اور سب سے کمزور بھی ہے۔ لہٰذا اگر ہو سکے تو اپنی امت کی حاجت اور بوجھ کے بارے میں ضرور اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا۔ اور برکت کی دعا دی۔

چلتے چلتے آپ ایک اور وادی میں پہنچے۔ جو بیت المقدس کے قریب تھی۔ اچانک وہاں آپ کو جہنم منکشف ہوا۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کیسا تھا؟ ارشاد فرمایا۔ ڈنگ کی طرح تھا۔ پھر چلتے چلتے شہر تک آ گئے۔ "باب یمانی" سے اس میں داخل ہوئے۔ اچانک مسجد کے دائیں اور بائیں دو نور دکھائی دیئے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کیسے نور ہیں؟ عرض کیا۔ جو آپ کی دائیں طرف ہے وہ آپ کے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کا محراب تھا۔ اور آپ کی بائیں جانب آپ کی بہن مریم کی قبر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ میں اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جس میں سورج اور چاند حائل (غروب) ہوتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیت المقدس کے "صخرہ" کی طرف آئے۔ اس میں اپنی انگلی رکھی۔ جس سے اس میں سوراخ بن گیا۔ پھر اس کے ساتھ "براق" کو باندھا گیا۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ کہ براق کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا گیا۔ جس کے ساتھ حضرات انبیاء کرام باندھتے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ کے صخرۃ میں ٹھیک سے تشریف فرما ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے "حور عین" کو دیکھنے کا سوال کیا ہے؟

فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیل نے کہا۔ پھر آپ ان عورتوں کی طرف چلئے۔ انہیں سلام کہیں۔ آپ تشریف لے گئے۔ انہیں سلام کیا۔ وہ ''صخرۃ'' کی بائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ کہنے لگیں۔ ہم ''خیرات حسان'' ہیں۔ نیک لوگوں کی بیویاں ہیں۔ وہ اس قدر صاف ہیں کہ کوئی میل کچیل نہیں۔ وہ کھڑے ہیں تھکتے نہیں۔ اور جنتی ہیں کبھی وہاں سے باہر نہ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام نے دو دو رکعت ادا فرمائیں۔ فراغت کے کچھ دیر ہی بعد بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام کو پہچانا۔ کچھ کھڑے اور کچھ رکوع و سجود میں تھے۔ پھر موذن نے اذان کہی۔ نماز کی اقامت کہی گئی۔ تمام حاضرین نے صفیں باندھیں۔ اور انتظار کرنے لگے۔ کون امامت کرائے گا۔ حضرت جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور آگے کیا۔ تو آپ نے ان تمام کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں آیا ہے۔ ''پھر اقامت کہی گئی۔ تو حاضرین نے ایک دوسرے کو آگے ہو کر نماز پڑھانے کو کہا۔ یہاں تک کہ سب نے متفقہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی'' حضرت کعب سے جناب واسطی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی۔ آسمانوں سے فرشتے اترے۔ آپ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو ان کی قبور سے اٹھایا۔ پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فراغت پائی۔ تو جبرئیل نے حضور سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں، آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ عرض کیا۔ وہ تمام نبی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تھا۔

امام حاکم نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی۔ اس کی تصحیح بھی کی۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام انبیاء کرام کی ارواح نے ملاقات کی۔ پھر انہوں نے اپنے رب کی ثناء کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ تمام تعریفیں اس کی جس نے مجھے خلیل بنایا۔ اور ملک عظیم عطا کیا۔ مجھے امت صابر بنایا کہ میری اقتداء کی گئی۔ مجھے آگ سے بچایا، آگ کو میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا، ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی یوں ثناء بیان کی۔ سب تعریفیں اس ذات کیلئے جس نے مجھ سے گفتگو کی، فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ذریعہ سے کی، میری امت میں ایسے لوگ بنائے جو حق کی طرف ہدایت کرتے اور حق کے ساتھ عدل کرتے تھے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا۔ سب خوبیاں اس

باری تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے ملک عظیم عطا فرمایا۔ زبور کا مجھے عامل بنایا، لوہا میرے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں کو میرے لئے مسخر کر دیا، پرندے اور پہاڑ میرے ساتھ تسبیحات کرتے، اور مجھے حکمت و خطاب فاصل عطا فرمایا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے یوں حمد باری تعالیٰ بیان کی۔ تمام تعریفیں اس کیلئے جس نے ہواؤں کو میرے تابع کر دیا، شیاطین کو میرے ماتحت کیا کہ وہ میرے لئے جو میں چاہتا بناتے، محاریب، تماثیل اور بڑی بڑی دیگیں ان سے بنواتا، پرندوں کی بولی سمجھائی، ہر چیز میں سے ''فضل'' عطا کیا۔ اور میرے لئے طاقتور شیاطین مسخر کر دیئے، پرندوں پر مجھے حکومت بخشی، اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی، اور ایسا ملک عظیم دیا جو میرے بعد کسی اور کو نہ دیا، مجھے ایسی حکومت دی، جس میں نہ کوئی سختی اور نہ حساب و کتاب تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حمد و ثناء کرتے ہوئے بولے۔ اس رب ذوالجلال کیلئے تمام تعریفیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، جس نے مجھے ''مثل آدم'' بنایا کہ جنہیں مٹی سے بنا کر کہا ہو جا تو وہ بن گیا۔ جس نے مجھے کتاب و حکمت کی تعلیم دی، تورات، انجیل کا عالم بنایا، اور مادر زاد اندھوں کو بینائی لوٹانے کا اعجاز بخشا، کوڑھ کے مریض کی شفاء میرے ہاتھ میں رکھی، مردوں کو زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا، مجھے آسمانوں پر اٹھا لیا، مجھے پاک کیا اور شیطان سے مجھے پناہ میں رکھا، جس کی وجہ سے شیطان کیلئے میرے گمراہ کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمد سرا ہوئے۔ فرمایا۔ تم سب حضرات نے رب کریم کی حمد و ثناء کہی، میں بھی اپنے رب کا ثناء خواں ہوں۔ سب تعریفیں اسے زیبا جس نے مجھے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا، بشیر و نذیر بنایا، مجھ پر ایسا فرقان نازل کیا جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، جس نے میری امت کو خیر امت بنایا جو تمام لوگوں سے بہتر پیدا کی گئی، میری امت کو ''امت وسط'' بنایا، میری امت کو اول و آخر بنایا، جس نے میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرمایا۔ جس نے میرا بوجھ اتارا، میرا ذکر دو چند بلند کیا، مجھے خاتم اور فاتح بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے، انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم پر فضیلت بخشی۔

پھر تمام انبیاء کرام نے قیامت کے بارے میں باہم گفتگو کی۔ اور طے کیا کہ اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تفصیلی بات کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر بات آ پڑی۔ آپ نے بھی کہا مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس کا وجوبی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔

لیکن جو مجھے بتایا گیا وہ یہ کہ دجال آئے گا اس وقت میرے پاس دو ٹہنیاں ہوں گی۔ جب وہ انہیں دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح شیشہ پگھل جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اسی وقت ہلاک کر دیگا جب اسے میں دکھائی دوں گا۔ حتیٰ کہ پتھر بھی بولے گا۔ اور کہے گا۔ اے مسلمان! میرے نیچے یا میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے۔ ادھر آؤ اور اسے قتل کر دو۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے اپنے شہروں میں، اپنے اپنے ملک میں واپس جائیں گے۔ اس وقت یاجوج وماجوج نکلیں گے۔ اور وہ ہر سمت سے تباہی پھیلاتے آئیں گے۔ تمام آبادیوں کو روندیں گے۔ جس چیز کے پاس بھی آئیں گے اسے ہلاک کر دیں گے اور جس پانی پر پہنچیں گے۔ اسے پی جائیں گے۔ حتیٰ کہ لوگ میرے پاس آ کر شکایت کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ جس سے یاجوج وماجوج ہلاک ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ زمین ان کی بدبو سے بھر جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ ان کی لاشیں تیریں گی۔ حتیٰ کہ وہ سمندروں میں پھینک دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس بارے میں بتایا ہے۔ وہ یہ بھی ہے کہ جب ایسا ہو جائے گا، تو قیامت آجائے گی۔ یوں جیسا کہ قریب الولادت عورت ہوتی ہے، جسے اپنے بیگانے سب بھول جاتے ہیں۔ رات دن ایسے ہی گزریں گے۔

اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت پیاس محسوس فرمائیں گے۔ پھر آپ کو دو پیالے دیئے جائیں گے۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب سے۔ ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد ہوگا۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ کے پاس تین برتن ڈھکے ہوئے لائے جائیں گے۔ ان میں سے ایک برتن آپ کو پیش کیا جائے گا۔ جس میں پانی ہوگا۔ آپ تھوڑا سا اس میں سے نوش فرمائیں گے۔ یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ اس سے ایک قطرہ بھی نہیں پئیں گے۔ پھر آپ کو دوسرا برتن دیا جائے گا۔ اس میں دودھ ہوگا۔ آپ اس میں سے سیر ہو کر نوش فرمائیں گے۔ پھر تیسرا برتن آپ کو دیا جائیگا۔ اور کہا جائیگا۔ نوش فرمائیے۔ آپ جواب دیں گے۔ میں سیر ہو چکا ہوں اب اور زیادہ پینے کا ارادہ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام عرض کریں گے۔ یہ (شراب) آپ کی امت پر حرام کر دی گئی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ آپ کو دودھ، پانی اور شراب تینوں پیش کیے جائیں گے۔ ایک روایت میں دودھ کے بدلہ شہد آیا ہے۔ آپ تھوڑا سا شہد استعمال فرمائیں گے۔ دودھ پئیں گے اور سیر ہو کر پئیں گے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے کندھے پر ہاتھ ماریں گے اور کہیں گے۔ آپ نے فطرت کو پالیا۔ اگر آپ شراب پیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منبر سے ٹیک لگائے ایک بوڑھے نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہا۔ تمہارے دوست نے فطرت کو لیا ہے اور

وہ بیشک ہدایت یافتہ ہے۔

اس کے بعد "معراج" یعنی سیڑھی لائی گئی۔ جس کے ذریعہ بنی آدم کی روحیں اوپر جاتی ہیں۔ مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت کوئی سیڑھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس کا ایک زینہ سونے اور دوسرا چاندی کا بنا ہوا ہے۔ "شرف المصطفیٰ" میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت مذکور ہے۔ کہ یہ سیڑھی جنت الفردوس سے لائی گئی۔ جو موتیوں سے جڑی ہوئی تھی۔ اس کی دائیں جانب بھی اور بائیں جانب بھی فرشتے تھے۔ اس سیڑھی پر چڑھ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ دونوں آسمان دنیا کے ایک دروازے تک پہنچ گئے۔ جس کا نام "باب الحفظة" ہے۔ اس پر نگران فرشتے کا نام "اسماعیل" ہے۔ یہی فرشتہ آسمان دنیا کا مالک ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث جناب جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرشتہ ہوا میں ساکن تھا۔ نہ تو کبھی آسمان کی طرف چڑھا اور نہ ہی کبھی زمین کی طرف آیا۔ مگر صرف ایک دن جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ اس فرشتے کے سامنے ستر ہزار فرشتے ہیں۔ ہر فرشتہ کیساتھ اس کا گروہ ہے۔ جو ایک لاکھ فرشتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان دنیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا گیا۔ کون ہو؟ کہا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد فرشتہ نے کہا۔ خوش آمدید۔ اہلاً وسہلاً۔ اللہ تعالیٰ خلیفہ کو زندگی بخشے اور بھائی کو بھی۔ کتنا اچھا خلیفہ اور کتنا خوبصورت بھائی ہے۔ کتنا بہترین آنے والا آیا۔ یہ کہہ کر فرشتہ نے دروازہ کھولا۔ جب دونوں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی حالت میں اور اسی صورت میں موجود ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی مومن اولاد کی روحیں ان پر پیش کی جاتی ہیں۔ آپ انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں۔ یہ روح پاکیزہ ہے اور روح والا بھی طیب ہے۔ اسے "علیین" میں لے جاؤ۔ پھر آپ پر آپ کی اولاد میں سے کفار کی ارواح پیش کی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ روح بھی خبیث اور روح والا بھی خبیث۔ اسے "سجین" میں لے جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ہیں۔ اور دروازہ ہے جس سے بہترین خوشبو نکلتی ہے آپ کے شمال میں بھی چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ہیں۔ اور دروازہ سے بدبو نکلتی ہے۔ جب آپ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اور جب اپنی شمال کی جانب دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رو پڑتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم نے جواب دیا۔ پھر کہا۔

خوش آمدید۔اے صالح فرزند،اے صالح نبی!حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا۔یہ کون ہیں؟عرض کیا۔آپ کے والد حضرت آدم ہیں۔اور چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ان کی اولاد ہے۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں دوزخی ہیں۔جب آپ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور بائیں جانب دیکھ کر روتے ہیں۔اور ان کی دائیں جانب والا دروازہ "جنت کا دروازہ" ہے۔ جب اس میں سے اپنی اولاد کو داخل ہوتے دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔اور مسکراتے ہیں۔اور جو دروازہ ان کی شمالی جانب ہے وہ جہنم کا دروازہ ہے۔جب اس میں سے داخل ہوتی اپنی اولاد دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رو پڑتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑا سا وقت اور چلے تو آپ کو دستر خوان نظر آئے۔ان پر گوشت بکھرا پڑا تھا لیکن کوئی کھانے والا نہ تھا۔اور اچانک کچھ دستر خوان دکھائی دیئے۔ان پر گوشت ایسا تھا جس سے بدبو آ رہی تھی۔اس کے آس پاس بہت سے لوگ بیٹھے اسے کھا رہے تھے۔آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔یہ کون ہیں؟عرض کیا۔یہ آپ کے وہ امتی ہیں۔جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف آتے تھے۔یوں بھی روایت آئی ہے آپ اچانک ایک قوم پر پہنچے۔جو دستر خوان پر بیٹھی ہے۔اس دستر خوان پر بھنا ہوا گوشت تھا کہ اس سے زیادہ اچھا گوشت نہیں ہوسکتا اور اچانک دیکھا تو اس دستر خوان کے اردگرد مردار پڑا ہوا ہے۔لوگ مردار پر جھپٹ رہے ہیں۔اس میں سے کھاتے ہیں اور خوبصورت گوشت کو چھوڑ دیتے ہیں۔آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟جبرئیل نے عرض کیا۔یہ "زانی" ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جو عورتیں حرام قرار دی تھیں۔یہ انہیں حلال جانتے تھے اور ان کیلئے جو حلال و جائز تھیں ان کو چھوڑے بیٹھے تھے۔

پھر کچھ دیر چلے۔تو ایک قوم نظر آئی۔ان کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسا کہ کمرے ہوں۔ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔جب ان میں کوئی سانپ اوپر چڑھتا۔تو وہ آدمی گر جاتا۔وہ کہتا۔ اے اللہ!قیامت قائم نہ کرنا۔یہ لوگ آل فرعون کی "سابلہ" پر تھے۔پھر سابلہ آئیگی اور ان کو روندے گی۔پھر ان کی آواز آئے گی۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری کریں گے۔جبرئیل سے آپ نے پوچھا۔یہ کون ہیں؟عرض کیا۔یہ آپ کی امت کے سود خوار ہیں۔کل قیامت میں اس طرح کھڑے ہوں گے۔جس طرح کسی کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

آپ تھوڑا سا اور آگے بڑھیں گے۔ایک قوم کو دیکھیں گے جن کے ہونٹ اونٹوں کی مانند ہوں گے۔اپنا منہ کھولیں گے۔اور پتھروں کے لقمہ جات کھائیں گے۔ایک روایت میں ہے۔ان کے

مونہوں میں جہنم کے پتھر ڈالے جائیں گے۔ پھر وہی پتھر ان کے پاخانہ کی جگہ سے نکالے جائیں گے۔ آپ نے ان کی فریاد سنی۔ کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا دکھ بیان کرتے ہیں۔ جبرئیل سے آپ نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھایا کرتے تھے۔ انہوں نے یتیموں کا مال نہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ ڈالی تھی۔ بہت جلد جہنم میں جانے والے ہیں۔

پھر آپ اور آگے بڑھے۔ دیکھا۔ کہ عورتیں اپنے پستانوں کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں۔ کچھ اور عورتیں دیکھیں۔ جن کے پاؤں الٹے ہیں۔ آپ نے سنا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چیخ و پکار کر رہی ہیں۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ بدکار زانی عورتیں ہیں۔ اور اپنی اولاد کی قاتل عورتیں ہیں۔ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو ایک قوم دیکھی۔ ان کے پہلوؤں سے گوشت کاٹا جاتا ہے اور انہیں کھانے کیلئے دیا جاتا ہے۔ وہ کھاتے ہیں۔ اور ان سے کہا جاتا ہے۔ اب کھاؤ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جبرئیل پوچھنے پر بتائیں گے۔ کہ یہ لوگ آپ کی امت میں سے چغلخور اور غیبت کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے جائیں گے۔ حضرت جبرئیل دروازہ کھولنے کو کہیں گے۔ پوچھا جائے گا۔ کون ہو؟ جواب دیا۔ میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جواب دیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جواب دیں گے۔ ہاں۔ پھر آواز آئے گی۔ اھلاً وسھلاً و مرحباً۔ بھائی کو اور خلیفہ کو اللہ تعالیٰ زندگی اور برکت دے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ پھر دونوں کیلئے دروازہ کھول دیا جائے گا۔ جب اندر داخل ہوں گے۔ تو اچانک ان کی ملاقات خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام سے ہوگی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ دونوں کے کپڑے اور بال ملتے جلتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ ان کی قوم سے بہت سے آدمی ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھنے بالوں والے، سانولے رنگ کے گویا ابھی ابھی حمام سے باہر تشریف لائے ہیں۔ ان کی شکل حضرت عروۃ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی تھی۔ آپ نے دونوں حضرات کو سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دونوں نے کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر خوش آمدید۔ اور آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔

پھر آپ تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ پوچھا کون ہو؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا جناب محمد رسول اللہ صلی

B

اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا تمہیں ان کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ خوش آمدید۔ بھائی اور خلیفہ کو اللہ تعالیٰ زندگی دے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ دونوں کیلئے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب اندر داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ ان کی قوم سے بہت سے افراد تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت یوسف نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر! خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔ آپ کو عظیم حسن و جمال عطا کیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بڑھ کر حسین وجمیل۔ اللہ تعالیٰ نے حسن کے اعتبار سے حضرت یوسف کو لوگوں پر اس طرح فضیلت دی ہے۔ جس طرح چودھویں رات کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ آپ کے بھائی حضرت یوسف ہیں۔

پھر چوتھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہو! جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ پوچھا گیا کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ اس پر دروازہ کھول دیا گیا۔ اور خوش آمدید کہا۔ اور کہا کتنا عمدہ بھائی اور کیسا افضل خلیفہ ہے۔ اور آنے والا کتنا عمدہ ہے۔ جب دونوں دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ تو حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جن کا مقام بلند کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے دعائے خیر کی۔

اس کے بعد پانچویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ آسمان کے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہو؟ جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا۔ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ کہا۔ ہاں۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ دونوں حضرات داخل ہو گئے۔ اور دربان نے خوش آمدید کہا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کو زندگی عطا کرے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا عمدہ خلیفہ ہے۔ اور کتنا خوبصورت آنے والا ہے۔ جب اندر تشریف لائے تو حضرت ہارون علیہ السلام دیکھے۔ ان کی آدھی داڑھی شریف سفید اور دوسری آدھی سیاہ رنگ کی تھی۔ اتنی لمبی داڑھی کہ ناف تک پہنچی ہوئی تھی، ان کے اردگرد بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ اور آپ انہیں واقعات بتا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا۔ انہوں نے

سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا۔ اے صالح بھائی اور صالح خلیفہ! خوش آمدید۔ پھر آپ کو دعائے خیر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون تھے۔ عرض کیا۔ یہ ہارون علیہ السلام تھے۔ جو اپنی قوم میں ہر دل عزیز تھے۔

آپ اس کے بعد چھٹے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔ کہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بھائی اور خلیفہ کو زندگی عطا کرے۔ کتنا عمدہ بھائی اور کتنا عمدہ خلیفہ ہے۔ اور کتنا عمدہ آنے والا آیا ہے۔ دروازہ کھولا۔ دونوں اندر تشریف لے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام میں سے ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کی امتیں ان کے ساتھ تھیں۔ اور کچھ پیغمبر ایسے بھی تھے۔ جن کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''سواد اعظم'' (بہت بڑی جماعت) سے گزر ہوا۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ جبرئیل نے بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں۔ لیکن اب ذرا سر انور اٹھائیں۔ اور اوپر دیکھیں۔ آپ نے دیکھا تو اس قدر لوگ تھے کہ دونوں اطراف سے آخر تک آدمی ہی آدمی تھے۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت ہے۔ ان کے علاوہ ستر ہزار اور ہیں۔ جو حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دراز قد اور بکثرت بالوں والے کہ اگر دو قمیضیں بھی پہن رکھی ہوتیں تب بھی ان میں سے بال دکھائی دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔ اور کہا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شخصیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے بھی زیادہ معزز و مکرم ہے۔ جب آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ نے پوچھا۔ رونے کا کیا سبب بنا؟ فرمایا۔ سبب یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد ایک نوجوان پیغمبر بھیجا۔ جس کی امت جنت میں اس قدر جائے گی کہ میری امت اس کے مقابلہ میں کم ہوگی۔ بنی اسرائیل یہ گمان کرتے تھے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں۔ لیکن یہ مرد کامل آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے مجھ سے بعد دنیا میں آئے اگر ذاتی بات ہوتی تو اور بات تھی۔ لیکن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت بھی ہوگی۔

آپ پھر اوپر تشریف لے گئے۔ جب دونوں حضرات ساتویں آسمان کے قریب پہنچے۔ تو آپ نے اس کے اوپر رعد، برق اور کڑک دیکھی۔ حضرت جبرئیل نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔ کہا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ان کا آنا مبارک۔ اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کی عمر دراز عطا کرے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ پھر دروازہ کھلا۔ تو آپ نے سموات علا میں تسبیح کی آواز سنی۔ جو بہت سی تسبیحات کے ساتھ تھی۔ اور تسبیح کہنے والے بڑے بارعب تھے۔ بہت بلند مقام والے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر رہے تھے۔ جب دونوں حضرت اندر تشریف لائے تو اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا۔ کنگھی کیا ہوا ایک شخص جنت کے دروازہ کے قریب کرسی پر جلوہ فرما اور بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے ہوئے تھا۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کی ایک بڑی تعداد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بیٹے اور صالح پیغمبر! آنا مبارک ہو۔ اور کہا۔ اپنی امت کو حکم دو کہ جنت میں بکثرت درخت لگا لیں۔ کیونکہ اس کی مٹی پاکیزہ اور زمین بہت وسیع ہے۔ آپ نے پوچھا۔ جنت میں درخت کیسے لگائیں۔ کہا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔ اس سے جنت میں درخت بن جائیں گے۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انہیں خبر دینا کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ اور اس کا پانی بہت میٹھا ہے۔ اس میں درخت لگائیں۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھنا جنت میں درخت لگانا ہے۔

آپ ﷺ کی شکل مبارک ان سے بہت مشابہ تھی۔ ان کے قریب لوگ بیٹھے تھے۔ جن کے چہرے سفید تھے۔ جیسا کہ سفید کاغذ ہوں۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جن کے رنگوں میں کچھ ملاوٹ تھی۔ تو جن لوگوں کے رنگوں میں ملاوٹ تھی یہ کھڑے ہو گئے۔ ایک نہر میں داخل ہوئے۔ اس میں غسل کیا۔ پھر جب باہر نکلے۔ تو اب ان کے رنگ نکھر چکے تھے۔ پھر نہر میں داخل ہوئے اور غسل کیا۔ جب باہر آئے تو اور نکھرے ہوئے تھے۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی کیا۔ اب ان کے رنگ ان کے دوسرے ساتھیوں کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ آ کر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ اور یہ نہر کیسی ہے؟ عرض کیا۔ یہ لوگ جن کے چہرے بالکل سفید ہیں۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کے ساتھ کسی قسم کے ظلم کی ملاوٹ نہیں کی تھی۔ اور دوسرے لوگ کہ جن

کے رنگوں میں ملاوٹ تھی۔ وہ وہ ہیں۔ جن کے عمل نیک اور بد دونوں مخلوط تھے۔ پھر انہوں نے توبہ کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور یہ نہریں ان میں سے پہلی نہر اللہ تعالیٰ کی رحمت، دوسری اس کی نعمت اور تیسری شراب طہور کی ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سیراب کیا۔ اور اخلاص بخشا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا۔ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا مکان ہے۔ اچانک آپ کو اپنی امت دو حصوں میں نظر آئی۔ ایک حصہ کے جسم پر کپڑے تھے۔ جیسا کہ کاغذ ہوں۔ اور دوسرے حصہ پر پھٹے پرانے کپڑے تھے۔ آپ بیت المعمور میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی داخل ہوئے جن کے کپڑے کاغذ کی مانند سفید تھے۔ اور میلے کچیلے کپڑوں والے داخلہ سے محروم رہے۔ اور وہ بھی ''خیر'' والے ہی ہیں۔ پھر آپ نے بیت المعمور میں اپنے ساتھ والے مومنوں کی معیت میں نماز ادا فرمائی۔ آپ نے دیکھا کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر قیامت تک ان کے دوبارہ داخل ہونے کی باری نہیں آتی۔ گویا ہر ایک فرشتے کا اول و آخری داخلہ یہی ہوتا تھا۔ اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت باہر تشریف لے آئے۔

طبرانی میں روایت ہے جس کی سند صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شب اسراء ''ملأ اعلیٰ'' پر سے گزرا۔ دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پرانے کپڑے کی مانند ہیں۔ ان کی یہ حالت اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے تھی۔ امام بزار کی روایت میں ہے۔ کہ آپ ''لاطی'' کپڑے کی مانند تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک برتن پیش کیا گیا۔ جس میں شراب تھی۔ دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد پیش کیا گیا۔ آپ نے ان میں سے دودھ والا برتن پکڑ لیا۔ اس پر حضرت جبرئیل بولے۔ آپ نے درست کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو آپ کی وجہ سے فطرت پر قائم رکھے گا۔ ایک روایت میں ہے۔ یہ (دودھ) وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہیں۔

اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں زمین سے اوپر جانے والی ہر چیز کا ''آخر'' ہے۔ اس جگہ سے اوپر کوئی نہیں جا سکتا۔ اور اوپر والے جو نیچے آتے ہیں۔ یہاں سے نیچے نہیں آ سکتے۔ لہٰذا نیچے والوں سے اوپر والے اور اوپر والوں سے نیچے والے مختلف اشیاء اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا۔ کہ اس کی جڑوں سے خالص پانی کی نہریں نکلتی ہیں۔ خالص دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں۔ جو پینے والوں کی لذت کو دوبالا کرتی ہیں۔ اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے سایہ میں اگر سوار ستر سال تک چلتا رہے تو سایہ ختم نہ

ہو۔اس کے بیر (پھل) پتھر کی چٹانوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند ہیں۔قریب ہے کہ اس کے پتے اس امت کو ڈھانپ لیں۔ایک روایت میں ہے۔کہ ایک پتہ پوری امت کو ڈھانپنے کیلئے کافی ہے۔طبرانی کی روایت کے مطابق اس کا ایک پتہ پوری مخلوق پر سایہ کر سکتا ہے۔ہر پتہ پر فرشتہ مقرر ہے۔اس پتہ کو بہت سے رنگوں نے اپنے جھولی میں لے لیا۔جن کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کیا رنگ ہیں۔جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتہ کو ڈھانپتے ہیں۔تو جو اللہ چاہتا ہے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ایک روایت میں ہے۔کہ پتہ اس کے بعد یاقوت اور زبرجد بن جاتا ہے۔اس کے حسن کی کوئی تعریف نہیں کر سکتا۔اس میں سونے کے ''فراش'' ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ اس میں سونے کی بنی مکڑیاں بسیرا رکھتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہے۔اس تک آپ کی امت کے ان لوگوں کی انتہا ہوتی ہے۔جو آپ کے راستے پر چلتے ہیں۔دیکھا تو اس کی جڑوں میں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔دو ظاہری اور دو باطنی نہریں ہیں۔آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔جو دو باطنی نہریں ہیں۔وہ جنت میں دو نہریں ہیں۔اور جو دو ظاہری ہیں۔وہ نیل اور فرات ہیں۔ایک روایت ہے کہ اس کی جڑوں میں سے ایک چشمہ پھوٹتا ہے۔جس کا نام ''سلسبیل'' ہے۔پھر اس سے دو نہری نکلتی ہیں۔ایک کا نام کوثر ہے۔وہاں میں نے بکریوں کے برابر اونٹ دیکھے۔ان پر لولؤ یاقوت اور زبرجد کے کجاوے تھے۔ان پر سبز رنگ کے بیٹھے ہوئے خوبصورت پرندے تھے۔سونے چاندی کے تمہیں وہاں برتن دکھائی دیں گے۔وہ پانی یاقوت و زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر بہتا نظر آتا ہے۔دودھ سے زیادہ سفید اس کا پانی ہے۔میں نے ایک برتن اٹھایا۔اور اسے پانی سے بھر کر پیا۔تو شہد سے زیادہ میٹھا محسوس ہوا۔اس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی۔حضرت جبرئیل نے مجھے بتایا کہ یہ نہر اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے چھپا کر رکھی ہے۔دوسری نہر رحمت کی نہر ہے۔اس میں غسل کیجئے۔آپ نے غسل فرمایا۔جس سے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ان کے چھ سو پر تھے۔ایک پر اتنا کہ تمام افق اس میں گم ہو جائے۔ان کے پروں سے ایسے انمول یاقوت اور موتی جھڑتے تھے، جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔پھر آپ کوثر پر تشریف لے گئے۔اس کے بعد آپ جنت میں داخل ہوئے۔جنت میں ایسی اشیاء دیکھیں۔جو کسی کان نے نہ سنیں، نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی انسانی دل و دماغ میں ان کا صحیح تصور آیا۔آپ نے دیکھا کہ جنت کے دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَ

اَلْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ۔ صدقہ دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا بڑھ جائیگا۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ "قرض" کو صدقہ سے افضل کہا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام بولے کہ سوالی سوال کرتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض لینے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے۔ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کے بعد آپ کے سامنے ایک لڑکی آئی۔ آپ نے پوچھا۔ اے لڑکی! تو کون ہے؟ کہنے لگی۔ زید بن حارثہ کیلئے ہوں۔ آپ نے ایک سفید موتی میں سے جنت دیکھی۔ اس میں موتیوں کے گچھے دکھائی دیئے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔ لوگ مجھ سے جنت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو کیا کہوں؟ کہا۔ انہیں یہ جواب دیا کرو۔ کہ وہ ہموار زمین ہے۔ اس کی مٹی مشک کی ہے۔ آپ نے جنت میں ایک طرف سے دھماکہ کی طرح کی آواز سنی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ کہا۔ مؤذن بلال ہیں۔ آپ آگے چل پڑے۔ آگے دیکھا تو دودھ کی نہریں ہیں۔ جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوا۔ اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو لذت بخشتی ہیں۔ اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں۔ جنت کے انار ڈول کی طرح بڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ اس میں ایسے انار تھے جیسا کہ پالان ڈالا گیا اونٹ ہو۔ پھر آپ نے ایک پرندہ دیکھا۔ جو "بخاتی" کی مانند تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ پرندہ جو آپ نے جنت میں دیکھا تھا۔ وہ شتر مرغ تھا؟ فرمایا۔ میں نے اسے کھایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ لذیذ ولطیف ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ تم بھی اس میں سے کھاؤ گے۔ آپ آگے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک نہر آئی۔ جس کے کناروں پر بند موتیوں کے گنبد تھے جو اندر سے خالی تھے۔ اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ "کوثر" ہے۔ پھر آپ کے سامنے آگ لائی گئی۔ دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ڈانٹ تھی۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈال دیا جائے۔ تو انہیں وہ آگ کھا جائے گی۔ اچانک آپ نے ایک قوم دیکھی جو مردار کھا رہی تھی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک سرخ رنگ کا اور نیلی آنکھوں والا آدمی دیکھا۔ پوچھا۔ یہ کون ہے؟ عرض کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے۔ آپ نے جہنم کا مالک "خازن" دیکھا۔ وہ تیوری چڑھائے ہوئے تھا اس کے چہرے سے غضب کے آثار نمودار تھے۔ وہ آپ کے سامنے آیا اور پھر اس نے جہنم کا دروازہ بند کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "سدرۃ المنتہیٰ" کی طرف چڑھے۔ اس کو آپ نے خلائق کے انوار سے ڈھکے ہوئے پایا۔ اور فرشتے اس کے چاروں طرف تھے۔ فرشتے اس کے پتوں پر بیٹھے

ہیں۔ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نیچے آتا ہے۔ پھر اسے بادل گھیر لیتے ہیں۔ جن میں ہر رنگ ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ آپ کا رب ''تسبیح'' کہتا ہے۔ پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ عرض کیا۔ ''سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي'' کہتا ہے۔

آپ اور بلندی پر تشریف لے گئے۔ حتیٰ کہ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں آپ نے قلم چلنے کی آوازیں سنیں۔ اور ایک شخص دیکھا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کیا۔ نہیں۔ پوچھا۔ کوئی پیغمبر ہے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ پوچھا پھر کون ہے؟ عرض کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کی دنیا میں ذکر خدا سے زبان تر رہتی تھی۔ اور اس کا دل مسجد کی طرف لگا رہتا تھا۔ اور اپنے والدین کو اس نے کبھی گالی نہیں دلوائی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو کی۔ فرمایا۔ اے محمد! عرض کیا۔ لبیک یا رب۔ فرمایا۔ مانگو۔ عرض کیا۔ باری تعالیٰ! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''خلیل'' بنایا۔ انہیں ''ملک عظیم'' عطا کیا۔ تو نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ تو نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ''ملک عظیم'' عطا کیا، ان کیلئے لوہا نرم کر دیا۔ جن و انس ان کے ماتحت کر دیئے، اور شیاطین پر ان کو حکومت عطا فرمائی۔ پہاڑ ان کے تابع کر دیئے۔ تو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ''ملک عظیم'' عطا کیا۔ ہوائیں ان کے تابع کر دیں۔ اور انہیں ایسی حکومت بخشی جو ان کے بعد کسی اور کو نہیں ملی۔ تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت و انجیل کی تعلیم دی۔ اور انہیں مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے، کوڑھ کے مریض کو شفایاب کرنے اور اپنے حکم سے مردوں کو زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا۔ انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان رجیم سے پناہ میں رکھا۔ جس کی وجہ سے شیطان کیلئے ان دونوں کو گمراہ کرنے کا کوئی راستہ نہ مل سکا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔

میں نے تمہیں اپنا حبیب بنایا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ توریت میں آپ کو ''حبیب اللہ'' لکھا گیا ہے۔ فرمایا۔ میں نے تمہیں تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کیلئے آپ کا سینہ کھولا ہے۔ آپ سے آپ کا بوجھ اتار پھینکا۔ آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ جہاں اور جب بھی میرا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ میں نے آپ کی امت کو ''خیر امت'' بنایا، جو تمام دوسری امتوں سے افضل ہے۔ آپ کی امت کو ''امت وسط'' بنایا۔ آپ کی امت کو ''اول و آخر'' بنایا۔ اور آپ کی امت کیلئے یہ طریقہ بنایا، کہ ان کے خطیبوں کا خطبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا۔ جب تک وہ

اپنے خطبہ کے دوران آپ کیلئے میرا بندہ ہونا، میرا رسول ہونا، ذکر نہ کریں۔ میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ بنائے جن کے دل ان کی انجیل ہیں۔ آپ کو میں نے پیدائش کے اعتبار "اول النبیین" بنایا۔ اور بعثت کے اعتبار سے "آخر النبیین" بنایا۔ اور ان تمام پیغمبروں سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ آپ کو میں نے "سبع مثانی" عطا فرمائی۔ جو کسی اور پیغمبر کو نہیں دی گئی۔ میں نے آپ کو "کوثر" عطا کیا۔ آپ کو آٹھ حصے دیئے گئے۔ یعنی اسلام، ہجرت، جہاد، صدقہ، صلوۃ، صوم رمضان، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اور جس دن میں نے زمین و آسمان بنائے اسی دن آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں۔ لہٰذا آپ اور آپ کی امت ان پچاس نمازوں کو پابندی سے ادا کرنا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فضیلت دی کہ مجھے "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجا۔ تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنایا۔ میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ڈال دیا۔ "غنائم" میرے لئے حلال کر دیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہ تھیں۔ میرے لئے روئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا۔ مجھے ایسے کلمات عطا کئے گئے جو فواتح، خواتم اور جوامع ہیں۔ مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔ پس تابع اور متبوع کو مجھ سے کوئی خوف نہ رہا۔ مین نے انہیں دیکھا۔ کہ وہ ایسی قوم کے پاس آئے جس نے بالوں کی بنی جوتیاں پہن رکھی تھیں۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس آئے۔ جن کے چوڑے چہرے اور چھوٹی آنکھیں تھیں۔ جیسا کہ سوئی سے ان کی آنکھیں سی دی گئی ہوں۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میرے بعد ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین باتیں عطا کی گئیں۔ ایک یہ کہ آپ "سید المرسلین" ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ "امام المتقین" ہیں۔ اور تیسری یہ کہ آپ "قائد الغر المحجلین" ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس نمازیں عطا کی گئیں۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں۔ اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ جس نے آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوگا۔

اس کے بعد آپ پر سے "بادل" ہٹ گیا۔ حضرت جبرئیل نے آپ کا دست اقدس پکڑا۔ اور جلدی سے واپس ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا، تمہاری دوستی مبارک ہو۔ پھر پوچھا۔ یا رسول

اللہ! آپ پر آپ کے رب نے کیا کیا باتیں فرض کیں اور آپ کی امت پر کیا کیا احکام لازم کئے؟ فرمایا۔ مجھ پر اور میری امت پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنا فرض کیا گیا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ آپ اپنے رب کے پاس واپس تشریف لے جائیں۔ اور ان میں تخفیف کی درخواست کریں۔ کیونکہ آپ کی امت ان کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا امتحان لے چکا ہوں۔ اور بنی اسرائیل کو میں نے خوب پرکھا ہے۔ اور میں نے اس سے کہیں کم باتوں کو انہیں کرنے کو کہا۔ لیکن وہ کمزور نکلے۔ اور چھوڑ گئے۔ اور آپ کی امت جسم، بدن، دل، آنکھیں اور کانوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین کی طرف توجہ کی۔ اور ان کا مشورہ طلب کیا۔ جبرئیل نے اشارہ کیا۔ کہ حضرت موسیٰ کی بات درست ہے۔ اگر آپ واپس جانا چاہتے ہیں تو جلدی کیجئے۔ آپ بہت جلد ''شجرۃ'' کے پاس تشریف لائے۔ اسے بادلوں نے چھپا رکھا تھا۔ آپ سجدہ میں گر گئے۔ اور عرض کی۔ باری تعالیٰ ہم پر تخفیف فرما دے۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ نے عرض کیا۔ اے اللہ! میری امت پر تخفیف فرما دے۔ کیونکہ وہ تمام امتوں سے کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے ان میں سے پانچ معاف کر دیں۔ پھر بادل کھل گیا۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ تشریف لائے۔ اور بتایا کہ پانچ نمازوں کی مجھے تخفیف کر دی گئی ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا۔ دوبارہ جائیے۔ اور مزید تخفیف کا سوال کیجئے۔ اس لئے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ نے اس کے بعد حضرت موسیٰ اور رب کریم کے درمیان کئی پھیرے لگائے۔ ہر مرتبہ پانچ نمازیں کم کر دی جاتیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب۔ آپ نے عرض کیا۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ فرمایا۔ اب ایک دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہیں۔ اور ہر ایک نماز دس نمازوں کی جگہ ہے۔ اس طرح ثواب پچاس کا ہی ہوگا۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ ہی اب میرا حکم منسوخ ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پچاس نمازوں میں سے آپ پر پانچ باقی رکھیں ہیں۔ اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور عمل نہ کر سکا۔ اس کیلئے نیکی لکھی جائے گی۔ اور اگر اس پر عمل کر لیا تو اس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا۔ اور اس پر عمل نہ کیا تو اس کیلئے کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا۔ اور اگر برائی کر بیٹھا تو اس کا گناہ ایک برائی کا ہی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف لائے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور انہیں نمازوں کی تخفیف کا بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ کیونکہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنے

پروردگار کے پاس بار بار گیا۔حتیٰ کہ اب مجھے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔لیکن اب میں اس پر راضی ہوں اور سرِ تسلیم خم ہے۔اس پر ایک منادی نے آواز دی۔بیشک میں نے اپنا فرض اپنے بندوں پر نافذ کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔اتر آیئے۔بسم اللہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت سے گزرے۔تو انہوں نے آپ کو ''حجامت'' کی تاکید کی۔ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔اپنی امت کو ''حجامت'' کا حکم دینا۔(حجامت سے مراد پچھنے لگوانا ہے) پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا۔میں جب بھی آسمانی فرشتوں کے پاس گیا۔تو انہوں نے مجھے ''مرحبا'' کہا۔اور خوش ہوئے۔لیکن ایک فرشتہ ایسا تھا۔جس کو میں نے سلام کیا۔اس نے سلام کا جواب دیا۔مرحبا بھی کہا۔میرے لئے دعائے خیر بھی کی۔لیکن وہ خوش نہ ہوا۔وہ کون ہے؟ عرض کیا۔وہ جہنم کی آگ کی خازن ''مالک'' ہے۔جب سے وہ پیدا ہوا۔ہنستا نہیں۔اگر کسی کو دیکھ کر ہنستا تو آپ کو دیکھ کر ضرور وہ خوش ہو کر ہنستا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان دنیا پر تشریف لائے۔اس سے نیچے دیکھا۔تو غبار، دھواں اور آوازیں محسوس ہوئیں۔پوچھا۔جبرئیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔یہ شیاطین ہیں۔اولادِ آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت میں غور وفکر نہیں کرتے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ عجائب دیکھتے۔

پھر آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔سوار ہوئے۔واپسی آتے ہوئے آپ نے قریش کا ایک قافلہ دیکھا۔جو فلاں فلاں مقام پہ تھا۔اس میں ایک اونٹ ایسا تھا۔جس پر دو تھیلے تھے۔ایک سیاہ دوسرا سفید۔جب آپ قافلہ کے پاس آئے تو قافلہ نے نفرت کی اور پشت پھیر لی۔اور اس اونٹ نے بلبلانا شروع کر دیا۔آپ کا گزر ایک اور قافلہ سے ہوا۔جن کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔فلاں کے پاس تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ان میں سے بعض بولے۔کہ یہ ''محمد'' کی آواز ہے۔آپ صبح سے کچھ دیر پہلے مکہ شریف واپس آ گئے۔صبح ہوئی۔تو آپ کو خیال آیا۔کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔لہٰذا غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔آپ کے قریب سے اللہ کے دشمن ابوجہل کا گزر ہوا۔قریب آ گیا۔اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔اور ازروئے استہزاء پوچھنے لگا۔کیا کوئی واقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔پوچھنے لگا۔بتاؤ کیا ہے؟ فرمایا۔ آج رات مجھے لے جایا گیا تھا۔پوچھا۔کہاں؟ فرمایا۔بیت المقدس۔پوچھا۔پھر آپ صبح کے وقت واپس بھی آ گئے؟ کہا۔ہاں۔اس وقت تو ابوجہل نے تکذیب نہ کی۔کیونکہ وہ سمجھتا تھا۔کہ شائد وقت آنے پر آپ اپنی بات سے مکر جائیں۔جب میں قوم کو ان کا واقعہ بتاؤں۔پھر کہنے لگا۔اگر میں آپ کی

قوم کو بلاؤں۔تو کیا آپ یہی بات ان کے سامنے کریں گے جو مجھ سے کی ہے؟ فرمایا۔ہاں۔اعلان کروادیا۔اے بنی کعب بن لوئی! اکھٹے ہو جاؤ۔لوگ جوق در جوق آ گئے۔اور دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - ابوجہل) کے اردگرد بہت بڑا جمع بن گیا۔ابوجہل بولا۔اب اپنی قوم کے سامنے وہی بات کہو جو مجھ سے کہی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔مجھے آج رات لے جایا گیا۔لوگوں نے پوچھا۔کہاں؟ فرمایا۔بیت المقدس۔لوگوں نے پوچھا۔پھر آپ صبح ہونے تک واپس بھی آ گئے؟ فرمایا۔ہاں۔اس پر بعض تو تالیاں بجانے لگے۔بعض نے تعجب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔شور مچا۔اورانہوں نے اسے بہت بڑا کام جانا۔معطم بن عدی بولا۔آج سے پہلے تمہارے سارے کام قابل اعتبار تھے۔لیکن آج کی بات نا قابل اعتبار ہے۔میں گواہی دیتا ہوں۔کہ تم جھوٹے ہو۔ہم اونٹوں پر سوار ہو کر ایک ماہ تک چلتے چلتے تھک جاتے ہیں۔اور ہمارے اونٹ جواب دے جاتے تب جا کر کہیں وہاں پہنچ پاتے ہیں۔اسی طرح واپسی پر بھی ایک ماہ صرف ہو جاتا ہے۔اور تم گمان کرتے ہو کہ تم ایک رات میں ہی وہاں گئے اور واپس آ گئے۔لات وعزیٰ کی قسم! میں تمہاری تصدیق نہیں کرسکتا۔حضرت ابوبکر صدیق بولے۔اے معطم! تو نے جو کہا۔بہت برا کہا ہے۔تمہارے چچازاد بھائی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو کہا۔تو نے اس کی تکذیب کی۔اور مذاق اڑایا۔میں گواہی دیتا ہوں۔کہ وہ "صادق" ہیں۔لوگوں نے کہا۔یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے سامنے بیت المقدس کی صفت بیان کرو۔اس کی تعمیر کیسی ہے۔اس کی شکل کیسی ہے۔اور پہاڑ کے کس قدر قریب ہے؟ لوگوں میں ایسے بھی تھے۔جنہوں نے بیت المقدس کا سفر کیا تھا۔اور وہ یہ ساری باتیں جانتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کی صفات بیان کرنا شروع کر دیں۔اس کی تعمیر، اس کی شکل اور پہاڑ سے اس کی دوری وغیرہ بیان فرمائیں۔آپ یکے بعد دیگرے بیت المقدس کی صفات بیان کرتے چلے گئے۔حتیٰ کہ ایک دفعہ بات خلط ملط ہو گئی۔آپ کو اس پر شدید دکھ ہوا۔ایسا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔پھر مسجد آپ کے سامنے لائی گئی۔آپ اس کو دیکھ رہے ہیں۔کہ وہ دار عقیل یا عقال کے قریب رکھی ہوئی ہے۔لوگوں نے پوچھا۔مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ نے گنے نہ تھے۔آپ اس کی طرف دیکھنے لگے۔اور ایک ایک دروازہ گننا شروع کر دیا۔اور انہیں بتایا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے جارہے تھے۔" آپ سچے ہیں" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔لوگ بول اٹھے۔کہ بیت المقدس کی جو صفات آپ نے بیان کی ہیں۔خدا کی قسم! وہ درست ہیں۔

پھر لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھا۔ کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو۔ کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ فرمانے لگے۔ ہاں میں تصدیق کرتا ہوں۔ بلکہ میں تو اس سے بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں آسمانوں کی خبروں کے بارے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور یہ صبح و شام ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا نام ''صدیق'' مشہور ہوا۔

پھر لوگوں نے پوچھا۔ ہمارے قافلے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا۔ مقام ''روحاء'' پر ایک قافلہ سے میرا گزر ہوا۔ جن کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ وہ سب اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ میں ان کے سامان کے پاس گیا۔ وہاں مجھے ان میں سے کوئی ایک بھی دکھائی نہ دیا۔ اچانک مجھے پانی سے بھرا ایک پیالہ نظر آیا۔ میں نے اس میں سے پانی پیا تھا۔ اس کے بعد میں فلاں جگہ بنو فلاں کے قبیلہ کے پاس آیا۔ اس میں ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ جس پر ایک تھیلا سفید اور دوسرا سیاہ تھا۔ جب میں قافلہ کے سامنے ہوا۔ تو قافلہ بھاگ نکلا۔ وہ اونٹ بلبلایا۔ اور پھر نرم ہو گیا۔ اس کے بعد ''تنعیم'' میں مجھے ایک اور قافلہ ملا۔ جس کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ تھا۔ جس پر کالے رنگ کا کمبل یا ٹاٹ تھا۔ اور دو کالے رنگ کے تھیلے تھے۔ اور دیکھو وہ اس وقت ''ثنیہ'' سے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کب یہاں پہنچے گا؟ فرمایا۔ بدھ کے دن۔ جب بدھ کا دن آیا۔ قریش چھتوں پر چڑھ کر قافلہ کا راستہ دیکھنے لگے۔ جب دن ڈھل گیا اور قافلہ نہ آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پس آپ کی خاطر دن میں کچھ وقت بڑھا دیا گیا۔ اور سورج کو روک دیا گیا۔ حتیٰ کہ قافلہ آ گیا۔ اور لوگوں نے دیکھا۔ کہ اس قافلہ کے آگے آگے وہی اونٹ ہے۔ لوگوں نے اہل قافلہ سے پوچھا۔ کیا تمہارا اونٹ گم ہو گیا تھا؟ کہنے لگے۔ ہاں۔ پوچھا۔ کیا سرخ رنگ کی اونٹنی تھک گئی تھی؟ کہنے لگے ہاں۔ پوچھا۔ کیا تمہارے پاس پانی سے بھرا پیالہ تھا؟ ایک بولا۔ خدا کی قسم! میں نے بھر کر رکھا تھا۔ اس میں سے ہم میں سے کسی نے پانی نہیں پیا۔ اور نہ ہی زمین پر گرایا گیا تھا۔ یہ ساری باتیں سن کر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو کے زیر اثر کہا۔ اور کہنے لگے۔ ولید نے سچ کہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا۔ وہ لوگوں کیلئے آزمائش تھا۔

ابن مرویہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سے ''اسراء'' فرمایا۔ تو آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی۔ جس طرح دلہن سے آتی ہو۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ طیب اور بہتر تھی۔ اللہ تعالیٰ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات اور بلند

فرمائے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا۔

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا اِلٰى حَرَمٍ ۔۔۔ كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِي دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ
وَ بِتَّ تَرْقٰى اِلٰى اِنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً ۔۔۔ مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ
وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ بِهَا ۔۔۔ وَالرُّسُلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمٍ
وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ ۔۔۔ فِي مَوْكِبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ
حَتّٰى اِذَا لَمْ تَدَعْ شَأْوًا لِمُسْتَبِقٍ ۔۔۔ مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًى لِمُسْتَنِمٍ
خَفَضْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ ۔۔۔ نُوْدِيْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ
كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَيِّ مُسْتَتِرٍ ۔۔۔ عَنِ الْعُيُوْنِ وَ سِرٍّ اَيِّ مُكْتَتِمٍ
فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ ۔۔۔ وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحِمٍ
وَجَلَّ مِقْدَارُ مَاوُلِّيْتَ مِنْ رُتَبٍ ۔۔۔ وَ عَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْلِيْتَ مِنْ نِعَمٍ
بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَالْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا ۔۔۔ مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٍ
لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ ۔۔۔ بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے۔جس طرح چاند اندھیروں میں سفر کرتا ہے۔اور رات کے وقت آپ نے اس قدر ترقی کی کہ قاب قوسین کا مقام پالیا جو نہ کسی کے عقل وفہم میں آسکتا ہے اور نہ اس کا کسی نے ارادہ کیا۔آپ کی تمام انبیاء کرام ومرسلین عظام نے پیشوائی کی۔جس طرح خادمین اپنے مخدوم وآقا کی کرتے ہیں۔تمام انبیاء کرام کو ساتھ لئے آپ نے ساتوں آسمان عبور کر لئے جن میں آپ صاحب علم (جھنڈا) تھے۔حتیٰ کہ آپ اس قدر آگے بڑھ گئے۔کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا چاہنے والا اور بلندی حاصل کرنے کا خواہشمند ہے آپ نے اس کیلئے آگے جانے کا کوئی موقعہ نہ چھوڑا۔آپ نے اپنی نسبت کی وجہ سے ہر بلند مقام کو ماتحت کر لیا۔جب آپ کو اوپر آنے کا حکم ملا۔تو واحد یکتا کی طرح سبھی نیچے رہ گئے۔تاکہ آپ آنکھوں سے پوشیدہ ذات اور چھپے راز کا وصل حاصل کر لیں۔لہٰذا آپ نے ہر فخریہ بات کسی اور کی شراکت کے بغیر اپنے اندر جمع کر لی۔اور آپ ہر مقام ومرتبہ سے بغیر کسی رکاوٹ کے گزر گئے۔وہ رتبہ جات جو آپ کو عطا کئے گئے ان کی عظمت وقدر بیشمار ہے اور جو نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں ان کا ادراک ''نادر'' ہے۔اے جماعت مسلمین! ہمیں مبارک ہو۔کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کا ہمارے پاس وہ رکن (عظیم سہارا) ہے۔جو ہرگز منہدم نہیں ہوگا۔جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی طرف آنے کی دعوت اس

عظیم شخصیت کی وساطت سے دی جو "اکرم الرسل" ہے۔ تو ہم اس وجہ سے "اکرم الامم" ہو گئے۔

جوہر ۱۸: پندرہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج میں سے بعض فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ معراج اور آپ کا بلاوا اور مناجات "اچانک" تھا۔ جیسا کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اس دوران کہ میں حطیم میں تھا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں "میعاد" تھا۔ اور اس میں "استعداد" کا تعلق تھا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم سے ہم کلامی ہوگی)۔ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انتظار رہتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انتظار کرنے کی تکلیف بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینا گوارا نہ کی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام "مقام مراد" ہے۔ اور یہ مقام "مقام مرید" کی بہ نسبت بہت بلند ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی موصوف نے اسی باب میں لکھا۔ وہ دو شخص جن کے درمیان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات نیند فرما رہے تھے۔ ان کے نام حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ کی ہے کہ یہ ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کی دلیل ملتی ہے۔ آپ کے حسن خلق کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔ باوجودیکہ آپ کا فضل وکمال بے مثل تھا۔ پھر بھی آپ عام لوگوں کے درمیان لیٹ جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کریمانہ کیلئے امتیاز طلب نہیں کیا۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں۔ "اُتِیَ بِالْمِعْرَاجِ" (اوپر جانے والی چیز لائی گئی) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا اوپر تشریف لے جانا "براق" پر تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیث مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ یہ ہے۔ کہ آپ لگاتار براق پر سوار رہے۔ حتیٰ کہ اسی پر بیٹھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ اور یہی ابن ابی جمرۃ کے کلام کا مقتضی ہے۔ اور ابن دحیہ رضی اللہ عنہ کے کلام کا بھی یہی تقاضا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ لیکن ان روایات کے علاوہ دیگر روایات واخبار میں ہے۔ کہ اوپر آسمانوں کی طرف سفر "براق" پر نہ تھا۔ بلکہ آپ کیلئے "سیڑھی" لگائی گئی۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول کرتا ہے۔ جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جناب ثابت سے نقل کیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ "ثُمَّ اُتِیتُ بِالْمِعْرَاجِ" پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کے کاموں سے فارغ

ہوئے۔تو آپ کیلئے سیڑھی لگائی گئی۔اس پر چڑھ کرآپ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے۔اوپر جانا "براق" پر نہ تھا۔جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ بلکہ براق کو آپ نے مسجد بیت المقدس کے دروازہ کے قریب باندھ دیا تھا۔تاکہ واپس آ کر اس پر بیٹھ کر مکہ شریف لوٹیں۔علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔احادیث صحیحہ سے جو بات ثابت اور مقرر ہے۔وہ یہی ہے۔

حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کی دس اقسام کی ہیں۔جو ہجرت کے سالوں کی تعداد ہے۔ان دس میں سے سات معراج آپ کو سات آسمانوں تک کرائے گئے۔آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی۔نویں وہ جس میں آپ نے قلم چلنے کی آوازیں سنیں۔جو قضاوقدر تحریر کررہی تھیں۔اوردسویں معراج عرش ورفرف اور دیدار باری تعالیٰ والی ہے۔

اس کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں۔کہ واقعہ معراج میں اوپر جانے نیچے آنے کے الفاظ جو بار بار آتے ہیں۔ان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مسافت ہے۔کیونکہ یہ "کفر" ہے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ۔یہ اوپر اور نیچے آنا جانا "بندے" کی نسبت سے ہے۔رب تبارک وتعالیٰ کی نسبت سے نہیں۔اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء اگرچہ "قاب قوسین" سے بھی زیادہ آگے چلے گئے تھے۔لیکن اس بلندی کے باوجود آپ نے مقام "عبودیت" کو تجاوز نہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت یونس بن متی علیہ السلام جبکہ انہیں مچھلی نے نگل لیا تھا۔اور سمندروں میں لے گئی تھی۔یہاں تک وہ وہاں لے گئی جہاں سمندر کا پانی ٹھہرا رہتا ہے۔دونوں حضرات اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے مباین ہونے،اللہ تعالیٰ کی عدم جہت،عدم تحیز،عدم حد اور عدا حاطہ میں برابر ہیں۔کہا گیا ہے کہ مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی تھی۔اسے علامہ بغوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ جہت وغیرہ سے پاک ہے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوپر تشریف لے جانے اور اس قدر مسافت طے کرنے کا مقصد یہ تھا۔کہ آسمان والوں پر آپ کی فضیلت اور مقام ومرتبہ کی عظمت واضح ہو جائے۔اور انہیں معلوم ہو جائے۔کہ "افضل المخلوقات" آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔اس مقصد ومراد کو اس بات سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براق پر سوار کرایا۔آپ کیلئے زینہ لگایا گیا۔آپ کو تمام انبیاء کرام اور فرشتوں کا امام بنایا گیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔کہ آپ کو براق اور سیڑھی کے بغیر اوپر لے جاتا۔

''اصحاب جہت'' (وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے اوپر ہونا عقیدہ رکھتا ہے) کو پوچھا جا سکتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح عقیدہ (کہ وہ جہت سے پاک ہے) کے یہ بات منع کرتی ہے۔ کہ ہر موجود کسی نہ کسی جہت میں ہوتا ہے۔ (لہٰذا جب وہ موجود ہے تو لازماً کسی جہت میں ہوگا) تو تم یہ بتاؤ۔ کہ عرش اور رفرف کیا یہ دونوں قدیم ہیں یا حادث؟ اگر تم قدیم مانتے ہو۔ تو تم نے ''عالم'' کو قدیم مان لیا۔ اور یہ بات دو محالات سے خالی نہیں ہوگی۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل میں کوئی دوسرا بھی تھا۔ اور جب دو قدیم ہوئے تو ایک قدیم دوسرے قدیم کیلئے ''مکان'' بننے میں کوئی اولویت نہیں رکھتا۔ دوسرا محال یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جب کوئی دوسرا قدیم ہے۔ تو دونوں اگر جسم ہیں۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ ہر جسم کا وجود ازل میں جائز ہو۔ اور عالم کو قدیم کہنے والوں کا یہی عقیدہ ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذَالِكَ۔ اور اگر کہیں کہ وہ یعنی دوسرا محدث ہے۔ تو پھر تم ان سے کہہ دو۔ کہ تم نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اولاً موجود تھا۔ اور کوئی جہت نہ تھی۔ اور محال کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی واجب ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ''قدیم'' کسی حادث کا محتاج نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے اور وہ اس سے مستغنی ہوتے ہوئے ''لم یزل و لا یزل'' اور یہ بھی محال ہے کہ تمام کا خالق اپنی بعض مخلوق کا محتاج ہو۔ اور جو الفاظ قرآن و حدیث میں ''اِسْتِوَاءٌ عَلَى الْعَرْشِ'' اور نیچے اترنے کے آئے ہیں۔ یہ ان صفات میں سے ہیں۔ جن کو ظاہری معنی کے طور پر اللہ تعالیٰ پر جاری کرنا مشکل ہے۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کے معانی کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں کہتے۔ اور نہ ہی ان صفات کی نفی کرتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے ثابت فرمایا۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سے اللہ تعالیٰ کو متصف بتایا۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں لکھتے ہیں کہ ابن دحیہ نے ابن حبیب سے نقل کیا۔ اور حافظ ابن حجر نے ابن منیر عن ابن حبیب سے نقل کیا۔ اور اسے مقرر رکھا وہ یہ کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک سمندر ہے۔ جسے ''مکفوف'' کہتے ہیں۔ دنیا کے تمام سمندر اس کے سامنے یوں ہیں جیسے دائرہ کے سامنے قطرہ ہوتا ہے۔ اس نقل کی صحت کے پیش نظر یہ کہنا پڑے گا۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے شب اسراء اس سمندر کو بھی پھاڑا گیا۔ لہٰذا یہ پھٹنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے دریائے نیل یا بحر قلزم کے پھٹنے سے کہیں اعظم ہے۔ اس کے بعد حافظ موصوف آسمان و زمین کے درمیان مسافت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے

اسے ذکر کیا اور اسے ''حسن'' کہا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں موجود تھے۔ تو آپ نے پوچھا۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول جانے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور پھر ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کے برابر ہے۔ ساتویں آسمان سے اوپر سمندر ہے۔ جو اس کی نچلی سطح سے بالائی سطح تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ اس قدر ہے جس قدر آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ پھر اس کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں۔ جن کے گھٹنوں سے ان کے کھروں تک کا فاصلہ اتنا ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ پھر اس کے اوپر عرش ہے۔ جس کی نچلی اور بالائی سطح اتنی ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ پھر اس سے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی اس اوپر ہونے کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ جو اس کی ذات سبحان کے شایان شان ہے۔ وہ ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کا آسمان کے دروازہ پر دستک دینا ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ آواز دی ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بات کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ اس کی آواز جانی پہچانی ہے۔ حافظ شامی کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی۔ اس کے الفاظ ہیں۔ ''فقرع الباب'' پس جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دروازہ کھٹکھٹانے اور دروازہ کھولنے کیلئے دربان کو کہنا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دروازے ہر وقت بند رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل اس لئے نہ کھولے گئے۔ اگرچہ عزت و اکرام اسی میں نظر آتا ہے۔ کہ آپ کے آنے سے پہلے دروازے کھلے ہونے چاہئیں۔ تاکہ آپ اگر پہلے سے دروازہ کو کھلا پاتے۔ تو خیال آتا۔ کہ یہ تو پہلے سے ہی کھلے رہتے ہیں۔ اسی لئے آپ کی آمد پر کھولے گئے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ سب کچھ میرے اکرام کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ اور اس لئے بھی ایسا کیا گیا تاکہ آسمان والوں کو مطلع کیا جائے کہ یہ وہی شخصیت ہیں جن کو تم بہت عرصہ پہلے سے جانتے ہو۔ حضرت جبرئیل امین نے دربان کے سوال پر اپنا نام جبرئیل بتایا۔ تاکہ اس میں التباس نہ پڑے۔ کہ دونوں میں کون سا ہے۔ اور نہ ہی دربان کو دوبارہ پوچھنا پڑا کہ جبرئیل کون ہے؟ کیونکہ ان کی آمد و رفت سے انہیں ان کے بارے میں خوب پہچان تھی۔ اسی لئے حضرت جبرئیل نے پہلے اپنا نام بتایا۔ اس لئے کہ آپ ہی

حضرات انبیاء کرام کی طرف پیغام رساں تھے۔ اور آپ ہی کی ذمہ داری تھی کہ حضور ﷺ کو لائیں۔

اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ آسمان کے خازن نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ پوچھا۔ ''کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا ہے؟'' اس سے مراد یہ نہیں۔ کہ اس بعثت کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کا پیغام حضرات انبیاء کرام کی طرف پہنچانے کیلئے جبرئیل بھیجے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ بعثت ''ملکوت اعلیٰ'' میں پہلے ہی مشہور تھی۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ کیا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیکر معراج کرانے کیلئے بھیجا گیا ہے؟ اور یہاں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ خازن نے ازروئے تعجب حضرت جبرئیل علیہ اسلام سے یہ سوال کیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑی نعمت عطا کی تھی۔ کہ تم میرے محبوب کو میرے پاس لے آؤ۔ اور خازن نے حضرت جبرئیل کو خوش خبری دینے کیلئے بطور تعجب یہ پوچھا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے بلاوے کے بغیر اوپر نہیں لے جاسکتے۔ اور ''خازن'' نے جو یہ پوچھا۔ کہ ''تمہارے ساتھ کون ہے؟'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ ورنہ سوال یوں ہوتا۔ ''کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟'' یہ احساس یا تو مشاہدہ کے طور پر ہوا۔ کیونکہ آسمان صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اور ان میں دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ یا کسی معنوی بات سے محسوس ہوا ہو گا۔ مثلاً یہ کہ نور میں زیادتی ہو گئی ہو گی۔ اور جب خازن کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے انہیں لینے کیلئے بھیجا ہے۔ تو اس سے ان کو اجازت ہو گئی۔ کہ آپ کی آمد کی ہر رکاوٹ دور کر دیں۔ اور آسمانی دروازے کھول دیں۔ اسی لئے خازن نے دروازہ کھولنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا انتظار نہ کیا۔ کیونکہ جبرئیل کی بعثت سے ان کو اجازت مل گئی تھی۔ ''خازن'' نے جو کہا۔ ''کہ آنے والوں کو خوش آمدید'' اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب خادموں کو معلوم ہو جائے کہ ان کا آقا اور سید کسی کی عزت و اکرام کا ارادہ مصمم رکھتا ہے۔ تو وہ اس شخص کو اس بات کی خوشخبری دے سکتے ہیں۔ اگرچہ آقا نے انہیں اس کی اجازت نہ بھی دی ہو۔ اسے ''راز ظاہر کرنا'' نہیں کہا جائے گا۔ اس لئے کہ خازن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دے دی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی دعوت اور آپ کا بلاوا اکرام و اعظام کا ہے۔ لہٰذا اس نے خوشخبری دینے میں جلدی کی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ''خازن'' نے جب جبرئیل امین سے پوچھا۔ ''تمہارے ساتھ کون ہے؟'' تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ جناب محمد ہیں۔ اس جواب میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کسی کا ذاتی نام اس کی کنیت سے اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت جبرئیل نے آپ

کے اسم گرامی سے بتایا کہ میرے ساتھ کون ہے۔ آپ کی کنیت لیکر نہیں بتایا تھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم علوی اور سفلی میں مشہور تھے۔ اگر "کنیت" اسم کی بہ نسبت اعلیٰ ہوتی تو حضرت جبرئیل لازماً جواب میں آپ کی کنیت بیان کرتے۔ علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں کہ ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے۔ کہ فرشتوں نے جو یہ پوچھا۔ وقد ارسل الیہ۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ "عالم علوی" کے رہنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جانتے تھے۔ اور آپ کا مقام و مرتبہ بھی پہچانتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کی رسالت کے وقت کے بارے میں پوچھا تھا۔ نفس رسالت کے بارے میں نہیں۔ مطلب یہ کہ فرشتوں کو آپ کے رسول بنائے جانے کا علم تھا۔ لیکن کس وقت رسالت عطا ہو گی۔ یہ بات مخفی تھی۔ اس کیلئے انہوں نے استفسار کیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے "مرحبا" کہہ کر اور "کتنا اچھا ہے آنے والا" کہہ کر جواب دیا تھا۔ ان کے کلام اس صیغہ کے ساتھ اس پر قوی دلالت کرتا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ وہ یہ کہ فرشتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت وجلالت کا علم تھا۔ اور آپ کی رسالت کے تحقق کی بھی معرفت تھی۔ اس لئے کہ اس انداز سے خطاب کرنا عرب لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور اسے "حسن خطاب" کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کرام نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے قول لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ (نجم) کا معنی یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ملکوت" میں اپنی ذات مبارکہ کی صورت دیکھی۔ تو وہ "عروس المملکۃ" نظر آئی۔ پھر حافظ موصوف نے لکھا۔ کہ روایت انس عن ابی ذر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین سے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ عرض کیا آپ کے والد حضرت آدم ہیں۔ ظاہراً معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے جوان (آدم) کے بارے میں پوچھا۔ وہ حضرت آدم کے حضور کو مرحبا کہنے کے بعد پوچھا۔ لیکن حضرت مالک بن صعصعۃ میں روایت اس کا عکس ہے۔ اور قابل اعتماد بھی یہی روایت ہے۔ لہٰذا اس روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ترتیب نہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابن صالح" کہہ کر مرحبا کہنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ ہونے پر فخر تھا۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جو الفاظ کہے "مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ" یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وثنائے کامل ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا لفظ "صالح" ایک بار نبوت اور دوسری بار

نبوت کے ساتھ دو مرتبہ ذکر فرمانا یہ بتارہا ہے۔ کہ آپ دونوں معانی میں ''صالح'' ہیں۔ اور اس انداز کلام میں ''صلاح'' کی عظمت وفضیلت اور آپ کے درجات کی بلندی بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لئے حضرت آدم نے آپ کو اس وصف سے پکارا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی ''صلاح'' ایک خاص قسم کی ہے۔ جو عام صالحین کو شامل نہیں۔ ان بعض علماء نے اپنے اس قول کی دلیل یہ پیش کی ہے۔ کہ حضرات انبیاء کرام کو کثرت نے ''صالحین'' کے ساتھ شمولیت کی دعا مانگی ہے۔ اور ''اعلیٰ'' کبھی ایسی تمنا نہیں کرتا جو اسے ادنیٰ کے ساتھ شامل کردے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''نبوت'' ایسے صالحین کی ''صلاح'' سے کہیں بلند وبالا منصب ہے۔ جو ''صالحین'' امتی ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ بات اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ وہ صلاح جو حضرات انبیاء کرام کی طرف مضاف ہے وہ اس صلاح کا غیر ہے جو ان کے امتیوں کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام کی صلاح کامل ترین صلاح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ان سے ہر قسم کا فساد ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ''کل صلاح'' انبیاء کرام کیلئے ہوئی۔ پھر ان کے جو جس قدر قریب ہوگا۔ اسے اس قدر ''صلاح'' ملے گی۔ پس ہر ایک پر لفظ ''صالح'' کا اطلاق تو ہوگا۔ لیکن اس کے مرتبہ اور مقام کے مطابق ہوگا اور اس قدر ہوگا جس قدر اس صلاح سے فساد ختم ہوگا۔ تمام انبیاء کرام جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ انہوں نے آپ کو لفظ ''صالح'' سے پکارا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لفظ ''نیکی کی تمام عادات'' کو شامل ہے۔ اسی لئے ہر ایک نے بوقت ملاقات آپ کو دو مرتبہ لفظ ''صالح'' سے موصوف کیا۔ اور ''صالح'' وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرتا ہو۔ جو اس پر ادا کرنے لازم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ تمام اچھی اور بہترین عادات کو شامل ہے۔ کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّادِقِ يَا مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الْاَمِيْنِ'' کہہ کر نہیں پکارا۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ''صلاح'' ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے۔

حافظ شامی فرماتے ہیں۔ کہ حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اس وجہ سے نہ تھا۔ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد تھا۔ کیونکہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں عام مسلمانوں کے دلوں سے حسد کو کھینچ باہر کردیا جاتا ہے۔ تو ہم کیسے تسلیم کرسکتے ہیں۔ کہ عالم برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے برگزیدہ پیغمبر نے حسد کیا۔ بلکہ آپ کا رونا اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ کا وہ اجر وثواب فوت ہوگیا تھا۔ جس کے حصول سے آپ کے درجات مزید بلند ہوجاتے۔ اور وہ اجر وثواب

اس وجہ سے فوت ہوا۔ کہ آپ کی امت نے آپ کی بہت زیادہ مخالفت کی۔ اس مخالفت کی وجہ سے خود امتیوں کے اجور وثوابات میں کمی آئی۔ اور امتیوں کے اجر میں کمی اس امت کے پیغمبر کے اجر میں کمی لاتی ہے۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو مجموعی طور پر اپنے ان تمام امتیوں کا اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ جو ان کی اتباع کرتے ہوں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے امتی ملے جنھوں نے زیادہ تعداد میں آپ کی اتباع نہ کی۔ ان اتباع نہ کرنے والوں کا اجر خود بھی انہیں نہ ملا۔ اور نہ ہی ان کے پیغمبر کو ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے ان کی اتباع کرنے والے تھوڑے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے آپ کی اتباع کرنے والے کثیر تھے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر بھی کافی طویل تھی۔ اور ان کی امت کی مدت بھی ہماری امت کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک دلوں میں رحمت ورأفت ڈال رکھی ہوتی ہے۔ وہ اپنی اپنی امت پر نہایت مہربان ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے۔ آپ سے رونے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا۔ یہ ''رحمت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ جو ''رحم دل'' ہوتے ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وافر مقدار میں حصہ ملا۔ ان حضرات کی نرم دلی اور رحم دلی اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی دوسروں کیلئے نہیں ہوتی۔ پس اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جو لطف ورحم تھا۔ آپ رو دیئے۔ اس لئے کہ ان کا یہ رونا ان کی امت کیلئے تھا۔ اور یہ ان کی ''رحمت'' تھی۔ جو امت پر تھی۔ کیونکہ یہ وقت ہی ایسا تھا۔ کہ اس میں جود وکرام کے دریا بہا دیئے جائیں۔ تو اس امید پر ہے کہ قبولیت کا وقت ہے اور رحمت عامہ جوش میں ہے۔ للہذا اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کیلئے رویا جائے۔ تاکہ وہ اس پر اس ساعت کی برکت سے رحم فرمائے۔ اور ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ سے احسان ومہربانی کی بہت امید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیر کرانے لے جا رہا ہے۔ تاکہ انہیں قرب کا لباس زیب تن کرائے۔ اور فضل عظیم سے ہمکنار کرے۔ پس حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے بھی امید لگائی۔ کہ شاید اللہ تعالیٰ اس عظیم خیر سے کچھ حصہ ان کی امت کو بھی عطا فرما دے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ''بشارت'' اور خوشخبری و سرور کی بہم رسانی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا ایسے وقت میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلٹے۔ اور ابھی دور نہیں گئے تھے۔ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ آپ اپنا رونا حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنانا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا صرف ان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا۔ تو اس وقت روتے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور چلے جاتے۔ تا کہ آپ اسے نہ سن سکتے۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ کا رونا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے سننا اس میں یہ بات پوشیدہ نظر آتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ نرمی چاہتے تھے۔ پھر جب حضرت موسیٰ کے رونے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی بھی ہو۔ تو آپ رو پڑے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے ہیں۔ اور بشارت وہ جو اس میں پوشیدہ تھی۔ وہ حضرت موسیٰ کا یہ قول ہے۔ جو اکثر انبیاء کرام کا بھی قول ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے وہ افراد جو جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے ان افراد سے کہیں زیادہ ہیں۔ جو جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عنایت ومہربانی اس امت پر یہ بھی ہوئی۔ جو کسی اور سے نہیں ہوئی۔ جس کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث مرفوع میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ ”كَانَ مُوْسٰى اَشَدَّهُمْ عَلَيَّ حِيْنَ مَرَرْتُ بِهٖ وَ خَيْرَ هُمْ حِيْنَ رَجَعْتُ اِلَيْهِ“ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام پیغمبروں سے مجھ پر شدید تھے جب میرا ان سے گزر ہوا۔ اور جب میں ان کی طرف لوٹا تو سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ فَاَقْبَلْتُ رَاجِعًا فَمَرَرْتُ بِمُوْسٰى قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ نِعْمَ الصَّاحِبُ كَانَ لَكُمْ۔ میں واپس ہوا۔ تو حضرت موسیٰ کے پاس آیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ وہ تمہارا خوب ساتھی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو لفظ ”غلام“ استعمال فرمایا۔ یہ کسی نقص یا عیب کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بلندی اور اس کے عظیم کرم کے طور پر کہا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عمر میں وہ کچھ عطا کیا۔ جو آپ سے پہلے عمر رسیدہ پیغمبروں کو عطا نہ ہوا۔ خطابی فرماتے ہیں۔ عرب اپنی لغت میں ایسے آدمی کو ”غلام“ کہتے ہیں۔ جو اپنے اندر تمام خوبیاں رکھتا ہو۔ اور اس کی قوت بحال ہو۔ ابن ابی جمرۃ کہتے ہیں۔ عرب کسی شخص کو اس وقت ”غلام“ کہتے ہیں۔ جب وہ لوگوں میں سردار ہو۔ چونکہ اس لفظ میں کچھ خصوصیات تھیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے الفاظ کی جگہ افضلیت ظاہر کرنے کیلئے یہ لفظ استعمال فرمایا۔ لیکن دوسرے انبیاء کرام نے یہ لفظ آپ کی تعظیم کے پیش نظر استعمال نہ فرمایا۔ علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے۔ وہ یہ کہ کہولت (بڑھاپے) میں آپ کی قوتیں بحال تھیں۔ اور یہ کہ آپ اگرچہ شیخوخہ (بڑھاپا) کی عمر میں داخل ہو چکے تھے پھر بھی آپ کے جسم اقدس میں کسی قسم کی کمزوری نہ آئی تھی۔ اور نہ آپ کی کسی قوت میں کوئی نقص پیدا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں تشریف لاتے وقت ابوبکر صدیق کے پیچھے سواری پر بیٹھے دیکھا۔ تو آپ کو "نوجوان" کہا۔ اور ابوبکر کیلئے شیخ (بوڑھے) کا لفظ استعمال کیا۔ حالانکہ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر میں ابوبکر صدیق سے بڑے تھے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے اس قول "رَبِّ لَمْ اَظُنَّ اَنْ تَرْفَعَ عَلَيَّ" (اے اللہ! میں نے یہ گمان نہ کیا کہ تو کسی کو مجھ پر بلندی عطا کرے گا) کے تحت لکھتے ہیں۔ حضرت ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کلام کرنے کا جو اختصاص عطا فرمایا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے۔ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ (الاعراف:144)۔ میں نے تجھے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کرنے کی وجہ سے برگزیدہ کر دیا ہے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھے۔ کہ "الناس" میں تمام انسان شامل ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی بنا پر مجھے تمام انسانوں پر بلندی کا استحقاق مل گیا ہے۔ پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہوں نے اپنے اوپر فضل دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام محمود عطا کیا۔ وہ پہچانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت و بلندی تسلیم کر لی۔ اور اپنے خیال کو واپس لے لیا۔

علامہ حافظ شامی مرحوم پھر غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ الاخر کے تحت لکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف و تکریم کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یعنی اگر آپ کے گناہ ہوتے تو میں بخش دیتا۔ لیکن آپ کے گناہ تھے ہی نہیں۔ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المحرر" میں لکھا ہے۔ کہ اس آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ) (الفتح:۲) میں بارہ اقوال ہیں۔ ان میں سے پانچ اقوال کا فاسد ہونا علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ اور علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بقیہ سات اقوال کا فاسد ہونا بیان کیا ہے۔ پھر لکھا۔ کہ قابل قبول اقوال میں سے ایک وہ ہے جسے "الشفاء" قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا۔

"مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ" میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ تو اس پر کافر بہت خوش ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے (الفتح 2:)۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ جو سلوک کرنا ہے۔ اس کا ذکر دوسری آیات میں کر دیا۔ جو اس کے بعد ہے۔ لہٰذا آیت مذکورہ کا مقصد یہ ہے کہ بیشک آپ مغفور ہیں۔ اور اگر گناہ ہوتے بھی تب بھی آپ کا مواخذہ نہ ہوتا۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ روایت ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے۔ لیکن اس میں اگلا حصہ (یعنی مومنوں کیلئے دوسری آیت ہے) مذکور نہیں۔

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت "لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ" اس وقت اتری جب آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو مبارکباد دی۔ اور کہنے لگے۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ لیکن ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ اس پر یہ آیت "لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ (الفتح) نازل ہوئی۔ قاضی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "مغفرت" سے مراد عیوب سے تنزیہ ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ مغفرت سے مراد کنایۃً "عصمت" ہے۔ لہٰذا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح)۔ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گزری عمر میں بھی آپ کو "عصمت" میں رکھا۔ اور جو بعد میں آئے گی اس میں بھی آپ معصوم ہوں گے۔ یہ قول بہت اچھا اور احسن ہے۔

اس کے بعد علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے ذہن سے اس آیت کریمہ میں بہت غور وفکر کیا۔ اور اس کے ساتھ اس سے پہلی اور بعد والی آیات کو بھی بغور دیکھا۔ تو مجھے صرف ایک احتمال دکھائی دیا اور ایک ہی وجہ معلوم ہوئی۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "تشریف" ہے۔ بغیر اس کے کہ کوئی گناہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ اس آیت میں وہ تمام نعمتیں جمع فرما دے۔ جو اس نے اپنے بندوں کو دنیا اور آخرت میں عطا فرمائی ہیں۔ اور تمام اخروی نعمتیں دو چیزیں ہیں۔ ایک سلبیہ ہے۔ اور وہ تمام گناہوں کی مغفرت ہے۔ دوسری "تبوئیہ" ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا

مُّسْتَقِيْمًا ۙ اور وہ تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت دے گا (الفتح)۔ اور دنیوی نعمتیں اگرچہ ان سے مقصود اس جگہ دین ہے۔ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ذکر فرمایا۔ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہاری غالب مدد کرے گا (الفتح)۔ اخروی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر مقدم رکھا گیا۔ اور دنیوی نعمتوں میں سے دینی نعمتوں کو مقدم رکھا گیا۔ تا کہ اہم نعمتوں کو پہلے اور پھر ان کے بعد درجہ والی نعمتیں ذکر کی جائیں۔ اس طریقہ سے نعمتوں کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت اجاگر فرمائی۔ کہ وہ تمام نعمتیں جو آپ کے علاوہ دوسرے حضرات میں بکھری پڑی تھیں۔ ان کو آپ کیلئے اور آپ کی ذات میں جمع فرمادیا گیا۔ جب میں غور وفکر کے بعد اس مفہوم پر پہنچا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ حضرت ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ معنی صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ''تشریف'' بیان کی ہے۔ گناہ کا تو آپ کی ذات میں تصور تک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق بخشی کہ میری سوچ بھی ان کے قول کے موافق ہوگئی۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جناب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ جنت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیا جانا آپ کی بہت بڑی عزت وکرامت ہے۔ تا کہ آپ اس جنت کو اپنے غلاموں کے سامنے خریدنے کیلئے پیش کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پھر خوب لڑتے ہیں۔ اور شہید کردیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ سچا وعدہ ہے۔ جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ نبھائے گا انہیں تم اس خرید وفروخت کی خوشخبری دے دو۔ جو تم نے کی ہے۔ اور وہ واقعی عظیم کامیابی ہے (التوبہ)۔ سو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ چیز دکھادے۔ جو اس نے آپ کی امت پر پیش کرنی ہے۔ تا کہ اس کی صفت آنکھوں دیکھی ہوجائے۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو جنت کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اور جنت وہ گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کیلئے تیار کر رکھا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کو وہ گھر دکھا دیا جائے۔ اور اس میں جو بکثرت نعمتیں اور کرامتیں ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرادیا جائے۔ تا کہ

اس کی طرف دعوت دینے میں سستی نہ ہو۔ اور تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جنت اتنی وسیع ہے کہ تمام مخلوق کی اس میں سمانے کی گنجائش ہے۔ اور پھر بھی وہ پر نہ ہوگی۔ جس کے پر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو اور مخلوق بنانا پڑے گی۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ کو جنت اس لئے دکھائی گئی ہو۔ تا کہ دنیا کی کمینگی اس کے مقابلہ میں معلوم ہو جائے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں زیادہ زہد و تقویٰ اپنائیں۔ اور اس کی مصیبتوں و سختیوں پر صبر کریں۔ حتیٰ کہ آپ جنت میں چلے جائیں۔ کہا گیا ہے۔ کہ وہ محنت و مشقت مبارک ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں محنت کرنے والے کو سکھ اور چین نصیب ہو۔ اور وہ نعمت و خوشحالی بری ہوتی ہے۔ جس کا انجام مصیبت اور پریشانی کی صورت میں دیکھنا پڑے۔

اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو۔ کہ کوئی کرامت جو کسی کو ملی۔ آپ کو بھی وہ اعلیٰ درجہ کی عنایت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو یہ کرامت بخشی کہ وہ قیامت سے پہلے ہی جنت میں تشریف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ کرامت بھی وہ اپنے صفی و حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت دکھادی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''عرضت علی النار'' میرے سامنے دوزخ لایا گیا۔ کے متعلق لکھتے ہیں۔ جناب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جہنم کی آگ اس لئے لائی گئی۔ تا کہ جب قیامت کے دن تمام پیغمبر ''نفسی نفسی'' کہہ رہے ہوں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر ''امتی امتی'' ہو۔ اور یہ اس وقت ہوگا۔ جب جہنم کو خوب گرم کیا جا رہا ہو گا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''امن'' عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ (التحریم:۸) اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہیں کرے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ مطمئن ہوتے ہوئے اپنی امت کی شفاعت فرمائیں۔ اگر آپ امن و سکون میں نہ ہوتے تو آپ بھی اپنا فکر کر رہے ہوتے۔ جیسا دیگر انبیاء کرام کر رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے قیامت کے دن سے پہلے جہنم کی کوئی چیز بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب جب دیکھیں گے تو سہم جائیں گے۔ اور خطبہ سے ان کی زبانیں رک جائیں گی۔ اور قیامت و جہنم کی ہولناکی سے شفاعت بھی نہ کریں گے۔ وہ اپنی امتوں کی بجائے خود اپنی ذات کی فکر میں ہوں گے۔ ادھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم اور اس کی آگ پہلے سے دیکھ لی ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ اس سے نہیں گھبرائیں گے۔ جس طرح دیگر حضرات گھبرا رہے ہوں گے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے باتیں

کرنے کی ہمت رکھتے ہوں گے۔ اور شفاعت بھی فرمائیں گے۔ یہی "مقام محمود" ہے۔ اس لئے کہ جب کفار آپ کو جھٹلاتے رہے۔ آپ سے استہزاء کرتے رہے۔ اور سخت ترین اذیتیں پہنچاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہنم کی آگ دکھادی۔ جو آپ کے دشمنوں اور استخفاف کرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور آپ کے نافرمانوں کیلئے بنائی گئی ہے۔ تاکہ آپ کا قلب انور مطمئن ہو جائے۔ اور اسے سکون واطمینان کی دولت میسر آ جائے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ جس کا دل اپنے دشمنوں کی اہانت اور انتقام سے خوش ہوتا ہے۔ اس کا دل اپنے دوستوں کی شفاعت اور اکرام سے زیادہ خوش ہونا چاہئے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان پہچانا جائے۔ کہ اس نے گنہگاروں کو آپ کی برکت کے سبب جہنم سے نجات دی۔ اور آپ کی شفاعت سے اس کی آگ سے محفوظ رکھا۔

علامہ شامی موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس فرشتہ نے بھی ملاقات کی۔ وہ ہنستا مسکراتا تھا۔ مگر ایک فرشتہ ایسا تھا جسے جہنم کا خازن "مالک" کہتے ہیں۔ بوقت ملاقات یہ نہ مسکرایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ فرشتہ نہ اس سے پہلے کبھی ہنستا تھا اور نہ آپ کے بعد کسی سے مل کر ہنسے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "عَلَيْهَا مَلَآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ" جہنم پر ایسے فرشتے مقرر کئے گئے ہیں۔ جو انتہائی غصہ والے اور سخت ہیں۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے موکل ہیں۔ لہٰذا ان سے غضب کبھی بھی دور نہ ہوگا۔

اس کے بعد موصوف نے دسویں معراج یعنی رفرف اور دسویں سال ہجرت کے درمیان مناسبت کی بات کی۔ ہجرت کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت سے ملاقات کی اور بارگاہ قدس میں حاضر ہوئے۔ مقام انس میں مقیم ہوئے۔ تمام پردے اٹھا دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب اپنے کانوں سے سنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قریب اس قدر کہ دو کمانوں کے ملنے کے فاصلے سے بھی کم فاصلہ رہا۔ لیکن یہ ملاقات صورت کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنوی ملاقات ہوئی۔ اسی طرح ہجرت کا دسواں سال اس میں بھی دو ملاقاتیں جمع ہوئیں۔ ایک ملاقات بیت اللہ شریف کا حج، وقوف عرفہ اور دین کا کامل ہونا، اور مسلمانوں پر نعمت کا اتمام تھی۔ دوسری ملاقات بیت اللہ کے مالک سے ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں موافات، ملاقات، دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال، مقعد صدق کی طرف روح پاک کا بلند ہونا، موعد حق اور وسیلہ کے مقام پر متمکن ہونا تھی۔ مقام وسیلہ وہ بلند و بالا مرتبہ ہے۔ جو صرف ایک بندۂ خدا کیلئے مختص ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا۔ وہ ہیں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "وسیلہ" کے بارے

میں سوال کیا گیا۔ تو ارشاد فرمایا۔ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف ایک بندۂ خدا کیلئے مختص ہے۔ جسے تمام بندوں میں سے اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندۂ خدا ہوں گا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امید ''برحق'' ہے۔ آپ کی خواہش مصدق ہے۔ اور آپ کا دل توفیق یافتہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے مختص فرمایا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ اس لئے کہ آپ کل قیامت میں شفاعت کے منصب کے مالک ہیں۔ لہٰذا قیامت سے قبل ہی آپ کو یہ دو باتیں عطا کر دی گئیں۔ تا کہ جب قیامت کے دن شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنا چاہیں۔ تو حشمت باری تعالیٰ آپ پر طاری نہ ہو جائے۔ جیسا کہ آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام پر حشمت الٰہی طاری ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس مقام سے پہلے ہی آپ کی حشمت دور کر دی جائے۔ تا کہ ''مقام محمود'' میں متمکن ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار عطا کر کے آپ میں یہ اہلیت پیدا کر دی۔ کہ کل قیامت میں دیدار پروردگار سے دہشت زدہ نہ ہوں۔ گویا ''مشہد اعلیٰ'' میں مشاہدہ اور ''مقام محمود'' میں تمکن کا حصول عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرش کے نیچے والے خزانے سے سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا فرمائیں۔ اس کے بارے میں امام احمد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اُعْطِیْتُ خَوَاتِیْمَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ لَمْ یُعْطِهِنَّ نَبِیٌّ قَبْلِیْ۔ مجھے سورہ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نچلے خزانہ سے عطا کی گئیں۔ مجھ سے پہلے نبی کو یہ عطا نہیں ہوئیں۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شب اسراء'' کے موقعہ پر نماز کے فرض کئے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس رات بلندی پر لے جائے گئے۔ تو آپ نے فرشتوں کو عبادت میں مصروف پایا۔ اور دیکھا کہ ان میں سے بعض کھڑے عبادت کر رہے ہیں۔ جو بیٹھتے نہیں۔ اور کچھ بیٹھے عبادت کر رہے ہیں۔ جو قیام نہیں کرتے رکوع والے رکوع میں اور سجدہ والے سجدہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی امت کیلئے فرشتوں کی ان تمام عبادات کو ایک رکعت میں جمع کر دیا۔ جسے اللہ تعالیٰ کا بندہ ادا کرتا ہے۔ اور اس کی شرائط یعنی اطمینان سے ہر رکن ادا کرنا اور اخلاص کی پابندی کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی فرضیت بغیر واسطہ کے عطا ہوئی۔ اور پھر کئی مرتبہ آنے جانے کے بعد پانچ نمازیں فرض رہیں۔ اس بارے میں

علامہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں آپ کے فضل پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اس طرح کہ نماز کی فرضیت اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس و مطہر بارگاہ میں عطا فرمائی۔ (دیگر فرائض بذریعہ وحی دنیا میں عطا ہوئے) یہی وجہ ہے کہ "طہارت" نماز کی اہم شرط ہے۔ اور اس پر تنبیہ ہے۔ کہ نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نماز ادا کرنے والے کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے۔ جب وہ اس سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ میرے بندے نے میری ثناء کہی۔ سورت کے آخر تک۔ نماز حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہوتے ہوئے فرض کی گئی۔ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سماعت فرمایا۔ اور اس سے مناجات کی۔ اور آپ کی زمین سے اوپر لے جانے سے پہلے ظاہری و باطنی طہارت کی گئی۔ وہ بھی زمزم کے پانی سے۔ جیسا کہ نمازی نماز ادا کرنے کیلئے طہارت کرتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسد اطہر کو لئے دنیا سے باہر ہو گئے۔ جیسا کہ نمازی اپنے قلب کے اعتبار سے دنیا سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مناجات کے علاوہ ہر چیز اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت اس کی توجہ قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں کی طرف بلندی پر لے جائے گئے جیسا کہ نمازی اپنے بدن کو اوپر اٹھاتا ہے۔ یہ "قبلہ علیا" یعنی بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے۔ اور عرش کی جہت میں وہ ذات ہے جس سے مناجات کی جارہی ہے۔ اور جس کیلئے نماز ادا کی جارہی ہے۔

حضرت ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نماز کی تخفیف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کیوں نہ کی؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ مقام خلت ایسا مقام ہے جس میں رضا اور تسلیم ہی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی گفتگو کرنا مقام خلت کے خلاف ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام "کلیم" ہیں۔ اور کلیم کیلئے اس قسم کی گفتگو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس امت کی غم خواری اور اس امت کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس بات کی عاجزی کرنا اور عرض کرنا کہ آپ اپنی امت کا بوجھ ہلکا کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جائیں یہ سب کچھ اس لئے تھا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور کی جانب غربی میں توریت عطا فرمائی۔ اور انہوں نے الواح توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی صفات ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ کہنا شروع ہو گئے۔ کہ میں نے ان کی امت کی فلاں فلاں صفات الواح میں پائیں۔ اے اللہ! ان کی امت کو میری امت بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ عرض کیا۔ باری

تعالیٰ! پھر مجھے اپنے محبوب کی امت میں داخل فرما دے۔ یہ حدیث کتب تفسیر میں مشہور ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضور کی امت پر مہربان ہونا اور ان کے معاملہ میں غم کھانا ایسا ہی تھا۔ جیسا کوئی شخص اسی قوم میں سے ہو۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی چاہتا ہو۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْھُمْ'' عرض کر کے امت محمدیہ کا ایک فرد ہونے کی استدعا کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے محبوب خدا! میں لوگوں کو آپ سے پہلے آزما چکا ہوں ......اسی قول موسیٰ میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ تجربہ سے حاصل ہونے والا علم عام علم سے مضبوط اور زیادہ ہوتا ہے۔ کثرت علوم سے اس پختگی کا حصول نہیں ہوتا۔ اور تجرباتی علم صرف تجربہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ عالم اور افضل ہیں۔ خاص کر اس وقت جب تھوڑا ہی عرصہ پہلے وہ اللہ ذوالجلال سے گفتگو کر کے آئے۔ اور اس مقام سے واپس آئے جہاں کسی مقرب فرشتہ کی رسائی نہیں اور نہ ہی کسی نبی مرسل کا ادھر سے گزر۔ پھر اس فضل عظیم کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ میں لوگوں کو آپ کی بہ نسبت بہتر جانتا ہوں۔ پھر اس قول کی علت بھی بیان کی۔ کہ کیوں زیادہ علم رکھتا ہوں۔ وہ یہی کہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے۔ ان کے ساتھ کافی عرصہ گزارنے کی وجہ سے مجھے تجربہ ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس مخصوص علم میں مضبوط ہیں۔ جس کا حصول تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی امت کیلئے تخفیف کا جو سوال کیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر تشریف لے جانے لگے۔ وہ صرف اس وجہ سے تھا۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اور کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسری وجہ ہوتی۔ تو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے اس وقت بھی روتے۔ یا روتے نہ، بلکہ خاموش ہی رہتے۔ لیکن واپسی پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام خدمت سرانجام دینے کیلئے تیار ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کیلئے سرگرم ہیں۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آپ کے اوپر جاتے وقت رونا اسی وجہ سے تھا جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ اس سے مختلف نہیں۔ یہ ایک خوشبو کا جھونکا تھا۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معطر جھونکوں میں سے تھا۔ اور جس کا تعلق آپ کی امت کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و ارادہ کا تقاضا

بھی بھیجا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس امت کیلئے تخفیف کا مطالبہ کریں۔ حضرت موسیٰ نے مطالبہ کر دیا۔ یوں یہ خوشبو کا جھونکا اپنے مقام پر پھیلا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق حضورِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے حق میں گزارش کی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکمت کے موافق ہوگئی۔ اور اس نے پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض رہنے دیں۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت سے ان پچاس نمازوں کی فرضیت دور کر دی۔ لیکن ان کا ثواب اپنے فضل وکرم سے کم نہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دسویں مرتبہ واپس جانے اور تخفیف کیلئے عرض کرنے کو کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب انکار کر دیا۔ اس انکار کی دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ جب معاملہ جب منت وسماجت کی حد تک پہنچ جائے۔ تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی فراست سے یہ معلوم ہوگیا۔ کہ اب اس عدد سے کم نہیں ہوں گی۔ تو آپ نے اس شرم سے کہ کہیں درخواست رد نہ ہو جائے۔ واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اسی لئے بعض طریقہ روایات میں آیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دسویں مرتبہ واپسی سے انکار کر دیا۔ تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی۔ ''میں نے اپنا فرض جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کرنی تھی کر دی''۔

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نو مرتبہ تخفیف کیلئے تشریف لے جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مرتبہ جانے کے بعد جو کمی ہوتی رہی۔ اس کے بارے میں آپ کو علم تھا کہ یہ حتمی اور قطعی نہیں۔ جب دسویں مرتبہ جانے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ نویں مرتبہ واپسی پر اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ کہ اب تخفیف نہیں ہوگی۔ اور یہ تعداد وہ ہے جو لازماً میری امت پر فرض رہے گی۔ اس لئے آپ دسویں مرتبہ نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا علم ہوگیا۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (ق:29) میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی۔

حضرت ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ دسویں مرتبہ تخفیف کیلئے جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی سعادت کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس کا اختیار اپنی رضا میں بند کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار وایثار اس بات کے حصول کیلئے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تھی۔ اسے جاری ونافذ رہنے دیا۔ اور وہ پانچ نمازوں کی فرضیت تک تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تکریم وتعظیم ہے۔ اور اس

میں آپ کی رفعت شان ہے۔اس لئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں مرتبہ واپس جاتے اور تخفیف کیلئے عرض کرتے۔اور پھر آپ کی درخواست قبول نہ کی جاتی۔جیسا کہ پہلے قبول کی جاتی رہی۔ تو پھر آپ کا اختیار ''مقدور'' کے خلاف ہوتا۔لہٰذا جب آپ کا اختیار تھا اور اپنے اختیار کے مطابق کوشش کرتے رہے۔تو اس حالت میں بھی آپ اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق عمل پیرا رہے۔اور جب آپ نے اپنا اختیار یوں استعمال فرمایا۔کہ خدا کی رضا چاہی۔اور تخفیف کیلئے نہ گئے۔تو بھی اختیار کو استعمال فرمایا۔یوں طلب یا عدم طلب ہر حال میں آپ کا اختیار یہ تھا کہ ''مقدور'' کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔اس میں حضرات صوفیاء کرام کی دلیل ہے۔وہ کہتے ہیں۔کہ حال حامل ہے محمول نہیں۔اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب اپنی امت پر مہربانی اور شفقت کا ''حال'' تھا۔تو آپ تخفیف کیلئے بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گئے۔اس کے علاوہ دوسرا راستہ نہ اپنایا۔پھر جب آپ پر اللہ تعالیٰ سے ''شرم وحیاء'' کا حال وارد ہوا۔تو امت کی طرف التفات نہ فرمائی۔اور نہ ہی کچھ طلب کیا۔

بعض اہل اشارات فرماتے ہیں۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب انور میں ''محبت'' کی آگ بھڑکی۔اور گھر کر گئی۔تو انوار محبت نے ''نور طور'' کو چمکایا۔پھر آپ نے اسے حاصل کرنے کیلئے تیزی دکھائی۔لیکن روک دیئے گئے۔پھر جب درخت سے آواز دینے والے نے آواز دی۔تو آواز دینے والا کا اشتیاق ابھرا۔پھر آپ بنی اسرائیل میں گھومتے پھرتے یہ کہتے۔''مَنْ یَّحْمِلُنِیْ رِسَالَةً اِلٰی رَبِّیْ'' میرے رب کی طرف میرا پیغام کون لے کر جائے گا۔اس سے ان کی مراد یہ تھی۔کہ حبیب و محبوب کے ساتھ مناجات کا سلسلہ طویل ہو جائے۔جب ان سے شب اسراء اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔تو انہوں نے نماز کے معاملہ میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس جانے کی عرض کی۔تاکہ حبیب کے حبیب کو دیکھ کر محبت کی پیاس بجھائی جائے۔کما قیل۔

وَاسْتَنْشَقَ الْاَرْوَاحُ مِنْ نَحْوِ اَرْضِكُمْ     لَعَلِّی اَرَاكُمْ اَوْ اَرٰی مَنْ یَرَاكُمْ
فَاَنْتُمْ حَیَاتِی اِنْ حُیِیْتُ وَاِنْ اَمُتْ     فَیَا حَبَّذَا اِنْ مِتُّ عَبْدَ هَوَاكُمْ

خوشبوئیں تمہارے وطن سے آ رہی ہیں۔شائد تمہارا دیدار ہو جائے۔یا کم از کم ان کا ہی دیدار ہو جائے جو تمہارا دیدار کر چکے ہیں۔اگر میں زندہ ہوں تو تم ہی میری زندگی ہو۔اور اگر میں مر جاؤں اور وہ بھی تمہاری محبت کا غلام ہوتے ہوئے تو یہ موت کس قدر خوبصورت ہو گی۔

وَاِنَّمَا السِّرُّ فِی مُوْسٰی یُرَدِّدُهٗ     لِیَجْتَلِیَ حُسْنَ لَیْلٰی حِیْنَ یَشْهَدُهٗ
یَبْدُوْ سَنَاهَا عَلٰی وَجْهِ الرَّسُوْلِ فَیَا     لِلّٰهِ دَرُّ رَسُوْلٍ حِیْنَ اَشْهَدُهٗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تخفیف کیلئے واپس جانے کا کہنا اس لئے تھا کہ اپنے محبوب (باری تعالیٰ) کے حسن کی تجلیات دیکھیں۔ جن کی چمک اور روشنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارکہ پر ظاہر تھی۔ سو خوش قسمت ہیں وہ رسول جو محبوب کے مشاہدہ سے سرفراز ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیان فرمایا۔ ''فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادیٰ مُنَادٍ اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ'' جب میں آگے گزر گیا۔ تو مجھے ایک آواز دینے والے نے کہا۔ میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ اس قول کے تحت حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہ قول ان دلائل میں سے اقوی دلیل ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شب اسراء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ کلام فرمایا۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیالے میں پانی پینا کس طرح مباح سمجھا جبکہ وہ غیر کی ملک میں تھا؟ اور کفار کی مملوکہ اشیاء نہ اس وقت (شب اسراء کے وقت) مباح ہوئی تھیں۔ اور نہ ہی ان کے خون حلال ہوئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دور جاہلیت میں عربوں کا عرف اور عادت یہ تھی۔ کہ وہ مسافر کیلئے دودھ مباح سمجھتے تھے۔ یعنی اگر کسی برتن میں مسافر کو دودھ مل جائے۔ تو مالک کی اجازت کے بغیر پی لینا کوئی عیب نہ تھا۔ اگر دودھ کا یہ حال تھا تو پانی کی اباحت بطریقہ اولیٰ ہوئی۔ اور شریعت میں ''عرف'' کے مطابق فیصلہ کرنا اس کے لئے ''اصول'' مقرر ہیں۔ جو اس کی اباحت بتاتے ہیں۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں یہ بات بھی شمار کی ہے۔ کہ کھانے پینے کی اشیاء ان اشیاء کے مالکوں سے جو خود ان کے ضرورتمند ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوقت ضرورت لے لینا مباح ہے۔ اور ان اشیاء کے مالکوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کیلئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔

اس کے بعد علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''حُبِسَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ'' آپ کی خاطر سورج روک دیا گیا۔ کے تحت لکھتے ہیں۔ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت

لکھی۔ جیسا کہ حافظ ابو الحسن الھیتمی نے "مجمع الزوائد" میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے باب "اُحِلَّتْ لَکُمُ الغَنَائِمُ" اور حافظ ابوزرعہ ابن عراقی نے اپنے تکملہ میں جو ان کے والد گرامی کی تصنیف "تقریب" کی شرح ہے، کہا ہے۔ "اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَمَرَالشَّمْسَ اَنْ تَتَأَخَّرَ سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ فَتَأَخَّرَتْ سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ دن کی ایک ساعت کیلئے پیچھے ہٹ جائے۔ تو سورج پیچھے ہٹ گیا۔ اسے الفاظ مذکورہ کے ساتھ امام بیہقی نے اسی واقعہ میں حضرت یونس بن بکیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن السندی کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری کے مذکورہ باب میں لکھتے ہیں۔ اس روایت کی وہ روایت معارض نہیں جسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ فرماتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ اِلَّا لِیُوْشَعَ بْنِ نُوْنَ لِیَالِیَ سَارَاِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے رات روکا گیا جب آپ بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے۔ ان دونوں روایات میں تطبیق اور جمع یوں ہوگی۔ کہ جس روایت میں آپ نے فرمایا کہ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے روکا گیا۔ اس حصر اور تخصیص سے مراد ان انبیاء کرام کی بہ نسبت ہے جو ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لا چکے۔ ان میں سے صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہی ایک ایسے فرد ہیں۔ جن کیلئے سورج روکا گیا۔ لیکن اس روایت میں اس بات کی نفی نہیں۔ کہ اس کے بعد اسے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے روکا جائے گا......

یہ روایت بھی موجود ہے کہ سورج غروب ہو جانے کے بعد آپ کیلئے واپس کیا گیا۔

طبرانی نے چند اسانید سے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض "ثقہ" ہیں۔ جیسا کہ شیخ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء کی احادیث کی تخریج میں کہا ہے۔ اور قطب خیضری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا۔ جسے میں نے ان کے ہاتھ سے لکھی تحریر میں پڑھا۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام "صہباء" میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر حضرت علی المرتضی کو کسی حاجت کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت علی المرتضی واپس آ گئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عصر ادا فرما چکے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر انور ان کی گود میں رکھا۔ اور سو گئے۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے آپ کو دوران نیند جگایا اور ہلایا نہیں۔ حتیٰ

کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے۔ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَبْدَکَ عَلِیًّا اِحْتَبَسَ بِنَفْسِہٖ عَلٰی نَبِیِّہٖ فَرُدَّ عَلَیْہِ الشَّمْسَ۔ اے اللہ! تیرے بندے علی نے اپنی ذات کو تیرے نبی کی خاطر پابند کر دیا تھا۔ (جس کی وجہ سے نماز عصر نہ پڑھ سکے) پس تو ان کیلئے سورج کو لوٹا دے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ سورج باہر آ گیا۔ حتیٰ کہ اس کی کرنیں پہاڑوں اور زمین پر پڑنے لگیں۔ حضرت علی المرتضی اٹھے اور نماز عصر ادا کی۔ سورج پھر ڈوب گیا۔ اور یہ واقعہ خیبر میں مقام ''صہباء'' میں پیش آیا۔

دیگر الفاظ میں یوں مذکور ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی۔ تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی گود میں آرام فرما تھے۔ پس آپ نے حضرت علی المرتضی سے پوچھا۔ کیا تم نے نماز عصر ادا کر لی ہے؟ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! نہیں ادا کی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ نے سورج لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضی نماز عصر ادا کر چکے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ سورج ڈوب جانے کے بعد پھر نکل آیا تھا۔ علامہ الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ ''مجمع الزوائد'' میں لکھتے ہیں۔ اسی سے میں نے نقل کیا ہے۔ ''اس روایت کے تمام راوی روایت صحیح کے راوی ہیں صرف ابراہیم بن حسن۔ وہ بھی ثقہ ہیں۔ ان کو ابن حبان نے ثقہ بتایا۔ اور فاطمہ بنت علی کو میں نہیں پہچانتا'' انتہیٰ...... مذکورہ فاطمہ نامی راویہ کی حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن حجر نے ''تقریب'' میں ثقاہت بیان کی ہے۔ اور حدیث مذکور کو ابو زرعہ ابن عراقی نے تقریب کی شرح کے تکملہ میں ''حسن'' کہا۔ اور ان کے شیخ یعنی علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دور'' میں بھی یہی کہا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو طریقوں (سندوں) سے روایت کیا ہے۔ دونوں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اور امام موصوف نے لکھا۔ کہ یہ دونوں حدیثیں ''ثابت'' ہیں۔ اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''الشفاء'' میں نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ''بشری اللبیب'' میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف باب حل الغنائم لہذہ الامۃ کی شرح میں لکھا ہے۔ ان سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تخریج احادیث الرافعی'' کے باب الاذان میں نقل کیا ہے۔ یہ نقل مذکورہ کتاب (تخریج احادیث الرافعی) کے ان نسخہ جات میں موجود ہے۔ جو قابل اعتماد ہیں۔ اور علماء نے اس حدیث کی تقریر و تائید کی ہے۔ پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ اور جو انہوں نے کہا۔ وہی کافی ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''لَا یَنْبَغِیْ لِمَنْ سَبِیْلُہُ الْعِلْمُ التَّخَلُّفُ

عَنْ حَدِيْثِ اَسْمَاءَ لِاَنَّهُ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ'' اس شخص کو حدیث اسماء کے بارے میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے۔ جسے علم سے آشنائی ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق علامات نبوت کے ساتھ ہے۔ ان سے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کرتے ہوئے لکھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی۔ لہٰذا اس میں تردد نہیں ہونا چاہئے۔ اور ان کے شیخ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دور'' میں لکھا ہے۔ کہ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی اسے روایت کیا ہے جس کی سند حسن ہے۔ انتہیٰ۔ ان دونوں احادیث کی طرف حافظ ابوالفتح بن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''بشریٰ اللبیب'' میں ایک قصیدہ میں اشارہ کیا ہے۔

لَهٗ وَقَفَتْ شَمْسُ النَّهَارِ كَرَامَةً كَمَا وَقَفَتْ شَمْسُ النَّهَارِ لِيُوْشَعَا
وَرُدَّتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ بَعْدَ غُرُوْبِهَا وَهٰذَا مِنَ الْاِيْقَانِ اَعْظَمُ مَوْقَعًا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کی خاطر سورج ٹھہر گیا۔ جس طرح حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے ٹھہرا۔ اور آپ پر سورج کو لوٹایا گیا۔ جبکہ وہ غروب ہو چکا تھا۔ اور یہ یقین کرنے کا اعلیٰ موقع ہے۔ حضرت علامہ بہاء الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ ''هَدِيَّةُ الْمُسَافِرِ اِلَى النُّوْرِ السَّافِرِ'' میں اسے لکھا ہے۔

وَشَمْسُ الضُّحٰى طَاعَتْكَ وَقْتَ مَغِيْبِهَا فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْكَ بِوَقْفَةٍ
وَرُدَّتْ عَلَيْكَ الشَّمْسُ بَعْدَ مَغِيْبِهَا كَمَا اَنَّهَا قُدْ مَا لِيُوْشَعَ رُدَّتْ

چمکتے روشن سورج نے غروب ہوتے وقت آپ کے حکم کی اطاعت کی۔ اور نہ ڈوبا۔ بلکہ کچھ دیر کیلئے رک گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورج غروب ہونے کے بعد لوٹایا گیا۔ جیسا کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے لوٹ چکا تھا۔

علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا۔ یہ (سورج کے پلٹنے کا معجزہ) جو دو جلیل القدر ائمہ نے ذکر کیا۔ ان دلائل میں سے ایک ہے جو سورج کی واپسی والی حدیث کو مضبوط کرتا ہے۔ ابن جوزی نے جو اس حدیث کو ''موضوعات'' میں ذکر کیا۔ اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ''حفاظ'' نے اس میں خطا کھائی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ''زھر الباسم'' میں مذکورہ حدیث کو امام طحاوی اور طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد کہا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کی جو تعلیل بیان کی۔ اس کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ابن جوزی کے ہاں اس حدیث کی اسناد وہ نہ تھیں۔ جو ان حضرات کے پاس تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ میں نے ان کے قلمی حوالہ سے لکھا ہے۔

انہوں نے اس حدیث کو امام بیہقی کے حوالہ سے ذکر کرنے کے بعد لکھا۔ یہ آپ کے معجزہ کے بارے میں ''ابلغ'' ہے۔ ابن جوزی نے موضوعات میں اسے ذکر کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ انتہیٰ۔

ابن جوزی کے کلام کا علامہ السیوطی نے تعاقب کیا۔ جو ان (السیوطی) کی مختصر کتاب الموضوعات میں مذکور ہے۔ اور کتاب ''النکت البدیعات'' میں بھی موجود ہے۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیل کا جواب دیا۔ جو ابن جوزی نے اس حدیث میں بیان کی۔ اور فرمایا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو ''موضوعات'' میں درج کر کے زیادتی کی ہے۔ انتہیٰ۔

میں نے اس حدیث پاک کے بارے میں بعض ایسی باتوں پر اطلاع پائی۔ جن کی طرف شیخ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں کتابوں میں تعرض نہیں کیا۔ اور ایسی وجوہات پر مطلع ہوا۔ جو اس حدیث کے غلبہ کی تائید کرتی ہیں۔ میں نے ان باتوں کو علامہ السیوطی کی باتوں سمیت ایک مختصر رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جس کا نام ''مزیل اللبس والخفاعن حدیث رد الشمس لسیدنا المصطفیٰ'' رکھا ہے۔ جسے تحقیق کا ارادہ ہو۔ وہ اسے دیکھ لے۔

اس کے بعد حافظ شامی نے اس قول پر گفتگو کی۔ ''پھر مسجد اقصیٰ لائی گئی اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا'' اسی طرح سے یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام احمد اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اور امام مسلم نے عبداللہ بن الفضل بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں نے مجھ سے مسجد اقصیٰ کے بارے میں بعض باتیں دریافت کیں۔ جو میرے ذہن میں ثابت نہ تھیں۔ جس کی وجہ سے مجھے سخت کوفت ہوئی۔ ایسی پریشانی کبھی نہ ہوئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو میرے لئے وہاں سے اٹھایا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور جو جو سوالات لوگ کرتے تھے۔ میں انہیں ایک ایک کر کے ان کے جواب دیتا جاتا تھا...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو روشن کر دیا۔ یعنی ظاہر کر دیا۔ میں ان لوگوں کو اس کی نشانیاں بتانا شروع ہو گیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ بیت المقدس کو روشن کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان موجود پردے ہٹا دیئے۔ یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد بیت المقدس کو وہاں سے اٹھا کر ایسی جگہ رکھ دیا گیا ہو۔ جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ سکیں۔ اس کے بعد پھر اسے اپنی جگہ واپس لوٹا دیا گیا ہو۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ احتمال معجزہ کے اعتبار سے زیادہ بلیغ

ہے۔اور یہ "محال" بھی نہیں۔دیکھتے نہیں کہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے آ گیا تھا۔

حدیث ام ھانیؓ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔فَخِيلَ اِلَيَّ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ۔بیت المقدس کا تصور میرے ذہن میں ڈال دیا گیا۔پھر میں اس کی علامات کی خبر دینا شروع ہو گیا۔اگر یہ روایت ثابت ہے تو اس میں یہ احتمال ہے کہ بیت المقدس کی مثالی صورت آپ کے قریب لا کھڑی کر دی گئی ہو۔جیسا کہ حدیث "اُرِيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ" مجھے دوزخ دکھادی گئی۔میں کہا گیا ہے۔اور اس احتمال کے مطابق "حَتّٰى جِئْتُ بِالْمَسْجِدِ" سے مراد مسجد کی مثال لانا ہوگا۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔جس میں "قریب ہونے" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔اللہ تعالیٰ کا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونا اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فوائد بکثرت ملے۔اور آپ کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔اور آواز کے منقطع ہونے کے سبب جو وحشت تھی۔اسے ختم کر کے اس کی جگہ انس و محبت عطا کی گئی۔گفتگو سے دل بہلایا۔اپنے عظیم احسانات و انعامات سے نوازا۔اللہ تعالیٰ کا شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونے میں جو احتمال بیان کیا گیا۔اسی طرح کا احتمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں بھی ہوگا۔"ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے۔جب رات کا تہائی حصہ باقی رہتا ہے" اگرچہ اس کے کئی دیگر مفہوم بھی بیان کئے گئے ہیں۔لیکن ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے۔جو ہم نے ذکر کیا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا دراصل اس کے افضال، اجمال، قبول توبہ، احسان، مغفرت اور اشفاق سے کنایہ ہے۔علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔جس کو یہ وہم ہے۔کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قریب ہوا۔(یعنی شب اسراء میں) تو اس نے وہاں مسافت مانی۔اور وہاں مسافت کا پایا جانا محال ہے۔رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرۃ:186) تو اس کے کمال علم اور اجابت کی تمثیل ہے۔کیونکہ وہ مکان کے اعتبار سے قریب ہونے سے پاک ہے۔اور قرب خدا میں وہی تاویل کی جائے گی۔جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں کی جاتی ہے۔جسے امام بخاری نے روایت کیا۔حدیث قدسی ہے۔مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا۔جو بالشت برابر میرے قریب ہوتا ہے میں ہاتھ برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔اس میں قرب معنوی مراد ہے۔جسے مثال بنا کر پیش کیا گیا ہے۔تاکہ جلد سمجھ میں آ جائے۔یعنی جس نے میری بندگی اور اطاعت کے ذریعہ میرا تقرب چاہا میں اس کو اس کے بدلہ میں کئی گنا تقرب عطا کروں گا۔اور جو شخص پیدل چل کر میری طرف آئے گا۔میں اس کی طرف دوڑ کر آؤں گا۔یعنی میں

اس کی جزاء میں بہت جلدی کروں گا۔ لہٰذا یہ "قرب" اجابت، قبول اور احسان عطا کرنے کے طور پر ہے۔ اور جس ثواب کی خاطر آدمی نیک عمل کرتا ہے۔ ایک تو وہ جلدی مل جاتا ہے دوسرا امیدوں سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ جس قدر کوئی محنت کرے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے "مشاکلت" کا طرز اختیار فرمایا۔ جسے "تقرب" کا نام دیا گیا ہے۔

(نوٹ) اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کے بارے میں احادیث میں مذکور مختلف الفاظ کے معانی ذکر کئے۔ جو ترجمہ میں آ چکے ہیں۔ اس لئے ان تمام الفاظ کو مع ترجمہ نقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ البتہ چند مفید باتیں درج کر دی جاتی ہیں۔ (مترجم)

حَطِيمُ۔ اور حجر۔ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ جو کعبہ مشرفہ کی شمالی جانب متصل نصف دائرہ کی شکل میں جگہ ہے۔ جس میں کعبہ کی چھت کا پڑا بارش کا پانی ایک پرنالہ سے گرتا ہے۔ جسے "میزاب رحمت" کہتے ہیں۔ بعض نے دونوں کو الگ الگ جگہ بتایا ہے۔ مقام ابراہیم اور باب کعبہ کے درمیان والی جگہ کو حطیم یا رکن اور مقام ابراہیم یا زمزم اور حجر کے درمیان والی جگہ کو "حطیم" کہتے ہیں۔

مِعْرَاجُ۔ اس کا لغوی معنی سیڑھی ہے۔ جمع معارج اور معاریج آتی ہے۔

سَلْسَبِيلُ۔ جنت میں موجود ایک چشمہ کا نام ہے۔

عَرْشُ۔ لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل)۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت ہے۔ شریعت میں ثابت ہے کہ عرش کے ستون یا پائے ہیں۔ جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ جنت سے اوپر ہے۔ اور جنت آسمانوں سے اوپر ہے۔ اس میں ایک سو درجات ہیں۔ ہر دو درجات کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ اور وہ کائنات کے اوپر یوں ہے جس طرح گنبد ہوتا ہے۔ مخلوقات کی چھت یہی ہے۔ حافظ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے "عرش" کے بارے میں تفصیلی گفتگو اپنی کتاب "الجواھر النفائس فی تحریر کتاب العرائس" میں کی ہے۔

رَوْحَاء۔ مدینہ منورہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے۔

تَنْعِيمُ۔ مکہ شریف سے جانب مدینہ میں دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حدود حرم سے باہر ہے۔

مختلف الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معانی لکھنے کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ واقعہ معراج کے بارے میں موجود احادیث کی تخریج کی ضرورت مجھے اس لئے پیش آئی کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آسمان والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کرنے میں لفظ "اَهْلًا"

نہیں کہا۔ واقعہ معراج میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس طرح ''مرحبا'' کا بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا۔ یہ الفاظ امام بخاری نے حضرت شریک عن انس رضی اللہ عنہ سے بیان کئے ہیں۔ ایک اور شخص نے کہا۔ کہ سدرۃ المنتہٰی کے ذکر کے بعد آسمان پر ''برتنوں'' کا پیش کیا جانا میں نہیں مانتا۔ اور کہنے لگا۔ ایسا صرف بیت المقدس میں ہوا۔ میں نے اسے کہا۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بخاری و مسلم نے ذکر کی ہے۔ جس کے راوی حضرت مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب اس کا صحیحین میں وجود ہے۔ تو پھر انکار نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن وہ دونوں نہ مانے۔ جب موجودہ احادیث فی الصحیحین کے منکر موجود ہیں۔ تو پھر دوسری احادیث کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لہٰذا ان روایات کی تخریج کی ضرورت پڑی۔ اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ معراج میں وارد احادیث کا اخراج کرنے والوں کے نام ان کی روایات اور ان میں اختلاف الفاظ ذکر کیا۔ میں نے اس کتاب ''جواھر البحار'' میں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے چودھویں باب میں اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرما دیا۔ اس کے بعد ہمیں مستغنی کر دیا۔

جوہر ۲۰: سترھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی احادیث کی نشاندہی کی۔ جو واقعہ معراج کے بارے میں من گھڑت ہیں۔ جنہیں ایسے لوگوں نے گھڑا۔ جن کے ہاں اخلاق نام کی کوئی صفت نہیں۔ پھر بہت سے لوگوں نے ان حدیثوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جنہیں کوئی علم نہ تھا۔ حالانکہ ان میں سے کسی کا واقعہ معراج کی صورت میں وجود نہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ''حجب'' ہے۔ جسے امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مواھب لدنیہ'' میں ذکر کیا۔ اور میں نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے مواھب لدنیہ کی مختصر ''انوار محمدیہ'' میں درج کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

ابوالحسن بن غالب نے احادیث حجب (پردہ) ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ حجاب ستر تھے، سات سو تھے۔ ستر ہزار تھے۔ اسے انہوں نے ابوالربیع بن سبع کی طرف منسوب کیا۔ شفاء الصدور میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔ حدیث اسراء کے ابتدائی واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آئے۔ وہ میرے اور رب کے درمیان میرے سفیر ہیں۔ لکھتے لکھتے یہ لکھا۔ کہ ایک ایسا مقام آیا جہاں جبرئیل رک گئے، پھر اس کے بعد بیس سطروں کے قریب لکھا۔ ایک روایت میں ہے۔ میں آگے بڑھا اور جبرئیل میرے پیچھے پیچھے تھے۔ یہاں تک کہ وہ میرے پیچھے ایک ایسی جگہ تک پہنچے۔ جہاں سونے کے بنے قالینوں کے حجاب تھے...... پھر لکھا۔ میں نے اپنے پیچھے اور اپنے کندھوں کے درمیان دیکھا۔ جیسا کہ میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ الحدیث۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی نے کہا۔ یہ روایت اور اس سے پہلی روایت کتاب ''شفاء الصدور'' میں ہے۔ جیسا کہ اس کو ابن غالب نے ذکر کیا۔ اور اس کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

زرقانی نے مواہب کی شرح میں کہا۔ حافظ شامی نے مصنف کے اس کلام کے بعد کہا۔ یہ اور وہ دونوں روایات ''جھوٹ'' ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کے بعد علامہ زرقانی کہتے ہیں۔ نعمانی پر تعجب ہے۔ کہ انہوں نے دونوں روایات لمبی ہونے کے باوجود ان پر خاموشی اختیار کی۔ اور یہ لکھ دیا کہ رات کے مختصر سے وقت میں اس قسم کا واقعہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ انتہیٰ کلام الزرقانی۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت کو ''موضوعات'' میں ذکر کرنے کے بعد کہا۔ اسی طرح ہمارے شیخ ابوالفضل احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ کے مقصد خامس میں ذکر کیا۔ اور کہا کہ اس روایت اور اس سے پہلے والی روایت کو ابن سبع نے شفاء الصدور میں روایت کیا۔ جیسا کہ ابن غالب نے ذکر کیا۔ ذمہ داری ان پر ہے۔ اس کے بعد حافظ شامی کہتے ہیں۔ یہ بلاشک جھوٹ ہے اور علامہ قسطلانی کا خود کو یوں کہہ کر بری الذمہ قرار دینا کہ ان روایات کی ذمہ داری ابن غالب پر ہے جنہوں نے انہیں ان سے نقل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ قسطلانی کو ان احادیث کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا کہ یہ کیسی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے انہیں ذکر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء نے چونکہ ان کو لکھا تھا۔ اس کے بعد یہ بھی کہا۔ پردوں کا بکثرت ہونا کسی سند صحیح میں وارد نہیں۔ اور نہ ہی اس بارے میں کوئی روایت صحیح ہے۔ صرف مسلم شریف میں ہے۔ ''حجابہ النور''۔

واللہ اعلم۔

## الامام العلامۃ الشیخ علی الاجھوری المالکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶۶ھ

جوہرا: علامہ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی واقعہ معراج پر لکھی گئی کتاب ''النور الوھاج فی الکلام علی الاسراء والمعراج'' میں بکثرت وہ فوائد ذکر کئے ہیں جو حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے۔ جن کا ابھی تذکرہ مکمل ہوا۔ اسی وجہ سے میں (علامہ نبہانی) نے یہاں شیخ موصوف کے جواہر میں انہیں ذکر کرنے کو ضروری نہ سمجھا۔ کیونکہ جب اصل کتاب کے فوائد ذکر کر دیئے جائیں۔ تو اس سے حاصل کئے جانے والے اور نقل کئے جانے والے فوائد کے ذکر کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔ اسی طرح علامہ نجم غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حافظ شامی کے ''معراجیہ'' سے اقتباس کیا۔ میں نے واقعہ معراج پر لکھی گئی ان تین کتب میں غور کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان میں سے اصل وہ کتاب ہے۔ جسے حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ جس کا اختصار ابھی میں پیش کر چکا ہوں۔ جس مختصر میں تقریباً وہ اہم فوائد میں نے درج کر دیئے ہیں۔ جو اس موضوع سے تعلق رکھتے تھے۔ رہے یہ دونوں بزرگ حضرات یعنی شیخ علی اجھوری اور شیخ نجم غیطی رحمۃ اللہ علیہما تو یہ دراصل حافظ شامی کی تصنیف کے تابع ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ فوائد ان دونوں بزرگوں نے ایسے بھی تحریر کئے۔ جو حافظ شامی علیہ الرحمہ کی کتاب میں نہیں۔ لیکن ان دونوں حضرات کی تصنیفات میں اکثر باتیں معراج کے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ خاص کر علامہ اجھوری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب تو مختلف اقسام کے مختلف فوائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

شیخ اجھوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معراج کے بارے میں وارد احادیث میں یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء ''عرش'' پر تشریف لے گئے۔ پس علامہ ابن منیر کا یہ کہنا ''اِنَّهٗ عُرِجَ بِهٖ لِلْعَرْشِ'' آپ کو عرش تک بلندی پر لے جایا گیا۔ یہ قول قابل اعتبار نہیں۔ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش معلیٰ پر اپنی نعلین سمیت تشریف لے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو کتابوں میں منقول ہے۔ ''لَقَدْ شَرَّفْتَ الْعَرْشَ بِنَعَالِیْکَ یَا مُحَمَّدُ'' بیشک تم نے اے محمد! عرش کو آپ کی نعلین سے مشرف کیا۔ کیا ان دونوں باتوں کی کوئی اصل ہے؟ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ وہ احادیث جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شب اسراء عرش پر نعلین سمیت چلنا مذکور ہے۔ صحیح نہیں نہ ہی یہ ثابت ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرش کی بلندی تک جانا ہی خبر صحیح سے ثابت نہیں۔ اور نہ ہی خبر حسن سے ثابت ہے۔ بلکہ بالکل ثابت نہیں۔ ہاں اخبار میں جو بات صحیح ہے۔ وہ یہ کہ آپ فقط سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ اس سے

آگے جانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ اس کا تذکرہ جن روایات میں ملتا ہے۔ وہ ضعیف ہیں یا منکر ہیں۔ ایسی روایات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ انتہیٰ۔

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد بعض محدثین نے لکھا۔ کہ جو کچھ علامہ قزوینی نے کہا ہے۔ "وہ صواب یعنی درست ہے" واقعہ معراج و اسراء تقریباً چالیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ جن میں سے کسی ایک صحابی کی روایت میں یہ نہیں ملتا۔ کہ شب معراج آپ کے قدموں میں نعلین بھی تھیں۔ نعلین ہونے کی بات بعض قصہ خواں جاہل لوگوں کے شعروں میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ان صحابہ کرام کی روایات میں "عرش" کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اتنا کہا ہے۔ وَاَتَى الْاَنْبِسَاطَ فَهَمَّ بِخَلْعِ نَعْلِهٖ فَنُوْدِیَ لَا تَخْلَعْ الی اخرہ۔ آپ بستر پر تشریف لائے اور نعلین اتارنے کا ارادہ کیا پھر آواز آئی۔ نہ اتاریئے ...... یہ قول باطل ہے۔ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اور نہ ہی یہ بات کسی حدیث حسن میں اور نہ صحیح یا ضعیف میں موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش پر چڑھے۔ اور نہ ہی یہ کہیں مذکور ہے کہ آپ نے عرش دیکھا۔

پھر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بعض حفاظ سے وارد ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور کے بساط پر نہیں چلے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔ حالانکہ سادات صوفیاء کرام سے اس کے بالکل خلاف وارد ہے۔ اور لوگوں میں نعلین شریفین کے بارے میں بھی اضطراب و پریشانی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک میں شب اسراء میں تھیں۔ اور محدثین کا قول کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور یہ ثابت نہیں۔ اس میں بہت زیادہ گفتگو ہے۔

بعض اکابر صوفیاء نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا۔ تو آپ کو اس کی عظیم ہیبت سے پسینہ آ گیا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسد اطہر سے بشریت کی جز نیچے اتر کر آپ کے پاؤں میں نعلین کی مانند ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاؤں سے اسے اتارنے کی کوشش کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی۔ اسے نہ اتاریئے۔ الی آخرہ۔ اور ایسا حکم اس لئے دیا گیا کہ اگر بشریت کی جزء کو آپ اتار پھینکتے۔ تو آپ "روحانی نور" ہو جاتے۔ جس کا واپس زمین پر اترنا مشکل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ آپ واپس زمین پر تشریف لائیں۔ تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیں۔ لہٰذا تم اس نعلین کے راز کو سمجھو۔ کیونکہ ان خفیہ اسرار میں سے ہے جسے صرف خواص اولیاء کرام ہی جان سکتے ہیں۔ انتہیٰ۔

یہاں یہ نہ کہا جائے۔ کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ شب اسراء آپ نے جب نعلین اتارنے کا ارادہ

کیا تو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ اس سے مراد یہی ہو جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ قول صحیح ہوا؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے نہیں اتارے۔ اور یہ کہ ''بساط نور'' پر اپنے نعلین سمیت چلیں۔ اس کے ساتھ ان کے ارتفاع کا دیگر انبیاء کرام سے ارادہ بھی تھا۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ شب اسراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک شخص سے گزر ہوا۔ جو عرش کے نور میں غائب تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ کیا فرشتہ ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا نبی ہے؟ کہا۔ نہیں۔ میں نے پوچھا پھر کون ہے؟ کہا گیا یہ وہ مرد ہے۔ جس کی زبان ہر وقت ذکر خدا سے تر رہتی تھی۔ اس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے والدین کو کبھی گالی نہیں دلوائیں۔ یہ روایت ''خبر مرسل'' ہے۔ اس موضوع پر یہ بطور حجت کام نہیں دے سکتی۔

علامہ اجھوری نے مذکورہ گفتگو کے بعد کہا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں گئے'' ممنوع ہے۔ اور منع کی تائید وہ بات کرتی ہے۔ جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے۔ تو آپ کو بادل نے ڈھانپ لیا۔ اور آپ کو اوپر لے گیا۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ حدیث مرسل سے اس موضوع پر حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ علمائے علم اصول نے مطلقاً حدیث مرسل سے احتجاج کو درست قرار دیا ہے۔ صرف امام شافعی رضی اللہ عنہ اس کے خلاف ہیں۔ لہٰذا علمائے اصول کا یہ قانون یہاں بھی کام کرے گا۔ (انتہت عبارۃ الاجھوری)۔

اس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے۔ کہ گزشتہ اوراق میں میرے دو اشعار آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کے موضوع پر تھے۔ میں نے ان دونوں کے چوتھے حصہ میں یہ بات ذکر کی ہے۔ اور میں نے ایسا اپنے بزرگ سادات صوفیاء کرام کی اتباع میں کیا ہے۔ جن کی سابقہ عبارت امام اجھوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی۔ میرے دونوں اشعار یہ ہیں۔

عَلٰی رَأْسِ هٰذَا لِكَوْنِ نَعْلُ مُحَمَّدٍ عَلَتْ فَجَمِيْعُ الْخَلْقِ تَحْتَ ظِلَالِهٖ

لَدَى الطُّوْرِ مُوْسٰى نُوْدِیَ اِخْلَعْ وَ اَحْمَدُ عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

اس کائنات کی بلندیوں پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک بلند ہو گئے۔ پس تمام مخلوق اس کے سایہ تلے ہے۔ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی۔ نعلین اتار دو۔ اور ہمارے آقا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش پر بھی نعلین اتارنے کی اجازت نہ ملی۔

## الامام العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی رضی اللہ عنہ

(موصوف کا پہلے اسی کتاب میں دومرتبہ ذکر ہو چکا ہے)

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کی وہ گفتگو ہے۔ جو انہوں نے اپنی کتاب "اَلرَّدُّ الْمَتِیْنُ عَلٰی مُتَنَقِّصِ الْعَارِفِ مُحْیِ الدِّیْنِ" میں کی۔ علامہ فاسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابن عربی رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا۔ کہ وہ "خاتم الاولیاء" ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "خاتم الانبیاء" ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ ابن عربی کے زمانہ میں اولیاء کاملین بکثرت موجود تھے۔ اور ان کے بعد بھی یقیناً موجود رہیں گے۔ لہٰذا ابن عربی "آخری ولی" نہ ہوئے۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے۔ کہ "فاس" نامی شہر میں آپ "آخری ولی" ہیں۔ تب بھی دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس شہر میں بھی اولیاء واخیار ابن عربی کے بعد موجود رہے۔ اور ہیں۔ اور یہ بات مشہور ہے (مقصد یہ کہ ابن عربی رضی اللہ عنہ کا "آخری ولی" ہونا کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا ان کا دعویٰ بے جا ہے) اس پر عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جناب ابن عربی رضی اللہ عنہ کا "خاتم الاولیاء" ہونے کا دعویٰ "ولائت محمدیہ" کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ دعویٰ ان کے زمانہ میں اور ان کے دور کے بعد اولیاء کرام کی کثرت کے مانع اور خلاف نہیں ہے۔ خواہ وہ ان کے اپنے شہر "فاس" میں موجود ہوں۔ یا دنیا کے کسی اور خطہ میں ہوں۔ اس لئے ان تمام اولیاء کرام کی ولائت وہ ولائت ہے جو "ولائت خاصہ محمدیہ" نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اس مختصر بات کو ذرا تفصیل سے بیان کروں۔ تو پھر غور سے پڑھئے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے "خاتم" ہیں۔ اور اس کا معنی ومطلب یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پیغمبر اور ہر رسول جو آپ سے پہلے تشریف لا چکے۔ ان کے تمام مشرب کو پانے والے ہیں۔ لہٰذا آپ تمام انبیاء ومرسلین کے مشارب کے جامع ہوئے۔ اسی لئے آپ ان سب کی تصدیق کرنے کیلئے تشریف لائے۔ اور ان کے تمام مراتب ومقامات سے زیادہ فصیح بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان کے تمام احوال کا کشف فرمایا۔ اور آپ کے قلب انور پر ان کے واقعات نازل فرمائے۔ وہ واقعات واخبار جو آپ نے ہمیں پڑھ کر سنائے۔ لہٰذا آپ کا ثبوت، تمام نبوتوں کا اصل ہوا۔ اور تمام نبوتیں آپ کی نبوت کی شاخ ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ آپ کے سوا

باقی انبیاء کرام وہ اس وقت ''نبی'' ہوئے۔ جب ان کی بعثت ہوئی۔ اس سے قبل نہیں۔ پس تمام انبیاء کرام کے مشارب جو ان کی روحانیت فاضلہ اور مختلف جگہوں پر پڑے پانی کی مانند ہیں۔ وہ سب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرب میں جمع ہیں۔ آپ کا ''مشرب جامع'' جو آپ کی روحانیت ہے۔ وہ روحانیت جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کا وجود بنایا۔ جیسا کہ وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ نُوْرِهٖ تَعَالٰی۔ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اس بارے میں مذکورہ حدیث کافی لمبی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی بنائی۔ اسے گوندھا گیا۔ پھر اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کیا گیا۔ حضرت آدم کی روحانیت کا پانی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرب جامع سے جاری ہوا۔ یونہی جب حضرت نوح، ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور تمام بقیہ انبیاء کرام کی مٹی ان کی حسب ترتیب وجود کے اعتبار سے پیدا کی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی روحانیت کا پانی جو ان کے خصوصی مشرب تھے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے پانی سے جاری کیا۔ جو تمام کی جامع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی پیدا فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت جامعہ کا پانی آپ کی مخصوص طینت میں جاری کیا۔ پس آپ اس وجود میں موجود ہو گئے۔ لہٰذا آپ کا ظہور دو مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ ''تفصیلی طریقہ'' سے جو حضرت انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے دقائق کے اطوار میں ہوا۔ اور دوسری مرتبہ ''اجمالی طریقہ'' سے ہوا۔ اور یہ بات جانی پہچانی ہے۔ کہ ''اجمال'' تفصیل کے بعد اسی لئے آپ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے نبی کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ آپ کے اجمال سے تفصیل مکمل ہو گئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جب تمہیں جو کچھ میں نے کہا۔ معلوم ہو گیا۔ تو اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرات اولیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد موجود ہیں۔ اور تا قیامت موجود رہیں گے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول محمدی جامع، دوم محمدی غیر جامع۔ پہلی قسم کے اولیاء کرام وہ ہیں۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث آپ کی اس جمعیت کے ہیں۔ جو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مشارب کی جامع ہے۔ صرف ان میں ''درجہ نبوت'' کی کمی ہے۔ کیونکہ یہ درجہ کسب و عمل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے اولیاء کرام اس امت میں بکثرت تشریف لائے۔ جن میں سے سب سے آخر میں آنے والے شیخ اکبر، کبریت احمر محی الدین محمد بن عربی الحاتمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ

کے قول ''میں خاتم الاولیاء ہوں'' کا یہی معنی ہے۔یعنی آپ ''ولایت محمدیہ خاصہ'' کے خاتم ہیں۔اور جس نے آپ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کا مطالعہ کیا ہے۔وہ موصوف رضی اللہ عنہ کے مقام کو جانتا ہے۔اس لئے کہ موصوف نے اس کتاب میں تمام علوم جمع کر دیئے ہیں۔جیسا کہ آپ خود اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

صُرَّةٌ اَوْ دَعْتُ عِلْمِي عِنْدَهَا　　فِيْ كِتَابٍ وَّ سَمَّمْتُهٗ بِالْفُصُوْصِ

ایک تھیلی (بہت بڑا خزانہ) ہے جس میں میں نے اپنا سارا علم جمع کر دیا۔وہ ایک کتاب ہے جس کا نام ''فصوص الحکم'' ہے۔

دوسری قسم کے اولیاء کرام جو ''محمدی غیر جامع'' ہیں۔وہ بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی وارث ہیں۔لیکن اس اعتبار سے نہیں۔کہ وہ آپ کی اس جمعیت کے وارث ہوں۔جو انبیاء و مرسلین سابقین کے مشارب کی جامع ہے۔بلکہ وہ فقط کسی ایک نبی یا رسول کے مشرب کے اعتبار سے ہے۔جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔پس اس قسم کی ولائت کو یوں نام دیا جائے گا۔ولایت نوحی محمدی،ولائت ابراہیمی محمدی یا موسوی محمدی یا عیسوی محمدی وغیرہ ذالک۔یہ حضرات ''افراد'' ہیں۔اور ان حضرات کے ''خاتم'' آخری زمانہ میں حضرت سید امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔جو ''خاتم الولایۃ المطلقہ'' ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمام حضرات انبیاء کرام کی روحانیت،حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''روح اعظم'' سے بنائی گئی ہے۔وہ ''روح اعظم'' جو تمام موجودات کے وجود کی روح ہے۔اور وہ حقیقت میں خود حضرت محمد مصطفیٰ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اس لئے کہ آپ ہی ''اصل'' ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (ص:72) جب میں اس کی نوک پلک درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔اور اللہ تعالیٰ نے سب سے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم:12)۔اور عمران کی بیٹی مریم کہ جس نے اپنی پاکدامنی برقرار رکھی۔پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ایک اور جگہ فرمایا۔اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (الآیۃ) (آل عمران:59)۔حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں مثل آدم ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے کی۔پھر ان سے حضرت حواء علیہا السلام نکالیں۔اور پھر حضرت مریم علیہا السلام کی تخلیق تک تمام پیغمبر

5

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم سے ظاہر فرمایا۔ ابتداء میں مرد سے عورت ظاہر ہوئی۔ اور اب عورت سے مرد ظاہر ہوا۔ پھر جب ''مراتب نبوت محمدیہ'' مکمل ہو گئے۔ اور اس وجود میں ان کے اطوار تفصیل سے آچکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے ''مجملہ'' کی حیثیت سے ظاہر فرمایا۔ جو ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، نبی اللہ، ہر چیز کی طرف اللہ کا رسول، خاتم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلام علیہم اجمعین'' کی صورت میں تشریف فرما ہوئے۔

جب تم یہ جان چکے۔ تو اب یہ بھی جان لو۔ کہ حضرات اولیاء کرام کی ''روحانیات'' کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان روحانیات کی ہے۔ جو روح اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکالی گئی ہے۔ اور اس کا نکلنا خاص وجہ اور طریقہ سے ہے۔ اس عام وجہ اور طریقہ سے انہیں نہیں نکالا گیا۔ جو طریقہ حضرات انبیاء کرام کیلئے تھا۔ اس طریقہ اور وجہ خاص سے حاصل ہونے والی روحانیات ان اولیاء کرام کی ہیں۔ جو ''اولیاء محمدیین جامعین'' ہیں۔ جن کا اختتام حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہوا۔ اس اعتبار کے پیش نظر ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ حضرات اپنے سے آگے اگر کسی کا قدم پاتے ہیں۔ تو وہ صرف حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ جیسا کہ یہ بات حضرت ابن فاید وغیرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

دوسری قسم کی ''روحانیات'' بھی آپ ہی کی ''روح اعظم'' سے فیض یافتہ ہیں۔ لیکن ان کا وجود کسی پیغمبر کی روحانیت کے ذریعہ موجود ہوا۔ پس اس پیغمبر کی روحانیت دراصل اس ولی کی روحانیت کو اس مقام تک لے جانے والی ہے۔ جہاں پہنچ کر اسے ''روح اعظم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ فیض ملتا ہے۔ جو فیض ''روح اعظم'' کو اللہ ذوالجلال وصاحب فضل عظیم کی بارگاہ سے موصول ہوتا ہے۔ یہ ''روحانیات'' ان اولیاء کرام کی ہیں۔ جو ہیں تو ''محمدی'' مگر ''غیر جامع'' ہیں۔ ان حضرات اولیاء کرام کا اختتام سیدامام مہدی رضی اللہ عنہ پر ہوگا۔

جب ہم نے حضرات انبیاء کرام کی روحانیات اور حضرات اولیائے کرام کی روحانیات کی گفتگو کر لی۔ اور ہم نے مراتب نبوت وولائت بھی بیان کر دیئے۔ تو ہمیں اس مضمون کو مکمل کرنے کیلئے یہ بھی بیان کر دینا چاہئے کہ ان حضرات کے علاوہ بنی آدم اور حیوانات کی روحانیات کے مراتب کیا کیا ہیں؟

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے علاوہ اولاد آدم اور حیوانات کی روحانیت ''نفس کل'' سے فیض یافتہ ہیں۔ جس کو شریعت کی زبان میں ''لوح محفوظ'' کہتے ہیں۔ ان کی

روحانیات۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "روحِ اعظم" سے فیض یافتہ نہیں۔ اور نہ ہی ان "روحانیات" سے فیض یافتہ ہیں۔ جو "روحِ اعظم" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یافتہ ہیں۔ اور یہ نفس کل (لوح محفوظ) حضرات انبیاء واولیاء کرام کی روحانیات کے راستوں میں سے وہ ایک راستہ ہے۔ جس سے وہ اس وقت گزرتے ہیں جب وہ "روحِ اعظم" کی بارگاہ عالیہ سے استمداد اور حصول فیض کیلئے بلندی کی طرف جاتے ہیں۔ جاتے ہوئے انہیں راستہ میں اپنے علاوہ انسانوں اور حیوانات کی روحانیات دکھائی دیتی ہیں۔ اور بعض دفعہ یہ حضرات گزرتے وقت بنی آدم میں سے بعض کی روح کے بارے میں کچھ باتوں اور حالات پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے بارے میں ایسی خبریں دے دیتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ بعد میں پیش آنے والی ہوتی ہیں۔ اور ایسے امور بتا دیتے ہیں۔ جو بہت عرصہ بعد واقعہ ہونے والے ہوتے ہیں۔ پھر ہوتا اسی طرح ہے جس طرح یہ حضرات پہلے سے خبر دے چکے ہوتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے اسی طرح اتارا۔ جس طرح انہوں نے خبر دی۔ اور اس نے لوح محفوظ میں سے اسے محو (مٹایا) نہیں کیا تھا۔ ارشاد فرماتا ہے۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے۔ اور ام الکتاب (لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے (الرعد:39)۔ یہ بحث کافی طویل ہے۔ اور اپنے دامن میں بہت کچھ سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ مقام اس کو تفصیل سے بیان کرنے کا نہیں۔ جس قدر لکھ دیا گیا۔ اسی قدر کافی سمجھیں۔ واللہ اعلم۔ (انتہیٰ کلام سیدی عبدالغنی)۔

میں (علامہ نبہانی) نے علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر حضرات کا کلام اس موضوع پر دیکھا۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو مرتبہ خاتمیت ولایت حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے پایا۔ وہ ابھی باقی ہے۔ اس مرتبہ کے اہل گیارہویں صدی ہجری کے ایک بزرگ حضرت صفی الدین القشاشی المدنی رضی اللہ عنہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب "الرد المتین علی منتقص سیدی محی الدین" نہایت نفیس کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے باحسن وجوہ رد فرمایا۔ اسی کتاب میں موصوف نے "ابن تیمیہ" کا ذکر کیا۔ کیونکہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے نقص نکالنے اور ان کی شان میں گھٹیا قسم کی باتیں کرنے والوں میں سے یہ بھی ایک ہے۔ حتیٰ کہ اس نے شیخ موصوف کی "تکفیر" کی۔ اور اس نے اپنی کتاب "اَلْفُرْقَانُ بَیْنَ اَوْلِیَاءِ الرَّحْمٰنِ وَ اَوْلِیَاءِ الشَّیْطَانِ" میں موصوف رضی اللہ عنہ کو "اولیاء الشیطان" میں داخل کیا ہے۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ "اولیاء الرحمٰن" میں سے ایک جلیل القدر ولی تھے۔ یہی میرا

دین وایمان ہے۔اوراسی پر میں اللہ تعالیٰ سے اپنی ملاقات چاہتا ہوں۔یعنی مرتے وقت میری دعا ہے کہ اسی عقیدہ پر مروں۔اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض فرمائے۔آپ ان جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔جو ولائت کے اعلیٰ درجہ پر متمکن تھے۔اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔کہ ''ابن تیمیہ'' اور اس کے پٹھوؤں کو معاف کر دے۔انہوں نے جو ناشائستہ رویہ حضرت ابن عربی اور ان جیسے دیگر صالحین و اولیاء عارفین کے بارے میں اپنایا ہے۔اس سے درگزر فرمائے۔اور ان کی حسن نیت (اگر تھی) کے مطابق ان سے معاملہ کرے۔ان لوگوں نے جو ایسا کیا۔وہ (ان کے خیال کے مطابق) شریعت محمدیہ کی بظاہر حمایت کرتے ہوئے کیا۔اس لئے کہ ان لوگوں کو شیخ اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے دیگر سادات صوفیہ رضی اللہ عنہم کی عبارات کے سمجھنے میں ''وہم'' ہوا۔کہ یہ عبارات درست نہیں۔حالانکہ جو مفہوم ان حضرات نے اپنی اپنی عبارات سے لیا ہے۔اور ان حضرات نے مخصوص اصطلاحیں اس لئے استعمال فرمائیں۔تاکہ نااہل لوگ ان کے اسرار و رموز پر مطلع نہ ہوں۔اور ایسا طریقہ خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں موجود ہے۔بہت سی آیات قرآنیہ بکثرت احادیث نبویہ ایسی ہیں۔جن کا مرادی معنی وہ نہیں جو ان کے ظاہری الفاظ سے سمجھنے میں آتا ہے۔اور جس طرح ان لوگوں نے ان آیات و احادیث کی تاویل کی۔جنہوں نے حضرات صوفیاء کرام کے کلام ظاہری اور اصطلاحی پر اعتراض کیا۔انہیں چاہئے تھا کہ حضرات اولیاء کرام کے کلام کی بھی ایسی تاویلات و توجیہات کرتے۔جیسا کہ سیدنا محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام کی توجیہات عارف شعرانی اور عارف نابلسی وغیرہ رضی اللہ عنہم نے کی ہیں۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

''ابن تیمیہ'' کے بارے میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب مذکورہ میں جو لکھا۔اس میں سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اَمَّا ابْنُ تَیْمِیَّةَ فَحَسْبُهٗ کِتَابُ الشَّیْخِ الْحَصَنِی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی الَّذِیْ صَنَّفَهٗ فِیْهِ وَرَدَّ عَلَیْهِ مَقَالَاتِهٖ وَ صَرَّحَ فِیْهِ بِتَکْفِیْرِهٖ وَ تَکْفِیْرِ اَتْبَاعِهٖ کَابْنِ الزَّاغُوَانِیِّ وَ ابْنِ حَامِدٍ وَ الْقَاضِیِّ وَ ابْنِ الْقَیِّمِ الْجَوْزِیَّةِ وَ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ کَثِیْرٍ وَ اَتْبَاعِهِمْ وَاِنْ کُنَّا نَحْنُ لَانُوَافِقُهٗ عَلٰی ذَالِکَ وَلٰکِنْ مَنْ طَعَنَ طُعِنَ فِیْهِ وَ مَنْ عَابَ عِیْبَ عَلَیْهِ – اِنْتَهٰی کَلَامُ سَیِّدِیْ عَبْدِالْغَنِیِّ النَّابَلُسِیِّ فِیْ کِتَابِهِ الرَّدِّالْمَتِیْنِ وَ مِنْهُ نَقَلْتُهَا۔

رہا ابن تیمیہ تو ان کی شیخ حصنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں خوب خبر لی۔جو کتاب انہوں نے اسی موضوع پر تصنیف فرمائی۔اس میں موصوف نے ابن تیمیہ کے مقالات کا خوب رد فرمایا۔اور اس

میں اس کی اور اسکے پٹھوؤں کی تکفیر کی۔ جیسا کہ ابن زاغوانی، ابن حامد، قاضی، ابن قیم جوزیہ، اسماعیل بن کثیر اور ان کے دم چھلے۔ اگرچہ ہم اس (تکفیر) میں شیخ کی موافقت نہیں کرتے۔ لیکن جو زبان درازی کرتا ہے اس کی بھی خبر لی جاتی ہے۔ اور جو کسی کے عیب نکالتا ہے۔ اس کی گھڑی بھی پھولی جاتی ہے۔ کتاب ''ردمتین'' سے شیخ نابلسی رضی اللہ عنہ کا اقتباس ختم ہوا۔

اس کے بعد مجھے شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کا ''سفرنامہ'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس کا نام موصوف نے ''الحضرۃ الانسیہ فی الرحلۃ القدسیہ'' رکھا ہے۔ یہ کتاب بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی شیخ موصوف نے ''ابن تیمیہ'' کی خبر لی۔ میں نے پسند کیا۔ کہ اس کتاب کی عبارت یہاں (جواہرالبحار) میں درج کردوں۔ ملاحظہ ہو۔

شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے ''صخرۃ بیت المقدس'' اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا اس میں نشان ہونا، بیان کیا۔ اور اس بارے میں انہوں نے بہت سے روایات درج کیں، اور بکثرت فوائد ذکر کئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

لَيْتَهُ خَصَّنِي بِرُؤْيَةِ وَجْهٍ زَالَ عَنْ كُلِّ مَنْ رَآهُ الشَّقَاءُ
اَوْ بِلَثْمِ التُّرَابِ مِنْ قَدَمٍ لَا نَتْ حَيَاءً مِنْ مَسِّهَا الصَّخْرَاءُ

کاش میری قسمت میں بھی وہ مقدس چہرہ دیکھنا ہوتا۔ جس کو دیکھنے والے کے تمام دکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔ یا میرے مقدر میں اس مبارک قدم سے لگی مٹی چومنا ہوتی۔ جس کے چھونے سے شرم و حیاء کے مارے ''صخراء'' نرم پڑ گیا۔ (اور اس میں آپ کے قدم کا نشان پڑ گیا) ''صخرۃ'' ایک سخت پتھر ہے۔ جو بیت المقدس میں موجود ہے:

حضرت امام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں لکھے اپنے ''قصیدہ تائیہ'' میں فرماتے ہیں۔

وَاَثَّرَ فِي الْاَحْجَارِ مَشْيُكَ ثُمَّ لَمْ يُؤَثِّرْ بِرَمْلٍ اَوْبِبَطْحَاءِ مَكَّةَ

آپ کے مبارک قدم نے سخت پتھروں میں نشان چھوڑ دیئے۔ پھر انہی مبارک قدموں نے ریت پر یا بطحائے مکہ میں چلتے ہوئے کوئی نشان نہ چھوڑا۔ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ مذکور گفتگو کے بعد فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ کہ شیخ امام احمد عجمی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا۔ جس کا

انہوں نے ''تنزیہہ المصطفیٰ المختار عمالم یثبت من الآ ثار'' نام رکھا۔ انہوں نے ان قدمہائے مبارکہ سے انکار کیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمہائے مبارکہ کے طور پر پتھروں پر موجود ہیں۔ جو مصر اور بیت المقدس وغیرہ میں موجود ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور ان کے متبعین پر اعتماد کیا۔ جنہوں نے ان نشانات کا انکار کیا۔ اور یہ کوئی پہلی ہلاکت اور گرداب عقیدت نہیں۔ جس میں ابن تیمیہ اور اس کے پٹھو گرے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے مسجد مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے علاوہ کسی اور کی طرف ''شدرحال'' کو معصیت قرار دیا۔ جیسا کہ اس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا بارگاہ الٰہی میں ''توسل'' کو رد کیا۔ اور اس کی ممانعت کی۔ اور اس گروہ نے ائمہ اربعہ کے اجماع کے خلاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ان کے ایسے عقائد اور ذلیل ورسوا کر دینے والی حرکتیں تھیں۔ جن کا مکمل طریقہ سے رد کیا جانا لازم تھا۔ چنانچہ اس کام کو شیخ امام علامہ عمدۃ فہامۃ تقی الدین حصنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقہ احسن سرانجام دیا۔ اور انہوں نے ''ابن تیمیہ اور اس کے چیلوں کے رد میں ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی۔ جس میں انہوں نے اس کے کفر کی تصریح کی۔ اگرچہ اس کے بعد ''بقاعی حنبلی'' اٹھا۔ اور علامہ تقی الدین موصوف کا اس نے رد لکھا۔ رد میں لکھی کتاب کا اس نے ''الرد الزاجر علی من زعم ان ابن تیمیہ کافر'' رکھا۔

اس کے بعد سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ کہ امام ابن حجر نے بھی ''ابن تیمیہ'' کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اور انہوں نے اپنی کتاب ''الجوہر المنظم فی زیارۃ البقر المکرم'' میں اس کی خوب گت بنائی۔ اور لکھا۔ کہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل کتاب اس (ابن تیمیہ اور اس کے عقائد) کے متعلق لکھی ہے۔ جو بہت مفید اور خوب کتاب ہے۔ پھر فرماتے ہیں اس کے بعد کوئی تعجب نہیں۔ کہ جب خود ''ابن تیمیہ'' نے انکار کا دروازہ کھولا۔ اور کہا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان نشانہائے قدم کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ ہی دیگر آثار نبویہ کا کوئی وجود ہے۔ اس کی علت یہ بیان کی۔ کہ کتب حدیث میں اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ صرف عوام میں شہرت ہو جانا اس کی بنیاد ہے۔ اور ''ابن تیمیہ'' نے ان آثار ونشانات پر حصول برکت کی خاطر ہاتھ رکھنا، ہاتھ لگا کر منہ اور جسم پر پھیرنا اور ان کو چومنا ان تمام باتوں کا انکار کیا۔ اور بڑا ڈھٹائی سے انکار کیا۔ حالانکہ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے۔ کہ ''حجر اسود'' کو چومنا اور اس کا استلام ازروئے شرع جائز ہے۔ اور یہ بات سنت ہے کہ جب بھی طواف کرنے والا حجر اسود پر پہنچے۔ اگر چوم سکتا ہے تو ٹھیک اور اگر اژدھام کی وجہ سے نہیں چوم سکتا۔ تو ہاتھ

میں پکڑی کسی چھڑی وغیرہ کو حجر اسود کے ساتھ لگا کر اسے ہی چوم لے۔ اور ایسا کرنا بالاتفاق "حجر اسود" کے بارے میں مشروع ہے۔ اور یہ ہر ایسی بات کیلئے "اصل" بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ ہیں۔ جیسا کہ قدمہائے مبارکہ کی جگہ وغیرہ (مطلب یہ کہ ان آثار مبارکہ کو چومنا "بدعت" نہیں اور نہ ہی اس کا انکار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی "اصل" موجود ہے۔ اور وہ "حجر اسود" کو چومنا یا اس سے لگی چھڑی وغیرہ کو چومنا ہے۔ اور جس کی اصل شرع میں موجود ہو اس کی اجازت ہوتی ہے)۔

اور تم جانتے ہو کہ صخرہ بیت المقدس وغیرہ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے اثر کے ثبوت کیلئے "شہرت عامہ" ایک دلیل کافی ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نشان واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا ہے۔ تو اس سے کسی حکم شرعی کے ثبوت کا تقاضا نہیں ہوتا۔ یعنی کسی حرام کو حلال کر دینا یا حلال کو حرام کر دینا ثابت نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس میں علماء کرام مکمل طریقہ سے غور خوض کریں۔ اور اس کے ثبوت کیلئے اسناد صحیحہ تلاش کریں۔ اس میں اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو وہ برکت، خیر، فضیلت، کمال خشوع وخضوع، حضور اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہی ثابت ہوتی ہے۔ پھر خاص طور پر جب یہ آثار مبارکہ علماء متقدمین میں مشہور رہے۔ انہوں نے نظم ونثر میں انہیں بیان کیا۔ تاکہ لوگ ان سے حصول برکت کریں۔ اور ان کی فضیلت جانیں۔ لہٰذا اسے کس طرح "حکم شرعی" بنایا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس کیلئے سند قوی کا مطالبہ کیا جائے۔ جیسا کہ "احکام شرعیہ" کیلئے سند قوی طلب کی جاتی ہے؟

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان آثار کا ثبوت "متواتر" طریقہ سے ہے۔ اس لئے کہ "صخرہ بیت المقدس" میں لگے نشان قدم کی گواہی اور خبر بیت المقدس کے تمام رہنے والے دیتے ہیں۔ کسی سے بھی آپ پوچھیں۔ تو وہ یہی کہے گا۔ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ اور وہ اس بات کو اپنے باپ دادوں سے سنتے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور خبر متواتر کی تعریف میں یہی تو کہا گیا ہے۔ کہ یہ ایسی خبر ہوتی ہے جس کو اتنے لوگ روایت کریں جن کا جھوٹ پر متفق ہونا یا جھوٹا ہونا متوہم نہ ہو۔ اس کے بعد علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ نے علمائے اصول اور فقہاء کرام کی "متواتر" کے بارے میں عبارات نقل کیں۔ اور پھر لکھا۔ کہ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ ان "آثار نبویہ" جو لوگوں میں مشہور ہیں اور جانے والے آنے والوں کو بتاتے جاتے ہیں۔ کا ایک قابل احترام وشریف نتیجہ ہے۔ وہ یہ کہ ان میں فضیلت ہے۔ ان میں برکت ہے۔ تو اسے کس طرح رد کیا جا سکتا ہے۔ اور اس

میں طعن کی کیسے گنجائش نکلتی ہے اور ان لوگوں کی طرف جھوٹا ہونے کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے دلوں میں ان آثار کا علم اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیا؟ ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی رد و انکار کرتا ہے تو اس کی دین سے دشمنی بلکہ بغاوت ہوگی۔ اور مسلمانوں پر بھلائی کے دروازے بند کردینے کے مترادف ہوگا۔

علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ اگرچہ اس بات پر "اجماع" مواقع نہیں کہ یہ آثار واقعی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے ہیں۔ لیکن بطریقہ تواتر اور جانے والے بزرگوں کا اپنی اولاد کو ان کے بارے میں خبریں دیتے جانا اس طریقہ سے تو ان آثار کا ثبوت بہر حال موجود ہے اور یہ طریقہ ثبوت اس لئے قابل قبول ہے کہ "اجماع" کے تحقق میں مجتہدین کرام نے بالاتفاق اسے تسلیم کیا ہے۔ اور ہم اس وقت اگرچہ یہ نہیں جانتے کہ مجتہدین متقدمین کے اتفاق کے احوال اس بارے میں کیا تھے۔ یا وہ غیر متفق تھے یا انہوں نے سکوت فرمایا۔ ان احوال سے ہم اگرچہ بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا ہمیں ضرور علم ہے۔ کہ ان کا سب سے پہلے رد کرنے والا اور منکر تقی الدین بن تیمیہ اور اس کا شاگرد ابن قیم جوزیہ ہیں۔ اور ان کے ثبوت میں تردد اور ثبوت میں انکار کرنے والے جلال الدین السیوطی ہیں۔ اور اسی طرح شہاب ابن حجر ہیتمی کو بھی تردد ہے۔ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ نے ان کی عبارت اپنی کتاب "الجوہر المنظم" میں لکھی۔ پھر فرمایا۔ راجح یہ ہے کہ ان کا اثبات ہے۔ اس رجحان کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عام لوگوں کے اتفاق کی طرف میلان کیا۔ اور اس پر کہ یہ آثار سلف سے خلف تک ہر زبان پر موجود رہے۔ اگرچہ ان کیلئے اس کے ثبوت کے بارے میں کوئی "مستند" نہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی ایسی سند ہو جو ہم پر مخفی ہو۔ جیسا کہ ہم "اجماع" کے ضمن میں پہلے نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس عظیم تعداد کا متقدمین و متاخرین علماء کرام اور عوام الناس سے ہر دور میں ہونا اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا غالباً جھوٹ پر متفق ہونا "امر باطل" ہے۔ اور اس قدر لوگ کسی جھوٹی بات کی خبر نہیں دے سکتے۔ اور حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ ان لوگوں کی تعداد حد تواتر تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی تعداد گنی نہیں جاسکتی۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ خبر کا ثابت کرنا اس کی نفی کرنے سے اولیٰ ہوتا ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ اتنے مسلمانوں کو خطا کار کہنا اور ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کے احوال کو سچ مانیں۔ اور ان کی خبر کو درست کہیں۔ خاص کر جب ان کے جھوٹے ہونے اور بہتان طراز ہونے پر ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص ہم سے اثبات کی سند مانگتا ہے۔ ہم اس سے نفی کی سند

مانگتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ ہر زبان کے لوگوں کا اس پر اتفاق اور ان کے آثارِ نبوی ہونے کی خبر دینا کافی سند ہے۔ اور اہل انصاف کے نزدیک کسی بات کو ثابت کرنے کیلئے اس قدر دلیل موجود ہونا ''سندِ قوی'' ہے۔ وَبِاللّٰہِ الْمُسْتَعَانُ۔

اِنْتَھٰی کَلَامُ سَیِّدِی عَبْدِالْغَنِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ نَفَعَنَا بِبَرَکَاتِہٖ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

میں (علامہ نبہانی) ابھی تک اس کتاب کو نہیں دیکھ سکا۔ نہ ہی کہیں کسی کے پاس ہونے کی اطلاع ملی۔ جو علامہ تقی الدین حصنی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی۔ اور جس کا ذکر علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے کیا۔ علامہ حصنی رحمۃ اللہ علیہ مسلک شافعیہ کے جلیل القدر امام تھے۔ اور ہمارے سادات صوفیاء کرام میں سے عظیم شخصیت تھے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المنن'' میں ان کی کرامات ذکر فرمائیں۔ جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کا ولایت میں بہت اعلیٰ مقام تھا۔ شافعی المذہب تھے۔ ''متن ابی شجاع'' پر ان کی بہت بڑی شرح ہے۔ اور تصوف کے موضوع پر اور بھی تالیفات ہیں۔ موصوف کی قبر شام میں ہے۔ جو زیارت گاہ ہے۔ اور لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ تمام لوگ ان کی ''ولایت کبریٰ'' کے معتقد ہیں۔ اور ان کی عظیم امامت کے قائل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موصوف رحمۃ اللہ علیہ سید شریف تھے۔ ان کی اولاد جو شام میں ہی رہتی ہے۔ اس میں آج تک برکات موجود ہیں۔ ان میں علماء ہیں، تاجر ہیں اور ہر نیک پیشہ کے لوگ موجود ہیں۔ رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

اور جیسا کہ میں نے (علامہ نبہانی) جب ''شواہد الحق'' لکھی۔ اس وقت تک علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کے ''سفر نامہ'' حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور ان کی کتاب ''الرد المتین علی منتقص العارف محی الدین'' پر بھی کامیابی نہ ہو سکی۔ اور میں نے ان دونوں کتابوں کے جو حوالہ جات اس کتاب (جواہر البحار) میں درج کئے ہیں، وہ کر دیئے۔ اس وقت تک مجھے ''ابن بطوطہ'' کے سفر نامہ کی عبارت پر بھی اطلاع نہ ہو سکی۔ ''ابن بطوطہ'' امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے۔ عالم تھے اور جس بزرگ نے ان کے سفر نامہ کی تہذیب و ترتیب کی۔ وہ بھی مالکی علماء میں سے ہیں۔ اس سفر نامے میں بھی ''ابن تیمیہ'' کے متعلق عبارت ہے۔ میں اسے حرف بحرف درج کرتا ہوں۔ تاکہ تمہاری معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

**حکایت:** دمشق میں حنبلی فقہاء میں سے ایک بڑے فقیہہ تقی الدین بن تیمیہ تھے۔ شام کی مشہور شخصیت تھے۔ مختلف فنون میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن ان کے عقل میں کچھ خرابی تھی۔ اہل دمشق ان کی

بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ انہیں منبر پر بٹھاتے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایسی بات کہی۔ جس کا دوسرے تمام فقہاء نے انکار کیا۔ اور یہ معاملہ ملک ناصر کے پاس لے گئے۔ ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو پیغام بھجوایا کہ وہ خود قاھرہ آئے۔ قاضی صاحبان اور فقہاء کرام بھی ملک ناصر کی مجلس میں جمع ہو گئے۔ اور علامہ شرف الدین زواوی مالکی رحمۃ اللہ نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ اور کہا کہ اس شخص (ابن تیمیہ) نے فلاں فلاں بات کہی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں انہوں نے شمار کیں۔ جو ابن تیمیہ نے کہی تھیں۔ اور ان کا انکار کیا گیا تھا۔ شریف الدین موصوف نے ثبوت پیش کئے۔ اور قاضی القضاۃ کے سامنے رکھ دیئے۔ قاضی القضاۃ نے ابن تیمیہ سے پوچھا۔ تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا۔ لا الہ الا اللہ قاضی القضاۃ نے دوبارہ پوچھا۔ ابن تیمیہ نے پہلے کی طرح پھر وہی جواب دیا۔ تو ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو جیل میں ڈالنے کا حکم دیدیا۔ کئی سال وہ جیل میں رہا۔ اور جیل میں رہتے ہوئے اس نے قرآن کریم کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''بحر محیط'' رکھا۔ جو تقریباً چالیس مجلدات پر مشتمل تھی۔ پھر ابن تیمیہ کی والدہ نے ملک ناصر کی منت سماجت کی۔ تو ملک ناصر نے رہائی کا حکم دیدیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نے ویسی حرکت کی جیسی پہلے کر چکا تھا۔ اور میں (ابن بطوطہ) اس وقت دمشق میں ہی تھا۔ میں جمعہ کے دن گیا۔ اس وقت یہ جامع مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا اور عوام کو نصیحت کی باتیں کہہ رہا تھا اس کی گفتگو میں سے چند جملے یہ بھی تھے۔ ''بیشک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اس طرح نیچے آتا ہے جس طرح میرا نیچے آنا۔ یہ کہہ کر منبر کے ایک زینہ سے اتر کر نچلے زینہ پر آ گیا۔ ایک مالکی فقیہہ نے اس پر اعتراض کیا۔ جو ''ابن الزھراء'' کے نام سے معروف تھے اور اس کی گفتگو کا انکار کیا۔ لوگ اس فقیہہ کی طرف لپکے اور اسے زدوکوب کیا۔ بعض نے ہاتھوں سے اور بعض نے جوتیوں سے مارا۔ اس قدر مارا پیٹا کہ ان کا عمامہ سر سے گر پڑا۔ اور ان کے سر پر ریشم کا بوسیدہ ٹکڑا لوگوں کو نظر آیا۔ جو ان کے عمامہ کے نیچے تھا۔ جس پر لوگوں نے ان کے لباس پر اعتراض کرنا شروع کر دیا اور یہ مقدمہ مسلک حنبلی کے قاضی جناب عزالدین بن مسلم کے پاس لے گئے۔ قاضی صاحب نے اسے جیل ڈالنے کا فیصلہ دیا۔ اور ان پر تعزیر بھی لگائی گئی۔ اس تعزیر پر مسلک شافعی اور مالکی کے فقہاء کرام نے اعتراض کیا اور یہ فقہاء کرام اس معاملہ کو ملک الامراء سیف الدین تنکیز (چنگیز) کے پاس لے گئے۔ یہ شخص بہت اچھا حاکم تھا۔ اور نیک حکمرانوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس نے ملک ناصر کی طرف اس بارے میں لکھا۔ اور ایک شرعی دستاویز تیار کی۔ جو ابن تیمیہ کے ان اقوال پر مبنی تھی۔ جو ''منکرات'' میں شامل تھے۔ ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاقوں کا بھی تھا۔ کہ ابن تیمیہ کے نزدیک

ایک لفظ سے تین طلاقیں نہیں ہوسکتی تھیں۔ بلکہ صرف ایک ہوتی ہے۔اور ایک مسئلہ یہ بھی تھا۔ جو مسافر اپنے سفر کے وقت یہ ارادہ کرے کہ میں یہ سفر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کیلئے کر رہا ہوں وہ نماز میں قصر نہیں کرسکتا۔ ( کیونکہ یہ سفر ناجائز ہے۔اور ناجائز سفر پر جانے والے کو رعائت نہیں ملتی )ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل تھے۔ جن میں ابن تیمیہ نے اسی طرح کا خلاف شرع قول کیا تھا۔ یہ دستاویز ملک ناصر کے پاس بھیجی گئی۔ ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو اس مرتبہ قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا۔ پھر دوران قید ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ (انتهت عبارة ابن بطوطة)۔

میں (علامہ نبہانی) نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں چاروں مذاہب کے جید علماء کرام کے اس موضوع پر اقوال کثیرہ ذکر کئے ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن میں نے جو کچھ یہاں ذکر کیا ہے۔ یہ اس لئے تا کہ اس (ابن تیمیہ) کی بدعات کو زیادہ نفرت سے دیکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں یہاں (جواہر البحار میں) اس کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' سے بہت سے فوائد اور اہم باتیں نقل کی ہیں۔ کیونکہ ایسے بڑے آدمی سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جاتی ہے۔ جس کا علم کثیر ہو۔ جس کا تقویٰ وافر ہو۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو۔ وہ مسئلہ یا مسئلہ جات جو معلوم ہیں۔اور جن قابل اعتراض باتوں میں اس کے قدم ڈگمگا گئے۔اور جمہور امت محمدیہ کے خلاف لکھا۔ یہ مسائل اس بات کی نفی نہیں کرتے۔ کہ ایسے شخص کا علم وتقویٰ تسلیم نہ کیا جائے۔ مثلاً ابن تیمیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ''جہت'' ہے۔اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء واولیاء کرام سے ''استغاثہ'' کو ممنوع کیا۔اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہرہ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا ''حرام'' بتایا۔اور دیگر ''زیارات'' کیلئے بھی سفر کرنے کو منع کیا۔ یہ باتیں ابن تیمیہ نے اپنے اس خیال کی بنا پر کیں۔ کہ ایسا کہنا اس کے نزدیک درست تھا۔ اگر چہ ان مسائل میں اس کی خطاء روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہے۔ لیکن ''بشر'' خطاء بھی کرتا ہے درست بھی کرتا ہے۔اور یہ بھی ایک بشر تھا۔اس سے بھی خطاء صواب دونوں ہوئے۔ لیکن اس کی درست باتیں اس کی خطاؤں سے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اس کی یہ بدعات اس زمانہ میں بعض مفتون لوگوں کی وجہ سے بہت پھیلیں۔ لہٰذا ان کا رد کرنا لازم ہے۔ تا کہ مسلمانوں کیلئے نصیحت بن جائے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

# امام السبکی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''بشارت'' اور قصیدہ کے ذریعہ میرا ان کی مدد کرنا

میں (علامہ نبہانی) نے نماز فجر کے بعد رجب ۱۳۲۴ھ کی ابتدائی تاریخوں میں اتوار کے دن خواب دیکھا۔ کہ میں حضرت امام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کر رہا ہوں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ موصوف بیت المقدس کی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں۔ اور ان کی قبر تعمیر شدہ نہیں۔ بلکہ عرصہ دراز ہونے کی وجہ سے اس کے پتھر بھی ادھر ادھر ہو چکے ہیں۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ حکومت وقت دولت عثمانیہ سے اس بات کی اجازت لوں گا۔ کہ جہاں شیخ موصوف کی قبر ہے۔ اس رقبہ میں ایک مسجد تعمیر کراؤں گا۔ جو ان کی شان کے مطابق ہوگی۔ پھر جب میں ان کی زیارت کیلئے حاضر ہوا تو ان کی قبر شریف کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ اور پھر بیٹھ گیا۔ تاکہ ان کے ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم کا کچھ حصہ تلاوت کروں۔ وہاں دیکھا ایک شخص اعلیٰ جنس کی کھجوریں فروخت کر رہا ہے۔ میں اس قرأۃ کے دوران خریدنے لگا۔ (یعنی قرآن پڑھ رہا تھا اور کھجوروں کی خرید بھی کر رہا تھا) اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا۔ کہ میں سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا ہوں اور میرے دل میں شیخ موصوف کی محبت موجزن ہے۔ کیونکہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کے بہت بڑے حامی تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی تصنیف ''شِفَاءُ السَّقَامِ فِي زِيَارَةِ خَيْرِ الْاَنَامِ'' کے ذریعہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ''ابن تیمیہ'' کا جی بھر کا رد لکھا۔ اور اس کے علاوہ ان بدعتیوں کا بھی تیا پانچہ کیا۔ جو مخصوص بدعات میں ابن تیمیہ کے چیلے تھے۔ اس پر ابن تیمیہ کے پٹھوؤں کی ایک جماعت نے نظم و نثر میں شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا رد لکھا۔ اور قابل مذمت تیر برسائے۔ میں نے موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں مدد کرتے ہوئے کتاب ''شواہد الحق'' تحریر کی۔ اور میں نے اس کتاب میں ان کے چلائے تیر واپس انہی کے سینوں میں چبھو دیئے۔ ایسا میں نے اس لئے کیا کہ حق کی محبت اور سید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میں بھی شامل ہو جاؤں۔ اور میں نے خیال کیا کہ میں یہاں اس کتاب جواہر البحار میں بھی اپنا وہ قصیدہ فریدہ درج کر دوں۔ جس میں میں نے ایسے لوگوں کو خوب رگڑا دیا ہے۔ اور میں نے واضح کیا کہ یہ لوگ واقعی مرمت کے قابل ہیں۔ بلکہ خوب مذمت اور ملامت کے

مستحق ہیں۔ اور میں نے اس قصیدہ کو اپنے ایک اور رسالہ ''دَفْعُ الْاِشْتِبَاهِ فِي اسْتِحَالَةِ الْجِهَةِ عَلَى اللّٰهِ'' کی تصنیف کے بعد ''شواہد الحق'' میں لکھا تھا۔ اور قصیدہ کے شروع کرنے سے پہلے میں نے یہ لکھا۔

اب ہمیں ابن تیمیہ کی تصنیفات کا جائزہ لینا چاہئے۔ ان میں سے چار کتابیں وہ ہیں۔ جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ا-''اَلْجَوَابُ الصَّحِيْحُ عَلٰى مَنْ بَدَّلَ دِيْنَ الْمَسِيْحِ'' اس کتاب میں ابن تیمیہ نے نصاریٰ کا رد لکھا ہے۔ ۲-منہاج السنۃ۔ اس میں روافض (شیعہ) کا رد لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ابھی چند دن ہوئے چھپی ہے۔ اس کے چھپنے سے پہلے میں اپنی کتاب ''اَلرِّسَالَةُ الْبَدِيْعَةُ فِي فَضْلِ الصَّحَابَةِ وَاِقْنَاعِ الشِّيْعَه'' مصر بھیج چکا تھا۔ تاکہ اسے طبع کیا جائے۔ ابن تیمیہ کی کتاب مجھے اس کے چھپنے کی پہلے کوئی اطلاع نہ تھی۔ یہ ہی وجہ بنی کہ میں اس کے اقتباسات اپنی کتاب میں درج نہ کر سکا۔ اگر مجھے اس کے بارے میں پہلے علم ہو جاتا۔ اور مجھے کہیں سے دستیاب ہو جاتی۔ تو میں اس سے کچھ حاصل کرتا۔ اور اپنے رسالہ میں اس کی کچھ باتیں شامل کر لیتا۔ بہرحال میرا رسالہ بحمداللہ اس موضوع پر کافی ہے۔ اور اس کی عبارت بڑی واضح اور دلائل بہت وزنی ہیں۔ ۳-''بَيَانُ مُوَافَقَةِ صَرِيْحِ الْمَعْقُوْلِ لِصَرِيْحِ الْمَنْقُوْلِ'' یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ اس میں ابن تیمیہ نے اہل سنت و جماعت اشاعرۃ اور ماتریدیہ وغیرہ مسلمانوں کا رد لکھا ہے۔ ۴-اَلْفُرْقَانُ بَيْنَ اَوْلِيَاءِ الرَّحْمٰنِ وَ اَوْلِيَاءِ الشَّيْطَانِ۔ اس میں ابن تیمیہ نے مسلمانوں کے چیدہ چیدہ حضرات اولیاء کرام اور عارفین کاملین کا رد لکھا ہے۔ جیسا کہ سیدنا شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ عنہ۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا۔ تو اب تم یہ بھی بخوبی جان لو گے۔ کہ ابن تیمیہ اور ابن حزم دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے وٹے ہیں۔ ابن حزم نے کتاب الملل والنحل لکھی۔ اس کے قلم سے نہ کوئی کافر بچا اور نہ کوئی مسلمان، نہ کوئی بدعتی بچا اور نہ کوئی عارف باللہ۔ علامہ امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کی کتابوں کا رد لکھا۔ اور یہ رد اشعار کی صورت میں بھی لکھا۔ جن میں اس کی کتاب ''منہاج السنۃ'' کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ پر اس کی بعض بدعات کے پیش نظر اعتراض بھی کیا ہے۔ پھر امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہنے والوں نے اپنا کام دکھایا۔ ان کی تردید کرنے والے دو شخص سرفہرست ہیں۔ دونوں ''حشویہ'' ہیں۔ اور ابن تیمیہ کے ہم عقیدہ ہیں۔ ایک ان میں سے حنبلی ہے اور دوسرا اپنے آپ کو شافعی گمان کرتا ہے۔ بہرحال حنبلی کا نام ابوالمظفر یوسف بن محمد بن مسعود العبادی العقیلی السرمری نزیل دمشق ہے۔ اور اپنے خیال کے مطابق شافعی کا نام محمد بن

یوسف الیمنی الیافعی ہے۔ اس کے قصیدہ کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "جلاء العینین" میں ذکر کیا ہے۔ ان دونوں نے طویل قصیدہ اس بارے میں لکھا۔ جس کے سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ جن میں امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات تھوپے گئے۔ اور وہ باتیں ان کی طرف محمول کی گئیں۔ جو کسی مسلمان سے ہوئی غیر متوقع ہیں۔ چہ جائیکہ اتنے عظیم عالم دین سے ان کا سرزد ہونا یہ دونوں نظمیں "منہاج السنتہ" کے آخر میں مطبوع ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں ان دونوں کے قصیدہ کو ان کے عمل کے ساتھ پرکھوں، موازنہ کروں۔ یہ اس ارادے سے تاکہ میں "اثبات حق" اور "ابطال باطل" واضح کروں۔ میرا مطمع نظر یہی ہے اور میں چاہتا ہوں۔ کہ مذہب صحیح کو مذہب نامہذب سے الگ کر دوں۔ اس لئے میں نے بھی درج ذیل قصیدہ اسی بحر اور قافیہ میں لکھا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے، ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عفو و عافیت مانگتا ہوں۔ میں نے اس قصیدہ میں دلائل قاہرہ ظاہرہ باہرہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے "جہت" کا اثبات محال بتایا ہے۔ اور میں نے استغاثہ کے جواز پر بھی گفتگو کی ہے۔ علاوہ ازیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کیلئے "شدرحال" کے جواز پر بھی دلائل ذکر کیے ہیں۔ ایسے دلائل جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتی۔ اور نہ ہی نقل انہیں منع کرتی ہے۔ یہ میں نے ان لوگوں کے رد میں لکھا ہے۔ جو اس کے مخالف ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا هُنَالِكَ۔ (اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اشعار درج فرمائے۔ جن کا صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔ کیونکہ اگر اشعار لکھے جائیں تو ان کی ہی تعداد ۱۵۳ ہے۔ جس سے بلا وجہ کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مترجم)۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی کہ جن کے سہارے میں حق کی مدد کیلئے مستعد ہو جاؤں۔ تاکہ میں اپنے مطلب و مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ اے اللہ! میں عاجز تجھ سے ہی مدد کا خواستگار ہوں۔ میری مدد فرما۔ میں تیری رضا کا طالب ہوں مجھے بہترین خوشنودی سے بہرہ ور فرما۔ تیری وہ ذات ہے جو اگر لومڑی کی مدد کر دے تو وہ شیر پر حملہ آور ہو جائے یا اگر تو شیر کو ذلیل و رسوا کر دے تو وہ لومڑی کے مقابلہ میں بے بس ہو جائے۔ اور میں یقیناً اپنی کمزوری کو جانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی مفید عمل نہیں اور نہ ہی اصول کا علم ہے۔ میرا سارے کا سارا سرمایہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وجاہت ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اس بارے میں میری مدد فرما اور اس کیلئے اعانت فرما۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاہ و جمال کے سبب اہل سنت کے تمام علماء دین پر رحم فرما۔ خواہ وہ بھولنے والے ہیں یا آگاہ ہیں۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہمیں ان احکام کا کوئی علم نہ ہوتا جو تو نے

یوسف الیمنی الیافعی ہے۔اس کے قصیدہ کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "جلاء العینین" میں ذکر کیا ہے۔ان دونوں نے طویل قصیدہ اس بارے میں لکھا۔جس کے سو سے زیادہ اشعار ہیں۔جن میں امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات تھوپے گئے۔اور وہ باتیں ان کی طرف محمول کی گئیں۔جو کسی مسلمان سے ہوئی غیر متوقع ہیں۔چہ جائیکہ اتنے عظیم عالم دین سے ان کا سرزد ہونا یہ دونوں نظمیں "منہاج السنۃ" کے آخر میں مطبوع ہیں۔میرا ارادہ ہوا کہ میں ان دونوں کے قصیدہ کو ان کے عمل کے ساتھ پرکھوں، موازنہ کروں۔یہ اس ارادے سے تاکہ میں "اثبات حق" اور "ابطال باطل" واضح کروں۔میرا مطمع نظر یہی ہے اور میں چاہتا ہوں۔کہ مذہب صحیح کو مذہب نامہذب سے الگ کر دوں۔اس لئے میں نے بھی درج ذیل قصیدہ اسی بحر اور قافیہ میں لکھا۔اور میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے، ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عفو و عافیت مانگتا ہوں۔میں نے اس قصیدہ میں دلائل قاہرہ ظاہرہ باہرہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے "جہت" کا اثبات محال بتایا ہے۔اور میں نے استغاثہ کے جواز پر بھی گفتگو کی ہے۔علاوہ ازیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کیلئے "شد رحال" کے جواز پر بھی دلائل ذکر کئے ہیں۔ایسے دلائل جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتی۔اور نہ ہی نقل انہیں منع کرتی ہے۔یہ میں نے ان لوگوں کے رد میں لکھا ہے۔جو اس کے مخالف ہیں۔وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا ھُنَالِکَ۔(اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اشعار درج فرمائے۔جن کا صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔کیونکہ اگر اشعار لکھے جائیں تو ان کی ہی تعداد ۱۵۳ ہے۔جس سے بلا وجہ کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہو جائے گا۔مترجم)۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی کہ جن کے سہارے میں حق کی مدد کیلئے مستعد ہو جاؤں۔تاکہ میں اپنے مطلب و مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔اے اللہ! میں عاجز تجھ سے ہی مدد کا خواستگار ہوں۔میری مدد فرما۔میں تیری رضا کا طالب ہوں مجھے بہترین خوشنودی سے بہرہ ور فرما۔تیری وہ ذات ہے جو اگر لومڑی کی مدد کر دے تو وہ شیر پر حملہ آور ہو جائے یا اگر تو شیر کو ذلیل و رسوا کر دے تو وہ لومڑی کے مقابلہ میں بے بس ہو جائے۔اور میں یقیناً اپنی کمزوری کو جانتا ہوں۔میرے پاس کوئی مفید عمل نہیں اور نہ ہی اصول کا علم ہے۔میرا سارے کا سارا سرمایہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وجاہت ہے۔اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اس بارے میں میری مدد فرما اور اس کیلئے اعانت فرما۔اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جاہ و جمال کے سبب اہل سنت کے تمام علماء دین پر رحم فرما۔خواہ وہ بھولنے والے ہیں یا آگاہ ہیں۔اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہمیں ان احکام کا کوئی علم نہ ہوتا جو تو نے

حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکر مبعوث فرمایا۔ اور ہم ان کی تلاش سے عاجز ہوتے۔ ان جلیل القدر سنی علماء میں سے ایک امام ابوالحسن السبکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جو دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر ہیں۔ جنہیں تیری رضا کے بادل سیراب کریں اور جو تیری بارش کے پیاسے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے جواز پر "شفاء السقام" کتاب لکھی۔ تمام مومنوں کی روحیں اس سے شفایاب ہوئیں۔ اور چند گمراہ اور نادان لوگوں نے از روئے حسد ان کی مذمت کی۔ اور شرم وحیا ان کے قریب نہیں پھٹکے۔ ان کی پیدائش ہی بری تھی اور ان کے راستے گمراہی کے تھے۔ وہ راہ بھٹکا دینے والی زمین میں ڈینگ مارنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگئے۔ انہوں نے امام السبکی کے بارے میں جو باتیں بے وقوفی سے کہیں۔ اللہ ان کو قبیح کردے۔ انہوں نے کس قدر جھوٹ بکا اور کتنی سفاہت سے کام لیا۔ ناحق باتیں خود اپنی طرف سے بنا کر ان کے خلاف قلمی لڑائی لڑی۔ اور جو جھوٹ بن سکا انہوں نے بنایا۔ حالانکہ خود ایسی باتوں کے حقدار تھے۔ اور اس پر بڑی ڈھٹائی اور جھوٹے فخر سے کہا۔ ہمارا مذہب کسی سے لڑنا نہیں۔ اور جو لڑائی کا مطالبہ کرتا ہے ہم اس کو خاموشی سے جواب دیتے ہیں۔ پس تم ان کے افتراء دیکھو۔ اور انکی حالت پر تعجب کرو۔ یہ دورنگی بھی ان کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اے حق مبین کے منکر! ہوش کر۔ اے سونے والے! بہت سو چکا اب جاگ۔ تو نے اپنا آپ ہلاک کر دیا اب خود پر رحم کھا۔ اور اس بدعت کو ترک کر دے جس سے تجھے آزمایا گیا۔ اور ایسی بات کہنا ترک کر دے جس سے تو شقی ہو گیا۔ تو نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا اہل نہیں قرار دیا کہ ان کی زیارت کیلئے "شدرحال" کیا جائے۔ یا جو آپ سے استغاثہ کرتا ہے آپ اس کی فریاد سننے اور دور کرنے کے تیرے نزدیک اہلیت نہیں رکھتے تو ذرا خود اپنے بارے میں غور کر کہ تو نے کتنے دین ودنیا کے امور کیلئے عزم سفر کر کے سفر کیا۔ اور اپنی مرادوں کیلئے کہاں کہاں پھرا۔ "شدرحال" والی حدیث تو صرف مساجد کے بارے میں آئی ہے۔ دیگر امور کیلئے نہیں۔ جسے تو نے عرصہ سے سن رکھا ہے۔ اور "استغاثہ" جسے تو ناجائز کہتا ہے اس کا معنی یہی ہے۔ کہ یا رسول اللہ! ہماری امیدوں کے بارے میں اللہ رب العزت کے ہاں ہمارے لئے شفاعت کیجئے۔ اس میں کون سا گناہ اور کونسی حرج ہے۔ ہاں اس میں گناہ وہی کہے گا جو شبہ کے ڈنگ سے مر گیا ہو۔ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مولیٰ اور آقا کے ہاں شفاعت فرمانے والے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں فریادی کی مدد فرمانے والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ لوگو! اس سے فضل کو کون روک سکتا ہے جسے اِلٰہ العالمین نے اپنا محبوب بنایا ہو۔ خدا کی قسم! خدا سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے

گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا وہ ہو کر رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی عقل مند موجود نہ ہوتا جو ایسی باتوں سے ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو منع کرتا یا ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا نہ کرتا۔ (ان بدمذہبوں کی گمراہی اسی پروردگار کے ارادے سے ہوئی) اے انسان! تجھے کیا ہو گیا کہ تو بات کی تحقیق نہیں کرتا تا کہ تجھے اس کے صواب کی طرف راستہ دکھایا جاتا۔ ہاں ہاں تو وہی ہے جس نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ بھی ''جہت'' میں ہے۔ اور تجھے تشبیہ دیتے شرم نہ آئی جس سے تو گمراہ ہو گیا۔ تو یہ عقیدہ کہاں سے لایا؟ یہ دیکھو تمہارے امام جنہیں تم اپنا مقتدا مانتے ہو یعنی امام احمد نے تو یہ بات بخدا! ہرگز نہیں کہی۔ ان کے تابع ابو الفرج جوزی سے ہی پوچھا ہوتا۔ وہی تجھے سچ حق بتا دیتے۔ للہذا تو اچھی طرح جان لے اور اس پر لازماً عمل کر۔ اور تیرا یہ بھی زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔ تو نے ذات باری تعالیٰ پر ''حدوث'' کے اوصاف جڑ دیئے اور ''توسل'' سے تو راضی نہیں اس سے تو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مشرکین کا فعل ہے۔ تو نے اپنے رب کی اپنے زعم کے مطابق شرک سے تنزیہہ کی۔ لیکن اس کی شبہ اور مشابہت سے تنزیہہ کرنا بھول گیا۔ شریک ٹھہرانے سے تو جال میں پھنس گیا۔ جہاں سے خلاصی چاہی تھی وہیں جا گرا۔ رہا طلاق ثلاثہ کا مسئلہ تو اس میں مخالفت کرنے والا خود اپنے مذہب کے اعتبار سے نالائق ہے۔ تو چاہتا ہے کہ ایسے مسئلہ کے بارے میں تیری مدد کی جائے جس میں تو نے خطا کھائی۔ اور اس میں تمام مسلمانوں کا خلاف کیا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ تو باطل سے قطعاً حیاء نہیں کرتا جب تو اسے بطور برائی کرتا ہے۔ رہی گفتگو اس موضوع پر کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف ''حوادث'' کے اوصاف سے بلند و بالا ہیں۔ اور تو ان کا اثبات کرتا ہے۔ اس کیلئے مقام ''علم کلام'' ہے۔ جس کا ارادہ ہو کہ وہ حقیقت جانے اسے اس علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اے نفس! اس قدر خطاب تیرے لئے کافی ہے۔ اور اس خطاب سے میں نے مخاطب کی کافی درگت بنا ڈالی ہے۔ اور وہ لائق بھی اسی خطاب کا تھا۔ اور میں نے جو کچھ اس کے بارے میں کہا ہے وہ اس کے مناسب حال ہے۔ اور اسی طرح ہر اس شخص کیلئے خطاب ہے جو اسی کا ساتھی ہے۔ صرف اس سے مخصوص نہیں۔ ایک طرف مخالفین کی جماعت ہے۔ اور دوسری طرف امام السبکی اکیلے ہیں۔ اور خاص کر وہ دونوں تو اپنے گروہ میں قابل شمار آدمی ہیں۔ دونوں نے علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اپنی بے وقوفی سے اشعار لکھ دیئے۔ جو سراسر جھوٹ کا پلندا ہیں۔ اور انہوں نے اپنا مذہب ''حشویہ'' ظاہر کر دیا۔ دونوں اپنے بڑے آقا کے بعد اس کے جانشین ہیں۔ دونوں اس کے ہم صحبت ہونے کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ لیکن دونوں میں باہم فرق ہے۔ جس کی بنا پر وہ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے

باوجود دونوں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر عیب لگانے میں ایک دوسرے پر متفق ہیں۔ان میں سے ''حنبلی'' کیلئے تو عذر ہوسکتا ہے۔کہ میں بھی حنبلی اور میرا بڑا (ابن تیمیہ) بھی حنبلی تھا۔لہٰذا میں نے باطل باتوں میں اس کی طرف داری کی۔لیکن ''یمانی'' تو اپنے ائمہ حضرات کا معذور کیا ہے۔اس لئے کہ اس نے اپنے مشرب و مذہب میں جو خلط ملط کیا۔اس بنا پر وہ خطا کار ہے۔اس پہلے نے ''قیاس'' میں کوئی نئی بات نہیں کہی۔ہاں اس ''یمانی'' نے انتہائی عجیب وغریب قول کیا ہے۔اے یافعی! اگر اس کی وجہ سے تجھے شرم آتی ہے تو ''ابن اسعد'' سے فخریہ تعلق رکھتا ہے۔مجھے اس کی باتوں پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔جس طرح اس کا اپنے آپ کو ''شافعی'' کہلانا میرے لئے تعجب کا باعث نہیں۔یہ اس کا تذبذب ہے۔جس میں اس نے افتراء کیا۔ایک دن تو ''یمانی'' بن جاتا ہے جس دن ''یمانی'' سے تو ملتا ہے۔اور اگر تجھے ''شامی'' مل جاتا ہے۔تو اس سے عقیدہ ''حشویہ'' قبول کر لیتا ہے۔امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہاں ایسا ''حشوی'' عقیدہ بیان کیا ہے جس کا تو داعی ہے۔اگر کہیں لکھا تو ہمیں بھی دکھا۔کیا امام شافعی نے ''الام'' میں لکھا ہے؟ وہاں تو ہے نہیں۔یا ''الرسالۃ'' میں لکھا ہے؟ یا تجھے کہاں اور کس کتاب میں لکھا مل گیا جو تو نے پیش کیا ہے؟ کیا شیخ شیراز نے اسے گھڑا ہے۔اور ''نص'' میں اسے محقق رکھا۔ذرا اس بارے میں ہمیں بھی خبر دے یا انہوں نے ''مہذب'' میں اس کا ذکر کیا ہے؟ یا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے؟ یا ہمارے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول کیا ہے؟ یا ''فخرالدین'' نے اپنے مطالب میں کہا ہو؟ یا امام جوینی نے ''ارشاد'' میں اس کا تذکرہ کیا ہو؟ انہوں نے یہ مسئلہ اپنی فقہ میں لکھا ہے یا اپنے عقائد میں؟ ان تمام حضرات نے تو اس کی مذمت کی ہے اور اس کے قائل کی بھی مذمت کی ہے۔اب تو بغیر شرم وحیا کے اقرار کر کہ میں ''حشویہ'' سے تعلق رکھتا ہوں۔اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے سے برأت کر۔اگر تو نے امام شافعی کے مسلک کی صحیح حفاظت کی ہے اور اسے برا نہیں جانا تو ان کے مذہب کو اجاگر کرنے میں تو مرتا کیوں ہے؟ اور جب تو نے امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر بے وقوفی کی۔اور ایسا ابن تیمیہ کے پیچھے چل کر کیا تو تو نے اپنے امام (شافعی) کو برا کہا۔اور ان کی اقتداء کرنے والے تمام لوگوں کو برا کہا۔بلکہ تو نے بہت برا الزام جناب خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مومنوں پر لگایا۔تو نے یقیناً جھوٹ بکا۔اور بدترین بات ''جھوٹ بکنا'' ہے۔جب تو نے شیخ موصوف کے حق میں تکبیر سے وہ باتیں کہیں جو خود تیرے اندر موجود ہیں۔بریکٹ میں جن اشعار کا ترجمہ کیا جارہا ہے۔یہ اشعار ابوالمظفر شافعی نے امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہے ہیں۔(پس تو ان باتوں کو باہر لا۔اور رد کر۔بخدا! تو ایسے جواب پائے گا جو بجلی کی کڑک کی مانند ہوں

گے اور ہر گزرنے والے کو بھسم کر دیں گے وہ جوابات عقلی نقلی ہوں گے۔ تفصیلی آیات ہوں گی۔ جن سے دل کی چربی پگھل جائے گی۔ تلوار کی دھار کی طرح دل سے پار ہو جائیں گے۔ تو دیکھے گا کہ نظم ونثر دونوں میں جوابات موجود ہوں گے۔ جب ان کی بارش ہوئی تو ذہن کو جلا ڈالے گی۔ قریب ہے کہ ان کا شعلہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے)۔

اور اس کے علاوہ جو کچھ تو نے اترا کر کہا۔ اللہ تیرے لئے ان باتوں میں کافی ہے جو تو نے خوشی میں آ کر کہیں۔ اگر تیرا فکر تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوتا تو تو شیطان سے جہاد کرتا ہوتا جس نے تجھے گمراہ کیا ہے۔ یا اے مغرور! تیرا ذہن بہت تیز ہوتا جیسا کہ تو کہتا ہے اور تو اس کے شعلوں سے ڈرتا ہے تو وہ تیرے دل میں ''حشویہ'' عقیدہ کو جلا ڈالتا۔ تو تو اس عقیدہ کی تخریب کاری سے بچ جاتا۔

بہر حال تیرا امام سبکی کی مذمت کرنا تو یہ ان کے کمال کی دلیل ہے جب تو نے ان کے خلاف منہ کھولا۔ اگر تو علامہ سبکی کو جانتا تو اس قسم کے شعر ان کے بارے میں نہ کہتا لیکن تجھے شعور ہی نہیں۔ تجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ان کے بارے میں شرم نہ آئی۔ اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ حیاء آئی۔ جنہوں نے آپ کی جماعت کی مدد کی۔ علامہ سبکی کے باپ دادا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکروں کی مدد کی۔ اور خود علامہ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ آپ کی مدد کی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں ان کی صرف ''الشفاء'' ہی ہوتی۔ تو بھی ان کے اکرام کیلئے کافی تھی۔ ''ابن تیمیہ'' کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خدمات ہیں۔ لیکن اسے آپ کے ادب و آداب کی توفیق نہ ملی۔ کیونکہ اس کا قول ہے کہ حضور ﷺ سے استغاثہ کرنے والے مشرک کی مانند ہیں۔ اور وہ زیارت کرنے والا جو آپ کے روضہ انور کی زیارت کی غرض سے جائے اس کے نزدیک گنہگار ہے۔ اس قول پر افسوس ہے کہ بہت بڑا گناہ کیا۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر نہیں کرتا۔ اگر چہ اس کی تکفیر کی گئی ہے۔ بلکہ اس کیلئے ذلت ورسوائی ضرور ہے۔ لیکن ابن تیمیہ کی نیکیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ جن کی وجہ سے اللہ مسبب الاسباب سے معافی ملنے کے اسباب ہیں۔ ان نیکیوں میں سے ایک نیکی تثلیث (عیسائیوں کے عقیدہ) کا جواب بھی ہے۔ جو ایسا صحیح جواب ہے کہ جس سے اس کی عزت میں اضافہ ہوا۔ اس کی ''منہاج السنۃ'' کے راستہ پر رافضی نہیں چلے۔ اگر اس کتاب کو رافضی پڑھ لیتے۔ تو انہیں اپنے مذہب کی قباحت نظر آ جاتی۔ اس موضوع پر اس کتاب کی ''مثل'' نہیں۔ اور مختصر ہونے کے باوجود بہترین کتاب ہے۔ اے اللہ! سنی کو آسانی عطا فرما کہ وہ حشویہ مذہب سے خلاصی پائے تاکہ اسے سنت کی خوشبو مل سکے۔ اس بارے میں علامہ سبکی نے جو کہا۔ اسے غور سے پڑھو۔ ان کی

بات کتنی میٹھی اور کتنی کھری ہے۔ علامہ موصوف نے یہ فرمایا ہے۔

(رافضی وہ لوگ ہیں۔ جن کے ہاں اخلاق کا نام تک نہیں۔ لوگوں میں سب سے بڑے جاہل اور جھوٹے ہیں۔ لوگ ان کے بہتانوں کے رد سے بے پرواہیں۔ کیونکہ ان کا مذہب ہی نہایت قبیح ہے۔ اور ''ابن المطہر'' کے اخلاق ناپاک ہیں۔ جو رفض کی طرف بلاتا ہے اور اس میں بہت متعصب اور غالی ہے۔ اس نے صحابہ کرام کے بارے میں بکواس کئے اور اسے افتراء باندھتے ہوئے کوئی شرم وحیا نہ آئی۔ ابن تیمیہ نے ان کا خوب رد لکھا ہے۔ اور ان کی خوب ٹھکائی کی ہے۔ لیکن اس نے حق مبین میں آمیزش کردی۔ جیسا کہ صاف پانی میں گند ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ ''حشویہ'' عقیدہ کے گرد چکر لگتا ہے۔ اور مشرق ومغرب میں کسی جگہ ملے۔ اسے حاصل کرنے کیلئے دوڑ لگا دیتا ہے۔ اس کی رائے اور عقیدہ یہ ہے کہ جن حوادث کا اول نہیں وہ اللہ تعالیٰ میں ثابت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ظن سے کہیں بلند و بالا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا اور میرا قول دیکھتا پڑھتا جس میں میں نے اس کے مذکورہ قول کا رد کیا ہے اور وہ بھی ایسا رد کہ جس میں کوئی اشتباہ نہیں۔ جیسا کہ میں نے ''طلاق'' کے بارے میں اس کا رد کیا ہے۔ اور زیارت روضہ اکرم کے ناجائز ہونے کا رد کیا ہے۔ تو وہ اس میدان کے پیچھے ہی کھڑا رہتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یہ فائدہ تو نہیں مل سکتا۔ اور اس کا جوہر اس میں سے ہے جسے میں گمان کرتا ہوں۔ رد دو حالتوں میں اچھا ہوتا ہے۔ ایک دشمن قوی کے بناوٹی غصہ کو دور کرنے کیلئے اور دوسرا وہاں کہ جہاں لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اور وہ اس سے بہرہ ور ہوسکیں۔ اور عوام کو علم کلام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ ہدایت کی بجائے عوام کیلئے اس کی طلب بدعت اور گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اور مجھے اس علم میں کافی دسترس ہے۔ اگر سننے والے کے ضعف کا خیال نہ ہوتا تو میں مہذب میں اس پر بھی نظم بسیط لکھتا)۔

ہاں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابن تیمیہ'' کے بارے میں جو کہا وہ سچ کہا۔ اور وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ علامہ اپنے منصب سے ادھر ادھر نہیں بھاگے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سچا وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور صاحب علم ہو۔ ایسے شخص کی تکذیب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن معاف نہ کرے۔ ''ابن تیمیہ'' کی کتابیں ''حشویہ'' عقیدہ کی شاہد ہیں۔ اور اس کے اس مذہب پر ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ جو اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف جاتا ہے اسے ''حشویہ'' کہا جاتا ہے۔ ہم اسے ''معتزلہ'' نہیں کہیں گے۔ ''حشویہ'' عقائد والوں کے پاس نقل (قرآن وحدیث کے الفاظ کا ظاہری مفہوم) ہے۔ اور معتزلہ والے عقل کے بندے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کے مسلک کے پاس دونوں (نقل وعقل) ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ ان کی پہچان کیلئے القاب بن

گئے ہیں۔ یہ الفاظ آج انکا وصف بن چکے ہیں۔ ان سے ان کی مذمت نہیں کی جاتی۔ یہ ان کی اصطلاح ہے کہ ''حشوی'' وہ شخص ہوتا ہے جو جامد سنت کا ماننے والا ہوا اور ہر متشابہ لفظ کا جو بظاہر ہوتا ہے اس کا وہ معتقد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے جو وصف اس کے شایان شان ہوا ابن تیمیہ نے اس سے کنارہ کیا۔ الگ مفہوم کو اپنا مذہب بنایا۔ ''حشویہ'' فرقہ وہ ہے جس کے ساتھی وہ لوگ ہیں جو حق کے بارے میں بڑے عقائد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سے پناہ۔ ان میں سے ایک ''مشبہہ'' ہے۔ دوسرا ''مجسمہ'' ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پاک نہ کرے۔ جو ایسے عقیدہ کے معتقد اور قائل ہیں۔ لیکن ''ابن تیمیہ'' ان میں سے دوغلا شخص ہے۔ میں اسے تنبیہ کرتا ہوں۔ اور اس کا بھی شکر گزار ہوں جس نے اسے تنبیہ کی۔ اس کی ''بدعت'' کی مذمت میں اتنا ہی کافی ہے۔ جب اس نے اس لفظ کو وارد نہیں کیا۔ تو بھی اسے پھینک دے۔ اور اس سے الگ ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کی ''شبہ'' سے تنزیہہ بیان کر اور ''جہت'' سے اسے پاک کہہ۔ غیب پر ایمان لا اور اس کو بن دیکھے ایسے عقائد سے محفوظ رکھ۔ اس لئے کہ ہمارے خالق کیلئے کسی جہت میں ہونا ''محال'' ہے۔ اور جو ''محال'' ہو ہمارا اس کا معتقد ہونا محال ہے۔ ہاں بلا جہت کسی موجود کا سمجھنا غیر نبی کیلئے بہت مشکل ہے۔ لوگو! اس پر آگاہ رہو۔ شریعت مطہرہ میں جو متشابہات آئے ہیں۔ ان کے لانے میں فہم کی حکمت ہے۔ ایسے متشابہات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ اگر کسی لفظ کے ظاہری معنی سے ''حدوث'' ثابت ہوتا ہو تو ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں گے ایسے الفاظ میں غیر اللہ کیلئے راز ہوتا ہے۔ یہ راز صرف اسے ہی بتائے جاتے ہیں جو اس کا محبوب و برگزیدہ ہو۔ اسی وجہ سے کہ ایسے الفاظ کے معانی میں احتمال و تاویل کی گنجائش ہے۔ ہمارے علماء کرام میں سے بعض نے ان کی تفسیر کی ہے۔ لیکن معنی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کا مقصد ایک ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس بیان کی جائے۔ جو الفاظ میں کہا گیا۔ اس کا حقیقی مفہوم اس کے سپرد ہے یا پھر اس کی تاویل کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جلالت میں تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ اور تمام کائنات پر اپنے قہر سے اسے غلبہ حاصل ہے۔ تمام جہات اس کی علامات ہیں۔ لیکن کوئی جہت اس پر مشتمل نہیں۔ وہ ''أین'' اور ''شبہ'' سے بلند و بالا ہے۔ یہ زمین تو اسے غور سے دیکھ یہ تو کر دی (گول) شکل کی ہے۔ اس کے اوپر آسمان اور اس سے اوپر عرش ہے جس نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب سے اوپر ہے لیکن اس کا اوپر ہونا ''کیف اور شبہ'' سے پاک ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ قرآن کریم میں یہ مذکور ہے۔ میں اس کی تکذیب کرنے سے بری ہوں۔ ہمیں کیا ہو گیا۔ کہ ہم اس کو دور سمجھ کر اسے پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ قریب ہے اور قریب

ہوتے ہوئے بھی وہ دور ہے۔

کیا بندہ اپنے مولیٰ اور سید کے قریب ہونے سے بھاگتا ہے جبکہ اس کا آقا اس کے بھاگنے کے وقت اس کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مخلوق معدوم تھی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے جس بات کا تو اس وقت معتقد ہے جس وقت اس نے کسی کو بھی نہ پیدا کیا تھا۔ تو اب بھی اس کے بارے میں وہی عقیدہ رکھ۔ کیونکہ اب بھی وہ وہی ہے۔ جو پہلے تھا۔ اسی عقیدہ پر راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ''عرش'' اسے اٹھائے۔ بلکہ عرش اس کیلئے اور اس کی وجہ سے محمول ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے۔ کہ وہ عرش پر قرار و آرام کئے ہوئے ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے عرش کی محتاجی ہے اور اسے عرش کی سواری کی ضرورت ہے لیکن عرش پر اس کا ''استویٰ'' ہے جس کی کیفیت ہمارے علم میں نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس سے مراد ''قہر'' ہے۔ وہ اپنی طرف آنے والے کیلئے دوڑتا اور تیز چلتا آتا ہے اور لوگ اس کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ وہ قریب ہے۔ بلند ہونا، اوپر ہونا اور اس کا نیچے اترنا بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ اس کا ہنسنا، غصہ کھانا بھی نہ معلوم ہے۔ اور بعض اشیاء سے اسے تعجب بھی ہوتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہے اس کا معنی بھی ایسا ہی کرنا چاہئے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ یونہی ہر وہ لفظ جس میں ''شبہ'' کا وہم ہو۔ اس کے صحیح مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو یا ایسی تاویل کرو جس میں ''مشابہت'' نہ پائی جاتی ہو۔ ان دونوں باتوں میں زیادہ سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ کے معانی اسی کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور ان کے معانی میں ''حدوث'' سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دیا جائے۔

سلف صالحین سے یہی مذہب ماثور ہے۔ اور تمام اہل تصوف اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک مختار و راجح یہی ہے۔ اور ہم ان کے مقتدی اس سے انکار نہیں کرتے۔ اور ابو منصور ماتریدی کا نظریہ ''سپرد خدا'' ہے۔ اور اگر ان کی تاویل کر دی جائے تو وہ قطعی معنی نہیں بن جاتا۔ جس کا ارادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک حاصل کرے تو ایسے کیلئے ہم یہی کہیں گے کہ اس نے ایسا ارادہ کیا جو اس کی امیدوں سے بھی باہر ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا ادراک نہ کسی جن، نہ کسی فرشتہ اور نہ ہی اس کے کسی مقرب نبی کو ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال سے متصف ہے اور منزہ ہے۔ اس کے کوئی مشابہ نہیں۔ کوئی مثل نہیں۔ اپنے خالق کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے نہ ہم ''حشویہ'' ہیں اور نہ ہی ہمارے مذہب میں ''اعتزال'' ہے اور نہ ہی ہم ان (حشویہ، معتزلہ) کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن انہیں ''بدعتی'' ضرور کہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے بعض باتوں میں صراحۃً غلطی کھائی ہے۔

ہمارے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاؤ اور حق کو تلاش کرنے کی جدوجہد کرو۔ وہ تو اس شعبہ میں گمراہ ہو گئے، حالانکہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ پھر بھی پھسل گئے اور ان کے اذہان میں جو ''شبہ'' آیا اس کی بنا پر راستہ بھول گئے۔ بعض دفعہ ضعیف الفہم کو بھی صحیح اور سیدھی بات دکھائی دے جاتی ہے اور وہ اپنا عقیدہ نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ سے ہی کوئی شخص ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے سے بہکا دے اس پر گمراہی آ پڑتی ہے۔ ہم ان (ابن تیمیہ اور اس کے چیلے) کو ہر مسئلہ میں غلط نہیں کہتے۔ بہت سا ان کا کلام درست ہے جس میں وہ کامیاب ہیں۔ فروعات اور دین کے دوسرے مسائل میں ان کا مذہب بھی دوسرے حنبلیوں کی مانند ہے اور شریعت مطہرہ کے موافق ہے۔ عقائد کے علاوہ دوسرے موضوع پر لکھی ان کی کتابیں علمی خزانے ہیں اور نفع بخش ہیں۔ لیکن اگر تجھے ان کی خفیہ چالوں کا علم نہیں تو ان باتوں کو چھوڑ دے جو تجھے شک و شبہ میں مبتلا کر دیں۔ ان سے بچنا ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر کامل مہربانی فرمائے۔ اس لئے تمام مومنوں کیلئے اس کی رحمت ہی سہارا اور ستون ہے۔

میں نے گزشتہ اوراق میں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اچھا خواب لکھا جو ان کی جلالت قدر اور بیت المقدس کے صحن میں مدفون ہونے کے تقدس کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں میں اپنے اور بھی چند خواب ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جن میں سے بعض کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور چند دوسرے خواب ہیں۔ یہ اس لئے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تمہیں میرے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ خواب مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔

## علامہ نبہانی کے بعض خوش کن خواب

خواب ۱: میں نے رجب ۱۳۲۴ھ کی ابتدائی تاریخوں میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسے مکان میں کھڑا دیکھا۔ جسے میں نہیں جانتا تھا۔ میں آپ کے قریب سے گزرا۔ تو مجھے آپ کی طرف سے یہ آواز سنائی دی۔ ''میں قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتا'' شائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مجھے مخاطب فرمایا۔ بہرحال جب میں وہاں سے گزر گیا۔ تو میں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس کے بعد میری نیند اڑ گئی۔ لیکن مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''میں قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتا'' کی کوئی سمجھ نہ آئی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ''قیام اللیل'' اس قدر فرماتے کہ قدمہائے مبارکہ پر ورم آ جایا کرتا تھا۔ اور آپ مختلف عبادات میں بہت محنت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف

کر دیئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے مراد میری ذات تھی۔ کیونکہ قیام اللیل کی طاقت نہ رکھنا میرا وصف تھا۔ کیونکہ رات کو قیام نہیں کیا کرتا تھا۔ اور توفیق نہ ہونے کی وجہ سے مجھ میں ''قیام اللیل'' کی ہمت بھی نہ تھی۔ کیونکہ میری صحت اور میرے حالات نا مساعد و ناموافق تھے۔

خواب ۲: جمعرات کو میں نے خواب دیکھا۔ شائد یہ رات رجب ۱۳۲۴ھ کی دسویں تاریخ کی تھی۔ میں ایک شخص کے ہمراہ بیروت میں کھڑا ہوں۔ جس کا نام ''بشیر'' ہے۔ میں اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کر رہا ہوں۔ میں نے اسے کہا۔ ''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلہ ''جوھرۃ نفیسہ'' ہیں۔ اور تمام کائنات، عرش اور ان کی ہر چیز اور تمام انبیاء کرام مع ان کے تمام فضائل یہ بمنزلہ ''دینار'' ہیں۔ جو سونے کا بنا ہو۔ ان کی نسبت اس ''جوہر نفیس'' کے ساتھ ''دینار'' کی مانند ہے۔ یہ ہے وہ فرق جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل اور دیگر تمام انبیاء کرام کے فضل کے درمیان ہے۔ خواب میں اس شخص کو میں نے اسی قدر کہا۔

خواب ۳: محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کی ابتدائی تاریخوں میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ کہ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پڑھ رہا ہوں۔ جس کا معنی یہ ہے۔ ''مومنین جب قیامت کے دن پل صراط سے گزر جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز سنیں گے۔ کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور تم میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ جنت میں سے کوئی محل بھی لے سکتا ہے۔ صرف ایک محل نہیں لے سکتا جو عرش کے دائیں جانب ہے۔ کیونکہ وہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔'' اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور مجھے اس معنی کی کسی حدیث پر اطلاع نہیں۔ (یعنی اس مفہوم کی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں)۔

خواب ۴: ایک صالح تاجر محمد رضا الجزار الحموی نے مجھے شعبان ۱۳۲۴ھ میں بتایا کہ اس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ جبکہ وہ اپنے شہر کی آبادی میں تھا اور ابھی بیروت نہیں آیا تھا۔ دیکھا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خلوۃ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور آپ مجھے بعض باتیں بتا رہے ہیں۔ اور اس تاجر نے اندر آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اجازت نہ ملی۔ پھر اس نے ہمت کی اور اندر آ گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس چوما۔ اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔

خواب ۵: میری بیوی صفیہ نے مجھے بتایا کہ اس نے محرم ۱۳۲۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ شائد یہ محرم کی بارہویں رات تھی۔ آپ کی صورت مبارکہ انتہائی حسین اور سفید تھی۔ اور

آپ ایک بلند جگہ تشریف فرماتھے۔اور آپ نے جب مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا۔اور میرا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارکہ کے ساتھ بہت مضبوط مشابہت رکھتا ہے۔

خواب ٦: محرم الحرام ۱۳۲٦ھ میں مجھے میرے ایک نیک ساتھی سلیم آفندی سروجی بیروتی نے بتایا۔ کہ اس نے مدت ہوئی ایک آدمی سے سنا تھا جسے وہ خوب جانتا تھا۔بیروت کا رہنے والا محلّہ کا نام ''البسطۃ'' اور اس کا اپنا نام سعید عیتانی تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبہانی کی صورت میں دیکھا۔اور وہ کہنے لگا کہ میں یہ خواب نبہانی کو اس وقت بتانا بھول گیا اس نے مجھے ان خوابوں کی تحریر کے وقت وہ یاد کرایا۔ میں نے اسے کہا کوئی حرج نہیں۔آپ مجھے اور اس خواب دیکھنے والے کو کہیں ملا دیں۔تا کہ میں اس کی زبانی سن لوں۔میرا ساتھی اسے ایک رات ساتھ لئے میرے پاس آ گیا۔میں نے اسے نصیحت کی اور بتایا کہ خواب جان بوجھ کر جھوٹے بیان کرنا کبیرہ گناہ میں شامل ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹی بات خواہ وہ خواب سے تعلق رکھتی ہو یا حالت بیداری سے، کبیرہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔لہٰذا اگر تو نے خواب دیکھا ہے تو اس میں اپنی طرف سے حاشیہ آرائی نہ کرنا۔اور من وعن بیان کرنا۔وہ کہنے لگا۔خدا کی قسم! میں من وعن بیان کروں گا۔پھر اس نے مجھے بتایا۔کہ تقریباً دو سال ہوئے اس نے ایک رات خواب میں ایک خوبصورت، عظیم شخصیت جو کمال رعب وہیبت والی تھی۔جس کی نظیر میں نے جاگتے ہوئے کوئی نہ دیکھی تھی۔وہ شخصیت میری (نبہانی) شکل میں متشکل تھی، مگر قد تھوڑا سا مجھ سے لمبا تھا۔اور جسم معمولی سا مجھ سے موٹا تھا۔ دیکھا کہ وہ شخصیت'' جامع البسطۃ'' سے باہر تشریف لا رہی ہے۔اور اس کے اردگرد خادم پیدل چل رہے ہیں۔میں نے وہاں کے ایک آدمی سے پوچھا۔کہ یہ کون ہیں؟ اس نے مجھے بتایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جانے پر بہت خوش تھا۔اسی شخص نے مجھے یہ خواب سنانے کے بعد بتایا۔کہ میں نے ایک اور خواب دیکھا تھا جس میں میں نے دیکھا کہ آسمان میں نور سے گاڑھے حروف میں یہ لکھا ہوا ہے۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

خواب ۷: میرا خیال ہے کہ ۱۳۲۵ھ ربیع الاول یا ربیع الثانی میں بیروت کے ایک نیک صالح تاجر میرے پاس تشریف لائے۔جن کا نام عبدالباسط افندی الغندور ہے۔جو رشتہ میں میری بیوی صفیہ کے ماموں ہیں۔انہیں ایک بہت بڑی پریشانی نے آ گھیرا تھا۔ایسی پریشانی اس سے قبل انہوں نے نہ دیکھی تھی۔اس پریشانی کا سبب ان کے فوت شدہ بھائی سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد تھی۔مجھ سے

انہوں نے بیان کیا کہ جب میری پریشانی بہت بڑھ گئی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت شروع کر دی۔ تا کہ اس کے وسیلہ سے میرا رنج دور ہو جائے۔ میں اس پریشانی میں سو گیا۔ تو خواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے آپ سے اپنا حال بیان کیا۔ فرمانے لگے۔ یوسف نبہانی کے پاس جاؤ۔ تمہاری پریشانی کا حل اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں موصوف تاجر نے میرے بارے میں کچھ تعظیم بھرے الفاظ کہے جو میں نے حذف کر دیئے ہیں۔ بہر حال تاجر کہنے لگا چونکہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس لئے میں اپنی پریشانی کے بارے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس نے خواب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قسم اٹھائی کہ میں نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں کہا۔ اور میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خدا کی قسم! مجھے اس کے سچا ہونے میں شک ہوا۔ بلکہ مجھے تو اس کے جھوٹے ہونے کا یقین تک آ رہا تھا۔ اگر میں اس کو نیک اور صالح نہ پاتا۔ کیونکہ عام تاجروں کی بہ نسبت یہ روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے والا تھا۔ سودی کاروبار میں ملوث نہ تھا۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود مجھے اس کی بات پر یقین آ رہا تھا اور اس کی ضرورت اور پریشانی کا میرے ہاتھوں دور ہونا میں اسے ناممکن سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ اس کا اور اس کے چچا زاد بھائیوں کے درمیان جو اختلاف تھا۔ اس کا میرے محکمہ سے قطعاً تعلق نہ تھا۔ وہ تو "قاضی" سے تعلق رکھتا تھا۔ اور جب میں دیکھتا کہ اس کا معاملہ میرے محکمہ سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ تو پھر اس کا میرے ہاتھوں حل ہونا میں اسے کس طرح تسلیم کرتا کہ اس کا خواب سچا ہے۔ اس لئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تو بہر حال سچا ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ اس کا خواب سچا نہیں۔ کیونکہ بقول اس کے اس کا معاملہ میرے ہاتھوں دور ہونے کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں اسے دی تھی۔ اور میرا یقین تھا کہ اس معاملہ کے میرے پاس آنے کے مواقع بھی نہیں۔ اور نہ ہی ایسے اسباب دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ اس تاجر کے چچا زاد بھائی اپنے موقف میں بہت سخت تھے کوئی لچک نہ تھی۔ ان کے درمیان عداوت بھی بہت زیادہ تھی۔ ایسی کہ میری بات ماننا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انہی اسباب و وجوہ کی بنا پر میں نے اسے محض باتوں سے ہی تسلی دی۔ اور اس کے معاملہ میں دخل اندازی کرنے سے اجتناب کیا۔ تا کہ وہ اپنے معاملہ کے بارے میں مجھ سے ناامید ہو جائے۔ اور جو طریقہ ہے اسے اپنانے کی کوشش کرے۔ اور میرے پاس آ جا کر وقت ضائع نہ کرے۔

تقریباً ایک ہفتہ بعد میں بازار سے گزرا۔ جب میں اس تاجر کے چچازاد بھائیوں کی دکان کے سامنے گیا۔ تو مجھے ان میں سے بڑا بھائی محی الدین افندی اور اس کا بھائی عبدالحمید افندی دکھائی دیئے میں دکان میں چلا گیا۔ تاکہ ضروری کپڑے خریدوں۔ پھر میں نے جو خریدنا تھا خریدا اور باہر نکلنے سے قبل مجھے ان کا جھگڑا ان کے چچا عبدالباسط افندی سے جو تھا۔ وہ یاد آ گیا۔ میں نے انہیں وعظ ونصیحت کی۔ اور ایسی گفتگو کی کہ اس کا ان پر بہت اچھا اثر ہو گیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ اس معاملہ میں ہم آپ کے کہنے پر چلیں گے۔ جو آپ فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔ حالانکہ اس سے پہلے انہیں اپنے چچا سے انتہائی نفرت تھی۔ پس میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہارا معاملہ اس طرح ختم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے میرا مشورہ قبول کر لیا۔ اس کا بیٹا ''عون'' اسی دکان میں تھا۔ ہم نے اسے بھیجا کہ جاؤ اور اپنے والد صاحب کو بلا کر لے آؤ۔ اور فوراً اسی وقت ساتھ لیکر آنا۔ اس سے پہلے انہوں نے اس چچا سے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ جب ان کا چچا آیا۔ تو میں نے اس سے بھی گفتگو کی۔ جس میں اسے کہا کہ اختلاف اچھا نہیں۔ اور مشورہ دیا کہ وہ زمین وغیرہ کے تمام مشترکہ حصہ جات ان چچازاد بھائیوں کے ہاتھ فروخت کر دے اور جو رقم تم لینا چاہتے ہو وہ لیکر راضی خوشی سودا کر لو۔ تو وہ بھی میری بات پر متفق ہو گیا اور تمام فریق اس قیمت پر متفق ہو گئے۔ جو طے پائی۔ میں نے انہیں خریدنے اور اسے بیچنے کا کہا۔ تو اس پر اس کے چچا زاد بھائیوں نے تمام حصہ جات خرید لئے۔ اور معاملہ بہترین طریقہ سے نمٹ گیا۔ جس کے حل ہونے کے کوئی اسباب نظر نہ آتے تھے۔ آسان اور معمولی سی مشقت سے حل ہو گیا۔ کسی کے دل میں یہ خیال تک نہ تھا کہ اس طرح آرام وسکون سے یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ جب یہ معاملہ طے ہو گیا تو اس کے بعد میرے دل میں اس تاجر کے خواب کی سچائی آئی۔ اور اس کے خواب کو میں نے سچ جانا۔ جس میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیرے معاملہ اور تیری پریشانی کا حل یوسف نبہانی کے ہاتھ میں ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

خواب ۸: میرے ایک محترم بھائی فاضل صالح کامل سلالۃ العلماء الاعلام شیخ عبدالرحمٰن افندی طیبی ودمشقی نے بارہا مجھے خطوط لکھے۔ جو اس وقت ''حوران'' میں منصب افتاء پر فائز ہیں۔ ہر خط میں انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں بارہا زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ ان کا آخری خط جو میرے پاس آیا۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ خط تیس رجب ۱۳۲۱ھ کو

تحریر کیا گیا۔ اور اس میں درج تھا کہ موصوف نے مجھے خواب میں دیکھا۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور فرحت وسرور میرے چہرہ سے نمایاں تھا۔ چونکہ موصوف نے مجھے بالمشافہ نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے لکھا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری پہچان کرائی۔ یعنی تمہارا تعارف کرایا۔ یہ سب کچھ خواب میں دیکھا۔

خواب ۹: اس خواب میں کفار کی مشابہت کی بھیانک شکل دکھائی گئی۔

میں نے جمادی الثانی کی ابتدائی تاریخوں ۱۳۲۵ھ میں خواب دیکھا۔ کہ میں سلطنت عثمانیہ کے دارالخلافہ قسطنطنیہ میں ہوں۔ میں ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے بہت سے لوگ دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک شخص کو دیکھا۔ جس کی داڑھی ''کیل'' کی طرح تھی۔ جس طرح بعض فرنگیوں کی داڑھی ہوتی ہے۔ اس شخص کا نام عبدالحلیم تھا۔ میں نے اسے نہایت بدصورت دیکھا۔ تو میں اس کے قریب آ گیا۔ اور اسے نصیحت کرنے لگا کہ داڑھی اس طرح نہیں رکھنی چاہئے۔ اور میں نے اسے بتایا کہ شرعی طور پر ایسی داڑھی والا کس قدر قبیح ہوتا ہے۔ کافی دیر میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ لیکن میں اسے اس طرف آنے پر مائل نہ کر سکا۔ جس کی وجہ سے میں وہاں سے اٹھ کر آ گیا۔ لیکن مجھے سخت غصہ تھا۔ میں بلند آواز سے چلایا۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے کہا۔ یَا عِبَادَ اللّٰہِ الخ۔ اللہ کے بندو! اگر مجھے یہ مکان بھر کر سونا دے دیا جائے اور اس شرط پر دیا جائے کہ میں اس شخص کی داڑھی کی طرح داڑھی بناؤں تو بھی مجھے منظور نہ ہوگا۔

اور میں اس کے ساتھ اس شخص کو ڈانٹنے لگا۔ جو ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر میں نے اسے باتیں کہیں۔ اس وقت، میرے ذہن میں نہیں۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اگر ایسی داڑھی کے مسئلہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی قول ہوتا۔ تو بھی اس کی قباحت کیلئے کافی تھا۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم کی شکل وصورت بناتا ہے۔ وہ انہی میں سے ایک ہے۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کسی مسلمان کیلئے ایسی مشابہت سے بچنا بہت ضروری ہے۔ جس پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر سخت ڈانٹ پلائی ہو۔ اس کے باوجود اگر کوئی نہیں رکھتا۔ تو وہ لازماً بے دین ہوگا۔

خواب ۱۰: ہفتہ کی رات ۱۳۲۴ھ بتاریخ ۲۵ شعبان المعظم میں نے خواب دیکھا۔ کہ میں سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ ہمارے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ جس کو میں اب بھول گیا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی اب یاد نہیں رہا کہ اس وقت کیا باتیں ہوئی تھیں۔ لیکن اتنا ضرور یاد

ہے کہ یہ مجلس رضا اور قبول کی مجلس تھی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (صافات)
اس خواب نے بخدا مجھے بہت سرور عطا کیا۔ اور سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل بیٹھنے کی سعادت سے انتہائی فرحت نصیب ہوئی۔ کیونکہ موصوف اکابر اولیاء عارفین اور ائمہ علماء عالمین میں سے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ علوم ظاہرہ باطنہ میں اپنے دور سے آج تک ان جیسا دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ کم از کم جن حضرات کو میں جانتا ہوں۔ اور جو علم و معرفت میں نامی گرامی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شیخ موصوف کا ہم پلہ نہیں۔ موصوف رضی اللہ عنہ کے تمام علوم میں اس قدر فوائد ہیں۔ جو لاتعداد ہیں۔ خاص کر وہ فوائد جن کا تعلق دین، توحید اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ہے اور وہ فوائد جو انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کی بلندی کے سلسلہ میں تحریر فرمائے۔ ان کا بدل نہیں۔ میں نے اس سفرنامہ حجاز کا مطالعہ کیا۔ جس کا نام انہوں نے یہ رکھا ہے۔ ''اَلْحَقِيْقَةُ وَالْمَجَازُ فِي رِحْلَةِ بِلَادِ الشَّامِ وَ مِصْرَ وَ الْحِجَازِ'' میں اس سے یہاں ایک فائدہ ذکر کرتا ہوں۔ جو ان کے اعلیٰ مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس سے آپ جان لیں گے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ان کی کس قدر مقبولیت تھی۔ دوران گفتگو موصوف لکھتے ہیں۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مدینہ منورہ میں مقیم ہونے کے دوران ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو گئے اور ہمارے ایک دوست مفخر الاعیان الحسیب النسیب مولانا سید عبدالقادر نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں انہی دنوں میں زیارت کی۔ دوران زیارت آپ نے مجھے (علامہ نابلسی کو) حکم دیا کہ تم اپنے دوسرے ساتھیوں کو بخاری شریف میں سے پڑھ کر سنایا کرو۔ جب صبح اٹھے تو انہوں نے ہمیں اسی کی خبر دی۔ اس پر ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور اس کی حمد کہی۔ کیونکہ یہ خواب قبولیت کا اشارہ تھا۔ اور اس خواب کے ذریعہ اس بندے کی ڈھارس بندھ گئی۔ اور یہ خواب اس بات کی دلیل تھا کہ مجھے پڑھ کر سنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ کہ میں مقبول ہوں۔ اور مجھے احادیث کے سماع اور قرأۃ کی اجازت ہے۔ ان احادیث کی جو بخاری میں درج ہیں۔ اس مقام پر اور بھی اشارات اور مختلف تنبیہات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مختلف اقسام کی نعمتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کا قول یاد آ گیا۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس:64)۔ نیک لوگوں کیلئے دنیوی زندگی میں ہی خوش خبری ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد ''سچا خواب'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ نبوت چلی گئی۔ اور مبشرات یعنی سچے خواب باقی ہیں۔ جنہیں اللہ کا

بندہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل ہوشیار اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جبکہ اس خواب سے پہلے میں غافل اور سویا ہوا تھا۔ اور میری یہ حالت ہو گئی کہ میں جب مدینہ منورہ داخل ہوا تو میری حالت ایسی تھی کہ سب کچھ پڑھا پڑھایا بھول گیا ہے۔ عقل ٹھکانے نہیں۔ جب میں مدینہ منورہ شہر میں داخل ہوں گا تو میں کسی علم کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی میں کسی سے کسی منطوق یا مفہوم کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ کی اتنی ہیبت تھی۔ اور اس قدر رعب وجلال تھا اور اپنے نفس کو میں اس قدر حقیر سمجھتا تھا اور اس قدر نکما جانتا تھا۔ میں نے ان حالات وکیفیات کی وجہ سے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا۔ حتیٰ کہ اس خواب کے ذریعہ مجھے اجازت مرحمت ہوئی۔ اور یہ اللہ قادر وقدیر کی مدد سے ہی ہوا۔ سید عبدالقادر مذکور ہمارے پاس روزانہ صبح تشریف لاتے۔ اور ہمیں بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے۔ یوں وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل کرتے۔ اور ہم پڑھی گئی احادیث کے معانی ومفہوم پر کچھ کہتے۔ جو ہمارے ذہن میں ہوتا وہ بیان کر دیتے۔ اس کے بعد شیخ نابلسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اسباق پڑھنے پڑھانے کا تذکرہ کیا۔ اور بتایا کہ حضرات علماء کرام اور طلباء دین جوق در جوق آنے لگے۔ صبح سے ظہر تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق معلومات حاصل کرتا۔

## الامام العلامۃ السید زین العابدین البرزنجی المدنی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ موصوف رضی اللہ عنہ کے "جواہر" میں سے ایک جوہر وہ ہے جس میں انہوں نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج شریف کو بہترین اسلوب میں بیان فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اخبار محمدیہ کے تحریر کرنے کی چادروں کو میں مزین کرنے کا افتتاح کرتا ہوں۔ درآں حالیکہ میں ان چادروں کے حاشیہ جات کو "بِسۡمِ اللّٰہِ" کے فوائد کے موتیوں سے مہذب کرنے والا ہوں۔ اور سن کر قبول کرنے والے کانوں کو "اسراء" کی راتوں کے بکھرے موتیوں سے مزین کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی تعریف کی برکات کے بادلوں سے حصول بارش کیلئے اپنے ہاتھ بلند کر رہا ہوں۔ اور محافل کی ناک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نرگس کی خوشبو سے بھرے خصائص کے نگینوں کو بکھیر کر معطر کرتا ہوں۔ لبوں کے پیالوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوکھے اوصاف کے چھینٹوں سے قوت سماعت کے مونہوں پر پانی ڈالتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے سوالی ہوں۔ کہ وہ آپ پر خوشبو بھرے درود وسلام کی لگاتار بارش نازل فرمائے۔ جس کے وافر پانی سے اللہ تعالیٰ اپنی مقدس بارگاہ کے برگزیدہ اور مصطفیٰ کی قبر انور کو سیراب فرمائے۔ وہ مصطفیٰ و مجتبیٰ جو سب سے بڑے باپ اور سب سے اعلیٰ جد ہیں۔ جن کے اسعدی طوالع سے کائنات کو سعادت ملی۔ اور جن کی امت کو کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ (آل عمران:110) کی سیادت ملی۔ وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تعیین اول، کنز مطلسم اور پردوں میں چھپا انمول موتی ہیں۔ اور ایسے نور مبین ہیں کہ موجودات کی آنکھوں نے ان کے دیدار کا سرمہ ڈالا۔ اور میں عنبری تسلیمات کے بھرے تھیلوں سے بخشش وعطا طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آل واصحاب کی مبارک قبروں کو معطر کرے جو فیاضی کی طرف سبقت کرنے والوں کے سردار ہیں اور میں توفیق، اعانت اور خلوص نیت کے دودھ کی زیادتی کا سائل ہوں۔ بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کیلئے وہی جس کی اس نے نیت کی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمۡ وَ بَارِکۡ عَلَیۡہِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد! جب وراثت محمدیہ کے چوغہ برداروں نے صحیفوں کے چہروں کو شب اسراء کی خبروں کی عنبریں سیاہی سے خوشبو ناک کیا۔ اور مواہب لدنیہ کے حسن سے فیض کے دریا بہائے اور

محمدی چراغ کی روشنی بلند ہوئی۔ اور خوب چمکی۔ ربانی چمک نے قدیم راستوں کے راہگیروں کو راستے دکھائے۔ پس اس کی ظاہرو باہر چمک نے اس کے میدانوں اور پہاڑوں کو منور کیا۔ صمدانی آنسو بہانے والی نے اس کے افکار کی سیپوں پر آنسو بہائے۔ براعت کی موجوں میں ان سیپوں سے صاف ستھرے موتی پھوٹ نکلے۔ سو میں کہتا ہوں۔

ملت حنفیہ کے علماء میں اسراء اور معراج کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور ''اصح'' یہ ہے کہ یہ دونوں (اسراء، معراج) روح اور جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئے۔ اور اس مقام تک جہاں اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مناجات ہوئی۔ ان کے زمانہ اور وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اور راجح قول یہ ہے۔ کہ ہجرت سے ایک سال قبل یہ واقعہ ہوا۔ رجب شریف کی آخری تاریخیں تھیں۔ اسی پر جمہور کے ثقہ راویوں نے اعتماد کیا ہے۔ حدیث معراج کی روایات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے جم غفیر نے کی ہے۔ پھر ان کثیر صحابہ کرام سے ہر حافظ حدیث نے روایت کی جس کی روایت کی صحت پر اعتماد ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس قصہ کی حقیقت کو جو مخفی اور لپٹی ہوئی ہے اسے سننے والوں اور شائقین تک پہنچائیں۔ تاکہ حاضرین کے کانوں کے پردے اس کی پاکیزہ اور تازہ خوشبو سے مہلک اٹھیں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مردوں کے درمیان خانہ کعبہ کے متصل حجر (حطیم) میں آرام فرماتے۔ اچانک حضرت جبرئیل و میکائیل ایک تیسرے فرشتہ کو ساتھ لئے حاضر ہوئے۔ جو باہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے متعلق دریافت کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ وہ کون ہیں؟ دو راتیں اسی کیفیت میں گزر گئیں۔ تیسری رات آپ کے پاس یہی فرشتے زمزم کا پانی لائے۔ اور جبرئیل علیہ السلام اس کے ذمہ دار بنے۔ حضرت میکائیل نے زمزم کے پانی سے بھرا ایک طشت (تھال) طلب کیا۔ دو فرشتوں نے آپ کا سینہ اقدس چاک کیا۔ اور قلب انور نکال کر دھویا۔ پھر ایک اور طشت لایا گیا۔ جو ایمان اور حکمت کے معانی سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں فرشتوں نے اسے آپ کے سینہ مبارکہ میں انڈیلا۔ اور اسے علم، حلم، یقین اور اسلام سے بھر کر سی دیا۔ اور دونوں نے آپ کے کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' لگائی۔ پھر براق لایا گیا۔ جس پر کاٹھی ڈالی گئی تھی۔ لگام پہنائی گئی تھی۔ وہ وہاں قدم رکھتا تھا جہاں اس کی نظر کی انتہاء ہوتی تھی۔ اس کے کھر تھے اور اس کی دم گائے کی مانند تھی۔ اور ٹانگیں اونٹ کی طرح تھیں۔ جب اونچی جگہ چڑھتا تو پچھلی ٹانگیں لمبی ہو جاتیں اور جب ڈھلوان سے اترتا تو اگلی لمبی ہو جاتیں۔ آپ جب اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے سوار ہونا مشکل کر دیا۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے کہا۔ اے براق! تجھے شرم نہیں آتی؟

خالق کائنات کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخصیت سے بڑھ کر اور کوئی بھی زیادہ عزت والا نہیں جو تجھ پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور بالکل چپ اور ساکن ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس پر مشاہدہ حشریہ کے خطیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ پھر براق روانہ ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب تھے۔ چلتے چلتے آپ ایسی زمین پر پہنچے جہاں کھجوروں کے درخت بکثرت تھے۔ ان پر تازہ کھجوریں لٹکی ہوئی تھیں۔ حضرت جبرئیل نے کہا۔ حضور! یہاں نماز ادا کیجئے۔ یہ "طیبہ" ہے۔ اور یہاں آپ ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے۔ اور یہیں آپ کا وصال ہوگا۔ پھر آگے چل دیئے۔ پھر ایک جگہ جبرئیل نے کہا۔ حضور! یہاں بھی نماز ادا کیجئے۔ دیکھا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس درخت کے پاس کھڑے ہیں۔ جس کی لاٹھی سے آپ نے بحر قلزم کو پھاڑا تھا۔ پھر اور آگے تشریف لے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے پھر کہا۔ یہاں بھی نماز ادا کیجئے۔ یہ تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے۔ دیکھا تو وہ "طور سیناء" تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور انہیں آواز دی تھی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی جگہ تشریف لے گئے جہاں بڑے بڑے اونچے محلات تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہاں بھی آپ نماز ادا کیجئے۔ دیکھا تو وہ جگہ "بیت اللحم" تھی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ جنہیں بچپن میں ہی "حکم" عطا کیا گیا تھا۔ چلتے چلتے آپ نے ایک پہلوان اور شریر جن دیکھا۔ جو آگ کے شعلہ کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے تو وہ نظر آتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں کہ جب آپ انہیں پڑھیں تو یہ شیطان فوراً اپنے منہ کے بل گر پڑے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور بتاؤ۔ اس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کلمات پڑھے۔ فوراً وہ منہ کے بل گر گیا اور اس کا جہنمی شعلہ بجھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم دیکھی۔ جو ایک دن بوتی اور دوسرے دن کاٹتی ہے آپ نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا۔ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ اللہ کے دشمنوں سے برسرپیکار رہنے والے ہیں۔ آپ نے ایک تازہ اور طیب ہوا محسوس کی۔ دیکھا تو یہ فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے

والی خادمہ تھی۔ جو ایک دن کنگھی کر رہی تھی۔ کہ اچانک کنگھی اس کے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ تو کہنے لگی۔ فرعون ہلاک ہو۔ کس قدر گمراہ اور غلط راستہ پر ہے۔ یہ سن کر فرعون کی بیٹی نے پوچھا۔ کیا تمہارا رب میرے باپ کے علاوہ کوئی اور ہے؟ یہ سوال اس نے اس لئے کیا کہ اس کی نشو ونما اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور جاہلیت میں ہوئی تھی۔ خادمہ نے جواب دیا۔ ہاں میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے باپ کو پیدا کیا۔ اس نے یہ بات اپنے باپ کو بتائی۔ چنانچہ فرعون نے اس خادمہ کو بلایا۔ فرعون پر اس وقت شیطنت سوار تھی۔ پوچھا۔ کیا میرے علاوہ کوئی اور تیرا رب ہے؟ بولی ہاں میرا اور تیرا رب ''اللہ'' ہے۔ اس خادمہ کے دو بیٹے اور خاوند تھا۔ فرعون نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی فرعون کی خدائی کا اقرار نہ کیا اور اسلامی فطرت کی گواہی دی۔ اس پر فرعون نے انہیں تانبے کی دیگ میں ابلتے پانی میں ڈال دیا۔ ایک بچے نے ان میں سے کلام کرتے ہوئے کہا۔ جو ابھی دودھ پیتی عمر میں تھا۔ امی! آجائیے۔ دیر مت کیجئے۔ آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور قوم سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سروں کو کوٹا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پہلے کی طرح صحیح سالم ہو جاتے ہیں پھر کوٹا جاتا ہے۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ لوگ جن کے سروں میں نماز بوجھ تھی۔ پھر ایک قوم پر سے آپ گزرے۔ جن کے آگے پیچھے کی زمین میں زقوم (تھوہر) کے پودے ہیں۔ اور وہ ان سے نکلنے والے مواد کے گھونٹ پی رہے ہیں۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی گئی۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کا اپنا کیا کرایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزرتے ہوئے پکا ہوا اور کچا گوشت دیکھا۔ اور کچھ لوگ دیکھے جنہیں پکا گوشت کھانے کی دعوت دی جاتی ہے لیکن وہ کچا کھا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ آپ کی امت کے وہ میاں بیوی ہیں۔ جن کے ہاں حلال طریقہ سے شہوت پوری کرنے کا اہتمام تھا لیکن وہ اسے چھوڑ کر حرام کی طرف جاتے رہے۔ یعنی زنا کرتے رہے۔ پھر آپ کا گزر ایک لکڑی سے ہوا جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب سے کوئی بھی چھوٹی بڑی چیز گزرتی تو وہ اسے پھاڑ دیتی۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ آپ کے امتیوں میں سے ان کی ''مثال'' ہے جو راستوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ یعنی ڈاکو اور باغی ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قرآن کریم کی آیت پڑھ کر سنائی۔ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ راستوں میں لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستے سے روکنے کیلئے مت بیٹھو۔ (الاعراف:86)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص سے گزرے جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ اور اس میں پڑے پتھر اور گندگی کھا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا۔ حرام یعنی سود خوار ہے۔ ایک اور شخص کے قریب سے آپ گزرے۔ جس نے ایندھن جمع کر رکھا تھا اور اسے اٹھانے کی کوشش کرتا لیکن اٹھانہ سکتا۔ اس کے باوجود اس میں اور ایندھن ڈالتا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں پوچھا۔ تو جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے لوگ جس کے پاس امانتیں رکھتے تھے جن کی ادائیگی سے بے بس تھا اور اس کے باوجود اس کی خواہش تھی کہ مجھے اور بھی امانتیں دی جائیں۔ ایک قوم دیکھی جو لوہے کی قینچیوں سے اپنی زبانیں کاٹ رہی تھی۔ جب زبانیں کٹ جاتیں۔ فوراً صحیح سالم ہو جاتیں گویا ان میں سے کچھ کٹا ہی نہیں تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا۔ آپ کی امت کے فتنہ پرور علماء اور وہ علماء بد جو کہتے وہ کرتے نہ تھے۔ سو اللہ تعالیٰ سے ہم ہر بات سے معافی چاہتے ہیں۔ جس سے وہ راضی نہ ہوتا ہو۔ ایک اور قوم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ جو اپنے چہروں اور سینوں کو تانبے کے ناخنوں سے چھیل رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا۔ مسلمانوں کی غیبت اور ان کی عزت سے کھیلنے والے ہیں۔ پھر آپ کا گزر ایک سوراخ پر ہوا۔ جس سے ایک بیل نکلا۔ اس نے کوشش کی کہ میں واپس سوراخ میں داخل ہو جاؤں لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کے متعلق پوچھا۔ تو جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے جو گفتگو کرنے کے بعد پچھتاتا۔ لیکن نازیبا اور مکروہ بات کو واپس لوٹانے کی ہمت نہ پاتا۔ پھر آپ کا ایک وادی سے گزر ہوا۔ اور آپ کو نہایت بہترین خوشبو، خوبصورت آواز اور ٹھنڈی ہوا محسوس ہوئی۔ آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ جنت کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے۔ اے اللہ! جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ میرے لئے وہ چیزیں بہت زیادہ ہو چکی ہیں جن کی نہ نظیر ہے اور نہ ان کی مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے لئے ہر مسلمان مرد اور عورت ہے اور جس نے عمل صالح کیا اور شرک نہ کیا۔ اور اپنے پیغمبر کی تصدیق کی وہ تجھے دیا جائے گا اور جس نے مجھ سے مانگا میں اسے عطا کروں گا۔ جس نے مجھ پر بھروسہ کیا اس کیلئے میں کافی ہوں گا اور اس کی جزا تو ہو گی۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک اور وادی سے ہوا۔ جہاں آپ کو ڈراؤنی آواز، بدبو اور گرم جھونکوں کا احساس ہوا۔ اس کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب ملا۔ یہ جہنم کی آواز ہے۔ کہہ رہا ہے۔ اے اللہ! جو مجھ سے وعدہ فرمایا وہ عطا فرما۔ مجھ میں ان اشیاء کی فراوانی ہو چکی ہے جن کو بڑے بڑے مضبوط لیکن نافرمان برداشت سے عاجز ہیں۔ ارشاد ہو گا۔ تیرے لئے ہر مشرک مرد اور عورت بنائے ہیں۔ اور ہر متکبر اور بد بخت مرد و عورت تیرے لئے ہیں۔ کہے گا۔ اللہ! جو

تیری رضا وہی میری رضا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کو اس کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا اور یہ دیکھنا سر کی آنکھوں سے تھا۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کیسا تھا؟ فرمایا۔ بڑے ڈیل ڈول والا اور سبزی مائل سفید رنگ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے فتنہ اور بلا سے محفوظ رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ستون سے گزر ہوا جسے فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔ اس کی روشنی ایسی تھی کہ ستارے بھی اس کے سامنے شرمندہ ہو جائیں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا اٹھا رکھا ہے؟ کہنے لگے۔ اسلام کا ستون۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے شام میں رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ اچانک آپ کو دائیں جانب سے یہودیت کی دعوت دینے والے نے بلایا۔ آپ خاموش رہے۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام بولے۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے تو آپ کی تمام امت یہودیت اختیار کر لیتی۔ اور ہدایت سے دور ہو جاتی۔ اس دوران کہ آپ آگے تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کی بائیں جانب سے عیسائیت کی دعوت دینے والے نے بلایا۔ آپ اس کے بلاوے پر بھی چپ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے۔ اگر آپ اس کی بات کا جواب دیتے تو آپ کی ساری امت عیسائیت کی چادر اوڑھ لیتی۔ چلتے چلتے آپ نے ایک عورت دیکھی۔ جس نے بازوؤں پر سے کپڑا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس نے قابل فخر زیورات سے مرصع حلہ پہن رکھا تھا۔ اس نے بھی آپ کو آواز دی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ عورت ''دنیا'' تھی۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے تو آپ کی تمام امت آخرت کے مقابلہ میں دنیا اختیار کر لیتی۔ اور آگے جاتے ہوئے آپ کو ایک بوڑھا ملا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف بلایا۔ اور وہ راستہ سے ہٹ کر کھڑا تھا۔ اور راستہ جو اس نے چھوڑ رکھا تھا وہ ایمان واسلام کا راستہ تھا۔ اس نے آپ کو کہا۔ یا محمد! ادھر آؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل نے کہا۔ آپ آگے چلئے۔ اسے چھوڑیئے۔ یہ وہ دشمن ہے جس نے حضرت آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اس کی تمنا ہے کہ آپ اس کی طرف مائل ہوں اور اس کی گمراہی اور بے دینی میں اس کا کہا مانیں۔ لیکن اللہ کریم آپ کا حامی و ناصر ہے۔ اس نے آپ کی اس کے مقابلہ میں حمایت فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ کی ایک طرف کھڑی ایک بڑھیا سے گزر ہوا۔ اس نے آپ سے درخواست کی۔ کہ کچھ دیر تشریف رکھیں۔ تاکہ وہ آپ سے کوئی بات دریافت کر لے۔ لیکن

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف کوئی کان نہ لگائے جب جبرئیل سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا۔ کہ دنیا کی عمر صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی نظر آتی ہے۔ اس کے بعد آپ کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہوئی کہ ان کے چہرے گویا مشکوۃ میں رکھے چراغ ہوں۔ انہوں نے آپ کو ان الفاظ میں سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ یَا اٰخِرُ یَا حَاشِرُ۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب عطا فرمایا۔ آپ باری باری ان سے ملے۔ ہر ایک نے انہی الفاظ سے آپ کو سلام کیا۔ اور آپ نے بھی ہر ایک کے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ بتایا کہ حضرت موسیٰ، عیسیٰ بن مریم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر اور ہمارے آقا پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ اس وقت وہ اپنی قبر مبارک میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ یہ مبارک جگہ "کثیب احمر" کے قریب ہے۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! تو نے انہیں فضیلت بخشی اور اکرام سے نوازا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے سلام کیا۔ آپ نے بھی ان کے سلام کا انہیں جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی ذات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "مرحبا" کہا اور آپ کی ثناء بیان کی۔ اور عرض کیا۔ حضور! اپنی امت کیلئے آسانی اور نجات کا سوال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ جبرئیل! یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ حضرت موسیٰ ہیں۔ جو اسرائیلی امت کی طرف رسول بن کر آئے تھے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ انہیں کون بلند آواز سے کچھ کہہ رہا ہے؟ کہا۔ وہی جس نے طور سیناء پر ان سے کلام کیا تھا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز عالم اسرار خفیہ پر بلند کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تیزی طبع کو جانتا ہے جس پر انہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے قریب تشریف لے گئے۔ جس کے نیچے ایک بوڑھا اپنے اہل وعیال سمیت بیٹھا ہوا تھا۔ پھر آپ نے اعلیٰ اقسام کے چراغوں کی روشنی دیکھی۔ پوچھا۔ یہ بزرگ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا۔ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور "مرحبا" کہا۔ اور بہترین الفاظ سے آپ کی تعریف کی۔ انہوں نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے بتایا۔ تمہارے

صاحبزادے ''احمد'' ہیں۔ جو عرشی رفرف کے سوار اور وہ کہ قدیم آسمانی کتابیں ان کی مدح وثناء سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے ''عدنانی'' قبیلہ کے اشخاص کے فخر اور تمام رسولوں سے افضل'' مرحبا'' آپ نے اپنی امت کو نصیحت کر کے حق ادا کر دیا۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو باحسن طریقہ نبھایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ چلتے چلتے'' بیت المقدس'' کی وادی میں تشریف لے آئے۔ دیکھا تو آپ کے سامنے جہنم کو منکشف کر دیا گیا۔ پہاڑوں کی طرح اس کے شعلے لپک رہے تھے۔ دیکھنے والا ڈر جاتا تھا۔ آپ شہر بیت المقدس میں اس کی یمانی (دائیں) طرف سے داخل ہوئے۔ دیکھا تو مسجد کے بائیں حصہ میں ایک نور اور دوسرا دائیں حصہ میں اوپر اٹھتا دکھائی دیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ دونور کیسے ہیں؟ کہا بائیں طرف والا حضرت مریم صدیقہ کی قبر پر ہے۔ اور دائیں سمت والا حضرت داؤد علیہ السلام کے محراب پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بیت المقدس میں اس دروازہ سے داخل ہوئے جس سے سورج کی کرنیں آر پار ہوتی تھیں۔ اور چاند کی چاندنی اندر پڑتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ''براق'' کو صخرہ کے پاس لے آئے اور اسے باندھ دیا۔ وہاں (مسجد اقصیٰ میں) آپ نے اور جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعت نماز ''تحیۃ المسجد'' ادا کی۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ مسجد کے تمام کونے اور صحن لوگوں سے بھر گیا۔ آپ نے حضرات انبیاء کرام سے ملاقات کی۔ بعض رکوع، بعض سجود اور قیام میں اللہ رب العزت کی عبادت میں مصروف تھے۔ پھر مؤذن نے اذان کہی۔ اور نماز کی اقامت ہوئی۔ سب نے کھڑے ہو کر صفیں باندھیں اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا۔ آپ نے اس بھرے مجمع کو دو رکعت نماز پڑھائی اور کہا گیا۔ ہٹ جاؤ۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے آئے۔ اس میں آپ کی قدر ومنزلت کی بلندی کی طرف اشارہ ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کی ارواح سے ملاقات کی ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور بخششوں پر تعریف کی۔ جو اس نے ہر ایک پیغمبر کو عطا کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ میں اس خالق و مالک کی تعریف کرتا ہوں۔ جو بندے کا ظاہر و باطن جانتا ہے۔ تمام تعریفیں اس رب کائنات کیلئے سزاوار جس نے مجھے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔ جس نے مجھ پر فرقان نازل فرمایا کہ جس میں ہر معاملہ کا واضح بیان ہے۔ جس نے میری امت کو

''امت وسط'' بنایا۔ اور جس نے میری امت کو سب امتوں سے آخر میں پیدا کیا اور سب سے پہلے جنت الفردوس میں داخل فرمائے گا۔ جس نے میرا سینہ میرے لئے کھولا۔ اور مجھ سے میرے بوجھ کا میل اتار پھینکا۔ جس نے میرا چرچا بلند فرمایا ایسا کہ جب کوئی اس کا نام لیتا ہے تو ساتھ ہی میرا نام بھی آ جاتا ہے۔

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ اِلٰى اِسْمِهٖ ۔ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيَجِلَّهٗ ۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی اپنے نام کے ساتھ ملا دیا۔ جب مؤذن پانچ وقت کی اذان میں کلمہ شہادت کہتا ہے۔ اور اس نے اپنے نام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مشتق کیا۔ لہٰذا عرش کا مالک (خدا) محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تمام تعریف اس اللہ کی جس نے مجھے فاتح اور خاتم دیوان رسالت بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ انہی وجوہات کی بنا پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سب پیغمبروں پر فضیلت پائی۔ اس پر تمام انبیاء کرام نے آپ کو مبارک دی اور اس فضیلت کا یقین دلایا۔ پھر قیامت کے بارے میں ان میں گفتگو ہوئی۔ قیامت کی بعض نشانیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائیں۔ اور اس کی اشاعت ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ سے کی۔ میں اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی دو انگلیوں ایک شہادت کی انگلی اور دوسری پانچ میں سے درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب پیاس لگی۔ پس آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے۔ ایک دودھ سے اور دوسرا شہد سے بھرا ہوا تھا۔ ایک آپ کی دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب سے حاضر کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد والے پیالہ سے تھوڑا سا پیا۔ اور دودھ والے پیالہ سے سیر ہو کر نوش فرمایا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے بہت سے برتن لائے گئے۔ جن میں سے بعض میں پانی بعض میں شراب اور بعض میں شہد تھا۔ آپ نے پانی اور دودھ تھوڑا تھوڑا نوش فرمایا۔ پھر شراب آپ کی طرف بڑھائی گئی اور کہا گیا۔ پی لیجئے۔ آپ نے جواب دیا میں سیر ہو چکا ہوں۔ اب مجھے کوئی خواہش نہیں رہی۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ شراب آپ کی امت پر بہت جلد حرام کر دی جائے گی۔ آپ نے فطرت کو پا لیا ہے۔ اگر آپ شراب نوش فرما لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ اور اگر آپ صرف پانی پیتے تو ڈوب جاتی۔ اور آپ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ اور اس کے مصطفیٰ ہیں۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اس کے بعد معراج (سیڑھی) لائی گئی۔ جس کے ذریعہ مرنے کے بعد روحیں اوپر لے جائی جاتی ہیں۔ کائنات نے اس سے زیادہ خوبصورت معراج نہیں دیکھی۔ اس کا ایک زینہ سونے اور دوسرا چاندی کا ہے۔ یوں زینہ پر زینہ تھا۔ اب اس سیڑھی پر دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام) اوپر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آسمان دنیا کے دروازوں تک تشریف لے گئے۔ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو آج تک نہ اوپر گیا اور نہ نیچے آیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ آواز آئی۔ کون؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ ذات احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پوچھا کیا ان کی طرف تمہیں بھیجا گیا؟ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ہم انہیں مرحبا کہتے ہیں۔ کیا خوب ہے آنے والا اور کیا خوب ہے اس کا آنا۔ دروازہ دونوں کیلئے کھول دیا گیا۔ اچانک اس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنی چاندسی صورت میں دکھائی دیئے۔ ان پر روحیں پیش کی جاتی تھیں۔ پس آپ مومنین کو علیین اور کافروں کو سجین کا حکم دیتے تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ نے ان کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ کہا۔ آپ کے والد گرامی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور وہ جو آپ ان کی دونوں اطراف میں سیاہ چیزیں چیونٹیوں کی مانند دیکھ رہے ہیں۔ اور بائیں طرف کا دروازہ وہ جہنم کا دروازہ ہے۔ اور دائیں طرف کا جنت کا دروازہ ہے۔ پس جب آپ جنت میں داخل ہونے والوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے جنتی محلات میں داخل ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور جب جہنم میں داخل ہونے والوں کو دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے دستک دی اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ کنز مخفی کا در یتیم ہے۔ آواز آئی۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ کتنے عمدہ ہیں تشریف لانے والے۔ پھر دروازہ کھلا۔ تو فوراً سامنے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام دکھائی دیئے۔ دونوں ایک دوسرے کے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا۔ مرحبا کہا۔ اور دیکھتے ہی دعائے خیر کہی۔ پھر آپ تیسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ دائرۂ وجود کے نقطہ ہیں۔ آواز آئی۔ اہلاً وسہلاً ومرحبا۔ اللہ تعالیٰ اپنے عظیم خلیفہ کی عمر دراز کرے۔ دروازہ کھلا۔ سامنے حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے۔ جنہیں حسن و جمال کا وافر حصہ عطا کیا گیا۔

آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مرحبا کہا۔ اور آپ کی ملاقات پر بہت خوش ہوئے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

پھر آپ چوتھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل نے دستک دی۔ آواز آئی۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ ذات مصطفویہ ہے۔ آواز آئی مرحبا۔ اللہ تعالیٰ انہیں زندگی بخشے اور رحمتیں عطا فرمائے۔ دروازہ کھلا۔ سامنے حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے "بلند مکان" پر اٹھالیا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور دعائے خیر کی۔ پھر پانچویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل نے دستک دی۔ آواز آئی۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ اسرار ملکوتیہ کے راز ہیں۔ آواز آئی۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ جن کی دعوت کو لوگوں نے قبول کیا۔ دروازہ کھولا گیا۔ سامنے حضرت ہارون علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ آپ کی داڑھی مبارک ناف تک لمبی دکھائی دیتی تھی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مرحبا کہا۔ پھر چھٹے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل نے دستک دی۔ آواز آئی تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا۔ اعیان انسانیہ کی عین ہیں۔ جواب آیا۔ کائنات کے افق کے سورج! خوش آمدید۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ دیکھا تو ایک پیغمبر اکیلے بیٹھے ہیں۔ اور دوسرے بہت سے انبیاء کرام کے ساتھ ان کی قومیں اور ساتھی موجود ہیں۔ پھر آپ کا ایک بہت بڑی جماعت سے گزر ہوا۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین ہیں۔ لیکن آپ ذرا سر انور اٹھا کر اوپر دیکھیں۔ آپ نے اوپر دیکھا تو اس سے بھی بڑی جماعت دکھائی دی۔ جس نے ہر سمت گھیر رکھی تھی۔ کہا گیا۔ یہ آپ کی امت ہے۔ اور ان کے سوا ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاندکی طرح روشن تھے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

آپ جب ساتویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بجلیاں کوندتی اور گرج چمک کی آوازیں سنیں۔ حضرت جبرئیل نے دروازہ پر دستک دی۔ پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہیں شفاعت اور مقام رضا سے مختص کیا گیا ہے۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ نے روحانی فرشتوں کی تسبیح سنی۔ جو مختلف زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح

وتقدیس بیان کر رہے تھے۔ اس کی عفو و رضا کے امیدوار تھے۔ اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام جنت کے دروازے کے قریب دکھائی دیئے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور خوش آمدید کہا۔ اور کہا۔ کہ آپ اپنی امت کو کہیں کہ وہ جنت میں زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں۔ درخت لگانے کیلئے ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' پڑھیں۔ آپ نے وہاں ایک قوم دیکھی۔ جو سفید روشن چہرے والے تھے۔ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اور لوگ دیکھے جن کے رنگوں میں گدلا پن تھا۔ یہ لوگ نہروں میں داخل ہوئے۔ ان میں اچھی طرح غسل کیا۔ تو ان کے رنگ بھی دوسرے ساتھیوں کی طرح ستھرے ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ اور یہ نہریں کیسی ہیں؟ جواب ملا۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اچھے برے ملے جلے تھے۔ اور دوسرے لوگ ''مخلص'' تھے۔ اور ''نہریں'' اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت کی ہیں۔ آپ کو کہا گیا۔ یہ جگہ ان لوگوں کی ہے۔ جنہوں نے اپنا کام دنیا میں مکمل کر لیا۔ اور ''ملت حنفیہ'' پر دنیا سے روانہ ہوئے۔ آپ نے یہ سن کر تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کہی۔ پھر اچانک آپ کو اپنی امت دو حصوں میں بٹی نظر آئی۔ ایک حصہ نے سفید اور ستھرے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ دوسرے کے مٹیالے رنگ کے کپڑے تھے۔ یہ وہ تھے جن کے اعمال صالحہ کے ساتھ غیر صالح اعمال بھی تھے۔ آپ اس کے بعد ''بیت المعمور'' میں داخل ہوئے۔ اور جن لوگوں کے آپ کی امت میں سے سفید اور ستھرے کپڑے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اور دوسرے محروم رہے۔ لیکن سب سے اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ حسنیٰ'' کر رکھا ہے۔ وہاں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ داخل ہونے والے آپ کے امتیوں نے نماز ادا کی۔ دیکھا کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جنہیں دوبارہ قیامت تک باری نہیں ملتی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''ملاء اعلیٰ'' سے گزر ہوا۔ دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کی ہیبت سے بوسیدہ ٹاٹ کی طرح ہو گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر لے جایا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ کے دین کی اتباع کرنے اور آپ سے محبت کرنے والوں کی ارواح ہوں گی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت ہے جس سے چار قسم کی نہریں نکل رہی ہیں۔ ۱- تازہ اور میٹھے پانی کی نہر۔ ۲- دودھ کی نہر جس کا ذائقہ تبدیل شدہ نہیں۔ ۳- شراب کی نہر جسے پینے والے لذت پائیں گے۔ ۴- شہد خالص اور مصفّٰی کی نہر۔ یہ درخت اتنا بڑا

تھا کہ گھوڑسوار اگر ستر سال چلتا رہے۔تو اس کا سایہ طے نہ کر سکے۔اس کا ایک ایک پتہ اتنا بڑا کہ پوری مخلوق پر چھا جائے۔ یہ روایت طبرانی میں آئی ہے۔پھر اللہ تعالیٰ کے ''امر'' نے اس درخت کو ڈھانپ لیا۔جیسا بھی ڈھانپا۔کوئی اس کے ''محاسن ذاتی'' بیان نہیں کر سکتا۔آپ کو کہا گیا کہ آپ کی امت میں سے ہر ایک کی یہ ''انتہاء'' ہے۔جس نے آپ کا راستہ اختیار کیا اور آپ کی اتباع کی۔آپ نے دیکھا کہ اس میں سے ایک ''چشمہ'' پھوٹتا ہے جس سے دو نہریں بہتی ہیں۔ایک کا نام ''کوثر'' ہے۔جس پر جوہری خیمہ جات نصب ہیں۔ان پر سبز رنگ کے پرندے ہیں۔جنہیں دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔موتیوں کے بنے پتھروں پر یہ نہر بہتی ہے۔اس پر رکھے گئے پیالے آسمانی ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔آپ نے ان میں سے ایک پیالہ اٹھایا۔اور اس کا پانی پیا۔جبرئیل علیہ السلام بولے۔یہ نہر جو آپ نے دیکھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پردوں میں اسے صرف آپ کیلئے چھپا کر رکھا ہے۔دوسری نہر ''رحمت'' کی تھی۔آپ نے اس میں غسل فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے ''ماتقدم وماتأخر'' گناہ معاف کر دیئے۔یعنی انہیں آپ سے چھپا دیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات میں سے ایک ملبوس ''عصمت اور اللہ تعالیٰ کی حمایت'' ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اس کے بعد آپ جنت میں تشریف لے گئے۔وہاں وہ چیزیں تھیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے ان کی صحیح تعریف سنی اور نہ ہی کسی انسانی دل میں ان کا صحیح تصور آیا۔اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس قسم کی نعمتیں پرہیزگاروں کیلئے تیار کر رکھی ہیں۔جن میں کبھی بوسیدگی اور فناء نہیں۔آپ نے دیکھا۔ کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔اور قرض کا ثواب اٹھارہ گنا ہے۔آپ نے قرض کی افضلیت کے بارے میں پوچھا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔وجہ یہ ہے کہ قرض لینے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے جب اسے اپنی ضروریات وحاجات پوری ہوتی مشکل نظر آئیں۔دیکھا۔تو حوران جنت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال کرنے کھڑی ہیں۔آپ نے جنت کو ایک سفید موتی میں دیکھا۔اس کی مٹی مشک کی تھی۔جس کی خوشبو آ رہی تھی۔آپ نے آہٹ سنی۔جو جنت میں موتیوں والے گھاس سے آ رہی تھی۔آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔یہ کیا ہے؟ کہا یہ بلال مؤذن ہے۔ابوبکر صدیق کا آزاد کردہ غلام۔اس کے بعد آپ کے سامنے جہنم کی آگ لائی گئی۔دیکھا تو اس کا خازن بہت بارعب ہے۔اور تیوری چڑھائے ہوئے ہے۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سلام کیا۔پھر دروازہ

جہنم بند کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ کی طرف اور اوپر تشریف لے گئے۔ انوار الٰہیہ نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ چاروں طرف فرشتے تھے۔ آپ کو کہا گیا کہ آپ کا پروردگار کہتا ہے۔ میں ہر عیب سے پاک اور منزہ ہوں۔ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔ آپ کو اور بلندی پر لے جایا گیا۔ حتیٰ کہ آپ ''مستوی'' پر پہنچے۔ تو آپ نے ان قلموں کی آواز سنی۔ جو تقدیر و قضاء باری تعالیٰ تحریر کرتی ہیں آپ نے ایک شخص دیکھا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا اس قدر انعام یافتہ یہ کون ہے؟ کیا نبی مرسل ہے یا ملک مقرب ہے؟ یا کوئی اور ہے؟ آواز آئی۔ یہ وہ شخص ہے جس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر وقت تر رہتی تھی۔ اور اس کا دل مسجدوں کی طرف لٹکا رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے والدین کو گالی نہیں دلوائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد اور اوپر تشریف لے گئے۔ اور آپ کیلئے انوار جلالیہ کے پردے مکشوف کر دیئے گئے۔ آپ رب العزت کے قریب ہو گئے۔ اور قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمان کے ملنے کا فاصلہ رہ گیا۔ یا اس سے بھی کم۔ باری تعالیٰ کی تجلیات کے بادلوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جبرئیل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ اور آیت پڑھی۔ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ (الصافات) ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے پس آپ پردوں کو عبور کر گئے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ بلندی پر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم شکل کر دیا۔ جو ان کی حسی شکل و صورت تھی۔ وہی اس کی بنا دی۔ تا کہ اس قدر بلندی پر جا کر آپ سے موانست ہو۔ حتیٰ کہ آپ ذات باری تعالیٰ کے حضور سجدہ میں پڑ گئے۔ جس کے حضور بڑے بڑے چہرے جھک جاتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذات باری تعالیٰ کا سر انور کی آنکھوں سے دیدار کیا۔ جو کیف و کمیت سے ممتاز تھا۔ اگرچہ آپ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آپ نے اپنے سر انور کی آنکھوں سے جاگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہیں؟ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے بلا ریب و اشتباہ دیدار کیا۔

وَ تَـرَقّٰی بِـهٖ اِلٰـی قَـابَ قَـوْسَـــــــیْنِ وَ تِلْـكَ السِّـــــیَادَةُ الْقَعْسَــــاءُ

رُتَبٌ تَسْقُطُ الْاَمَانِیُّ حَسْرٰی دُوْنَهَا مَا وَرَآءَ هُنَّ وَرَآءُ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قاب قوسین تک بلندی عطا فرمائی۔ اور یہ سیادت عظمیٰ اور قابل فخر وہ عظیم رتبہ ہے جس کے بہت نیچے خواہشات و آرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے آگے بھی مقامات ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پایا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب! مانگو تمہارا ہر سوال پورا کر دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا۔ یا اللہ! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل" بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو "کلیم" کا خطاب دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل کا علم دیا۔ اور ان کی والدہ کو شیطانی چوکوں سے محفوظ رکھا۔ ارشاد ہوا۔ ہم نے آپ کو "حبیب" بنایا۔ آپ تورات میں "حبیب اللہ" تھے۔ میں نے تمہیں "سبع مثانی" اور سورۃ بقرہ کی آخری "آیات" عطا فرمائیں۔ "حوض کوثر" دیا۔ اور اسلام کے آٹھ حصہ جات دیئے۔ اس کی آٹھ بنیادیں عطا کیں۔ نماز اور زکوٰۃ دی۔ عملی طور پر تمہاری امت کیلئے پچاس نمازیں فرض کیں۔ لہٰذا آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کرنا۔ اس کے بعد بادل چھٹ گیا۔ آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ پر آپ کے رب نے کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا۔ پچاس نمازیں روزانہ، عرض کی۔ حضور! واپس تشریف لے جائیے۔ اور اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ جلدی واپس گئے۔ اور درخت کے قریب پہنچ گئے، انوار سبحانیہ کے بادلوں نے آپ کو پھر گھیر لیا۔ سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے پانچ یا دس نمازیں باختلاف اقوال و روایات معاف کر دیں۔ واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور بتایا کہ تخفیف ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ دوبارہ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ کیونکہ آپ کی امت کمزور ہے اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے اور ہر مرتبہ تخفیف ہوتی۔ اور بادل بھی آپ کو گھیرتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب! پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز دس نمازوں کے برابر ہوگی۔ جیسا کہ ازلی ارادہ ہو چکا ہے۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی۔ اور نہ ہی میری کتاب میرے سوا کوئی منسوخ کر سکتا ہے۔ میں ہی معبود یکتا ایسا کر سکتا ہوں۔ اور نیکیوں کا ثواب دس گناہ کر دیا ہے۔ اور جو نیکی کا ارادہ کرے گا۔ اس نے اگرچہ عملی طور پر وہ نیکی بھی نہ کی۔ پھر بھی اسے ثواب دیا جائے گا۔ اور گناہ اگر کیا تو اس کی سزا ایک گناہ کی ہوگی۔ اور اگر گناہ کا ارادہ کر کے عملی طور پر نہ کیا۔ تو کوئی سزا نہ ہوگی۔ پھر جب نیچے تشریف لائے تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا۔ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ آپ نے اس مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اب مجھے واپس جاتے ہوئے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اور میں اس کے فیصلہ کردہ احکام پر راضی ہوں۔ اتنے میں کسی آواز دینے والے نے آواز دی۔ میں نے بیشک اپنا فرض نافذ کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ اس کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اب نیچے تشریف لے جائیے۔ آپ نے کہا۔ بسم اللہ۔

وَاِنَّما السِّرُّ لِی مُوْسٰی یُرِدُدُہٗ لِیَجْتَلِیَ حُسْنَ لَیْلٰی حِیْنَ یَشْھَدُہٗ

یَبْدُو سَنَاھَا عَلٰی وَجْہِ الرَّسُوْلِ فَیَا لِلّٰہِ دَرُّ رَسُوْلٍ حِیْنَ اَشْھَدُہٗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بار بار عرض کرنا کہ حضور واپس تشریف لے جائیں۔ اس میں راز یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کا جلوہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے جلوے ظاہر تھے۔ کیسی قسمت اس عظیم المرتبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنہوں نے انوار و تجلیات کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

ہر آدمی اپنے مذہب کا لحاظ کرتا ہے۔ ہر شخص اپنا مشرب جانتا ہے۔ ظاہری علماء اس کا مطلب اپنے طور پر بیان کرتے ہیں۔ حضرات صوفیاء کرام کسی اور رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی عبارات مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہے۔ اور سب کا اشارہ اسی جمال کی طرف ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت کے قریب سے گزرے۔ تو انہوں نے یہ کہا۔ آپ اپنی امت کو حجامت (سنگھی لگوانا) کا ضرور ارشاد فرمانا۔ یہ وصیت انہوں نے بکثرت کی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان دنیا کی طرف اترنے لگے۔ تو آپ نے اس سے نیچے دیکھا۔ شور و غل اور طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے کے علاوہ دھواں دیکھا۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ کہا یہ شیطان کا گروہ ہے۔ اولاد آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے ہیں۔ تاکہ وہ "املاک علویہ" میں غور و فکر نہ کرسکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عجیب و غریب مخلوقات دکھائی دیتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی کیلئے سوار ہوئے۔ جب قریش کے ایک اونٹ کے قریب سے گزرے۔ تو وہ اس کھلی زمین میں بھاگ نکلا۔ ان میں سے ایک اونٹ کو مرگی کا مرض لاحق ہوگیا۔ اور جب آپ اس کے سامنے آئے تو وہ ٹوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریش کے ایک قافلہ سے گزر ہوا۔ جن کا ایک اونٹ کھو گیا تھا۔ ان میں سے ایک نے اسے بڑی ہمت سے پکڑ رکھا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ ان میں سے ایک بولا۔ یہ آواز "محمد بن عبداللہ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معلوم ہوتی ہے۔ پھر آپ صبح سے تھوڑا پہلے مکہ مکرمہ اپنے ساتھیوں میں واپس آگئے۔ جب صبح ہوئی۔ آپ غمزدہ حالت میں تشریف فرما تھے۔ اور

آپ کا خیال تھا کہ لوگ آپ کے "اسراء اور معراج" کی تکذیب کریں گے۔ رئیس الکفار ابو جہل وہاں سے گزرا۔ اور ٹھٹھا مذاق کے انداز میں پوچھنے لگا۔ کوئی نئی خبر ہے؟ اس کا ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنگ کرنے اور پریشان کرنے کا تھا۔ یہ سن کر صادق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔ کہنے لگا۔ پھر آپ راتوں رات واپس ہمارے درمیان بھی آ گئے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اس نے اسے بہت عجیب اور انہونی بات سمجھا۔ اسے اس وقت اس بات کے جھٹلانے کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر میں نے لوگوں کو بتایا اور لوگوں نے آ کر ان سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے یہ کہا ہے کہ میں رات کو بیت المقدس گیا اور آ گیا۔ اگر آپ نے اس وقت انکار کر دیا تو لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ لہٰذا کہنے لگا۔ اگر میں آپ کی قوم کو بلا کر لاؤں۔ تو کیا آپ ان سے یہی بات کریں گے۔ جو میرے ساتھ کی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ابو جہل نے لوگ اکٹھے کئے۔ شہر مکہ کے بہت سے لوگ آپ کے پاس آ گئے۔ ابو جہل نے سب کے سامنے کہا۔ انہیں وہی بات بتاؤ جو مجھے بتائی تھی۔ آپ نے وہی کہا جو اس سے قبل اکیلے ابو جہل کو بتا چکے تھے۔ جس کا جہنم ٹھکانہ ہے۔ اب یہ بات سن کر کچھ لوگ تو تالیاں پیٹنے لگے۔ اور کچھ نے اسے ویسے ہی ناممکن کہا۔ کہ اس قدر طویل مسافت رات میں کیسے طے کی جا سکتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنے سروں پر ہاتھ رکھے اور حیران و ششدر رہ گئے۔ مطعم بن عدی جہنمی نے اس کی تکذیب کی۔ اللہ اس بے ایمان کو ٹھوکر کھلائے۔ اور اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ ڈالے۔ کہنے لگا۔ ہم یہ سفر ساٹھ دن رات میں طے کرتے ہیں۔ اور اونٹوں کے جگر جواب دے جاتے ہیں۔ اور تو گمان کرتا ہے کہ تو نے ایک رات میں یہ سفر طے کر لیا ہے؟ اس نے لات وعزیٰ کی قسم اٹھائی۔ کہ میں قطعاً اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ تو نے جو بکا۔ بہت برا بکا ہے۔ تو نے اپنے چچا زاد بھائی کو جھٹلایا ہے۔ حالانکہ وہ تمام ہاشمی خاندان کے سردار ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ اور امن دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابو بکر صدیق سے راضی ہو گیا۔ اور انہیں راضی کر دیا۔

لوگ بولے۔ یا محمد! بیت المقدس کے حالات ہمارے سامنے بیان کریں۔ اور اس کی علامات و اوصاف بتائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اوصاف بیان کرنے شروع کر دیئے۔ فرمایا۔ فلاں فلاں اس کی شکل وصورت ہے۔ فلاں پہاڑ کے قریب ہے۔ آپ یکے بعد دیگرے اس کی صفات بیان کرتے گئے حتیٰ کہ کچھ اوصاف خلط ملط ہو گئے۔ آپ کو اس سے انتہائی صدمہ ہوا۔ زندگی بھر ایسا صدمہ نہ ہوا تھا۔ پھر مسجد اقصیٰ کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ اور دار عقیل یا عقال کے قریب لا کر رکھ

دی گئی۔ یہ راوی کا شک ہے۔لوگوں نے آپ سے اس کے دروازوں کا سوال کیا۔آپ نے اسے دیکھا اور ایک ایک دروازہ گن کر بتا دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔آپ نے سچ کہا۔آپ نے سچ کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔لوگوں نے کہا کہ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں تمام باتیں صحیح صحیح بتائی ہیں۔اور پوچھا۔اے ابوبکر! تم ان کی تصدیق کرتے ہو؟ فرمایا۔ہاں میں ان کی تصدیق ان باتوں میں کرتا ہوں۔ جو صبح وشام آپ ہمیں آسمانی خبریں دیتے ہیں۔ جب ان کی تصدیق کرتا ہوں تو بیت المقدس آنے جانے کی کیوں تصدیق نہ کروں؟ اسی وجہ سے آپ کا لقب ''صدیق'' ہوا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا۔حتیٰ کہ اپنی قمیض میں کانٹے کے بٹن لگا لئے۔

لوگوں نے پھر آپ سے پوچھا۔ ہمارے قافلہ کے بارے میں بتائیں اور اس کی صحیح صحیح خبر دیں؟ آپ نے اس قافلہ کے بارے میں حقیقت حال بتائی۔اور بتایا کہ فلاں جگہ فلاں قافلہ اور فلاں جگہ فلاں واقعہ پیش آیا۔اور فرمایا۔ہاں ہاں ''ثنیہ'' سے تمہیں آتا دکھائی دے گا۔ بدھ کے دن آئے گا۔ لوگ چھتوں پر چڑھ کر انتظار کرنے لگے۔شام ہونے کے قریب وقت ہو گیا۔لیکن قافلہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آپ کی خاطر اس دن اللہ تعالیٰ نے عصر کا وقت تھوڑا سا بڑھا دیا۔سورج کو ڈوبنے سے روک دیا گیا۔حتیٰ کہ قافلہ آ گیا۔شہر میں داخل ہو گیا۔یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکذیب کرنے والوں کو ذلیل ورسوا کیا۔ان باتوں کو دیکھ کر کفار ومشرکین نے آپ کو جادوگر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن کریم کی واضح آیات نازل فرمائیں۔وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ہم نے جو آپ کو منظر آنکھوں سے دکھایا۔وہ لوگوں کیلئے آزمائش اور امتحان تھا۔یعنی ان لوگوں کیلئے جنہیں شیطان نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔اور گمراہ کر دیا تھا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اسراء سے واپس آ گئے تو آپ کے جسم اقدس سے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبو محسوس ہوتی تھی۔جس سے کائنات میں خوشبو پھیل گئی۔اب یہیں بدیع باغات کے حوض سے پھوٹتے چشموں کے سوتے کو روکنے کا وقت آ گیا۔اور حیرانی کے میدانوں میں تلاش کرتے ہاتھوں کو روکنے کا وقت آ گیا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ

اے اللہ! اے وہ ذات جس کے حضور معافی کے خواستگاروں کے معافی کیلئے ہاتھ اٹھے ہیں۔ پھر تیری طرف سے اور تیری عطاء کے بادلوں نے ان کو سیراب کر دیا۔ اے وہ ذات جو اغیار اور مثلیت سے بلند و بالا ہے۔ اے وہ ذات! جس کی رحمت فرمانبرداروں اور نافرمانوں سب کیلئے وسیع ہے۔ اے وہ ذات! جو سیاہ تاریک اندھیروں میں مچھر کے پروں کا پھیلانا جانتی ہے۔ اور جب اندھیرے اپنے پردے لٹکا دیتے ہیں تو مچھروں مکھیوں کی ٹانگوں کی آواز سنتی ہے۔ تجھ سے تیرے عظیم انوار جلی کے واسطہ سے ہم سوالی ہیں۔ وہ انوار جلی جو دلوں کے زنگ اور میل کو دور کرتے ہیں۔ اور ہم تیری بارگاہ میں صاحب مقامات عالیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لاتے ہیں۔ جنہیں کل عدل و انصاف کے دن شفاعت عظمٰی کا منصب عطا ہوگا۔ اور ہم تجھے اس شخصیت کے واسطہ دیتے ہیں۔ جس کو تو نے اپنی مقدس بارگاہ کا مخصوص قرب عطا فرمایا اور سر کی آنکھوں سے اپنا مشاہدہ عطا کیا۔ جو خالص عزت اور مرتبہ کے مصفی ہیں۔ اور آپ کی ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے پاک عزت کا واسطہ دیتے ہیں اور آپ کے تمام ممتاز صحابہ کرام کا جو ہدایت کے پاسبان ہیں اور ان کے ان وارثوں کا جو حسی اور معنوی فضائل کے وارث ہیں۔ اور ہر ایک بندے کا واسطہ دیتے ہیں جو اپنے مولیٰ کا مقرب اور اس سے ہدایت یافتہ ہے۔ اور آپ کی تمام امت کا واسطہ جو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ سے مخصوص ہے۔ اور ان کے راہنماؤں اور پیشواؤں کا واسطہ ہے کہ تو ہماری دینی مہمات کو پورا فرما دے اور ہم میں سے ہر ایک کا دینی اور اخروی مقصد پورا فرما دے۔ اور اپنی رحمت کے دودھ کے پیاسوں کو بہترین دودھ مرحمت فرما۔ اور اپنی آزمائش کے بیماروں کو شفاء عطا فرما۔ اور ہمارے افہام کے مشام کو پاکیزہ قبولیت سے چاک فرما۔ اور ذہن کے سواروں کو جو راستہ طے کر رہے ہیں انہیں ڈاکوؤں اور ظالموں سے محفوظ رکھ۔ سستی، حسد اور نفسانیت کی بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینک۔ اور اس مبارک جماعت کو اس کے نیک مقاصد عطا فرما۔ اور قلبی بیماریوں کے خطرات سے بچا۔ اور انکساری کے طبیب میں ہمارا علاج رکھ۔ نفس ذلیل کی خواہشات کے مضبوط ہاتھوں کو روک دے۔ اور اپنے خوف کے بادشاہ سے اپنے عقاب اور اپنی اذیت سے تحفظ فرما۔ ان لگاتار گرتے آنسوؤں پر رحم فرما۔ گرمی میں جلے جگروں کو ٹھنڈک عطا کر۔

اے اللہ! اقوال و افعال میں ہمارے مخصوص اعانت اور خلوص سے نواز۔ عجب اور خودنمائی کے خیالات سے سلامتی میں رکھ۔ ان نیکیوں کے مراکز کو حفظ اور سرمدی رعایت سے مخصوص فرما۔ اور فردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرما۔ اور حکمرانوں کی اصلاح فرما۔ خاص کر دولت عثمانیہ کے بادشاہوں کی

اصلاح فرما۔ اور رعایۃ میں انہیں عدل و انصاف کا الہام بخش۔ اور برزنجی سے درگزر فرما۔ جس نے اسراء و معراج کا واقعہ قلمبند کیا۔ یعنی تیرا کمترین بندہ زین العابدین بن محمد جو اپنی خطاؤں اور تقصیر کا اقراری ہے۔ اور اسے بھی تو اپنے ان مخصوص بندوں میں شامل کر لے۔ جو تیرے پسندیدہ ہیں۔ اور اسے بھی ان کی سنگت عطا کر جو انعام یافتہ یعنی حضرات انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اور ان کا جو مقام و ٹھکانہ ہے وہ اسے بھی عطا فرما۔ اس پر، اس کے والدین پر، حاضرین، ان کے والدین پر احسان فرما کر سب کو کامیابی، امان اور شہودیت عطا فرما۔ اور ان میں سے ہر ایک کی منزل ''مقعد صدق'' بنا دے۔ اور ان کے اشیاخ، احباب، اہل نسب کو معاف کر دے اور ان خصائص نبویہ کے لکھنے والے پر معافی کے پردے ڈال دے۔ ان کے سننے والوں اور پڑھنے والوں کی امیدوں کو اپنے انعام سے پورا فرما۔

اے اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما۔ جنہیں معراج جسمانی اور رفرف کے ذریعہ تو نے عطا فرمایا۔ اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر بھی رحمتیں نازل فرما۔ جو امت کے ولی اور اس کے داعی ہیں۔ اس وقت تک جب تک سخاوت کے آسمان تنے ہوئے ہیں۔ اور اس کے سائے دراز ہیں۔ اور انمٹ خوشبوئیں انہیں عطا فرما۔ اس وقت تک جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کی خبریں اور باتیں افکار کے پھولوں کے دانتوں پر جاری ہیں۔ اور اعلیٰ براعۃ کی دلہنیں خوبصورت اور موتیوں سے جڑی پوشاک زیب تن کرتی ہیں۔ یہاں حسن خاتمہ کی تاریخ انتہائی غایت کو پہنچی۔ اور مشاہدہ کے میدانوں میں خوشبوؤں نے سر جھکا دیئے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

# الامام العلامہ السید جعفر بن حسن البرزنجی
## المتوفی ۱۱۷۹ھ

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کا بینظیر اور مشہور ''مولود'' ہے۔ اور میرے علم کے مطابق وہ ان کی کاوش ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں ذات عالیہ کے نام پاک سے تحریر کی ابتداء کرتا ہوں۔ برکات کے فیض سے نفع اٹھانے والا اور اس کا حقدار بن کر کلام کی ابتداء کرتا ہوں۔ اور میں ایسی حمد وثناء کرتا ہوں جس کے چشمے میٹھے اور خوش کن ہیں۔ شکر جمیل سے اس کی سواریوں کو تیار کرتے ہوئے رطب اللسان ہوں۔ اور میں اس نور پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہوں جو تقدم اور اولیت سے موصوف ہے۔ جو مقدس وکریم پیشانیوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اس رضوان کا بھی خواہ ہوں جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک عزت کو عطا فرمائی۔ اور حضرات صحابہ کرام اور ان کے متبعین کو اور ان کے چاہنے والوں کو عام طور پر عطا فرمائی۔ اور میں واضح اور جلیل راستوں پر چلنے کی ہدایت کا سوالی ہوں۔ اور ہر غلطی اور گناہ کی طرف اٹھنے والے ہر قدم سے اس کی حفاظت مانگتا ہوں۔ اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک کی خوبصورت چادریں بچھاتا ہوں۔ سب سے پہلے میں آپ کے نسب شریف کے موتیوں کی مالا بناتا ہوں۔ جو اپنی خوبصورتی اور لذت سے کانوں کو مزین کر دے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے حول اور مضبوط قوت سے مدد چاہتا ہوں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَتَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ۔

اے اللہ! حضور سرور کائنات کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مشک کی خوشبو سے معطر فرما۔ اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ وسلام اور برکت نازل فرما۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یہ ہے۔

سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ان کا نام شیبۃ الحمد تھا۔ ابن ہاشم ان کا نام عمرو تھا، ابن عبد مناف ان کا نام مغیرہ تھا۔ ابن قصی ان کا نام مجمع تھا۔ قصی اس لئے نام پڑا۔ کہ قضاعہ کے دور دراز شہروں میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں حرم محترم میں لے آیا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت

کی۔ ابن کلاب ان کا نام حکیم تھا۔ ابن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہران کا نام قریش تھا۔ اور تمام قریشی شاخیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ ان سے اوپر والے ''کنانی'' کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر حضرات نے اس طرف میلان کیا۔ اور اسے پسندیدہ قول بتایا۔ ابن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''بدنۃ'' (قربانی کا اونٹ) حرم محترم کی طرف بھیجا۔ اور ان کی پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذکر کرتے سنا گیا۔ اور تلبیہ کہتے پایا گیا۔ ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہ مالا وہ ہے جس کے سنت مطہرہ کی انگلیوں نے موتی پروئے ہیں۔ اور اس سے آگے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نسب مرفوع ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدنان سے آگے کچھ بیان نہیں فرمایا۔ اور عدنان یقیناً نسب کے ماہر علماء کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ان کی نسبت ہے۔ کس قدر عظیم ہے یہ مالا جس میں چمکتے ستارے پروئے گئے۔ اور عظیم کیوں نہ ہو جب اس کا واسطہ مبارکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

نَسَبٌ تَحسَبُ العُلَا بِحُلاهُ ... قَلَّدَ تْها نُجو مَهَا الجوزَاءُ

حَبَّذَا عِقدُ سُؤدَدٍ وَ فَخارٍ ... اَنْتَ فِيهِ اليَتِيمَةُ العَصْمَاءُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف وہ ہے جس کی بلندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبصورتی کی وجہ سے ہے۔ یہ وہ عظیم نسب ہے جس کے ستاروں کو جوزا نے گلے کا ہار بنایا۔ بہت ہی شان دار وہ مالا ہے جس کے سارے موتی سردار اور قابل فخر ہیں۔ اور اس مالا میں ''دریتیم'' آپ کی شخصیت ہے۔

کس قدر کریم ہے یہ نسب جسے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا۔ علامہ زین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کس خوبصورت پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حَفِظَ الِا لَهُ كرامَةً لِمُحمّدٍ ... آباءَ هُ الاَمْجَادَ صَونًا لِاسمِه

تَرَكُوا السَّفَاحَ لَمْ يُصِبْهُمْ عارُهُ ... مِن اٰدَمَ وَاِلَى اَبِيهِ وَ اُمِّهِ

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت کی خاطر آپ کے آباؤ اجداد کی حفاظت فرمائی۔ تاکہ آپ کے نام پاک پر دھبہ نہ آنے پائے ان سب نے بدکاری نزدیک نہ آنے دی اور حضرت آدم سے لیکر آپ کے والدین کریمین تک کسی کو بدکاری کی تہمت نہ لگائی گئی۔

آپ کے سلسلہ میں تمام حضرات وہ سردار ہیں۔ جن کی روشن پیشانیوں میں نور نبوت چلتا رہا۔ اور اس کا چاند آپ کے جد امجد عبد المطلب کی جبیں اور ان کے بیٹے عبد اللہ کی مبارک پیشانی میں ظاہر ہوا۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم ـ بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب اللہ تعالیٰ نے ''حقیقت محمدیہ'' کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپ کی صورت، جسم، روح اور معنی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ تو اس ''نور محمدی'' کو سیدہ آمنہ زہرا رضی اللہ عنہا کی سیپ میں جگہ دی۔ اور اللہ قریب مجیب نے سیدہ آمنہ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی۔ کہ آپ کی والدہ ہونے کا شرف پایا۔ آسمانوں میں اعلان کیا گیا۔ کہ سیدہ آمنہ نے اللہ تعالیٰ کے انوار ذاتیہ کو اپنے اندر جگہ دے دی۔ اور باد بہاری نے ہر طرف اس خبر کو پھیلا دیا۔ اور زمین کو عرصہ دراز تک خشک رہنے کے بعد نباتات کی سندسی پوشاک عطا کی گئی۔ پھل درختوں پر لگے۔ اور درختوں نے پھل چننے والوں کیلئے اپنی ٹہنیاں جھکا دیں۔ قریش کے ہر چارپائے نے فصیح عربی زبان میں آپ کے شکم مادر میں تشریف لانے کی خوشخبری دی۔ بت اور محلات کے کنگرے منہ کے بل گر پڑے۔ مغرب کے جنگلی پرندوں نے مشرق کے پرندوں اور بحری مخلوق نے دوسری بحری مخلوق کو خوشخبری سنائی۔ کائنات نے اس خوشی سے سرور کے بھرے پیالے پیے۔ جنات نے آپ کے دور کی بشارت دی۔ کاہن غیبی خبروں سے روک دیئے۔ رہبانیت نے خوف کھایا۔ آپ کی آمد کی خبر پر ہر باخبر عالم شیفتہ ہو گیا۔ اور آپ کے حسن بھرے رنگ میں بے خود ہو گیا۔ آپ کی والدہ کو خواب میں کہا گیا۔ کہ تمہارے پیٹ میں سید العالمین اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت جلوہ فرما ہیں۔ جب وہ پیدا ہوں۔ تو ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔ اس لئے کہ ان کے ہر فعل وقول کی تعریف کی جائے گی۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم ـ بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے دو ماہ گزر گئے۔ تو اقوال مرویہ مشہورہ کے مطابق آپ کے والد جناب عبداللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا۔ آپ وہاں اپنے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ جن کا بنوعدی میں سے بنونجار قبیلہ سے تعلق تھا۔ آپ وہاں ان میں ایک ماہ رہائش پذیر رہے۔ کیونکہ آپ بیمار پڑ گئے تھے۔ وہ آپ کی بیماری میں مدد کرتے اور آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ جب آپ کو والدہ کے پیٹ میں قول راجح کے مطابق نو ماہ قمری گزر گئے۔ تو وہ وقت آ گیا کہ زمانہ اپنی خوشی کا اظہار کرے۔ آپ کی والدہ کے پاس شب ولادت حضرت آسیہ اور حضرت مریم دوسری بہت سی مقدس عورتوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ آپ کی والدہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ جو نور تھے اور جن کی روشنی پھیل رہی تھی۔

وَ مُحَيَّا كَالشَّمْسِ مِنْكَ مَضِيْءٌ      اَسْفَرَتْ عَنْهُ لَيْلَةٌ غَرَّاءُ
لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ الَّذِي كَانَ لِلدِّيْنِ      سُرُوْرٌ بِيَوْمِهٖ وَازْدِهَاءُ
يَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهِ ابْنَتُ وَهْبٍ      مِنْ فُخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَآءُ
وَاَتَتْ قَوْمَهَا بِاَفْضَلَ مِمَّا      حَمَلَتْ قَبْلُ مَرْيَمُ الْعَذْرَاءُ
مَوْلِدٌ كَانَ مِنْهُ فِي طَالِعِ الْكُفْرِ      وَبَالٌ عَلَيْهِمْ وَ وَبَاءُ
وَ تَوَالَتْ بُشْرَى الْهَوَاتِفِ اَنْ قَدْ      وُلِدَ الْمُصْطَفٰى وَ حَقَّ الْهَنَاءُ

اور چہرۂ انور گویا سورج آپ سے روشن کیا گیا ہے۔ اور سیاہ رات اس سے خوب روشن ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی رات وہ ہے جس کے دن سے دین کو سرور اور رونق ملی۔ وہ مبارک دن کہ اس دن وھب کی صاحبزادی سیدہ آمنہ نے آپ کو جنم دیا۔ اس جنم دینے سے انہیں وہ فخر نصیب ہوا جو دنیا میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ اپنی قوم کو ایسا فرزند دیا جو مریم کنواری کے ہاں پیدا ہونے والے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہے۔ ولادت سرور کائنات ایسی کہ کفر کی قسمت پر وبال اور وبا چھا گئی۔ اور غیب سے متواتر بشارتیں آنے لگیں۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوچکی۔ اور مبارک بادی سے فضائیں جھومنے لگیں۔

اسے خوب یاد رکھو۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تذکرہ کے وقت قیام کرنا ''مستحسن'' ہے۔ اسے صاحبان روایت اور عقلمندوں نے بنظر استحسان دیکھا ہے۔ لہٰذا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے مقاصد اور مطالب کی انتہاء یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہو۔

عَطِّرَ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ تو آپ نے ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے تھے۔ اور سر انور آسمان کی طرف بلند تھا۔ اس بلندی سے آپ اپنی سیادت اور بلندی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اور یہ اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ کی قدر و منزلت تمام کائنات پر بلند ہے۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حبیب ہیں۔ جن کی عادات اور خصائل نہایت حسین ہیں۔ آپ کی والدہ نے جناب عبدالمطلب کو بلوایا۔ اس وقت آپ طواف میں مصروف تھے۔ آپ جلدی سے آگئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ وہ آپ کو کعبہ میں لے گئے۔ اور

خلوص نیت سے دعا میں مشغول ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما کر احسان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف ستھرے، ختنہ شدہ اور ناف کٹی ہوئی پیدا ہوئے۔ جسم اقدس سے خوشبو آ رہی تھی۔ اور تیل لگا ہوا آنکھوں میں سرمہ پڑا ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا ختنہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے کیا تھا۔ جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تھی۔ اور اس وقت ولیمہ کیا اور عام دعوت کی۔ اور آپ کا اسم گرامی ''محمد'' رکھا۔ اور ان کو بہترین جگہ رکھا۔

عَطِّرِ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت بہت سے غیبی خوارق اور انوکھے واقعات رونما ہوئے۔ یہ آپ کی نبوت کی ابتداء تھی۔ اور ان واقعات سے یہ بتانا تھا۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مختار و مجتبیٰ ہیں۔ آسمانوں کی حفاظت سخت کر دی گئی۔ اور اس کی طرف چڑھنے والے سرکش جنات اور شیاطین کو واپس دھکیل دیا گیا۔ اور جب بھی کوئی مردود رجیم اوپر جانے کی کوشش کرتا تو اسے آگ کے گولوں سے مارا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے آسمانی ستارے جھک گئے۔ اور ان کی روشنی سے حرم کی پست و بلند زمین چمک اٹھی۔ اور آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا۔ جس کے ساتھ شام کے محلات روشن ہو گئے۔ سرزمین مکہ کے رہنے والوں نے شام کے مکانات اور غیر آباد جگہیں دیکھیں۔ مدائن میں کسریٰ کے ایوان لرز اٹھے۔ جنہیں نوشیروان نے تعمیر کیا تھا۔ اور خوب بلند کر کے بنایا تھا۔ اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور کسریٰ کا تخت دہشت سے ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایرانی ممالک میں جلائی گئی آگ جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ کے چمکتے چاند اور روشن چہرہ سے بجھ گئی۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا۔ جو قم اور ہمدان کے درمیان واقع ہے اس کی تباہ کن موجیں اور اس بحیرہ کے سوتے خشک ہو گئے۔ اور وادی سماوہ بہہ نکلی۔ یہ خشکی اور جنگلی علاقہ میں واقع ایک جگہ ہے۔ اس میں اس سے قبل پیاس سے مرنے والے کیلئے بھی پانی نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی جگہ مکہ مکرمۃ میں ''عراص'' کے نام سے معروف ہے۔ اس پاکیزہ شہر میں جس کے نہ درختوں کو کاٹنے کا حکم ہے اور نہ اس کی گھاس اکھیڑنے کی اجازت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے سال میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور مہینہ اور دن بھی مختلف بیان کئے جاتے ہیں۔ علماء کرام کے اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ راجح یہ ہے کہ آپ بارہ ربیع الاول کی صبح صادق سے تھوڑا سا پہلے عام الفیل میں کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ ''عام الفیل'' سے مراد وہ سال ہے جس سال ''ابرہ'' نے کعبہ پر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

''ابابیل'' سے اسے شکست دی۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ نے کئی دن تک دودھ پلایا۔ پھر ثویبہ اسلمیہ نے دودھ پلایا۔ جسے ابولہب نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تھی۔ ''ثویبہ'' نے جب آپ کو دودھ پلایا۔ تو اس وقت خود اس کا اپنا بیٹا ''مسروح'' اور بیٹی ابی سلمۃ بھی شریک دودھ تھے۔ آپ سے پہلے ''ثویبہ'' حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلا چکی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے ''ثویبہ'' کیلئے ان کی شایان شان کپڑے وغیرہ ارسال فرمایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ان کے انتقال تک جاری رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ ''ثویبہ'' کا انتقال اس کی قوم جو جاہلیت کی ایک قوم تھی۔ اس کے دین پر ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ ابن مندہ نے اس کی حکایت کی اور اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو سیدہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ سیدہ حلیمہ کو اس وقت تمام لوگوں نے اپنے بچے دودھ پلانے کیلئے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ غریب تھیں۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کیلئے انہوں نے حامی بھری۔ تو ان کی کٹھن اور غریبانہ زندگی رات ڈھلنے سے پہلے ہی آسودہ ہوگئی۔ سیدہ حلیمہ نے ایک دودھ جو دائیں جانب کا تھا، آپ کو پلایا اور بائیں جانب سے آپ کے رضاعی بھائی یعنی سیدہ حلیمہ نے اپنے بیٹے کو پلایا۔ فقر اور غربت کے بعد سیدہ حلیمہ غنی ہوگئیں۔ اور اس کے ہاں جو بکریاں بہت لاغر تھیں وہ فربہ ہوگئیں اور جو بھی ان کا تعلق دار تھا۔ وہ بھی آسودہ حال ہوگیا۔ بلکہ پورا قبیلہ بنوسعد بہترین زندگی اور عیش وعشرت میں ہوگیا۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس برس کی عمر کو پہنچے تو آپ حضرت خدیجہ کیلئے تجارت کی غرض سے بصری (بصرہ) کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ سیدہ خدیجہ کا غلام ''میسرہ'' بھی تھا۔ جو آپ کی خدمت اور ضروریات مہیا کرنے کیلئے آپ کے ساتھ سیدہ خدیجہ نے روانہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عیسائی راہب نسطورا کے گرجا کے نزدیک ایک درخت کے نیچے ٹھہرے۔ تو اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ جس درخت کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں۔ اس کا

سایہ آپ کی طرف جھکا جا رہا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت کے نیچے ماسوا پیغمبر کے کوئی بھی نہیں بیٹھتا۔ اور وہی رسول اس کے نیچے بیٹھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فضائل سے نوازا ہو۔ اور اسے اپنا محبوب بنایا ہو۔ پھر اس راھب نے ''میسرہ'' سے پوچھا۔ کیا تمہارے ساتھی کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ یہ اس نے اس لئے سوال کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ''خفیہ علامت'' جاننا چاہتا تھا۔ ''میسرہ'' نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر اس راھب کو آپ کے بارے میں یقین ہو گیا۔ اور اس نے دوستی کی خواہش کی۔ اور ''میسرہ'' سے کہا ان سے کبھی جدا نہ ہونا۔ اور ان کیساتھ سچے ارادے اور بہترین طریقہ سے رہنا۔ کیونکہ یہ وہی شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اپنا برگزیدہ بنایا ہے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ تو سیدہ خدیجہ نے دیکھا کہ درمیانے قد کی آپ کی شخصیت ہے اور دو فرشتوں نے آپ کے سرانور پر سے سورج کی گرمی روک رکھی ہے۔ یعنی دھوپ آپ پر نہیں پڑتی تھی۔ میسرہ نے حضرت خدیجہ کو وہ واقعات بتائے جو دوران سفر اس نے آپ سے دیکھے تھے۔ اور وہ بھی بتایا جو راھب نے آپ کے بارے میں کہا تھا۔ اور جو اس نے اسے وصیت کی تھی۔ ادھر تجارت میں سیدہ خدیجہ کو بہت زیادہ نفع بھی ہوا۔ ان تمام واقعات اور بیانات سے سیدہ خدیجہ پر واضح ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جنہیں قرب خاص عطا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا منصب ملے گا۔ تو سیدہ خدیجہ نے آپ کو اپنے ساتھ شادی کا پیغام بھجوایا۔ تاکہ آپ پر ایمان لا کر ایمان کی خوشبو سے آپ کو معطر کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچاؤں کو سیدہ خدیجہ کی دعوت اور ارادہ کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اس میں دلچسپی لی۔ کیونکہ سیدہ خدیجہ دیندار، فضیلت والی، حسن و جمال سے آراستہ اور بہترین حسب ونسب والی عورت تھی۔ قوم کا ہر آدمی اس سے شادی کا خواہشمند تھا۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و اخلاق بیان کئے۔ اور کہا کہ خدا کی قسم! اس نوجوان کی بڑی عظمت ہوگی۔ ہر طرف ان کی خوبیوں کا چرچا ہوگا۔ خدیجہ کے والد نے آپ سے خدیجہ کی شادی کی۔ بعض نے کہا۔ خدیجہ کے چچا نے نکاح پڑھا۔ اور بعض ان کے بھائی کا نام لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد سیدہ خدیجہ سے ہوئی۔ ماسوائے ایک صاحبزادے کہ جن کا نام خلیل اللہ کے نام پر تھا۔ یعنی ابراہیم تھا۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس برس کی ہوئی۔ تو قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ سخت بارش اور سیلاب کی وجہ سے اس کی دیواریں گرنے کے قریب ہو گئیں۔ جب حجر اسود رکھنے کا معاملہ آیا۔ تو ان میں اختلاف ہو گیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ حجر اسود وہ اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کرے۔ بہت قیل وقال ہوئی۔ اور انہوں نے مرنے مارنے کی قسمیں اٹھا لیں۔ اور اپنے اپنے قبیلہ کو مضبوط کرنے اور مقابلہ کیلئے تیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ پھر سب نے انصاف کی طرف رجوع کیا اور طے یہ پایا کہ فلاں صاحب رائے جو کہے گا۔ اس پر اتفاق کر لیں گے۔ پھر ان کے مابین فیصلہ یہ کیا گیا جو شخص علی الصبح باب بنی شیبہ سے داخل ہوگا وہ حجر اسود اٹھا کر رکھے گا۔ صبح ہوئی تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے داخل ہوئے۔ سبھی کہنے لگے۔ آپ امین ہیں۔ ہم سب کو منظور ہیں۔ اور ہم سب آپ پر متفق ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حجر اسود'' ایک چادر میں رکھا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اس چادر کو تمام قبائل کے سرکردہ لوگ اٹھائیں۔ اور حجر اسود کی جگہ تک بلند کریں۔ انہوں نے چادر اٹھائی۔ اور حجر اسود کے مقام کے برابر لے آئے۔ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اس جگہ رکھا جہاں اب بھی موجود ہے۔

عَطِّرِ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ — بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی۔ تو صاحبان علم وفضل کے متفقہ قول کے مطابق آپ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کیلئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ تمام جہانوں پر آپ کی رحمت عام ہوئی۔ اور چھ ماہ مکمل ہونے پر آپ کو سچے خواب دکھائے جانے لگے۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ (اس کی تعبیر) صبح روشن کی طرح درست ہوتا۔ ابتداء بذریعہ خواب اس لئے کی گئی تاکہ قوت بشریہ کی مشق اور اس میں ہمت آ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد اچانک کسی دن فرشتہ نے صریح نبوت کا پیغام لانا تھا۔ تو اسے برداشت کر سکیں۔ آپ کے دل میں خلوت نشینی کو محبوب بنا دیا گیا۔ آپ کئی کئی رات دن متواتر ''غار حراء'' میں تشریف فرما رہتے۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس صریح حق آ گیا۔ اور ابتدائے وحی رمضان شریف سترھویں تاریخ پیر کے دن ہوئی۔ یہاں اور بھی اقوال ہیں۔ مثلاً سات یا چار یا بیس رمضان المبارک۔ ایک قول ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کا بھی ہے۔ وحی لانے والے فرشتے جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ پڑھیے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیل نے آپ کو بازوؤں میں لیکر بھینچا۔ پھر چھوڑا اور کہا پڑھیے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ دوبارہ جبرئیل نے دبایا۔ حتیٰ کہ

کچھ زور محسوس ہوا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ تیسری مرتبہ زور سے دبایا اور خوب زور سے دبایا۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ اس واقعہ کے بعد تین سال یا اڑھائی سال سلسلہ وحی منقطع رہا۔ تاکہ آپ کو ان پاکیزہ خوشبوؤں کے جھونکوں کا شوق پیدا ہو۔ اس کے بعد آپ پر یٰاَیُّھَا الْمُدَثِّر لیکر جبرئیل آئے۔ اور آپ نے ان آیات کی تلاوت کی۔ ''اِقْرَاء بِاِسْمِ رَبِّکَ'' آیات کے پہلے اترنے میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی ذات پر اترنے والی پہلی آیات یہی ہیں۔ اور آپ کے بشیر ونذیر بن کر آنے کی ابتداء انہی آیات مبارکہ سے ہوئی۔ یعنی امت کو خوشخبری سنانے اور ڈرسنانے سے پہلے یہ آیات اتر چکی تھیں۔

عَطِّرِ اللّٰھُمَّ قَبْرَہُ الْکَرِیْمَ – بِحَرْفٍ شَذِیٍّ مِنْ صَلَاۃٍ وَ تَسْلِیْمٍ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

مردوں میں سے سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے صاحب غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ بچوں میں سے یہ شرف حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ اور عورتوں میں سے یہ اعزاز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو مضبوط فرمایا۔ اور اس کی حفاظت فرمائی۔ اور آزاد کردہ غلاموں میں سے اولیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ اور غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے۔ جنہیں امیہ نے ایمان لانے پر طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں۔ انہیں خرید کر آزاد کرنے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق کو ملا۔ اس کے بعد حضرت عثمان، سعد، سعید، طلحہ، ابن عوف اور آپ کی پھوپھی صفیہ کے صاحبزادے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے حضرات ایمان لائے جن کے ایمان لانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بہت دخل تھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء کافی عرصہ پوشیدہ رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی شریک ہوتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (النحل: ۹۴)۔ تو آپ نے اس کے اترنے کے بعد اعلانیہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ آپ کی قوم آپ کے اس وقت تک مخالف نہ ہوئی جب تک آپ نے ان کے باطل معبودوں پر اعتراض نہ کیا۔ آپ نے توحید کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے روکنا شروع کر دیا۔ اس پر آپ کی قوم کے لوگ مقابلہ پر اتر آئے۔ اور اذیت پہنچانے اور عداوت اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کیلئے پریشانیاں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔ پھر پانچویں سال مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

آپ پر آپکا چچا ابوطالب مہربان ہوا۔ آپ کی حفاظت کا یقین دلایا۔ اس پر ساری قوم نے اسے ڈرایا دھمکایا۔ لیکن انہوں نے آپ کی حمایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رات میں کچھ گھنٹے عبادت کرنا لازم کردیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے قول فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (المزمل:20) سے اس کو منسوخ کردیا گیا۔ اب آپ پر دو رکعت صبح اور دو رکعت شام ادا کرنا لازم کردیا گیا۔ پھر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے پر یہ بھی منسوخ کردی گئیں۔ جب شب معراج آپ کو پانچ نمازیں عطا ہوئیں۔ بعثت کے دسویں سال ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ شوال کا آدھا مہینہ گزر چکا تھا۔ تین دن بعد سیدہ خدیجہ بھی دار فانی کو چھوڑ گئیں۔ اس سے مسلمانوں کو سخت دھچکا لگا۔ اب قریش نے ہر اذیت آپ کو پہنچانے کی کوششیں تیز کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "طائف" جانے اور وہاں جاکر "بنو ثقیف" کو دعوت دینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن انہوں نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا۔ انہوں نے بے وقوفوں اور غلاموں اور نوجوانوں کو بھڑکایا۔ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برے الفاظ کہے۔ آپ پر پتھر برسائے۔ حتیٰ کہ آپ کی نعلین شریف خون سے رنگین ہوگئیں۔ آپ غمزدہ حالت میں واپس مکہ تشریف لائے۔ تو پہاڑوں کے نگران فرشتہ نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے ان کی ہلاکت کی اجازت بخشی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں پرامید ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے گا۔ جو میرے چاہنے والے ہوں گے۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل کی طرف توجہ دی اور دعوت الی اللہ دینا شروع فرمائی۔ موسم حج میں جو باہر سے قافلے آتے آپ انہیں تبلیغ فرماتے۔ مدینہ منورہ کے انصار میں سے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا سے مختص کرلیا تھا۔ انصار میں سے اگلے سال بارہ آدمی حج کرنے آئے۔ اور انہوں نے آپ کے دست اقدس پر حقیقی بیعت کی۔ بیعت ہوجانے کے بعد یہ حضرات واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ پھر یہی مدینہ منورہ اسلام کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔ اس سے اگلے سال تہتر یا تہتر مرد اور دو عورتیں حج کرنے آئے۔ جن کا تعلق قبیلہ اوس اور خزرج سے تھا۔ ان سب نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔ آپ نے ان میں سے بارہ بزرگ اور سرداروں کو ان کا نقیب مقرر کردیا۔ پھر مکہ شریف سے بہت سے مسلمانوں نے ان کی طرف (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی۔ انہوں نے

اپنے وطن چھوڑ دیئے۔ کیونکہ انہیں جس بات نے کفر چھوڑا کر ایمان دلوایا تھا۔ اسے حاصل کرنے کیلئے وہ سب کچھ قربان کرنے پر تیار تھے۔ ادھر قریش کو خطرہ لاحق ہوا۔ کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے مدینہ منورہ چلے گئے تو ان کی طاقت بن جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ آپ کو قتل (شہید) کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکروفریب سے بچالیا۔

عَطِّرِ اللّٰھُمَّ قَبْرَہُ الْکَرِیْمَ – بِعَرْفٍ شَذِیٍّ مِنْ صَلَاۃٍ وَ تَسْلِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی گئی۔ ادھر مشرکین نے یہ پروگرام بنایا۔ کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ آپ کے در دولت کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے۔ اور ان کے مونہوں پر مٹی ڈالی۔ اور یہ آنکھیں ملتے رہے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "غار ثور" کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی ہمراہی نصیب ہوگئی۔ دونوں حضرات اس غار میں تین دن قیام پذیر رہے۔ آپ کی حمایت وحفاظت کبوتروں اور مکڑیوں نے کی۔ پھر پیر کی رات دونوں غار ثور سے نکلے۔ آپ سواری پر تھے۔ راستے میں سراقہ سامنے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ نے اس بارے میں دعا کی۔ تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں سخت زمین میں دھنس گئے۔ اس نے آپ سے امان طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخاوت فرمائی۔ اور اسے امن عطا فرما دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر "قدید" سے ہوا۔ وہاں ام معبد خزاعیہ کی رہائش گاہ تھی۔ آپ نے اس سے گوشت یا دودھ خریدنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اس کے گھر میں کھڑی ایک بکری کی طرف نظر فرمائی۔ جو دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے نہ جا سکی۔ کیونکہ بہت کمزور تھی۔ آپ نے ام معبد سے اجازت مانگی کہ کیا میں اس بکری کو دوہ کر دودھ نکال سکتا ہوں؟ اس نے اجازت دیدی اور ساتھ ہی کہنے لگی۔ اگر اس کے ہاں دودھ ہوتا تو ہم اسے دوہ لیتے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی فوراً اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے دودھ نکالا۔ اور گھر کے تمام افراد کو پلایا۔ پھر دوسری مرتبہ دوہا برتن بھر گیا۔ آپ ام معبد کے ہاں اپنا یہ عظیم نشان (معجزہ) چھوڑ گئے اور آگے چل دیئے۔ کچھ دیر بعد ابو معبد آیا۔ اس نے دودھ سے بھرے برتن دیکھے۔ تو تعجب ہوا۔ اور بیوی سے پوچھنے لگا۔ یہ دودھ تیرے پاس کہاں سے آ گیا۔ حالانکہ گھر میں دودھ کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا؟ کہنے لگی۔ ہمارے گھر میں کچھ دیر فلاں فلاں مبارک شخصیت تشریف فرما رہی۔ ام معبد نے آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا۔ یہ سن کر ابو معبد بولا۔

یہ قریشی شخصیت تھی۔ پھر اس نے پکی قسم اٹھائی کہ اگر میں نے اس شخصیت کو دیکھ لیا تو ایمان لے آؤں گا۔ یہ کہہ کر آپ کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ اور آپ کو پالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والوں کی مبارک تمنائیں پوری ہوئیں۔ انصار نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''قباء'' میں اترے۔ اور یہاں مسجد کی تقویٰ پر بنیاد رکھی۔

عَطِّرِ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق وخلق میں تمام انسانوں سے کامل تھے اور آپ کی ذات وتمام صفات نہایت اعلیٰ تھیں۔ قد و قامت درمیانہ تھی۔ رنگ سفید لیکن سرخی مائل تھا۔ آنکھیں کشادہ اور سرگیں تھیں، پلکیں لمبی اور ابرو بھی باریک اور لمبے تھے، دانتوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ اور منہ خوبصورت اور کھلا، ماتھا فراخ اور چاند کی طرح چمکتا، رخسار مبارک گوشت سے پر، ناک مبارک تھوڑی سے اٹھی ہوئی اور اس کا سخت حصہ بہت خوبصورت، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، ہاتھ کشادہ، ہڈیوں کے جوڑ مضبوط اور موٹے، ایڑی پر معمولی گوشت، داڑھی شریف گھنی، سر انور عظیم اور بال مبارک کانوں کی لو تک لمبے تھے، دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' تھی۔ نور اور بلندی لئے ہوئے تھی۔ پسینہ مبارک موتیوں کی مانند، اس کی خوشبو دنیا کی تمام خوشبوؤں سے زیادہ مہک والی، چلتے تو یوں دکھائی دیتا کہ کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ مصافحہ کرنے والے سے ہاتھ ملاتے تو اس کے ہاتھ سے سارا دن بے مثل خوشبو اٹھتی رہتی۔ کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے تو دوسرے بچوں کے درمیان وہ خوشبو سے پہچانا جاتا۔ چہرہ انور یوں چمکتا جس طرح چودھویں کا چاند، آپ کی تعریف بیان کرنے والا یہی کہتا کہ آپ کی مثل نہ میں نے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد، کوئی بشر آپ جیسا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ صاحب حیاء تھے۔ تواضع آپ پر ختم تھی۔ اپنی نعلین خود گانٹھ لیا کرتے۔ کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے، اپنی بکری خود دوھ لیتے۔ اپنے اہل وعیال کے کاموں میں خوش دلی سے ہاتھ بٹاتے۔ فقراء اور مساکین سے محبت فرمایا کرتے، ان کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے، ان میں سے بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازہ کے ساتھ چلتے، کسی فقیر کو حقیر نہ سمجھتے۔ جسے فقر وفاقہ نے مار ڈالا ہو۔ معذرت قبول فرمالیتے، کسی کا بدلہ مکروہ بات سے نہ دیتے، ناداروں اور غلاموں کے ساتھ چل پڑتے۔ کسی بادشاہ سے خوف نہ کھاتے، غصہ اور غضب ہوتا تو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے، راضی ہوتے تو رضائے

الٰہی کیلئے، اپنے صحابہ کے پیچھے پیچھے چلتے۔ اور فرماتے۔ میری پشت فرشتوں کیلئے چھوڑ دو۔ اونٹ، گھوڑا، خچر اور گدھا جو بعض بادشاہوں نے آپ کی طرف بطور ہدیہ روانہ کئے ہوتے ان پر سوار ہوتے۔ بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے، حالانکہ آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی تھیں۔ پہاڑوں نے آپ کو سونا بن کر پھسلانا چاہا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضول بات نہ کرتے۔ بوقت ملاقات آپ پہلے سلام کرتے۔ نماز طویل ادا فرماتے۔ جمعہ وغیرہ کے خطبہ جات نہایت مختصر فرماتے۔ اہل شرف سے الفت فرماتے، اہل فضل کا اکرام کرتے، مزاح فرماتے لیکن اس میں بھی بات سچی کہتے۔ جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا۔ بیان کے میدان میں دوڑنے سے اب اس مقام پر گھوڑے ٹھہر جاتے ہیں۔ اور املاء کے باربردار اونٹ وضاحت کے میدان میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

اے اللہ! اے وہ ذات! جس کی بخشش کیلئے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اے وہ ذات! جس کی طرف جب بندے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو وہ ان کیلئے کافی ہوتی ہے۔ اے وہ ذات! جو اپنی ذات وصفات احدیت میں اس بات سے منزہ ہے کہ کوئی اور ان میں اس کا نظیر یا شبیہ ہو۔ اے وہ ذات! جو بقاء قدیم ہونے اور ازلیت میں متفرد ہے۔ اے وہ ذات جس کے سوا کسی اور سے نہ امید باندھی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف پلٹا جاتا ہے۔ اے وہ ذات! کہ تمام انسان اس کی قدرت قیومی کا سہارا لیتے ہیں۔ اور وہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے رشد وہدایت سے نوازتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیرے ان قدسی انوار کے وسیلہ سے کہ جن کے سبب تو نے شک کے اندھیروں کو ختم کر دیا۔ سوال کرتے ہیں۔ اور تیری بارگاہ میں ذات محمد یہ کے شرف کا واسطہ دیتے ہیں۔ وہ کہ جو صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام کے آخر اور معنی کے اعتبار سے تمام سے اول ہیں۔ اور آپ کی آل کا وسیلہ دیتے ہیں جو تمام مخلوق کی امن گاہ ہیں۔ جو سلامتی اور نجات کی کشتی ہیں۔ اور آپ کے تمام صحابہ کا واسطہ دیتے ہیں۔ جو ہدایت وافضلیت کے مالک ہیں۔ وہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا فضل چاہنے کیلئے اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔ اور آپ کی شریعت مطہرہ کے حاملین کا واسطہ جو صاحب مناقب وخصوصیات ہیں۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل سے خوش ہوئے۔ ان تمام کے وسیلہ اور واسطہ سے ہمیں اقوال واعمال میں اخلاص نیت عطا فرما۔ اور تمام حاضرین کے مقاصد وتمنائیں پوری فرما۔ اور ہمیں تمام خواہشات وشہوات اور قلبی بیماریوں

سے خلاصی عطا فرما۔ اور ہماری وہ امیدیں برلا۔ جن کا ہم تیرے بارے میں ظن وگمان رکھتے ہیں۔ اور تو ہی ہمیں ہر مصیبت اور پریشانی میں اپنی کفایت عطا فرما۔ اور ان لوگوں میں سے ہمیں نہ کر جو اپنی خواہشات کے بندے ہیں۔ اور ہمیں حسن یقین کے بھر بھر کر پیالے پلا۔ اور جو ہم نے گناہ کئے ان سب کو معاف فرمادے۔ ہم میں سے ہر ایک کے عیب، عجز، حصر اور ہر قسم کی برائی پر پردہ ڈال دے۔ اور ہمارے لئے صالح اعمال آسان فرمادے۔ جن کی قدر ومنزلت ہے۔ اور ہمارے اس جمع ہونے کو تو اپنی سخاوت وبخشش کے خزانوں میں اپنی مغفرت اور رحمت کی عمومیت عطا فرما۔ اور ہمیں ہمیشہ کیلئے اپنے سے غیر کا مستغنی کردے۔

اے اللہ! تو نے ہر سائل کا ایک مقام ومرتبہ بنایا۔ ہر امیدوار کی تمناؤں اور امیدوں کا بھی ایک مقام بنایا۔ ہم تجھ سے تیرے مواھب لدینہ کی امیدوں کا سوال کرتے ہیں۔ پس ہماری امیدوں کو حقیقت میں تبدیل فرمادے۔ اے اللہ! دوسروں کے ڈر سے محفوظ فرمادے۔ اور ہمارے سربراہوں اور عوام کو امن وعافیت عطا فرما۔ اور اس کا اجر عظیم کردے جس نے اس بھلائی کو اس دن (بارہ ربیع الاول) کیا۔ اور اس کا بھی جس نے اسے شروع کیا۔ اے اللہ! اس شہر اور مسلمانوں کے تمام ممالک اور شہروں کو امن وسکون عطا فرما۔ اور ہمیں ایسی سیرابی عطا فرما۔ جس کے پانی کا بہاؤ عام ہو۔ اور ان سیاہی سے لکھی چادروں کے بنانے اور کاتنے والے کو (یعنی مصنف رحمۃ اللہ علیہ) بخشش دے۔ جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادریں تحریراً بنائیں۔ جس کا نام جعفر ہے۔ اور برزنجی کی طرف منسوب ہے۔ اور اسے اپنے قرب سے نواز۔ اس کی امیدیں اور خواہشات پوری فرما۔ اور مقربین کے ساتھ اس کی تحریر اور اس کی سکونت کردے۔ اور اس کے تمام عیب، کمزوریوں اور بندشوں کی پردہ پوشی فرما۔ اس کے کاتب، اسکو پڑھنے والے اور اس کو غور سے سننے والے سب کے گناہ معاف فرمادے۔

اے اللہ! حقیقت کلیہ کی تجلی کے قابل اول پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما۔ آپ کے اصحاب، آل، آپ کے معاونین اور دوست رکھنے والے سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ اس وقت تک جب تک کان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موتی بھرے اوصاف سے مزین رہیں۔ اور جب تک مبارک محفلیں اپنے سینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کے ہاروں سے خوبصورت بنائے رکھیں۔

وَاَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَاَتَمُّ التَّسْلِیْمِ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ – وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ – سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

## مصنف علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی منظومہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمہ جس کا نام ''النظم البدیع فی مولد الشفیع'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (توبہ)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کی نعمتوں پر ہیں۔تعریفیں بھی ایسے شخص کی طرح جوان کی ادائیگی میں بہت زیادہ مخلص ہے۔میں اس کی مانند تعریف کرتا ہوں۔اوراس کی نعمتوں کے بدلہ میں اس کی تعریف کہ اس نے ہمیں تمام انبیاء کرام سے بہتر شخصیت جناب محمد مصطفیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا۔وہ جو تمام عبادات گزاروں کے سردار ہیں۔میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔کہ بیشک اللہ تعالیٰ تنہا معبود ہے۔اوراس کی بھی کہ اس کی بہترین مخلوق جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔جو سلسلہ نبوت ورسالت کی تکمیل واتمام فرمانے والے اور مجدد ہیں۔اور ہر وہ شخص جس نے آپ کی تصدیق کی وہ بلاشک جنت خلد میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ان کا رب آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے۔اوران تمام حضرات پر بھی جوان کی طرف منسوب ہیں۔اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر بھی جو آسمان ہدایت کے ستارے ہیں۔ان کے تابعین پر اور تمام علماء کرام پر اور کائنات میں تمام ہادی اور مہدی حضرات پر بھی صلوٰۃ وسلام نازل ہوں۔حمد وصلوٰۃ کے بعد۔اے نیک بخت انسان! اور اے وہ شخص کہ جس کا قلب نور توحید سے منور ہے تو بھی سن۔کہ میں جناب طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کے بیان کے موتیوں کو یکتا نظم کے رنگ میں پیش کررہا ہوں۔اس سے بہتر کوئی ہار نہیں ہوسکتا۔میں نے افکار کے پوروں سے پرویا۔اورموتی اس میں حضرت مصطفیٰ ومختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمندر سے حاصل شدہ پروئے۔وہ مختار کہ جو تمام مخلوق سے بہتر اور تمام بہتروں میں سے برگزیدہ، تمام آزاد لوگوں اور غلاموں کے سردار اور کائنات کی تمام جماعتوں اور ایک ایک شخص سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہیں۔میں نے اس نظم کے ذریعہ علامہ شیخ احمد دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مولد'' کو مختصر کرکے پیش کیا ہے۔اور میں نے کچھ فضائل سرکار کا اضافہ بھی کیا ہے۔میں اس نظم کے ذریعہ اللہ غفور سے قرب کا

امیدوار ہوں۔ اور اس بات کا متمنی ہوں کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مددگار بن جائیں۔ اور میرے مرنے کے بعد یہ نظم میرے لئے نیک وصالح دعا کا سبب بن جائے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اس بات کو یقیناً چاہے گا کہ میں بار بار آپ کا اسم گرامی لوں۔ اسی کیلئے اہل علم حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے میلاد کا طریقہ شروع فرمایا۔ لہٰذا یہ کام رشد وہدایت کا آئینہ دار ہے۔ ساری دنیا ماسوانجدی گمراہوں کے اسے نہایت پسند کرتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے پسندیدہ لوگوں میں آپ کے وصال کے بعد تقریباً پانچ صدیوں سے یہ کام ہر زمانہ میں بنظر استحسان دیکھا جاتا رہا ہے۔ ان محافل میلاد میں قاری صاحبان، علماء کرام اور نیک راہ پر چلنے والے تمام لوگ جمع ہوتے چلے آرہے ہیں۔ بہت سے اجتماعات آپ کی محبت میں جمع ہوئے، بہت سے مجمع جات آپ کی محبت میں بکھر گئے۔ بہت سے لوگوں نے شہروں اور آبادیوں کو میلاد النبی کی نسبت سے خوبصورت کیا۔ بکثرت شمعیں اور روشنیاں کیں۔ اور تمام حاضرین نایاب خوشبو سے معطر ہوتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک سے فرحت پاتے رہے، خوشی محسوس کرتے رہے، اور آپ کے نام پاک پر کھایا بھی اور پیا بھی۔ اپنے رب سے گڑگڑا کر دعائیں کیں، اس سے مانگا، اس کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع لائے، آپ کی طرف انتساب کیا۔ اور یہ اعتقاد رکھا کہ اس محفل کی برکت سے ہر مقصد برآئے گا۔ اس بابرکت محفل میلاد سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے شہر آباد کئے۔ اور خوشی اور فارغ بالی مرحمت فرمائی، جب ان شہروں کے باسیوں نے درہم ودینار ایسی محافل پر خرچ کئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ومختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا۔ نماز پڑھی، دعائیں مانگیں اور حمد وثناء کہی۔ اے شخص! تجھے یہ معلوم ہوا یا تیری رائے میں یہ آیا کہ ان محافل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا منائیں گے یا تیرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوگا؟ تجھ پر میری جان نثار! محفل میلاد منعقد کر اور کسی قسم کی پریشانی اور ہلاکت کا خوف نہ کر۔ محفل میلاد کر اور بار بار کر۔ تیری زندگی سعادت میں بسر ہوگی۔ اور تیری موت بھی سعید ہوگی۔ لیکن یاد رکھ۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اور نجات کیلئے اخلاص نیت شرط ہے۔ دکھلاوا حالات کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اور نیکیوں کو برائیوں میں پلٹ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو پکی دوری میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ ان محافل پر حلال مال خرچ کرو۔ یہ اعمال صالحہ کیلئے شرط ہے۔ اگر ان محافل پر اٹھایا گیا مال مکمل حرام ہے تو اس کے منعقد کرنے والوں کو جہنم میں قید وبند کی سزا ملے گی۔ اور عورتوں کا

مردوں کے ساتھ ایک جگہ مل بیٹھنا ہماری شریعت میں بہت بری خصلت ہے۔ اور ہر وقت اور ہر حالت میں یہ فاسق اور جاہل لوگوں کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ محفل میلاد میں ان کہی گئی باتوں سے مکمل اجتناب کرو۔ اور ہاتھ اور مونہہ سے ہر قسم کی اذیت رسانی سے بھی پرہیز کرو۔ اور ہر نوجوان مرد عورت سے دور رہ جو خوبصورت عورتوں کے حسن و جمال یا قریب البلوغ لڑکوں کے اوصاف گا گا کر سناتے ہوں۔ اس قسم کے بچوں اور گویوں کی آواز سے دور رہو تبھی کامیابی حاصل ہوگی۔

جس شخص کا محفل میلاد میں اشعار پڑھنے کا ارادہ ہو۔ اسے رشد و ہدایت پسند کرنا چاہئے نہ کہ فساد۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح اور آپ کی اولاد و اصحاب کی تعریف جو شریعت کے شیر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یہ باتیں اور ان پر مشتمل اشعار پڑھنے اور سننے چاہئیں۔ ایسی محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہئے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ بنایا۔ تہامی جن کی نسبت ہے۔ خیر البرایا اور سید الانام جن کا منصب ہے اور جو حلال وحرام کا اختیار رکھنے والے اور تمام سرداروں اور بزرگوں کے اصل ہیں۔ جس نے بھی آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ نازل فرمائے گا۔ یہ بات حدیث صحیح میں بالکل ظاہر طور پر آئی ہے۔ اسے مسلم شریف میں روایت کیا گیا۔ اور اس روایت نے شہرت بھی پائی۔ یعنی حدیث مشہور ہے۔ اور یہ حدیث حق ہے اور اعتراض وتنقید سے سالم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے پر صرف ایک مرتبہ ہی صلوٰۃ نازل فرمائے۔ تو ہزاروں لاکھوں صلواتوں سے اعلیٰ ہے۔ لہٰذا تم دیکھو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا کس قدر فائدہ ہے۔ اور اس سے اجر وثواب کے کس قدر انوار اوپر اٹھنے والے ہیں۔ لہٰذا تجھے اس کی شدید حرص کرنی چاہئے اگر تو صاحب رشد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾ —

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

اللہ تعالیٰ کی اول مخلوق جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ جو تمام کائنات کی اصل اور ہر سید کے سید ہیں۔ جسم اطہر کی مٹی سے بھی بہت پہلے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر باپ اور ہر بیٹے کے باپ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل اور اس کے بعد آپ کا نور پاک تمام مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام ظاہری اور باطنی کائنات بنائی۔ عرش معلیٰ سے پہلے آپ کی لہریں بہریں تھیں۔ اور قلم نے آپ کی تخلیق کے بعد ہر موجود

کے بغیر حد کی تحریر لکھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ پاک سے کل موجودات بنیں۔ کیا ان میں بلند ہوں یا نیچے سبھی کی تخلیق آپ کے نور سے ہوئی۔ تمام کائنات شاخ اور آپ اس کی اصل ہیں کائنات میں آپ کی کوئی ''مثل'' نہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو تمام کائنات عدم اور قید میں رہتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ خالق نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ جبکہ کائنات بنائی جا چکی تھی۔ اور انہیں ہاشمی نور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے مخصوص فرمایا۔ جو تمام کائنات کے باپ ہیں۔ پس بظاہر بیٹے کو دیکھ کر دادا تعجب میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر آدم علیہ السلام کیلئے ''حواء'' پیدا کیں۔ حضرت آدم نے ان کی طرف شوق اور چاہت کی وجہ سے میلان کیا۔ تو حضرت حواء کی طرف سے اظہار انکار ہوا۔ آواز آئی۔ ان کا صحیح صحیح حق مہر ادا کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ صاحب حمد جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

دونوں اللہ تعالیٰ کی جنت میں سکونت پذیر رہے۔ دونوں کو حسن واحسان کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ حتیٰ کہ ابلیس نے فریب اور بہتان سے ان دونوں کو ممنوعہ درخت کھانے پر اکسایا۔ جب دونوں نے کھایا تو زمین پر اتر آئے۔ جہاں اترے وہ ہندوستان کی زمین تھی۔ پھر حضرت حواء کے ہاں حضرت آدم سے اولاد پیدا ہوئی۔ ان سب میں سے حضرت شیث علیہ السلام بالیقین بہتر تھے۔ اسی لئے حضرت آدم میں رکھے گئے محفوظ نور نے ان سے محبت کی۔ تو حضرت آدم نے انہیں فرمایا۔ اسی نور کے تم امین و حافظ ہو۔ اور اسی بات کی اپنے بعد آنے والوں میں اور وہ اپنے بعد آنے والوں میں وصیت کرتے رہیں۔

حضرت شیث علیہ السلام نے یہی وصیت اپنے فرزندوں کو کی۔ کہ اس نور کیلئے ایسی عورتوں کا انتخاب کرنا جو بہترین ہوں۔ اور اپنی ان عورتوں کی شادی اپنے خاندان میں ان مردوں سے کرنا جو حسب ونسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہوں۔ ماں باپ کی طرف سے معزز اور شریف ہوں۔ اسی طرح حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹوں اور بیٹیوں کو وصیت کی کہ ان حدود کی پابندی کرنا۔ یہ وصیت ہر جانے والا آنے والے کو کرتا چلا گیا۔ اسی طرح یقیناً ان حضرات نے اس نور کو ظلم وتعدی سے محفوظ رکھا۔ انہوں نے باہم صحیح صحیح نکاح کیا۔ اور نسب میں واضح لوگوں سے عقد ہوتا رہا۔ ایسے لوگ کبھی بھی بدکاری کی طرف مائل نہ ہوئے اور ان میں سے ہر ایک اپنے دور کا سردار اور بہترین شخص رہا۔ اپنے میدان کے شیر تھے اور شیر سے کس قدر باعزت تھے۔

ان میں سے ہر فرد اپنے فخر میں یکتا تھا۔ اور اپنے دور کے تمام انسانوں سے منفرد اور سردار تھا۔ نیکی

اور بزرگی میں اس کی کوئی مثل نہ ہوتی۔ اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے تھے۔ لہٰذا یہ تمام حضرات جنت الخلد میں تشریف فرما ہوں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ جو حسب و نسب کے اعتبار سے تمام انسانوں سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ ہر شعبہ اور خاندان کی ہر شاخ میں سے بہترین میں جلوہ فرما ہوئے۔ جو دادا، ماں اور باپ سبھی کے اعتبار سے اعلیٰ اور ممتاز ہوتے۔ آپ کی ذات مقدسہ کی بزرگی تو حد و شمار سے باہر ہے۔

ہر دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ایک سید سے دوسرے سید کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ جس شخصیت میں یہ نور موجود ہوتا تھا۔ اس کی پیشانی میں یوں چمکتا جیسا کہ چراغ ہوتا ہے۔ اسے عاقل وغیر عاقل سبھی دیکھتے تھے۔ وہ برج سعد میں دکھائی دینے والے ستارے کی مانند تھا۔ حتیٰ کہ یہ نور پاک اس بزرگ شخصیت کی پیشانی میں جلوہ فرما ہوا۔ جنہیں مختار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہونے کا شرف ملا۔ یعنی ہمارے آقا جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ جو صفات کثیرہ کے حامل تھے۔ ان سے کبھی اور ہرگز ایسے وصف کی روایت نہیں کی گئی جو قابل اعتراض ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی انکار توحید سے منزہ تھیں۔ کیا ان دونوں حضرات کا ایمان دار ہونا لازم نہیں تھا؟ حالانکہ ان میں وہ شخصیت جلوہ فگن ہوئی جو کائنات کی ہادی ہے؟ آپ کائنات کیلئے رحمت ہوں اور اپنے والدین کیلئے رحمت نہ ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لہٰذا جو آپ کے والدین کے ایمان کے خلاف قول کرتا ہو اس کی زبان کاٹ دو۔ میری زبان نے روایت کی اور میرے دل نے حقیقت جانی کہ دونوں حضرات جنت میں ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر و رحمٰن کی قدرت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو زندہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عدنانی" اور معد و بنی معد کے فخر ہیں۔

افسوس! کہ آپ کے بچپن میں ہی دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی والدہ ماجدہ سے پہلے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم میں آسمانوں والے غمزدہ ہوئے۔ اور اپنے رب کے حکم کو تسلیم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے برگزیدہ اور میرے بندے کو میرے لئے چھوڑ دو۔ دونوں نے بیس سال سے زیادہ عمر نہ بسر کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان کا کوئی فرزند (اولاد) نہ تھا۔ اگر زندہ رہتے تو آپ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ اور دین و دنیا میں آپ سے راضی رہتے اور ہر قسم کی سعادت جمع کر لیتے۔ لیکن آپؐ کے رب نے آپ کی یکتائی اور انفرادیت کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ محبوب صرف ایک ہی ہو۔ اسی لئے آپ کی اولاد کو بھی زندگی نہ ملی۔ آپ کو آپ کے والدین سے کوئی زاد و جائیداد نہ ملی۔ صرف اللہ واحد ہی آپ کی رشد و ہدایت کا ذمہ دار ہوا۔ تاکہ کسی

بندے کا آپ پر احسان نہ ہو۔ تمام مخلوق آپ کیلئے مسخر کردی۔ سبھی آپ کے مطیع ہوئے۔ آپ کسی بندے کے مطیع نہ ہوئے۔ پیٹ بھرا ہو یا بھوک لگی ہو کسی انسان کا احسان نہیں لیا۔ میری روح، میرے باپ دادا آپ پر قربان۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ –

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں کے سردار ہیں۔ اور حسب ونسب میں تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ آپ جناب عبداللہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا سارا خاندان شریف ہے۔ عرب میں آپ کے اجداد میں سے بیس حضرات کے اسم گرامی مذکور ہیں۔ یہ سب بطحاء کے سادات تھے۔ وہ یہ ہیں۔ عبدالمطلب، ہاشم، عبد مناف، قصیٰ، کلاب، مرۃ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک، نضر، کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان۔ اتنے اجداد کا ذکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس معظم نسب کا اکرام کرو، اس حسب مسلم کا احترام کرو۔ اس جوہر منظم کی تعظیم کرو۔ ان ستاروں اور اس سورج کی توقیر بجالاؤ۔ جو سعادت کے ستارے اور سعادت کا ہی سورج ہیں۔ آپ کے تمام اجداد کا آپ کے ہاں شرف ہے۔ ان کے دور میں ان جیسا اور کوئی مشرف نہ تھا۔ سبھی نے آپ کے نور سے شرف پایا۔ آپ موتی ہیں اور یہ سب سیپ کی مانند ہیں۔ اور وہ سب شہد کی مکھیاں اور آپ شہد ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک آپ کے والد گرامی کے ہاں آیا۔ جو نہایت معزز اور بزرگ شخصیت تھے۔ تو ان کی تشبیہ مکمل چاند سے ہوگئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سورج کا نور انہیں عطا ہوا۔ اس لئے آپ کے والد اس سورج کے نور کی وجہ سے قابل احترام شخصیت ہو گئے۔ تمام لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔ لہٰذا ہر ایک نے چاہت کی۔ جب انہوں نے انہیں کامل مہذب پایا۔ اور قریش میں حسب ونسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور خوبصورتی میں تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین پایا۔ اور نور مصطفیٰ ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان کے والد نے ان کی شادی ایک نیک آزاد عورت آمنہ سے کردی۔ جو وھب کی صاحبزادی اور ان کی آنکھ کی ٹھنڈک تھیں۔ ان کا دادا عبد مناف بن زہرۃ تھا۔ ان دونوں کا خاندان کلاب میں جا کر مل جاتا ہے۔ یہ عقل مند خاتون اور بزرگ عورت کس قدر صاحب کرم ہے؟ کس قدر کریم ہے وہ نوجوان کہ جس نے اس سے شادی کی؟ نہ اس کی مثل اور نہ ہی اس کی نظیر۔ ان دونوں نے ہر قسم کی بزرگی جمع کر لی۔ یعنی وہ شخصیت ان کے ہاں پیدا ہوئی جو

پنگھوڑے میں ہوتے ہوئے بھی تمام کائنات سے افضل تھی۔ دونوں حضرات مناقب کی زینت سے مزین ہوئے۔ دونوں کی پیشانیوں میں ستارے چمکے۔ دونوں دو دوستوں کی طرح ساتھی ہوئے۔ شعب ابی طالب میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس مبارک ملاقات کا کیا کہنا۔

سیدہ آمنہ امید سے ہوگئیں۔ ان کے بطن میں یکتا اور چھپا موتی جلوہ فرما ہوگیا۔ جو قیمت اور زینت کے اعتبار سے تمام موتیوں سے اعلیٰ ہے۔ سیدہ آمنہ اس موتی کو ہر طرح چھپاتی رہیں۔ انہوں نے اس کی ہر ردی چیز سے حفاظت کی۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن میں تشریف فرما ہوئے جو تمام کائنات کا فخر، تمام مخلوق سے بہتر اور عقل وخرد میں بے مثال ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے ذکر سے مشک وعنبر کی مہک اٹھتی ہے۔ جن کی تر وتازگی کے سامنے ہر بہتر چیز ماند ہے۔ گلاب کا پھول اور گلاب جن کے سامنے آنے سے شرمندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق، حبیب اللہ، خلیل اللہ، اعلیٰ مرتبہ کے مالک اور تمام اشیاء سے افضل شخصیت سیدہ آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہوئی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے بہتر فرد ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کامل ومکمل شخصیت کو پیٹ میں لیا۔ جو تمام انبیاء کرام سے بہتر اور سب سے پہلی خوشبو ہیں۔ ہدایت کے سورج، ہر افضل سے افضل اور تمام انبیاء ومرسل ان کا لشکر ہیں۔ بخدا! یہ حضرات بہترین جماعت ہیں۔ سیدہ آمنہ نے انہیں اپنے بطن اقدس میں لیا۔ جن کو تمام پیغمبروں نے اپنے رب کے حضور وسیلہ بنایا۔ پھر اس کی وجہ سے وہ اپنی امیدوں کو حاصل کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے یہ وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ جسے انہوں نے قبول کیا۔ اور وعدہ کی شروط میں سے کسی شرط کو ادھورا نہ چھوڑا۔ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام آپ کے وقت میں ہوتے تو آپ ہی ان کے رئیس وسردار ہوتے۔ وہ اپنے بگل اور ناقوس توڑ دیتے۔ اور آپ کی اذان کا تقدیس واحترام کرتے۔ پس آپ ان کے بغیر تردید نبی ہیں۔

صاحب آیات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو سیدہ آمنہ نے اپنے پیٹ میں لیا۔ جن کے معجزات تمام پیغمبروں سے زیادہ ہیں۔ تمام حالات میں آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ اور ہر بھلائی جو ہو چکی یا ہوگی اس کا اس میں کوئی ثانی نہیں۔ اور تمام مرسلین وانبیاء کرام آپ کے ''لواء الحمد'' کے نیچے ہوں گے۔ شافع اور مقبول الشفاعت کو بطن اقدس میں لیا۔ اس وقت جب میدان حشر میں اولین وآخرین کے اجتماع میں ہولناک منظر ہوگا۔ جب لوگ آنسوؤں کے سمندروں میں ڈوبے جا رہے ہوں گے اور تمام مخلوق حضرات انبیاء کرام سے درخواست شفاعت کرے گی۔ پھر جب انکے انکار کے بعد

سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کریں گے۔ تو آپ ارشاد فرمائیں گے۔ تمہاری رضا میرے پاس ہے۔ عرش کے نیچے آپ سجدہ میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی کامل ترین حمد کہیں گے۔ دور ونزدیک والوں یعنی سب کی شفاعت فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ ہی کریم، ماجد، حر اور اس کے لائق ہوں گے۔ تو آپ کا مولیٰ آپ کو فرمائے گا۔ میرے پیارے! شفاعت کرو۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس موتی کو سیپ میں لیا۔ جو سید، مسعود، حامد، محمد اور محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے زیادہ اس کی حمد کرنے والے ہیں۔ اور بغیر تقیید سب سے افضل سب سے بہتر ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل جو آپ کے دور میں تھے اور وہ بھی جو کسی زمانہ میں ہوں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں جب "نور" جلوہ گر ہوا۔ یعنی حضور نبی، کریم، مصطفیٰ، بشیر، کائنات کی زینت، زمانوں کا شرف، مخلوق کے پاکیزہ دین کے ہادی کہ جن کی شریعت لوگوں کو ہر وقت راستہ دکھاتی ہے۔ اس شخصیت کے نور کی وجہ سے سیدہ آمنہ کی صفات ملاحظہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنے فضل سے آپ کی والدہ پر دوران حمل بہت سے عجائبات ظاہر فرمائے۔ ایسے عجائبات جو آپ کی عظیم شرافت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس پر دلیل بنتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام رسولوں سے بہتر ہیں۔ اور خاندان "معد" کی برگزیدہ شخصیت سے بزرگتر ہیں۔ حمل کی رات ایک آواز پھیلی۔ جسے زمین وآسمان (کے باشندوں) نے سنا۔ وہ یہ کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکان میں آ گیا۔ یعنی اپنی والدہ کے بطن میں جلوہ فرما ہو گیا ہے۔ اس نوجوان پاک عورت کیلئے مبارک مبارک۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے رحم میں ہوتے ہوئے مہربانی فرمائی۔ اس لئے کہ آپ کا نور رحم کے اندھیروں میں تھا۔ آپ کی والدہ نے معمولی سی تکلیف کی بھی شکایت نہ کی۔ اور نہ ہی حاملہ ہونے کی صورت میں بعض مخصوص چیزیں کھانے کی خواہش ہوئی۔ حالانکہ ایسی اشیاء کی خواہش ہر حاملہ عورت کو ہوتی ہے۔ جب آپ اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہو گئے تو آپ کا قطعاً بوجھ محسوس نہ ہوتا۔ اور نہ ہی عام لوگوں کی طرح بھاری پن معلوم ہوتا۔ حیض کی عادت تبدیل ہو گئی اور حمل ہونے کے بعد حیض نہ آیا۔ جس سے سیدہ آمنہ کو حاملہ ہونے کا یقین ہو گیا۔

کوئی آنے والا آیا۔ اور نعمتوں میں سے مکمل ترین نعمت لایا۔ اس نے سیدہ آمنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی۔ کہ سید خیر الامم اور سید کل عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو حاملہ ہو گئی

ہے۔اس امت جو رشد و ہدایت والی ہے اس کے آقا تمہارے شکم میں جلوہ گر ہو چکے ہیں۔اس کے بعد ایک اور آنے والا آیا۔اس وقت سیدہ کا منہ نہ مکمل سوئی ہوئی تھیں اور نہ ہی بالکل جاگ رہی تھیں۔اس نے پوچھا۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حاملہ ہو چکی ہو؟ تمہیں مبارک ہو کہ سید الانام اور اللہ تعالیٰ کے بندے سب سے بہتر بندے تمہارے بطن میں آ چکے ہیں۔اس کے بعد ایک اور نیک ترین آنے والا آیا۔اور کہنے لگا۔جب تو اس بزرگ و برتر شخصیت کو جنم دے۔تو اس کا نام ''محمد'' رکھنا۔اس کی ہر طرف تعریف ہی تعریف ہو گی۔

خاندان قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہونے سے قبل سخت قحط کی زندگی بسر کر رہے تھے۔اگر زمین میں زراعت کرتے۔تو کچھ بھی پیدا نہ ہوتا تھا۔اور اگر اپنا مال و دولت خرچ کرتے تو کچھ فائدہ نہ پاتے۔وہ اب رحمت اور آسودگی سے ناامید ہو چکے تھے۔آپ کے حمل میں آتے ہی بارشیں برسنے لگیں۔کھیتیاں اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔بیج اور غلہ وافر مقدار میں ہونے لگا۔اس کے بعد مختلف علاقہ جات سے تاجر آنے لگے۔پھر ان کے صاع اور مد کا بھاؤ گر گیا۔(یعنی مہنگائی ختم ہو گئی) انہوں نے اس سال کا نام ''خوشی و مسرت کا سال'' رکھا۔کیونکہ وہ اب خوش تھے اور ان سے ہر پریشانی دور ہو گئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت مہربانی فرمائی۔اور یہ سب کچھ اس شخصیت کی وجہ سے تھا جو کائنات کی اصل تھی۔ان لوگوں کی نحوست، سعادت میں تبدیل ہو گئی۔ہر بت اوندھے منہ گر گیا۔ہر بادشاہ کا تخت الٹ گیا۔اس بات نے اللہ تعالیٰ قدوس کو خوش کیا۔اور ان کے کفر کے شیخ ابلیس کو بہت برا لگا۔میری مراد اس سے لعین نجدی شیخ ہے۔

چار پائے ایک دوسرے کو آپ کے حمل کی بشارت دیتے۔اس رات آپ کے فضل کے حیوانات نے گیت گائے۔کہنے لگے۔ہماری دنیا کے امام آ گئے۔بے مثل تشریف لے آئے، آپ مرد و زن کیلئے چراغ ہیں۔ان چار پایوں کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی بخشی۔جو پیدا کرنے والا اور مارنے والا ہے۔مغرب کے وحوش نے مشرق کے وحوش کو خوشخبری سنائی۔اسی طرح جنگلات اور دریاؤں سمندروں میں مچھلیوں نے ایک دوسرے کو بشارت دی۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرد کیلئے رحمت ہیں۔

اس مہینہ میں پوری زمین اور آسمان میں آواز سنی گئی۔کہ تم سب کو بشارت ہو۔کہ مبارک ہادی کا وقت قریب آ گیا ہے۔کریم، قاسم اور نوازشات کرنے والی شخصیت آیا ہی چاہتی ہے۔اس بھلائی اور مجسمہ نیکی کی ہر ایک کو مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس سال عورتوں کو ایک نئی خوشی سے سرفراز فرمایا۔وہ یہ کہ تمام عورتیں اس سال لڑکے سے حاملہ ہوں گی۔یہ اس کی کرامت تھی جو بشیر بن کر آنے والا تھا۔جو

ہدایت کرنے والا اور ڈرانے والا بن کر آ رہا تھا۔ یہ سال عام اور طویل فرحت ساتھ لیکر آیا۔

حمل میں تشریف لانے کی رات کوئی ایسا مکان باقی نہ رہا جس میں روشنی نہ ہوئی ہو اور انوار کی بارش سے منور نہ ہوا ہو۔ اسی طرح سورج جب قریب آیا۔ تو اس کی روشنی میں کمی ہوگئی۔ اور دکھتی آنکھوں میں سورج کی روشنی کا اثر نہ رہا۔ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے اس وقت رجب المرجب کا مہینہ اور جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ اور حکم دیا گیا کہ اے رضوان! جلدی سے اٹھو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہوتے ہوئے فردوس کے دروازے کھول دو۔ اس لئے کہ میرے خاص عبد اس وقت اپنی والدہ کے شکم میں تشریف فرما ہو چکے ہیں۔ آپ کے حمل میں رہنے کی مدت مکمل نو ماہ تھی۔ خوش بخت وہ عورت جو حاملہ اور خوش بخت وہ جو حمل میں جلوہ فرما ہے۔ اس نے ایسی کوئی تکلیف مثلاً دردزہ اور دوسری تکالیف قطعاً نہ پائیں۔ آپ ﷺ کے حمل کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہوئی۔ کہ ہاتھی نے مہابت کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ہاتھی والے مارے گئے۔ یعنی ابرہہ اور اس کی فوج خواہ وہ پیدل تھی یا سواریوں پر سواران سب کو ابابیل پرندوں نے ہلاک کر دیا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کیلئے روانہ کیا تھا۔ ان پرندوں نے انہیں کعبہ تک پہنچنے نہ دیا۔ اور اس سے پہلے ہی ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیئے گئے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات کی صفات حسنہ بیان کرو۔ ہمارے نزدیک اس رات کے سوا کوئی رات ''لیلۃ القدر'' نہیں۔ اس رات کے سبب دنیا روشن ہوئی اور بہت خوش ہوئی۔ اور وہ رات معتدل ہوگئی۔ نہ اس میں زیادہ گرمی اور نہ ہی سردی۔ ہم اسے ''لیلۃ القدر'' سے زیادہ حسین سمجھتے ہیں۔ اس رات نے ہمیں خوشیاں دیں اور ہماری انس و محبت اس سے وابستہ ہے۔ اس رات نے ہم پر نعمتیں وسیع کر دیں۔ اور ہمارے تمام مقاصد اور امیدیں اس کی وجہ سے پوری ہوگئیں اور ہر مطلوب بغیر کسی گنتی کے سبھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کے ذریعہ ہمارے ایمان کو خوشی بخشی۔ خلیج فارس کا پانی خشک ہوگیا۔ اور ایران میں جلتی صدیوں کی آگ بجھ گئی۔ ایوان پھٹ گئے۔ اور قیصر و کسریٰ کو ہمارے مولیٰ نے یہ دکھا دیا۔ کہ تمہاری حکومت اب دنوں کی مہمان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل جنات آسمانوں پر چڑھ جایا کرتے تھے

اور چوری چھپے اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے کی کوشش کیا کرتے تھے۔لیکن آپ کی ولادت کے بعد ان کا اوپر جانا روک دیا گیا۔اس کے باوجود اب اگر کوئی اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے تیروں کی مانند شہاب سے مار بھگا دیا جاتا ہے۔ان جنات کیلئے ان ستاروں میں سخت تیز آگ رکھی ہوتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی کئی غیبی آوازیں سنائی دیں۔جن کی کاہنوں اور احبار نے تصدیق کی۔ ہر ایک اعلان کر رہا تھا۔کہ حبیب مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد ہے۔توحید اور انوار قریب قریب ہو گئے۔اور اس دن کے بعد شرک کو کوئی پناہ نہ ملی۔ نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی گھڑی آ گئی۔تمام کائنات انوار سے چمک اٹھی۔افق سے موتی اترے جو دیکھنے والوں کو چراغوں کی مانند دکھائی دیئے۔وہ موتی زینت کیلئے ایک ستون پر لٹکائے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اس کے حکم سے جنت کے دروازے کھول دیئے۔اور جہنم کے تمام دروازے بند کر دیئے۔اور حور وولدان کی طرح فرشتے بھی خوش ہوئے۔کیوں نہ خوش ہوتے جبکہ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے بنائے گئے ہیں۔ان تمام میں حضور خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی عام تھی۔انہوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے،سورج نے روشنی کی بہترین اور حسین تر چادر اور پوشاک پہن لی۔سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جو ہر کام میں راہ راست پر ہیں۔میں گھر میں اکیلی تھی۔کہ یکبارگی مجھے دردزہ کی شکایت ہوئی۔اس کا چونکہ کسی کو علم نہ تھا۔اس لئے کوئی ہمسایہ اور کوئی رشتہ دار عورت نہ آئی۔ادھر جناب عبدالمطلب طواف میں مصروف تھے۔ان حالات میں میں اپنے کام میں حیران ہوگئی۔اور میرا دل گھبرا گیا۔لیکن میں نے ہوش سنبھالی۔اور خود سے کہا۔میں بھلائی سے دور نہیں ہوں۔میں اپنے گھر میں اسی کیفیت میں تھی کہ ایک آواز سنی جیسے کوئی گرا ہے یا دھماکہ ہوا ہے۔جس سے میں اپنی حالت بھول گئی۔پھر دیکھا کہ ایک پرندہ میرے دل پر اپنے لٹکے پر مل رہا ہے۔اس سے فوراً میرا ڈر اور درد وغیرہ ختم ہوگئے۔

اس کے بعد میں نے شربت دیکھا۔ایک سفید رنگ کا یعنی دودھ تھا اور دوسرا شہد تھا۔میں نے اسے نوش کیا۔پھر اوپر سے ایک نور آیا۔جس نے میری وحشت ختم کی۔اور مجھ میں انس ومحبت پیدا ہو گئی۔دودھ اور شہد دونوں بہترین شربت ہیں۔پھر میں نے اپنی طرف آتی عورتیں دیکھیں۔جو لمبے قد کی تھیں۔ایسے جیسے کھجوروں کے درخت ہوں۔یوں لگتا تھا کہ وہ عبد مناف کی رشتہ دار ہیں۔جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا ہیں۔کیسا صاحب کرم بیٹا اور کیسا صاحب اکرام دادا وہ میرے قریب آئیں۔اور مجھے غور سے دیکھنے لگیں۔میں انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوگئی۔اور میں نے کہا۔کہ ان

عورتوں کو میرے بارے میں میرے حالات اور میری ضروریات کا کس نے بتایا۔ کہ وہ میرا ہاتھ بٹانے آئی ہیں؟ انہوں نے مجھے کہا۔ تعجب نہ کرو۔ ہم میں سے ایک آسیہ اور دوسری مریم اور بقیہ جنتی حوریں ہیں۔ آسمان و زمین کے درمیان خلا میں بہترین چمکتا سفید رنگ کا ریشمی قالین بچھا دیا گیا۔ اور کوئی اعلان کرنے والا اعلان کر رہا تھا۔ اس (نومولود) کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دو۔ میں نے یہ آواز سنی لیکن آواز والے کو دیکھ نہ سکی۔ پھر میں نے ہوا میں کچھ لوگ کھڑے دیکھے۔ جنہوں نے کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی تھی۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں کٹورے یا پیالے کی مانند چمکتے برتن دیکھے۔ جو چاندی کے بنے تھے۔ پھر پرندوں کا ایک جھنڈ آیا اور اس نے میرے حجرہ اور مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کی خونچیں زمرد کی تھیں۔ اور پروں سے یاقوت جھلک رہے تھے۔ جن کی خوبصورتی بیان سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔ اور میں نے پھر اپنی آنکھوں سے عجائبات قدرت دیکھے۔ میں نے مشرق و مغرب دیکھا۔ اور میں نے اپنے مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ پائی۔ اور جب میری دوری ختم ہوگئی تو میں نے قرب میں زیادتی حاصل کی۔ میری آنکھوں نے تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں گاڑا گیا ہے۔ گویا وہ دونوں جھنڈے لوگوں کو خوشخبری دے رہے تھے۔ تیسرا جھنڈا کعبہ کی چھت پر گڑا ہوا دیکھا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی مدد اور بزرگی کی علامت تھی۔ اس کے بعد کہ میں ان حالات سے گزر رہی تھی اچانک ولادت کی تکلیف ہوئی اور دیکھا کہ مجھ سے ''نور'' جدا ہو رہا ہے۔ یہ ''نور'' جب تک میرے شکم میں رہا۔ نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف ہوئی۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا بیٹا ''محمد'' جنا۔ جو تمام کائنات کے بچوں سے زیادہ سعید ہے۔ جس سے میری سعادت کو بھی چار چاند لگ گئے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو صاف ستھرا، پاکیزہ اور معطر جنا۔ نہ آپ کے جسم اقدس پر کوئی میل تھا اور نہ ہی کوئی گندگی۔ مکمل شکل و صورت تھی۔ ختنہ شدہ اور ناف کسی آلہ کے بغیر قدرتی کٹی ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ نے آپ کے ساتھ نور نکلتا دیکھا۔ اس کی چمک سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ جس سے آپ کی والدہ نے شام کے محلات اور روم کے علاقہ جات دیکھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے دور سے دیکھا اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ بیان فرماتی ہیں۔ کہ آپ جب زمین پر آئے تو فوراً سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک گئے۔ پھر میری طرف آسمان سے بادل آیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو غائب کر دیا۔ اور کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین عبد کو دنیا کا طواف کراؤ۔ تمام کائنات میں انہیں پھراؤ۔ تاکہ ان کی آمد کی خبر مشرق و مغرب اور خشکی تری میں رہنے والے جان لیں۔ تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی، صورت مبارک اور صفات عالیہ سے مطلع ہو جائیں۔ جن کے آنے سے شرک اور ہر قسم کا انکار مٹ جائے گا۔ یہ بادل بہت جلد آپ سے ہٹ گیا۔ اور آپ پہلے کی طرح میرے سامنے موجود تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائی تھی۔ پھر آپ نے زمین کی مٹی پر ہاتھ رکھے۔ جو اس طرف اشارہ تھا کہ اس کے بعد اب ان کی حکومت ہوگی۔

آپ نے اپنا سر انور آسمان کی طرف اٹھایا اور روشن کائنات کی طرف دیکھنے لگے۔ اس لئے کہ آسمان کی نورانی مخلوق کو آپ کے نور سے بنایا گیا تھا۔ آپ اصل الاصول اور ابوالآباء ہیں اور تمام آپ کی اولاد کے قائم مقام ہیں۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ بروز سوموار صبح صادق سے تھوڑا سا پہلے آپ کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ تمام کائنات آپ سے چمک اٹھی سورج شرمندہ ہو گیا اور چاند پر آپ کا نور فوقیت لے گیا۔ چاند نے آپ کے ساتھ پنگھوڑے میں گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اعلیٰ قسمت و نصیبہ والی عورت سیدہ حلیمہ نے دودھ پلایا جو اعلیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے ہاں رزق کی تنگی تھی لیکن آپ کی برکت سے تمام شہر والوں سے آسودہ ہوگئی۔ نیک بخت تھی اور مجسمہ سعادت سے سعید ہوگئی۔

اے ہمارے پرودگار! ہم تیری بارگاہ میں اس عزت و جاہ کا توسل کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیری بارگاہ میں حاصل ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں اور تیری طرف سے خیر کے طالب ہیں۔ ہم سب کو رشد و ہدایت عطا فرما۔

اے پروردگار! آپ ﷺ کی جاہ و منزلت کے صدقہ ہماری دعا قبول فرما۔ ہمیں اور ہمارے دوستوں کے مسئلہ جات پورے فرما۔ اے اللہ! ہمارے قول و فعل کو قبول فرما ہمارے نفوس اور ہمارے اہل و عیال کی اصلاح فرما اور انہیں ہر غلط کام اور برائی سے محفوظ رکھ۔

اے ہمارے پروردگار! ہم سب کے گناہ معاف کر دے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے مقاصد ہمارے لئے آسان کر دے۔ اے ہمارے پروردگار! جو ہمیں اپنا رعب دکھاتے ہیں انہیں اپنی ہی پریشانی میں ڈال دے اور مکروہات کو ہم سے بہت دور کر دے۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے والدین کی بھی مغفرت فرما۔ ہمارے اشیاخ، ہمارے بھائی اور ہماری اولاد کی بھی مغفرت فرما۔ ان سب کی دین و دنیا کی اصلاح فرما دے۔ اور سب کو علیین میں جگہ نصیب فرما اور ہمیں بھی ان کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں رکھنا اس کیلئے اور ہمارے لئے اپنے احسانات دگنے کر دے اے پروردگار! دشمنوں کے خلاف اس کی مدد فرما۔ اے اللہ! ہمارے دین اور ہماری دنیا کی اس کے ذریعہ اور اس کے کارندوں وافواج کے ذریعہ حفاظت فرما۔

اے ہمارے پروردگار! اس کے کارندوں کو اس کیلئے اصلاح والے بنا دے۔ اس کی رعایا کی اصلاح فرما۔ اس کے حالات بہتر سے بہتر کر دے۔ اس کی جو خواہشات تمنائیں ہیں وہ اسے عطا فرما اور اس کے اقوال وافعال ہمارے لئے محمود بنا۔ جن کی ہر دور میں تعریف ہی کی جاتی رہے۔

اے ہمارے پروردگار! نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر رحم فرما۔ ہر دور اور ہر گھر پر تیری رحمت نازل ہو۔ اغیار کے غلبہ سے انہیں بچائے رکھنا۔ تمام ممالک اور تمام شہر اغیار سے حفاظت میں رکھنا۔ زمین کا ہر بلند و پست حصہ تیری ہی حفاظت میں رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ وسبب سے یا اللہ ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے خوف وڈر کو آپ کے واسطہ سے امن میں تبدیل فرما دے۔

اے ہمارے پروردگار! آپ کے وسیلہ سے ہمارے حالات درست کر دے اور ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے اور ہمیں حسد اور کینہ سے نجات بخش۔

اے اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اس قدر صلوٰۃ وسلام بھیج۔ جن کا ازل وابد سے شمار نہ ہو سکے اور آپ کی آل اور ہدایت کے ستارے صحابہ کرام اور ہر اس شخص پر جو امت میں سے ان کی اقتداء کرنے والا ہے۔ ان پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما اور جو ان حضرات کے بدخواہ ہیں۔ ان پر صلوٰۃ وسلام کا عکس اتار۔

سب سے پہلے خلیفہ سے تو راضی رہ۔ جو تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور ان کی تصدیق کرنے والے عظیم شخص تھے۔ اپنا سارا مال واسباب جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیا پھر روم اور عجم کی سرزمین پر جہاد کیا اور ہر مرتد اور جاہل کی سرکوبی کی۔

اے اللہ! تو حضرت فاروق اعظم سے بھی راضی رہ جو ابوبکر صدیق کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔ جن کا اسم گرامی "عمر" ہے۔ کسریٰ کو توڑنے والے اور قیصر کو بھگانے والے ہیں۔ میدان

کے شیر اور مسلمان فوجیوں کے سپہ سالار ہیں۔ یعنی ابو حفص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو حضرت زید کے بھائی ہیں۔

اے اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد مکرم اور افضل شخصیت سے بھی راضی رہ۔ جن کے عقد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جو فضل جلی کے مالک اور حضور ﷺ کے لشکر کیلئے سامان جہاد تیار کرنے والے ہیں۔ اس کیلئے انہوں نے اونٹ اور نقدی آپ پر نچھاور کر دی۔

اے اللہ! تو سیدہ خاتون جنت کے خاوند مولیٰ امام حیدر رضی اللہ عنہ سے راضی رہ۔ جو علم نبوی کے دروازے اور باب خیبر کے فاتح ہیں جب کہ فوج اسلامی سے اس دروازہ کا توڑنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ علی المرتضیٰ جو مرحب، عمر بن عبدود کو واصل جہنم کرنے والے ہیں۔

اے اللہ! تو تمام عشرہ مبشرہ سے راضی رہ۔ اور تمام اہل بدر اور بیعت رضوان کرنے والوں سے بھی راضی رہ۔ غزوہ احد کے شرکاء سے بھی راضی رہ۔ اور ہر اس آدمی سے جس نے نظر ایمان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا (اور اسی عقیدہ پر انتقال ہوا) یہ سب کے سب حضرات عادل اور پرہیزگار ہیں۔ ان حضرات کی جاہ و منزلت کے سبب ہمارا خاتمہ رشد و ہدایت پر فرما۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ حضور سید البشر مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد مبارک کی بات مکمل ہو گئی۔ اس تحریر کی تکمیل تیرہ سو بارہ ۱۳۱۲ھ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔ یہ تاریخ ان موتیوں کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہار میں پرونے کی ہے اور واقعی یہ بہترین مالا ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

# الامام العارف باللہ سیدی احمد الدردیر المالکی المصری رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲۰۱ھ

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کا تحریر کردہ ''مولد شریف'' ہے۔ جسے میں نے نظم میں ڈھالا اور جس کا ترجمہ ابھی ابھی اختتام کو پہنچا۔ میں نے کچھ باتیں اس پر زائد کیں چونکہ موصوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر شخصیت ہیں۔ ان کی تالیف کردہ ''مولد شریف'' کا جامع ازہر کے علماء جامعہ ازہر میں درس دیتے ہیں۔ اس بنا پر آخر میں ان کے الفاظ میں ہی اسے تحریر کر رہا ہوں تاکہ فائدہ مکمل ہو سکے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ (صرف ترجمہ پیش خدمت ہے)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو واجب الوجود ہے جو واسع الکرم والجود ہے۔ جو والد اور مولود سے منزہ ہے۔ جس نے ہمارے پاس اپنا نبی، اپنا حبیب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات بینات دیکر مبعوث فرمایا۔ معجزات باہرات دیکر بھیجا۔ پس ان کے ذریعہ اس نے اپنا دین قویم ظاہر کیا اور ان کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کی اور شفاعت عظمیٰ سے جنہیں خاص کیا اور بلند و بالا مقام سے مختص فرمایا اور اپنے پیغمبروں سے جن کے بارے میں پختہ میثاق وعہد لیا کہ اگر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتے ہوں تو تم لازماً ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی ضرور مدد کرو گے۔ حتی کہ وہ اللہ معبود برحق کا پیغام پہنچا دیں۔ جب ان حضرات نے اس بات کا اقرار کر لیا تو فرمایا تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ تمام مرسلین سے اشرف ہیں۔ جو آپ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)۔ فرما دیجئے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری اتباع کرو۔ وہ تمہیں محبوب بنا لے گا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ آپ ہی نے ارشاد فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھ پر درود پڑھنے والا میرا دوست ہے۔ لہٰذا جو چاہتا ہے کہ حبیب کا حبیب بنے۔ اسے حبیب پر بکثرت صلوٰۃ وسلام بھیجنا چاہئے۔ عقل مند اور ذہین اور حاذق و نجیب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت جاننے کیلئے اور آپ پر صلوٰۃ و

سلام کی قدرومنزلت جاننے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ملاحظہ کرے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾

جس نے یہ شعر کہے کیا خوب کہے۔(یہ اشعار سیدی محمد وفا رضی اللہ عنہ کے ہیں)

فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَعْظَمُ كَائِنٍ ۔۔۔ وَاَنْتَ لِكُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلُ
عَلَيْكَ مَدَارُ الْخَلْقِ اِذْ اَنْتَ قُطْبُهٗ ۔۔۔ وَاَنْتَ مَنَارُ الْحَقِّ تَعْلُوْ وَ تَعْدِلُ
فُؤَادُكَ بَيْتُ اللّٰهِ دَارُ عُلُوْمِهٖ ۔۔۔ وَبَابٌ عَلَيْهِ مِنْهُ لِلْحَقِّ يَدْخُلُ
يَنَا بِيْعُ عِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُ تَفَجَّرَتْ ۔۔۔ فَفِيْ كُلِّ حَيٍّ مِنْهُ لِلّٰهِ مَنْهَلُ
مَنَحْتَ بِفَيْضِ الْفَضْلِ كُلَّ مُفَضَّلٍ ۔۔۔ فَكُلٌّ لَهٗ فَضْلٌ بِهٖ مِنْكَ يَفْضُلُ
نَظَمْتَ نَثَارَ الْاَنْبِيَاءِ فَتَاجُهُمْ ۔۔۔ لَدَيْكَ بِاَنْوَاعِ الْكَمَالِ مُكَلَّلُ
فَيَا مَدَّةَ الْاِمْدَادِ نُقْطَةُ خَطِّهٖ ۔۔۔ وَيَا ذِرْوَةَ الْاِطْلَاقِ اِذْ يَتَسَلْسَلُ
مَحَالٌ يَحُوْلُ الْقَلْبُ عَنْكَ وَاِنَّنِيْ ۔۔۔ وَحَقِّكَ لَا اَسْلُوْ وَلَا اَتَحَوَّلُ
عَلَيْكَ صَلَاةُ اللّٰهِ مِنْهُ تَوَاصَلَتْ ۔۔۔ صَلَاةُ اِتِّصَالٍ عَنْكَ لَا تَتَنَصَّلُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔تمام کائنات سے عظیم ہیں۔اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف رسول بن کر تشریف لائے۔تمام مخلوق کا آپ پر دارومدار ہے۔کیونکہ ''قطب کائنات'' ہیں۔اور آپ حق کے مینار کو بلند اور معتدل کرتے ہیں۔آپ کا دل ''بیت اللہ'' ہے۔اللہ تعالیٰ کے علوم کا گھر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ اس کے علوم کیلئے دروازہ ہیں۔اسی دروازہ سے حق کی طرف داخلہ ہوسکتا ہے۔اس سے علم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔لہٰذا ہر ذی حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف جانے اور اس سے علم کی سیرابی حاصل کرنے کی گھاٹ آپ ہی ہیں۔آپ نے ہر صاحب فضیلت کو فیض فضیلت سے نوازا۔پس ہر صاحب فضل کو جو فضل ملا وہ آپ کے در فضیلت سے ہی ملا۔تمام انبیاء کرام کے کمالات کا آپ جامع ہیں۔ان کا تاج آپ کے ہاں ہے۔جو مختلف اقسام کے کمالات سے جڑا ہوا ہے۔سو آپ وہ ہیں کہ آپکے خط کا نقطہ تمام سیاہیوں کی سیاہی ہے۔اور آپ ہی مطلق بلندی کے مالک ہیں۔جب اس میں تسلسل آتا ہے۔آپ سے دل کسی اور طرف پھر جائے یہ محال ہے۔اور میں آپ کے حق کی قسم! نہ تو تسلی پاتا ہوں اور نہ ہی کسی اور طرف پھرنے کی سوچتا ہوں۔آپ پر اللہ تعالیٰ کی لگاتار صلوٰۃ وسلام نازل ہوں۔جو ہر وقت آپ پر اترتے ہیں۔اور کبھی بھی ان کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوئے۔ تو اول مخلوق بھی آپ ہی ہوئے۔ اور تمام انبیاء کرام سے آخر میں تشریف لانے والے بھی آپ ہی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے محدث عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ درج ذیل روایت لکھی۔

قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِأَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَاقَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَکٌ وَ لَا سَمَاءٌ وَلَا اَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ فَلَمَّا اَرَادَاللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَالِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِیْ اَللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمِنَ الثَّانِیْ نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِیَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَاُنْسِهِمْ وَهُوَالتَّوْحِیْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ارشاد فرمایئے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا کیا؟ فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت سے جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا پھرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتہ، آسمان، زمین، چاند، سورج، جن وانسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق بنانے کا ارادہ کیا۔ تو اس نور کے چار حصے بنائے۔ پہلے حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کے مزید چار حصے کیے۔ ان میں سے پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تیسرے سے ان کے اُنس کا نور یعنی توحید۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بنائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَاَلْفَ عَامٍ۔ میں اپنے رب کے حضور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے "نور" تھا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَ جَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ رَوَاهُ التِّرْمَذِیْ وَ حَسَّنَهٗ۔ یارسول اللہ! نبوت آپ کیلئے کب لازم کی گئی؟ فرمایا۔ اس وقت جب آدم علیہ

السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مبارک کی تخلیق کے بعد مخلوقات میں سے کون سی چیز سب سے پہلے پیدا کی گئی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بعد پانی پیدا کیا گیا۔ پانی کے بعد عرش، اس کے بعد قلم بنائے گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ اور ان میں روح پھونکی۔ تو اس نورِ اول کو ان کی پشت میں رکھا گیا۔ جو ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اور تمام انوار پر غالب آجاتا تھا۔ جناب جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "روح" حضرت آدم کے سر میں سو سال پھر ان کے سینہ میں سو سال پھر ان کی پنڈلیوں اور قدموں میں سو سال ٹھہری رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمیع مخلوقات کے نام سکھائے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ انہیں سجدۂ تحیت کریں۔ یعنی تعظیمی سجدہ کریں۔ سجدۂ عبادت نہیں۔ تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا سجدہ کیا۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا جانا۔ سجدہ سے انکار کر دیا۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کا نافرمان بنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حضرت آدم کو فضیلت دی۔ اس کا سب سے پہلا حاسد ہوا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے باہر نکال دیا۔ لعنت کی۔ اور ذلیل و رسوا کر کے دور کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو پیدا کیا۔ جو حضرت آدم کی بیوی ہیں۔ ان کی تخلیق آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی۔ جبکہ آپ سوئے ہوئے تھے۔ آپ کو ان کی پیدائش کا پتہ بھی نہ چلا۔ جب بیدار ہوئے اور حواء کو دیکھا تو ان کی طرف سکون حاصل کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ فرشتوں نے کہا۔ ٹھہر جائیے۔ پوچھا۔ کیوں جبکہ یہ میری پسلی سے بنائی گئی ہے؟ فرشتوں نے کہا۔ پہلے ان کا حق مہر ادا کرو۔ پوچھا۔ ان کا حق مہر کیا ہے؟ کہا۔ یہ کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین مرتبہ صلوٰۃ پڑھو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حواء کے قریب جانے کا ارادہ کیا۔ تو حواء نے ان سے مہر طلب کیا۔ کہنے لگے۔ اے پروردگار! میں اسے حق مہر میں کیا دوں؟ آواز آئی۔ اے آدم! جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس مرتبہ درود شریف پڑھو۔ حضرت آدم نے بیس مرتبہ جب درود شریف پڑھا۔ تو حضرت حواء ان کیلئے حلال کر دی گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کیلئے جنت کی تمام نعمتیں مباح کر دیں۔ صرف ایک گندم کا پودا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کا کھانا منع کر دیا۔ پھر ابلیس نے حیلہ کیا۔ اور جنت میں داخل ہوا۔ ان دونوں کے پاس آیا۔ اور کھڑا رہا۔ اور ایسا رویا کہ دونوں کو غمزدہ کر دیا۔ دونوں نے اس سے پوچھا۔ کیوں روئے ہو؟ کہنے لگا۔ تم دونوں کے بارے میں رونا آیا ہے۔ کہ تم مرجاؤ گے۔ اور جنت کی دائمی نعمتیں تم سے چھوٹ جائیں گی۔ کیا میں

تمہیں ایک ایسا درخت نہ بتاؤں۔ جس کے کھانے سے موت نہیں آئے گی۔ اور یہ نعمتیں کبھی نہ چھنیں گی؟ اس نے وہی درخت (گندم کا ممنوعہ پودا) بتایا۔ اور کہنے لگا۔ یہی وہ درخت ہے جس کے کھانے سے نہ موت آئے گی اور نہ جنتی نعمتیں ختم ہوں گی۔ شیطان نے قسم اٹھا کر ان سے کہا۔ بخدا! میں تم دونوں کا بہت خیر خواہ ہوں۔ جب اس نے دونوں کو پھسلا دیا اور دونوں نے اس بنا پر کھالیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی بھی جھوٹی نہیں اٹھاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (گندم کا پھل کھا لینے کے بعد) ان سے کہا۔ اے آدم! کیا میں نے تم دونوں کیلئے جنت کا ہر پھل اس (گندم) کے علاوہ کھانے کی اجازت نہیں دی تھی اور اس سے منع نہیں کیا تھا؟ کہنے لگے۔ اے پروردگار! تیری عزت وجلال کی قسم! ہمارا خیال یہ تھا کہ کوئی بھی آپ کی جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا۔ فرمایا۔ اب زمین پر چلے جاؤ۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے۔ تو تین سو سال تک لگاتار روتے رہے۔ آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے۔ پھر حضرت حواء کے بطن سے چالیس بچے بیس حمل سے پیدا ہوئے۔ یعنی ہر حمل سے جڑواں بیٹا بیٹی پیدا ہوتے۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ یہ اس ذات کی کرامت کیلئے تھا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سعادت بخشی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ تو حضرت شیث علیہ السلام آپ کی اولاد پر ان کی طرف سے "وصی" ہوئے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اس نور (محمدی) کو صرف ان عورتوں میں منتقل کرنا جو پاکیزہ ہوں۔ پھر یہی وصیت ایک نسل دوسری نسل تک منتقل کرتی رہی۔ حتیٰ کہ "نور محمدی" حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک آن پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی بدکاری سے محفوظ و پاک رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جاہلیت کی بدکاری میں سے کچھ بھی میری ولادت میں موجود نہ تھا میری ولادت صرف اور صرف اسلامی نکاح سے ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہے۔ میں ایسے نکاح سے پیدا ہوا جس میں بدکاری کا نام ونشان تک نہ تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طیبین وطاہرین کے سردار، قابل اکرام موحدین کا نتیجہ، نبی، عربی، ہاشمی، قریشی، عرب کے بہترین بطون سے منتخب، نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر یہ قریش ہیں۔ اور جناب فہر کی طرف تمام قریش منسوب ہیں۔ ان سے اوپر والے "کنانی" کہلاتے ہیں۔ قریشی نہیں کہلاتے۔ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن

الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک نسب شریف متفق علیہ ہے۔اس کے بعد والے ناموں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس ''محفوظ راز'' جو ظاہر و باطن ہر چیز میں ساری تھا۔جو عالم پوشیدہ و عالم ظاہر میں موجود تھا۔اسے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس کے ظہور سے کمال صفاء اور مزید سرور تکمیل کیا جائے۔تو اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کی طرف الہام کیا۔کہ وھب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس جائیں۔جو اس وقت بنوزہرہ کے نسب و شرافت میں سردار تھے۔ان سے ان کی صاحبزادی آمنہ کی اپنے بیٹے عبداللہ کیلئے خواستگاری کریں۔یہ عورت اس دور میں قریش میں سے نسب اور موضع کے اعتبار سے افضل ترین عورت تھی۔بات ہوگئی۔پھر جناب عبداللہ کی سیدہ آمنہ سے شادی ہوگئی۔اور شعب ابی طالب میں دونوں میاں بیوی رہنے لگے۔یہیں سیدہ آمنہ کو امید ہوگئی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن اقدس میں جلوہ فرما ہوگئے۔دوران حمل اور بوقت پیدائش عجیب وغریب واقعات وحالات ظاہر ہوئے۔

جناب کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات سیدہ آمنہ امید سے ہوئیں۔اس رات آسمان اور زمین کے کونہ کونہ میں یہ ندا کی گئی کہ وہ پوشیدہ نور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آج رات سیدہ آمنہ کے شکم میں تشریف فرما ہو چکا ہے۔مبارک ہو سیدہ آمنہ کیلئے اور پھر مبارک ہو۔دنیا میں موجود تمام بت اوندھے منہ گر پڑے۔قریش انتہائی خشک سالی اور تنگدستی میں تھے۔پس زمین سرسبز ہو گئی۔درختوں پر پھل لگ گیا۔اور ہر طرف سے قریش پر آسودگی وفراوانی آ گئی۔اس سال کو جس میں سیدہ آمنہ امید سے ہوئیں۔کا نام ''فتح اور خوشی کا سال'' دیا گیا۔جب سیدہ آمنہ حاملہ ہوگئیں تو ایک آنے والا آیا۔اور انہیں خبر دی کہ تمہارے شکم میں وہ شخصیت جلوہ فرما ہو چکی ہے جو اس امت کی سردار ہے۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں۔مجھے محسوس نہ ہوا کہ میں حاملہ ہو چکی ہوں۔نہ ہی مجھے کسی قسم کا بوجھ محسوس ہوا۔نہ ہی کمزوری لاحق ہوئی۔جیسا کہ عام عورتوں کی حالت حمل میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔مگر اتنی بات ضرور ہوئی کہ سلسلہ حیض منقطع ہو گیا تھا۔ایک اور آنے والا آیا۔میں اس وقت نیند اور بیداری کے درمیان تھی۔وہ کہنے لگا۔کیا تمہیں معلوم ہے۔کہ تم نے اپنے شکم میں ''سید الانام'' کو اٹھا رکھا ہے؟ پھر مجھے اس وقت تک میرے حال پر چھوڑ دیا گیا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن قریب آ گیا۔اس وقت ایک آنے والا آیا۔اور کہنے لگا۔جب تم بچے کو جنم دے چکو تو اللہ واحد کی اس کیلئے پناہ مانگنا۔کہ اللہ تعالیٰ اس نومود کو ہر حاسد کے حسد سے محفوظ رکھے۔پھر ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔

مروی ہے کہ قریش کے تمام چارپائے اس رات بول اٹھے۔ اور کہنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم اطہر میں تشریف فرما ہو چکے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! وہ دنیا کے امام اور دنیا والوں کے چراغ ہیں۔ دنیا کے بادشاہوں میں سے ہر ایک بادشاہ کا تخت شاہی اوندھا ہو گیا۔ مشرق کے پرندے مغرب کے پرندوں کی طرف اڑے۔ اسی طرح دریاؤں سمندروں کی مچھلیاں ایک سمت سے دوسری سمت گئیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو خوش خبری سنا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے شکم مادر میں ہونے کے دوران ہر مہینہ آسمانوں اور زمین میں ندا کی جاتی تھی۔ کہ تم سب کو خوشخبری ہو۔ کہ اب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب سے قریب تر ہو رہا ہے۔ آپ پوری کائنات کیلئے مبارک اور قابل فخر ہوں گے۔

جب سیدہ آمنہ کو امید سے ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزرا۔ تو ان کے خاوند حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کا انتقال اس دوران ہوا۔ جب آپ قافلہ کے ساتھ شام سے واپس مکہ آ رہے تھے۔ یہ جماعت قریشی لوگوں کی بغرض تجارت شام گئی تھی۔ جب واپسی پر اس جماعت کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو جناب عبداللہ بیماری کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے۔ کیونکہ یہاں ان کے ننھیال تھے۔ جو خاندان بنی عدی بن نجار سے تھے۔ آپ ان کے ہاں بیماری کی حالت میں ایک ماہ رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب سیدہ آمنہ کا بچہ جننے کا وقت قریب آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔ تمام آسمانوں اور تمام جنتوں کے دروازے کھول دو۔ اور سورج کو اس دن عظیم نور عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سال دنیا کی تمام عورتوں کیلئے یہ حکم دیا کہ ہر ایک کے ہاں بیٹا پیدا ہو۔ اور یہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی کرامت اور عزت کی خاطر کیا گیا۔

سیدہ آمنہ بیان فرماتی ہیں جب مجھے بچہ جننے کی حالت آئی۔ میرے بارے میں اس کا کسی مرد یا عورت کو قطعاً علم نہ ہوا۔ میں تن تنہا گھر میں تھی۔ اور جناب عبدالمطلب طواف کر رہے تھے۔ میں نے ایک زوردار آواز سنی۔ جیسا دھماکہ کی آواز ہو۔ اور ایک عجیب حالت پیش آئی۔ جس سے میں خوف زدہ ہو گئی۔ پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید پرندے کے پر ہیں جو میرے دل پر پھیرے جا رہے ہیں۔ اس سے میرا خوف بالکل جاتا رہا۔ اور وہ تکلیف بھی ناپید ہو گئی۔ جو محسوس ہو رہی تھی۔ پھر میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو مجھے اچانک سفید پانی سا دکھائی دیا۔ وہ مجھے دے دیا گیا۔ اس سے مجھے ایک بلند نور ملا۔ پھر میں نے کھجور کی طرح لمبے قد کی عورتیں دیکھیں۔ جو عبد مناف کے خاندان کی سی معلوم ہوتی تھیں۔

مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔ میں حیران تھی۔ اور دل میں کہہ رہی تھی کہ ان عورتوں کو میرے بارے میں کس نے بتایا ہے؟ انہوں نے فوراً مجھے کہا۔ میں فرعون کی بیوی آسیہ ہوں۔ دوسری نے کہا میں عمران کی بیٹی مریم ہوں۔ اور یہ دوسری عورتیں جو ہمارے ساتھ ہیں۔ جنت کی ''حورعین'' ہیں۔ اس دوران ایک سفید ریشمی کپڑا زمین وآسمان کے درمیان بچھایا گیا۔ اور ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ اسے لوگوں کی نظروں سے دور لے جاؤ۔ فرماتی ہیں۔ میں نے ہوا میں کھڑے چند مرد دیکھے۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے (پیالے) تھے۔ میں نے پھر دیکھا۔ کہ پرندوں کا ایک جھنڈ میری طرف آیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے میرے حجرہ کو چاروں طرف سے ڈھانپ دیا۔ ان کی چونچیں زمردیں اور پر یاقوتی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کے پردے ہٹا دیئے۔ تو میں نے زمین کے مشرق ومغرب کو دیکھا۔ اور دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر گاڑا ہوا ہے۔ پھر مجھے دردزہ شروع ہوا۔ پس میں نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ تو آپ سجدہ میں گرے ہوئے تھے۔ انگلی آپ کی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ ایسے دکھائی دیئے کہ عاجزی کر رہے ہیں۔ گڑگڑا رہے ہیں۔ پھر میں نے ایک سفید بادل دیکھا۔ جو آسمان کی طرف سے آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس بادل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھانپ لیا۔ اس نے آپ کو مجھ سے غائب کر دیا۔ پھر میں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی۔ کہ اس (نومولود) کو زمین کے مشرق ومغرب کا طواف کراؤ۔ دریاؤں سمندروں میں لے جاؤ۔ تاکہ سبھی پہچان لیں۔ کہ ان کا نام ان کی صورت اور ان کی تعریف وصفت یہ یہ ہے اور انہیں علم ہو جائے کہ کائنات میں ان کا نام ''ماحی'' ہے۔ یعنی مٹانے والا۔ آپ اپنے زمانہ میں شرک کا نشان نہ چھوڑیں گے۔ شرک ان کے دور میں مٹ جائے گا۔ پھر وہ بادل آپ سے مختصر سے وقت کے بعد ہٹ گیا۔ اور آپ دکھائی دیئے جانے لگے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ کا منہ نے بیان کیا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ نور بھی نکلا۔ جس سے مشرق ومغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہوگئی۔ پھر آپ زمین پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ آپ کے دونوں ہاتھ زمین پر لگے ہوئے تھے (جس طرح سجدہ کرنے والے کے ہاتھ لگے ہوتے ہیں) پھر آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھری۔ اور سرانور آسمان کی طرف بلند کیا۔

ابونعیم نے جناب عطاء بن یسار وہ سیدہ ام سلمۃ سے اور وہ سیدہ کا منہ سے بیان کرتی ہیں۔ کہ میں نے جس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ اس رات میں نے ایک نور دیکھا۔ جس سے شام

کے محلات جگمگا اٹھے۔ اور میں نے انہیں دیکھا۔ ابونعیم نے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالہ سے ان کی والدہ "شفاء" سے روایت کیا۔ کہ جب سیدہ ؓ منہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ تو آپ میرے ہاتھوں پر آئے۔ اور آپ نے آواز نکالی۔ میں نے کسی آواز دینے والے سے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اللہ تجھ پر رحم کرے" سیدہ شفاء بیان کرتی ہیں۔ میرے لئے مشرق و مغرب جگمگا اٹھا۔ حتیٰ کہ میں نے روم کے محلات دیکھے۔ فرماتی ہیں۔ پھر میں نے آپ کو دودھ دیا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے آپ کو لباس پہنایا اور لٹا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے اندھیرے نے آن ڈھانپا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ مجھ سے غائب کر دیئے گئے۔ پھر میں نے کسی کہنے والے سے سنا۔ تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو؟ جواب ملا۔ مشرق و مغرب کی طرف۔ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ تو میں ان لوگوں میں ہوئی جو اول اول اسلام لائے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے عجائبات میں ایک بات یہ بھی تھی۔ جس کی روایات بھی موجود ہیں کہ کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ اور اس کے کنگروں میں سے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا۔ فارس (ایران) میں جلتی آگ بجھ گئی۔ جو ایک ہزار سال سے متواتر جل رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف کٹی ہوئی پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے سال میں اختلاف کیا گیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سال "عام الفیل" تھا۔ اور مشہور یہ ہے کہ واقعہ فیل سے پچاس دن بعد یا پچپن دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور صحیح یہ ہے کہ آپ ماہ ربیع الاول بروز پیر پیدا ہوئے۔ اور اصح یہ ہے کہ تاریخ آٹھ ربیع الاول تھی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ نے بروز پیر بارہ ربیع الاول تولد فرمایا۔ اور مشہور یہ ہے کہ پیر کے دن صبح کے بعد آپ کا وقت ولادت ہے۔ اور رات بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کے ساتھ نور بھی نکلا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ آپ اپنی والدہ کے شکم سے ہنستے ہوئے اور ہر قسم کی گندگی سے پاک تشریف لائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْ ضُ وَضَاءَ ت بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ
فَنَحْنُ فِي ذَالِکَ الضِّيَاءِ وَ فِي النُّوْ رِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہو گئی۔ اور آپ کے نور سے

آسمان کے کنارے چمک اٹھے۔ پس ہم اس روشنی، اس نور اور رشد و ہدایت کے راستوں میں چلے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے درجات اور بلند فرمائے۔ انہوں نے اس بارے میں کیا خوب کہا۔

وَمُحَيًّا كَالشَّمْسِ مِنْكَ مُضِيْءٌ     اَسْفَرَتْ عَنْهُ لَيْلَةٌ غَرَّاءُ
لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ الَّذِي كَانَ لِلدِّ     يْنِ سُرُوْرٌ بِيَوْمِهٖ وَازْدِهَاءُ
وَتَوَالَتْ بُشْرَى الْهَوَاتِفِ أَنْ قَدْ     وُلِدَ الْمُصْطَفٰى وَ حَقَّ الْهِنَاءُ
وَ تَدَاعٰى اِيْوَانُ كِسْرٰى وَلَوْ لَا     آيَةٌ مِنْكَ مَا تَدَاعَى الْبِنَاءُ
وَغَدَا كُلُّ بَيْتِ نَارٍ وَّ فِيْهِ     كُرْبَةٌ مِنْ خُمُوْدِهَا وَ بَلَاءُ
وَعُيُوْنٌ لِلْفُرْسِ غَارَتْ فَهَلْ كَا     نَ لِنِيْرَا نِهِمْ بِهَا اِطْفَاءُ
مَوْلِدٌ كَانَ مِنْهُ فِي طَالِعِ الْكُفْـــرِ وَ بَالٌ عَلَيْهِمْ وَ وَبَاءُ
فَهَنِيْئًا بِهٖ لِاٰمِنَةَ الْفَضْـــلُ الَّذِي شُرِّفَتْ بِهٖ حَوَّاءُ
مَنْ لِحَوَّاءَ اَنَّهَا حَمَلَتْ اَحْمَـــدَ اَوْ اَنَّهَا بِهٖ نَفَسَاءُ
يَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهٖ ابْنَةُ وَهْبٍ     مِنْ فَخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَآءُ
وَاَتَتْ قَوْمَهَا بِاَفْضَلَ مِمَّا     حَمَلَتْ قَبْلُ مَرْيَمُ الْعَذْرَاءُ
شَمَّتَتْهُ الْاَمْلَاكُ اِذْ وَضَعَتْهُ     وَشَفَتْنَا بِقَوْلِهَا الشِّفَاءُ
رَافِعًا رَأْسَهٗ وَ فِي ذَالِكَ الـــرَّفْعِ اِلَى كُلِّ سُؤْدَدٍ اِيْمَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ایسا کہ سورج اس سے روشن کیا گیا۔ اور رات اس کی برکت سے نور والی ہوگئی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی رات وہ ہے جس کے دن کے سبب دین کو سرور اور رونق ملی۔ کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ اگر آپ کی پیدائش کی یہ علامت نہ تھی تو پھر اس پر لرزہ کیوں طاری ہوا۔ ہر ایک آتشکدہ کی آگ بجھ جانے کی وجہ سے بڑی پریشانی اور مصیبت آن پڑی۔ فارس کے چشمے خشک ہوگئے۔ تو کیا ان چشموں کے پانی کی وجہ سے اس کے آتشکدے ٹھنڈے ہوگئے؟ آپ کی ولادت باسعادت ایسی کہ کفر کے طالع میں ایسا وبال آیا اور وبا پھیلی کہ کفر مٹ گیا۔ پس سیدہ آمنہ کو یہ نومولود مبارک ہو جس کی برکت سے عورتوں کو شرف و اعزاز ملا۔ وہ خوش نصیب عورت جس کے شکم میں سید العالمین جناب احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ یا ان کے بطن

سے دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی ولادت کا دن وہ بابرکت دن ہے کہ اس کی وجہ سے سیدہ آمنہ کو وہ فخر اور اعزاز ملا جو دنیا کی کسی عورت کو نہ ملا اور نہ ہی قیامت تک ملے گا۔ قوم کے پاس وہ افضل شخصیت تشریف لائی۔ جو ان سے پہلے حضرت مریم کنواری کے شکم میں رہنے والے بچے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے کہیں افضل ہیں۔ بادشاہوں کی شہنشاہیت انہوں نے ختم کردی۔ جب انہیں حضرت آمنہ نے جنم دیا تو سیدہ شفاء کی گفتگو (آنکھوں دیکھا حال) ہمارے لبوں پر آ گئی۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوقت ولادت سر انور اوپر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اور اس رفع (اوپر کی طرف سر اٹھانے) میں یہ اشارہ تھا کہ ہر قسم کی سیادت وامامت آپ کیلئے مختص ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین اتباع کرنے والا بنائے۔ اور آپ کی اتباع میں کامل واکمل ترین حالات پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

اِنْتَهٰى مَوْلَدُ سَیِّدِی اَحْمَدَ الدَّرْدِیْرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

**اختتامیہ۔** میں (علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتویٰ کو نقل کر کے اس جلد کا اختتام کرتا ہوں جو موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں لکھا ہے۔ (اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

سوال: اس دور میں اکثر لوگ جو ''میلاد'' مناتے اور محافل منعقد کرتے ہیں۔ اور کثرت سے ان محافل میں اذکار کیے جاتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ کیا یہ باتیں سنت ہیں، فضیلت ہیں یا بدعت؟ اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ یہ فضیلت ہیں۔ تو مطلوب ہے کہ ان کے فضل کے بارے میں سلف صالحین سے کوئی اثر وارد ہوا یا کوئی جز وارد ہوئی ہے؟ اور کیا ''مباح بدعت'' کیلئے اجتماع جائز ہے یا ناجائز؟ جب ان محافل واذکار کے سبب یا نماز تراویح کے سبب مردوں اور عورتوں اختلاط و اجتماع ہو تو کیا یہ اختلاط واجتماع جائز ہے؟ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ مردوزن کی موانست، ایک دوسرے سے بات چیت اور ایک دوسرے کے کام کرنا جو شرعاً ناپسند ہوں وہ بھی دیکھنے میں آئیں۔ جبکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس جگہ فساد غالب ہو، وہاں مصلحت ''حرام'' ہوتی ہے۔ نماز تراویح سنت ہے۔ لیکن اس کے سبب سے مذکورہ اسباب حاصل ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں لوگوں کو اس فعل سے منع کیا جانا چاہئے یا اس کا کوئی ضرر نہیں؟

جواب: ہمارے ہاں محافل میلاد اور جو اذکار کیے جاتے ہیں وہ اکثر و بیشتر اچھائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صدقہ کرنا، ذکر کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور آپ کی مدح کرنا۔

اور یہ شر پر بھی مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر ان شریر حرکات وافعال میں صرف یہی ایک فعل ہوتا جو عورتیں غیر محرم مردوں کو دیکھتی ہیں۔ تو یہی ایک کافی تھا۔ اور کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں شر نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے کام بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات شک وشبہ سے خالی ہے۔ کہ قسم اول (جن میں شر ہوتا ہے) ممنوع ہیں۔ کیونکہ مشہور قانون وقاعدہ ہے۔ جسے تسلیم کیا گیا ہے۔ "اِنَّ دَرْءَ الْمَفَاسِدِ مُقَدَّمٌ عَلٰی جَلْبِ الْمَصَالِحِ" مفاسد کا قلع قمع کرنا مصلحتوں کے حصول سے مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو یہ علم ہو کہ جو میں اس سلسلہ میں کرتا ہوں اس میں شر واقع ہے۔ تو وہ گنہگار ہے۔ نافرمان ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس نے اس میں عمل خیر کیا ہے تو بعض دفعہ اس کی خیر اس کے شر کے برابر نہیں ہوتی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر سے اسی قدر پر اکتفا کیا۔ جو آسان ہو۔ اور شر کی تمام اقسام کو جڑ سے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔ "اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَهَيْتُکُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ" جب میں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس میں سے بجالاؤ۔ اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں غور کرو گے تو اس کی تائید کرو گے جو میں نے کہا۔ وہ یہ کہ شر اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اس میں سے کچھ کی بھی رخصت نہیں۔ اور نیکی اتنی ہی کافی ہے جس قدر آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

قسم ثانی (جن محافل میں اچھائی کی باتیں ہوتی ہیں) سنت ہے۔ اس کی تائید میں وہ احادیث موجود ہیں۔ جواذ کار مخصوصہ اور عامہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهٗ رواہ مسلم۔ جب بھی کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بیٹھتی ہے تو اسے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اور اطمینان وسکون کی دولت ان پر اترتی ہے اور ایسی قوم کا تذکرہ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے قریب ہیں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ اس کی حمد وثنا کہتے ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت بخشی۔ فرمایا۔ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلٰئِكَةَ۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ ان (ذکر کرنے والوں کا) اللہ تعالیٰ فرشتوں

کے سامنے فخریہ تذکرہ کرتا ہے۔

ان دونوں احادیث میں اس بات پر واضح تر دلیل ہے۔ کہ نیکی اور بھلائی کی خاطر اجتماع بہت افضل ہے۔ اور اس کیلئے بیٹھنا بھی بہت بہتر ہے۔ اور اس مقصد کی خاطر بیٹھنے والے بھی صاحب خیر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کا فرشتوں کے سامنے فخریہ تذکرہ کرتا ہے۔ ان پر اطمینان وسکون قلب کی دولت اترتی ہے۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ایسی جماعت کی تعریف کرتا ہے۔ ان فضائل سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے؟

اور سائل کا یہ دریافت کرنا کہ "مباح بدعت" کیلئے اجتماع جائز ہے؟ اس کا جواب ہے۔ ہاں یہ جائز ہے۔ حضرت علامہ عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "بدعت" وہ فعل ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جانا پہچانا نہ تھا۔ اس کی پانچ اقسام ہیں۔ یا اس کے پانچ احکام ہیں۔ یعنی وجوب، ندب، الی آخرہ۔ ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے۔ کہ تم "بدعت" کو شرعی قواعد پر پیش کرو۔ تو جس قاعدہ کے تحت بدعت آئے گی۔ وہ اسی درجہ میں شمار ہوگی۔ بدعات میں سے کچھ "واجب" ہیں۔ جیسا کہ علم نحو کا سیکھنا سکھانا۔ کیونکہ اس سے قرآن وسنت کا فہم حاصل ہوتا ہے۔ بعض بدعات "حرام" ہیں۔ جیسا کہ قدایہ وغیرہ کے مذاہب۔ "مندوب بدعت" کی مثال مدارس اسلامیہ کا بنایا جانا اور نماز تراویح کیلئے جمع ہونا ہے۔ "مباح بدعت" یہ ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔ "مکروہ بدعت" مسجدوں کا بناؤ سنگھار اور قرآن کریم کا جڑاؤ۔ لیکن جڑاؤ سونے کے علاوہ ہو ورنہ یہ بدعت حرام کے تحت آجائے گی۔ اور حدیث پاک میں جو آیا ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی جہنم کی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔ اس سے مراد "بدعت حرام" ہے۔ دوسری چار اقسام نہیں۔

اور جب اس قسم کی محافل اور اجتماعات میں جو ذکر یا نماز تراویح کیلئے منعقد کیے گئے ہوں۔ ان میں "محرمات" داخل ہوں۔ تو ہر صاحب قدرت پر لازم ہے کہ خود بھی ان میں جانے سے رکے اور دوسروں کو بھی ان میں جانے سے روکے۔ ورنہ (قدرت ہونے کے باوجود نہ روکنے کی صورت میں) وہ بھی ان کا ساتھی شمار ہوگا۔ اسی وجہ سے امام بخاری اور مسلم نے تصریح کی ہے۔ اِنَّ مِنَ الْمَعَاصِيَ اَلْجُلُوْسُ مَعَ الْفُسَّاقِ اِيْنَاسًا لَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ آدمی فاسق لوگوں کے پاس ان سے انس ومحبت کے اظہار کیلئے بیٹھے۔ اِنْتَهَتْ فَتْوىٰ الْاِمَامِ ابْنِ حَجَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

"جواہر البحار فی فضائل النبی المختار" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری جلد بارہ ربیع الاول بروز پیر مطابق ۲۶ جن ۱۳۰۱ھ کو مکمل ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ اور دن ہے۔ اس کو جمع کرنے اور تصحیح طبع کی سعادت فقیر یوسف نبہانی کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے والدین اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے والوں کی مغفرت فرمائے۔ اور آپ کی آل کے طفیل اس کی تکمیل میں مدد فرمائے۔ آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

۹ ربیع الاول ۲۰ س ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۹۷ء بروز پیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے
جلد ثالث کا اردو ترجمہ انگلستان کی سرزمین پر مکمل ہوا۔ محمد شرف الدین